تاریخِ احمدیت

جلد اوّل

ابتداء سے لے کر ۱۸۹۷ء تک

مؤلفہ

دوست محمد شاہد

نام کتاب	:	تاریخ احمدیت جلد اوّل
مرتبہ	:	مولانا دوست محمد شاہد
طباعت موجودہ ایڈیشن	:	2007
تعداد	:	2000
شائع کردہ	:	نظارت نشر و اشاعت قادیان
مطبع	:	پرنٹ ویل امرتسر

ISBN - 181-7912-108-9

TAAREEKHE-AHMADIYYAT

(History of Ahmadiyyat

Vol-1 (Urdu)

By: Dost Mohammad Shahid

Present Edition : 2007

Published by: Nazarat Nashro Ishaat Qadian-143516

Distt. Gurdaspur (Punjab) INDIA

Printed at : Printwell Amritsar

ISBN - 181-7912-108-9

بسم اللہ الرحمن الرحیم   نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

دیباچہ

"تاریخ احمدیت" کی تدوین کا آغاز سیدنا وامامنا حضرت مصلح موعودؓ کی خصوصی تحریک اور روحانی توجہ کی بدولت جون 1953ء میں ہوا۔ اور ادارۃ المصنفین کی کوشش سے اس کی پہلی جلد دسمبر 1958ء میں اور دوسری 1959ء میں منظر عام پر آئی۔ اس وقت تک اس کی انیس جلدیں شائع ہو چکی ہیں جو ابتدا سے لے کر 1957ء تک کے حالات پر مشتمل ہیں۔ سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کے ارشاد مبارک پر اس کی مطبوعہ جلدوں کو سیٹ کی صورت میں شائع کیا جا رہا ہے۔ موجودہ جلد جو سابقہ ابتدائی دو جلدوں پر مشتمل ہے اسی سکیم کی پہلی کڑی ہے۔

موجودہ ایڈیشن کی بعض خصوصیات یہ ہیں۔ (1) نئی تحقیقات کی روشنی میں اس کے متن اور حواشی میں مفید اضافے کئے گئے ہیں۔ (2) حواشی فٹ نوٹ کی بجائے باب یا فصل کے آخر میں دیئے گئے ہیں۔ (3) کتاب کے آخر میں مفصل اشاریہ بھی شامل اشاعت کیا گیا ہے۔

سیدنا حضرت مصلح موعود نے ابتداء ہی سے یہ ہدایت فرمائی تھی کہ جونہی کوئی جلد شائع ہو قارئین کی قیمتی آراء اور مشوروں کے بارے میں فائل کھول دی جائے۔ یہ مفید سلسلہ شعبہ تاریخ کی طرف سے پورے التزام کے ساتھ جاری ہے۔ اور زیر نظر جلد پر نظر ثانی کرتے ہوئے اس کو خاص طور پر مدنظر رکھا گیا ہے۔

حدیث نبویؐ "من لم یشکر الناس لم یشکر اللہ" (جامع الصغیر للسیوطیؒ) کے مطابق یہ تذکرہ ضروری ہے کہ مولانا ریاض محمود باجوہ صاحب مربی سلسلہ (شعبہ تاریخ احمدیت) اور مولانا نعمت اللہ بشارت صاحب (سابق مربی ڈنمارک) نے کتاب کی پروف ریڈنگ اور اشاریہ تیار کرنے میں نہایت درجہ محنت اور عرقریزی سے کام کیا ہے۔ اسی طرح مکرم چوہدری محمد صدیق صاحب سابق انچارج خلافت لائبریری ربوہ اور جناب حبیب الرحمٰن صاحب زیروی انچارج خلافت لائبریری اور ان کے جملہ معاونین کا گراں قدر تعاون بھی باعث تشکر و امتنان ہے۔ اللہ تعالیٰ ان سب کو اپنی برکات کے عطر سے ممسوح کرے۔ آمین۔

خدا کے فضل و کرم اور اس کی دی ہوئی توفیق سے شعبہ تاریخ 1983ء کی وقائع نگاری کے مرحلہ میں داخل ہو گیا ہے۔ احباب دعا کریں کہ شعبہ تاریخ جلد از جلد سلسلہ کی سو سالہ تاریخ کی تدوین اور اشاعت کی توفیق پا سکے۔ اور یہ کتاب ہر اعتبار سے بابرکت ثابت ہو۔ وما توفیقنا الا باللہ العلی العظیم۔

ناشر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش لفظ

اللہ تعالیٰ کا یہ بہت بڑا احسان ہے کہ اس نے ہمیں حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی میں داخل فرماتے ہوئے اس زمانہ کے مصلح امام مہدی و مسیح موعود علیہ السلام کو ماننے کی توفیق عطا کی۔ قرونِ اولیٰ میں مسلمانوں نے کس طرح دُنیا کی کایا پلٹ دی اس کا تذکرہ تاریخ اسلام میں جا بجا پڑھنے کو ملتا ہے۔ تاریخ اسلام پر بہت سے مؤرخین نے قلم اٹھایا ہے۔

کسی بھی قوم کے زندہ رہنے کیلئے اُن کی آنے والی نسلوں کو گذشتہ لوگوں کی قربانیوں کو یاد رکھنا ضروری ہوا کرتا ہے تا وہ یہ دیکھیں کہ اُن کے بزرگوں نے کس کس موقعہ پر کیسی کیسی دین کی خاطر قربانیاں کی ہیں۔ احمدیت کی تاریخ بہت پرانی تو نہیں ہے لیکن خدا تعالیٰ کے فضل سے الٰہی ثمرات سے لدی ہوئی ہے۔ آنے والی نسلیں اپنے بزرگوں کی قربانیوں کو ہمیشہ یاد رکھ سکیں اور اُن کے نقشِ قدم پر چل کر وہ بھی قربانیوں میں آگے بڑھ سکیں اس غرض کے مدنظر ترقی کرنے والی قومیں ہمیشہ اپنی تاریخ کو مرتب کرتی ہیں۔

احمدیت کی بنیاد آج سے ایک سو اٹھارہ سال قبل پڑی۔ احمدیت کی تاریخ مرتب کرنے کی تحریک اللہ تعالیٰ نے حضرت مصلح موعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دل میں پیدا فرمائی۔ اس غرض کیلئے حضور انور رضی اللہ عنہ نے محترم مولانا دوست محمد صاحب شاہد کو اس اہم فریضہ کی ذمہ داری سونپی جب اس پر کچھ کام ہو گیا تو حضور رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کی اشاعت کی ذمہ داری ادارۃ المصنفین پر ڈالی جس کے نگران محترم مولانا ابو المنیر نور الحق صاحب تھے۔ بہت سی جلدیں اس ادارہ کے تحت شائع ہوئی ہیں بعد میں دفتر اشاعت ربوہ نے تاریخِ احمدیت کی اشاعت کی ذمہ داری سنبھال لی۔ جس کی اب تک 19 جلدیں شائع ہو چکی ہیں۔

ابتدائی جلدوں پر پھر سے کام شروع ہوا اس کو کمپوز کر کے اور غلطیوں کی درستی کے بعد دفتر اشاعت ربوہ نے

اس کی دوبارہ اشاعت شروع کی ہے۔ نئے ایڈیشن میں جلد نمبر ا۔ ۲۔ کو ایک جلد میں شائع کیا گیا اس طرح جلد نمبر ۳ نئے ایڈیشن میں جلد نمبر ۲ ہے۔ اسی طرح نئے ایڈیشن میں سب جلدوں کے نمبر پہلے ایڈیشن کے بالمقابل ہر جلد کا ایک نمبر پیچھے آیا ہے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے قادیان سفر کے دوران تاریخِ احمدیت کی تمام جلدوں کو ہندوستان سے بھی شائع کرنے کا ارشاد فرمایا چنانچہ حضور انور ایدہ اللہ کے ارشاد پر نظارت نشر و اشاعت قادیان بھی تاریخِ احمدیت کے مکمل سیٹ کو شائع کر رہی ہے ایڈیشن اول کی تمام جلدوں میں جو غلطیاں سامنے آئی تھیں ان کی بھی تصحیح کر دی گئی ہے۔ اس وقت جو جلد آپ کے ہاتھ میں ہے یہ جلد اوّل کے طور پر پیش ہے۔ دُعا کریں کہ خدا تعالیٰ اس اشاعت کو جماعت احمدیہ عالمگیر کیلئے ہر لحاظ سے مبارک اور بابرکت کرے۔ آمین۔

خاکسار

برہان احمد ظفر درّانی

(ناظر نشر و اشاعت قادیان)

فہرست مضامین کتاب ''تاریخ احمدیت'' جلد اول

مضمون	صفحہ
باب اول	
سلسلہ احمدیہ کا مختصر تعارف	
قیام کا مقصد، نصب العین، دیگر مسلم تحریکات کے مقابل اس کی امتیازی خصوصیات اور اس کے عظیم الشان دینی کارناموں پر ایک طائرانہ نظر	۱
باب دوم	
حضرت مسیح موعودؑ کے خاندانی حالات	
سمرقند سے ہجرت	۳۱
پنجاب میں ایک مثالی اسلامی ریاست کا قیام اور قادیان کی تاسیس	۳۲
حضرت مرزا گل محمد صاحب کا دور اقتدار	۳۲
حضرت مسیح موعودؑ کے خودنوشت خاندانی حالات	۳۵
سر لیپل گریفن اور کرنل میسی کی شہادت	۳۹
شجرۂ نسب	؟
باب سوم	
(۱۸۳۵ء - ۱۸۵۳ء)	
پاکیزہ بچپن	۵۱
تعلیم	۵۳
آنحضرت ﷺ کی زیارت	۵۷
باب چہارم	
(تخمیناً ۱۸۵۰ء - ۱۸۵۴ء)	
پہلی شادی	۶۱
خلوت نشینی	۶۱
خدمت دین کی ابتدائی مہم	۶۲
قرآن مجید کا کثرت سے مطالعہ	۶۴
صحت کی خرابی	۶۵
خدمت خلق اور غرباء پروری	۶۶
باب پنجم	
(۱۸۵۴ء - ۱۸۶۳ء)	
مقدمات کی پیروی۔ راست گوئی	۶۹
مقدمات میں آپ کی امتیازی خصوصیات	۷۱
منکسر المزاجی اور حسن خلق کے نادر اور بے مثال نمونے	۷۴
مقدمات میں انقطاع الی اللہ	۷۶
باب ششم	
سیالکوٹ میں قیام اور تبلیغ اسلام کی مہم کا آغاز	
(۱۸۶۴ء - ۱۸۶۷ء)	
ملازمت میں خدائی حکمتیں	۸۰
سیالکوٹ میں آپ کی قیام گاہیں اور حفاظت الٰہی کے نظارے	۸۱

مضمون	صفحہ
سرکاری ملازمت میں آپ کا معمول اور شانِ استغناء	۸۲
دفتری اوقات کے بعد آپ کے مشاغل و معمولات	۸۴
سیالکوٹ میں بعض پیشگوئیوں کا ظہور اور قیام کے مختصر حالات	۸۶
حضرت اقدسؑ کی طرف سے تبلیغ اسلام کی مہم کا آغاز	۸۷
پورے ہندوستان کو عیسائیت کے زیر نگیں کرنے کی برطانوی سازش	۸۸
سیالکوٹ مشن کی خصوصیت	۹۰
سیالکوٹ میں حضرت مسیح موعودؑ کا عیسائیت کے خلاف تبلیغی محاذ اور پادری بٹلر سے تبادلہ خیالات	۹۲
آپ کی پاکیزہ جوانی کے متعلق چند شہادتیں	۹۳
مولوی سید میر حسن صاحب سیالکوٹی کے قلم سے حضورؑ کے زمانہ سیالکوٹ کے مفصل حالات	۹۵
ملازمت سے استعفیٰ	۱۰۰
آپ کی والدہ حضرت چراغ بی بی صاحبہ کا انتقال	۱۰۱
حضرت کی والدہ ماجدہؓ کے اخلاق و شمائل	۱۰۱
تاریخ وفات کی تعیین	۱۰۳
مزار مبارک	۱۰۳
باب ہفتم (۱۸۶۷ء تا ۱۸۷۱ء)	
ریاست کپورتھلہ کے سررشتہ تعلیم کی افسری سے انکار اور یادِ الٰہی کے لئے حضرت والد صاحب سے کلیۃً فراغت کی درخواست	۱۱۰
ایک نہایت اہم خدائی بشارت	۱۱۱
عیسائیت کی روک تھام	۱۱۳
مولوی قدرت اللہ کا ارتداد اور واپسی	۱۱۴
لالہ شرمپت کے لئے ایک آسمانی نشان	۱۱۵
باب ہشتم (۱۸۷۲ء تا ۱۸۷۶ء) قلمی جہاد کا آغاز	
ملکی اخبارات میں مضامین کی اشاعت۔	۱۱۸
مولوی اللہ دتہ صاحب لودھی ننگل سے مسئلہ حیات النبی وغیرہ پر مذاکرہ	۱۱۹
۱۸۷۲ء میں آپکی روزمرہ زندگی کی ایک جھلک	۱۲۰
سلسلہ تعلیم و تدریس	۱۲۱
بھائی کشن سنگھ صاحب کا بیان	۱۲۲
شعری کلام کی ابتداء اور دیوان کی تسوید	۱۲۲
ایک مقدمہ میں آسمانی نشان کا ظہور	۱۲۴
آسمانی بادشاہت' درویشوں کی جماعت اور اقتصادی کشائش عطا ہونے کی بشارت	۱۲۵
مسجد اقصیٰ کی تعمیر	۱۲۵
روزوں کا عظیم مجاہدہ اور عالم روحانی کی سیر	۱۲۸
حضرت میر ناصر نواب صاحب کی قادیان میں پہلی بار آمد اور تعلقات کا آغاز	۱۳۰
حضرت مولانا عبد اللہ غزنویؒ اور دوسرے اہل اللہ سے ملاقات	۱۳۲

مضمون	صفحہ
مولانا غزنوی کی وفات کے متعلق قبل از وقت خبر	۱۳۳

باب نہم

(۱۸۷۶ء تا ۱۸۷۷ء)

مضمون	صفحہ
والد ماجد کے انتقال کی قبل از وقت خبر	۱۳۷
والد ماجد کا انتقال	۱۳۸
حضرت مرزا غلام مرتضٰی کا حلیہ مبارک اور سیرت	۱۳۸
خدا تعالیٰ کا ان سے غیر معمولی سلوک	۱۴۲
آپ کی زندگی کا شاندار کارنامہ	۱۴۲
والد کی وفات کے بعد خدا تعالیٰ کی کفالت	۱۴۳
کثرت مکالمات و مخاطبات کی ابتداء	۱۴۴
مرزا غلام قادر صاحب کی جانشینی اور دور ابتلاء	۱۴۴
حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کے خلاف پہلا مقدمہ	۱۴۶
سفر سیالکوٹ	۱۴۸
منشی سراج الدین صاحب مرحوم بانی اخبار 'زمیندار' کا قادیان میں ورود	۱۴۸
قادیان سے ایک سیاہ کار سادھو کا اخراج	۱۴۹
''نعمۃ الباری'' کی تصنیف کا ارادہ	۱۴۹

باب دہم

(۱۸۷۸ء تا ۱۸۷۹ء)

مضمون	صفحہ
آریہ سماج اور برہمو سماج کے خلاف جہاد	
حضرت مسیح موعودؑ کا انعامی چیلنج اور اسلام کی پہلی فتح	۱۵۳
باوانارائن سنگھ صاحب میدانِ مقابلہ میں	۱۵۴
پنڈت کھڑک سنگھ سے مباحثہ' اس کا فرار اور اسلام کی دوسری فتح	۱۵۵
آریہ سماجی لیڈروں کو دوسرا چیلنج	۱۵۶
پنڈت شو نرائن اگنی ہوتری کا تبصرہ اور اسلام کی تیسری فتح	۱۵۷
اسلام کی چوتھی فتح	۱۵۹
پنڈت شو نرائن اگنی ہوتری کا فیصلہ	۱۵۹
ایک آریہ سماجی مصنف کا بیان	۱۶۲
آریہ سماج کے بعد برہمو سماج سے تحریری مباحثہ	۱۶۳
برہمو سماج تحریک کی ناکامی	۱۶۴
ایک رات میں بے مثال روحانی انقلاب	۱۶۵
اس دور کی شاندار اسلامی خدمات کا اعتراف	۱۶۵

باب یازدہم

۱۸۸۰ء تا ۱۸۸۴ء

مضمون	صفحہ
'براہین احمدیہ' کی انقلاب انگیز تصنیف و اشاعت	
'براہین احمدیہ' کی تالیف کا پس منظر اور حضور کا ایک کشف	۱۷۰
'براہین احمدیہ' کو ملک بھر کے مسلم حلقوں کی طرف سے بے مثال خراج عقیدت	۱۷۲
مخالفین اسلام کے کیمپ میں کھلبلی	۱۷۹
حضرت اقدس کی بے سروسامانی اور تائید غیبی کے لئے دعا اور خدائی بشارت	۱۸۳

مضمون	صفحہ
عامۃ المسلمین اور روٴساء کو تحریک	۱۸۴
خدا پر ایمان افروز توکل	۱۸۴
کتاب کی اشاعت میں جذبہ خدمت دین کی نمایاں جھلک	۱۸۵
امراء کی انتہادرجہ سردمہری	۱۸۶
نواب صدیق حسن خان صاحب کا 'براہین' کے متعلق ناروا طرز عمل	۱۸۸
'براہین احمدیہ' کی اشاعت ایک معجزہ تھی	۱۸۸
ابتدائی تصنیف کا مسودہ' نقل' کتابت اور طباعت	۱۸۹
'براہین احمدیہ' کے مختلف حصص کا سن اشاعت	۱۹۱
زمانہ 'براہین احمدیہ' مسلسل جہاد تھا	۱۹۱
براہین احمدیہ کے اگلے حصوں کی اشاعت میں التواء اور کتاب کی قیمت کی واپسی کا اعلان	۱۹۲
الہامات کے لئے روزنامچہ نویس کا تقرر	۱۹۳
اس زمانہ کی عظیم الشان پیشگوئیاں اور نشانات	۱۹۴
اس زمانہ کی عظیم الشان پیشگوئیاں اور نشانات	۱۹۴
اعجازی شفاء کا ایک نشان	۱۹۵
ماموریت کا پہلا سال (۱۸۸۲ء)	
خلعتِ ماموریت سے سرفرازی	
ماموریت کا پہلا الہام	۱۹۹
دنیا میں نشان نمائی کی پہلی باطل شکن دعوت	۲۰۵
قادیان کی گمنام حالت اور رجوع خلائق کا آغاز	۲۰۷
حضرت مولانا نورالدین صاحب شاہی طبیب کا قادیان کی طرف پہلا تاریخی سفر	۲۱۰
ماموریت کا دوسرا سال (۱۸۸۳ء)	
مسجد مبارک کی تعمیر	۲۱۸
قدیم مسجد مبارک کا اندرونی منظر اور بالائی منزل	۲۱۹
مسجد کی توسیع	۲۲۰
حضرت اقدسؑ کی دعا سے نواب صدیق حسن خان صاحب کے خطابات کی بحالی	۲۲۱
مرزا غلام قادر صاحب (برادر اکبر) کی رحلت	۲۲۲
مقام ماموریت سے متعلق بعض مزید تفصیلات	۲۲۶
مسلمانانِ عالم کے روشن مستقبل کے متعلق ایک خبر	۲۲۷
بانی آریہ سماج پر آخری اتمام حجت	۲۲۸
ماموریت کا تیسرا سال (۱۸۸۴ء)	
لدھیانہ کے عقیدت مندوں کا اصرار	۲۳۱
لدھیانہ میں تشریف آوری اور بے مثال استقبال	۲۳۲
لدھیانہ میں معمولات	۲۳۷
لدھیانہ کا دوسرا سفر	۲۳۸
سفر مالیر کوٹلہ	۲۳۸
سفر انبالہ' پٹیالہ و سنور	۲۳۹
ایک نہایت مبارک اور مقدس خاندان کی بنیاد	
دوسری شادی' مبشر اولاد	۲۴۲
برات کی دہلی روانگی اور قادیان واپسی	۲۴۴
پہلی بیوی سے حسن سلوک	۲۵۰

ماموریت کا چوتھا سال (۱۸۸۵ء)

دعویٰ ماموریت اور نشان نمائی کی عالمگیر دعوت

مضمون	صفحہ
منشی اندرمن صاحب مراد آبادی کا فرار	۲۵۴
پنڈت لیکھرام کا مصلحت آمیز کارروائیوں کے ساتھ فرار	۲۵۶
پادری سوفٹ کا گریز	۲۶۱
حضرت مسیح موعودؑ کی طرف سے چالیس روزہ میعاد کا تعین	۲۶۳
مقامی ہندوؤں کی طرف سے نشان نمائی کی درخواست	۲۶۳
بیت اللہ شریف اور میدان عرفات میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی دردانگیز دعا	
حضرت صوفی احمد جان صاحب کی زبان سے	۲۶۴
سرخی کے کشفی چھینٹوں کا حیرت انگیز نشان	۲۶۷
نشان کے متعلق حضرت منشی صاحب کا حلفیہ بیان	۲۶۸
شہب ثاقبہ کا آسمانی نظارہ	۲۶۹

ماموریت کا پانچواں سال (۱۸۸۶ء)

ہوشیار پور کا مبارک سفر

''پسر موعود'' کے متعلق عظیم الشان پیشگوئی

مضمون	صفحہ
گزشتہ نوشتوں میں پسر موعود کی پیشگوئی	۲۷۳
ہوشیار پور کا مبارک سفر	۲۷۴
پسر موعود اور جماعت کی ترقی سے متعلق زبردست پیشگوئی	۲۷۶
پیشگوئی کا ردعمل	۲۷۹
صاحبزادی عصمت کی پیدائش اور بشیر اول کی وفات پر طوفان بے تمیزی	۲۸۱
''سبز اشتہار'' کی اشاعت	۲۸۲
بشیر ثانی اور محمود کی ولادت باسعادت	۲۸۳
کامل انکشاف کے بعد اطلاع	۲۸۴
اکابر جماعت احمدیہ کا قطعی مسلک	۲۸۵
پسر موعود کے متعلق مبینہ علامات کا خارق عادت رنگ میں ظہور اور زبردست شہادتیں	۲۸۶
''وہ تین کو چار کرنے والا ہوگا''	۲۸۹
پیشگوئی مصلح موعود اور مولف ''مجدد اعظم''	۲۹۲
ماسٹر مرلی دھر صاحب آف ہوشیار پور سے مباحثہ	۲۹۶
''سرمہ چشم آریہ'' کی تصنیف و اشاعت	۲۹۹
حق و باطل کے فیصلہ کی ایک آسان صورت اور دعوت مباہلہ	۳۰۱
سفر انبالہ	۳۰۲

ماموریت کا چھٹا سال (۱۸۸۷ء)

آریہ سماج کا طوفان۔ بے تمیزی اور تصنیف واشاعت ''شحنہ حق''

مضمون	صفحہ
''رسالہ قرآنی صداقتوں کا جلوہ گاہ''	۳۰۵
ہجرت کا ارادہ	۳۰۶

مضمون	صفحہ
امریکہ میں آپ کی دعوت نشان نمائی کی بازگشت ۔ مسٹر الیگزینڈر رسل ویب سے خط وکتابت اوران کاقبول اسلام	۳۰۶
حضرت مولانا حسن علی کے بیان کردہ واقعات	۳۰۸
سفرانبالہ	۳۱۱
تصدیق براہین احمدیہ کی تصنیف	۳۱۲
ماموریت کاساتواں سال (۱۸۸۸ء)	
حضرت اقدس مسیح موعودؑ کے جدی خاندان سے متعلق خداتعالیٰ کاایک قہری نشان	
مولوی محمدامام الدین صاحب سے خط وکتابت	۳۱۵
آپ کے جدی خاندان کی طرف سے مخالفین اسلام کی پشت پناہی	۳۱۶
ایک روح فرساواقعہ اورنشان نمائی کا مطالبہ	۳۱۷
حضرت مسیح موعودؑ کی دعااورالٰہی خبر	۳۱۷
مرزا احمد بیگ کی دختر محمدی بیگم سے متعلق خدائی تحریک	۳۱۹
پیشگوئی کاپبلک حیثیت اختیارکرنا	۳۲۰
''نورافشاں'' کاطوفان بے تمیزی اور حضرت اقدس کاجواب	۳۲۰
مسلمانوں کی طرف سے پیشگوئی کے ظہور کیلئے دعائیں	۳۲۱
پیشگوئی کے بعض حیرت انگیز پہلواور پیشگوئی کاظہور	۳۲۲
علماء کودعوت مباہلہ اور پرشوکت اعلان	۳۲۳

مضمون	صفحہ
مرزا سلطان محمد صاحب کااظہارحق	۳۲۴
محمدی بیگم کی ایک خواب	۳۲۵
خاندان مرزااحمد بیگ کے اکثر افراد کی جماعت احمدیہ میں شمولیت	۳۲۵
مرزا سلطان محمد صاحب کے بیٹے کااعلان بیعت	۳۲۵
پادری فتح مسیح کی طرف سے روحانی مقابلہ کی دعوت اورشکست کااعتراف	۳۲۷
سفرپٹیالہ	۳۳۰
واپسی پرایک حادثہ	۳۳۲
ماموریت کاآٹھواں سال (۱۸۸۹ء)	
اشتہار ''تکمیل تبلیغ'' اورلدھیانہ میں بیعت اولیٰ	
بیعت کے لئے حکم الٰہی	۳۳۵
اشتہار ''تکمیل تبلیغ وگزارش ضروری''	۳۳۶
لدھیانہ میں ورود	۳۳۷
بیعت کے لئے لدھیانہ پہنچنے کاارشاد	۳۳۸
ہوشیارپورمیں شیخ مہرعلی صاحب کی ایک تقریب میں شمولیت	۳۳۸
۲۳مارچ ۱۸۸۹ء کو بیعت اولیٰ کاآغاز	۳۳۹
خاکہ دارالبیعت لدھیانہ	۳۴۰
عورتوں کی بیعت	۳۴۲
دوسرے ایام میں بیعت	۳۴۲
بیعت کے بعد نصائح	۳۴۳
رجسٹر بیعت اولیٰ کی مکمل فہرست	۳۴۳

مضمون	صفحہ
بیعت اولیٰ کی تاریخ اور اس کے رجسٹر کے بارہ میں جدید تحقیق	۳۶۲
قیام لدھیانہ کے دو واقعات	۳۷۴
سفر علی گڑھ	۳۷۶
ایک عیسائی کے تین سوالوں کے جوابات	۳۷۸
۱۸۸۹ء کے بعض دیگر صحابہ	۳۷۸
ماموریت کا نواں اور دسواں سال	
(۱۸۹۰ء - ۱۸۹۱ء)	
دعویٰ مسیحیت	
شدید علالت	۳۸۴
مخالفت کا طوفان اور آپ کے خلاف فتویٰ تکفیر	۳۸۷
قتل کرنے کی سازش	۳۸۹
مسلمانان ہند کے روشن خیال عناصر کا رد عمل	۳۹۱
سفر لدھیانہ	۳۹۲
نواب علی محمد خان صاحب لدھیانوی کی وفات	۳۹۴
انگریزی حکومت کے زوال سے متعلق الہام اور پادریوں کو دعوت مذاکرہ	۳۹۵
سفر امرتسر و لدھیانہ	۳۹۵
علماء وقت کو تحریری مباحثہ کی دعوت	۴۰۰
مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی کا تحریری مباحثہ سے انکار	۴۰۱
دو سجادہ نشینوں کو دعوت	۴۰۱
مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی کو تقریری مباحثہ کی دعوت اور ان کا انکار	۴۰۲
سعید روحوں کی خدائی جماعت میں شمولیت	۴۰۳
مباحثہ ''الحق'' لدھیانہ	۴۰۶
مولوی نظام الدین صاحب کی بیعت کا واقعہ	۴۰۶
مباحثے کا آغاز۔ ایک معجزہ	۴۰۸
مباحثہ کے تفصیلی کوائف بیان کردہ پیر سراج الحق صاحب	۴۰۹
میر عباس علی صاحب کا ارتداد	۴۱۱
حضرت مسیح موعودؑ کا سفر امرتسر اور لدھیانہ میں دوبارہ تشریف آوری	۴۱۳
''ازالہ اوہام'' کی تصنیف و اشاعت	۴۱
لفظ توفی اور الدجال کے بارے میں ایک ہزار روپیہ کا انعامی اعلان	۴۱۷
مغرب سے آفتاب اسلام کے طلوع کی پیشگوئی	۴۱۸
فتنہ دجال کی حقیقت	۴۱۹
ایک عجیب انکشاف	۴۱۹
توفی اور الدجال کے بارہ میں ایک ہزار روپیہ کا انعامی اشتہار	۴۲۰
مسیح اور مہدی ایک ہیں	۴۲۰
دہلی کا سفر	۴۲۱
سید نذیر حسین صاحب دہلوی اور مولوی عبدالحق صاحب کو مباحثہ کی دعوت	۴۲۲
جامع مسجد دہلی میں اجتماع	۴۲۴
دہلی کے ہر طبقے کی طرف سے مخالفت	۴۲۸
علی جان والوں کی طرف سے مولوی محمد بشیر صاحب	

مضمون	صفحہ
کو دعوت مباحثہ	۴۳۰
مولوی محمد بشیر صاحب دلی میں	۴۳۲
مباحثے کا آغاز	۴۳۳
سفر لدھیانہ و پٹیالہ	۴۳۵
مولوی محمد اسحاق صاحب پر اتمام حجت	۴۳۶
''آسمانی فیصلہ'' کی تصنیف و اشاعت اور علماء کو	
روحانی مقابلہ کی پہلی عام دعوت	۴۳۵
پہلا سالانہ جلسہ	۴۴۰
مستقل رنگ میں سالانہ جلسہ کے انعقاد کا فیصلہ	۴۴۱
۱۸۹۲ء کے دوسرے جلسہ کی روداد	۴۴۲
سالانہ جلسہ کے اجراء میں مشکلات اور تائید غیبی	۴۴۴
سالانہ جلسے کے سو سالہ اعداد و شمار	۴۴۵
۹۱-۱۸۹۰ء کے بعض صحابہ	۴۴۸
ماموریت کا گیارھواں سال (۱۸۹۲ء)	
سفر لاہور میں ایک فاتر العقل شخص کا حملہ	۴۵۴
حضرت اقدسؑ کی طرف سے صبر کا ایک	
بے نظیر نمونہ	۴۵۴
جلسہ عام میں حضرت اقدسؑ کی تقریر	۴۵۶
مولوی عبدالحکیم صاحب کلانوری سے مباحثہ	۴۵۷
تقدیر کے مسئلہ پر تقریر	۴۵۸
سفر سیالکوٹ	۴۵۸
زائرین کا ہجوم اور پاک مجلس	۴۵۹
ڈاکٹر سر محمد اقبال صاحب اور ان کے والد	
اور برادر اکبر کی عقیدت و بیعت سے متعلق	

مضمون	صفحہ
ایک ضمنی نوٹ	۴۶۰
مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی کی مخالفانہ کوشش	
اور ناکامی	۴۶۱
سفر کپورتھلہ، جالندھر، لدھیانہ	۶۴۲
''نشان آسمانی'' کی تصنیف و اشاعت	۴۶۴
مکفر علماء کو مباہلہ کی پہلی دعوت	۴۶۵
حضرت اقدس میدان مباہلہ میں اور	
مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی کا گریز	۴۶۵
مباہلے کے بعد مباحثے کا چیلنج اور علماء کا فرار	۴۶۷
۱۸۹۲ء کے بعض صحابہ	۴۶۸
ماموریت کا بارھواں سال (۱۸۹۳ء)	
''آئینہ کمالات اسلام'' اور ''التبلیغ'' کی اشاعت	۴۷۲
سرور کونینؐ کی شان اقدس میں مدحیہ قصیدہ	۴۷۴
فارسی نعت	۴۷۵
ملکہ وکٹوریہ کو دعوت اسلام	۴۷۵
حضرت خواجہ غلام فرید صاحب چاچڑاں شریف	
کا خراج عقیدت	۴۷۶
پنڈت لیکھرام سے متعلق پیشگوئی	۴۷۷
حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب کی ولادت	۴۷۸
حضرت صاحبزادہ صاحب کی بلند پایہ تالیفات	
اور عظیم الشان علمی کارنامے	۴۷۸
تصنیف و اشاعت ''برکات الدعاء''	۴۸۱
ہنری مارٹن کلارک کی طرف سے مباحثہ کا	
چیلنج اور رسالہ ''حجۃ الاسلام'' اور رسالہ	

مضمون	صفحہ
''سچائی کا اظہار'' کی تصنیف واشاعت	۴۸۲
بعض علماء کی عیسائیت نوازی	۴۸۳
جنگ مقدس۔ایک ایمان افروز واقعہ	۴۸۴
باطل فریق کے لئے پیشگوئی	۴۸۵
سفر جنڈیالہ اور قادیان کو واپسی	۴۸۶
''تحفہ بغداد''، ''کرامات الصادقین'' اور ''شہادۃ القرآن'' کی اشاعت	۴۸۹
منشی عطاء محمد صاحب کے لئے نشان کا وعدہ	۴۹۱
قادیان کی طرف (مستقل رنگ میں) ہجرت کا آغاز	۴۹۲
دوستوں سے مل کر رہنے کی خواہش	۴۹۳
حضرت مولانا نورالدین کی ہجرت کا ایمان افروز واقعہ	۴۹۴
سفر فیروزپور	۴۹۵
۱۸۹۳ء کے بعض صحابہ	۴۹۵
ماموریت کا تیرھواں سال (۱۸۹۴ء)	
مرکز اسلام (مکہ مکرمہ) میں حضرت مسیح موعودؑ کی آمد کے تذکرے	
''حمامۃ البشریٰ''، ''نور الحق'' (حصہ اول) کی تصنیف واشاعت	۴۹۹
رمضان میں کسوف وخسوف کا نشان	۵۰۱
''نور الحق'' (حصہ دوم) کی تصنیف واشاعت	۵۰۲
''اتمام الحجۃ'' کی تصنیف اشاعت	۵۰۳
''سر الخلافہ'' کی تصنیف واشاعت	۵۰۳
سرالخلافہ کے ذریعہ سے ایک ہی رات میں انقلاب عظیم	۵۰۳
رجوع الی الحق کے باعث آتھم کو مہلت اور اخفائے حق کی پاداش میں ہلاکت	۵۰۴
'انوارالاسلام' اور 'ضیاء الحق' کی تصنیف واشاعت	۵۰۴
مکذب علماء کا مظاہرہ	۵۰۶
حضرت خواجہ غلام فرید صاحب آف چاچڑاں شریف کا ایمان افروز جواب	۵۰۸
حضرت مسیح موعود کی طرف سے آتھم کو انعامی چیلنج	۵۰۸
ایک سال کا یقینی اور قطعی وعدہ اور آتھم کی ہلاکت	۵۰۹
عیسائیوں کی عالمی کانفرنس میں تحریک احمدیت کے بارے میں انتہائی تشویش کا اظہار	۵۰۹
حضرت مسیح موعودؑ کے خلاف متحدہ سیاسی محاذ اور بغاوت کا الزام	۵۱۰
مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی کا انگریزی حکومت کو انتباہ اور حضرت مسیح موعودؑ کا دفاع	۵۱۳
۱۸۹۴ء کے بعض صحابہ	۵۱۴
تین عظیم الشان علمی انکشافات	
(۱) عربی زبان اُمّ الالسنہ ہے۔	
(۲) حضرت باوا نانک مسلمان تھے۔	
(۳) حضرت مسیح ناصریؑ کا سفر کشمیر اور محلہ خانیار میں مزار	۵۱۷

مضمون	صفحہ
قادیان میں ''ضیاء الاسلام پریس'' مطبع اور کتب خانے کا قیام	۵۱۸
ماموریت کا چودھواں سال (۱۸۹۵ء)	
حضرت صاحبزادہ مرزا شریف احمد صاحب کی ولادت	۵۱۹
اَلدَّار میں کنواں	۵۲۰
عربی زبان کے اُمّ الالسنہ ہونے کی زبردست تحقیق اور ''منن الرحمٰن'' کی تالیف	۵۲۰
عربی کی اشاعت وترویج کے لئے عملی مہم	۵۲۲
حضرت مسیح ناصریؑ کے سفر کشمیر اور مزار کا انکشاف	۵۲۲
واقعہ صلیب کی چشم دید شہادت	۵۲۳
حضرت مسیحؑ کے کفن سے متعلق جرمن سائنس دانوں کا حیرت انگیز انکشاف	۵۲۵
مسیح کے آسمان پر جانے کی انجیلی آیات الحاقی ثابت ہوئیں	۵۲۷
برطانوی سیاح کا انکشاف	۵۲۸
یسوع کے پیروکار	۵۲۹
مسلم محققین کا اعتراف حق	۵۳۰
''نور القرآن'' حصہ اول ودوم کی تصنیف واشاعت	۵۳۱
خدا کی طرف سے کشف	۵۳۲
تصویر چولہ بابا نانک	۵۳۴
''ست بچن'' کی تصنیف اشاعت	۵۳۶
''ست بچن'' کا ردعمل سکھ قوم کی طرف سے	۵۳۶
''آریہ دھرم'' کی تصنیف واشاعت	۵۳۷
ناموس مصطفوی ﷺ کے دفاع اور مذہبی مباحثات کے لئے آئینی تحریک اور مسلمانان ہند کی طرف سے پرزور تائید	۵۳۸
مخالفین اسلام کے نام کھلا نوٹس	۵۳۸
نواب محسن الملک کا مکتوب	۵۴۰
مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی کی غیر اسلامی روش	۵۴۰
۱۸۹۵ء کے بعض صحابہ	۵۴۱
ماموریت کا پندرھواں سال (۱۸۹۶ء)	
مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی کی پرزور مخالفت	۵۴۷
امیر کابل کے نام تبلیغی خط	۵۴۸
مخالف علماء اور سجادہ نشینوں کو مباہلے کی دعوت	۵۴۸
حضرت خواجہ غلام فرید صاحب چاچڑاں شریف کی تصدیق	۵۵۱
حضرت پیر ''صاحبُ العلم'' کی شہادت	۵۵۱
جلسہ مذاہب عالم کا پس منظر اور کانفرنس کے لئے انتظامات	۵۵۵
اشتہار واجب الاظہار	۵۵۶
مذاہب کے نمائندے	۵۵۸
حضرت مسیح موعودؑ کی طرف سے اپنے مضمون کے بالا رہنے کی قبل از وقت پیشگوئی	۵۵۹
جناب خواجہ کمال الدین صاحب کا تاثر	۵۶۰
جلسہ کی کارروائی کا آغاز۔ حضرت اقدس کا مضمون اور سامعین کا ذوق وشوق	۵۶۱

مضمون	صفحہ
مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی کی استدعا	۵۶۴
۲۸۔ دسمبر کی کارروائی اور مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی کی دوسری تقریر	۵۶۵
۲۹۔ دسمبر کو حضرت اقدسؑ کے بقیہ مضمون کی گونج	۵۶۵
''مضمون بالا رہا''	۵۶۶
اخبار ''سول اینڈ ملٹری گزٹ'' آبزرور اور اخبار ''چودھویں صدی'' کا ریویو	۵۶۷
جلسہ اعظم مذاہب میں اسلام کی شاندار فتح سے متعلق کلکتہ کے اخبار جنرل و گوہر آصفی کا تبصرہ	۵۶۹
لیکچر کا غیر زبانوں میں ترجمہ اور عالمگیر مقبولیت	۵۷۳
''اسلامی اصول کی فلاسفی'' مغربی مفکرین کی نظر میں	۵۷۳
۱۸۹۶ء کے بعض صحابہ	۵۷۵
ماموریت کا سولھواں سال (۱۸۹۷ء)	
اسلام کے زندہ مذہب ہونے کا پرشوکت چیلنج اور تصنیف و اشاعت ''انجام آتھم''	۵۷۸
آنحضرت ﷺ کی ایک پیشگوئی کا ظہور اور ۳۱۳ اصحاب کبار کی فہرست	۵۷۸
علماء کے نام عربی مکتوب	۵۸۳
اسلام کے زندہ مذہب ہونے کا پرشوکت چیلنج	۵۸۴
اشتہار مُسْتَيْقِنًا بِوَحْيِ اللّٰهِ الْقَهَّار	۵۸۵
عیسائیوں کو ایک ہزار روپیہ انعام کی پیشکش	۵۸۵
اشتہار ''خدا کی لعنت اور کسرِ صلیب''	۵۸۵
شیخ محمد رضا طہرانی نجفی کی اشتہار بازی	۵۸۶
حضرت سیدہ مبارکہ بیگم صاحبہ کی ولادت	
پنڈت لیکھرام کا قتل	۵۹۰
پنڈت دیو پرکاش	۵۹۱
بابو گھانسی رام صاحب ایم اے ایل ایل بی کے بیانات اور پنڈت مدن گوپال سناتن دھرمی کا واضح اقرار	۵۹۲
ہندوؤں کی شورش	۵۹۳
ہندو اخبارات کی زہر چکانی	۵۹۳
حضرت اقدسؑ کو قتل کی دھمکیاں اور حضرت اقدسؑ کی طرف سے ہندوؤں کو چیلنج	۵۹۴
حضرت مسیح موعودؑ کی طرف سے اتمام حجت اور آریوں کو چیلنج	۵۹۵
گنگا بشن صاحب کی آمادگی اور فرار	۵۹۷
مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی کی آریوں کی طرف سے نمائندگی	۵۹۸
حضرت اقدسؑ کی خانہ تلاشی	۵۹۹
''سراج منیر'' اور ''استفتاء'' کی تصنیف و اشاعت	۶۰۱
سکھوں کی طرف سے مخالفت اور اتمام حجت	۶۰۲
حسین کامی کا قادیان میں ورود اور حضرت اقدسؑ سے ملاقات اور سلطنت روم کی نسبت کشفی خبر	۶۰۴
حسین کامی کا ''ناظم الہند'' میں غضب آلود مراسلہ اور عام مخالفت	۶۰۵
''چودھویں صدی'' کا بزرگ	۶۰۵
حسین کامی کی مجرمانہ خیانت اور اپنے عہدہ سے برطرفی	۶۰۷
''قسطنطنیہ کی چٹھی''	۶۰۸

مضمون	صفحہ
سلطنت ترکی میں انقلاب اور سلطان عبدالحمید	
ثانی کی معزولی	۶۰۹
''حجۃ اللہ'' کی تصنیف واشاعت	۶۱۰
محمود کی امین	۶۱۱
ساٹھ سالہ جوبلی پر ملکہ وکٹوریہ کو دعوت اسلام	
اور ''تحفہ قیصریہ'' کی تصنیف	۶۱۴
لندن میں ''جلسہ مذاہب'' کے انعقاد کی تجویز	
اور ملکہ کے لئے حضرت مسیح ناصری کی ملاقات کا	
آسمانی تحفہ	۶۱۵
نشان نمائی کی پیشکش	۶۱۶
قادیان میں جشن جوبلی کے موقعہ پر احباب کا جلسہ	۶۱۶
ملکہ وکٹوریہ کے مسلمان ہونے کے لئے دعا	۶۱۷
سراج الدین عیسائی کے چار سوالوں کا جواب	۶۱۷
ہندوستان کے مشائخ وصلحاء سے خدا کی قسم	
دے کر ایک درخواست	۶۱۷
پادری ہنری مارٹن کلارک کا مقدمہ اقدام	
قتل اور الہام کے مطابق حضورؑ کی بریت	
کتاب البریہ کی تصنیف واشاعت	۶۲۰
حضرت اقدس کی بٹالے میں گواہی کے لئے	
تشریف آوری	۶۲۵
اللہ تعالیٰ کی طرف سے قبل از وقت خوشخبری	۶۲۵
حضرت اقدسؑ عدالت میں	۶۲۶
مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی کی گواہی اور	
عبرتناک حالت	۶۲۶

مضمون	صفحہ
عبدالحمید کا مشتبہ بیان اور مسٹر ڈگلس کو کشفی	
نظاروں کے ذریعہ سے راہ نمائی	۶۳۰
عبدالحمید کو پولیس کی تحویل میں دیئے جانے کا حکم	۶۳۲
سازش کا انکشاف	۶۳۲
حضورؑ کی الزام قتل سے بریت اور دشمن کو عفو عام	۶۳۲
مولوی فضل الدین صاحب وکیل اور	
لالہ دینا ناتھ ایڈیٹر ہندوستان کے تاثرات	۶۳۳
کتاب البریہ کی تصنیف واشاعت، مسیح محمدیؑ	
اور مسیح ناصری کے مقدموں میں سات	
حیرت انگیز مشابہتیں	۶۳۵
پیلاطوس ثانی کا شاندار کارنامہ	۶۳۶
سفر ملتان	۶۳۷
واپسی پر لاہور میں قیام	۶۳۸
جماعت احمدیہ کے سب سے پہلے اخبار ''الحکم''	
کا اجراء	۶۴۱
۱۸۹۷ء کے بعض صحابہ	۶۴۳
۱۸۹۷ء کے صحابہ کی ایک نایاب فہرست	۶۴۳
''تاریخ احمدیت'' کے متعلق عزت مآب	
مکرم ومحترم حضرت چودھری محمد ظفر اللہ خان	
صاحب نائب صدر عالمی عدالت کی رائے	۶۵۵

حضرت مرزا غلام احمد قادیانی مسیح موعود و مہدی معہود علیہ السلام

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہٗ ونصلی علی رسولہ الکریم -:- والسلام علیٰ عبدہ المسیح الموعود

باب اول

سلسلہ احمدیہ کا مختصر تعارف

قیام کا مقصد، نصب العین دیگر مسلم تحریکات کے مقابل اس کی امتیازی خصوصیات اور اس کے عظیم الشان دینی کارناموں پر ایک طائرانہ نظر

احمدیت ایک بین الاقوامی اور آسمانی سلسلہ ہے جو انیسویں صدی کے آخر میں خدا تعالیٰ کے حکم اور اس کے قدیم نوشتوں کے مطابق مسیح وقت و مہدی دوراں سیدنا حضرت اقدس مرزا غلام احمد قادیانی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ذریعہ سے قائم ہوا۔ اس الٰہی سلسلہ کا حقیقی مشن اس کے سوا کچھ نہیں کہ خدا تعالیٰ کا وہ قانون اور دستور جو وادی بطحاء میں سرتاج اولین و آخرین فخر الانبیاء والمرسلین حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے مقدس ترین وجود پر نازل ہوا۔ اور اپنے اصولوں کی حقانیت، فلسفہ احکام کی قوت و صولت اور دلائل و براہین کی مقناطیسی کشش کے باعث دنیا پر غالب آگیا تھا اور بعد کو خود مسلمانوں ہی کی سرد مہری سے وہ صرف قرآن مجید کے اوراق ہی میں سمٹ کے رہ گیا۔ ایک مرتبہ پھر پوری شان و شوکت کے ساتھ قائم ہو جائے۔ اور نہ صرف یہ کہ دنیا کی تمام قومیں اور ممالک ہی اسے اپنا ملکی قانون بنانا اپنے لئے موجب فخر سمجھیں بلکہ ہر قلب و دماغ پر اس کی فرمانروائی ہو۔ چنانچہ حضرت بانی سلسلہ احمدیہ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس تحریک سے وابستہ ہونے والے ہر فرد کو جن دس بنیادی شرائط کی پابندی کا ارشاد فرمایا ان میں ایک اہم ترین شرط یہ قرار دی کہ حلقہ بیعت سے منسلک ہونے والا ہر شخص یہ پختہ عہد کرلے کہ "وہ اتباع رسم اور متابعت ہوا و ہوس سے باز آجائے گا اور قرآن شریف کی حکومت کو بکلی اپنے اوپر قبول کرے گا اور قال اللہ اور قال الرسول کو اپنی ہر یک راہ

میں دستور العمل قرار دے گا"۔ [1]

پہلا امتیاز بلاشبہ خدا کے فضل سے ہر مکتب فکر کے داعی مسلمانوں میں اسلامی حکومت کے قیام کا جذبہ روز افزوں ترقی پر ہے اور پین اسلام ازم طرز کی مختلف تحریکات بھی ابھر آئی ہیں مگر احمدیت بنیادی طور پر کئی پہلوؤں سے ان سب پر امتیازی شان رکھتی ہے مثلاً اول تو قیام احمدیت کے بعد اسلامی دنیا کے افق پر نمودار ہونے والی یہ کرنیں ہی صاف بتا رہی ہیں کہ یہ انقلاب حضرت امام الزمان کی بعثت کے ان مخفی تاثیرات اور فیضان کا نتیجہ ہے جو غیر شعوری طور پر ہر مصلح آسمانی کی روحانی توجہ سے پیدا ہوتے ہیں۔ [2]

دوسرا امتیاز تحریک احمدیت وحی الٰہی سے قائم ہوئی ہے۔ بالفاظ دیگر اس کی پشت پر الہامی قوت بھی کارفرما ہے اور روحانی نظام بھی۔۔۔۔ رسول اللہ ﷺ کی یہ حیرت انگیز پیشگوئی تھی کہ اِذَا عَظُمَتْ اُمَّتِی الدُّنْیَا نُزِعَتْ مِنْهَا هَیْبَةُ الْاِسْلَامِ وَاِذَا تَرَکَتِ الْاَمْرَ بِالْمَعْرُوْفِ وَالنَّهْیِ عَنِ الْمُنْکَرِ حُرِمَتْ بَرَکَةُ الْوَحْیِ وَاِذَا تَسَابَتْ اُمَّتِیْ سَقَطَتْ مِنْ عَیْنِ اللّٰهِ۔ [3] یعنی مخبر صادقؐ نے فرمایا کہ جب میری امت دنیا کو بڑی چیز سمجھنے لگے گی تو اسلام کی ہیبت اور وقعت اس کے قلوب سے نکل جائے گی اور جب امر بالمعروف اور نہی عن المنکر چھوڑ بیٹھے گی تو وحی کی برکات سے محروم ہو جائے گی۔ اور جب آپس میں گالی گلوچ اختیار کرے گی تو اللہ جلشانہ کی نگاہ سے گر جائے گی۔ دوسری طرف تاریخ کی یہ ناقابل تردید شہادت ہے کہ "جب لوگوں نے خدا کے بھیجے ہوئے احکام و ضوابط کو ترک کر کے خود ساختہ طریقوں کو اختیار کر لیا تو ان میں ہر طرح کی عملی و اخلاقی خرابی پھیل گئی اور سارا ملک فتنہ و فساد اور فسق و فجور کا گہوارہ بن گیا۔" "محرومی و بدبختی کے اس مرحلے پر پہنچنے کے بعد اس قوم کی حالت میں پھر اسی وقت انقلاب ہوا جب اس میں کوئی خدا کا رسول مبعوث ہوا" [4] اور اس کی وجہ یہ ہے کہ "نبی (علیہ السلام) کی صحبت میں یہ طاقت اور تاثیر ہوتی ہے کہ کافر، ملحد اور مشرک اس کی بدولت مومن بلکہ موحد کامل بن جاتا ہے"۔

"اللہ تعالیٰ اس نبی کی ذات کو چراغ بنا کر مبعوث کرتا ہے تاکہ اس سے دوسرے چراغ روشن ہو سکیں۔ سب جانتے ہیں چراغ چراغ ہی سے روشن ہو سکتا ہے اور کوئی صورت نہیں۔ تقریروں، خطبوں، کتابوں، وعظوں، باتوں، تجویزوں، مجلسوں، پوسٹروں سے سب کچھ ہو سکتا ہے مگر چراغ روشن نہیں ہو سکتا" [5] اس واضح حقیقت کی روشنی میں جب عصر حاضر کی ہلاکت آفرینیوں کی طرف نگاہ کی جائے تو صاف نظر آئے گا کہ کفر و الحاد کے موجودہ سیلاب میں خدائی تحریک کا قائم ہونا ضروری تھا اور وہی اس کا رخ پھیرنے میں کامیاب ہو سکتی تھی۔ چنانچہ موجودہ زمانے میں انسانیت کے گم کردہ راہ

قافلے نے جس طرح اللہ کے برگزیدوں اور فرستادوں کی تعلیمات کو یکسر فراموش کر دیا ہے اس کی نظیر دنیا کی تاریخ میں نہیں مل سکتی۔ ہندو مت 'عیسائیت' بدھ اور یہودیت کے علمبردار اس بارے میں متفق ہیں کہ خدا تعالیٰ کے احکام کو پس پشت ڈالنے کے بعد دنیا کے بسنے والے لوگ اب ضلالت و گمراہی کی اتھاہ گہرائیوں میں گر چکے ہیں' ظلمتیں مسلط ہیں اور روشنی کی کوئی کرن نظر نہیں آتی اور بالخصوص عالم اسلام آج سے نہیں اٹھارہ صدی عیسوی سے مسلسل اور پیہم چیخ پکار کر رہا ہے اور مسلم قوم کی حالت زار پر نوحہ کناں ہے۔ عوام سے لے کر علماء تک کے سب ہی طبقے خواہ ان کا تعلق کسی مکتب خیال سے ہو وہ خطابت کے جری ہوں یا قلم کے شہسوار' تصوف کے پرستار ہوں۔ یا علم کلام کے شیدائی' علماء ہوں یا سیاسی لیڈر' بے نوا فقیر ہوں یا کجکلاہ بادشاہ بلا تفریق امت مرحومہ کے مرثیہ خواں نظر آتے ہیں اور بزبان حال، و قال کہہ رہے ہیں کہ جو تاریکی چھٹی صدی عیسوی میں جہالت نے پھیلائی تھی جبکہ اسلام کا ظہور ہوا تھا ویسی ہی تاریکی اور ظلمت آج پھرپوری شدت سے عود کر آئی ہے۔ اخلاق و تمدن' معیشت و اقتصاد اور عقائد و روحانیت کا کوئی ایسا خوفناک مرض نہیں جس نے خود مسلمانوں کے قومی جسم کو مضمحل نہ کر دیا ہو۔ پھر ان کے لیڈر صرف اس حقیقت ہی کا اعتراف نہیں کر رہے بلکہ ان کا اکثر و بیشتر طبقہ خدا تعالیٰ کی طرف سے کسی آنے والے مامور اور فرستادہ کا بھی منتظر ہے جس طرح قحط سالی کے ایام میں نگاہیں آسمان کی طرف لگ جاتی ہیں اسی طرح مسلم قوم مدتوں سے فی الحقیقت آسمان کی پہنائیوں میں سے کسی مرسل کی آمد کے لئے چشم براہ ہے چنانچہ شاعر مشرق ڈاکٹر سر محمد اقبال نے بھی اس حقیقت کی ترجمانی کرتے ہوئے کہا ہے ۔

یہ دور اپنے براہیم کی تلاش میں ہے صنم کدہ ہے جہاں لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ

غرض دنیا کے مشرق و مغرب اس وقت تاریکیوں کی زد میں ہیں اور کسی برقی تجلی کے انتظار میں سرگردان۔ عجیب بات ہے کہ یہ حقیقت اس قدر واضح اور مبرہن ہو کر سامنے آگئی ہے کہ الحاد زدہ مغربی دماغ کو بھی اس کا کھلم کھلا اعتراف ہے۔ یورپ کا ایک مفکر سیاح مارس انڈس جسے چند سال قبل اسلامی ملکوں کی سیاحت کا موقعہ ملا "ایک مستقبل کی تلاش میں" کے عنوان پر عرب ممالک کے متعلق اپنے تاثرات بایں الفاظ بیان کرتا ہے "..... بلاشبہ یورپ عرب کلچر کا مرہون منت ہے۔ اسلامی ملکوں کی سیاحت میں میں نے عراقیوں کو یہ بات بار بار دہراتے سنا۔ ہو سکتا ہے کہ یہ لوگ عرب شہنشاہی کے کارناموں کو دہرا کر پرانی عظمت و شان کو دوبارہ حاصل کرنے کا خواب دیکھ رہے ہوں۔ عراقیوں کو ایسے خوابوں کی صحیح اور حسب مراد تعبیر نکلنے کی مخالفت نہ تو علم الحیات کرتا ہے اور نہ تاریخی دلائل سے ہوتی ہے لیکن ضرورت اس بات کی ہو گی کہ عرب دنیا عہد نبوی کی طرح ایک بار پھر حرکت میں،

آجائے اور اسی طرح مستحکم بھی ہو جائے - عرب قوم نے جن اعلیٰ ذہنی صلاحیتوں اور قوتوں کا ثبوت اس زمانہ میں دیا وہ صلاحیتیں اور قوتیں عرب دماغ میں آج بھی ہونی چاہئیں - آج عرب دنیا سوئی ہوئی ہے اسے کسی محمدؐ کی ضرورت ہے جو اسے نیا الہام دے کر حرکت میں لے آئے"۔

مارس انڈس نے صرف عرب ممالک تک ہی اپنی نظر محدود نہیں رکھی بلکہ وہ تمام دنیا پر گہری نظر ڈالنے کے بعد اس نتیجہ پر پہنچا کہ "دمشق 'بیروت 'بغداد 'مکہ 'طہران 'قاہرہ اور ان کے ساتھ لنڈن اور واشنگٹن بھی ایک پیغمبر کے انتظار میں ہیں جو سماجی مقصد اور اصلاح کا جھنڈا لئے ہوئے عیسیٰؑ کی طرح کاشتکار کو صرف یہ کہہ کر ہوش میں لائے کہ جاگ! جاگ!! اور طاقت کا مظاہرہ کر" [۶]

لوتھرپ سٹاڈرڈ (Loth Rop Stoddard) اٹھارہویں صدی عیسوی میں دنیائے اسلام کا نقشہ کھینچتے ہوئے لکھتا ہے:

"مذہب بھی دیگر امور کی طرح پستی میں تھا- تصوف کے طفلانہ توہمات نے خالص اسلامی توحید پر پردہ ڈال دیا تھا- مسجدیں ویران اور سنسان پڑی تھیں- جاہل عوام ان سے بھاگتے تھے اور تعویذ گنڈے میں پھنس کر فقیروں اور دیوانے درویشوں پر اعتقاد رکھتے تھے اور ان بزرگوں کے مزاروں پر زیارت کو جاتے جن کی پرستش بارگاہ ایزدی میں شفیع اور ولی کے طور پر کی جاتی... قرآن مجید کی تعلیم نہ صرف پس پشت ڈال دی گئی بلکہ اس کی خلاف ورزی بھی کی جاتی تھی... یہاں تک کہ مقامات مقدسہ بداعمالیوں کے مرکز بن گئے تھے- فی الجملہ اسلام کی جان نکل چکی تھی... اگر حضرت محمد ﷺ پھر دنیا میں آتے تو وہ اپنے پیروؤں کے ارتداد اور بت پرستی پر بیزاری کا اظہار فرماتے" [۷]

اسی طرح یورپ کے ایک مشہور پروفیسر میکنزی اپنی کتاب "انٹروڈکشن ٹو سوشیالوجی" میں لکھتے ہیں: [۸]

"کامل انسانوں کے بغیر سوسائٹی معراج کے کمال پر نہیں پہنچ سکتی اور اس غرض کے لئے محض عرفان اور حقیقت آگاہی کافی نہیں بلکہ ہیجان اور تحریک کی قوت بھی ضروری ہے جسے یوں کہنا چاہئے کہ یہ معمہ حل کرنے کے لئے ہم نور و حرارت دونوں کے محتاج ہیں- غالباً عہد حاضر کے معاشرتی مسائل کا فلسفیانہ فہم و ادراک بھی وقت کی اہم ترین ضرورت نہیں- ہمیں معلم بھی چاہئے اور پیغمبر بھی- ہمیں آج رسکن یا کارلائل یا ٹالسٹائی جیسے لوگوں کی ضرورت ہے جو ضمیر کو زیادہ تشدد اور سخت گیر بنانے اور فرائض کے دائرے کو زیادہ وسیع کرنے کی صلاحیت رکھتے ہوں- غالباً ہمیں ایک مسیح کی ضرورت ہے... یہ قول صحیح ہے کہ عہد حاضر کے پیغمبر کو محض "بیابان کی صدا" نہیں ہونا چاہئے- کیونکہ عہد حاضر کے "بیابان" آباد شہروں کے گلی کوچے ہیں جہاں ترقی کی مسلسل و پیہم جدوجہد کا بازار گرم ہے- اس

عہد کے پیغمبر کے لئے ضروری ہے کہ وہ اس ہنگامہ زار میں وعظ و تبلیغ کرے" [۹]

پاکستان کے ایک مسلمان عالم لکھتے ہیں۔ "عالم مادی کے اس ارتقائی اور بظاہر نورانی دور میں جبکہ انسان تسخیر شمس و قمر کے خواب دیکھتے ہوئے اصل مقصد تخلیق سے غافل اور جذبہ پوشیدہ "انا" پر متکبر ہو کر سفینہ حیات عالم کو بحر ضلالت و گمراہی کے تموج خیز گرداب تک پہنچا چکا ہے... آج ابلیس اپنے وعدے کی صداقت پر خنداں و شاداں اور نگاہ عالم و خداوند حقیقی منتظر و نگران ہے ایک ایسے خلاصہ انبیاء کی جانب جس کی غیبت مثل یوسف رجعت مثل عیسیٰؑ طول عمر مثل خضر اور خلق و خلق مثل محمد مصطفیٰؐ ہے"۔ [۱۰]

مشہور عالم مولانا سید ابو الحسن علی ندوی معتمد تعلیم دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ و رکن عربی اکیڈیمی دمشق لکھتے ہیں "مسلمانوں پر عام طور پر یاس و نومیدی اور حالات و ماحول سے شکست خوردگی کا غلبہ تھا۔ ۱۸۵۷ء کی جدوجہد کے انجام اور مختلف دینی و عسکری تحریکوں کو دیکھ کر معتدل اور معمولی ذرائع اور طریقہ کار سے انقلاب حال اور اصلاح سے لوگ مایوس ہو چلے تھے اور عوام کی بڑی تعداد کسی مرد غیب کے ظہور اور ملہم اور موید من اللہ کی آمد کی منتظر تھی۔ کہیں کہیں یہ خیال بھی ظاہر کیا جاتا تھا کہ تیرہویں صدی کے اختتام پر مسیح موعود کا ظہور ضروری ہے۔ مجلسوں میں زمانہ آخر کے فتنوں اور واقعات کا چرچا تھا"۔ [۱۱]

نیز لکھتے ہیں۔ "عالم اسلام مختلف دینی و اخلاقی بیماریوں اور کمزوریوں کا شکار تھا۔ اس کے چہرہ کا سب سے بڑا داغ وہ شرک جلی تھا جو اس کے گوشہ گوشہ میں پایا جاتا تھا۔ قبریں اور تعزیئے بے محابا پج رہے تھے۔ غیر اللہ کے نام کی صاف صاف دہائی دی جاتی تھی۔ بدعات کا گھر گھر چرچا تھا۔ خرافات اور توہمات کا دور دورہ تھا۔ یہ صورت حال ایک ایسے دینی مصلح اور داعی کا تقاضا کر رہی تھی جو اسلامی معاشرہ کے اندر جاہلیت کے اثرات کا مقابلہ اور مسلمانوں کے گھروں میں اس کا تعاقب کرے جو پوری وضاحت اور جرأت کے ساتھ توحید و سنت کی دعوت دے اور اپنی پوری قوت کے ساتھ الا للہ الدین الخالص کا نعرہ بلند کرے"۔ [۱۲]

پس موجودہ کارزار عالم میں ایک آسمانی قیادت کی ضرورت تھی جو مسیح وقت حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام کی بعثت کے ذریعہ سے پایہ تکمیل کو پہنچی۔ اسی لئے آپ فرماتے ہیں:

"اے بندگان خدا آپ لوگ جانتے ہیں کہ جب امساک باراں ہوتا ہے اور ایک مدت تک مینہ نہیں برستا تو اس کا آخری نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ کوئیں بھی خشک ہونے شروع ہو جاتے ہیں پس جس طرح جسمانی طور پر آسمانی پانی بھی زمین کے پانیوں میں جوش پیدا کرتا ہے اسی طرح روحانی طور پر جو آسمانی

پانی ہے (یعنی خدا کی وحی) وہ سفلی عقلوں کو تازگی بخشتا ہے۔ سو یہ زمانہ بھی اس روحانی پانی کا محتاج تھا۔ میں اپنے دعویٰ کی نسبت اس قدر بیان کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ میں عین ضرورت کے وقت خدا تعالیٰ کی طرف سے بھیجا گیا ہوں جبکہ اس زمانہ میں بہتوں نے یہود کا رنگ پکڑا۔ اور نہ صرف تقویٰ اور طہارت کو چھوڑا بلکہ ان یہود کی طرح جو حضرت عیسیٰؑ کے وقت تھے سچائی کے دشمن ہو گئے۔ تب بالمقابل خدا نے میرا نام مسیح رکھ دیا۔ نہ صرف یہ کہ میں اس زمانہ کے لوگوں کو اپنی طرف بلاتا ہوں بلکہ خود زمانے نے مجھے بلایا ہے" [۱۳]

تیسرا امتیاز موجودہ جدید تحریکات کے مقابل احمدیت کو تیسرا عظیم الشان امتیاز یہ حاصل ہے کہ احمدیت کا پیش کردہ نصب العین خالص روحانی' نہایت درجہ بلند اور قابل صد فخر ہے۔ بطور مثال پین اسلام ازم ہی کو لے لیجئے (جس کے بانی علامہ جمال الدین افغانی کو مجدد وقت بھی قرار دیا گیا ہے) [۱۴] اس تحریک کا منتہائے مقصود صرف یہ ہے کہ مسلم ممالک کا ایک تیسرا بلاک معرض ظہور میں آجائے جو موجودہ اینگلو امریکن بلاک اور روسی بلاک کے دوش بدوش کھڑا ہو سکے۔ چنانچہ بانی تحریک لکھتے ہیں:

"مسلمانوں کو اپنے حقوق کی حفاظت کے لئے سب سے پہلے ان اصولوں کو جاننا ضروری ہے کہ جن کے ذریعہ سے اپنی مدافعت کر سکیں۔ دوسرے یہ کہ بوقت ضرورت وہ اتفاق رائے اور مستقل مزاجی سے کام لیں اور تیسرے یہ کہ وہ دوسرے ملکوں کے مسلمانوں کے افکار و آراء سے ربط و تعلق پیدا کریں اور ملت پر آنے والے خطرات کا احساس کر کے متحد ہو جائیں۔

کیا آپ روسیوں کو نہیں دیکھتے کہ ان میں ان تین اصولوں کے سوا اور کوئی بات نہیں پائی جاتی۔ فنون و صنائع کی ترقی کے اعتبار سے یہ قوم تمام یورپی قوموں میں سب سے پیچھے تھی۔ ان کے ملک میں دولت و ثروت کے ذرائع بھی موجود نہ تھے اور اگر یہ موجود ہوتے تب بھی وہاں ایسی صنعتیں بھی نہ تھیں جن سے وہ ان ذرائع سے استفادہ کر سکتے۔ اس لئے افلاس' تنگدستی کی مصیبت میں مبتلا ہیں مگر اس کے باوصف جب ان کی قوم پر کوئی مصیبت آئے تو وہ اس سے خبردار ہو کر اس کے دفع کرنے کی تدبیریں کرتے اور وسائل ترقی پر اتفاق کرتے ہیں۔ ان کے خیالات میں ہم آہنگی اور ربط ہونے کی وجہ سے وہ یورپ کی تمام سلطنتوں میں ایک عظیم الشان شہنشاہیت کے مالک ہو گئے ہیں۔ روس میں آلات حرب تیار کرنے کے بڑے کارخانے نہیں لیکن اس کے باوجود اس کو ترقی کرنے سے کوئی روک نہ سکا۔ روس کے ہمسایہ ملکوں میں فنون حرب کو جتنی ترقی ہوئی اتنی خود روس میں نہیں ہوئی تھی۔ لیکن اس کے باوجود اپنی فوجوں کی تربیت کے لئے دوسری قوموں سے ماہروں کے حاصل کرنے سے انہیں کوئی

روک نہ سکا۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ اب اس کی فوجوں کی یہ حالت ہے کہ یورپ کی طاقتیں اس کی قوت سے خوف کھاتیں اور اس کے حملہ سے ڈرتی رہتی ہیں"۔

"ادرنا سے لے کر پشاور تک کا علاقہ اسلامی حکومتوں کے زیر سایہ ہے۔ ان سب کا عقیدہ ایک ہے ان کو ایک مرکز پر جمع کرنے والا قرآن موجود ہے۔ ان کی تعداد آٹھ کروڑ سے کسی طرح کم نہیں ہے۔ دنیا کی تمام قوموں میں شجاعت اور بسالت کے لحاظ سے ان کا درجہ ممتاز ہے۔ کیا ان کے لئے یہ ممکن نہیں ہے کہ وہ مدافعت اور اقدام کے لئے متحد ہو جائیں جس طرح کہ تمام قومیں متحد ہو چکی ہیں"۔

"میرے اس کہنے کا یہ مطلب نہیں کہ ان تمام امور میں ایک شخص واحد ہی کا حکم چلا کرے۔ کیونکہ اکثر حالتوں میں یہ ایک نہایت مشکل کام ہو گا۔ لیکن میں چاہتا ہوں کہ ان سب پر قرآن ہی کی حکومت ہو اور وہ اتحاد کا ذریعہ اپنے دین کو بنائیں۔ ہر ملک کی حکومت اپنے ہم مذہب دوسری حکومت کی حفاظت کی تاحد مقدور کوشش کرتی رہے۔ کیونکہ ایک کی زندگی دوسرے کی زندگی اور ایک کی بقاء دوسرے کی بقاء پر منحصر ہے۔ اس سے خبردار رہو کہ یہ ان کے دین کی اساس و بنیاد ہے جس سے خاص کر موجودہ زمانے میں اجتماعی ضرورتیں اور سیاسی احتیاجیں پوری ہوتی ہیں"۔ ۱۵

تحریک کی افادیت و اہمیت سے کوئی انکار نہیں مگر مندرجہ بالا الفاظ غماز ہیں کہ اسکے پیچھے محض "مسلمانوں کے حقوق کی حفاظت" کا جذبہ کام کر رہا ہے اور فقط مسلمانوں کی "سیاسی احتیاجیں" مد نظر ہیں۔ پس یہ کہنا بے جا نہ ہو گا کہ یہ ایک خالص سیاسی تحریک ہے جو مغربی طاقتوں کے رد عمل کے طور پر پیدا ہوئی ہے۔ بلاشبہ یہ تحریک اس خیال کی بھی علمبردار ہے کہ "سب مسلمانوں پر قرآن ہی کی حکومت ہو اور وہ اتحاد کا ذریعہ اپنے دین کو بنائیں"۔ اسلامی تنظیم کے لئے ایک قابل اطاعت مرکزی شخصیت کا ہونا ضروری ہے۔ مگر اس بارے میں بانی تحریک ہی کی رائے ہے کہ "میرے کہنے کا یہ مطلب نہیں کہ تمام امور میں ایک شخص واحد ہی کا حکم چلا کرے یہ ایک نہایت مشکل کام ہو گا"۔ علاوہ ازیں اس کی منزل صرف یہ تجویز کی گئی ہے کہ اسلامی ملک اپنا ایک مستقل بلاک قائم کر لیں۔ حالانکہ یہ کوئی ایسا مقصد حیات نہیں کہ جس پر کوئی دردمند مسلمان روحانی لحاظ سے کوئی فخر محسوس کر سکے۔ مادی اور سیاسی نقطہ نگاہ سے اس کی اہمیت مسلم ہے۔ مگر بہرحال اسے مسلم قوم کا مطمع نظر قرار دینا ظلم ہو گا۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ مسلم ممالک کی سیاسی ترقی اور سیاسی اتحاد ایک ضروری چیز ہے جسے موجودہ زمانے میں نظر انداز کرنے کے معنی قومی خودکشی کے ہیں۔ مگر سوال یہ ہے کہ کیا یہ مطمع نظر ایسا ہو سکتا ہے جس سے مسلمان نوجوانوں کی رگوں میں نیا خون دوڑنے لگے؟ دنیا کی موجودہ آبادی قریباً دو ارب اکتیس کروڑ نوے لاکھ انیس ہزار ہے جن میں مسلمانان عالم کی تعداد کم و بیش چونتیس کروڑ ستاون لاکھ

پینتالیس ہزار کے لگ بھگ بتائی جاتی ہے۔ [۱۲] پس مسلم بلاک کے قیام کے معنی صرف یہ ہوئے کہ اسلام ربع مسکون کی صرف چھٹے یا ساتویں حصہ آبادی پر حکمران ہو سکے گا۔ اس صورت میں رسول خدا ﷺ اور قرآن کے عالمگیر غلبہ کی یہ کوئی خوشکن تعبیر نہیں قرار دی جا سکتی ہے۔

اس کے مقابل (حضرت امام جماعت احمدیہ ایدہ اللہ تعالیٰ کے الفاظ میں) "حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دنیا میں آکر یہ اصول پیش فرمایا کہ تمہارا یہ مطمع نظر نہایت ادنیٰ ہے۔ تمہیں اپنے افکار کو بلند کرنا چاہئے کہ تمہارا کیا منصب ہے اور کون سا کام ہے جو خدا نے تمہارے سپرد کیا ہے۔ بے شک سیاست کے لحاظ سے بھی مسلمانوں کی اصلاح ضروری ہے۔ بے شک دولت کے لحاظ سے بھی مسلمانوں کو ترقی کی ضرورت ہے۔ مگر محمد رسول اللہ ﷺ کی بعثت کی غرض یہ تھی کہ اسلام کو روحانی طور پر دنیا پر غالب کیا جائے۔ اب اس کی تشریح کرو۔ اس عظیم الشان مقصد کے معنی یہ بن جاتے ہیں کہ اسلام اور محمد رسول اللہ ﷺ کی عظمت کے دلائل اتنی طاقت پکڑ جائیں کہ مسلمانوں کے ساتھ باتیں کرتے وقت وہ کنی کترانے لگیں۔ آج یورپ میں جو بھی لٹریچر شائع ہوتا ہے اس میں یہ لکھا ہوتا ہے کہ اسلام میں فلاں نقص ہے اور فلاں خرابی ہے۔ لیکن کل اسلام کو ایسا غلبہ حاصل ہو کہ یورپ کے رہنے والے اپنی کتابوں میں یہ لکھیں کہ اسلام میں فلاں بات بہت اعلیٰ ہے مگر عیسائیت اس سے بالکل خالی... آج کا مغرب زدہ مسلمان یورپ کی ڈیما کریسی کو دیکھ کر کہتا ہے کہ قرآن سے بھی کچھ کچھ ایسے اصول ثابت ہوتے ہیں اور یہ خوبی ہمارے اندر بھی پائی جاتی ہے۔ یہ اپالوجی (Apalogy) ہے جو آج کا مسلمان پیش کر رہا ہے اور یہ اسلام کے لئے فخر کا دن نہیں۔ اسلام کے لئے فخر کا دن وہ ہو گا جب یورپ اور امریکہ میں یہ کہا جائے گا کہ یہ اسلامی پردہ جو مسلمان پیش کرتے ہیں اس کی کچھ کچھ انجیل سے بھی تائید ہوتی ہے اور ہمارے مسیح نے بھی جو فلاں بات کہی ہے اس سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ اس قسم کا پردہ ہونا چاہئے اسلام کے لئے فخر کا دن وہ ہو گا جب یورپ اور امریکہ کا عیسائی اپنی تقریروں میں یہ کہے گا کہ کثرت ازدواج کا مسئلہ جو مسلمان پیش کرتے ہیں بے شک یہ بڑا اچھا مسئلہ ہے اور عیسائیوں نے کسی زمانہ میں اس کے خلاف بھی کہا۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ انہوں نے پوری طرح غور نہیں کیا تھا۔ اصل بات یہ ہے کہ عیسائیت کے وہ بزرگ جو پہلی صدی میں گذرے ہیں انہوں نے بھی دو دو تین تین شادیاں کی ہیں۔ پس کثرت ازدواج کی خوبی صرف اسلام میں ہی نہیں بلکہ عیسائیت میں بھی پائی جاتی ہے۔ جس دن یورپ اور امریکہ کے گرجوں میں کھڑا ہو کر ایک پادری اپنے مذہب کی اس رنگ میں خوبیاں بیان کرے گا وہ دن ہو گا جب ہم کہیں گے کہ آج اسلام دنیا پر غالب آگیا اب ہمیں اپالوجی (Apalogy) کی ضرورت نہیں۔ اب دوسرے لوگ کہتے ہیں کہ یہ خوبیاں

ان کے اندر بھی پائی جاتی ہیں۔ یہ ہو گا اسلام کا غلبہ اور یہ ہو گا محمد رسول اللہ ﷺ کی عظمت کا دن۔ محمد رسول اللہ ﷺ کی عظمت کا دن وہ ہو گا جب دو ارب چالیس کروڑ کی دنیا میں چالیس کروڑ مسلمان نہیں ہو گا بلکہ دو ارب مسلمان ہو گا اور چالیس کروڑ غیر مذاہب کا پیرو ہو گا"۔

"اللہ تعالیٰ فرماتا ہے هُوَ الَّذِيْ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ (پارہ ۲۸ سورۃ الصف: ۱۰) خدا ہی ہے جس نے محمد رسول اللہ ﷺ کو دنیا میں بھیجا ہے ہدایت دے کر۔ دین حق دے کر (لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ تاکہ وہ سارے دینوں پر اسے غالب کرے سارے ملکوں پر نہیں کیونکہ ملکوں پر قبضہ کرلینا کوئی بڑی بات نہیں۔ بڑی بات یہی ہے کہ دلوں پر قبضہ ہو... دلوں کو بدل دینا اور ان کو فتح کرلینا یہ بڑی بات ہے۔ فرض کرو پاکستان کسی وقت اتنی طاقت پکڑ جائے کہ وہ حملہ کرے اور سارے امریکہ کو فتح کرلے اور امریکہ کے لوگ ہمیں ٹیکس دینے لگ جائیں لیکن امریکہ کا آدمی اسلام اور قرآن پر لعنتیں ڈالتا ہو تو یہ بڑی فتح ہوگی یا امریکہ آزاد رہے لیکن امریکہ کے ہر گھر میں رات کو محمد رسول اللہ ﷺ پر درود بھیج کر سونے والے لوگ پیدا ہو جائیں تو یہ بڑی فتح ہوگی"۔ [۱۷]

چوتھا امتیاز احمدیت کو جدید مسلم تحریکات کے مقابل چوتھی امتیازی خصوصیت یہ حاصل ہے کہ جماعت احمدیہ کا یہ عظیم الشان نصب العین محض تخیل پرستی کا کرشمہ نہیں بلکہ خدا تعالیٰ کی ان بھاری بشارتوں اور پیشگوئیوں کے مطابق ہے جو بانی سلسلہ احمدیہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کی ان رقت آمیز دعاؤں اور پر سوز التجاؤں کے نتیجہ میں بتائی گئیں کہ ۔

اس دیں کی شان و شوکت یا رب مجھے دکھا دے
سب جھوٹے دیں مٹا دے میری دعا یہی ہے

میرے آنسو اس غم دل سوز سے تھمتے نہیں
دیں کا گھر ویراں ہے اور دنیا کے ہیں عالی منار

چنانچہ آپ کو عرش سے اسلام کی ترقی اور سربلندی کی خبریں دیتے ہوئے بتایا گیا کہ:

"قریب ہے کہ سب ملتیں ہلاک ہوں گی مگر اسلام۔ سب حربے ٹوٹ جائیں گے۔ مگر اسلام کا آسمانی حربہ کہ وہ نہ ٹوٹے گا نہ کند ہو گا جب تک دجالیت کو پاش پاش نہ کردے۔ وہ وقت قریب ہے کہ خدا کی سچی توحید جس کو بیابانوں کے رہنے والے اور تمام تعلیموں سے غافل بھی اپنے اندر محسوس

کرتے ہیں ملکوں میں پھیلے گی۔ اس دن نہ کوئی مصنوعی کفارہ باقی رہے گا اور نہ کوئی مصنوعی خدا۔ اور خدا کا ایک ہی ہاتھ کفر کی سب تدبیروں کو باطل کر دے گا۔ لیکن نہ کسی تلوار سے اور نہ کسی بندوق سے۔ بلکہ مستعد روحوں کو روشنی عطا کرنے سے اور پاک دلوں پر ایک نور اتارنے سے۔ تب یہ باتیں جو میں کہتا ہوں سمجھ میں آئیں گی"۔ [۱۸]

سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام پر الہاماً یہ بھی انکشاف فرمایا گیا کہ اسلام کا یہ عالمگیر غلبہ تین سو سال میں مقدر ہے۔ [۱۹] حضور اقدسؑ کے خلاف اشتعال انگیزی کے خطرناک طوفان اٹھائے گئے بلکہ انگریزی حکومت سے یہاں تک کہا گیا کہ:

"گورنمنٹ کو اس کا اعتبار کرنا مناسب نہیں... ورنہ اس مہدی قادیانی سے اس قدر نقصان پہنچنے کا احتمال ہے جو مہدی سوڈانی سے نہیں پہنچا" [۲۰]

مگر حضور نے اس آتشیں فضا میں بھی ڈنکے کی چوٹ یہ اعلان فرمایا کہ خدا تعالیٰ میرے ذریعہ سے اسلام کی عالمگیر حکومت قائم فرمانا چاہتا ہے اور اس نے مجھے وہ بادشاہ بھی دکھائے ہیں جو میرے کپڑوں سے برکت ڈھونڈیں گے اور اسلام کی عظمتوں کا نشان بنیں گے [۲۱]۔ نظام کفر میں نظام حق کا یہ نعرہ اولو العزمی، جانبازی اور اسلامی حمیت و غیرت کا اتنا شاندار مظاہرہ ہے کہ مسلمانوں کا وہ اہل قلم طبقہ جسے احمدیت سے دور کا تعلق بھی نہیں ہے اس کی جلالت شان کا اعتراف کئے بغیر نہیں رہ سکا۔ چنانچہ لکھا ہے:

"مرزا صاحب نے تقدس کی دکان ابتداء محض شکم پروری کے لئے کھولی تھی۔ لیکن ترقی کر کے سلطنت پر فائز ہونے کا لائحہ عمل بھی شروع سے ان کے پیش نظر تھا اور انہیں آغاز کار سے اس مطلب کے الہام بھی ہوا کرتے تھے چنانچہ... مرزا صاحب کا پہلا الہام جو ۱۸۶۸ء یا ۱۸۶۹ء میں ہوا یہ تھا کہ بادشاہ تیرے کپڑوں سے برکت ڈھونڈیں گے... خود مرزا صاحب نے نہ صرف اس الہام کا بڑے طمطراق سے براہین میں تذکرہ فرمایا بلکہ عالم کشف میں وہ بادشاہ بھی مرزا صاحب کی "مقدس بارگاہ" میں پیش کر دیئے گئے جو ان کے بیان کے بموجب ان کے پیرو ہونے والے تھے۔ گو بادشاہوں کی متابعت کا کشف یا خواب کبھی پورا نہ ہوا، لیکن اس سے کم سے کم قادیانی صاحب کی ذہنی کیفیت، ان کے خیالات کی بلند پروازی اور ان کی اولوالعزمی کا ضرور پتہ چلتا ہے اور اس سے یہ بھی متبادر ہوتا ہے کہ قیام سلطنت کے اصل داعی و محرک مرزا صاحب ہی تھے۔ آخر کیوں نہ ہوتا قوم کے مغل تھے اور رگوں میں تیموری خون دوڑ رہا تھا۔ میرے خیال میں مرزا صاحب نے قیام سلطنت کی جن آرزوؤں کو اپنے دل میں پرورش کیا تھا وہ قابل صد ہزار تحسین تھیں"۔ [۲۲]

جماعت احمدیہ اپنی اس خوش بختی پر جس قدر ناز کرے کم ہے کہ خدا تعالیٰ کے فضل و کرم سے اس نے اپنے قیام کے روز اول ہی سے عالمگیر اسلامی حکومت کے قیام کے متعلق اپنے نصب العین کو ایک لحہ او جھل نہیں ہونے دیا- بالخصوص انگریزی دور حکومت میں تو اس نے یہ نعرہ حق بلند کرنے میں ہمیشہ ہی ایک پاکباز مومن اور جانباز مجاہد کی طرح اعلان عام کیا کہ:

"ہم نے تو کبھی یہ بات نہیں چھپائی کہ ہم دنیا میں اسلامی حکومت قائم کرنا چاہتے ہیں بلکہ ہم کھلے طور پر کہتے ہیں کہ ہم اسلامی حکومت دنیا پر قائم کر کے رہیں گے"- [۲۲]

ہاں حضرت امام جماعت احمدیہ ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز ساتھ ہی یہ تصریح بھی فرماتے رہے کہ "ہم جس چیز کا انکار کرتے ہیں وہ یہ کہ تلوار اور فتنہ و فساد کے زور سے ہم اسلامی حکومت قائم نہیں کریں گے بلکہ دلوں کو فتح کر کے اسلامی حکومت قائم کریں گے- کیا کوئی خیال کر سکتا ہے کہ اگر آج میرے بس میں یہ ہو کہ میں انگلستان کے تمام لوگوں کو مسلمان بنا دوں- وہاں کے وزراء کو اسلام میں داخل کر دوں اور پارلیمنٹ کے ممبروں کو بھی مسلمان بنا کر وہاں اسلامی حکومت قائم کر دوں تو میں اپنے اس اختیار سے کام لینے سے انکار کروں گا؟ میں تو ایک منٹ کی بھی دیر نہیں لگاؤں گا اور کوشش کروں گا کہ فوراً ان لوگوں کو مسلمان بنا کر انگلستان میں اسلامی حکومت قائم کر دوں- لیکن یہ چونکہ میرے بس کی بات نہیں اس لئے میں کر نہیں سکتا- ورنہ میں اس بات سے انکار تو نہیں کرتا کہ میرے دل میں یہ خیال ہے اور یقیناً میرے دل کی یہ خواہش ہے کہ ہمارے بادشاہ بھی مسلمان ہو جائیں' وزراء بھی مسلمان ہو جائیں' پارلیمنٹ کے ممبر بھی مسلمان ہو جائیں اور برطانیہ کے تمام باشندے بھی مسلمان ہو جائیں اس میں اگر دیر ہے تو اس لئے نہیں کہ میری یہ خواہش نہیں کہ وہ مسلمان ہوں بلکہ اس لئے دیر ہے کہ ان کو مسلمان کرنا میرے اختیار میں نہیں اور اس وجہ سے وہاں اسلامی حکومت قائم نہیں کی جا سکتی ورنہ اسلامی حکومت قائم کرنے کے لئے میرے دل میں تو اتنی زبردست خواہش ہے کہ اس کا کوئی اندازہ ہی نہیں لگا سکتا- اور اپنی اس خواہش کا میں نے کبھی انکار نہیں کیا- اور اگر میں انکار کروں اور میرے دل میں اسلامی حکومت کے قائم کرنے کی خواہش نہ ہو تو اسلام کے احکام کے وہ حصے کس طرح پورے ہو سکتے ہیں جن کے لئے ایک نظام کی ضرورت ہے- کیا کوئی شخص پسند کرے گا کہ اس کا گھر ادھورا رہے- اگر کوئی شخص اپنے مکان کے متعلق پسند نہیں کرتا کہ وہ ادھورا رہے تو خدا تعالیٰ کے گھر کے متعلق وہ یہ امر کب پسند کرے گا؟ اس میں کیا شک ہے کہ جب تک دنیا مسلمان نہیں ہو جاتی اس وقت تک اسلام کی عمارت کانی رہتی ہے اور اپنی عمارت کا کانا ہونا کون پسند کر سکتا ہے- جب ہر شخص اپنی عمارت کو مکمل دیکھنا چاہتا ہے تو کب کوئی عقلمند ہم سے یہ امید رکھ سکتا ہے کہ ہم

اسلام کی عمارت کو کانا رکھنا پسند کریں گے۔ اگر انگریز عیسائی ہی رہیں' ہندو ہندو ہی رہیں تو اسلامی حکومت دنیا میں قائم نہیں ہو سکتی۔ ہاں اس کے قائم کرنے کا ایک ہی طریق ہے اور اس طریق کے ذریعہ ہی دنیا میں ہمیشہ کام ہوا کرتا ہے۔ اگر کوئی شخص کانا ہو اور وہ کسی دوسرے سوجاکھے کی آنکھ نکال کر اپنے کانا پن کو دور کرنا چاہے تو سارے لوگ اسے بے وقوف سمجھیں گے کیونکہ دوسرے کی آنکھ نکال کر اس کا کانا پن دُور نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح اگر کوئی بیوقوف یہ سمجھے کہ چند انگریزوں کو مار کر یا فتنہ و فساد پیدا کر کے وہ اسلامی حکومت قائم کر سکے گا تو وہ حماقت کا ارتکاب کرتا ہے"۔

"پس یہ طریق بالکل نادرست ہے اور میں ہمیشہ اس کی مخالفت کرتا رہا ہوں لیکن جائز اور پر امن طریق سے اسلامی حکومت قائم کرنا ہماری دلی خواہش ہے اور میں سمجھتا ہوں ہم میں سے ہر ایک کے دل میں یہ آگ ہونی چاہئے کہ ہم موجودہ طرز حکومت کی بجائے حکومت اسلامی قائم کریں۔ یہ طبعی خواہش ہے اور میرے دل میں ہر وقت موجود رہتی ہے۔ ہاں میرے اور عام لوگوں کے ذرائع میں اختلاف ہے۔ میں اسلامی حکومت کے قیام کے لئے تبلیغی اور پر امن ذرائع اختیار کرتا ہوں اور وہ کہتے ہیں کہ اس کے قائم کرنے کا طریق مار پیٹ اور جبر و تشدد ہے۔ بہرحال یہ خواہش یقیناً ایک دن پوری ہوگی دنیا کی مخالفتیں اور دشمنوں کی روکیں مل کر بھی اس میں حائل نہیں ہو سکتیں"۔

"جس چیز کا خدا تعالیٰ نے فیصلہ کر دیا ہے وہ آخر ہو کر رہے گی۔ چاہے اس پر عیسائی برا منائیں' چاہے موسائی برا منائیں' چاہے سکھ برا منائیں۔ یہ خدا تعالیٰ کی قضا ہے کہ دنیا میں اسلامی حکومت قائم کی جائے گی اور جو چیز ایک دن ہونے والی ہو اسے ہم نے چھپانا کیا ہے اور اس پر اگر کوئی برا مناتا ہے تو ہم اس کا علاج کیا کر سکتے ہیں"۔ [۲۴]

اس بصیرت افروز بیان میں اسلامی حکومت کے عالمگیر قیام کے لئے اگرچہ دو اصولی ذرائع کا ذکر کیا گیا ہے (۱) تبلیغ (۲) دیگر آئینی ذرائع لیکن حقیقت یہ ہے کہ جہاں تک عالمگیر اسلامی حکومت کے قیام کا تعلق ہے جماعت احمدیہ کے نزدیک تبلیغ کو ابتداء ہی سے اولیت حاصل رہی ہے۔

چنانچہ حضرت بانی سلسلہ احمدیہ نے وقت کے تقاضے کے عین مطابق ہر مسلمان کو پوری قوت سے کفر کا علمی مقابلہ کرنے کی دعوت دی۔ چنانچہ آپ نے فرمایا:

"ہر ایک مسلمان کے لئے ضروری ہے کہ اس زمانہ کے درمیان جو فتنہ اسلام پر پڑا ہوا ہے اس کے دور کرنے میں کچھ حصہ لے۔ بڑی عبادت یہی ہے کہ اس فتنے کو دور کرنے میں کچھ نہ کچھ حصہ لے۔ اس وقت جو بدیاں اور گستاخیاں پھیلی ہوئی ہیں چاہئے کہ اپنی تقریر اور علم کے ذریعہ سے اور ہر ایک قوت کے ساتھ جو اس کو دی گئی ہے مخلصانہ کوشش کے ساتھ ان باتوں کو دنیا سے اٹھا دے"۔ [۲۵]

حضور نے اپنی جماعت کو بالخصوص یہ نصیحت فرمائی کہ:

"یہ مقام دارالحرب ہے پادریوں کے مقابلہ میں۔ اس لئے ہم کو چاہئے کہ ہم ہرگز بے کار نہ بیٹھیں۔ مگر یاد رکھو کہ ہماری حرب ان کے ہم رنگ ہو جس قسم کے ہتھیار لے کر میدان میں وہ آئے ہیں اسی طرز کے ہتھیار ہم کو لے کر نکلنا چاہئے اور وہ ہتھیار ہے قلم۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس عاجز کا نام سلطان القلم رکھا اور میرے قلم کو ذوالفقار علی فرمایا۔ اس میں یہی سر ہے کہ یہ زمانہ جنگ و جدل کا نہیں ہے بلکہ قلم کا زمانہ ہے۔ پھر جب یہ بات ہے تو یاد رکھو کہ حقائق اور معارف کے دروازوں کے کھلنے کے لئے ضرورت ہے تقویٰ کی۔ اس لئے تقویٰ اختیار کرو"۔ "فتح اسی کو ملتی ہے جس سے خدا خوش ہو۔ اس لئے ضروری امر یہ ہے کہ ہم اپنے اخلاق اور اعمال میں ترقی کریں اور تقویٰ اختیار کریں تاکہ خدا تعالیٰ کی نصرت اور محبت کا فیض ہمیں ملے۔ پھر خدا کی مدد کو لے کر ہمارا فرض ہے اور ہر ایک ہم میں سے جو کچھ کر سکتا ہے۔ اس کو لازم ہے کہ وہ ان حملوں کے جواب دینے میں کوئی کوتاہی نہ کرے۔ ہاں جواب دیتے وقت نیت یہی ہو کہ خدا تعالیٰ کا جلال ظاہر ہو"۔ [۲۸]

تقویٰ، اخلاص اور ایمان کی چمکتی ہوئی تلواروں کے ساتھ دشمنان اسلام کے خلاف قلمی و لسانی جہاد۔ یہی آپ کی پوری دعوت کا لب لباب اور خلاصہ تھا اور یہی اس اسلامی عمارت کی بنیاد تھی جسے دنیا بھر میں تعمیر کرنے کے لئے آپ اس جہان میں تشریف لائے تھے۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اپنی زندگی میں اپنے مشن کی تکمیل میں کتنی شاندار کامیابی ہوئی اس کا اندازہ اس امر سے بخوبی لگ سکتا ہے کہ تحریک احمدیت کے قیام سے صرف پانچ برس بعد ۱۸۹۴ء میں پادریوں کی ایک عالمی کانفرنس کے سامنے لارڈ بشپ آف گلوسٹر ریورنڈ چارلس جان ایلی کوٹ نے نہایت درجہ گہری تشویش کا اظہار کرتے ہوئے یہ انکشاف کیا کہ:

"اسلام میں ایک نئی حرکت کے آثار نمایاں ہیں۔ مجھے ان لوگوں نے جو صاحب تجربہ ہیں بتایا ہے کہ ہندوستان کی برطانوی مملکت میں ایک نئی طرز کا اسلام ہمارے سامنے آ رہا ہے اور اس جزیرے میں بھی کہیں کہیں اس کے آثار نمایاں ہو رہے ہیں... یہ ان بدعات کا سخت مخالف ہے جن کی بناء پر محمدؐ کا مذہب ہماری نگاہ میں قابل نفرین قرار پاتا ہے۔ اس نئے اسلام کی وجہ سے محمدؐ کو پھر وہی پہلی سی عظمت حاصل ہوتی جا رہی ہے یہ نئے تغیرات با آسانی شناخت کئے جا سکتے ہیں۔ پھر یہ نیا اسلام اپنی نوعیت میں مدافعانہ ہی نہیں بلکہ جارحانہ حیثیت کا بھی حامل ہے افسوس ہے تو اس بات کا کہ ہم میں سے بعض کے ذہن اس کی طرف مائل ہو رہے ہیں"۔ [۲۹]

یہ تو آپ کی زندگی کا واقعہ ہے آپ کی وفات کے بعد (متحدہ) ہندوستان کے بڑے بڑے مذہبی اور

سیاسی لیڈروں نے آپ کے مجاہدانہ کارناموں کو خراج عقیدت پیش کیا اور غیر مذاہب پر آپ کی نمایاں کامیابی کا واضح لفظوں میں اقرار کیا۔ چنانچہ مولانا ابو الکلام آزاد نے (جو بعد کو امام الہند سے موسوم ہوئے) لکھا:

"مرزا صاحب کی اس رحلت نے ان کے بعض دعاوی اور معتقدات سے شدید اختلاف کے باوجود ہمیشہ کی مفارقت پر مسلمانوں کو ان تعلیم یافتہ اور روشن خیال مسلمانوں کو محسوس کرا دیا۔ کہ ان کا ایک بڑا شخص ان سے جدا ہو گیا اور اس کے ساتھ مخالفین اسلام کے مقابلہ پر اسلام کی اس شاندار مدافعت کا جو اس کی ذات سے وابستہ تھی خاتمہ ہو گیا۔ ان کی یہ خصوصیت کہ وہ اسلام کے مخالفین کے برخلاف ایک فتح نصیب جرنیل کا فرض پورا کرتے رہے ہمیں مجبور کرتی ہے کہ اس احساس کا کھلم کھلا اعتراف کیا جائے تاکہ وہ مہتم بالشان تحریک جس نے ہمارے دشمنوں کو عرصہ تک پست اور پائمال بنائے رکھا آئندہ بھی جاری رہے"۔

"اس مدافعت نے نہ صرف عیسائیت کے ابتدائی اثر کے پرخچے اڑائے جو سلطنت کے سایہ میں ہونے کی وجہ سے حقیقت میں اس کی جان تھا اور ہزاروں لاکھوں مسلمان اس کے اس زیادہ خطرناک اور مستحق کامیابی حملہ کی زد سے بچ گئے بلکہ خود عیسائیت کا طلسم دھواں ہو کر اڑنے لگا"۔

"غرض مرزا صاحب کی یہ خدمت آنے والی نسلوں کو گرانبار احسان رکھے گی کہ انہوں نے قلمی جہاد کرنے والوں کی پہلی صف میں شامل ہو کر اسلام کی طرف سے فرض مدافعت ادا کیا اور ایسا لٹریچر یادگار چھوڑا جو اس وقت تک کہ مسلمانوں کی رگوں میں زندہ خون رہے اور حمایت اسلام کا جذبہ ان کے شعار قومی کا عنوان نظر آئے قائم رہے گا"۔ "مرزا صاحب کا دعویٰ تھا کہ میں حکم و عدل ہوں... لیکن اس میں کلام نہیں کہ ان مختلف مذاہب کے مقابل پر اسلام کو نمایاں کر دینے کی ان میں مخصوص قابلیت تھی"۔ [۲۸]

خلافت اولیٰ کے زمانہ میں کاروان احمدیت اور آگے بڑھا اور مسلمانوں کے مختلف عناصر کو محسوس ہونے لگا کہ اسلام کی آئندہ ترقی جماعت احمدیہ کے ساتھ وابستہ ہے۔ چنانچہ امرتسر کے ایک نامور جرنلسٹ (مسٹر محمد اسلم) محض اس خیال کا اندازہ لگانے کے لئے قادیان پہنچے۔ سیدنا نور الدینؓ کے درس سے فیض یاب ہونے کے علاوہ جماعت احمدیہ کے افراد کا قریب سے مطالعہ کیا اور پھر واپس آکر ایک طویل مضمون میں اپنے تاثرات قلمبند کئے جن میں لکھا کہ:

"عالم اسلام کی خطرناک تباہ انگیزیوں نے مجھے اس اصول پر قادیان جانے پر مجبور کیا کہ احمدی جماعت جو بہت عرصہ سے یہ دعویٰ کر رہی ہے کہ وہ دنیا کو تحریری و تقریری جنگ سے مغلوب کر کے

اسلام کا حلقہ بگوش بنائے گی آیا وہ ایسا کرنے کی اہلیت رکھتی ہے؟"

مسٹر اسلم نے قادیان میں جاکر کیا دیکھا اس کی تفصیل میں انہوں نے بتایا کہ:

"جو کچھ میں نے احمدی قادیان میں جاکر دیکھا وہ خالص اور بے ریاء توحید پرستی تھی اور جس طرف نظر اٹھتی تھی قرآن ہی قرآن نظر آتا تھا۔ غرض قادیان کی احمدی جماعت کو عملی صورت میں اپنے اس دعویٰ میں کہیں بڑی حد تک سچا ہی سچا پایا کہ وہ دنیا میں اسلام کو پر امن صلح کے طریقوں سے تبلیغ و اشاعت کے ذریعے ترقی دینے کے اہل ہیں اور وہ ایسی جماعت ہے جو دنیا میں عموماً قرآن مجید کے خالصتاً للہ پیرو ہیں اور اسلام کی فدائی ہے اور اگر تمام دنیا اور خصوصاً ہندوستان کے مسلمان یورپ میں اشاعت اسلام کے ان اداروں کی عملاً مدد کریں تو یقیناً یورپ آفتاب اسلام کی نورانی شعاعوں سے منور ہو جائے گا اور اس خونخوار مسیحیت کو جو اپنے مادہ پرست نام لیوا بچوں کی بوالہوسی کو پورا کرنے کی خاطر اسلامی ممالک تاخت و تاراج کرنے اور اسلام کا نام دنیا سے مٹانے پر تلی پڑی ہے اس طریقے سے شکست فاش ہوگی"۔ [۲۹] سیدنا حضرت خلیفہ اول رضی اللہ عنہ کے وصال کے بعد موجودہ امام حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد ایدہ اللہ الودود سریر آرائے خلافت ہوئے تو اسلام کی تبلیغ و اشاعت کا ایک عالمگیر نظام قائم ہو گیا اور اب امریکہ' یورپ' افریقہ آسٹریلیا اور ایشیا غرضیکہ سبھی براعظموں میں حکومت اسلامی کی روحانی بنیادیں نہایت سبک رفتاری سے ابھر رہی ہیں۔ دوسری جانب عیسائیت کے تعمیر کردہ آہنی قلعے ایک ایک کرکے مسمار ہو رہے ہیں جن کا اقرار خود عیسائی مشنوں کو ہے اور وہ اپنی شکست کے آثار دیکھ کر ہر طرف عجیب سراسیمگی' اضطراب اور وحشت کا اظہار کر رہے ہیں۔ چند تاثرات ملاحظہ ہوں:

افریقہ (مشہور پادری ڈاکٹر زویمر)

"مسلمانوں کے قدیم فرقے جو یورپین قوموں سے کھلے جنگ کے حامی تھے ایک ایک کرکے میدان سے ہٹ گئے ہیں اور ان کی جگہ اب فرقہ احمدیہ لے رہا ہے جس نے لیگوس' نائیجیریا اور مغربی افریقہ کے مرکز سے تمام فرانسیسی مغربی افریقہ پر اثر جمالیا ہے"۔ [۳۰]

سیرالیون میں امریکن مشن کے پادری مسٹر دیورڈ گار نے لکھا:

"جماعت احمدیہ کے ذریعہ سے جو اسلامی کمک یہاں پہنچی ہے اس سے روکوپور کے نواحی علاقہ میں اس جماعت کی مضبوط مورچہ بندی ہو گئی ہے اور اب عیسائیت کے مقابلہ میں تمام تر کامیابی اسلام کو نصیب ہو رہی ہے۔ مثال کے طور پر اس مقابلہ کی صف آرائی کے نتیجہ میں تھوڑا عرصہ ہوا "شہر کامیہ میں امریکن عیسائی مشن بند کرنا پڑا"۔ [۳۱]

ایس - جی - ولیم سن (S.G. WILLIAMSON)

"گولڈ کوسٹ کے شمالی علاقوں میں بڑے بڑے چرچ رومن کیتھولک چرچ کے سوا اب تک حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے پیروؤں کے لئے میدان خالی کر چکے ہیں۔ گولڈ کوسٹ پرسن بائی ٹیرین چرچ اب شمال کی جانب کھسکنا شروع ہو گئے ہیں۔ اشانٹی اور گولڈ کوسٹ کے جنوبی حصوں میں عیسائیت اب تک نفع میں ہے۔ لیکن جنوب کے بعض حصوں میں خاص کر ساحل کے ساتھ ساتھ تحریک احمدیت بڑی بڑی کامیابیاں حاصل کر رہی ہے۔ گولڈ کوسٹ کے متعلق جو عام طور پر یہ امید تھی کہ یہ علاقہ جلدی عیسائیت قبول کر لے گا۔ اب یہ امید جتنا کہ ہم خیال کرتے ہیں اس سے بھی زیادہ خطرہ میں ہے۔ ڈاکٹر پیرنڈر کہتے ہیں کہ جنوب میں بت پرستی مر رہی ہے اور اسلام بڑھ رہا ہے اور اکثریت حاصل کر رہا ہے"۔ [۲۲]

اس ضمن میں بالخصوص افریقہ میں جماعت احمدیہ کی کامیاب تبلیغی مساعی کے متعلق امریکہ کے اخبار لائف کی یہ تازہ شہادت ہے کہ:

"حال ہی میں کچھ عرصہ قبل دنیا میں تبلیغ اسلام کی کوئی منظم تحریک موجود نہ تھی۔ مسلمانوں میں خدا اور بندے کے درمیان کسی اور کو واسطہ تسلیم نہ کرنے کے شدید جذبہ کی وجہ سے اسلام میں پاپائیت کبھی سر نہ اٹھا سکی۔ ہر مسلمان اپنے انفرادی ایمان کی بدولت اپنی ذات میں اسلام کے ایک مبلغ کی حیثیت رکھتا تھا تاہم اسلام خود اپنے جذبہ تفاخر کا اس رنگ میں شکار ہوتا رہا کہ اس نے دوسرے معتقدات کی تحقیر میں نئے اور عجمی افکار و نظریات کے ساتھ علاقہ پیدا کرنے اور ان سے فائدہ اٹھانے کی طرف کوئی توجہ نہ دی۔ لیکن موجودہ زمانے میں اب مسلمانوں کے اندر ایسے آثار ظاہر ہوئے ہیں کہ جن سے ایک نئے رجحان کی نشاندہی ہوتی ہے اور وہ رجحان یہ ہے کہ مسلمانوں نے بھی اب عیسائیوں کی تبلیغی تنظیم اور ان کے فنکارانہ اسلوب میں دلچسپی لینی شروع کر دی ہے... حتیٰ کہ قاہرہ کی الازہر یونیورسٹی بھی جسے اسلام کے ایک علمی مرکز کی حیثیت حاصل ہے اور جو مغربی اثرات کا شدت سے مقابلہ کرتی رہی ہے۔ اب ہر سال بعض طلبہ کو اس غرض سے تیار کرتی ہے کہ وہ اسلام کی تبلیغ کا فریضہ ادا کر سکیں۔ مزید برآں اسلام کے بعض دوسرے فرقوں میں بھی زندگی اور قوت کے آثار روز بروز نمایاں ہو رہے ہیں۔ ان میں سب سے زیادہ پیش پیش ایک نیا فرقہ ہے جو جماعت احمدیہ کے نام سے موسوم ہے۔ اس کا صدر مقام پاکستان میں ہے اور یورپ، افریقہ، امریکہ اور مشرق بعید کے ممالک میں اس کے باقاعدہ تبلیغی مشن قائم ہیں... احمدیت کی تحریک گذشتہ نصف صدی کے اندر اندر ہندوستان میں معرض وجود میں آئی۔ بعض دوسرے اسلامی فرقوں کی طرح اس کی ابتداء بھی غیر

معمولی حالات میں ہوئی - ۱۸۹۰ء میں (حضرت) مرزا غلام احمد نامی ایک مصلح نے پنجاب میں قادیان کے مقام پر صاحب الہام ہونے کا دعویٰ کیا - اور کہا کہ خدا تعالیٰ نے نئے زمانہ کی ضرورت کے مطابق اسلامی تعلیمات کے نئے نئے معارف ان پر کھولے ہیں - انہوں نے اس امر پر بھی زور دیا کہ ان کی بعثت کی خبر بائیبل اور قرآن دونوں میں موجود ہے - انہوں نے مسیح اور مہدی ہونے کا بھی اعلان کیا اور اس کے ثبوت میں اس امر کو خاص طور پر دنیا کے سامنے رکھا کہ خود ان میں اور مسیح میں خوبو اور اوصاف کے لحاظ سے مماثلت پائی جاتی ہے - گو بعد میں انہوں نے یہ بھی اعلان کیا کہ وہ بلحاظ مرتبہ مسیح سے افضل ہیں... ان کی تعلیم نرمی اور آزاد خیالی پر مبنی تھی - انہوں نے تعلیم دی کہ اسلام جہاد کے ذریعہ نہیں بلکہ اپنی باطنی خوبیوں کے ذریعہ دنیا میں پھیلے گا اور تلوار نہیں بلکہ خالصتاً تبلیغی جدوجہد اس کی اشاعت کا ذریعہ بنے گی"۔

"۱۹۰۸ء میں مرزا غلام احمد کی وفات کے بعد ان کے ماننے والے دو گروہوں میں بٹ گئے - [۲۲] ان میں سے اصل گروہ جو ابتداء " معرض وجود میں آیا تھا قادیانی کہلاتا ہے اور ان کے دعویٰ ماموریت پر ایمان رکھتا ہے - علیحدہ ہونے والے گروہ نے جو اس خیال کا حامی نہیں تھا [۲۳] لاہور میں اشاعت اسلام کے نام سے ایک انجمن قائم کر لی ہے - آج کل دونوں جماعتیں دنیا بھر میں تبلیغ اسلام کا فریضہ ادا کرنے میں مصروف ہیں - قادیانی جماعت کا جس نے افریقہ کو خاص طور پر اپنی توجہ اور جدوجہد کا مرکز بنا رکھا ہے دعویٰ ہے کہ وہ اب تک وہاں ساٹھ ہزار حبشی باشندوں کو اسلام میں داخل کر چکی ہے۔

دنیا میں جہاں کہیں بھی رنگ اور نسل کے بارے میں سفید فام اقوام کے تعصبات انسانی برادری سے متعلق مسیح کی تعلیم کو پس پشت ڈال کر اس کی تردید کرتے ہوئے نظر آتے ہیں وہاں اب (عیسائیت کی جگہ) اسلام پھیل رہا ہے۔

دین عیسوی اور دین موسوی کی طرح اسلام کا آغاز بھی بحیرہ روم کے جنوب مشرقی کونے میں سامی النسل لوگوں کے درمیان ہی ہوا تھا - چنانچہ یوروشلم کی قدیم پہاڑی جو ساتویں صدی عیسوی کے زمانہ سے مسلمانوں کے لئے ایک متبرک عبادت گاہ کا درجہ رکھتی ہے عیسائیت کے نمودار ہونے سے قبل یہودیوں کے لئے بھی اسی طرح متبرک تھی اور وہ وہاں اپنے جانوروں کی قربانی دیتے تھے - اگرچہ مسلمانوں نے خود اس غرض کے لئے اس جگہ کو کبھی استعمال نہیں کیا لیکن آج دنیا میں مسلمانوں کی آبادی مختلف رنگ اور نسل کے لوگوں پر مشتمل ہے اور اس کی ایک بھاری اکثریت سامی نسل کے علاوہ کلیتہ دوسرے نسلی گروہوں سے تعلق رکھتی ہے - ان میں سے تین چوتھائی کے قریب ایشیا میں آباد ہے اور باقی کا اکثر حصہ افریقہ میں پھیلا ہوا ہے - جہاں لاکھوں لاکھ حبشی باشندے جن کی تعداد وہاں

کی اصل آبادی کے پانچویں حصہ کے برابر ہوگی اسلام قبول کر چکے ہیں۔ بعض علاقوں میں جہاں آج کل عیسائی مشنری اور مسلمان مبلغ ایک دوسرے کے بالمقابل اپنے اپنے مذہب کی اشاعت میں مصروف ہیں حالت یہ ہے کہ عیسائیت قبول کرنے والے ایک شخص کے مقابلے میں دس حبشی اسلام قبول کرتے ہیں۔

یہ امر خاص طور پر قابل ذکر ہے کہ مغربی افریقہ میں اب اسلام کو واضح طور پر حبشیوں کا مذہب قرار دیا جاتا ہے جبکہ عیسائیت وہاں صرف سفید فام لوگوں کا مذہب بن کر رہ گئی ہے"۔ [۲۵]

امریکہ امریکہ میں احمدیہ مشن قائم ہوئے صرف پینتیس سال ہوئے ہیں مگر اس مختصری مدت میں خدا تعالیٰ نے اسلام کو جو غیر معمولی قبولیت بخشی ہے اس کا اندازہ اس سے لگ سکتا ہے کہ ملک کے اداروں' یونیورسٹیوں' کالجوں اور لائبریریوں میں اسلام کے عام چرچے ہیں۔ بلکہ اب تو حکومت کی طرف سے پچھلے دنوں ملک میں باقاعدہ ایک "اسلامی مرکز" بھی تعمیر کیا گیا ہے۔ یہ انقلاب عظیم اس لحاظ سے خدائی معجزہ کہلانے کا مستحق ہے کہ ۱۹۲۰ء میں اسلام کے پہلے امریکی مبلغ حضرت مفتی محمد صادق صاحب رضی اللہ عنہ کے داخلہ پر پابندی عائد کر دی گئی تھی۔ جس پر حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے پیشگوئی فرمائی تھی کہ اسلام امریکہ میں ضرور داخل ہوگا کیونکہ امریکی حکومت خدائی حکومت کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ [۲۶]

امریکہ میں احمدیت کے ذریعہ سے اسلام کے اثر و نفوذ کا اس سے بڑھ کر اور کیا ثبوت ہو سکتا ہے کہ پاکستان میں امریکی سفارت خانے کے مشہور ترجمان "پندرہ روزہ" نے جنوری ۱۹۵۲ء کی اشاعت میں یہ انکشاف کیا کہ جماعت احمدیہ کی تبلیغی مساعی کے نتیجہ میں ایک ہزار امریکن حلقہ بگوش اسلام ہو چکے ہیں۔ [۲۷]

یورپ یورپ میں احمدیت کے جانباز مجاہد کس بے جگری سے اسلام کی تبلیغ میں مصروف ہیں اس کا کسی قدر اندازہ ذیل کے اقتباس سے بخوبی لگ سکتا ہے۔ اخبار نیروبی ۵۔ جولائی ۱۹۴۸ء رقم طراز ہے: "جہاں تک مبشرین کی آمد و رفت کا تعلق ہے امام جماعت احمدیہ کے مبلغین نے ہوا کا رخ بالکل پھیر کر رکھ دیا ہے۔ پہلے عیسائی مشنری مغرب سے مشرق کی طرف آتے تھے اب مبلغین اسلام مشرق سے مغرب کی طرف جا رہے ہیں۔ اسلام کے یہ منادی آج کل یورپ میں اسلامی تعلیمات کی تبلیغ و اشاعت کے وسیع انتظامات کو پایہ تکمیل تک پہنچانے میں ہمہ تن مصروف ہیں"۔

مصر کا اخبار الفتح (جمادی الاولیٰ ۱۳۵۱ھ) لکھتا ہے:

احمدیت ایک عظیم الشان تحریک ہے جس کے ممبروں نے اکناف عالم میں زر کثیر خرچ کر کے اپنی

دعوت کو مختلف زبانوں میں پہنچایا ہے اور یہ سلسلہ اس قدر ترقی کر چکا ہے کہ آج ان کے مشن ایشیا' امریکہ وافریقہ میں قائم ہو چکے ہیں۔ اور چونکہ ان کے پاس حقائق اسلام اور اس کے احکام کا ایک بیش بہا ذخیرہ موجود ہے اس لئے تاثیر اور فلاح کے لحاظ سے نصاریٰ کی ترقی ان کے سامنے کچھ بھی حقیقت نہیں رکھتی۔ جو شخص ان کے جلیل القدر کارناموں کو دیکھے گا وہ حیرت زدہ رہ جائے گا۔ کہ کس طرح اس چھوٹے سے فرقے نے وہ کام کر دکھایا ہے جس کو کروڑوں مسلمان کرنے پر قادر نہیں ہو سکے۔ (ترجمہ) [۳۸]

"برصغیر ہندو پاکستان کے ایک مسلم لیڈر جناب محی الدین غازی لکھتے ہیں:

"یورپ وامریکہ کی مذہب سے بیزار اور اسلام کی حریف دنیا میں علم تبلیغ بلند کرنے کی کسی عالم دین یا کسی علمی ادارے کو توفیق نہیں ہوئی۔ اگر علم تبلیغ ہاتھ میں لے کر اٹھا تو وہ یہی... قادیانی فرقہ تھا۔

کال اس فرقہ زہاد سے اٹھا نہ کوئی کچھ ہوئے بھی تو یہی رند قدح خوار ہوئے

اس جماعت نے تبلیغی مقاصد کے لئے پہلے اسی سنگلاخ زمین کو چنا اور یورپ وامریکہ کا رخ کیا اور ان کے سامنے اسلام کو اصلی و سادہ صورت میں اور اس کے اصولوں کو ایسی قابل قبول شکل میں پیش کیا کہ ان ممالک کے ہزارہا افراد و خاندان دائرہ اسلام میں داخل ہو گئے اور یَدْخُلُوْنَ فِیْ دِیْنِ اللّٰہِ اَفْوَاجًا کا سماں آنکھوں میں پھر گیا"۔ [۳۹]

افریقہ' امریکہ اور یورپ میں تبلیغ اسلام کی یہ مہم جتنی قوت سے جاری ہے۔ اتنی قوت سے ایشیا کے تمام ممالک میں بھی جاری ہے۔ اور ہر جگہ احمدیت اپنے حقیقی نصب العین کی طرف برق رفتاری سے بڑھتی جارہی ہے اور لادینیت پسپا ہوتی جارہی ہے۔ اس ضمن میں پاکستان کے ایک نامور ادیب شیخ محمد اکرام صاحب کے تاثرات قابل مطالعہ ہیں۔ آپ لکھتے ہیں:

"احمدی جماعت کے فروغ کی ایک وجہ ان کی تبلیغی کوششیں ہیں۔ مرزا صاحب اور ان کے معتقدوں کا عقیدہ ہے کہ اب جہاد بالسیف کا زمانہ نہیں۔ جہاد بالقلم کا زمانہ ہے ان کے عقیدہ سے عام مسلمانوں کو اختلاف ہے۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ جہاد بالسیف کی اہلیت نہ احمدیوں میں ہے اور نہ عام مسلمانوں میں۔ طاقت جلوہ سینا نہ تو داری و نہ من۔ عام مسلمان نہ تو جہاد بالسیف کے عقیدہ کا خیالی دم بھر کے نہ عملی جہاد کرتے ہیں نہ تبلیغی جہاد۔ لیکن احمدی... دوسرے جہاد یعنی تبلیغ کو فریضہ مذہبی سمجھتے ہیں۔ انہیں خاصی کامیابی حاصل ہوئی ہے"۔ [۴۰]

تحریک احمدیت کی ان زبردست کوششوں کا نتیجہ ہے کہ وہ مسلمان جو اٹھارہویں صدی میں اپنی موت پر دستخط کئے ہوئے تھے خدا کے فضل سے اپنے اندر زندگی کی ایک برقی لہر محسوس کرتے ہوئے اعلان عام کر رہے ہیں کہ "یہ بیسویں صدی ہر جگہ مسلمانوں کے لئے نشاۃ ثانیہ کیئے یا بیداری کا آغاز ہے"۔ [۲۱]

حواشی

۱- اشتہار تکمیل تبلیغ (۹ - جمادی الاول ۱۳۰۶ھ مطابق ۱۲ - جنوری ۱۸۸۹ء)
۲- یاد رہے پین اسلام ازم کی تحریک کا نظریہ السید جمال الدین افغانی نے اپنی زندگی کے آخری پانچ چھ سالوں میں پیش کیا تھا اور ان کی وفات ۱۸۹۷ء میں ہوئی تھی" (مقام جمال الدین افغانی" شائع کردہ نفیس اکیڈیمی کراچی نمبر۱ طبع دوم صفحہ ۱۴۹ '۲۱۴)
۳- در منثور عن الحکیم الترمذی (کتاب) بیسیر شرح جامع الصغیر مصری جلد اول صفحہ ۲۱۱ (الشیخ الامام الکامل عبد الروف المناوی رحمتہ اللہ علیہ)
۴- اخبار کوہستان لاہور ۳۰- ستمبر ۱۹۵۶ء صفحہ ۴
۵- ڈاکٹر اقبال کی "مثنوی پس چہ باید کرد" کی شرح مؤلفہ پروفیسر یوسف سلیم صاحب چشتی بحوالہ رسالہ خدام الدین ۱۷- جنوری ۱۹۵۸ء صفحہ ۱۸)
۶- بحوالہ "رسالہ نگار" (بھارت) جنوری فروری ۱۹۵۱ء صفحہ ۲۷ و صفحہ ۱۱۰
۷- The New world of Islam p.25-26 (New York Charles Ccribner Son 1921)
۸- ۱۸۹۲ء میں ولفرڈ سکاون بلنٹ (Wilfred Scawen Blunt) نے بھی کتاب "The Future of Islam" کے آخر میں مسلمانان عالم کے زوال کا ذکر کیا ہے۔
۹- بحوالہ "مجموعہ مکاتیب اقبال" صفحہ ۳۶۲ ' ۳۶۳ مرتبہ شیخ عطاء اللہ ایم۔اے شعبہ معاشیات مسلم یونیورسٹی علی گڑھ (ناشر شیخ محمد اشرف تاجر کتب کشمیری بازار لاہور)۔
۱۰- "آثار قیامت" صفحہ ۲ (مولفہ سید محمد عباس قمر زیدی الواسطی) شائع کردہ زیدی برادرس عید گاہ روڈ کراچی طبع اول اگست ۱۹۵۴ء)
۱۱- "قادیانیت" صفحہ ۷ (مولانا سید ابو الحسن علی ندوی) مکتبہ دینیات ۴ ۱۳ شاہ عالم مارکیٹ لاہور طبع اول ۱۹۵۹ء
۱۲- قادیانیت صفحہ ۲۱۹
۱۳- "براہین احمدیہ" حصہ پنجم (مطبوعہ ۱۹۰۸ء) و "پیغام صلح" (مطبوعہ ۱۹۰۸ء)
۱۴- "مجموعہ مکاتیب اقبال" حصہ دوم صفحہ ۲۳۱
۱۵- "مقالات جمال الدین افغانی" (صفحہ ۲۱۰ تا ۲۱۵) شائع کردہ نفیس اکیڈیمی۔ بلاسس اسٹریٹ کراچی طبع دوم جون ۱۹۵۲ء مترجم سید مبارز الدین رفعت ایم اے۔
۱۶- "تعارف" صفحہ ۱۷ ' ۲۷ شائع کردہ حاجی کریم بخش شاہ ولی تاجران کتب انارکلی لاہور۔
۱۷- "چشمہ ہدایت" صفحہ ۴۳ ' ۴۴ ناشر جماعت احمدیہ حلقہ دہلی دروازہ لاہور (تقریر فرمودہ ۲۷- دسمبر ۱۹۵۱ء)
۱۸- "الاشتهار مستیقنا بوحی الله القهار" ۱۴- جنوری ۱۸۹۷ء صفحہ ۲- و تذکرہ طبع اول صفحہ ۲۸۶ (مجموعہ الہامات حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام)
۱۹- تذکرۃ الشہادتین صفحہ ۶۴ ' ۶۵ طبع اول اکتوبر ۱۹۰۳ء
۲۰- رسالہ اشاعۃ السنہ جلد ۶ صفحہ ۱۶۸
۲۱- تذکرہ طبع دوم صفحہ ۹ (مجموعہ الہامات و کشوف حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام)
۲۲- اخبار آزاد لاہور ۲۴- نومبر ۱۹۵۰ء صفحہ ۲ کالم ۱-۲
۲۳- خطبہ حضرت امام جماعت احمدیہ فرمودہ ۱۳- مارچ ۱۹۳۶ء صفحہ ۳ بحوالہ الفضل ۱۸- مارچ ۱۹۳۶ء صفحہ ۳
۲۴- خطبہ جمعہ مطبوعہ الفضل ۱۸- مارچ ۱۹۳۶ء صفحہ ۳-۴

۲۵۔ ملفوظات حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام صفحہ ۲۷۶، ۲۷۷ شائع کردہ بکڈپو تالیف واشاعت قادیان طبع اول
۲۶۔ الحکم ۱۷۔جون ۱۹۰۱ء صفحہ ۲
۲۷۔ The official report of the conference of the anglicon communion 1894 page 64
۲۸۔ اخبار وکیل مئی ۱۹۰۸ء
۲۹۔ بدر ۱۳۔مارچ ۱۹۱۳ء (بحوالہ "تاثرات قادیان" طبع اول صفحہ ۱۴۰ مرتبہ جناب ملک فضل حسین صاحب مطبوعہ پرنٹنگ پریس لاہور دسمبر ۱۹۳۸ء)
۳۰۔ رسالہ مسلم ورلڈ (ترجمہ)
۳۱۔ اخبار ویسٹ افریقین فروری ۱۹۴۷ء۔
۳۲۔ **Christ or Muhammed** صفحہ ۳-۴ ناشر **Methodist Book Depot Capcoast** مطبوعہ ۱۹۵۳ء پریس : **The Comfield Press St. AlBans Great Britain**
۳۳۔ جماعت احمدیہ میں اختلاف کا آغاز ۱۹۱۴ء میں حضرت خلیفۃ المسیح اول مولانا نور الدین رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد ہوا تھا جبکہ مولوی محمد علی صاحب ایم اے اور ان کے رفقاء نے مرکز و خلافت سے علیحدگی اختیار کرکے لاہور میں ایک نئی انجمن کی بنیاد ڈالی۔ (مرتب)
۳۴۔ حقیقت یہ ہے کہ جماعت احمدیہ کا لاہوری فریق حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو مامور تو تسلیم کرتا ہے مگر آپ کے دعویٰ نبوت کا قائل نہیں۔
۳۵۔ رسالہ لائف ۸۔اگست ۱۹۵۵ء
۳۶۔ الفضل ۱۵۔اپریل ۱۹۲۰ء صفحہ ۱۲ (ترجمہ)
۳۷۔ پڑانا (جنوری ۵۲ء جلد ۳ نمبر ۲۰) کی اس خبر کا متن یہ تھا : **"About 12,000 Muslims live in the United States, including 1,200 Pakistanis 10,000 from other Eastern countries, and 1,000 American Converts to Islam by Ahmdia"**
۳۸۔ بحوالہ الفضل ۲۰۔دسمبر ۱۹۳۲ء
۳۹۔ "تاثرات" (مرتبہ اے آر انجم جرنلسٹ) مطبوعہ حیدر آباد سندھ ۱۲۔اگست ۱۹۵۳ء صفحہ ۱۷-۱۸
۴۰۔ "موج کوثر" مرتبہ شیخ محمد اکرام بی اے صفحہ ۱۹۳، ۱۹۴ ناشر فیروز سنز لاہور طبع دوم ۱۹۵۸ء
۴۱۔ ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم مرحوم (۱۸۹۵ء-۱۹۵۹ء) ڈائریکٹر ادارہ ثقافت اسلامیہ (پاکستان) کا ایک بیان مطبوعہ رسالہ "استقلال" لاہور ۱۰۔مارچ ۱۹۵۸ء صفحہ ۱۰

باب دوم

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خاندانی حالات

بانی سلسلہ احمدیہ جری اللہ فی حلل الانبیاء حضرت اقدس مرزا غلام احمد قادیانی مسیح موعود مہدی مسعود علیہ الصلوٰۃ والسلام مشہور ایرانی قوم برلاس کے درخشندہ گوہر تھے اور آپ کا خاندان ایک شاہی خاندان تھا۔ جس کے فارسی قالب کو دست قدرت کی طرف سے اپنی نہاں در نہاں مصلحتوں سے ترکی، چینی اور فاطمی خون کا لطیف امتزاج بخشا گیا تھا۔ [1]

حضرت کا خاندان گو مغلیہ خاندان کہلاتا ہے مگر آپ پر الہاماً یہ انکشاف کیا گیا [2] کہ آپ دراصل فارسی النسل ہیں اور حدیث نبوی "لو کان الایمان معلقا بالثریا لناله رجل او رجال من ھولاء" [3] کے مصداق! یہ عجیب تصرف الٰہی ہے کہ اگرچہ حضور کی زندگی میں اس دعویٰ کا کوئی تاریخی ثبوت مہیا نہیں ہو سکا۔ مگر آپ کے انتقال پر ربع صدی گزرنے کے بعد متعدد ایسے انکشافات ہوئے [4] کہ آپ کا فارسی الاصل ہونا تاریخ کی روشنی میں بھی بالکل نمایاں ہو گیا۔ اس تحقیق میں گو ابھی مزید تحقیق و تفتیش کی کافی گنجائش ہے لیکن بہرحال موجودہ صورت میں بھی اصولی طور پر پانچ نقطہ ہائے نگاہ سے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فارسی النسل ہونا بالبداہت ثابت ہے۔

اول: کتاب "پنجاب کا رواج زمیندارہ" (مطبوعہ ۱۸۳۹ء) میں لکھا ہے کہ "قادیان کا مغل برلاس خاندان زمیندارہ رواج کا نہیں بلکہ اسلامی شریعت کا پابند ہے"۔ اسی طرح بندوبست مال ۱۸۶۵ء کے کاغذات سے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خاندان کا جو شجرہ نسب منسلک ہے اس میں (حضرت) مرزا غلام مرتضیٰ و مرزا غلام جیلانی و مرزا غلام محی الدین کے دستخطوں سے یہ نوٹ درج ہے کہ:

"عرصہ چودہ پشت کا گذرا کہ مرزا ہادی بیگ قوم مغل گوت برلاس مورث اعلیٰ مالکان دیہہ... [5]

یہ دستاویزات بتاتی ہیں کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا خاندان برلاس کی نسل سے ہے۔[6] اور برلاس قوم کے متعلق ہیرلڈلیم (HaroldLamb) ایسے مغربی محقق کی رائے یہ ہے کہ "وہ ایشیا کے سطح مرتفع کی.... ایک قوم تھی جسے گزشتہ زمانے میں سیتھین کہتے تھے اور بعض ترک بھی بولتے تھے۔ مغلوں کے ساتھ وہ شمالی میدانوں سے آئے تھے اور اس زرخیز پہاڑی ملک میں آباد ہو گئے"۔[7]

اور انسائیکلوپیڈیا آف برٹینیکا میں لکھا ہے۔ تمام سیتھین قوم ایرانی الاصل تھی۔

"The Entire Community Being of Iranian Originy"

[8] پس جب سیتھین لوگ ایرانی تھے تو برلاس قوم کا ایرانی ہونا بھی خود بخود ثابت ہو گیا۔ برلاس قوم کے ایرانی ہونے کا علم الالسنہ کی رو سے ایک بھاری ثبوت یہ ملا ہے کہ جہاں قدیم منگولی اور ترکی لغات میں برلاس کا لفظ قریباً ناپید ہے وہاں فارسی لغات میں یہ لفظ بکثرت موجود ہے بلکہ عجیب تر بات یہ ہے کہ فارسی لغات نویسوں نے برلاس کے وہی معنی بتائے ہیں جن پر "فارس" کا عربی لفظ التزامی رنگ میں مستعمل ہے یعنی شجاع بالنسب۔[9] اس ضمن میں چند فارسی لغات نویسوں کے نام یہ ہیں۔ آئی آئی پی ڈیمیسنز [10] (I.I.P Desmaisons) ایف سٹین گاس (F. Stein gaos) شیخ ابوالفضل وغیرہ۔[11]

دوم: دوسرا نقطہ نگاہ جس سے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا مرد فارس ہونا پایہ ثبوت تک پہنچتا ہے یہ ہے کہ ہیرلڈلیم [12] (Harold Lamb) اے ویمبرے [13] (A. Vambery) ایچ۔جی ریورٹی [14] (H.G. Raverty) اور سرپرسی سائیکس [15] (Sir Percy Sykes) اور دوسرے مغربی مورخین نے تسلیم کیا ہے کہ امیر تیمور برلاس قبیلہ سے تعلق رکھتا تھا اور اس کا باپ اس قبیلے کا رئیس تھا۔[16] اسی طرح "تزک تیموری" (Memoris of Tamur) میں تیمور کے باپ کی یہ دعا بھی لکھی ہے کہ خدایا مجھے ایسا فرزند عطا کر جو قبیلہ برلاس کی عزت و شہرت کو دوبالا کرنے والا ہو"۔

یہ معلوم کر لینے کے بعد کہ صاحبقران تیمور برلاس خاندان ہی کا ایک فرد تھا (بلکہ جیسا کہ اس کے شجرہ نسب سے ثابت ہے وہ ایردم جی برلاس کی چھٹی پشت میں تھا اور حاجی برلاس مورث اعلیٰ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا حقیقی بھتیجا تھا) اب تیمور کے خاندانی کوائف پر باریک نگاہ ڈالی جائے تو وہ نسلاً خالص ایرانی معلوم ہوتا ہے۔ یہ صحیح ہے کہ تیمور کے بعض سوانح نگاروں نے "مغل" لفظ کو ناواجب وسعت دیتے ہوئے اسے رشتہ کے اعتبار سے چنگیز خاں سے ملا دیا ہے۔ لیکن بالآخر خود مورخین

ہی یہ اعتراف کرنے پر مجبور ہوئے ہیں کہ یہ صریحاً جھوٹ بلکہ مفروضہ داستان ہے [۱۷] جو مدت ہوئی باطل قرار دی جاچکی ہے۔ بلکہ انہیں یہ بھی مسلم ہے کہ چودھویں صدی میں تیمور کی فتوحات کے بعد اس کے خوشامدیوں نے تیموری شجرہ نسب کو چنگیز خاں سے منسلک کرنے کی کوشش شروع کردی تھی۔ ابن الیاس نے تاریخ رشیدی کے ترجمے کی تمہید میں لکھا ہے "لفظ مغل" کے معنی غلط سمجھے گئے ہیں اور بعض وقتوں میں اس قدر وسیع کر لئے گئے ہیں کہ بہت سی قومیں جو دراصل ترکی النسل ہیں مغل ہی سمجھ لی گئی ہیں۔ یہاں تک کہ بہت سے لوگ جو دراصل مغل نہیں تھے وہ بھی مغل ہی مشہور ہو گئے۔ پہلے پہل چنگیز خاں اور اس کے جانشینوں کے زمانے میں اس کا رواج نظر آتا ہے۔ بعد ازاں ہندوستان میں چغتائیوں کے عروج کے زمانے میں جو عام طور پر مغل کہلاتے ہیں [۱۸] "تیمور کے مغل خاندان سے نہ ہونے کی ایک زبردست شہادت یہ بھی ہے کہ تیمور نے جب مختلف قبائل کو تمغے دینے چاہے اور ان کے نام لئے تو برلاس کو مغل قبیلے سے الگ بیان کیا ہے۔ [۱۹]

یہی نہیں تاریخ سے اس کا مغلوں کے خلاف یورش کرنا بھی ثابت ہے چنانچہ "تاریخ اقوام عالم" میں لکھا ہے۔ "تیمور... برلاس خاندان کا سردار تھا۔ تیمور نے گھڑ سوار ترکوں کا ایک لشکر جرار منظم کیا اور ترکستان کے چغتائی مغلوں کو اپنا مطیع بنانے کے بعد اس نے دشت قپچاق پر چڑھائی کی جس کے شمالی اضلاع میں اردوئے زریں والے مغل خان حکومت کر رہے تھے۔ مغلوں کا اردوئے زریں شمال کی طرف پسپا ہو گیا۔ تیمور نے ان کا تعاقب کیا۔ ان کے مرکز سرائے کو تاراج کیا اور دریائے والگا کے بالائی حصوں میں پہنچ کر انہیں شکست دی۔ تیموری لشکر روس کی سرزمین کو پامال کرتا ہوا ماسکو کے قریب سے گزرا۔ تیمور نے اس شہر سے تعرض نہ کیا کیونکہ وہ چنگیز خانی مغلوں کی طرح شہروں کو بلاوجہ تاراج کرنے کے حق میں نہ تھا"۔ [۲۰]

بہرحال تیمور کو چنگیزی نسل سے قطعاً کوئی تعلق نہیں ہے چنانچہ اس بارے میں محققین کی چند آراء یہ ہیں:

(۱) "سکرائن" (Skrine) اور "راس" (Ross) لکھتے ہیں۔ "تیمور کے پہلے مورخین اس کے شجرہ نسب چنگیز خاں کے ساتھ ملانے پر خاص خوشی کا اظہار کرتے تھے لیکن یہ محض ایک فسانہ ہے جس کا بھانڈا مدت سے چوراہے میں پھوٹ چکا ہے۔" [۲۱]

(۲) میلکم کا کہنا ہے کہ "تیمور کے خوشامدی مورخوں نے اس کا نسب مغل بادشاہ کے ساتھ ملا دیا ہے" [۲۲]

تیمور کو چنگیزی نسل سے منسلک کرنے والوں کے برعکس ایک گروہ لی آن کیہم

(Lean Cahum) اور اے ویمبرے (A.Vambery) سرڈی راس (Sir D. Ross) بلکہ سکرائن بھی شامل ہیں جو تیمور کو ترک قرار دینے پر مصر ہیں۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ گروہ بھی پہلے اسی قسم کی غلطی کا شکار ہوا ہے جس کا ارتکاب پہلا گروہ کر چکا ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ ایک فریق نے "مغل" کے دائرہ میں کھینچ تان کی ہے اور دوسرے نے "ترک" میں۔ جس کا لازمی اور طبعی نتیجہ یہ برآمد ہوا کہ تیمور کی شخصیت ہی نہیں خود برلاس نسل کی ہیئت و صورت ہی "مغل" اور "ترک" پردوں میں پوشیدہ ہو گئی ہے۔ بایں ہمہ یہ حقائق چھپائے چھپ نہیں سکتے۔ کہ تیمور کے سکوں، ہتھیاروں اور مہروں کے نشان اور تیمور کے شاہی محل کی طرز میں قدیم ایرانی روایات بالکل نمایاں تھیں۔ کلاویجو (Clavijo) جو تیمور کے دربار میں ہنری سوم (Henry-III) کی طرف سے بطور سفیر بھیجا گیا تھا تیمور کے حالات پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتا ہے۔ "وہ ہتھیار جو امیر تیمور بیگ لگاتا ہے وہ تین دائروں میں ہیں۔ انگریزی حرف او (O) کی طرح اور ان کی شکل اس طرح کی ہے جس کے یہ معنی ہیں کہ وہ دنیا کی تین اطراف کا مالک ہے۔ تیمور کا حکم تھا کہ یہ نشان سکوں پر بھی لگایا جاوے اور ہر ایک چیز پر جو اس کے پاس تھی۔ امیر نے اپنی مہروں پر بھی یہ نشان لگانے کا حکم دے رکھا ہے اور اس کا یہ بھی حکم ہے کہ تمام وہ لوگ جو سلطنت تیموریہ کے باجگزار ہیں اپنے اپنے ملک کے سکوں پر یہ نشان لگادیں"۔ ویمبرے (Vambery) اس مخصوص نشان کو قدیم ایرانی نشان تسلیم کرتے ہوئے لکھتا ہے:

"تیمور کے اپنے ہتھیار تین حلقوں میں تھے جن پر راستی کا ماٹو تھا... یعنی انصاف ہی طاقت ہے۔ یہ نشان اس کی طاقت کے اظہار کے لئے تھا جو شمال، جنوب اور مغرب تین دائروں پر مشتمل تھے۔ مگر گمان غالب یہی ہے کہ وہ قدیم ایران کے ہتھیاروں کے نشانات سے مستعار لئے گئے ہیں کیونکہ حلقے جو طاقت اور اتحاد کا نشان سمجھے گئے ہیں وہ ساسانی بادشاہوں کے مقبروں پر بھی دیکھے جاتے ہیں"۔ [۲۲]

ویمبرے نے یہ بھی انکشاف کیا ہے کہ:

"... محل دس سال سے ایرانی معماروں کے ہاتھ سے تیار ہو رہا تھا۔ انہوں نے اپنی قومی طرز عمارت کو یہاں تک ملحوظ رکھا کہ سورج اور شیر ببر کے بازو عمارت کی پیشانی پر ڈال دیئے اور اس طرح تورانی فاتح کے محل پر شاہاں ایران کے نشان بنا دیئے"۔ [۲۳]

تیمور کا قدیم ایران کے نشان کو (جو کوئی وجہ نہیں کہ قومی نشان نہ ہو) یوں سختی سے قائم کرنا اور اپنی باجگزار ریاستوں تک کو اس کی پابندی کا حکم دینا اس کے فارسی النسل ہونے کا واضح ثبوت ہے اور پھر تورانی فاتح کے محل پر شاہان ایران کا شاہی نشان تو صاف واضح کر رہا ہے کہ تیمور اور اس کا قبیلہ

برلاس ایرانی عظمتوں کی یادگار تھے اور وہ جہاں جہاں گئے مقبروں سے محلات تک ایرانی نشان کے قیام واحیاء کی تڑپ لے کر گئے۔ ورنہ اگر یہ ایرانی خون کے کرشمے نہیں تھے تو تیمور کی قومی حمیت وغیرت نے کیسے گوارا کر لیا کہ وہ ایک مفتوح قوم کے مٹے ہوئے نقوش کو از سرنو اجاگر کرنے کی منظم تحریک اٹھائے اور ایرانی نشان جو فقط ساسانی مقابر کی زینت بن کر رہ گیا تھا ایک زندہ اور قومی نشان کی شکل میں اس کے پورے نظام ریاست پر لہرا جائے۔ پس تیمور نہ صرف خالص ایرانی النسل انسان ثابت ہوتا ہے بلکہ اپنی قومی شوکت ورفعت کا بہت بڑا دلدادہ بھی۔ لہٰذا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام کا برلاس قوم کا ایک فرد ہونے کی حیثیت سے فارسی النسل ہونا قطعی اور یقینی امر ہے۔

سوم: مؤرخین بالاتفاق یہ تسلیم کرتے ہیں کہ چھٹی صدی ہجری میں برلاس قبیلہ سمرقند اور کش کے علاقہ میں آباد تھا۔ چنانچہ تزک تیموری (Memoirs of Tamur) میں لکھا ہے کہ قراچار نے (جو اپنی قوم میں پہلا فرد تھا جس نے اسلام قبول کیا) کش کے میدانوں کو اپنے قبیلہ برلاس کے لئے مقرر کر دیا تھا۔ [۲۵]

ویمبرے لکھتا ہے کہ برلاس قبیلے کے لوگوں نے کش اور نخشب میں اپنی ایک خود مختار ریاست قائم کر لی تھی۔ [۲۶] اور مارخم صاف کہتا ہے کہ تیمور کے جد امجد قراچار نے قبیلہ برلاس کو سمرقند کے قریب کش کے اردگرد حکومت دے دی تھی۔ [۲۷] تاریخ رشیدی کے ترجمہ انگریزی میں ہے کہ علاقہ کش اپنے ماتحت علاقوں سمیت امیر قراچار کے ماتحت تھا [۲۸] (یہ ظفرنامہ کے حوالہ سے لکھا گیا ہے) غرض کہ تاریخ سے ثابت ہے کہ چھٹی صدی عیسوی میں کش اور سمرقند کے علاقوں میں برلاس قوم آباد تھی۔

یہ کش اور سمرقند کا علاقہ قدیم زمانے سے ایرانی نسل کی آماجگاہ تھا۔ پرانے زمانے میں سوغدیانہ یا سغد (Sadiana) کہلاتا تھا۔ [۲۹] قدیم ایرانی سلطنت اشامی نیثن کا ایک صوبہ تھا جس کی بنیاد ایک معزز ایرانی سردار اشامینی نے ڈالی تھی۔ اور سائرس اور دارا اسی سے تعلق رکھتے تھے۔ سمرقند اس صوبے کا دارالخلافہ تھا۔ اور سمرقند کے متعلق ای شولر (E. Schuyler) اپنی کتاب ترکستان میں لکھتا ہے کہ مقامی روایت کے مطابق اس کی بنیاد افراسیاب نے رکھی۔ اصلی نام سمرقند ایرانی معلوم ہوتا ہے اور یہ کہ اس کی تمام بڑی بڑی عمارتیں ایرانی معماروں یا ان کے شاگردوں کی بنائی ہوئی ہیں۔ (کیونکہ کتبوں سے یہی ظاہر ہے) [۳۰] یہی نہیں خود سغدی قوم کے متعلق انسائیکلو پیڈیا برٹینیکا میں لکھا ہے کہ یہ لوگ ایک ایرانی قبیلہ سے تعلق رکھتے تھے بلکہ اس سے بڑھ کر یہ امر بھی پایہ ثبوت تک پہنچ چکا ہے کہ قدیم اصطلاح کے مطابق ماوراء النہر کے آگے بھی ایرانی بستیاں آباد تھیں۔ چنانچہ تاریخ کی اس قطعی

شہادت کی تائید میں چند محققوں کی آراء یہ ہیں:

۱۔ بحیرہ خزر کے میدان میں رہنے والی وحشی قوموں کے حملے سے بہت پیشتر ایرانی لوگ ماوراء النہر میں بودو باش رکھتے تھے۔ [۲۱]

۲۔ اے ویمبرے:

"وراء النہر کے اکثر باشندے ایرانی تھے۔ اور عرب' سامانی' سلجوق اور خوارزم بادشاہوں کے زمانے میں بخارا' فرغانہ اور خوارزم کی عام زبان فارسی تھی"۔

یہ بات کہ دریائے جیحوں کے دوسری طرف کے ممالک میں قدیم زمانے میں خالص ایرانی نسل کے لوگ آباد تھے۔ ایرانیوں کے نہایت قدیم یادگار دندی داد سے بھی ظاہر ہوتی ہے۔ [۲۲]

۳۔ زیپلیکا ایم۔ اے: "تاژک جو سمرقند اور فرغنہ کے علاقوں میں رہتے ہیں وہ خالص ایرانیوں کی اولاد تھے"۔ [۲۳]

۴۔ گب "۷۲۰ عیسوی تک عرب حملہ آوروں کا مقابلہ (ماوراء النہر کے) مقامی بادشاہ ہی کرتے رہے اور ان کی فوجیں قریباً سب کی سب ایرانی سپاہیوں پر مشتمل ہوتی تھیں"۔ [۲۴]

یہ اقتباسات بتاتے ہیں کہ ماوراء النہر کے علاقوں تک ایرانی نسل پھیلی ہوئی تھی۔ اب ذرا گہری تحقیق کی جائے تو ان علاقوں سے آگے بھی ایرانی لوگ بستے نظر آتے ہیں۔ چنانچہ ای شولر (E.Schuyler) لکھتا ہے:۔

"ایرانی لوگ امو اور سر کے درمیانی علاقے کے رہنے والے ہی نہیں تھے جسے قدیم زمانے میں ماوراء النہر کہتے تھے۔ بلکہ دریائے سر پر دائیں کنارے قوقند اور کاشغر میں بھی آباد تھے۔ فردوسی نے اپنے شاہنامے میں پہلی دفعہ ایران اور توران کے درمیان دریائے امو کو حد فاصل قرار دیا ہے۔ لیکن پروفیسر گری گوریف نے صاف لکھا ہے کہ یہ اصطلاحیں جغرافیائی معنوں میں استعمال کی گئی ہیں نہ کہ علم الانساب کی رو سے۔ اور ایران اور توران کے درمیان جو جنگ تھی وہ دو مختلف قوموں کے درمیان نہ تھی بلکہ ایک ہی نسل کے دو قبائل کے درمیان تھی۔ بعد کے زمانے میں توران کے معنی ترک کے ہو گئے اور یہ لفظ تمام ترکی نسل کے لوگوں کے لئے عام طور پر بولا جانے لگا بلکہ ہر ایک قوم کے لئے اور اس چیز کے لئے جس کی اصل زبان دانوں اور علم الانساب کے ماہروں کو معلوم نہ ہو سکتی تھی"۔ [۲۵]

پروفیسر ایچ اے آر گب نے بھی اسی نظریئے کی تصدیق کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

"دریائے جیحوں روایتی سرحد ہے تاریخی نہیں.... سامانیوں کے زمانے سے جس کا مورخین نے

ذکر کیا ہے اور فردوسی کی نظم شاہنامے کی رو سے دریائے جیحوں ایران اور توران کے درمیان سرحد قرار پائی۔ مگر فتوحات کے زمانوں میں سغد اور دریائے جیحوں کی وادی کے رہنے والوں نے ایرانی زبان اور ایرانی اداروں کو قائم رکھا اور وہ حقیقت میں ایرانی ہی رہے" [۲۶]

ایرانی نسل ماوراء النہر کے علاوہ موجودہ ترکستان میں بھی آباد تھی چنانچہ M.A .Czapleka لکھتی ہے۔

"اگرچہ ہم پہلی صدی عیسوی میں بھی جنوبی روس میں ترکوں کا نام سنتے ہیں مگر وہ صرف چوتھی صدی میں ترکستان میں آباد ہوئے تھے اور اسی لئے یہ ملک اس نام سے مشہور ہوا ہے حالانکہ اس سے پہلے اس کا نام ایران تھا اور اسے ایرکستان بھی کہتے تھے یعنی ایرانیوں کا ملک۔ اور مغرب میں اس کی حد موجودہ ایران تک پھیلی ہوئی تھی"۔ [۲۷]

ان تفصیلات سے واضح ہے کہ ایرانی نسل ماوراء النہر کے علاقے ہی میں نہیں ترکستان تک بھی پہنچ گئی تھی بلکہ ابتداء میں ترکستان ایران ہی کا ایک حصہ تھا اور سمرقند اور بخارا تو بالخصوص برلاس قوم کا مسکن تھے۔ پس اگر یہ ثابت ہو جائے کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اب وجد سمرقند و بخارا کے رہنے والے تھے تو حضور کا فارسی النسل ہونا مسلمہ حقیقت بن جاتی ہے۔ اس بارے میں تاریخی حقائق ایک کھلے ورق کی حیثیت میں بتا رہے ہیں کہ حضور کے مورث اعلیٰ سمرقند سے ہندوستان میں ہجرت کر کے فروکش ہوئے تھے۔ چنانچہ "تذکرہ رؤساء پنجاب میں (جسے سرلیپل گریفن [۲۸] نے تالیف کرنا شروع کیا اور مسٹر میسی اور مسٹر کریک نے پایہ تکمیل تک پہنچایا) حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خاندان کے متعلق ایک نوٹ لکھا ہے:

"شہنشاہ بابر کے عہد حکومت کے آخری سال یعنی ۱۵۳۰ء میں ایک مغل ہادی بیگ باشندہ سمرقند اپنے وطن کو چھوڑ کر پنجاب میں آیا اور ضلع گورداسپور میں بودوباش اختیار کی"۔

اس کے علاوہ بعض غیراز جماعت اور غیر مسلم سوانح نگاروں نے حضور کے مورث اعلیٰ مرزا ہادی بیگ کا سمرقند سے ضلع گورداسپور میں فروکش ہونا تسلیم کیا ہے۔ مثلاً پادری ایچ ڈی گرس وولڈ فورمین کرسچن کالج لاہور لکھتے ہیں:

"مرزا صاحب مغلوں کی نسل سے ہیں۔ آپ کے بزرگ علاقہ سمرقند ملک ترکستان سے بابر بادشاہ کے عہد میں پنجاب میں آئے تھے"۔

چہارم: ظفرنامہ مولانا شرف الدین یزدی۔ انساب الترک۔ ابو الغازی خاں۔ الانساب مغل روضتہ الضبط۔ حبیب السیر، اکبر نامہ، منتخب اللباب، خافی خان وغیرہ تواریخ میں بالاتفاق یہ تسلیم کیا گیا

ہے کہ صاحبقران تیمور کا شجرہ نسب حضرت نوحؑ کے فرزند حضرت یافث سے ملتا ہے۔ [59] اور حضرت یافث کے متعلق مشہور فارسی لغات "غیاث اللغات" میں لکھا ہے کہ "شیخ ابن حجر شارح صحیح بخاری گفتہ است کہ فارسی منسوب بفارس بن عامور ابن یافث بن نوح علیہ السلام" یعنی صحیح بخاری کے شارح حضرت شیخ ابن حجر فرماتے ہیں کہ فارس حضرت نوح کے پوتے اور حضرت یافث کے بیٹے فارس کی طرف منسوب ہے۔ [60]

پنجم: علم الاقوام کے ماہرین (مثلاً ای ریکلس (E. Reclus) [61] جارج رالن سن (George Rawlin Son) [62] اور اے سی ہیڈن [63] (A.C. Haddon) وغیرہ نے مصری، کلدانی، آشوری، فینقی، ایرانی، یونانی اور رومی مشہور تاریخی قوموں کے قدیم حالات پر روشنی ڈالتے ہوئے بالاتفاق تسلیم کیا ہے کہ چوڑی پیشانی، لمبی اور گھنی ڈاڑھی، بلند ناک، گول ٹھوڑی، چہرہ بیضوی اور سنجیدہ، بال گھنے اور بکثرت، جلد سفید گلابی یا تانبے کے رنگ کی مانند ایرانی نسل کی امتیازی خصوصیات ہیں۔ دوسری طرف انہوں نے چینی، جاپانی، منگولی تبتی اور ترکستانی نسل کے متعلق لکھا ہے کہ اس کا رنگ اور چہرا زرد، آنکھیں چھوٹی اور دھنسی ہوئی اور بال سخت ہوتے ہیں۔ یہ نسل ایشیا کے شمال و مشرق میں کوہ قاف سے چین و جاپان تک پھیلی ہوئی ہے۔ [64] اس تحقیق کی روشنی میں جب سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اور آپ کے خاندان کی جسمانی ساخت، شکل و شباہت اور چہرے مہرے کو دیکھا جائے تو صاف نظر آتا ہے کہ یہاں منگولی یا ترکی صفات ہرگز موجود نہیں۔ مگر ایرانی نسل کے تمام تر اوقاف آپ میں بدرجہ اتم پائے جاتے ہیں۔

پس جس اعتبار سے بھی دیکھا جائے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فارسی النسل ہونا نیر النہار کی طرح ظاہر و باہر ہو جاتا ہے۔ چنانچہ مشہور اہل حدیث مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی لکھتے ہیں۔ "مولف براہین احمدیہ قریشی نہیں فارسی الاصل ہے"۔ [65]

مندرجہ بالا تحقیقات سے اس سربستہ راز پر بھی روشنی پڑتی ہے کہ حضور کا خاندان ایرانی النسل ہونے کے باوجود کس طرح چینی اور ترکی خون سے مرکب ہوا۔ کیونکہ تاریخ سے ثابت ہے کہ آپ کے جد امجد قراچار نے جو ایروم جی برلاس کے پوتے تھے چغتائی خان کی لڑکی سے شادی کی تھی اور اس طرح ترکی چینی خون کی آپ کے خاندان میں آمیزش ہوئی۔ اس پہلو کے سمجھنے کے لئے قبیلہ برلاس کے شجرہ نسب پر فقط ایک نگاہ ڈالنا کافی ہے۔

ایروم جی برلاس

سوغو چیچن

قراچار نویاں

ایجل خان

امیر ایلنگر اخاں

امیر برکل [46-47]

حاجی برلاس مورث اعلیٰ طراغائے

سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام امیر تیمور صاحبقران

سمرقند سے پنجاب تک

جیسا کہ اوپر بتایا جا چکا ہے۔ قراچار نے قبیلہ برلاس کو کش کے علاقہ میں آباد کر دیا تھا۔ لیکن جب تیمور کا اقتدار بڑھا تو اس کے چچا حاجی برلاس کش سے بے دخل ہو کر خراسان میں پناہ لینے پر مجبور ہوئے اور یہیں فوت ہوئے۔[48] بعد کو خود تیمور نے خراسان کی ریاست زیر نگین لانے کے بعد حاجی برلاس ہی کے خاندان کو بطور جاگیر سونپ دی اور اس طرح یہ شاہی خاندان خراسان ہی میں مقیم ہو گیا۔ یہاں تک کہ اس خاندان کے ایک مقتدر بزرگ مرزا ہادی بیگ نے اپنے افراد خاندان سمیت خراسان کو خیرباد کہہ دی اور اپنے آبائی وطن کش میں دوبارہ بودوباش اختیار کر لی جہاں قومی تفرقہ اور خصومت کے نتیجے میں ملک میں ایسے انقلابات ہوئے کہ آپ اس سرزمین کو چھوڑنے پر مجبور ہو گئے اور اپنے خاندان اور توابع اور خدام کے دو سو افراد پر مشتمل ایک قافلہ لے کر کش سے پنجاب کی سرحد میں داخل ہو گئے۔ یہ تاریخی ہجرت ۱۵۳۰ء مطابق ۹۳۸ھ میں ہوئی جبکہ ہندوستان میں تیمور کا پوتا اور سلطنت مغلیہ کا پہلا تاجدار ظہیرالدین محمد بابر گھاگرا کی لڑائی میں آخری فتح حاصل کرنے کے بعد اپنی زندگی کے آخری دن گذار رہا تھا۔[49] اور بزم تصوف وارشاد میں حضرت شیخ عبدالقادر [50] ثانی رحمتہ اللہ - حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی" [51] "حضرت شیخ بہاؤ الدین جون پوری" [52] "حضرت سلطان جلال الدین" [53] "حضرت شیخ جمال قدس سرہ [54] "حضرت شیخ زین الدین" [55] اور حضرت شیخ محمد غوث [56] گوالیاری شطاری رحمتہ اللہ علیہم اجمعین ایسے اکابر صوفی اور خدارسیدہ بزرگ رونق افروز تھے۔

بعض مورخین نے لکھا ہے کہ:

"سلطان بابر نے ۱۵۲۶ء میں پانی پت کے میدان میں ابراہیم لودھی سلطان ہند کو شکست دی اور دہلی میں سلطنت مغلیہ کی بنیاد رکھی... سلطان محمد بابر کے ساتھ بھی بہت سے چغتائی سردار وارد ہند ہوئے۔ چنانچہ ہند میں مرزایان چغتائیہ کی تعداد مغلان برلاس سے زیادہ ہو گئی۔ اور تاحال زیادہ ہے... چغتائی وہ مغل ہیں جو چنگیز کے بیٹے چغتائی خاں کی اولاد سے ہیں اور ان کے اجداد امیر تیمور اور سلطان

محمد بابر کی افواج کے ذریعہ وارد ہند ہوئے اور یہیں مقیم ہوگئے۔اور برلاس خاص شاہان مغلیہ کے خاندان سے تعلق رکھتے ہیں۔یہ اولاد امیر تیمور گورگانی سے ہیں...اور امیر تیمور کے خروج کے بعد ان کے اجداد ختن' تاشقند اور بلخ کے حاکم تھے اور اس واسطے سے یہ تیموری اور بابری لشکروں کے ساتھ وارد ہند ہو کر یہاں سکونت پذیر ہوگئے"۔[57]

پنجاب میں ایک مثالی اسلامی ریاست کا قیام اور قادیان کی تاسیس

حضرت مرزا ہادی بیگ نہ صرف ایک شاہی خاندان کے چشم و چراغ تھے بلکہ خود بابر سے انہیں خاندانی قرابت حاصل تھی۔آپ کے یہاں قدم رنجہ فرماتے ہی پنجاب کی قسمت جاگ اٹھی اور ماجھا کے علاقہ میں نہ صرف ایک نئی بستی ابھر آئی بلکہ ایک مثالی اسلامی ریاست کا قیام بھی معرض عمل میں آگیا۔جو ۱۵۳۰ء (مطابق ۹۳۸ھ) سے ۱۸۰۲ء (مطابق ۱۲۱۷ھ) تک کم و بیش پونے تین سو سال تک قائم رہی اور پھر سکھوں کی برچھاگردی کا شکار ہوگئی۔یہ عظیم الشان ریاست آخر میں ۸۴-۸۵ دیہات میں محدود ہوگئی۔لیکن اس وقت بھی اس کی سالانہ آمدنی آٹھ لاکھ تھی۔جیسا کہ "شمشیر خالصہ" میں لکھا ہے کہ:

"۱۸۶۳ء بکرمی میں اس کا چچا تارا سنگھ مرگیا[58] تو اس کے بیٹے دیوان سنگھ نے جودھ سنگھ سے لڑ کر اپنی جائیداد علیحدہ کرلی اور تعلقہ قادیان کے ۸۴ دیہات پر جن کی آمدنی آٹھ لاکھ روپیہ سالانہ تھی قابض ہوگیا"۔[59]

حضرت مرزا ہادی بیگ کے وصال کے بعد

حضرت مرزا ہادی بیگ صاحب کے وصال کے بعد ان کے خاندان کی شاہانہ عظمت اور جلال و تمکنت میں اضافہ ہوتا رہا۔یہاں تک کہ جب ان کی نویں پشت میں حضرت مرزا فیض محمد صاحب پیدا ہوئے تو ان کے عہد اقتدار میں قادیان کی ریاست کے مغلیہ سلطنت سے اور بھی گہرے تعلقات و روابط قائم ہوگئے۔چنانچہ ۱۷۱۶ء میں محمد فرخ سیر غازی شہنشاہ ہندوستان کی طرف سے انہیں ہفت ہزاری امراء کی سلک میں منسلک کر کے عضد الدولہ کا 'عظیم الشان' قابل فخر اور ممتاز خطاب دیا گیا۔[60]
تاریخ سے ثابت ہے کہ ہفت ہزاری منصب شاہان مغلیہ کے زمانہ میں بہت وقیع و رفیع سمجھا جاتا تھا۔اور ہفت ہزاری امراء میں منسلک کرنے کے یہ معنی تھے کہ وہ اپنی ریاست میں سات ہزار جوانوں کی فوج رکھ سکتے ہیں جو اس زمانہ میں ایک بڑی جنگی طاقت سمجھی جاتی تھی۔

حضرت مرزا گل محمد صاحب کا دور اقتدار

حضرت مرزا فیض محمد صاحب کے وصال کے بعد حضرت مرزا گل محمد صاحب ایسے ولی اور پارسا

شجرۂ نسب سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام

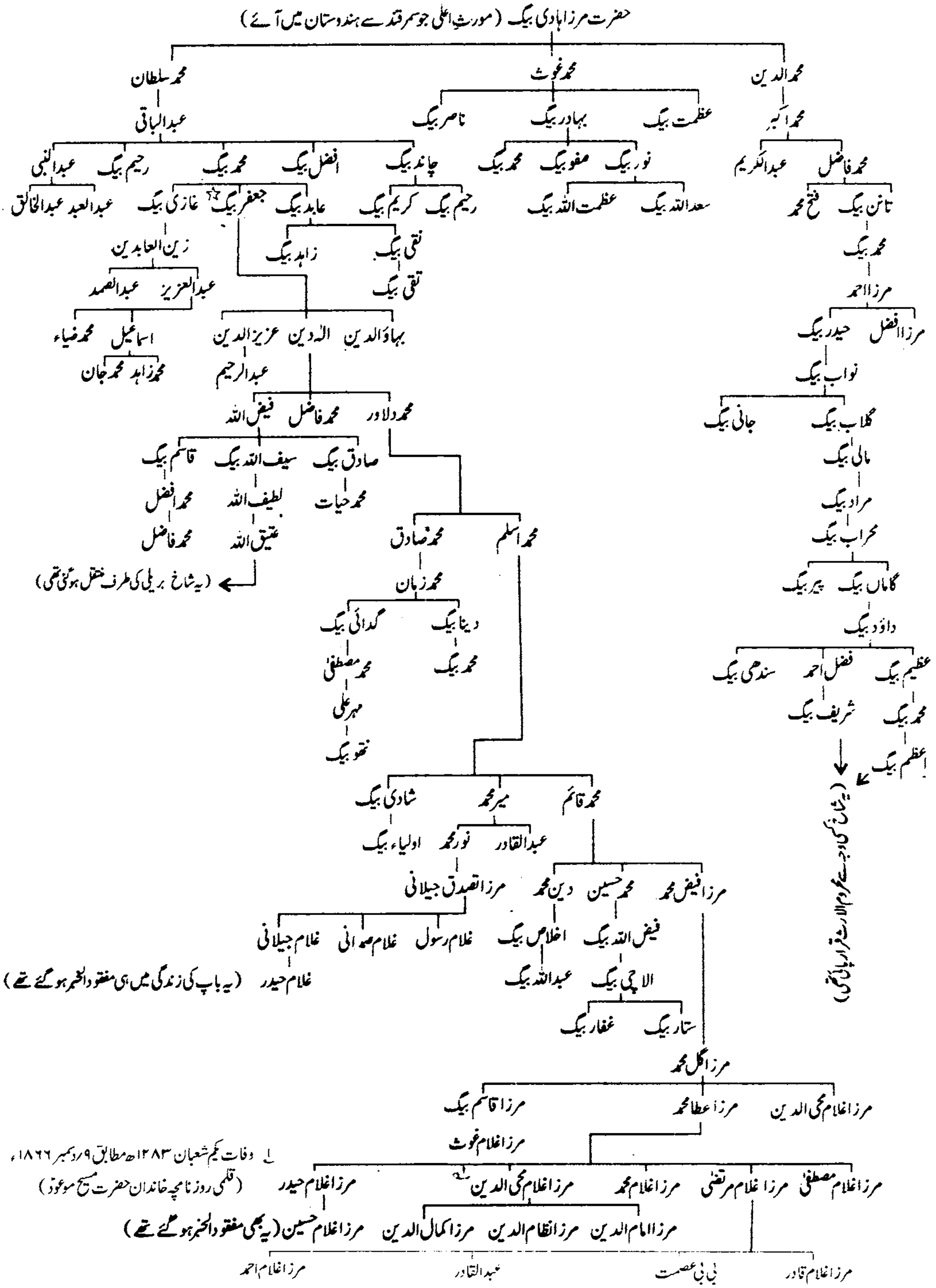

ل وفات یکم شعبان ۱۲۸۳ھ مطابق ۹ ردسمبر ۱۸۶۶ء
(قلمی روزنامچہ خاندان حضرت مسیح موعودؑ)

وفات یکم صفر ۱۲۷۷ھ
بعمر ۴ سال بمطابق ۱۹ راگست ۱۸۶۰ء

وفات ۲۹ محرم ۱۲۸۵ھ
بعمر ۱۶ ماہ بمطابق ۲۳ مئی ۱۸۶۸ء
(قلمی روزنامچہ خاندان حضرت مسیح موعودؑ)

ے ماخوذ

سیرت المہدی حصہ اول طبع دوم اشاعت ۱۹۳۵ء صفحہ ۱۱۶ مؤلفہ حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ سے ماخوذ

حکمران اور اعلیٰ درجہ کے جرنیل جانشین ہوئے اس وقت غالباً عالمگیر ثانی کا دور اقتدار شروع تھا۔ دہلی کی مغلیہ حکومت کی جڑیں خانہ جنگیوں اور چند در چند اسباب و وجوہ سے کھوکھلی ہو چکی تھیں اور مغل شہزادے آپس میں قتل و غارت کا بازار گرم کئے ہوئے تھے۔ لیکن تاریخی ریکارڈ سے ثابت ہے کہ عالمگیر ثانی (۱۷۵۴ء-۱۷۵۹ء) اس کے جانشین شاہ عالم ثانی (۱۷۵۹ء-۱۸۰۶ء) کے قادیان کی ریاست اور حضرت مرزا گل محمد صاحب سے گہرے مراسم قائم تھے۔ اور سلطنت مغلیہ کے یہ تاجدار انہیں خط و کتابت میں "نجابت و صالی پناہ عالیجاہ۔ رفیع جایگاہ۔ اخلاص و عقیدت دستگاہ اور عمدۃ الاماثل والا فرمان" ایسے عظیم القاب سے مخاطب کیا کرتے تھے۔ [۶۱]

قادیان کی اسلامی ریاست سلطنت مغلیہ کے زوال کے باوجود پورے عروج پر تھی۔ اور اگر تقدیر الٰہی مخالف نہ ہوتی تو عین ممکن تھا کہ سکھوں اور مرہٹوں کا سیلاب رک جاتا اور ہندوستان کے شمال میں آپ ایک زبردست اسلامی حکومت قائم کرنے میں کامیاب ہو جاتے۔ حضرت مرزا گل محمد صاحب رضی اللہ عنہ اور ان سے قبل ان کے والد مرزا فیض محمد صاحبؒ فرخ سیر' محمد شاہ' شاہ عالم ثانی اور عالمگیر ثانی چاروں بادشاہوں کو برابر توجہ دلاتے رہے کہ پنجاب میں سکھ شورش کے جو شرارے پوری شدت سے اٹھ رہے ہیں اس میں تنہا ہم ہی لڑ رہے ہیں مگر ہمارے پاس اتنی طاقت نہیں کہ اس فتنے کا کامیاب مقابلہ کر سکیں۔ اس لئے ہماری امداد کے لئے جلد مرکزی فوج روانہ کی جائے۔ مگر افسوس ان چاروں نے اس بروقت انتباہ کو ناقابل التفات سمجھا۔ البتہ سکھوں کے خلاف اس ریاست کی اسلامی خدمات کا خلوص دل سے اقرار کرتے ہوئے یہ وعدہ ضرور کرتے رہے کہ شاباش تم خوب مقابلہ کر رہے ہو ہم بھی آنے کا ارادہ کر رہے ہیں۔ مگر ان میں سے کسی کو پنجاب آنے اور سکھوں کے بڑھتے ہوئے اثر و اقتدار کے خلاف نبرد آزما ہونے کی توفیق نہ مل سکی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ سکھا شاہی پورے پنجاب پر مسلط ہو گئی اور خود مغل شہزادوں کی سہل انگاری سے پنجاب کا خطہ اسلامی حکومت کی آغوش سے نکل کر سکھ حکومت کے زیر نگیں ہو گیا۔

حضرت مرزا گل محمد صاحبؒ ہی کے زمانہ میں سلطنت مغلیہ کا ایک وزیر مملکت غیاث الدولہ قادیان میں آیا تو وہ ان کے مجاہدانہ عزائم' ناقابل تسخیر ولولوں' مدبرانہ طریق' استقلال اور حیرت انگیز قوت تدبر اور پر وقار دربار کو دیکھ کر حیران و ششدر رہ گیا اور چشم پر آب ہو کر کہنے لگا کہ "اگر مجھے پہلے خبر ہوتی کہ اس جنگل میں خاندان مغلیہ میں سے ایسا مرد موجود ہے جس میں صفات ضروریہ سلطنت کے پائے جاتے ہیں تو میں اسلامی سلطنت کے محفوظ رکھنے کے لئے کوشش کرتا کہ ایام کسل اور نالیاقتی اور بد وصفی ملوک چغتائیہ میں اسی کو تخت دہلی پر بٹھایا جائے"۔ لیکن اب پانی حد سے بڑھ چکا تھا۔ اس

لئے سلطنت مغلیہ کی بساط سیاست الٹ گئی اور ۱۸۰۳ء میں انگریز مرہٹوں کو دلی سے نکال کر خود مسند اقتدار پر بیٹھ گئے۔ اور پہلے تو شاہ عالم ثانی (۱۷۵۹-۱۸۰۶) اور اکبر شاہ ثانی (۱۸۰۶-۱۸۳۷) انگریزوں کے وظیفہ خوار بنے اور پھر سلطنت مغلیہ کے آخری تاجدار بہادر شاہ ثانی (۱۸۳۷-۱۸۵۷) کے ہاتھوں سلطنت مغلیہ کا چراغ ہمیشہ کے لئے گل ہو گیا۔

حضرت مرزا گل محمد صاحبؒ تخمیناً ۱۸۰۰ء میں انتقال فرما گئے۔ [62,63] آپ کے انتقال کے بعد عین اس زمانہ میں جبکہ دہلی کا تخت عملاً مغل شہزادوں سے نکل کر انگریزوں کی طرف منتقل ہو رہا تھا۔ قادیان کی اسلامی ریاست سکھ اقتدار کے زیر نگیں ہو گئی۔ عمدۃ التواریخ میں لکھا ہے کہ "دیوا سنگھ پسر تارا سنگھ ملک کو تاخت و تاراج کرتا تھا یہاں تک کہ اس نے تعلقہ قادیان مغلاں کو جہاں (مرزا) عطا محمد پسر مرزا گل محمد مقیم تھے زبردستی لے لیا اور مغلوں کو اپنے گھروں سے نکال دیا"۔ [64]

حضرت مرزا گل محمد صاحب کے جانشین مرزا عطا محمد صاحب اپنے خاندان سمیت کپورتھلہ کی ریاست میں بمقام بیگووال پناہ گزین ہونے پر مجبور ہو گئے۔ یہ ۱۸۰۲ء یا ۱۸۰۳ء کا حادثہ ہے جبکہ ریاست راجہ فتح سنگھ کے قبضہ میں تھی۔ راجہ فتح سنگھ نے مرزا عطا محمد صاحب کو دو گاؤں کی پیشکش کی لیکن انہوں نے صاف انکار کرتے ہوئے کہا کہ اگر ہم نے یہ گاؤں لے لئے تو پھر یہیں رہ پڑیں گے اور اس طرح اولاد کی ہمت پست ہو جائے گی اور اپنی خاندانی روایات قائم رکھنے کا خیال ان کے دل سے جاتا رہے گا۔ [65] تخمیناً ۱۸۱۴ء میں دور جلاوطنی کی گیارہ سالہ سختیاں اور مصائب جھیلنے اور دکھ اٹھانے کے بعد وہ بالآخر کپورتھلہ ہی میں انتقال فرما گئے۔ [66] اور یہ خاندان بظاہر بالکل بے سہارا رہ گیا۔ اور یہ ناگفتہ بہ حالت کم و بیش بیس برس تک قائم رہی۔ لیکن اب چونکہ امام الزمان کی ولادت کا وقت آ رہا تھا اس لئے اللہ تعالیٰ نے قادیان کی واپسی کا ازخود غیبی سامان کر دیا۔ اور وہ اس طرح کہ ۱۸۳۴ء - ۱۸۳۵ء میں مہاراجہ رنجیت سنگھ نے حضرت مرزا عطا محمد صاحب کے فرزند اور بانی سلسلہ احمدیہ علیہ السلام کے والد ماجد حضرت مرزا غلام مرتضیٰ صاحب کو قادیان کی ریاست کے پانچ گاؤں واپس کر دیئے جو چودہ سال تک اس شاہی خاندان کے پاس رہے۔ پھر جب ۲۹۔ مارچ ۱۸۴۹ء کو پنجاب کا سلطنت انگریزی سے الحاق عمل میں آ گیا تو جہاں اکثر و بیشتر سکھ خاندانوں کے حقوق و اعزاز بدستور قائم رکھے گئے۔ [67,68] بلکہ بعض کو قیمتی جاگیروں سے نوازا گیا۔ وہاں بعض "باغی" سرداروں [69] کی جاگیروں کے ساتھ قادیان کی جاگیر بھی چھن گئی۔ اور اشک شوئی کے لئے سات سو روپیہ کی پنشن منظور کر دی گئی۔ کیونکہ شورش کے ایام میں حضرت مرزا غلام مرتضیٰ صاحبؒ نے فرنگی حکومت کا ساتھ دینے سے صاف انکار کر دیا تھا اس موقعہ پر سکھ وزیر نے بھاگووال کے ایک وزیر کے ذریعہ سے انہیں پیغام بھی

بھیجا کہ انگریز طاقت ور ہیں ان سے صلح کر لو خواہ مخواہ آدمی نہ مرواؤ- مگر انہوں نے حکومت وقت سے بے وفائی گوارا نہ کی۔ [20] اور معتوب ہو گئے - اس کے بعد جب انگریزی حکومت باقاعدہ قائم ہو گئی تو انہوں نے اسلامی تعلیم کے مطابق حکومت وقت سے وفاداری کا اعلیٰ نمونہ دکھایا - بایں ہمہ بڑے بڑے مقدمات کے بعد انہیں بمشکل قادیان کی زمین کا کچھ حصہ واپس مل سکا۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خودنوشت خاندانی حالات

حضرت بانی سلسلہ احمدیہ نے "کتاب البریہ" میں قادیان کی اسلامی ریاست اور اپنے خاندانی حالات کا تفصیلی تذکرہ کیا ہے جسے یہاں نقل کرنا ضروری ہے - آپ فرماتے ہیں:

"ہماری قوم مغل برلاس ہے اور میرے بزرگوں کے پرانے کاغذات سے جو اب تک محفوظ ہیں معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس ملک میں سمرقند سے آئے تھے اور ان کے ساتھ قریباً دو سو آدمی ان کے توابع اور خدام اور اہل و عیال میں سے تھے اور وہ ایک معزز رئیس کی حیثیت سے اس ملک میں داخل ہوئے اور اس قصبہ کی جگہ جو اس وقت ایک جنگل پڑا ہوا تھا جو لاہور سے تخمیناً بچاس کوس بگوشہ شمال مشرق واقع ہے فروکش ہو گئے - [21] جس کو انہوں نے آباد کر کے اس کا نام اسلام پور رکھا جو پیچھے اسلام پور قاضی ماجھی کے نام سے مشہور ہوا - اور رفتہ رفتہ اسلام پور کا لفظ لوگوں کو بھول گیا اور قاضی ماجھی کی جگہ پر قاضی رہا اور پھر آخر قادی بنا اور پھر اس سے بگڑ کر قادیان بن گیا اور قاضی ماجھی کی وجہ تسمیہ یہ بیان کی گئی ہے کہ یہ علاقہ جس کا طولانی حصہ قریباً ساٹھ کوس ہے - ان دنوں میں سب کا سب ماجھہ کہلاتا تھا - غالباً اس وجہ سے اس کا نام ماجھہ تھا کہ اس ملک میں بھینسیں بکثرت ہوتی تھیں اور ماجھ زبان ہندی میں بھینس کو کہتے ہیں - اور چونکہ ہمارے بزرگوں کو علاوہ دیہات جاگیرداری کے اس تمام علاقہ کی حکومت بھی ملی تھی - اس لئے قاضی کے نام سے مشہور ہوئے - مجھے کچھ معلوم نہیں کیوں اور کس وجہ سے ہمارے بزرگ سمرقند سے اس ملک میں آئے - مگر کاغذات سے یہ پتہ ملتا ہے کہ اس ملک میں بھی وہ معزز امراء اور خاندان والیان ملک میں سے تھے اور انہیں کسی قومی خصومت اور تفرقہ کی وجہ سے اس ملک کو چھوڑنا پڑا تھا - پھر اس ملک میں آکر بادشاہ وقت کی طرف سے بہت سے دیہات بطور جاگیر ان کو ملے - چنانچہ اس نواح میں ایک مستقل ریاست ان کی ہو گئی۔

سکھوں کے ابتدائی زمانہ میں میرے پردادا صاحب مرزا گل محمد ایک نامور اور مشہور رئیس اس نواح کے تھے جن کے پاس اس وقت ۸۵ گاؤں تھے اور بہت سے گاؤں سکھوں کے متواتر حملوں کی وجہ سے ان کے قبضہ سے نکل گئے - تاہم ان کی جوانمردی اور فیاضی کی یہ حالت تھی کہ اس قدر قلیل میں

سے بھی کئی گاؤں انہوں نے مروت کے طور پر بعض تفرقہ زدہ مسلمان رئیسوں کو دے دیئے تھے جو اب تک ان کے پاس ہیں۔غرض وہ اس طوائف الملوکی کے زمانہ میں اپنے نواح میں ایک خود مختار رئیس تھے۔ہمیشہ قریب پانچ سو آدمی کے یعنی کبھی کم اور کبھی زیادہ ان کے دستر خوان پر روٹی کھاتے تھے اور ایک سو کے قریب علماء اور صلحاء اور حافظ قرآن شریف کے ان کے پاس رہتے تھے۔جنکے کافی وظیفے مقرر تھے۔اور ان کے دربار میں اکثر قال اللہ اور قال الرسول کا ذکر بہت ہوتا تھا اور تمام ملازمین اور متعلقین میں سے کوئی ایسا نہ تھا جو تارک نماز ہو۔یہاں تک کہ چکی پیسنے والی عورتیں بھی پنج وقتہ نماز اور تہجد پڑھتی تھیں۔اور گرد و نواح کے معزز مسلمان جو اکثر افغان تھے قادیان کو جو اس وقت اسلام پور کہلاتا تھا' مکہ کہتے تھے۔کیونکہ اس پر آشوب زمانہ میں ہر ایک مسلمان کے لئے یہ قصبہ مبارکہ پناہ کی جگہ تھی۔اور دوسری اکثر جگہ میں کفر اور فسق اور ظلم نظر آتا تھا اور قادیان میں اسلام اور تقویٰ اور طہارت اور عدالت کی خوشبو آتی تھی۔میں نے خود اس زمانہ سے قریب زمانہ پانے والوں کو دیکھا ہے کہ وہ اس قدر قادیان کی عمدہ حالت بیان کرتے تھے کہ گویا وہ اس زمانہ میں ایک باغ تھا جس میں حامیان دین اور صلحاء اور علماء اور نہایت شریف اور جوانمرد آدمیوں کے صدہا پودے پائے جاتے تھے اور اس نواح میں یہ واقعات نہایت مشہور ہیں کہ مرزا گل محمد صاحب مرحوم مشائخ وقت کے بزرگ لوگوں میں اور صاحب خوارق اور کرامات تھے۔جن کی صحبت میں رہنے کے لئے بہت سے اہل اللہ اور صلحاء اور فضلاء قادیان میں جمع ہو گئے تھے۔اور عجیب تر یہ کہ کئی کرامات ان کی ایسی مشہور ہیں جن کی نسبت ایک گروہ کثیر مخالفان دین کا بھی گواہی دیتا رہا ہے۔غرض وہ علاوہ ریاست اور امارت کے اپنی دیانت اور تقویٰ اور مردانہ ہمت اور اولوالعزمی اور حمایت دین اور ہمدردی مسلمانوں کی صفت میں نہایت مشہور تھے۔اور ان کی مجلس میں بیٹھنے والے سب کے سب متقی اور نیک چلن اور اسلامی غیرت رکھنے والے اور فسق و فجور سے دور رہنے والے اور بہادر اور بارعب آدمی تھے۔چنانچہ میں نے کئی دفعہ اپنے والد صاحب مرحوم سے سنا ہے کہ اس زمانہ میں ایک وزیر سلطنت مغلیہ کا قادیان میں آیا جو غیاث الدولہ کے نام سے مشہور تھا اور اس نے مرزا گل محمد صاحب کے مدبرانہ طریق اور بیدار مغزی اور ہمت اور اولوالعزمی اور استقلال اور عقل اور فہم اور حمایت اسلام اور جوش نصرت دین اور تقویٰ اور طہارت اور دربار کے وقار کو دیکھا اور ان کے مختصر دربار کو عقلمند اور نیک چلن اور بہادر مردوں سے پر پایا۔تب وہ چشم پر آب ہو کر بولا کہ اگر مجھے پہلے خبر ہوتی کہ اس جنگل میں خاندان مغلیہ میں سے ایسا مرد موجود ہے جس میں صفات ضرور یہ سلطنت کے پائے جاتے ہیں تو میں اسلامی سلطنت کے محفوظ رکھنے کے لئے کوشش کرتا کہ ایام کسل اور نالیاقتی اور بدوضعی ملوک چغتائیہ میں اسی کو تخت

دہلی پر بٹھایا جائے۔

اس جگہ اس بات کا لکھنا بھی فائدہ سے خالی نہ ہوگا کہ میرے پر دادا صاحب موصوف یعنی مرزا گل محمد نے ہچکی کی بیماری سے جس کے ساتھ اور عوارض بھی تھے وفات پائی تھی۔ بیماری کے غلبہ کے وقت اطباء نے اتفاق کر کے کہا کہ اس مرض کے لئے اگر چند روز شراب کو استعمال کرایا جائے تو غالباً اس سے فائدہ ہو گا مگر جرات نہیں رکھتے تھے کہ ان کی خدمت میں عرض کریں۔ آخر بعض نے ان میں سے ایک نرم تقریر میں عرض کر دیا۔ تب انہوں نے کہا کہ اگر خدا تعالیٰ کو شفا دینا منظور ہو تو اس کی پیدا کردہ اور بہت سی دوائیں ہیں۔ میں نہیں چاہتا کہ اس پلید چیز کو استعمال کروں اور میں خدا کی قضاء و قدر پر راضی ہوں۔ آخر چند روز کے بعد اسی مرض سے انتقال فرما گئے۔ موت تو مقدر تھی مگر یہ ان کا طریق تقویٰ ہمیشہ کے لئے یادگار رہا کہ موت کو شراب پر اختیار کر لیا۔ موت سے بچنے کے لئے انسان کیا کچھ نہیں کرتا لیکن انہوں نے معصیت کرنے سے موت کو بہتر سمجھا۔ افسوس ان نوابوں اور امیروں اور رئیسوں کی حالت پر کہ اس چند روزہ زندگی میں اپنے خدا اور اس کے احکام سے بکلی لاپرواہ ہو کر اور خدا تعالیٰ سے سارے علاقے توڑ کر دل کھول کر ارتکاب معصیت کرتے ہیں اور شراب کو پانی کی طرح پیتے ہیں اور اس طرح اپنی زندگی کو نہایت پلید اور ناپاک کر کے اور عمر طبعی سے بھی محروم رہ کر اور بعض ہولناک عوارض میں مبتلا ہو کر جلد تر مرجاتے ہیں اور آئندہ نسلوں کے لئے نہایت خبیث نمونہ چھوڑ جاتے ہیں۔ (صفحہ ۱۴۴ تا ۱۵۴ حاشیہ طبع اول)

حضرت اقدسؑ ازالہ اوہام میں فرماتے ہیں:

"مرزا صاحب مرحوم ایک مرد اولی العزم اور متقی اور غایت درجہ کے بیدار مغز اور اول درجہ کے بہادر تھے۔ اگر اس وقت مشیت الٰہی مسلمانوں کے مخالف نہ ہوتی تو بہت امید تھی کہ ایسا بہادر اور اولی العزم آدمی سکھوں کی بلند شورش سے پنجاب کا دامن پاک کر کے ایک وسیع سلطنت اسلام کی اس میں قائم کر دیتا۔ جس حالت میں رنجیت سنگھ نے باوجود اپنی تھوڑی سی پدری ملکیت کے جو صرف نو گاؤں تھے تھوڑے ہی عرصہ میں اس قدر پیر پھیلائے تھے جو پشاور سے لدھیانہ تک خالصہ ہی خالصہ نظر آتا تھا اور ہر جگہ ٹڈیوں کی طرح سکھوں کی ہی فوجیں دکھائی دیتی تھیں۔ تو کیا ایسے شخص کے لئے یہ فتوحات قیاس سے بعید تھیں؟ جس کی گمشدہ ملکیت میں سے ابھی چوراسی یا پچاسی گاؤں باقی تھے اور ہزار کے قریب فوج کی جمعیت بھی تھی۔ اور اپنی ذاتی شجاعت میں ایسے مشہور تھے کہ اس وقت کی شہادتوں سے بہ بداہت ثابت ہوتا ہے کہ اس ملک میں ان کا کوئی نظیر نہ تھا۔ لیکن چونکہ خدا تعالیٰ نے یہی چاہا تھا کہ مسلمانوں پر ان کی بے شمار غفلتوں کی وجہ سے تنبیہہ نازل ہو اس لئے مرزا صاحب

مرحوم اس ملک کے مسلمانوں کی ہمدردی میں کامیاب نہ ہو سکے۔ اور مرزا صاحب مرحوم کے حالات عجیبہ میں سے ایک یہ ہے کہ مخالفین مذہب بھی ان کی نسبت ولایت کا گمان رکھتے تھے۔ اور ان کے بعض خارق عادت امور عام طور پر دلوں میں نقش ہو گئے تھے۔ یہ بات شاذ و نادر ہوتی ہے کہ کوئی مذہبی مخالف اپنے دشمن کی کرامات کا قائل ہو۔ لیکن اس راقم نے مرزا صاحب مرحوم کے بعض خوارق عادات ان سکھوں کے منہ سے سنے ہیں جن کے باپ دادا مخالف گروہ میں شامل ہو کر لڑتے تھے۔ اکثر آدمیوں کا بیان ہے کہ بسا اوقات مرزا صاحب مرحوم صرف اکیلے ہزار ہزار آدمی کے مقابل پر میدان جنگ میں نکل کر ان پر فتح پا لیتے تھے اور کسی کی مجال نہیں ہوتی تھی کہ ان کے نزدیک آ سکے۔ اور ہرچند جان توڑ کر دشمن کا لشکر کوشش کرتا تھا کہ توپوں اور بندوقوں کی گولیوں سے ان کو مار دیں مگر کوئی گولی یا گولہ ان پر کارگر نہیں ہوتا تھا۔ یہ کرامت ان کی صدہا موافقین اور مخالفین بلکہ سکھوں کے منہ سے سنی گئی ہے۔ جنہوں نے اپنے لڑنے والے باپ دادوں سے سندا بیان کی تھی۔ لیکن میرے نزدیک یہ کچھ تعجب کی بات نہیں۔ اکثر لوگ زمانہ دراز تک جنگی فوجوں میں نوکر رہ کر بہت سا حصہ اپنی عمر کا لڑائیوں میں بسر کرتے ہیں اور قدرت حق سے کبھی ایک خفیف سا زخم بھی تلوار یا بندوق کا ان کے بدن کو نہیں پہنچتا۔ سو یہ کرامت اگر معقولی طور پر بیان کی جائے کہ خدا تعالیٰ اپنے خاص فضل سے دشمنوں کے حملوں سے ان کو بچاتا رہا۔ تو کچھ حرج کی بات نہیں۔ اس میں کچھ شک نہیں ہو سکتا کہ مرزا صاحب مرحوم دن کے وقت ایک پر ہیبت بہادر اور رات کے وقت ایک باکمال عابد تھے اور معمور الاوقات اور متشرع تھے")[۴۶]

اب خلاصہ کلام یہ ہے کہ جب میرے پردادا صاحب فوت ہوئے تو بجائے ان کے میرے دادا صاحب یعنی مرزا عطا محمد صاحب فرزند رشید ان کے گدی نشین ہوئے۔ ان کے وقت میں خدا تعالیٰ کی حکمت اور مصلحت سے لڑائی میں سکھ غالب آئے۔ دادا صاحب مرحوم نے اپنی ریاست کی حفاظت کے لئے بہت تدبیریں کیں مگر جبکہ قضاء و قدر ان کے ارادہ کے موافق نہ تھی اس لئے ناکام رہے اور کوئی تدبیر پیش نہ گئی اور روز بروز سکھ لوگ ہماری ریاست کے دیہات پر قبضہ کرتے گئے۔ یہاں تک دادا صاحب مرحوم کے پاس ایک قادیان رہ گئی اور قادیان اس وقت ایک قلعہ کی صورت پر قصبہ تھا۔[۴۷] اس کے چار برج تھے اور برجوں میں فوج کے آدمی رہتے تھے۔ اور چند توپیں تھیں اور فصیل بائیس فٹ کے قریب اونچی اور اسی قدر چوڑی تھی کہ تین چھکڑے آسانی سے ایک دوسرے کے مقابل اس پر جا سکتے تھے۔ اور ایسا ہوا کہ ایک گروہ سکھوں کا جو رام گڑھیہ کہلاتا تھا اول فریب کی راہ سے اجازت لے کر قادیان میں داخل ہوا اور پھر قبضہ کر لیا۔ اس وقت ہمارے بزرگوں پر بڑی تباہی آئی اور اسرائیلی

قوم کی طرح وہ اسیروں کی مانند پکڑے گئے اور ان کے مال و متاع سب لوٹی گئی۔ کئی مسجدیں اور عمدہ عمدہ مکانات مسمار کئے گئے۔ اور جہالت اور تعصب سے باغوں کو کاٹ دیا گیا۔ اور بعض مسجدیں جن میں اب تک ایک مسجد سکھوں کے قبضہ میں ہے دھرم سالہ یعنی سکھوں کا معبد بنایا گیا۔ اس دن ہمارے بزرگوں کا ایک کتب خانہ بھی جلایا گیا جس میں پانچ سو نسخہ قرآن شریف کا قلمی تھا جو نہایت بے ادبی سے جلایا گیا۔ اور آخر سکھوں نے کچھ سوچ کر ہمارے بزرگوں کو نکل جانے کا حکم دیا۔ چنانچہ تمام مرد و زن چھکڑوں میں بٹھا کر نکالے گئے [۷۴] اور وہ پنجاب کی ایک ریاست میں پناہ گزین ہوئے۔ [۷۵] تھوڑے عرصہ کے بعد انہی دشمنوں کے منصوبے سے میرے دادا صاحب کو زہر دی گئی۔ پھر رنجیت سنگھ کی سلطنت کے آخری زمانہ میں میرے والد صاحب مرحوم مرزا غلام مرتضٰی قادیان میں واپس آئے اور مرزا صاحب موصوف کو اپنے والد صاحب کے دیہات میں سے پانچ گاؤں واپس ملے۔ کیونکہ اس عرصہ میں رنجیت سنگھ نے دوسری اکثر چھوٹی چھوٹی ریاستوں کو دبا کر ایک بڑی ریاست اپنی بنالی تھی سو ہمارے تمام دیہات بھی رنجیت سنگھ کے قبضہ میں آگئے تھے اور لاہور سے پشاور تک اور دوسری طرف لدھیانہ تک اس کی ملک داری کا سلسلہ پھیل گیا تھا غرض ہماری پرانی ریاست خاک میں مل کر آخر پانچ گاؤں ہاتھ میں رہ گئے۔ پھر بھی بلحاظ پرانے خاندان کے میرے والد صاحب مرزا غلام مرتضٰی اس نواح میں مشہور رئیس تھے۔ گورنر جنرل کے دربار میں بزمرہ کرسی نشین رئیسوں کے ہمیشہ بلائے جاتے تھے۔ ۱۸۵۷ء میں انہوں نے سرکار انگریزی کی خدمت گزاری میں پچاس گھوڑے معہ پچاس سواروں کے اپنی گرہ سے خرید کر دیئے تھے اور آئندہ گورنمنٹ کو اس قسم کی مدد کا عند الضرورت وعدہ بھی دیا اور سرکار انگریزی کے حکام وقت سے بجا آوری خدمات عمدہ عمدہ چٹھیات خوشنودی مزاج ان کو ملی تھیں چنانچہ سرلیپل گریفن صاحب نے بھی اپنی کتاب تاریخ رئیسان پنجاب میں ان کا تذکرہ کیا ہے غرض وہ حکام کی نظر میں بہت ہر دلعزیز تھے۔ اور بسا اوقات ان کی دلجوئی کے لئے حکام وقت ڈپٹی کمشنران کے مکان پر ان کی ملاقات کرتے تھے"۔ [۷۶]

سرلیپل گریفن اور کرنل میسی کی شہادت

سرلیپل گریفن اور کرنل میسی نے (جن کی طرف مندرجہ بالا سطور میں اشارہ ہے) اپنی مشہور و معروف انگریزی کتاب "پنجاب چیفس" یا چیفس اینڈ فیمیلیز آف نوٹ ان دی پنجاب" میں حضرت اقدسؑ کے خاندانی حالات پر ایک نوٹ لکھا ہے جس کا مستند ترجمہ درج ذیل ہے۔ [۷۷] (اس نوٹ سے بالخصوص اس حقیقت پر نمایاں روشنی پڑتی ہے کہ پنجاب کے الحاق کے وقت حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خاندان کی جاگیر "باغی سرداروں" کے ساتھ ضبط کر لی گئی تھی اور حضور

کا خاندان اس وقت تک ملکی حکومت کا خیر خواہ رہا جب تک کہ پورا ملک برطانوی اقتدار کے زیر نگیں نہیں آگیا)۔

"شہنشاہ بابر کے عہد حکومت کے آخری سال یعنی ۱۵۳۰ء میں ایک مغل مسمی ہادی بیگ باشندہ سمرقند اپنے وطن کو چھوڑ کر پنجاب میں آیا اور ضلع گورداسپور میں بودوباش اختیار کی یہ کسی قدر لکھا پڑھا آدمی تھا اور قادیان کے گردونواح کے ستر مواضعات کا قاضی یا مجسٹریٹ مقرر کیا گیا۔ [۷۸] کہتے ہیں کہ قادیان اس نے آباد کیا۔ اور اس کا نام اسلام پور قاضی رکھا جو بدلتے بدلتے قادیان ہو گیا [۷۹]۔ کئی پشتوں تک یہ خاندان شاہی عہد حکومت میں معزز عہدوں پر ممتاز رہا۔ اور محض سکھوں کے عروج کے زمانہ میں یہ افلاس کی حالت میں ہو گیا تھا۔ گل محمد اور اس کا بیٹا عطا محمد رام گڑھیہ اور کنہیا مسلوں سے جن کے قبضہ میں قادیان کے گردونواح کا علاقہ تھا ہمیشہ لڑتے رہے اور آخر کار اپنی تمام جاگیر کو کھو کر عطا محمد بیگووال میں سردار فتح سنگھ اہلووالیہ کی پناہ میں چلا گیا اور بارہ سال تک امن و امان سے زندگی بسر کی۔ اس کی وفات پر رنجیت سنگھ نے جو رام گڑھیہ مسل کی تمام جاگیر پر قابض ہو گیا تھا غلام مرتضیٰ کو قادیان واپس بلا لیا۔ [۸۰] اور اس کی جدی جاگیر کا ایک بہت بڑا حصہ اسے واپس دے دیا۔ اس پر غلام مرتضیٰ اپنے بھائیوں سمیت مہاراجہ کی فوج میں داخل ہوا اور کشمیر کی سرحد اور دوسرے مقامات پر قابل قدر خدمات انجام دیں۔ نونہال سنگھ شیر سنگھ اور دربار لاہور کے دور دورے میں غلام مرتضیٰ ہمیشہ فوجی خدمت پر مامور رہا۔ ۱۸۴۱ء میں یہ جرنیل ونچورا کے ساتھ منڈی اور کلو کی طرف بھیجا گیا اور ۱۸۴۳ء میں ایک پیادہ فوج کا کمیدان بنا کر پشاور روانہ کیا گیا۔ ہزارہ کے مفسدہ میں اس نے کارہائے نمایاں کئے اور جب ۱۸۴۸ء کی بغاوت ہوئی تو یہ اپنی سرکار کا نمک حلال رہا اور اس کی طرف سے لڑا۔ اس موقعہ پر اس کے بھائی غلام محی الدین نے بھی اچھی خدمات کیں۔ جب بھائی مہاراج سنگھ اپنی فوج لئے دیوان مولراج کی امداد کے لئے ملتان کی طرف جا رہا تھا۔ تو غلام محی الدین اور دوسرے جاگیرداران لنگر خاں ساہیوال اور صاحب خانہ ٹوانہ نے مسلمانوں کو بھڑکایا اور مصر صاحبدیال کی فوج کے ساتھ باغیوں سے مقابلہ کیا اور ان کو شکست فاش دی۔ ان کو سوائے دریائے چناب کے کسی اور طرف بھاگنے کا راستہ نہ تھا جہاں چھ سو سے زیادہ آدمی ڈوب کر مر گئے۔

الحاق کے موقعہ پر اس خاندان کی جاگیر ضبط ہو گئی۔ مگر سات سو روپیہ کی ایک پنشن غلام مرتضیٰ اور اس کے بھائیوں کو عطا کی گئی اور قادیان اور اس کے گردونواح کے مواضعات پر ان کے حقوق مالکانہ رہے۔ اس خاندان نے غدر ۱۸۵۷ء کے دوران میں بہت اچھی خدمات کیں غلام مرتضیٰ نے بہت سے آدمی بھرتی کئے اور اس کا بیٹا غلام قادر جنرل نکلسن صاحب بہادر کی فوج میں اس وقت تھا جبکہ افسر

موصوف نے تریمو گھاٹ پر نمبر۴۶ نیٹو انفنٹری کے باغیوں کو جو سیالکوٹ سے بھاگے تھے تہ تیغ کیا۔ جنرل نکلسن صاحب بہادر نے غلام قادر کو ایک سند دی جس میں یہ لکھا ہے کہ ۱۸۵۷ء میں خاندان قادیان ضلع گورداسپور کے تمام دوسرے خاندانوں سے زیادہ نمک حلال رہا۔

غلام مرتضیٰ جو ایک لائق حکیم تھا ۱۸۷۶ء میں فوت ہوا اور اس کا بیٹا غلام قادر اس کا جانشین ہوا۔ غلام قادر حکام مقامی کی امداد کے لئے ہمیشہ تیار رہتا تھا۔ اور اس کے پاس ان افسران کے جن کا انتظامی امور سے تعلق تھا بہت سے سرٹیفکیٹ تھے۔ یہ کچھ عرصے تک گورداسپور میں دفتر ضلع کا سپرنٹنڈنٹ رہا۔ اس کا اکلوتا بیٹا کم سنی میں فوت ہو گیا اور اس نے اپنے بھتیجے سلطان احمد کو متبنیٰ کر لیا جو غلام قادر کی وفات یعنی ۱۸۸۳ء سے خاندان کا بزرگ خیال کیا جاتا تھا۔ مرزا سلطان احمد نے نائب تحصیلداری سے گورنمنٹ کی ملازمت شروع کی اور اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر کے عہدہ تک ترقی پائی۔ یہ قادیاں کا نمبردار بھی تھا۔ مگر اس نمبرداری کا کام بجائے اس کے اس کا چچا نظام الدین کرتا تھا جو غلام محی الدین کا سب سے بڑا بیٹا تھا۔ مرزا سلطان احمد کو خان بہادر کا خطاب اور ضلع منٹگمری میں پانچ مربعہ جات اراضی عطا ہوئے اور ۱۹۳۰ء میں اس کا انتقال ہو گیا۔ اس کا سب سے بڑا لڑکا مرزا عزیز احمد ایم اے اب خاندان کا سرکردہ اور پنجاب میں اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر ہے۔ خان بہادر مرزا سلطان احمد کا چھوٹا بیٹا رشید احمد ایک اولوالعزم زمیندار ہے اور اس نے سندھ میں اراضی کا بہت بڑا رقبہ لے لیا ہے۔ نظام الدین کا بھائی امام الدین جس کا انتقال ۱۹۰۴ء میں ہوا دہلی کے محاصرہ کے وقت ہاڈسن صاحب کے رسالہ میں رسالدار تھا۔ اس کا باپ غلام محی الدین تحصیلدار تھا"۔ [۸۱]

سر لیپل گریفن نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ذاتی حالات بھی بیان کئے ہیں۔ چنانچہ لکھتا ہے:

"یہ بیان کرنا ضروری ہے کہ غلام احمد جو مرزا غلام مرتضیٰ کا چھوٹا بیٹا ہے مسلمانوں کے ایک مشہور مذہبی فرقہ احمدیہ کا بانی ہوا۔ یہ شخص ۱۸۳۷ء میں پیدا ہوا۔ [۸۲] اور اس کو تعلیم نہایت اچھی ملی۔ ۱۸۹۱ء میں اس نے بموجب اسلام مہدی یا مسیح موعود ہونے کا دعویٰ کیا۔ چونکہ یہ عالم اور منطقی تھا اس لئے دیکھتے ہی دیکھتے بہت سے لوگ اس کے معتقد ہو گئے اور اب احمدیہ جماعت کی تعداد پنجاب اور ہندوستان کے دوسرے حصوں میں تین لاکھ کے قریب بیان کی جاتی ہے۔ مرزا عربی، فارسی اور اردو کی بہت سی کتابوں کا مصنف تھا۔ جن میں اس نے جہاد کے مسئلہ کی تردید کی۔ اور یہ گمان کیا جاتا ہے کہ ان کتابوں نے مسلمانوں پر اچھا اثر کیا ہے۔ مدت تک یہ بڑی مصیبت میں رہا۔ کیونکہ مخالفین مذہب سے اس کے اکثر مباحثے اور مقدمے رہے۔ لیکن اپنی وفات سے پہلے جو ۱۹۰۸ء میں ہوئی اس نے ایک رتبہ

حاصل کرلیا کہ وہ لوگ بھی جو اس کے خیالات کے مخالف تھے اس کی عزت کرنے لگے۔ اس فرقہ کا صدر مقام قادیان ہے جہاں انجمن احمدیہ نے ایک بہت بڑا سکول کھولا ہے اور چھاپہ خانہ بھی ہے جس کے ذریعہ سے اس فرقہ کے متعلق خبروں کا اعلان کیا جاتا ہے۔ مرزا غلام احمد کا خلیفہ ایک مشہور حکیم مولوی نور الدین ہے جو چند سال مہاراجہ کشمیر کی ملازمت میں رہا ہے۔

اس خاندان کے سالم موضع قادیان پر جو ایک بڑا موضع ہے حقوق مالکانہ ہیں اور نیز تین ملحقہ مواضعات پر بشرح پانچ فی صدی حقوق تعلقہ داری حاصل ہیں"۔ [۸۲]

سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعود کا بیان ہے۔

"میں نے حضرت مسیح موعودؑ سے ان کی (مہاراجہ رنجیت سنگھ صاحب۔ ناقل) تعریف سنی ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے لکھا ہے کہ مہاراجہ صاحب نے ہی یہ گاؤں واپس کیا.... بے شک مہاراجہ صاحب نے یہ گاؤں واپس کیا لیکن ہمارے خاندان نے بھی ہمیشہ ان کے خاندان سے وفاداری کی۔ جب انگریزوں سے لڑائیاں ہوئیں تو بعض بڑے بڑے سکھ سرداروں نے روپے لے لے کر علاقے انگریزوں کے حوالہ کردیئے اور یہی وجہ ہے کہ وہاں ان کی جاگیریں موجود ہیں۔ یہاں سے پندرہ بیس میل کے فاصلہ پر سکھوں کا ایک گاؤں بھاگووال ہے وہاں سکھ سردار ہیں۔ مگر وہ بھی انگریزوں سے مل گئے تھے تو اس وقت بڑے بڑے سکھ خاندانوں نے بھی انگریزوں کا ساتھ دیا مگر ہمارے دادا صاحب نے کہا کہ میں نے اس خاندان کا نمک کھایا ہے اس سے غداری نہیں کرسکتا۔ کیا وجہ ہے کہ سکھ زمینداروں کی جاگیریں تو قائم ہیں مگر ہماری چھین لی گئی۔ اسی غصہ میں انگریزوں نے ہماری جائیداد چھین لی تھی کہ ہمارے دادا صاحب نے سکھوں کے خلاف ان کا ساتھ نہ دیا تھا۔ تاریخ سے یہ امر ثابت ہے کہ مہاراجہ صاحب نے سات گاؤں واپس کئے تھے پھر وہ کہاں گئے؟ وہ اسی وجہ سے انگریزوں نے ضبط کرلئے کہ ہمارے دادا صاحب نے ان کا ساتھ نہ دیا تھا اور کہا تھا کہ ہم نے مہاراجہ صاحب کی نوکری کی ہے ان کے خاندان کی غداری نہیں کرسکتے بھاگووال کے ایک اسی پچاسی سالہ بوڑھے سکھ کپتان نے مجھے سنایا کہ میرے دادا سناتے تھے کہ ان کو خود سکھ حکومت کے وزیر نے بلا کر کہا کہ انگریز طاقتور ہیں ان کے ساتھ صلح کرلو خواہ مخواہ اپنے آدمی مت مرواؤ۔ مگر ہمارے دادا صاحب نے مہاراجہ صاحب کے خاندان سے بے وفائی نہ کی اور اسی وجہ سے انگریزوں نے ہماری جائیداد ضبط کرلی بعد میں جو کچھ ملا مقدمات سے ملا۔ مگر کیا ملا۔ قادیان کی کچھ زمین دے دی گئی۔ باقی بھینی۔ ننگل اور کھارا کا مالکان اعلیٰ قرار دے دیا گیا مگر یہ ملکیت اعلیٰ سوائے کاغذ چاٹنے کے کیا ہے؟ یہ برائے نام ملکیت ہے جو اشک شوئی کے طور پر دی گئی اور اس کی وجہ یہی ہے کہ ہمارے دادا صاحب نے غداری پسند نہ کی...... تاریخ

سے یہ بات ثابت ہے کہ جب ملتان کے صوبہ نے بغاوت کی تو ہمارے تایا صاحب نے ٹوانوں کے ساتھ مل کر اسے فرو کیا تھا اور اس وقت سے ٹوانوں اور نون خاندان کے ساتھ ہمارے تعلقات چلے آتے ہیں پس جہاں تک شرافت کا سوال ہے ہمارے خاندان نے سکھ حکومت سے نہایت دیانتداری کا برتاؤ کیا اور اس کی سزا کے طور پر انگریزوں نے ہماری جائیداد ضبط کرلی ورنہ سری گوبند پور کے پاس اب تک ایک گاؤں موجود ہے جس کا نام ہی مغلاں ہے اور وہاں تک ہماری حکومت کی سرحد تھی اور اس علاقہ کے لوگ اچھی طرح جانتے ہیں کہ وہاں تک ہماری حکومت تھی اور یہ مہاراجہ رنجیت سنگھ سے پہلے کی بات ہے"۔

(خطبہ جمعہ غیر مطبوعہ ریکارڈ خلافت لائبریری ربوہ)

حواشی

۱- حقیقۃ الوحی صفحہ ۲۰۱ حاشیہ طبع اول۔ تحفہ گولڑویہ صفحہ ۱۸-۱۹ طبع اول

۲- تحفہ گولڑویہ صفحہ ۱۸-۱۹ طبع اول۔ اربعین نمبر ۲ حاشیہ صفحہ ۱۷ طبع اول۔ چشمہ معرفت صفحہ ۳۱۶۔ حقیقۃ الوحی صفحہ ۷۷ و صفحہ ۷۸۔

۳- مشکوۃ جلد نمبر ۲ صفحہ ۳۸۳ و بخاری کتاب التفسیر جز ثالث مصری صفحہ ۱۲۵۔

۴- اس قابل قدر تحقیق کا سہرا مولوی عبدالرحیم صاحب درد (۱۸۹۴ء-۱۹۵۵ء) کے سر ہے۔ جنہوں نے انگلستان میں تبلیغ اسلام کا فریضہ انجام دینے کے علاوہ برٹش میوزیم وغیرہ سے استفادہ کرتے ہوئے وسیع تحقیق کی اور اپنی قیمتی معلومات ریویو آف ریلیجنز اردو (قادیان) دسمبر ۱۹۳۴ء کے شمارے میں شائع کیں۔ مولف "مجدد اعظم" نے اپنی تالیف میں اگرچہ درد صاحب کی تحقیق سے استفادہ کرتے ہوئے اس کا اقرار بھی کیا ہے مگر انہوں نے مستشرقین کے نام نقل کرنے میں پوری احتیاط سے کام نہیں لیا۔ (مثلاً صفحہ ۴۳ ولیم ارسکائن کی بجائے "ارسکن" لکھ دیا گیا ہے بعض جگہ حوالے کسی اور نام کی طرف منسوب کردیئے گئے مثلاً صفحہ ۵ پر انسائیکلوپیڈیا آف ریلیجنز اینڈ ایتھکس کے ایک مضمون کو جو ایک خاتون M.A. Czaplica کا لکھا ہوا ہے مسٹر "ہیسٹنگز" کا ظاہر کیا گیا ہے حالانکہ یہ انسائیکلوپیڈیا ایک نہایت مشہور کتاب ہے جسے انہوں نے مرتب کیا ہے تصنیف نہیں کیا۔ چنانچہ ریویو دسمبر ۱۹۳۴ء صفحہ ۳۳ میں صاف یہ الفاظ بھی موجود ہیں کہ "I. Hastings. Edited by" علاوہ ازیں خود ریویو آف ریلیجنز کے کاتب نے پروفیسر گب کو گبل بنادیا ہے۔ اس لئے یہ فروگذاشت بھی لازماً "مجدد اعظم" جلد اول (صفحہ ۵-۶) کی طرف منتقل ہو گئی ہے۔

۵- "سیرت المہدی" حصہ اول صفحہ ۱۲۸ طبع ثانی مرتبہ حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب (سن اشاعت ۲۲۔ دسمبر ۱۹۳۵ء)

۶- ایضاً "کتاب البریہ" طبع اول صفحہ ۱۳۴ حاشیہ۔ ناشر احمدیہ کتاب گھر قادیان

۷- "Zamer Lame" (مطبوعہ نیویارک-۱۹۲۸ء)

۸- زیر لفظ "Scythians" جلد نمبر ۱۶ مطبوعہ U.S.A 1980ء

۹- عربی زبان میں فارس کے معنی ہیں "گھوڑے کا سوار اور بہادر" (بیان اللسان عربی اردو ڈکشنری مرتبہ قاضی زین العابدین سجاد میرٹھی) شائع کردہ مکتبہ علمیہ قاضی واڑہ میرٹھ۔ فرس عربی زبان میں گھوڑے کو کہتے ہیں جس کی کنیت اہل عرب کے نزدیک ابو شجاع ہے (لطائف اللغۃ مولفہ احمد بن مصطفیٰ دمشقی) صفحہ ۲۳)

۱۰- اس نے فارسی فرانسیسی لغات میں لکھا ہے جو ۱۹۰۸ء میں روما سے شائع ہوا۔

۱۱- شیخ ابوالفضل نے اکبر نامہ (فارسی مطبوعہ کلکتہ ۱۸۷۷ء) میں برلاس کے معنی شجاع نسب ہی کے لکھے ہیں۔

۱۲- Zamer Lane

۱۳- "History of Bukhara" صفحہ ۱۶۳ مطبوعہ لنڈن ۱۸۷۳ء۔ اس کتاب کا اردو ترجمہ ۱۹۵۹ء میں مجلس ترقی ادب لاہور نے "تاریخ بخارا" کے نام سے شائع کیا ہے۔

۱۴- طبقات ناصری صفحہ ۱۰۹۴ تالیف منہاج الدین عثمان۔

۱۵- (Persia) پرشیا (مطبوعہ آکسفورڈ ۱۹۲۳ء۔ ایضاً انسائیکلوپیڈیا آف برٹینیکا۔ ابن عرب شاہ (مطبوعہ ۱۸۱۸ء کلکتہ) صفحہ ۱۰۔

۱۶- ۱۳۳۵ء میں سمرقند کے پچاس میل جنوب ایک قصبہ کش میں پیدا ہوا (تاریخ ہند)۔

۱۷- History of Mongols صفحہ ۱۴ مصنفہ ہاورتھ (Hoverth) مطبوعہ پیرس ۱۸۳۴ء

۱۸- صفحہ ۹۲

۱۹- Institution of Tamur مترجمہ ڈیوی آکسفورڈ مطبوعہ ۱۷۸۳ء صفحہ ۳۰۸

۲۰- "تاریخ اقوام عالم" (از مرتضیٰ احمد خان) طبع دوم صفحہ ۲۲۴ شائع کردہ "مجلس ترقی ادب" لاہور

۲۱۔ ہارٹ آف ایشیا (قلب ایشیا) مطبوعہ ۱۸۹۹ء صفحہ ۱۶۸۔
۲۲۔ ہسٹری آف پرشیا (تاریخ فارس)
۲۳۔ History of Bkhara نیز ملاحظہ ہو پروفیسر آرتھر کرسٹن سین پروفیسر السنہ شرقیہ ڈنمارک کی کتاب "ایران بعہد ساسان" صفحہ ۲۷۵-۲۷۶ مترجمہ ڈاکٹر محمد اقبال پروفیسر اورینٹل کالج لاہور شائع کردہ انجمن ترقی اردو دہلی ۱۹۴۷ء۔
۲۴۔ شاہنامے میں ایران کے ایک قدیم شاہی جھنڈے کا ذکر ہے جس پر شیر ببر کی تصویر ہے (شاہنامہ طبع فولرس جلد ۱ صفحہ ۷۸ شعر ۷۳۴) پروفیسر آرتھر کرسٹن لکھتے ہیں کہ "شاعر نے اکثر قدیم بہادروں کے جھنڈوں کو بیان کیا ہے۔ چونکہ یہ بیانات ساسانی ماخذوں سے لئے گئے ہیں لہٰذا یقینی بات ہے کہ ساسانی جھنڈوں کو نمونے کے طور پر پیش نظر رکھا گیا ہو گا"۔ (ایران بعہد ساسان صفحہ ۲۷۶)
۲۵۔ Memoirs of Tamur Page 28
۲۶۔ History of Bukhara Page 63
۲۷۔ دیباچہ "دربار تیمور میں سفارت" مصنفہ سی آر مرخم مطبوعہ لنڈن صفحہ ۱۲
۲۸۔ تاریخ رشیدی کا ترجمہ انگریزی مطبوعہ لنڈن ۱۸۹۸ء صفحہ ۱۸ باب پنجم۔
۲۹۔ انسائیکلوپیڈیا آف برٹینیکا۔
۳۰۔ ترکستان (انگریزی) جلد اول مطبوعہ لنڈن ۱۸۷۶ء صفحہ ۲۳۶۔
۳۱۔ اریانہ اینٹی کا (Ariana Antiqua) صفحہ ۱۴۱
۳۲۔ ہسٹری آف بخارا صفحہ ۳۵ و صفحہ ۵ مطبوعہ لنڈن ۱۸۷۳ء۔
۳۳۔ "ترک وسطی ایشیا میں" صفحہ ۳۴۔
۳۴۔ "وسط ایشیا میں عربوں کی فتوحات" مطبوعہ ۱۹۲۳ء۔
۳۵۔ "ترکستان" جلد اول صفحہ ۱۰۵ مطبوعہ ۱۸۷۶ء۔
۳۶۔ "وسط ایشیا میں عربوں کی فتوحات" صفحہ ۱ مطبوعہ ۱۹۲۳ء۔
۳۷۔ انسائیکلوپیڈیا آف ریلیجنز اینڈ ایتھکس زیر لفظ "ترک"۔
۳۸۔ یہ صاحب ضلع گورداسپور کے ڈپٹی کمشنر اور بھوپال اور راجپوتانہ کی ریاستوں کے ریذیڈنٹ کے عہدہ پر بھی رہے ہیں۔
۳۹۔ تاریخ ہندوستان جلد سوم صفحہ ۲ از مولانا ذکاء اللہ خان مطبوعہ ۱۹۱۶ء مطبع انسٹی ٹیوٹ علی گڑھ۔
۴۰۔ غیاث اللغات صفحہ ۳۱۵ مولفہ مولانا سراج علی خاں آرزو مطبوعہ لکھنؤ۔
۴۱۔ (بین الاقوامی جغرافیہ) (Universal Geography) صفحہ ۲۳۵
۴۲۔ "The Great Orcental Monorchy" صفحہ ۲۴۔
۴۳۔ The Roces of Man and their distribution (نسل انسانی اور اس کی تقسیم) صفحہ ۲۷ مطبوعہ کیمرج ۱۹۲۴ء۔
۴۴۔ "تاریخ ملل قدیمہ" صفحہ ۵۰۴ مصنفہ سینوبس (فرانسیسی) مترجم سید محمود اعظم فہمی شائع کردہ دفتر انجمن ترقی اردو اورنگ آباد ۱۹۲۱ء۔ "مقدمہ تاریخ ہند قدیم" صفحہ ۲۹ (از اکبر شاہ خاں نجیب آبادی) مطبوعہ جولائی ۱۹۳۳ء مکتبہ عبرت نجیب آباد یوپی۔
۴۵۔ رسالہ "اشاعت السنہ" جلد ۷ صفحہ ۱۹۳ مقام اشاعت بٹالہ ضلع گورداسپور۔
۴۶۔ ولادت ۳۰۔ مارچ ۱۲۳۵ء مطابق ۲۵۔ شعبان ۷۳۶ھ تاریخ ہندوستان جلد سوم مرتبہ شمس العلماء مولانا ذکاء اللہ خاں۔
۴۷۔ یہ شجرہ نسب تاریخ ہندوستان جلد سوم مرتبہ شمس العلماء مولوی ذکاء اللہ خاں دہلوی مطبوعہ ۱۹۱۴ء سے ماخوذ ہے۔
۴۸۔ تیمور ۸۰۷ھ مطابق ۱۴۰۴ء میں بغداد، ہندوستان، روم اور مصر کی فتوحات حاصل کرنے کے بعد ماوراء النہر کے علاقے میں داخل ہوا اور تینتیس برس کی عمر میں قریباً ۱۳۶۸ء میں سمرقند کی سلطنت پر قابض ہوا۔ تاریخ وفات ۱۷۔ فروری ۱۴۰۵ء توفیقات الہامیہ مطبوعہ مصر صفحہ ۴۰۴۔ تاریخ ہندوستان از مولانا ذکاء اللہ خان جلد سوم صفحہ ۲۱-۲۵ و تاریخ ہند و پاکستان صفحہ ۱۹۷۔

۴۹۔ گھاگرا کی لڑائی ۶۔ مئی ۱۵۲۹ء کو ہوئی اور بابر کا انتقال ۲۶۔ دسمبر ۱۵۳۰ء کو ہوا (تاریخ ہند و پاکستان)

۵۰۔ سن وفات ۹۴۰ھ "رود کوثر" (مرتبہ شیخ محمد اکرم ایم اے ناشر تاج آفس بندر روڈ کراچی۔

۵۱۔ سن وفات ۹۳۵ھ (تذکرہ اولیاء ہند و پاکستان از مرزا اختر دہلوی ناشر ملک سراج الدین بازار کشمیری لاہور مطبوعہ ۱۹۵۴ء

۵۲۔ سن وفات ۹۴۷ھ (ایضاً)

۵۳۔ سن وفات ۹۴۸ھ (ایضاً)

۵۴۔ سن وفات ۹۴۲ھ (ایضاً)

۵۵۔ سن وفات ۹۴۳ھ (ایضاً)

۵۶۔ "رود کوثر" صفحہ ۲۲، ۲۳۔

۵۷۔ "تعارف" صفحہ ۲۳۰۔۲۳۱۔

۵۸۔ مطابق ۱۸۰۶ء و ۱۲۲۱ھ (تقویم عمری از حضرت میاں معراج دین عمرؓ مطبوعہ ۱۹۰۶ء نیز توفیقات الہامیہ تالیف اللواء المصری محمد مختار باشا طبع اول بالمطبعۃ المیریہ بولاق مصر المحمیہ ۱۳۱۱ھ صفحہ ۶۔

۵۹۔ شمشیر خالصہ یا تواریخ گورو خالصہ جلد سوم ۲۸۴ مولفہ بھائی گیان سنگھ مطبوعہ ۱۸۹۳ء۔

۶۰۔ ۱۷۱۳ء تا ۱۷۱۹ء)

۶۱۔ "سیرت المہدی" حصہ سوم صفحہ ۱۴۷ تا ۱۵۲ طبع اپریل ۱۹۳۹ء بک ڈپو تالیف و اشاعت قادیان۔

۶۲۔ "سیرۃ المہدی" حصہ اول صفحہ ۱۲۹۔

۶۳۔ حضرت مرزا گل محمد صاحب کے حالات کی تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو الحکم ۷، ۱۴۔ جون ۱۹۴۲ء۔ "سیرت المہدی" حصہ اول صفحہ ۴۰، ۴۱۔ "حیات النبیؐ" جلد اول صفحہ ۲۴ تا ۲۷ مولفہ حضرت شیخ یعقوب علی عرفانی طبع اول اکتوبر ۱۹۱۵ء ہندوستان سٹیم پریس لاہور، الحکم ۱۴۔ جنوری ۱۹۳۸ء "ستارہ قیصریہ" صفحہ ۶ الحکم ۳۰۔ نومبر ۱۹۰۷ء صفحہ ۱۲۔ الحکم ۱۴۔ جنوری ۱۹۳۹ء صفحہ ۵، ۶۔

۶۴۔ عمدۃ التواریخ دفتر اول صفحہ ۲۰ از لالہ سوہن لعل مطبع آریہ پریس لاہور ۱۸۸۵ء ایضاً دفتر سوم حصہ اول صفحہ ۶، ۷۔

۶۵۔ "رپورٹ مجلس مشاورت" ۱۹۳۷ء۔ صفحہ ۲۰

۶۶۔ "قادیان" صفحہ ۷۸

۶۷۔ شمشیر خالصہ حصہ سوم صفحہ ۷۰۹ طبع اول (۱۸۹۲ء) از بھائی گیان سنگھ گیانی۔

۶۸۔ یاد رہے کہ ان لڑائیوں کے دوران میں پنجاب کے "ہزاروں سکھ انگریزوں کے ساتھ مل گئے تھے"۔ ("بہادر شاہ ظفر اور ان کا عہد" از رئیس احمد جعفری ندوی صفحہ ۶۲۲ ناشر کتاب منزل کشمیری بازار لاہور)۔

۶۹۔ "الحاق پنجاب کے وقت باغی سرداروں کی جاگیریں ضبط کر کے ان کی پنشن مقرر کر دی گئی تھی"۔ (تاریخ ہند و پاکستان) حصہ دوم صفحہ ۱۷۵۔

۷۰۔ یہ حصہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کے ایک غیر مطبوعہ خطبہ (فرمودہ ۲۲۔ نومبر ۱۹۴۵ء) سے ماخوذ ہے جو شعبہ زود نویسی (ربوہ) کے ریکارڈ میں موجود ہے۔

۷۱۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بعض تحریرات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور کے اب وجد سمرقند سے ملک ہند میں جب وارد ہوئے تو پہلے دہلی گئے تھے۔ چنانچہ ازالہ اوہام میں فرماتے ہیں۔ "بابر بادشاہ کے وقت میں کہ جو چغتائی سلطنت کا مورث اعلیٰ تھا بزرگ اجداد اس نیازمند الٰہی کے خاص سمرقند سے ایک جماعت کثیر کے ساتھ کسی سبب سے جو بیان نہیں کیا گیا ہجرت اختیار کر کے دلی میں پہنچے۔ اور دراصل یہ بات ان کاغذوں سے اچھی طرح واضح نہیں ہوتی کہ کیا وہ بابر کے ساتھ ہی ہندوستان میں داخل ہوئے تھے یا بعد اس کے بلاتوقف اس ملک میں پہنچ گئے۔ لیکن یہ امر اکثر کاغذات کے دیکھنے سے بخوبی ثابت ہوتا ہے کہ وہ ساتھ ہی پہنچے ہوں یا کچھ دن پیچھے آئے ہوں مگر انہیں شاہی خاندان سے کچھ ایسا خاص تعلق تھا جس کی وجہ سے وہ اس گورنمنٹ کی نظر میں معزز سرداروں میں سے شمار کئے گئے تھے"۔ (ازالہ اوہام حاشیہ صفحہ ۱۲۱۔۱۲۲ طبع اول) مطبوعہ ریاض ہند پریس امرت سر ذی الحجہ ۱۳۰۸ھ۔

۷۲- ازالہ اوہام طبع اول ۱۸۹۱ء صفحہ ۱۲۸ تا ۱۳۰-
۷۳- قادیان کے قلعہ میں آنے جانے کے لئے چار دروازے تھے۔ جن کے نام یہ ہیں بٹالی دروازہ ' پہاڑی دروازہ ' موری دروازہ اور ننگلی دروازہ ("قادیان" مرتبہ شیخ محمود احمد صاحب عرفانی صفحہ ۶ طبع اول) عالمگیر الیکٹرک پریس سید مٹھا بازار لاہور طبع اول ۱۹۴۱ء-
۷۴- تخمیناً ۱۸۰۲ء "قادیان" صفحہ ۷۹)-
۷۵- کپور تھلہ-
۷۶- "کتاب البریہ" طبع اول حاشیہ ۱۴۴ تا ۱۴۶ (نوٹ) حضرت اقدس نے اپنے خاندانی حالات مندرجہ ذیل کتب میں بھی بیان فرمائے ہیں۔ "ازالہ اوہام" بار اول صفحہ ۱۲۰ ' ۱۳۳ "آئینہ کمالات اسلام" حصہ عربی صفحہ ۴۹۸ تا ۵۱۶ "ستارہ قیصرہ" طبع سوم ۲-۳ "کشف الغطاء" بار دوم صفحہ ۲-۳ "لجۃ النور" صفحہ ۶-۱۱ "تحفہ قیصریہ" طبع اول ۱۸-۱۹ نیز ملاحظہ ہو الحکم ۱۴- جون ۱۹۴۳ء ' ۱۴- جنوری ۱۹۳۹ء حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے حالات (از معراج الدین صاحب عمر) حیات النبی جلد اول ۳ ' ۲۳ "سیرۃ المہدی" اول صفحہ ۳۵ ' ۳۷ ' ۴۰ ' ۴۳ "حیات احمد" جلد دوم و سوم صفحہ ۸۴ ' ۸۵ "سیرۃ المہدی" اول صفحہ ۱۲۸-۱۳۸ از حضرت شیخ یعقوب علی صاحب مطبوعہ اسلامی پریس حیدر آباد دکن دسمبر ۱۹۵۰ء-
۷۷- یہ ترجمہ سید نوازش علی پنشنر مترجم محکمہ عالیہ پنجاب گورنمنٹ نے ۱۹۴۱ء میں گورنمنٹ کی خاص اجازت سے ضروری اضافوں کے ساتھ "تذکرہ رؤسائے پنجاب" کے نام سے شائع کیا-
۷۸- آپ نہایت درجہ ذی علم و فہیم بزرگ تھے۔ جیسا کہ لیپل گریفن کے اگلے الفاظ سے ظاہر ہے-
۷۹- یہاں حاشیہ میں لکھا ہے کہ "پنجابی زبان میں جسے ضاد بولتے ہیں اکثر عربی زبان میں دال سے بدل جاتا ہے۔ چنانچہ گنبض ' گنبد ' استاد ' استاض"-
۸۰- یہ ۱۸۳۴ء کا واقعہ ہے کتاب "قادیان" مولفہ شیخ محمود احمد صاحب عرفانی مرحوم صفحہ ۷۹-
۸۱- "تذکرہ رؤسائے پنجاب" جلد دوم صفحہ ۶۷ تا ۶۹-
۸۲- صحیح تحقیق کے مطابق تاریخ ولادت ۱۳- فروری ۱۸۳۵ء ہے (ناقل)
۸۳- "ترجمہ پنجاب چیفس" طبع اول - بحوالہ "سیرت مسیح موعود" نوشتہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعود ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز صفحہ ۵-۶-

باب سوم

حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کی ولادت مبارک پاکیزہ بچپن اور دور تعلیم

(۱۸۳۵ء-۱۸۵۳ء)

بانی سلسلہ احمدیہ سیدنا حضرت اقدس مرزا غلام احمد قادیانی علیہ الصلوٰۃ والسلام حضرت چراغ بی بی کے بطن مبارک سے ۱۴- شوال ۱۲۵۰ھ بمطابق ۱۳- فروری ۱ ۱۸۳۵ء (بروز جمعہ طلوع فجر کے

۱- حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تاریخ پیدائش کی تعیین کے سلسلہ میں حضرت مرزا بشیر احمدؓ صاحب تحریر فرماتے ہیں۔
حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تاریخ پیدائش اور عمر بوقت وفات کا سوال ایک عرصے سے زیر غور چلا آتا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تصریح فرمائی ہے۔ کہ حضور کی تاریخ پیدائش معین صورت میں محفوظ نہیں ہے۔ اور آپ کی عمر کا صحیح اندازہ معلوم نہیں (ضمیمہ براہین احمدیہ حصہ پنجم صفحہ ۱۹۳) کیونکہ آپ کی پیدائش سکھوں کی حکومت کے زمانہ میں ہوئی تھی۔ جبکہ پیدائشوں کا کوئی ریکارڈ نہیں رکھا جاتا تھا۔ البتہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بعض ایسے امور بیان فرمائے ہیں جن سے ایک حد تک آپؑ کی عمر کی تعیین کی جاتی رہی ہے۔ ان اندازوں میں سے بعض اندازوں کے لحاظ سے آپؑ کی پیدائش کا سال ۱۸۴۰ء بنتا ہے۔ اور بعض کے لحاظ سے ۱۸۳۱ء تک پہنچتا ہے۔ اور اسی لئے یہ سوال ابھی تک زیر بحث چلا آیا ہے کہ صحیح تاریخ پیدائش کیا ہے؟۔
میں نے اس معاملہ میں کئی جہت سے غور کیا ہے۔ اور اپنے اندازوں کو سیرۃ المہدی کے مختلف حصوں میں بیان کیا ہے۔ لیکن حق یہ ہے۔ کہ گو مجھے یہ خیال غالب رہا ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پیدائش کا سال ۱۸۳۶ء عیسوی یا اس کے قریب قریب ہے۔ مگر ابھی تک کوئی معین تاریخ معلوم نہیں کی جاسکی تھی۔ لیکن اب بعض حوالے اور بعض روایات ایسی ملی ہیں۔ جن سے یقینی طور پر معین تاریخ کا پتہ لگ گیا ہے۔ جو بروز جمعہ ۱۴- شوال ۱۲۵۰ ہجری مطابق ۱۳- فروری ۱۸۳۵ء عیسوی مطابق یکم پھاگن ۱۸۹۱ بکری ہے۔ اس تعیین کی وجوہ یہ ہیں:
۱- حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تعیین اور تصریح کے ساتھ لکھا ہے۔ جس میں کسی غلطی یا غلط فہمی کی گنجائش نہیں۔ کہ میری پیدائش جمعہ کے دن چاند کی چودھویں تاریخ کو ہوئی تھی (دیکھو تحفہ گولڑویہ بار اول صفحہ ۱۱۰ حاشیہ) ۲- ایک زبانی روایت کے ذریعہ جو مجھے مکرمی مفتی محمد صادق صاحب کے واسطہ سے پہنچی ہے۔ اور جو مفتی صاحب موصوف نے اپنے پاس لکھ کر محفوظ کی ہوئی ہے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک دفعہ فرمایا تھا۔ کہ ہندی مہینوں کے لحاظ سے میری پیدائش پھاگن کے مہینہ میں ہوئی تھی۔ ۳- مندرجہ بالا تاریخ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دوسرے متعدد بیانات سے بھی قریب ترین مطابقت رکھتی ہے۔ مثلاً یہ کہ آپ ٹھیک ۱۲۹۰ھ میں شرف مکالمہ مخاطبہ الٰہیہ سے مشرف ہوئے تھے (حقیقۃ الوحی صفحہ ۱۹۹) اور اس وقت آپ کی عمر چالیس سال کی تھی۔ (تریاق القلوب صفحہ ۶۸) وغیرہ وغیرہ۔
میں نے گزشتہ جنتریوں کا بغور مطالعہ کیا ہے۔ اور دوسروں سے بھی کرایا ہے۔ تاکہ یہ معلوم ہو سکے کہ پھاگن کے مہینے میں جمعہ کا دن اور چاند کی چودھویں تاریخ کس کس سن میں اکٹھے ہوتے ہیں۔ اس تحقیق سے یہی ثابت ہوا ہے۔ کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام

بعد) قادیان ضلع گورداسپور (بھارت) میں پیدا ہوئے۔ حضرت مسیح ناصری علیہ السلام کی طرح آپ کی پیدائش میں بھی ندرت اور معجزانہ [۲] رنگ تھا۔ کیونکہ آپ عالم اسلام کے مشہور صوفی

کی تاریخ پیدائش ۱۴۔ شوال ۱۲۵۰ ہجری مطابق ۱۳۔ فروری ۱۸۳۵ء عیسوی ہے جیسا کہ نقشہ ذیل سے ظاہر ہوگا۔

تاریخ اور سن عیسوی	تاریخ چاند معہ سن ہجری	دن	تاریخ ہندی مہینہ معہ سن بکرمی
۴۔ فروری ۱۸۳۱ء	۲۰۔ شعبان ۱۲۴۶ ہجری	جمعہ	۷ پھاگن ۱۸۸۷ بکرم
۱۷۔ فروری ۱۸۳۲ء	۱۴۔ رمضان ۱۲۴۷ ہجری	جمعہ	یکم پھاگن ۱۸۸۸ بکرم
۸۔ فروری ۱۸۳۳ء	۱۲۴۸/۱۷ ہجری	جمعہ	۴۔ پھاگن ۱۸۸۹ بکرم
۲۸۔ فروری ۱۸۳۴ء	۱۸۔ شوال ۱۲۴۹ ہجری	جمعہ	۵۔ پھاگن ۱۸۹۰ بکرم
۱۳۔ فروری ۱۸۳۵ء	۱۴۔ شوال ۱۲۵۰ ہجری	جمعہ	یکم۔ پھاگن ۱۸۹۱ بکرم
۵۔ فروری ۱۸۳۶ء	۱۷۔ شوال ۱۲۵۱ ہجری	جمعہ	۳۔ پھاگن ۱۸۹۲ بکرم
۲۴۔ فروری ۱۸۳۷ء	۱۸۔ ذیقعدہ ۱۲۵۲ ہجری	جمعہ	۴۔ پھاگن ۱۸۹۳ بکرم
۹۔ فروری ۱۸۳۸ء	۲۰۔ ذیقعدہ ۱۲۵۳ ہجری	جمعہ	۷۔ پھاگن ۱۸۹۴ بکرم
یکم فروری ۱۸۳۹ء	۱۵۔ ذیقعدہ ۱۲۵۴ ہجری	جمعہ	۳۔ پھاگن ۱۸۹۵ بکرم
۲۱۔ فروری ۱۸۴۰ء	۱۶۔ ذی الحج ۱۲۵۵ ہجری	جمعہ	۴۔ پھاگن ۱۸۶۶ بکرم

(توفیقات الہامیہ مصری و تقویم عمری ہندی)

اس نقشہ کی رو سے ۱۸۳۲ء عیسوی کی تاریخ بھی درست سمجھی جا سکتی ہے مگر دوسرے قرائن سے جن میں سے بعض اوپر بیان ہو چکے ہیں اور بعض آگے بیان کئے جائیں گے۔ صحیح یہی ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پیدائش ۱۸۳۵ء عیسوی میں ہوئی تھی۔ پس ۱۳۔ فروری ۱۸۳۵ء عیسوی مطابق ۱۴۔ شوال ۱۲۵۰ ہجری بروز جمعہ والی تاریخ صحیح قرار پاتی ہے اور اس حساب کی رو سے وفات کے وقت جو ۲۴۔ ربیع الثانی ۱۳۲۶ ہجری (اخبار الحکم ضمیمہ مورخہ ۲۸۔ مئی ۱۹۰۸ء) میں ہوئی۔ آپ کی عمر پورے ۷۵ سال ۶ ماہ اور دس دن بنتی ہے۔ میں امید کرتا ہوں۔ کہ اب جبکہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پیدائش کی تاریخ معین طور پر معلوم ہو گئی ہے۔ ہمارے احباب اپنی تحریر و تقریر میں ہمیشہ اسی تاریخ کو بیان کیا کریں گے۔ تا کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تاریخ پیدائش کے متعلق کوئی ابہام اور اشتباہ کی صورت نہ رہے۔ اور ہم لوگ اس بارے میں ایک معین بنیاد پر قائم ہو جائیں۔

اس نوٹ کے ختم کرنے سے قبل یہ ذکر بھی ضروری ہے۔ کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ایک الہام میں یہ بتایا گیا تھا کہ آپؑ کی عمر اسی یا اس سے پانچ چار کم یا پانچ چار زیادہ ہوگی (حقیقۃ الوحی صفحہ ۹۶) اگر اس الہام الٰہی کے لفظی معنی لئے جائیں تو آپ کی عمر پچھتر ۷۵ چھہتر یا اسی یا چوراسی۔ پچاسی سال کی ہونی چاہئے بلکہ اگر اس الہام کے معنی کرنے میں زیادہ لفظی پابندی اختیار کی جائے تو آپ کی عمر پورے ساڑھے پچھتر یا اسی یا ساڑھے چوراسی سال کی ہونی چاہئے اور یہ ایک عجیب قدرت نمائی ہے کہ مندرجہ بالا تحقیق کی رو سے آپ کی عمر پورے ساڑھے پچھتر سال بنتی ہے۔ اسی ضمن میں یہ بات بھی قابل نوٹ ہے کہ ایک دوسری جگہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنی پیدائش کے متعلق بحث کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت آدم سے لے کر ہزار ششم میں سے ابھی گیارہ سال باقی رہتے تھے۔ کہ میری ولادت ہوئی اور اسی جگہ یہ بھی تحریر فرماتے ہیں کہ خدا تعالیٰ نے مجھ پر ظاہر کیا ہے کہ ابجد کے حساب کے مطابق سورۃ والعصر کے اعداد سے آنحضرت ﷺ کا زمانہ نکلتا ہے جو شمار کے لحاظ سے ۴۷۳۹ سال بنتا ہے (دیکھو تحفہ گولڑویہ صفحہ ۹۳، ۹۴، ۹۵ حاشیہ) یہ زمانہ اصولاً ہجرت تک شمار ہونا چاہئے۔ کیونکہ ہجرت سے نئے دور کا آغاز ہوتا ہے۔ اب اگر یہ حساب نکالا جائے۔ تو اس کی رو سے بھی آپ کی پیدائش کا سال ۱۲۵۰ھ بنتا ہے۔ کیونکہ ۶۰۰۰ میں سے ۱۱ نکالنے سے ۵۹۸۹ رہتے ہیں اور ۵۹۸۹ میں سے ۴۷۳۹ منہا کرنے سے ۱۲۵۰ بنتے ہیں۔ گویا اس جہت سے بھی حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پیدائش کے متعلق مندرجہ بالا حساب صحیح قرار پاتا ہے۔ (مطبوعہ "الفضل" قادیان ۱۱ اگست ۱۹۳۶ء صفحہ ۳)

۲۔ نصوص الحکم صفحہ ۳۶ ترجمہ مولانا الفاضل محمد مبارک علی مطبوعہ ۱۳۰۸ھ

حضرت محی الدین ابن عربیؒ کی ایک پیشگوئی کے مطابق توام [۳] پیدا ہوئے تھے۔ آپ پانچ بہن بھائی تھے۔ سب سے بڑی آپ کی ہمشیرہ حضرت مراد بیگمؓ تھیں جو مرزا محمد بیگ کے عقد زوجیت میں آئیں اور بڑی عابدہ اور صاحب رؤیا و کشف خاتون تھیں۔ ان سے چھوٹے مرزا غلام قادر صاحب مرحوم تھے۔ ان سے چھوٹے آپ کے ایک اور بھائی تھے جو بچپن میں ہی فوت ہو گئے۔ ان سے چھوٹی حضورؑ کے ساتھ توام پیدا ہونے والی بہن تھیں جن کا نام جنت تھا اور جو بہت جلد فوت ہو گئیں۔ حضرت اقدسؑ کے بھائی بہنوں میں قریباً دو دو سال کا تفاوت تھا۔ [۴]

حضرت بانی سلسلہ عالیہ احمدیہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ولادت سے تین برس پیشتر مجدد صدی سیزدہم حضرت سید احمد بریلویؒ اور اسمٰعیل شہید بالاکوٹ میں جام شہادت نوش فرما چکے تھے [۵] اور آپ کی ولادت کے وقت عیسائیت کا سیلاب جو ۲۲۔ جون ۱۸۱۳ء سے اشاعت تبلیغ کے اجازت نامے کے بعد (پنجاب کے سوا) پورے ہندوستان کو محیط ہو رہا تھا۔ پنجاب کے کناروں تک آپہنچا تھا چنانچہ ٹھیک ۱۸۳۵ء میں ہندوستان کے گورنر جنرل لارڈ ولیم بنٹنگ کی رائے اور برطانوی سکیم کے عین مطابق پادری جے سی لوری نے انگریزی مملکت کی سرحد پر لدھیانہ میں پنجاب کا پہلا عیسائی مشن قائم کیا۔ جہاں برطانوی پولیٹیکل ایجنٹ کیپٹن ویڈ (Captain Wade) نے پہلے سے ایک عیسائی سکول قائم کر رکھا تھا۔ [۶] پس کیا ہی عجیب خدائی تصرف ہے کہ جونہی جے سی لوری "باب لد" یعنی لدھیانہ تک پہنچے خدا تعالیٰ نے کاسر صلیب پیدا کر دیا۔ ادھر زہر پیدا ہوئی اور ادھر اس کا تریاق نمودار ہو گیا۔ پنجاب میں جہاں حضورؑ کی پیدائش ہوئی مہاراجہ رنجیت سنگھ برسراقتدار تھا۔ [۷] جس نے ۱۸۰۲ء میں بھنگی مسل کے سرداروں سے امرت سر پر قبضہ کر کے مہاراجہ کا لقب اختیار کر لیا۔ اور پھر قصور، جموں، کانگڑہ، اٹک، جھنگ، ملتان، ہزارہ، بنوں اور پشاور تک کے علاقے زیر نگیں کر لئے۔ ۱۸۱۶۔۱۸۱۷ء میں رام گڑھیوں کو شکست دے کر قادیان کی ریاست بھی اپنی عملداری میں شامل کر لی۔ لیکن حضرت بانی کی پیدائش سے چند ماہ قبل حضرت مرزا غلام مرتضیٰ صاحب کو قادیان کے اردگرد کے پانچ گاؤں ان کی خاندانی ریاست میں سے انہیں واپس کر دیئے۔ اس طرح چند ماہ قبل آپ کے خاندانی مصائب و مشکلات کے دور کو فراخی اور کشائش میں بدل ڈالا اور آپ کی پیدائش خاندان کے لئے مادی اعتبار سے بھی باعث صد برکت ثابت ہوئی۔ چنانچہ حضرت اقدسؑ کی والدہ ماجدہ آپ کو مخاطب کرتے ہوئے اکثر فرمایا کرتی تھیں کہ ہمارے خاندان کے مصیبت کے دن تیری ولادت کے ساتھ پھر گئے اور فراخی میسر آگئی۔ اور اسی لئے وہ آپ کی پیدائش کو نہایت مبارک سمجھتی تھیں۔ [۸]

حضرت کا پاکیزہ بچپن

حضرت اقدس علیہ السلام کا بچپن ملکی ماحول کی بے شمار آلودگیوں کے باوجود معجزانہ طور پر نہایت درجہ پاکیزہ اور مقدس تھا۔ آپ کو کم سنی میں قادیان اور اس کے مضافات کے علاوہ اپنے ننہال ایمہ ضلع ہوشیار پور میں بھی کئی مرتبہ جانے کا اتفاق ہوا۔ [۹] مگر آپ جہاں بھی تشریف لے گئے دوسرے تمام بچوں سے ممتاز پائے گئے۔ متانت، سنجیدگی، تنہا پسندی اور گہرے غور و فکر کی قوت ابتداء ہی سے قدرت نے آپ کو ودیعت کر رکھی تھی اور آپ بچپن ہی سے ایک نرالی دنیا کے فرد نظر آتے تھے۔ موضع بہادر حسین ضلع گورداسپور کے ایک سربر آوردہ شخص کی گواہی ہے کہ ایک مرتبہ آپ اپنے بڑے بھائی مرزا غلام قادر صاحب کے ساتھ ان کے گاؤں آئے تھے یہ گاؤں ان کی جاگیر تھا۔ "مرزا غلام قادر صاحب ہمارے ساتھ کھیلتے اور جو جو کھیلیں ہم کرتے وہ بھی کرتے مگر مرزا غلام احمد صاحبؑ نہ لڑکوں کے ساتھ کھیلتے اور نہ شوخی وغیرہ کی باتیں کرتے بلکہ چپ چاپ بیٹھے رہتے" [۱۰] حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ایک ہم عمر ہندو کی شہادت ہے کہ "میں نے بچپن سے مرزا غلام احمد کو دیکھا ہے (علیہ السلام) میں اور وہ ہم عمر ہیں اور قادیان میرا آنا جانا ہمیشہ رہتا ہے اور اب بھی دیکھتا ہوں جیسی عمدہ عادات اب ہیں ایسی نیک خصلتیں اور عادات پہلے تھیں اب بھی وہی ہیں۔ سچا، امانت دار اور نیک۔ میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ پرمیشور مرزا صاحب کی شکل اختیار کرکے زمین پر اتر آیا ہے اور پرمیشور اپنے جلوے دکھا رہا ہے"۔ [۱۱]

حضرت اقدسؑ اپنے عہد طفولیت کے حالات بیان کرتے ہوئے فرماتے تھے کہ ایک دفعہ آپ بچپن میں گاؤں سے باہر ایک کنوئیں پر بیٹھے ہوئے تھے کہ آپ کو کسی چیز کی ضرورت محسوس ہوئی جو گھر سے لانی تھی۔ اس وقت آپ کے پاس ایک شخص بکریاں چرا رہا تھا۔ آپ نے اس سے کہا کہ مجھے یہ چیز لا دو۔ اس نے کہا میاں! میری بکریاں کون دیکھے گا؟ آپ نے کہا تم جاؤ میں ان کی حفاظت کروں گا اور چراؤں گا۔ چنانچہ آپ نے اس کی بکریوں کی نگرانی کی اور اس طرح خدا تعالیٰ نے نبیوں کی سنت آپ سے پوری کرادی۔ [۱۲]

اٹھارہویں صدی کی ہلاکت آفرینیوں نے دنیا میں الحاد و دہریت اور فسق و فجور کا ایک تند و تیز سیلاب بہا رکھا تھا اور بڑے بڑے متدین خاندان اس کی زد میں آچکے تھے بلکہ خود آپ کے خاندان میں بے دینی کی ایک رو چل نکلی تھی۔ لیکن حضرت کے قلب صافی میں ابتداء ہی سے خدا تعالیٰ کی عبادت اور اس سے محبت کے جذبات موجزن تھے اور دنیا کی کوئی دلکشی اور رنگینی آپ کے اس والہانہ عشق میں حائل نہیں ہو سکی۔

ایک معمر ہندو جاٹ کی شہادت

ایک معمر ہندو جاٹ کی (جس نے آپ کو گود میں کھلایا بھی ہے) شہادت ہے کہ:

"جب سے اس (مراد حضرت مسیح پاک - ناقل) نے ہوش سنبھالا ہے بڑا ہی نیک رہا - دنیا کے کسی کام میں نہیں لگا - بچوں کی طرح کھیل کود میں مشغول نہیں ہوا - شرارت ' فساد ' جھوٹ ' گالی کبھی اس میں نہیں - ہم اور ہمارے ہم عمر اس کو ست اور سادہ لوح اور بے عقل سمجھا کرتے تھے کہ یہ کس طرح گھر بسائے گا - سوائے الگ مکان میں رہنے کے اور کچھ کام ہی نہیں تھا - نہ کسی کو مارا نہ آپ مار کھائی - نہ کسی کو برا کہا نہ آپ کو کہلوایا - ایک عجیب پاک زندگی تھی مگر ہماری نظروں میں اچھی نہیں تھی - نہ کہیں آنا نہ جانا - نہ کسی سے سوائے معمولی بات کے بات کرنا - اگر ہم نے کبھی کوئی بات کہی کہ میاں دنیا میں کیا ہو رہا ہے تم بھی ایسے رہو - اور کچھ نہیں تو کھیل تماشہ کے طور پر ہی باہر آیا کرو تو کچھ نہ کہتے ہنس کے چپ ہو رہتے - تم عقل پکڑو کھاؤ کماؤ کچھ تو کیا کرو - یہ سن کر خاموش ہو رہتے آپ کے والد مجھے کہتے - نمبردار! غلام احمد کو بلا لاؤ اسے کچھ سمجھا دیں گے - میں جا تا بلا لاتا - والد کا حکم سن کر اسی وقت آ جاتے اور چپ چاپ بیٹھ جاتے اور نیچی نگاہ رکھتے - آپ کے والد فرماتے بیٹا غلام احمد! ہمیں تمہارا بڑا فکر اور اندیشہ رہتا ہے تم کیا کر کے کھاؤ (گے) اس طرح زندگی تم کب تک گذارو گے - تم روزگار کرو کب تک دلہن بنے رہو گے - خورد و نوش کا فکر چاہئے - دیکھو دنیا کماتی کھاتی پیتی ہے کام کاج کرتی ہے - تمہارا بیاہ ہو گا بیوی آوے (گی) بالک بچے ہوں گے وہ کھانے پینے پہننے کے لئے طلب کریں گے - ان کا تعہد تمہارے ذمہ ہو گا - اس حالت میں تو تمہارا بیاہ کرتے ہوئے ڈر لگتا ہے - کچھ ہوش کرو - اس غفلت اور اس سادگی کو چھوڑ دو - میں کب تک بیٹھا رہوں گا - بڑے بڑے انگریزوں ' افسروں ' حاکموں سے میری ملاقات ہے وہ ہمارا لحاظ کرتے ہیں - میں تم کو چٹھی لکھ دیتا ہوں تم تیار ہو جاؤ یا کہو تو میں خود جا کر سفارش کروں - تو مرزا غلام احمدؑ کچھ جواب نہ دیتے - وہ بار بار اسی طرح کہتے - آخر جواب دیتے تو یہ دیتے کہ ابا بھلا بتاؤ تو سہی کہ جو افسروں کے افسر اور مالک الملک احکم الحاکمین کا ملازم ہو اور اپنے رب العالمین کا فرمانبردار ہو - اس کو کسی کی ملازمت کی کیا پرواہ ہے - ویسے میں آپ کے حکم سے بھی باہر نہیں - مرزا غلام مرتضٰی صاحب یہ جواب سن کر خاموش ہو جاتے اور فرماتے اچھا بیٹا جاؤ - اپنا خلوت خانہ سنبھالو - جب یہ چلے جاتے تو ہم سے کہتے کہ یہ میرا بیٹا ملاں ہی رہے گا - میں اس کے واسطے کوئی مسجد ہی تلاش کر دوں جو دس بیس من دانے ہی کما لیتا مگر میں کیا کروں یہ تو ملاگری کے بھی کام کا نہیں - ہمارے بعد یہ کس طرح زندگی بسر کرے گا - ہے تو یہ نیک صالح مگر اب زمانہ ایسوں کا نہیں چالاک آدمیوں کا ہے پھر آبدیدہ ہو کر کہتے کہ جو حال پاکیزہ غلام احمدؑ کا ہے وہ ہمارا کہاں ہے - یہ شخص زمینی

نہیں آسمانی (ہے) یہ آدمی نہیں فرشتہ ہے" [۱۳]

حضرت اقدس کو شروع سے نماز کے ساتھ گہرا تعلق اور ایک فطری لگاؤ تھا جو عمر کے آخر تک گویا ایک نشہ کی صورت میں آپ کے دل و دماغ پر طاری رہی۔ تحریک احمدیت کے پہلے مورخ حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانیؓ نے آپ کے ابتدائی سوانح میں یہ عجیب واقعہ درج کیا ہے کہ جب آپ کی عمر نہایت چھوٹی تھی تو اس وقت آپ اپنی ہم سن لڑکی سے (جو بعد کو آپ سے بیاہی گئی) فرمایا کرتے تھے کہ "نامرادے دعا کر کہ خدا میرے نماز نصیب کرے"۔ [۱۴] یہ فقرہ بظاہر نہایت مختصر ہے مگر اس سے عشق الٰہی کی ان لہروں کا پتہ چلتا ہے جو مافوق العادت رنگ میں شروع سے آپ کے وجود پر نازل ہو رہی تھیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے انہی فطری رجحانات کا نقشہ کھینچتے ہوئے ایک مقام پر لکھا ہے کہ:

اَلْمَسْجِدُ مَكَانِيْ وَالصَّالِحُوْنَ اِخْوَانِيْ وَ ذِكْرُ اللّٰهِ مَالِيْ وَ خَلْقُ اللّٰهِ عَيَالِيْ

فرماتے ہیں کہ اوائل ہی سے مسجد میرا مکان، صالحین میرے بھائی، یاد الٰہی میری دولت ہے اور مخلوق خدا میرا عیال اور خاندان ہے۔ [۱۵]

حضور کی یہ پاکیزہ فطرت اور خدا نما عادات و خصائل ہی کا نتیجہ تھا کہ جس نے بھی بصیرت کی نگاہ سے دیکھا آپ کا والہ و شیدا ہو گیا۔ میاں محمد یاسین صاحب احمدی ٹیچر بلوچستان کی روایت ہے کہ "مجھے مولوی برہان الدین صاحب رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ ایک دفعہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام مولوی غلام رسول صاحب قلعہ میاں سنگھ کے پاس گئے اور اس وقت حضور ابھی بچہ ہی تھے۔ اس مجلس میں کچھ باتیں ہو رہی تھیں۔ باتوں باتوں میں مولوی غلام رسول صاحب نے جو ولی اللہ و صاحب کرامات تھے فرمایا کہ اگر اس زمانہ میں کوئی نبی ہوتا تو یہ لڑکا نبوت کے قابل ہے۔ انہوں نے یہ بات حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام پر محبت سے ہاتھ پھیرتے ہوئے کہی۔ مولوی برہان الدین صاحب کہتے ہیں کہ میں خود اس مجلس میں موجود تھا۔ مکرم مولوی غلام محمد صاحب سکنہ بیگو والہ ضلع سیالکوٹ نے بتایا کہ میں نے یہ بات اپنے والد محمد قاسم صاحب سے اسی طرح سنی تھی"۔ [۱۶، ۱۸]

حضرت مسیح موعودؑ دورِ تعلیم میں

"النبی الامی" کا قابل فخر خطاب ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء میں سے تنہا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا ہوا اور باقی انبیاء کو بچپن میں کچھ نہ کچھ دنیاوی تعلیم حاصل کرنا پڑی۔ اس خدائی دستور کے مطابق حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بھی ابتدائی عمر میں تین اساتذہ سے چند ابتدائی علوم پڑھنے کا موقعہ ملا۔ سکھا شاہی کے جس زمانہ میں آپ پیدا ہوئے۔ ہر طرف جہالت کی تاریکی مسلط تھی اور عوام

ہی نہیں رؤساء بھی علم کے نور سے محروم تھے۔ چنانچہ یہ بات مشہور ہے کہ خطوط اکثر مدت تک یونہی بغیر پڑھے رکھے رہتے اور ایک عرصہ کی محنت، مشقت اور تلاش کے بعد ان کے مضمون سے آگاہی ہو سکتی۔ لیکن چونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ سے اصلاح خلق کا ایک بہت بڑا کام لینا تھا اس لئے اس نے آپ کے والد بزرگوار کے دل میں آپ کی تعلیم کا خاص شوق پیدا کر دیا۔ چنانچہ انہوں نے دنیوی تفکرات اور اقتصادی مشکلات کے باوجود مناسب حال ابتدائی تعلیم دلانے میں گہری دلچسپی لی چنانچہ حضور اپنے ذاتی سوانح میں لکھتے ہیں:

"بچپن کے زمانے میں میری تعلیم اس طرح پر ہوئی کہ جب میں چھ سات سال کا تھا تو ایک فارسی خوان معلم میرے لئے نوکر رکھا گیا۔ جنہوں نے قرآن شریف اور چند فارسی کتابیں مجھے پڑھائیں اور اس بزرگ کا نام فضل الٰہی تھا۔ اور جب میری عمر تقریباً دس برس کی ہوئی تو ایک عربی خوان مولوی صاحب میری تربیت کے لئے مقرر کئے گئے جن کا نام فضل احمد تھا۔ میں خیال کرتا ہوں کہ چونکہ میری تعلیم خدا تعالیٰ کے فضل کی ایک ابتدائی تخم ریزی تھی اس لئے ان استادوں کے نام کا پہلا لفظ بھی فضل ہی تھا۔ مولوی صاحب موصوف جو ایک دیندار اور بزرگ آدمی تھے وہ بہت توجہ اور محنت سے پڑھاتے رہے۔ اور میں نے صرف کی بعض کتابیں اور کچھ قواعد نحو ان سے پڑھے۔ اور بعد اس کے جب میں سترہ یا اٹھارہ سال کا ہوا تو ایک مولوی صاحب سے چند سال پڑھنے کا اتفاق ہوا۔ ان کا نام گل علی شاہ تھا۔ ان کو بھی میرے والد صاحب نے نوکر رکھ کر قادیان میں پڑھانے کے لئے مقرر کیا تھا۔ اور ان آخر الذکر مولوی صاحب سے میں نے نحو اور منطق اور حکمت وغیرہ علوم مروجہ کو جہاں تک خدا تعالیٰ نے چاہا حاصل کیا۔ اور بعض طبابت کی کتابیں میں نے اپنے والد صاحب سے پڑھیں اور وہ فن طبابت میں بڑے حاذق طبیب تھے"۔ [۱۸]

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پہلے استاد فضل الٰہی صاحب قادیان کے باشندے اور حنفی المذہب تھے۔ دوسرے استاد مولوی فضل احمد صاحب فیروز والہ ضلع گوجرانوالہ کے رہنے والے اور اہلحدیث تھے۔ مولوی مبارک علی صاحب جو ابتداء میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بیعت میں شامل ہوئے اور پھر غیر مبایعین کی رو میں بہہ گئے، آپ ہی کے بیٹے تھے۔ اور تیسرے استاد مولوی گل علی شاہ صاحب بٹالہ کے رہنے والے اور مذہباً شیعہ تھے۔ [۱۹] حضور کے زمانہ طالب علمی میں قادیان کا وہ کچا دیوان خانہ جس میں بعد کو حضرت نواب محمد علی خان صاحب رضی اللہ عنہ کے مکانات تعمیر ہوئے پرائیویٹ درسگاہ تھی جہاں حضرت مرزا غلام مرتضیٰ صاحب کی بدولت نہ صرف آپ کے فرزند ہی اساتذہ سے تعلیم حاصل کرتے تھے بلکہ گاؤں کے دوسرے بچوں کو بھی استفادہ کی کھلی اجازت

تھی - بچوں کی شوخی ' ہنسی مذاق اور چلبلاپن مشہور ہے اور یہ درسگاہ بھی ان باتوں سے خالی نہ تھی - لیکن آپ کوہ وقار تھے اور متانت و سنجیدگی کی مجسم تصویر!! دوسرے بچے جو طفیلی رنگ میں استفادہ کرتے تھے اپنے اساتذہ کا مذاق اڑاتے مگر آپ ان کے ادب و احترام کو ملحوظ رکھتے - وہ تعلیمی اوقات میں تفریح اور دل لگی کا سامان پیدا کرتے اور آپ اپنا سبق یاد کرنے میں مستغرق رہتے - آپ کا معمول یہ تھا کہ اپنا سبق ہمیشہ خود پڑھتے اور دو یا تین دفعہ دہرا لینے کے بعد بالاخانہ میں تشریف لے جاتے اور وہاں تنہائی میں پوری یکسوئی سے یاد کرتے - اگر کچھ بھول جاتا تو نیچے آکر اپنے استاد سے براہ راست پوچھتے اور پھر اوپر چلے جاتے - آپ کی عادت مبارک میں بالخصوص یہ امر بھی داخل تھا کہ اگر کوئی بچہ اپنا سبق بھول جاتا تو آپ اسے یاد کرا دینے میں کبھی تامل نہ فرماتے - [۲۰] ان دنوں میں عام طور پر کشتی ' کبڈی اور مگدر اور موگری اٹھانے کے کھیل مروج تھے اور بٹیر بازی اور مرغ بازی کی وبا عام تھی - مگر آپ بالطبع ان سب فضولیات سے متنفر اور قطعی طور پر بیزار تھے - "تاہم اعتدال کے ساتھ اور مناسب حد تک آپ ورزش اور تفریح میں حصہ لیتے تھے - آپ نے بچپن میں تیرنا سیکھا تھا اور کبھی کبھی قادیان کے کچے تالابوں میں تیرا کرتے تھے - اسی طرح اوائل عمر میں گھوڑے کی سواری بھی سیکھی تھی اور اس فن میں اچھے ماہر تھے - مگر آپ کی زیادہ ورزش پیدل چلنا تھا جو آخر عمر تک قائم رہی - آپ کئی کئی میل تک سیر کے لئے جایا کرتے تھے اور خوب تیز چلا کرتے تھے" - [۲۱] یہ تو محض صحت کی درستی کی غرض سے تھا ورنہ ابتداء ہی سے آپ کی مرغوب خاطر اگر کوئی چیز تھی تو وہ مسجد اور قرآن شریف - مسجد ہی میں عموماً ٹہلتے رہتے - اور ٹہلنے کا اس قدر شوق تھا اور محو ہو کر اتنا ٹہلتے کہ جس زمین پر ٹہلتے وہ دب دب کر باقی زمین سے متمیز ہو جاتی - [۲۲]

مولوی فضل الٰہی صاحب اور مولوی فضل احمد صاحب تو آخر ملازمت تک قادیان ہی میں مقیم رہے اور سلسلہ تعلیم یہیں جاری رہا - مگر مولوی گل علی شاہ صاحب قادیان میں مختصر قیام کے بعد بٹالہ میں چلے آئے - اس لئے حضور انور کو بھی کچھ عرصہ کے لئے بغرض تعلیم بٹالہ میں فروکش ہونا پڑا - بٹالہ میں حضور کے خاندان کی دکانیں اور ایک بہت بڑی حویلی تھی (جو بعد میں مقدمات کے نتیجہ میں فروخت ہو گئی) [۲۳] حضور نے اسی بڑی حویلی میں قیام فرمایا - ان دنوں آپ کے ہم مکتبوں میں مشہور اہل حدیث مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی اور لالہ بھیم سین بھی شامل تھے جنہیں آپ کی خدانما شخصیت کو قریب سے دیکھنے کا موقعہ ملا اور وہ ہزار جان سے آپ کے فریفتہ ہو گئے - آپ کا ذکر الٰہی میں استغراق ' شب بیداری ' امارت میں فقیرانہ شان ' نورانیت سے معمور چہرہ اور عشق رسالت میں ڈھلی ہوئی معصومیت ان کے قلب و نظر کا گم گشتہ فردوس تھے - لالہ بھیم سین [۲۴] اور ان کے فرزند لالہ

کنور سین کو اپنی زندگی کے آخری سانس تک حضرت اقدسؑ سے بے حد الفت و عقیدت رہی اور مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی نے براہین احمدیہ کی اشاعت پر اپنے رسالہ اشاعۃ السنہ جلد ۷ میں ہم مکتبی کے انہی ایام کی یاد میں لکھا۔ "مولف براہین احمدیہ کے حالات و خیالات سے جس قدر ہم واقف ہیں ہمارے معاصرین سے ایسے واقف کم نکلیں گے۔ مولف صاحب ہمارے ہم وطن ہیں بلکہ اوائل عمر کے (جب ہم قطبی و شرح ملا پڑھتے تھے) ہمارے ہم مکتب۔ اس زمانہ سے آج تک ہم میں ان میں خط و کتابت و ملاقات و مراسلات برابر جاری رہی ہے۔ اس لئے ہمارا یہ کہنا کہ ہم ان کے حالات و خیالات سے بہت واقف ہیں مبالغہ قرار نہ دیئے جانے کے قابل ہے"۔

اپنے اس لمبے اور ذاتی تعارف کی بناء پر مولوی صاحب نے بڑی تحدی کے ساتھ حضرت مسیح موعودؑ کی جلالت مرتبت کا بایں الفاظ اقرار کیا کہ:

"اس کا مؤلف بھی اسلام کی مالی و جانی و قلمی و لسانی و حالی و قالی نصرت میں ایسا ثابت قدم نکلا ہے جس کی نظیر پہلے مسلمانوں میں بہت ہی کم پائی جاتی ہے" [۲۵]

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام کی دلربا شخصیت اور تقدس کے انہی گہرے نقوش کا اثر تھا کہ مولوی صاحب دلی سے فارغ التحصیل ہونے کے بعد جب واپس بٹالہ آئے تو اگرچہ ایک عالم کی حیثیت سے ہندوستان بھر میں مشہور ہو گئے اور ہر جگہ ان کا طوطی بولنے لگا۔ مگر اس وقت بھی ان کی حضور سے عقیدت کا یہ عالم تھا کہ حضور کا جوتا آپ کے سامنے سیدھا کر کے رکھتے اور اپنے ہاتھ سے آپ کا وضو کرانا موجب سعادت قرار دیتے تھے [۲۶]

چنانچہ حضرت میاں خیر الدین صاحب سیکھوانی کا چشم دید واقعہ ہے کہ:

"دعویٰ سے پہلے ایک مرتبہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی کے مکان واقعہ بٹالہ پر تشریف فرما تھے۔ میں بھی خدمت اقدس میں حاضر تھا۔ کھانے کا وقت ہوا تو مولوی صاحب خود حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام کے ہاتھ دھلانے کے لئے آگے بڑھے۔ حضور نے ہرچند فرمایا کہ مولوی صاحب آپ نہ دھلائیں مگر مولوی صاحب نے باصرار حضور کے ہاتھ دھلائے اور اس خدمت کو اپنے لئے باعث فخر سمجھا"۔ [۲۷]

دعویٰ مسیحیت کے بعد جب مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی مخالفت پر کمربستہ ہو گئے بلکہ اول المکذبین بن کر آپ کے خلاف پہلا اور منظم محاذ قائم کر لیا تو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام نے ہندوستان بھر کے تمام علماء کو چیلنج دیا کہ وہ آپ کی دعویٰ سے قبل کی زندگی کے کسی گوشہ کو داغدار ثابت کر دکھائیں۔ اس زبردست تحدی نے مولوی محمد حسین بٹالوی اور ان کے ہم خیال علماء

اور سجادہ نشینوں پر سکوت مرگ طاری کر دیا اور وہ حضور کی بے لوث زندگی پر انگشت نمائی کرنے سے سراسر قاصر رہے۔

یہ تو آپ کے ہم مکتبوں کا تاثر تھا ورنہ زمانہ طالب علمی میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی فہم و فراست اور تقویٰ شعاری اور علم لدنی کا بعض مواقع پر آپ کے اساتذہ کو بھی معترف ہونا پڑا۔ چنانچہ ایک دفعہ دوران تعلیم میں حضور کے ایک استاد مولوی فضل احمد صاحب نے بیان کیا کہ ایک دفعہ ایک شخص نے خواب دیکھا تھا کہ ایک مکان ہے جو دھواں دھار ہے یعنی اس کے اندر باہر سب دھواں ہو رہا ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس کے اندر آنحضرت ﷺ ہیں اور چاروں طرف سے عیسائیوں نے اس (مکان) کا محاصرہ کیا ہوا ہے۔ استاد نے یہ بھی بتایا کہ ہم میں سے کسی کو اس کی تعبیر نہیں آئی۔ اس پر حضور نے فرمایا کہ "اس کی تعبیر یہ ہے کہ وہ شخص عیسائی ہو جائے گا کیونکہ انبیاء کا وجود آئینہ کی طرح ہوتا ہے۔ پس اس نے جو آپؐ کو دیکھا ہے تو گویا اپنی حالت کے عکس کو دیکھا"۔ حضور کا یہ جواب سن کر آپ کے وہ استاد بہت متعجب بھی ہوئے اور خوش بھی۔ اور کہنے لگے کہ "کاش ! ہم اس کی تعبیر جانتے اور اسے وقت پر سمجھاتے تو وہ شاید ارتداد سے بچ جاتا"۔ [۲۸]

آنحضرت ﷺ کی زیارت

دور تعلیم کا اہم ترین واقعہ یہ ہے [۲۹] کہ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو آغاز جوانی میں بذریعہ رویاء سرتاج مدینہ نور دو عالم حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے رخ انور کی زیارت کا شرف نصیب ہوا۔ اس زیارت کے بعد جب تک زندہ رہے عشق رسولؐ میں فنا رہے اور گو بعد میں آپ نے کشفی رنگ میں اپنے آقا فداہ ابی وامی کی متعدد بار بیداری میں ملاقات بھی کی۔ اور کئی حدیثوں کی تصدیق بھی آپ، سے براہ راست کی [۳۰] لیکن اس زیارت میں رسول خدا محمد عربی ﷺ کے نورانی مکھڑے نے آپ، کو کچھ ایسا مستانہ بنا دیا کہ آپ ہمیشہ کے لئے حضور کے تیز نگاہ سے گھائل ہو گئے۔ آپ نے اپنی پوری دنیا بھلا دی مگر یہ عظیم الشان محمدی جلوہ فراموش نہیں کر سکے۔ دربار رسالت کی اس ابتدائی حاضری کا دلکش اور وجد آفرین نقشہ کھینچتے ہوئے حضور آئینہ کمالات اسلام اور براہین احمدیہ حصہ سوم میں تحریر فرماتے ہیں۔ (آئینہ کمالات اسلام کی اصل عبارت عربی کی ہے جس کا ترجمہ درج کیا گیا ہے):

"اوائل ایام جوانی میں ایک رات میں نے (رؤیا میں) دیکھا کہ میں ایک عالی شان مکان میں ہوں جو نہایت پاک اور صاف ہے اور اس میں آنحضرت ﷺ کا ذکر اور چرچا ہو رہا ہے۔ میں نے لوگوں سے دریافت کیا کہ حضور کہاں تشریف فرما ہیں۔ انہوں نے ایک کمرے کی طرف اشارہ کیا۔ چنانچہ میں دوسرے لوگوں کے ساتھ مل کر اس کے اندر چلا گیا۔ اور جب میں حضور کی خدمت میں پہنچا تو حضور

بہت خوش ہوئے اور آپ نے مجھے بہتر طور پر میرے سلام کا جواب دیا - آپ کا حسن و جمال اور ملاحت اور آپ کی پر شفقت و پر محبت نگاہ مجھے اب تک یاد ہے اور وہ مجھے کبھی بھول نہیں سکتی - آپ کی محبت نے مجھے فریفتہ کر لیا - اور آپ کے حسین و جمیل چہرہ نے مجھے اپنا گرویدہ بنا لیا - اس وقت آپ نے مجھے فرمایا اے احمد تمہارے دائیں ہاتھ میں کیا چیز ہے؟ جب میں نے اپنے دائیں ہاتھ کی طرف دیکھا تو معلوم ہوا کہ میرے ہاتھ میں ایک کتاب ہے اور وہ مجھے اپنی ہی ایک تصنیف معلوم ہوئی - میں نے عرض کیا حضور یہ میری ایک تصنیف ہے "- [21]

" آنحضرت ﷺ [22] نے اس کتاب کو دیکھ کر عربی زبان میں پوچھا کہ تو نے اس کتاب کا کیا نام رکھا ہے - خاکسار نے عرض کیا کہ اس کتاب کا میں نے قطبی نام رکھا ہے... غرض آنحضرت ؐ نے وہ کتاب مجھ سے لے لی اور جب وہ کتاب حضرت مقدس نبی کے ہاتھ میں آئی تو آنجناب کا ہاتھ مبارک لگتے ہی ایک نہایت خوش رنگ اور خوبصورت میوہ بن گئی کہ جو امرود سے مشابہ تھا مگر بقدر تربوز تھا - آنحضرت ؐ نے جب اس میوہ کو تقسیم کرنے کے لئے قاش قاش کرنا چاہا تو اس قدر اس میں سے شہد نکلا کہ آنجناب کا ہاتھ مبارک مرفق تک شہد سے بھر گیا - تب ایک مردہ جو دروازہ سے باہر پڑا تھا آنحضرت ؐ کے معجزہ سے زندہ ہو کر اس عاجز کے پیچھے آ کھڑا ہوا اور یہ عاجز آنحضرت ؐ کے سامنے کھڑا تھا جیسے ایک مستغیث حاکم کے سامنے کھڑا ہوتا ہے اور آنحضرت ؐ بڑے جاہ و جلال اور حاکمانہ شان سے ایک زبردست پہلوان کی طرح کرسی پر جلوس فرما رہے تھے -

پھر خلاصہ کلام یہ کہ ایک قاش آنحضرت ﷺ نے مجھ کو اس غرض سے دی کہ تا میں اس شخص کو دوں کہ جو نئے سرے سے زندہ ہوا - اور باقی تمام قاشیں میرے دامن میں ڈال دیں - اور وہ ایک قاش میں نے اس نئے زندہ کو دے دی اور اس نے وہیں کھالی - پھر جب وہ نیا زندہ اپنی قاش کھا چکا تو " [23] میں نے دیکھا کہ آنحضرت ﷺ کی کرسی اونچی ہو گئی ہے حتی کہ چھت کے قریب جا پہنچی ہے اور میں نے دیکھا کہ اس وقت آپ کا چہرہ مبارک ایسا چمکنے لگا کہ گویا اس پر سورج اور چاند کی شعاعیں پڑ رہی ہیں اور میں ذوق اور وجد کے ساتھ آپ کے چہرہ مبارک کی طرف دیکھ رہا تھا اور میرے آنسو بہہ رہے تھے - پھر میں بیدار ہو گیا اور اس وقت بھی میں کافی رو رہا تھا اور اللہ تعالیٰ نے میرے دل میں ڈالا کہ وہ مردہ شخص اسلام ہے اور اللہ تعالیٰ آنحضرت ﷺ کے روحانی فیوض کے ذریعہ سے اسے اب میرے ہاتھ پر زندہ کرے گا - اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ وَّبَارِکْ وَسَلِّمْ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ "- [24]

حواشی

۳۔ عالمی اعداد و شمار کے مطابق توام ولادت کی عام شرح ۵۰-۶۰-۷۰ یا ۱۰۰ میں سے ایک ہے۔ مگر جاپان اور چین میں اس کی نسبت بہت کم ہے یعنی جاپان میں ۹۳ میں سے ایک۔ چین میں ۱۲۹ میں سے ایک بچہ جڑواں ہوتا ہے اور منگول نسل کے لوگوں میں تو اس رنگ کی پیدائش نہایت درجہ قلیل اور شاذ ہوتی ہے۔ لہذا منگول نسل کی آمیزش کے باوجود حضرت مسیح موعودؑ کا توام پیدا ہونا ایک غیر معمولی بات ہے۔ (از ڈاکٹر شاہنواز صاحب)

۴۔ سیرت المہدی حصہ اول صفحہ ۳۸ و حصہ دوم صفحہ ۱۰۹۔

۵۔ یوم شہادت ۶۔ مئی ۱۸۳۱ء سیرت احمد شہید صفحہ ۴۱۴ (مرتبہ مولانا غلام رسول مہر)

۶۔ "Merris Wherry" کی کتاب "Our Missions in India" صفحہ ۱۲-۱۱ شائع کردہ The Stratford Company Bostan مطبوعہ ۱۹۲۶ء

۷۔ متحدہ پنجاب مراد ہے۔

۸۔ التبلیغ (آئینہ کمالات اسلام) سیرت المہدی حصہ اول صفحہ ۲۱۵ کتاب البریہ صفحہ ۱۴۶ و ۱۴۷

۹۔ سیرت المہدی حصہ اول صفحہ ۳۶ طبع اول

۱۰۔ الحکم ۱۴۔ جون ۱۹۳۶ء صفحہ ۹

۱۱۔ تذکرۃ المہدی حصہ دوم صفحہ ۳۴ مرتبہ حضرت پیر سراج الحق صاحب نعمانی (طبع اول) مطبوعہ ضیاء الاسلام پریس قادیان دسمبر ۱۹۲۱ء

۱۲۔ سیرۃ المہدی حصہ اول صفحہ ۲۵۰ طبع ثانی (مرتبہ حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب سلمہ تعالیٰ)

۱۳۔ تذکرۃ المہدی حصہ دوم صفحہ ۳۲، ۳۳۔ لالہ کنور سین صاحب کے والد کا بیان ہے کہ حضرت مرزا غلام مرتضیٰ صاحب فرمایا کرتے تھے کہ ہمارے گھر میں ایک ولی پیدا ہوا ہے۔ (سیرۃ المہدی غیر مطبوعہ حصہ چہارم روایت نمبر ۱۲۹۶)

۱۴۔ سیرۃ مسیح موعودؑ جلد اول نمبر دوم۔

۱۵۔ سیرت مسیح موعودؑ حصہ سوم صفحہ ۳۸۷ (از حضرت عرفانی)

۱۶۔ منقول از "روایات صحابہ" غیر مطبوعہ جلد ۱۲ صفحہ ۱۰۴، ۱۰۵۔ یہ روایات جو نظارت تالیف و تصنیف قادیان کی نگرانی میں کئی سال محنت و کاوش کے بعد جمع ہو کر چودہ جلدوں میں مرتب ہوئیں۔ لائبریری صدر انجمن احمدیہ ربوہ میں موجود ہیں۔

۱۷۔ حضرت مولوی غلام رسول صاحبؒ کے حالات زندگی ملاحظہ ہو "تاریخ اہلحدیث" صفحہ ۴۴۸ مولفہ مولانا میر محمد ابراہیم صاحب سیالکوٹی ناشر اسلامی پبلشنگ کمپنی اندرون لوہاری دروازہ لاہور ۱۹۵۳ء تذکرہ علمائے پنجاب حصہ دوم صفحہ ۲۴۸ تا ۲۵۲ مصنفہ جناب اختر راہی صاحب ۳۶ رحمانیہ اردو بازار لاہور۔

۱۸۔ کتاب البریہ صفحہ ۱۴۸، ۱۵۰)

۱۹۔ حیات النبی جلد اول صفحہ ۵۲ (مرتبہ حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانیؓ)

۲۰۔ حیات النبی جلد اول نمبر دوم صفحہ ۱۳۸ مرتبہ حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانیؓ

۲۱۔ سلسلہ احمدیہ صفحہ ۱۰ مرتبہ حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ مطبوعہ ۱۹۳۹ء و الحکم "مسیح موعود نمبر" مئی جون ۱۹۴۳ء

۲۲۔ حیات النبی جلد اول صفحہ ۵۲ مرتبہ حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانی۔

۲۳۔ حیات احمد

۲۴۔ لالہ بھیم سین کے نانا ڈپٹی مکھن لال بٹالہ میں اکسٹرا اسسٹنٹ تھے انہوں نے ہی لالہ صاحب کو مولوی گل علی شاہ صاحب کے تلمذ میں دیا تھا۔ لالہ بھیم سین نے سیالکوٹ میں وکالت کی پریکٹس شروع کر دی تھی۔ لالہ کنور سین (لالہ بھیم سین کے بیٹے) لاء کالج

کے پرنسپل تھے۔ (حیات النبی صفحہ ۶۸ تا ۷۰ جلد اول)

۲۵۔ اشاعۃ السنہ جون جولائی اگست ۱۸۸۴ء

۲۶۔ الحکم ۱۷۔ جنوری ۱۹۰۳ء صفحہ ۸ و حیات احمد صفحہ ۸۸

۲۷۔ سیرۃ المہدی حصہ سوم صفحہ ۱۲۴ طبع اول۔ ناشر بکڈپو تالیف و اشاعت قادیان اپریل ۱۹۳۹ء۔

۲۸۔ ازالہ اوہام صفحہ ۵۸۳ و سیرت المہدی حصہ اول صفحہ ۲۵۰، ۲۵۱ طبع دوم۔ روایت حضرت مولوی شیر علی صاحب

۲۹۔ حضور نے براہین احمدیہ حصہ سوم صفحہ ۲۴۱، ۲۴۹ حاشیہ در حاشیہ نمبر۱ میں اس رؤیا کی تاریخ ۶۵۔ ۱۸۶۴ء لکھی ہے لیکن ساتھ ہی لکھا ہے کہ یہ اس زمانہ کی رؤیا ہے جبکہ "یہ ضعیف اپنی عمر کے پہلے حصہ میں ہنوز تحصیل علم میں مشغول تھا"۔ لیکن حضور کی کتاب تریاق القلوب سے چونکہ معلوم ہوتا ہے کہ راجہ تیجا سنگھ کی وفات (۱۸۶۲ء) کے دنوں کا واقعہ ہے۔ اس لئے یہ رؤیا دراصل ۱۸۶۴ء سے کئی سال قبل کی معلوم ہوتی ہے۔

۳۰۔ سیرۃ المہدی حصہ سوم صفحہ ۵۲۔

۳۱۔ ترجمہ آئینہ کمالات اسلام صفحہ ۵۴۸، ۵۴۹

۳۲۔ یہاں سے براہین احمدیہ حصہ سوم صفحہ ۲۴۸، ۲۴۹ حاشیہ در حاشیہ نمبر۱ کی عبارت شروع ہوتی ہے۔

۳۳۔ براہین احمدیہ حصہ سوم صفحہ ۲۴۹ کی عبارت کا متن ختم ہوتا ہے۔

۳۴۔ ترجمہ آئینہ کمالات اسلام صفحہ ۵۴۸، ۵۴۹

باب چہارم

شادی' انقطاع الی اللہ' ناموس مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے لئے ایک فیصلہ کن روحانی جنگ کی تیاری' کثرت مطالعہ' خدمت خلق اور دیگر مشاغل

(تخمیناً ۱۸۵۰ تا ۱۸۵۴)

پہلی شادی سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام ابھی تعلیمی دور ہی میں قدم رکھتے تھے کہ کم وبیش پندرہ سولہ برس کی عمر میں ازدواجی کشمکش سے دوچار ہو گئے۔ [۱] آپ کے ایک سگے ماموں مرزا جمعیت بیگ تھے ان کے ہاں ایک لڑکا اور ایک لڑکی تھی۔ لڑکے کا نام مرزا علی شیر تھا اور لڑکی حرمت بی بی۔ مرزا علی شیر کا نکاح مرزا احمد بیگ ہوشیارپوری کی ہمشیرہ سے ہوا۔ اور حرمت بی بی آپ کے نکاح میں آئیں۔ یہ آپ کا پہلا نکاح تھا جس سے دو فرزند مرزا سلطان احمد صاحب [۲] اور مرزا فضل احمد صاحب [۳] بالترتیب قریباً ۱۸۵۳ء اور ۱۸۵۵ء میں پیدا ہوئے۔

یہ عجیب خدائی تصرف ہے کہ جہاں آپ کے بڑے بھائی کی شادی بڑے دھوم دھڑکے سے ہوئی کئی دن جشن رہا اور ۲۲ طائفے اور ارباب نشاط جمع ہوئے وہاں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تقریب شادی نہایت درجہ سادگی اور اسلامی ماحول میں ہوئی اور کسی قسم کی خلاف شریعت رسوم اور بدعات نہیں ہوئیں۔ [۴]

خلوت نشینی ہمارے یہاں اکثر دیکھا جاتا ہے کہ نوجوان شادی کے بعد اپنی تعلیمی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے سے قاصر رہ جاتے ہیں۔ لیکن حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو خلوت نشینی اور عزلت پسندی میں وہ کمال حاصل تھا کہ شادی آپ کے سلسلہ تعلیم پر کسی طرح اثر انداز نہیں ہو سکی۔ قادیان کے پاس کے گاؤں کا ایک معمر ہندو جاٹ بیان کیا کرتا تھا کہ میں مرزا صاحب سے بیس سال بڑا ہوں۔ بڑے مرزا صاحب کے پاس میرا بہت آنا جانا تھا میرے سامنے کئی دفعہ ایسا ہوا

کہ کوئی بڑا افسر یا رئیس بڑے مرزا صاحب سے ملنے کے لئے آتا تھا تو باتوں باتوں میں ان سے پوچھتا تھا کہ مرزا صاحب آپ کے بڑے لڑکے (یعنی مرزا غلام قادر) کے ساتھ تو ملاقات ہوتی رہتی ہے لیکن آپ کے چھوٹے بیٹے کو کبھی نہیں دیکھا۔ وہ جواب دیتے تھے کہ "ہاں میرا دوسرا لڑکا غلام قادر سے چھوٹا ہے تو سہی پر وہ الگ ہی رہتا ہے"۔.... پھر وہ کسی کو بھیج کر مرزا صاحب کو بلواتے تھے چنانچہ آپ آنکھیں نیچی کئے ہوئے آتے اور والد صاحب کے پاس ذرا فاصلہ پر بیٹھ جاتے اور یہ عادت تھی کہ بایاں ہاتھ اکثر منہ پر رکھ لیا کرتے تھے اور کچھ نہ بولتے اور نہ کسی کی طرف دیکھتے۔ بڑے مرزا صاحب فرماتے "اب تو آپ نے اس دلہن کو دیکھ لیا"۔ بڑے مرزا صاحب کہا کرتے تھے کہ میرا یہ بیٹا مسیتڑ ہے نہ نوکری کرتا ہے نہ کماتا ہے اور پھر وہ ہنس کر کہتے کہ چلو تمہیں کسی مسجد میں مُلّا کروا دیتا ہوں۔ دس من دانے تو گھر میں کھانے کو آجایا کریں گے ___ آج وہ زندہ ہوتے تو دیکھتے کہ کیا بادشاہ بنا بیٹھا ہے اور سینکڑوں آدمی اس کے در کی غلامی کے لئے دور دور سے آتے ہیں"۔ [۵]

شادی سے قبل ایک دفعہ حضور نے ایک ہندو سے (جو آپ کے والد بزرگوار کے سامنے بیٹھا ہوا اپنی تلخ کامیاں اور نامرادیاں بیان کرتا تھا اور سخت کراہ رہا تھا) فرمایا کہ "لوگ دنیا کے لئے کیوں اس قدر دکھ اٹھاتے اور ہم و غم میں گرفتار ہیں؟ ہندو نے کہا کہ "تم ابھی بچے ہو جب گرہستی ہو گے تب تمہیں ان باتوں کا پتہ لگے گا"۔ [۶] کم و بیش پچیس سال کے بعد کسی تقریب پر اسی ہندو کو آپ سے دوبارہ ملنے کا اتفاق ہوا تو حضور نے اسے گذشتہ واقعہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ "اب تو میں گرہستی ہوں"۔ اس نے کہا "تم تو ویسے ہی ہو"۔ [۷]

خدمت دیں کی ابتدائی مہم

چونکہ شادی محض سنت رسول کی تعمیل میں تھی۔ اس لئے جناب الٰہی سے آپ کو ایسا جذب عطا ہوا کہ شادی کے بعد آپ کے دل میں محبوب حقیقی کی محبت کا جذبہ طوفان بن کر اٹھا اور آندھی کی طرح آپ کے رگ و ریشہ پر چھا گیا۔ دینی مطالعہ کا شغف اور شوق پہلے سے ترقی کر گیا اور سب سے بڑھ کر یہ کہ آپ کے دل و دماغ آنحضرت ﷺ کے نشہ عشق سے ایسے مخمور ہوئے کہ آپ دین مصطفیٰ کی بے بسی اور غیر مذاہب کی ناقابل برداشت چیرہ دستیوں سے دلفگار رہنے لگے۔ چنانچہ اسی وقت سے آپ نے معاندین اسلام کے ان اعتراضات کو جمع کرنے کی مہم شروع کر دی جو سرور کائنات ﷺ کی ذات ستودہ صفات پر چاروں طرف سے کئے جا رہے تھے اور جنہیں سن سن کر آپ کا دل کباب' سینہ چھلنی اور آنکھیں اشکبار ہو ہو جاتی تھیں۔ آپ خود فرماتے ہیں:

"میں سولہ سترہ برس کی عمر سے عیسائیوں کی کتابیں پڑھتا ہوں اور ان کے

اعتراضوں پر غور کرتا رہا ہوں میں نے اپنی جگہ ان اعتراضوں کو جمع کیا ہے جو عیسائی آنحضرت ﷺ پر کرتے ہیں ان کی تعداد تین ہزار کے قریب پہنچی ہوئی ہے"۔ [۸]

بالفاظ دیگر شادی کی مسرتوں میں رسول اللہ ﷺ کے دین کی مظلومیت کا غم تازہ ہو گیا جس طرح حضرت عائشہؓ کے سامنے فتح شام کی خوشی میں وہاں کے میدے کی روٹیاں پیش کی گئیں تو آپ کی آنکھیں اس غم سے ڈبڈبا آئیں کہ اگر رسول اللہ ﷺ اس وقت زندہ ہوتے تو میں یہ روٹیاں آپ کی خدمت میں پیش کرتی۔ بہرحال آپ نے شادی کے ابتدائی ایام میں ہی اس بات کا فیصلہ کر لیا کہ آپ آنحضرت ﷺ اور حضور کی پیش کردہ تعلیمات کے پاک اور منور چہرے سے دشمنوں کے پردے چاک کر کے رہیں گے اور دنیا کو اس مقدس وجود کی حقیقی شکل پیش کئے بغیر چین نہ لیں گے۔ یاد رہے کہ یہی وہ زمانہ ہے جبکہ چرچ مشنری سوسائٹی لنڈن نے ہندوستان میں اپنے کارکنوں کو خفیہ ہدایات جاری کیں اور لکھا کہ "ہم یقین رکھتے ہیں کہ اگر ایک نجات دہندہ کی آمد کی خوشخبری عیسائی حکومت کے شروع ہونے کے ساتھ ہی لوگوں میں پھیلائی جائے تو عیسائیت کے حق میں ایک زبردست اور ترقی پذیر تحریک ہو گی"۔ [۹]

آنحضرت ﷺ کی ذات اقدس سے شروع ہی سے آپ کو اس درجہ والہانہ عشق تھا کہ حضور کے متعلق ذرا سی بات بھی آپ برداشت نہیں کر سکتے تھے۔ اور اگر کوئی شخص آنحضرت ﷺ کی شان مبارک میں ذرا سی بات کہتا تو آپ کا چہرہ مبارک یکایک سرخ ہو جاتا اور آنکھیں متغیر ہو جاتیں۔ [۱۰] مرزا سلطان احمد صاحب مرحوم کا بیان ہے کہ "حضرت صاحب (یعنی آنحضرتؑ) سے تو بس والد صاحب کو عشق تھا۔ ایسا عشق میں نے کبھی کسی شخص میں نہیں دیکھا"۔ [۱۱]

آپ اپنے پہلو میں اسلام اور رسول خدا ﷺ کا جو غم چھپائے عالم کتمان سے عالم ظہور میں آئے تھے وہ ہر لحہ سیل رواں کی طرح بڑھتا ہی گیا اور پھر جوں جوں عمر میں پختگی اور تجربہ میں وسعت پیدا ہوتی گئی آپ اسلام کی حالت دیکھ کر ہر وقت مضطرب اور بے چین رہنے لگے۔ چنانچہ حضرت مولوی فتح الدین صاحب دھرم کوٹی حضور کے ابتدائی زمانہ کے متعلق بیان کرتے ہیں کہ:

"میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام کے حضور اکثر حاضر ہوا کرتا تھا اور کئی مرتبہ حضور کے پاس ہی رات کو بھی قیام کیا کرتا تھا۔ ایک مرتبہ میں نے دیکھا کہ آدھی رات کے قریب حضرت صاحب بہت بے قراری سے تڑپ رہے ہیں اور ایک کونہ سے دوسرے کونہ کی طرف تڑپتے ہوئے چلے جاتے ہیں جیسے کہ ماہی بے آب تڑپتی ہے یا کوئی مریض شدت درد کی وجہ سے تڑپ رہا ہوتا ہے۔ میں اس حالت کو دیکھ کر سخت ڈر گیا اور بہت فکر مند ہوا اور دل میں کچھ ایسا خوف طاری ہوا کہ اس وقت میں

پریشانی میں ہی مبہوت لیٹا رہا۔ یہاں تک کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وہ حالت جاتی رہی۔ صبح میں نے اس واقعہ کا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ذکر کیا کہ رات کو میری آنکھوں نے اس قسم کا نظارہ دیکھا ہے کیا حضور کو کوئی تکلیف تھی یا درد گردہ وغیرہ کا دورہ تھا۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا "میاں فتح دین کیا تم اس وقت جاگتے تھے؟ اصل بات یہ ہے کہ جس وقت ہمیں اسلام کی مہم یاد آتی ہے اور جو مصیبتیں اس وقت اسلام پر آرہی ہیں ان کا خیال آتا ہے تو ہماری طبیعت سخت بے چین ہو جاتی ہے اور یہ اسلام ہی کا درد ہے جو ہمیں اس طرح بے قرار کر دیتا ہے"۔ [۱۱۲]

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنی قلبی کیفیت کا نقشہ کھینچتے ہوئے فرماتے ہیں۔

دین و تقویٰ گم ہوا جاتا ہے یا رب رحم کر
بے بسی سے ہم پڑے ہیں کیا کریں کیا اختیار

میرے آنسو اس غم دلسوز سے تھمتے نہیں
دیں کا گھر ویران ہے دنیا کے ہیں عالی منار

اے مرے پیارے مجھے اس سیل غم سے کر رہا
ورنہ ہو جائے گی جاں اس درد سے تجھ پر نثار

قرآن مجید کا کثرت سے مطالعہ

شادی کے بعد سے آنحضرت ﷺ پر اعتراضات کے غور و فکر کرنے کی مہم شروع ہوتی ہے اس مہم کو سر کرنے اور معاندین اسلام کے دعوؤں کا ابطال کرنے نیز خدا تعالیٰ سے براہ راست تعلق قائم کر کے اس میں کامیابی حاصل کرنے کے لئے آپ علاوہ دعاؤں کے قرآن مجید کا کثرت سے مطالعہ فرماتے تھے بلکہ سب سے زیادہ انہماک آپ کو ان دنوں قرآن مجید کے مطالعہ ہی میں تھا۔ حتیٰ کہ بعض دیکھنے والوں کا بیان ہے کہ اس زمانہ میں ہم نے آپ کو جب بھی دیکھا قرآن ہی پڑھتے دیکھا چنانچہ بٹیالہ کے ایک غیر احمدی تحصیلدار منشی عبدالواحد صاحب (جو کثرت سے حضرت مرزا غلام مرتضیٰ صاحب کے پاس قادیان میں آتے تھے اور جنہیں بچپن میں حضور کو بار ہا دیکھنے کا موقعہ ملتا تھا) کی شہادت ہے کہ حضور چودہ پندرہ سال کی عمر میں سارا دن قرآن شریف پڑھتے تھے اور حاشیہ پر نوٹ لکھتے رہتے تھے اور مرزا غلام مرتضیٰ صاحبؒ فرماتے کہ یہ کسی سے غرض نہیں رکھتا سارا دن مسجد میں رہتا ہے اور قرآن شریف پڑھتا رہتا ہے"۔ [۱۱۳]

ابتدائی زمانہ کے متعلق حضرت مرزا سلطان احمد صاحب مرحوم کی ایک روایت سے پتہ چلتا ہے کہ حضور قرآن مجید کے علاوہ بخاری 'مثنوی رومی اور دلائل الخیرات' تذکرۃ الاولیاء' فتوح الغیب اور سفر السعادت پڑھتے اور کچھ نوٹ بھی لیا کرتے تھے۔ مگر بہر حال اکثر توجہ قرآن مجید کے مطالعہ کی طرف تھی۔ حضرت مرزا سلطان احمد صاحب مرحوم کی یہ بھی روایت ہے کہ آپ کے پاس ایک قرآن مجید تھا

اس کو پڑھتے اور اس پر نشان کرتے رہتے تھے۔ وہ کہتے ہیں کہ میں بلا مبالغہ کہہ سکتا ہوں کہ شاید دس ہزار مرتبہ اس کو پڑھا ہو [۱۴]۔ یہ مطالعہ سطحی نہیں ہوتا تھا بلکہ آپ قرآن مجید کے لفظ لفظ کی باریکیوں تک پہنچنے کے لئے یہاں تک گہرا غور و فکر فرماتے کہ دنیا جہان سے بیگانہ ہو کر قرآن مجید کی وسعتوں میں گم ہو جاتے اور آپ کے والد بزرگوار کو بار بار کہنا پڑتا کہ مطالعہ میں اس درجہ انہماک صحت پر برا اثر ڈالے گا کیونکہ آپ بحیثیت طبیب دیکھ رہے تھے کہ آپ کی غذا نہایت قلیل ہے مگر دوسری طرف مطالعہ کی کثرت کا یہ عالم ہے کہ زمانے میں اس کی نظیر نہیں ملتی۔ چنانچہ مرزا اسماعیل بیگ کی روایت ہے کہ کبھی حضرت مرزا غلام مرتضیٰ صاحب مجھے بلاتے اور دریافت کرتے کہ "سنا تیرا مرزا کیا کرتا ہے میں کہتا تھا کہ قرآن دیکھتے ہیں۔ اس پر وہ کہتے کہ کبھی سانس بھی لیتا ہے۔ پھر یہ پوچھتے کہ رات کو سوتا بھی ہے؟ میں جواب دیتا کہ ہاں سوتے بھی ہیں۔ اور اٹھ کر نماز بھی پڑھتے ہیں۔ اس پر مرزا صاحب کہتے کہ اس نے سارے تعلقات چھوڑ دیئے ہیں میں اوروں سے کام لیتا ہوں۔ دوسرا بھائی کیسا لائق ہے مگر وہ معذور ہے"۔ [۱۵] حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا مطالعہ میں یہ انہماک اور دلی شغف حضور کے والد صاحب کی وفات تک بدستور قائم رہا۔ چنانچہ ۱۸۷۵ء' ۱۸۷۶ء کے زمانہ کے متعلق پنڈت دیوی رام کی شہادت ہے کہ آپ ہندو مذہب اور عیسائی مذہب کی کتب اور اخبارات کا مطالعہ فرماتے رہتے تھے۔ اور آپ کے ارد گرد کتابوں کا ڈھیر لگا رہتا تھا۔ انہیں دنیا کی اشیاء میں سے مذہب کے ساتھ محبت تھی۔ مرزا صاحب مسجد یا حجرہ میں رہتے تھے۔ آپ کے والد صاحب آپ کو کہتے تھے کہ غلام احمد تم کو پتہ نہیں کہ سورج کب چڑھتا ہے اور کب غروب ہوتا ہے اور بیٹھتے ہوئے وقت کا پتہ نہیں۔ جب میں دیکھتا ہوں چاروں طرف کتابوں کا ڈھیر لگا رہتا ہے۔ [۱۶] حضور خود بیان فرماتے ہیں کہ "ان دنوں میں مجھے کتابوں کے دیکھنے کی طرف اس قدر توجہ تھی کہ گویا میں دنیا میں نہ تھا۔ میرے والد صاحب مجھے بار بار یہی ہدایت کرتے تھے کہ کتابوں کا مطالعہ کم کرنا چاہئے کیونکہ وہ نہایت ہمدردی سے ڈرتے تھے کہ صحت میں فرق نہ آوے"۔ [۱۷]

صحت کی خرابی

حضرت مرزا غلام مرتضیٰ صاحب کا قیاس درست نکلا یعنی شب بیداری' شبانہ روز دماغی محنت اور اسلام کے درد کے غیر معمولی اثر نے آپ کی صحت پر اسی زمانہ سے نہایت ناخوشگوار اثر ڈالا اور یہ اثر دینی مصروفیات کے ساتھ ساتھ روز بروز بڑھتا گیا۔ حتیٰ کہ ۱۸۶۵ء سے یعنی عنفوان شباب ہی میں آپ کے بال سفید ہونے شروع ہو گئے۔ [۱۸] رفتہ رفتہ دوران سر اور ذیابیطس کے عوارض لاحق ہو گئے۔ اپنے والد بزرگوار مرحوم کے زمانہ میں حضور کو ایک مرتبہ سل بھی ہو گئی اور چھ ماہ تک بیمار رہے۔ [۱۹] ۱۸۸۰ء میں قولنج زحیری کے مرض میں اس شدت سے مبتلا

ہوئے کہ چراغ سحری کی طرح جھلملانے لگے - خدا تعالیٰ نے اپنے خاص فضل سے آپ کو دوبارہ زندگی بخشی - یہ مرض تو دور ہو گئی مگر دوسرے عارضے بدستور قائم رہے اور پھر بشیر اول کی وفات سے تشنج کی بیماری کا حملہ شروع ہو گیا اور کثرت سے دورے ہونے لگے - غشی طاری ہو جاتی ' ہاتھ پاؤں ٹھنڈے ہو جاتے ' بدن کے پٹھے کھچ جاتے خصوصاً گردن کے اور سر میں چکر ہوتا تھا - اس حالت میں آپ اپنے بدن کو سہار نہیں سکتے تھے - شروع شروع میں یہ دورے بہت سخت ہوتے تھے - پھر اس کے بعد کچھ دوروں کی ایسی سختی نہ رہی اور کچھ طبیعت بھی عادی ہو گئی - [۲۰] بہر حال آپ پوری عمر مختلف عوارض میں مبتلا رہے - مگر خدا تعالیٰ کی قدرتوں کا یہ نشان ہے کہ نہ دنیوی تفکرات آپ کو اپنی راہ سے ہٹا سکے نہ بیماریاں آپ کو اپنے فرض منصبی سے جدا کر سکیں - آپ کی پوری زندگی معمور الاوقات تھی - اور اوائل زمانہ کے حالات سے تو یوں معلوم ہوتا ہے کہ گویا آپ کی باطنی آنکھ کو نظام عالم میں روحانی انقلاب برپا کرنے کا ایک نقشہ دکھایا گیا ہے اور آپ اس نقشہ کے مطابق فرشتوں کی رہنمائی میں معرکہ کفر و اسلام کے سر کرنے کی تیاری میں مصروف ہیں اور حوادث و مصائب کے طوفانوں سے گذر کر دنیا بھر میں اسلام کا جھنڈا بلند کرنے کے لئے بھیجے گئے ہیں -

خدمت خلق اور غرباء پروری

اس عہد تاہل میں آپ نے خلوت کو جلوت پر ترجیح دی - اور باوجودیکہ آپ ایک نہایت عالی خاندان کے درخشندہ گوہر تھے اپنی اس گوشہ نشینی کی وجہ سے کوئی شخص آپ کو نہیں جانتا تھا اس تنہائی اور تخلیہ کی زندگی میں آپ کے رفیق بعض چھوٹے بچے تھے - جن میں اکثر یتامیٰ ہوتے - آپ کے کھانے میں وہ برابر کے شریک ہوتے تھے اور اگر ان میں سے کوئی کھانے کے وقت موجود نہ ہوتا تھا تو حضور پہلے اس کا حصہ نکال کر رکھ لیتے تھے - اسی زمانہ میں آپ بعض کو سبق بھی پڑھا دیا کرتے تھے - مگر عام طور پر آپ کا کام یہ ہوتا تھا کہ خود بھی نمازوں کی پابندی کرتے ' کثرت سے درود شریف کا ورد کرتے اور ان کو بھی نماز اور درود شریف پڑھنے کی تاکید کیا کرتے تھے جن کو اس قابل پاتے کہ وہ سمجھ سکتے ہیں ان کو طریق استخارہ بھی سمجھا دیتے اور ہدایت فرماتے کہ اگر وہ کچھ دیکھیں تو صبح کو بیان کریں - آپ ان کے خواب سنتے اور تعبیریں بتاتے - یہ سلسلہ ایک عرصہ تک جاری رہا - بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ عمر بھر جاری رہا - گو اس کی صورت تبدیل ہو گئی - [۲۱]

حضور ان ایام میں بالاخانے پر رہتے تھے - کھانا نہایت قلیل مقدار میں تناول کرتے اور اکثر بھنے ہوئے دانوں پر ہی اکتفا فرماتے - خادمہ جب کھانا لاتی تو آپ اوپر سے ہی ایک برتن لٹکا دیتے خادمہ اس میں کھانا رکھ دیتی تو آپ اوپر کھینچ لیتے جس میں سے کچھ تو خود تناول فرماتے اور باقی اپنے ہمجولیوں اور

ضرورت مندوں کو دے دیتے۔ چنانچہ اللہ یار صاحب ٹھیکیدار کا چشم دید بیان ہے کہ ایک دفعہ میں حضور کے ساتھ حضور کے گھر چلا گیا۔ دیکھا کہ ایک رسی کے ساتھ ایک برتن بندھا ہوا ہے۔ جب خادمہ کھانا لاتی ہے تو حضور اسے لٹکا دیتے ہیں۔ چنانچہ میرے سامنے خادمہ کھانا لائی۔ حضور نے اسے نیچے لٹکایا اور اوپر کھینچ لیا اور حضور کے ہاتھ میں کتاب تھی۔ حضور کتاب پڑھتے جاتے اور نیچے سے لقمہ لے کر کھاتے جاتے تھے۔ ایک لڑکے نے جس کا نام حکم دین تھا چپکے سے روٹی پیچھے ہٹالی۔ حضور نے دو ایک دفعہ ہاتھ نیچے کر کے لقمہ لینے کا قصد کیا مگر روٹی نہ ملی۔ حضور نے نیچے دیکھا تو معلوم ہوا کہ حکم دین نے کھسکالی ہے۔ چنانچہ حضور نے کمال شفقت و محبت سے فرمایا۔ "اچھا تم کھانا چاہتے ہو ہاں کھالو"۔ [۲۲]

حواشی
(شادی، انقطاع الی اللہ اور دیگر مشاغل)

۱- حیات النبی جلد اول صفحہ ۵۳-
۲- مرزا سلطان احمد صاحب کی ولادت کے وقت حضور کی عمر اندازاً اٹھارہ برس کی تھی- (سیرۃ المہدی حصہ اول صفحہ ۲۱۵ طبع اول) وفات ۱۹۳۱ء-
۳- مرزا فضل احمد مرزا سلطان احمد کے دو سال بعد تولد ہوئے- لائف آف "احمد" (مولانا درد صاحب) صفحہ ۳۱ انگریزی-
۴- سیرۃ المہدی حصہ اول صفحہ ۲۳۳ طبع دوم
۵- تذکرۃ المہدی حصہ دوم صفحہ ۳۰ و سیرت المہدی حصہ دوم صفحہ ۸۰
۶- شادی شدہ
۷- الحکم ۷- اکتوبر ۱۹۱۳ء صفحہ ۴ کالم ۲
۸- الحکم ۳۰- اپریل ۱۹۰۰ء صفحہ ۲
۹- The Mission by R. clark London, 1904 P.203 بحوالہ "انگریز اور بانی سلسلہ احمدیہ" (مرتبہ مولانا عبد الرحیم صاحب درد) ناشر احمدیہ کتابستان- ربوہ
۱۰- سیرۃ المہدی حصہ اول صفحہ ۲۱۹
۱۱- سیرۃ المہدی حصہ اول صفحہ ۲۱۹
۱۲- سیرۃ المہدی حصہ سوم صفحہ ۲۹
۱۳- "ریویو آف ریلیجنز" اردو قادیان جنوری ۱۹۴۲ء صفحہ ۹
۱۴- حیات النبی جلد اول صفحہ ۱۰۸، ۱۰۹
۱۵- حیات احمد جلد اول نمبر سوم صفحہ ۱۹۱ (حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانی)
۱۶- سیرت المہدی حصہ سوم صفحہ ۱۷۸ تا ۱۸۲
۱۷- حاشیہ کتاب البریہ طبع اول صفحہ ۱۵۰
۱۸- سیرۃ المہدی حصہ دوم صفحہ ۱۱
۱۹- سیرۃ المہدی حصہ اول صفحہ ۴۲ روایت نمبر ۶۴
۲۰- ایضاً صفحہ ۱۷ طبع اول
۲۱- حیات احمد صفحہ ۱۹۵ جلد اول نمبر ۳
۲۲- روایات صحابہ جلد نہم صفحہ ۱۹۰، ۱۹۱ غیر مطبوعہ

باب پنجم

مقدمات کی پیروی اور دنیاوی علائق میں راست گفتاری، منکسر المزاجی اور تعلق باللہ

(۱۸۵۴ تا ۱۸۶۴)

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی عمر کی پندرھویں منزل میں ابھی قدم رکھا ہی تھا کہ ملتان، چیلیانوالہ اور گجرات کی فیصلہ کن جنگوں کے بعد سکھ حکومت کو شکست فاش ہوئی اور ۲۹- مارچ ۱۸۴۹ء کو پنجاب کا علاقہ بھی انگریزی حدود مملکت میں شامل کر لیا گیا۔ سکھ مہاراجہ دلیپ سنگھ کو 50 ہزار پاؤنڈ پنشن دے کر انگلستان روانہ کر دیا گیا اور پنجاب کے ان رؤسا کی جاگیریں ضبط کر لی گئیں جنہوں نے انتقال حکومت کے وقت غیر ملکی حکومت کا ساتھ دینے سے انکار کر دیا۔ جیسا کہ ابتداء میں ذکر آچکا ہے ان رؤساء میں چونکہ حضرت مرزا غلام مرتضٰی صاحب اور آپ کے بھائی بھی تھے اس لئے ان کی جاگیر بھی جو قادیان کی مثالی ریاست کے آثار باقیہ سے تھی ضبط کر لی گئی اور اشک شوئی کے طور پر فقط سات سو روپے کی سالانہ پنشن انہیں دی جانی منظور کی گئی جو ظاہر ہے کہ ان کے گذشتہ شاہانہ ٹھاٹ باٹ کے لحاظ سے چنداں کوئی حیثیت نہ رکھتی تھی۔

حضرت مرزا غلام مرتضٰی صاحب مرحوم کو قادیان کی بستی سے اپنے بزرگوں کی مقدس یادگار ہونے کی وجہ سے نہایت درجہ عقیدت تھی اور آپ اکثر اس کا اظہار فرماتے اور اکثر کہتے کہ قادیان کی ملکیت مجھے ایک ریاست سے اچھی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حکومت انگریزی کی طرف سے بے دخلی کے اعلان پر آپ نے انگریزی عدالتوں تک پہنچنے کا فیصلہ کر کے مقدمات کا ایک وسیع سلسلہ شروع کر دیا۔ جس میں آپ نے کشمیر میں ملازمت اور بعد کے عرصہ میں جمع کی ہوئی ستر ہزار کے قریب رقم پانی کی طرح بہا دی۔ حالانکہ اس زمانے میں اس قدر مصارف سے سو گنے بڑی جائیداد از سر نو خرید کی جاسکتی تھی۔ بایں ہمہ بڑی زبردست جدوجہد کے بعد انہیں بمشکل قادیان کی زمین کے ایک حصہ پر عمل دخل ملا۔ اور اس کے ماحول میں بھینی، ننگل اور کھارا کے دیہات کی ملکیت کے رسمی حقوق واپس ہوئے جو

۱۹۴۷ء کے ہنگامہ ہجرت تک بدستور قائم رہے۔ البتہ حضرت مرزا غلام مرتضیٰ صاحبؒ کے انتقال کے بعد مرزا غلام قادر صاحب کے زمانے میں قادیان کی جائیداد کا ایک بڑا حصہ مرزا اعظم بیگ صاحب لاہوری کے خاندان کی طرف منتقل ہو گیا جو بالآخر پینتیس برس کی کشمکش کے بعد آپ ہی کے خاندان کی طرف واپس آگیا۔ [1]

مقدمات شروع ہوئے تو حضرت مرزا غلام مرتضیٰ صاحب مرحوم نے اپنے بیٹوں کو بھی اس میں شامل کرنا چاہا۔ حضرت اقدس کے بڑے بھائی مرزا غلام قادر صاحب مرحوم اپنے دنیادارانہ رنگ کی وجہ سے مقدمات کی پیروی میں گہری دلچسپی لینے لگے مگر حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو فطری طور پر ان امور سے کوئی علاقہ ہی نہ تھا۔ آپ کے والد اور بڑے بھائی کو جس قدر انہماک اور شغف ان دنیاوی مشاغل میں تھا آپ اسی قدر ان سے متنفر تھے اور یہ جاننے کے باوجود متنفر تھے کہ ان مقدمات کے نتیجے میں اگر کامیابی ہوئی تو بالآخر خود آپ ایک بہت بڑی جائیداد پر قابض ہوں گے تاہم ضروری تھا کہ جب خدا تعالیٰ کی خوشنودی کے لئے آپ اپنی زندگی وقف کئے ہوئے تھے تو اس کی ہدایت کے مطابق اپنے والد کے حکم کی بھی تعمیل کریں خواہ آپ کی طبیعت اس سے کس درجہ کراہت رکھتی ہو۔ چنانچہ آپ کو مقدمات سے (جو آپ کے لئے ایک ابتلائے عظیم اور آزمائش کا ایک سنگین مرحلہ تھے) کم و بیش سترہ سال الجھنا پڑا۔ [2] حضور فرماتے ہیں:

"میرے والد صاحب اپنے بعض آباؤ اجداد کے دیہات کو دوبارہ لینے کے لئے انگریزی عدالتوں میں مقدمات کر رہے تھے انہوں نے انہی مقدمات میں مجھے بھی لگایا اور ایک زمانہ دراز تک میں ان کاموں میں مشغول رہا مجھے افسوس ہے کہ بہت سا وقت عزیز میرا ان بیہودہ جھگڑوں میں ضائع ہو گیا اور اس کے ساتھ ہی والد صاحب موصوف نے زمینداری امور کی نگرانی میں مجھے لگا دیا۔ میں اس طبیعت اور فطرت کا آدمی نہیں تھا۔ اس لئے اکثر والد صاحب کی ناراضگی کا نشانہ بنا رہتا تھا۔ ان کی ہمدردی اور مہربانی میرے پر نہایت درجہ پر تھی مگر وہ چاہتے تھے کہ دنیاداروں کی طرح مجھے رو بہ خلق بنا دیں اور میری طبیعت اس طریق سے سخت بیزار تھی۔ ایک مرتبہ ایک صاحب کمشنر نے قادیان میں آنا چاہا۔ میرے والد صاحب نے بار بار مجھ کو کہا کہ ان کی پیشوائی کے لئے دو تین کوس جانا چاہئے۔ مگر میری طبیعت نے نہایت کراہت کی اور میں بیمار بھی تھا اس لئے نہ جا سکا۔ پس یہ امر بھی ان کی ناراضگی کا موجب ہوا۔ اور وہ چاہتے تھے کہ میں دنیوی امور میں ہر دم غرق رہوں جو مجھ سے نہیں ہو سکتا تھا۔ مگر تاہم میں خیال کرتا ہوں کہ میں نے نیک نیتی سے نہ دنیا کے لئے بلکہ محض ثواب اطاعت حاصل کرنے کے لئے اپنے والد صاحب کی خدمت میں اپنے تئیں محو کر دیا تھا اور ان کے لئے دعا میں بھی مشغول رہتا

تھا اور وہ مجھے دلی یقین سے بربالوالدین جانتے تھے اور بسا اوقات کہا کرتے تھے کہ میں صرف ترحم کے طور پر اپنے اس بیٹے کو دنیا کے امور کی طرف توجہ دلاتا ہوں ورنہ میں جانتا ہوں کہ جس طرف اس کی توجہ ہے یعنی دین کی طرف۔ صحیح اور سچ بات یہی ہے۔ ہم تو اپنی عمر ضائع کر رہے ہیں"۔ [۱۳]

لیکن چونکہ ان کی ساری عمر دنیاداری کے معاملات میں بسر ہوئی تھی اس لئے افسوس کا پہلو ہی غالب رہتا اور آپ کے مستقبل کے متعلق ہمیشہ تشویش میں رہتے۔ چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام اکثر فرمایا کرتے تھے کہ آپ کے والد صاحب مرحوم اکثر اوقات افسوس کا اظہار کرتے تھے کہ "میرا ایک بچہ تو لائق ہے مگر دوسرا لڑکا نالائق ہے۔ کوئی کام نہ اسے آتا ہے اور نہ وہ کرتا ہے۔ مجھے فکر ہے کہ میرے مرنے کے بعد یہ کھائے گا کہاں سے"۔ اور بعض دفعہ افسردہ ہو کر کہتے تھے کہ "یہ اپنے بھائی کا دست نگر رہے گا"۔ [۱۴]

مقدمات کے لئے تیاری اور سفر

یہ مقدمات جو قادیان کی جائیداد کے حقوق، مقامی زمینداروں کے لگان میں اضافہ یا درختوں کی کٹائی وغیرہ کے متعلق ہوتے تھے۔ آپ ان کے لئے بڑی محنت اور عرق ریزی سے ہر ممکن تیاری کرتے۔ ہر مقدمہ کے متعلق ضروری کاغذات اور شواہد کا خلاصہ ضبط تحریر میں لاتے اور مشمولہ کاغذات کی نقول محفوظ رکھنے کا خاص اہتمام فرماتے تا عند الضرورت مقدمہ کے سمجھنے یا سمجھانے میں آسانی ہو۔ حضرت مسیح موعودؑ کو اس سلسلے میں بٹالہ، گورداسپور، ڈلہوزی، امرت سر اور لاہور تک کے متعدد سفر اختیار کرنا پڑے۔ بالخصوص ڈلہوزی تک تو آپ کو ایک مرتبہ یکہ میں اور اکثر مرتبہ پاپیادہ سفر بھی کرنا پڑا۔ ان دنوں میدانی سفر کی سہولتیں بھی میسر نہ تھیں اور یہ تو پہاڑوں کا دشوار گزار راستہ تھا جس کے طے کرنے میں یقیناً غیر معمولی بہادری، ہمت اور جفاکشی درکار تھی اور جسے آپ نے مسکراتے ہوئے چہرے سے محض رضاء الٰہی کی خاطر اختیار کیا۔

مقدمات میں آپ کی امتیازی خصوصیات

مقدمات میں ہر قسم کا مکر و فریب، دغابازی اور چالبازی روا رکھی جاتی ہے اور فریق مخالف کو شکست دینے کے لئے کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا جاتا۔ مگر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام کے مقدمات کی پیروی کا انداز ہی بالکل جدا، بالکل نرالا اور بالکل انوکھا تھا۔ آپ کو ہار جیت سے تو کوئی تعلق ہی نہیں تھا صرف اطاعت والد کے ذریعہ سے خدا تعالیٰ کی رضاء مقصود تھی۔ ان دنوں آپ کا یہ اکثر معمول تھا کہ جس صبح کو مقدمہ پر جانا ہوتا آپ اس سے قبل عشاء کی نماز مسجد اقصیٰ میں ادا کرنے کے بعد فرماتے "مجھ کو مقدمہ کی تاریخ پر جانا ہے میں والد صاحب کے حکم کی نافرمانی نہیں کر

سکتا۔ دعا کرو کہ اس مقدمہ میں حق حق ہو جائے اور مجھے مخلصی ملے۔ میں نہیں کہتا کہ میرے حق میں ہو اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ حق کیا ہے پس جو اس کے علم میں حق ہے اس کی تائید اور فتح ہو"۔ اس کے بعد حضور خود بھی دیر تک مصروف دعا رہتے اور حاضرین بھی [۵]۔ ایک ہندو مدرس پنڈت دیوی رام کا (جو ۲۱۔ جنوری ۱۸۷۵ء کو قادیان آئے اور چار سال تک مقیم رہے) بیان ہے کہ "جب کسی تاریخ مقدمہ پر جانا ہوتا تو آپ کے والد صاحب آپ کو مختار نامہ دے دیا کرتے تھے اور مرزا صاحب بہ تعمیل تابعداری فوراً بخوشی چلے جاتے تھے۔ مرزا صاحب اپنے والد صاحب کے کامل فرمانبردار تھے۔ مقدمہ پر لاچاری امر میں جاتے تھے"۔ [۶] ایک مشہور واقعہ ہے کہ ایک مرتبہ لاہور چیف کورٹ میں ایک مقدمہ دائر تھا اور آپ لاہور میں اس کی پیروی کی غرض سے سید محمد علی شاہ صاحب محکمہ جنگلات کے ہاں فروکش تھے۔ شاہ صاحب کا ملازم آپ کے لئے چیف کورٹ میں ہی کھانا لے جایا کرتا تھا۔ ایک دن نوکر کھانے لئے واپس آیا اور انہیں اطلاع دی آپ نے فرمایا۔ کہ گھر پر ہی آکر کھاتا ہوں۔ تھوڑی دیر کے بعد آپ خوش اور بشاش گھر پہنچے تو شاہ صاحب نے پوچھا کہ آج آپ اتنے خوش کیوں ہیں کیا فیصلہ ہوا؟ فرمایا مقدمہ تو خارج ہو گیا ہے مگر خدا تعالیٰ کا شکر ہے کہ آئندہ اس کا سلسلہ ختم ہو گیا۔ شاہ صاحب کو تو اس خبر سے سخت تکلیف ہوئی مگر حضور علیہ الصلوۃ والسلام پر نہ صرف حزن وملال کے چنداں کوئی آثار نہیں تھے بلکہ آپ بہت خوش تھے اور بار بار فرماتے تھے کہ مقدمہ کے ہارنے کا کیا غم ہے!! [۷]

آپ کے دور [۸] مقدمات کی تین خصوصیات بالکل نمایاں تھیں۔ اول راست گفتاری دوم منکسر المزاجی تواضع اور حسن خلق سوم تعلق باللہ۔

مقدمات میں راست گفتاری

آپ نے جن مقدمات کی پیروی کی وہ زیادہ تر پیچیدہ نہیں ہوتے تھے اور دروغ گوئی سے ان کو کوئی تعلق نہیں ہوتا تھا کیونکہ پٹواری کی شہادت کافی ہوتی تھی اور سرکاری کاغذات پر فیصلہ ہو جاتا تھا [۹] تاہم ان مقدمات میں متعدد مرحلے ایسے آجاتے تھے جن میں کوئی دوسرا شخص ہوتا تو اس کے قدم ڈگمگا جاتے۔ مگر آپ نے کمال جرات اور بہادری سے ہر موقعہ پر دنیوی مصلحتوں کو پایہ استحقار سے ٹھکرا دیا۔ اکثر دفعہ اپنے والد کی خفگی کا نشانہ بھی بنے اور شماتت اعداء کے چرکے بھی برداشت کئے۔ مگر گوارا نہیں کیا تو راست گفتاری کو چھوڑنا گوارا نہیں کیا۔

ایک دفعہ جبکہ حضرت اقدس کی عمر پچیس تیس برس کی تھی آپ کے والد بزرگوار کا اپنے موروثیوں سے درخت کاٹنے پر ایک تنازعہ ہو گیا۔ آپ کے والد بزرگوار کا نظریہ یہ تھا کہ زمین کے مالک ہونے کی حیثیت سے درخت بھی ہماری ملکیت ہیں اس لئے انہوں نے موروثیوں پر دعویٰ دائر کر

دیا اور حضور کو مقدمہ کی پیروی کے لئے گورداسپور بھیجا۔ آپ کے ہمراہ دو گواہ بھی تھے حضرت اقدس جب نہر سے گذر کر پھنانوالہ گاؤں پہنچے تو راستے میں ذرا ستانے کے لئے بیٹھ گئے اور ساتھیوں کو مخاطب کر کے فرمایا۔ اباجان یونہی زبردستی کرتے ہیں درخت کھیتی کی طرح ہوتے ہیں یہ غریب لوگ اگر کاٹ لیا کریں تو کیا حرج ہے۔ بہرحال میں تو عدالت میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ مطلقاً یہ ہمارے ہی ہیں۔ ہاں ہمارا حصہ ہو سکتے ہیں۔ موروثیوں کو بھی آپ پر بے حد اعتماد تھا۔ چنانچہ جب مجسٹریٹ نے موروثیوں سے اصل معاملہ پوچھا تو انہوں نے بلا تامل جواب دیا کہ خود مرزا صاحب سے دریافت کرلیں۔ چنانچہ مجسٹریٹ نے حضور سے پوچھا حضور نے فرمایا کہ میرے نزدیک درخت کھیتی کی طرح ہیں جس طرح کھیتی میں ہمارا حصہ ہے۔ ویسے ہی درختوں میں بھی ہے۔ چنانچہ آپ کے اس بیان پر مجسٹریٹ نے موروثیوں کے حق میں فیصلہ دے دیا۔ اس کے بعد جب حضور واپس قادیان تشریف لائے تو حضرت مرزا غلام مرتضیٰ صاحب نے آپ کے ساتھ جانے والوں میں سے ایک ساتھی سے پوچھا کہ کیا فیصلہ ہوا ہے۔ اس نے کہا کہ میں تو باہر تھا مرزا صاحب اندر گئے تھے ان سے معلوم ہوگا۔ اس پر حضرت صاحب کو بلایا گیا۔ حضور نے سارا واقعہ بلا کم و کاست بیان کردیا جسے سن کر آپ کے والد بزرگوار سخت برہم ہوئے اور "ملاں ملاں" کہہ کر کوسنے لگے اور کہا کہ گھر سے نکل جاؤ اور گھر والوں سے تاکیداً کہا کہ ان کو کھانا ہرگز نہ دو۔ حضور دو تین دن تو قادیان ہی میں رہے اور آپ کی والدہ صاحبہ محترمہؓ آپ کو کھانا بھجواتی رہیں لیکن بعد کو آپ کے والد صاحب کی مزید ناراضگی کی وجہ سے قادیان سے بٹالہ چلے گئے جہاں کوئی دو ماہ تک "پناہ گزین" رہنا پڑا۔ اور پھر بیمار ہونے پر والد صاحب مرحوم نے حضور کو واپس بلالیا۔ ۱۰

دو اور حیرت انگیز مثالیں

یہاں خود حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قلم سے دو اور مثالیں بھی درج کرنا ضروری ہیں جو اگرچہ براہ راست اس زمانہ سے تعلق نہیں رکھتیں۔ مگر آپ کے مقدمات میں آپ کے معمول پر گہری روشنی ڈالتی ہیں۔ حضورؑ "آئینہ کمالات اسلام" میں تحریر فرماتے ہیں:

"میرے بیٹے سلطان احمد نے ایک ہندو پر بدیں بنیاد نالش کی کہ اس نے ہماری زمین پر مکان بنالیا ہے اور مسماری مکان کا دعویٰ تھا اور ترتیب مقدمہ میں ایک امر خلاف واقعہ تھا۔ جس کے ثبوت سے وہ مقدمہ ڈسمس ہونے کے لائق ٹھہرتا تھا اور مقدمہ کے ڈسمس ہونے کی حالت میں نہ صرف سلطان احمد کو بلکہ مجھ کو بھی نقصان تلف ملکیت اٹھانا پڑ . تب فریق مخالف نے موقعہ پاکر میری گواہی لکھادی اور میں بٹالہ میں گیا اور بابو فتح دین صاحب سب پوسٹ ماسٹر کے مکان پر جو تحصیل بٹالہ کے پاس ہے جا ٹھہرا۔ اور مقدمہ ایک ہندو منصف کے پاس تھا جس کا اب نام یاد نہیں رہا مگر ایک پاؤں سے وہ لنگڑا بھی

تھا۔ اس وقت سلطان احمد کا وکیل میرے پاس آیا کہ اب وقت پیشی مقدمہ ہے آپ کیا اظہار دیں گے۔ میں نے کہا کہ وہ اظہار دوں گا جو واقعی امر ہے اور سچ ہے۔ تب اس نے کہا کہ پھر آپ کے کچہری جانے کی کیا ضرورت ہے؟ میں جاتا ہوں تا مقدمہ سے دست بردار ہو جاؤں۔ سو وہ مقدمہ میں نے اپنے ہاتھوں سے محض رعایت صدق کی وجہ سے آپ خراب کیا اور راست گوئی کو اِبْتِغَاءً لِمَرْضَاتِ اللّٰہِ مقدم رکھ کر مالی نقصان کو ہیچ سمجھا"۔ [۱۱]

دوسری مثال

حضور خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعود ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی روایت ہے کہ:

"حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بعثت سے پہلے کا واقعہ ہے کہ خاندانی جائیداد کے متعلق ایک مقدمہ تھا اس مکان کے چبوترے کے متعلق جس میں اب صدر انجمن احمدیہ کے دفاتر ہیں۔ اس چبوترہ کی زمین دراصل ہمارے خاندان کی تھی مگر اس پر دیرینہ قبضہ اس گھر کے مالکوں کا تھا۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بڑے بھائی صاحب نے اس کے حاصل کرنے کے لئے مقدمہ چلایا اور جیسا کہ دنیاداروں کا قاعدہ ہے کہ جب زمین وغیرہ کے متعلق کوئی مقدمہ ہو اور وہ اپنا حق اس پر سمجھتے ہوں تو اس کے حاصل کرنے کے لئے جھوٹی سچی گواہیاں دلائیں۔ اس پر اس گھر کے مالکوں نے یہ امر پیش کر دیا کہ ہمیں کسی دلیل کی ضرورت نہیں ان کے چھوٹے بھائی صاحب کو بلا کر گواہی لی جائے۔ اور جو وہ کہہ دیں ہمیں منظور ہو گا۔ چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام بطور گواہ عدالت میں پیش ہوئے اور جب آپ سے پوچھا گیا کہ کیا آپ ان لوگوں کو اس رستہ سے آتے جاتے اور اس پر بیٹھتے عرصہ سے دیکھ رہے ہیں۔ تو آپ نے فرمایا کہ ہاں!! اس پر عدالت نے ان کے حق میں فیصلہ دے دیا آپ کے بڑے بھائی صاحب نے اسے اپنی ذلت محسوس کیا اور بہت ناراض ہوئے مگر آپ نے فرمایا کہ جب امر واقعہ یہ ہے تو میں کس طرح انکار کر سکتا ہوں؟"۔ [۱۲]

منکسر المزاجی اور حسن خلق کے نادر اور بے مثال نمونے

ان مقدمات میں حضور کی منکسر المزاجی، درویشانہ طبع اور حسن خلق کے متعدد اور بے مثال نمونے ظاہر ہوئے۔ جس نے آپ کے ساتھ ہم رکاب ہونے والوں کو بے حد متاثر کیا اور وہ آپ کے وجود میں اخلاق محمدی ؐ کا جلوہ دیکھ کر انگشت بدنداں ہو جاتے تھے۔

حضرت مرزا سلطان احمد صاحب مرحوم کہا کرتے تھے کہ "والد صاحب نے اپنی عمر ایک مغل کے طور پر نہیں گذاری بلکہ فقیر کے طور پر گذاری" [۱۳] یہ فقرہ جو آپ کی پوری زندگی کی مختصر مگر جامع

تصویر ہے' آپ کے زمانہ مقدمات پر بھی پوری شان سے حاوی ہے۔ قادیان کے کنہیا لعل صراف کا بیان ہے کہ ایک دفعہ حضرت مرزا صاحب کو بٹالہ جانا تھا۔ آپ نے مجھے فرمایا کہ ایک یکہ کرا دیا جائے۔ حضور جب نہر پر پہنچے تو آپ کو یاد آیا کہ کوئی چیز گھر میں رہ گئی ہے یکہ والے کو وہاں چھوڑا اور خود پیدل واپس تشریف لائے۔ یکہ والے کو پل پر اور سواریاں مل گئیں اور وہ بٹالہ روانہ ہو گیا اور مرزا صاحب غالباً پیدل ہی بٹالہ گئے۔ تو میں نے یکہ والے کو بلا کر پیٹا اور کہا کہ کم بخت اگر مرزا نظام دین ہوتے تو خواہ تجھے تین دن وہاں بیٹھنا پڑتا تو بیٹھتا۔ لیکن چونکہ وہ نیک اور درویش طبع آدمی ہے اس لئے تو ان کو چھوڑ کر چلا گیا۔ جب مرزا صاحب کو اس کا علم ہوا تو آپ نے مجھے بلا کر فرمایا کہ تم اس سے معافی مانگو تم نے کیوں اسے مارا۔ وہ مزدور آدمی تھا وہ میری خاطر کیسے بیٹھا رہتا اسے مزدوری مل گئی اور چلا گیا۔ میں نے کہا حضرت میں اسے ماروں گا اس نے کیوں ایسا کیا۔ لیکن حضرت اقدسؑ بار بار یہی فرماتے رہے۔ نہیں اس سے معافی طلب کرو"۔ [۱۴]

حضرت اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام کا معمول تھا کہ جب مقدمات کے لئے قادیان سے روانہ ہوتے تو اپنے ساتھ اصطبل میں سے سواری کے لئے گھوڑا بھی لے لیتے۔ ان سفروں میں آپ کے ہمراہ ان دنوں آپ کے قدیم خدام میں سے مرزا اسماعیل بیگ صاحب (ساکن قادیان) یا مرزا دین محمد صاحب (ساکن لنگروال) یا میاں غفار ایکہ بان ہوتے تھے۔ [۱۵] جنہیں آپ گاؤں سے نکل کر سوار کر لیتے اور پھر نصف راستہ حضور سوار ہوتے اور نصف راستہ وہ سواری کرتے اور بٹالہ پہنچنے پر اپنی حویلی میں قیام فرماتے تھے۔ اور جو جولاہا اس حویلی کی دیکھ بھال کے لئے مقرر تھا اسے اپنے کھانے سے دیتے اور خود حسب معمول بہت کم کھاتے تھے۔ چنانچہ مرزا اسماعیل بیگ صاحب مرحوم کی شہادت ہے کہ جب حضرت اقدسؑ اپنے والد بزرگوار کے ارشاد کے ماتحت بعثت سے قبل مقدمات کی پیروی کے لئے جایا کرتے تھے تو سواری کے لئے گھوڑا بھی ساتھ ہوتا تھا اور میں بھی عموماً ہم رکاب ہوتا تھا لیکن جب آپ چلنے لگتے تو آپ پیدل ہی چلتے اور مجھے گھوڑے پر سوار کرا دیتے۔ میں بار بار انکار کرتا اور عرض کرتا حضور مجھے شرم آتی ہے۔ آپ فرماتے کہ "ہم کو پیدل چلتے شرم نہیں آتی تم کو سوار ہوتے کیوں شرم آتی ہے"۔ جب حضور قادیان سے چلتے تو ہمیشہ پہلے مجھے سوار کرتے۔ جب نصف سے کم یا زیادہ راستہ طے ہو جاتا تو میں اتر جاتا اور آپ سوار ہو جاتے اور اسی طرح جب عدالت سے واپس ہونے لگتے تو پہلے مجھے سوار کرتے اور بعد میں آپ سوار ہوتے۔ جب آپ سوار ہوتے تو گھوڑا جس چال سے چلتا اسی چال سے اسے چلنے دیتے"۔ [۱۶]

آپ کے دوسرے قدیم خادم مرزا دین محمد صاحب مرحوم آف لنگروال کا بیان ہے کہ:

"میں اولاً حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سے واقف نہ تھا۔ یعنی ان کی خدمت میں مجھے جانے کی عادت نہ تھی۔ خود حضرت صاحب گوشہ گزینی اور گمنامی کی زندگی بسر کرتے تھے۔ لیکن چونکہ وہ صوم و صلوٰۃ کے پابند اور شریعت کے دلدادہ تھے۔ یہی شوق مجھے بھی ان کی طرف لے گیا اور میں ان کی خدمت میں رہنے لگا۔ جب مقدمات کی پیروی کے لئے جاتے تو مجھے گھوڑے پر اپنے ساتھ اپنے پیچھے سوار کر لیتے تھے اور بٹالہ جا کر اپنی حویلی میں باندھ دیتے۔ اس حویلی میں ایک بالاخانہ تھا آپ اس میں قیام فرماتے۔ اس مکان کی دیکھ بھال کا کام ایک جولاہے کے سپرد تھا جو ایک غریب آدمی تھا۔ آپ وہاں پہنچ کر دو پیسے کی روٹی منگواتے۔ یہ اپنے لئے ہوتی تھی اور اس میں سے ایک روٹی کی چوتھائی کے ریزے پانی کے ساتھ کھا لیتے۔ باقی روٹی اور دال وغیرہ جو ساتھ ہوتی وہ اس جولاہے کو دے دیتے اور مجھے کھانا کھانے کے لئے چار آنہ دیتے تھے۔ آپ بہت ہی کم کھایا کرتے تھے اور کسی قسم کے چسکے کی عادت نہ تھی"۔ [۱۷]

جس دن آپ نے بٹالہ جانا ہوتا تو سفر سے پہلے آپ دو نفل پڑھ لیتے.... صبح کا کھانا آپ گھر سے کھا جاتے.... آپ نے تحصیل میں چلے جانا میں باہر بیٹھتا تھا۔ دوپہر کے وقت جو وقفہ ہوتا تھا اس میں آپ باہر تشریف لاتے اور مجھے چند پیسے دیتے کہ بھوک لگی ہو گی کوئی چیز کھا لو قادیان کی واپسی پر آپ کبھی موڑ پر اتر پڑتے اور کبھی قادیان کے نزدیک ایک باغ میں (جو محلہ دارالصحت کے قریب تھا) قادیان میں کبھی سوار ہونے کی حالت میں آپ تشریف نہیں لائے"۔ [۱۸]

مقدمات میں انقطاع الی اللہ

ان مقدمات میں سب سے نمایاں امر آپ کا انقطاع الی اللہ تھا۔ جو ہر موقعہ پر خود بخود ظاہر ہوتا تھا آپ سفر میں ہوتے یا حضر میں' عدالت میں ہوتے یا اپنی رہائش گاہ پر' یاد الٰہی سے آپ ایک لحہ بھی غافل نہیں رہتے تھے۔ بلکہ زندگی کا ہر تغیر آپ کو خدا تعالیٰ کی طرف متوجہ کرنے کا باعث بنتا تھا۔ ڈلہوزی کے سفروں کے متعلق اپنے تاثرات بیان کرتے ہوئے فرمایا کرتے تھے کہ "جب کبھی ڈلہوزی جانے کا مجھے اتفاق ہوتا تو پہاڑوں کے سبزہ زار حصوں اور بہتے ہوئے پانیوں کو دیکھ کر طبیعت میں بے اختیار اللہ تعالیٰ کی حمد کا جوش پیدا ہوتا اور عبادت میں ایک مزہ آتا اور میں دیکھتا تھا کہ تنہائی کے لئے وہاں اچھا موقعہ ملتا ہے"۔ [۱۹]

عنفوان شباب میں بہاریں لوٹنے کی بجائے خدا تعالیٰ کے تصور میں یوں کھوئے جانا آپ کے اس عشق کا پتہ دیتا ہے جو آپ کے قلب صافی میں بحر مواج کی شکل میں ہر دم موجزن رہتا تھا۔ آپ دست با کار اور دل بایار کی مجسم تصویر اور عالم جوانی میں عشق الٰہی کے سانچے میں ڈھلا ہوا نفیس قالب تھے

جس کے چہرہ مہرہ، طرز گفتگو اور کردار سے روحانیت کا نور برستا تھا جو ایک اجنبی انسان کو بھی مبہوت کر دیا کرتا تھا۔ چنانچہ ڈلہوزی ہی کے سفر کا ایک واقعہ ہے کہ آپ ایک مقدمے کے سلسلہ میں پہاڑ پر یکہ میں بیٹھے سفر کر رہے تھے کہ راستہ میں بارش آگئی۔ آپ اپنے ہم سفر ساتھی سمیت یکہ سے اترے اور ایک پہاڑی آدمی کے مکان کی طرف گئے جو راستہ کے پاس تھا۔ آپ کے ساتھی نے آگے بڑھ کر مالک مکان سے اندر آنے کی اجازت چاہی مگر اس نے روکا۔ اس پر ان کی باہم تکرار ہو گئی اور مالک مکان تیز ہو کر گالیوں پر اتر آیا۔ حضرت صاحب یہ تکرار سن کر آگے بڑھے۔ جونہی آپ کی اور مالک مکان کی آنکھیں ملیں تو پیشتر اس کے کہ آپ کچھ فرماتے اس نے اپنا سر نیچے ڈال لیا اور کہا کہ اصل میں بات یہ ہے کہ "میری ایک جوان لڑکی ہے اس لئے میں اجنبی آدمی کو گھر میں نہیں گھسنے دیتا مگر آپ بے شک اندر آجائیں"۔ [۲۰]

مقدمات خواہ کتنے پیچیدہ، اہم اور آپ کی ذات یا خاندان کے لئے دور رس نتائج کے حامل ہوتے آپ نماز کی ادائیگی کو ہر صورت میں مقدم رکھتے تھے۔ چنانچہ آپ کا ریکارڈ ہے کہ آپ نے ان مقدمات کے دوران میں کبھی کوئی نماز قضاء نہیں ہونے دی۔ عین کچہری میں نماز کا وقت آتا تو اس کمال محویت اور ذوق شوق سے مصروف نماز ہو جاتے کہ گویا آپ صرف نماز پڑھنے کے لئے آئے ہیں کوئی اور کام آپ کے مد نظر نہیں ہے۔ بسا اوقات ایسا ہوتا کہ آپ خدا تعالیٰ کے حضور کھڑے عجز و نیاز کر رہے ہوتے اور مقدمہ میں طلبی ہو جاتی مگر آپ کے استغراق، توکل علی اللہ اور حضور قلب کا یہ عالم تھا کہ جب تک مولائے حقیقی کے آستانہ پر جی بھر کر الحاح و زاری نہ کر لیتے اس کے دربار سے واپسی کا خیال تک نہ لاتے۔ چنانچہ خود فرماتے ہیں:

"میں بٹالہ ایک مقدمہ کی پیروی کے لئے گیا۔ نماز کا وقت ہو گیا اور میں نماز پڑھنے لگا۔ چپڑاسی نے آواز دی مگر میں نماز میں تھا فریق ثانی پیش ہو گیا اور اس نے یک طرفہ کارروائی سے فائدہ اٹھانا چاہا اور بہت زور اس بات پر دیا۔ مگر عدالت نے پروانہ کی اور مقدمہ اس کے خلاف کر دیا اور مجھے ڈگری دے دی۔ میں جب نماز سے فارغ ہو کر گیا تو مجھے خیال تھا کہ شاید حاکم نے قانونی طور پر میری غیر حاضری کو دیکھا ہو۔ مگر جب میں حاضر ہوا اور میں نے کہا کہ میں تو نماز پڑھ رہا تھا تو اس نے کہا کہ میں تو آپ کو ڈگری دے چکا ہوں"۔ [۲۱]

عدالت سے غیر حاضری کے باوجود آپ کے حق میں فیصلہ ہو جانا ایک بھاری الٰہی نشان تھا جو آپ کے کمال درجہ انقطاع و ابتہال کے نتیجہ میں نمودار ہوا۔

حواشی

۱۔ سیرۃ المہدی حصہ اول صفحہ ۳۶۔
۲۔ ۱۸۵۴ء تا ۱۸۶۳ء و ۱۸۶۸ء تا ۱۸۷۶ء
۳۔ کتاب البریہ صفحہ ۱۵۰' ۱۵۱' ۱۵۲ حاشیہ۔
۴۔ بروایت حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ الحکم سیرت مسیح موعود نمبر صفحہ ۵۔ مئی جون ۱۹۴۳ء
۵۔ حیات النبی صفحہ ۱۸۶ جلد اول نمبر دوم طبع اول ۱۴۔ دسمبر ۱۹۱۵ء۔
۶۔ سیرۃ المہدی حصہ سوم صفحہ ۱۸۲۔
۷۔ حیات النبی جلد اول صفحہ ۵۷۔
۸۔ دور مقدمات میں ۱۸۵۴ء تا ۱۸۶۳ء اور ۱۸۶۸ء تا ۱۸۷۶ء دونوں زمانے شامل ہیں۔
۹۔ آئینہ کمالات اسلام صفحہ ۳۰۴
۱۰۔ روایت میاں اللہ یار صاحب ٹھیکیدار از "روایات صحابہ" حصہ نہم صفحہ ۱۹۲' ۱۹۳
۱۱۔ آئینہ کمالات اسلام صفحہ ۲۹۹' ۳۰۰
۱۲۔ الفضل جلد ۲۴ نمبر ۹۴ صفحہ ۴ بحوالہ الحکم ۲۱/۲۶ مئی ۱۹۴۳ء صفحہ ۷
۱۳۔ سیرت المہدی حصہ اول طبع دوم صفحہ ۲۱۹
۱۴۔ الحکم سیرت مسیح موعود نمبر مئی جون ۴۳ء صفحہ ۲۹
۱۵۔ مرزا دین محمد صاحب کا بیان ہے کہ وہ قریباً ۱۸۷۲ء میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے (سن بیعت ۱۹۱۸ء) روایات صحابہ غیر مطبوعہ جلد اول صفحہ ۹۳ مرتبہ نظارت تالیف و تصنیف قادیان۔
۱۶۔ الحکم ۲۱/۲۸ مئی ۱۹۳۴ء
۱۷۔ حیات احمد جلد دوم صفحہ ۱۹۶۔
۱۸۔ روایات صحابہ غیر مطبوعہ جلد اول صفحہ ۹۶
۱۹۔ حیات النبی جلد اول صفحہ ۵۵
۲۰۔ سیرۃ المہدی حصہ اول صفحہ ۶ طبع دوم
۲۱۔ حیات النبی جلد اول صفحہ ۵۶۔

باب ششم

سیالکوٹ میں قیام اور تبلیغ اسلام کی مہم کا آغاز

(۱۸۶۴ - ۱۸۶۷)

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام ابھی تعلیمی دور ہی میں تھے کہ آپ کے والد بزرگوار کو یہ خیال دامن گیر ہوگیا کہ آپ کو کسی موزوں سرکاری ملازمت میں جگہ دلادیں بلکہ ۱۸۵۲ء میں جب بندوبست شروع ہوا تو انہوں نے دینانگر میں جہاں ضلع گورداسپور کے بندوبست کا مرکزی دفتر قائم ہوا تھا آپ کو ملازم بھی کرادیا۔ مگر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو چونکہ ابتداء ہی سے ان امور سے بالطبع سخت نفرت تھی اس لئے آپ صرف ایک دن کے قیام کے بعد واپس قادیان تشریف لے آئے۔ آپ کا زمانہ تعلیم ختم ہوا تو ان کے دل میں یہ خیال پھر چٹکیاں لینے لگا۔ اسی اثناء میں ضلع گورداسپور میں ایک انگریز افسر وارد ہوا جس سے حضرت مرزا غلام مرتضیٰ صاحب مرحوم کو پہلے سے تعارف اور راہ و رسم تھی۔ انہوں نے یہ موقعہ غنیمت سمجھتے ہوئے کاہلواں [1] کے ایک سکھ جھنڈا سنگھ سے کہا کہ "جاؤ غلام احمد کو بلالاؤ۔ ایک انگریز حاکم میرا واقف ضلع میں آیا ہے اس کا منشاء ہو تو کسی اچھے عہدے پر نوکر کرادوں"۔ جھنڈا سنگھ کا بیان ہے کہ "میں مرزا صاحب کے پاس گیا تو دیکھا کہ چاروں طرف کتابوں کا ڈھیر لگا کر اس کے اندر بیٹھے ہوئے کچھ مطالعہ کر رہے ہیں۔ میں نے بڑے مرزا صاحب (یعنی حضرت مرزا غلام مرتضیٰ صاحب مرحوم۔ ناقل) کا پیغام پہنچادیا۔ مرزا صاحب آئے اور جواب دیا "میں تو نوکر ہوگیا ہوں" بڑے مرزا صاحب کہنے لگے کہ اچھا کیا واقعی نوکر ہوگئے ہو؟ مرزا صاحب نے کہا ہاں ہوگیا ہوں۔ اس پر بڑے مرزا صاحب نے کہا کہ اچھا اگر نوکر ہوگئے ہو تو خیر ہے"۔ [2]

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے جواب کا صاف مطلب یہی تھا کہ مجھے کسی دنیاوی حکومت کی نوکری کی ضرورت نہیں کیونکہ میں آسمانی بادشاہت اور اس کے گورنر جنرل حضرت محمد عربی ﷺ کا نوکر ہوگیا ہوں۔ یہ مختصر جواب اتنا پر کیف تھا کہ آپ کے والد بزرگوار خاموش ہوگئے۔ اور پھر یہ معلوم کر کے کہ ان سے انگریزی حکومت کی ملازمت کی توقع عبث ہے آپ کو زمینداری

امور کی نگرانی اور مقدمات کی پیروی کے کام سپرد کر دیئے ۔ لیکن کچھ عرصہ بعد جب انہوں نے بشدت محسوس کیا کہ ان مخمصوں سے بھی ان کی طبیعت کو کوئی مناسبت نہیں ہے اور جو کچھ توجہ اس میں ہے محض امتثال حکم کی خاطر ہے تو انہوں نے ایک بار پھر ملازمت کی تلاش شروع کر دی اور ایک برادر زادہ کی تحریک پر حضور کو سید محمد علی شاہ صاحب کلانوری کے ہمراہ ریاست جموں میں ملازمت کے لئے بھجوا دیا جہاں آپ خود ایک معزز عہدہ پر رہ چکے تھے ۔ چنانچہ حضرت اقدسؑ اور سید محمد علی صاحب کلانور کے رستہ جموں تشریف لے گئے ۔ سفر میں آپ کی توجہ الی اللہ اور استغراق اور محویت کا یہ عالم تھا کہ کلانور کے نالے سے گذرتے ہوئے آپ کی جوتی کا ایک پاؤں نکل گیا مگر آپ کو پتہ بھی نہ چلا جب تک بہت دور جا کر آپ کو یاد نہیں کرایا گیا ۔ آخر جموں پہنچے ۔ یہاں جتنے دن رہے نماز اور قرآن شریف کی تلاوت میں وقت گذارا ۔ چند روز بعد حضور کا ایک رشتہ دار جموں پہنچا اور دونوں کو واپس قادیان لے آیا ۔ [۳]

اب تک اگرچہ آپ کے والد پر آپ کے طبعی رجحانات اور ملازمت سے حقارت آمیز جذبہ کا علم پوری طرح کھل کر سامنے آ چکا تھا مگر اس کے باوجود وہ اپنے ارادہ کی تکمیل پر اور زیادہ مصر ہو گئے اور بالآخر ۱۸۶۴ء میں انہوں نے حضور کو سیالکوٹ میں متفرقات کی اسامی پر ملازم کرا ہی دیا ۔ اس زمانہ میں آپ کو دیکھنے والوں کا بیان ہے کہ اس وقت حضور کی مسیں بھیگ رہی تھیں"۔ [۴]

ملازمت میں خدائی حکمتیں

حضرت مرزا غلام مرتضیٰ صاحبؒ کا یہ فیصلہ بے وجہ نہیں تھا بلکہ خدا تعالیٰ کی عمیق در عمیق حکمتوں کا کرشمہ تھا ۔ کیونکہ خدا تعالیٰ چاہتا تھا کہ آپ اصلاح خلق کرنے کے لئے عدالتی جھمیلوں اور مقدمہ بازی کے مختلف انسانی شعبدوں کا مشاہدہ کرنے کے بعد دنیاداری کے اس گندے ماحول کو بھی دیکھ لیں جو نوکری پیشہ لوگوں کا ماحول ہے ۔ اور جس میں خدا کے بندے تو خال خال نظر آتے ہیں مگر کسب حرام کے مکروہ اور شرمناک ہتھکنڈے استعمال کرنے والوں میں کمی نہیں ہے ۔ حضور خود فرماتے ہیں:

"اس تجربہ سے مجھے معلوم ہوا کہ اکثر نوکری پیشہ نہایت گندی زندگی بسر کرتے ہیں ان میں بہت کم ایسے ہوں گے جو پورے طور پر صوم و صلوٰۃ کے پابند ہوں اور جو ان ناجائز حظوظ سے اپنے تئیں بچا سکیں جو ابتلاء کے طور پر ان کو پیش آتے رہتے ہیں میں ہمیشہ ان کے منہ دیکھ کر حیران رہا اور اکثر کو ایسا پایا کہ ان کی تمام دلی خواہشیں مال و متاع تک خواہ حلال کی وجہ سے ہوں یا حرام کے ذریعہ سے 'محدود تھیں اور بہتوں کی دن رات کی کوششیں صرف اسی مختصر زندگی کی دنیوی ترقی کے لئے مصروف پائیں ۔ میں نے ملازمت پیشہ لوگوں کی جماعت میں بہت کم ایسے لوگ پائے کہ جو محض خدا تعالیٰ کی عظمت کو یاد

کر کے اخلاق فاضلہ، حلم اور کرم اور عفت اور تواضع اور انکسار اور خاکساری اور ہمدردی خلق اور پاک باطنی اور اکل حلال اور صدق مقال اور پرہیزگاری کی صفت اپنے اندر رکھتے ہوں۔ بلکہ بہتوں کو تکبر اور بدچلنی اور لاپرواہی دین اور طرح طرح کے اخلاق رذیلہ میں شیطان کے بھائی پائے اور چونکہ خدا تعالیٰ کی یہ حکمت تھی کہ ہر ایک قسم اور ہر ایک نوع کے انسانوں کا مجھے تجربہ حاصل ہو اس لئے ہر ایک صحبت میں مجھے رہنا پڑا"۔ [۵]

اس کے علاوہ ایک زبردست حکمت الٰہی (جو اپنی شان میں بڑی عظمت و اہمیت رکھتی تھی) آپ کے قیام سیالکوٹ کی یہ تھی کہ سولہ سترہ برس کی عمر سے جس معرکے کی تیاری میں مصروف تھے اس کی پہلی مہم آپ کو سیالکوٹ میں سر کرنا تھی یعنی نصرانیت کے دفاع کے لئے جدوجہد کا آغاز۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کی ایک بڑی مصلحت یہ کار فرما تھی کہ آپ اپنے گاؤں کی چار دیواری اور خاندان کے حلقہ سے نکل کر ایک شہری آبادی میں اقامت گزین ہوں جہاں آپ کے پاکیزہ شباب، اعلیٰ کیریکٹر، ہمدردی خلق، غمخواری دین، تعلق باللہ اور عشق قرآن ہونے کے شاہد مسلمانوں اور غیر مسلموں دونوں میں پیدا ہو جائیں اور آپ کی صداقت پر زندہ گواہ ہوں۔

قادیان کے لوگ آپ کے مزارعہ تھے اور ان پر اکثر آپ ہی کے خاندان کا عمل و دخل اور قبضہ و اقتدار تھا۔ اس لئے ان کی شہادت پر تو ردو قدح کی گنجائش نکل سکتی تھی مگر سیالکوٹ کے رہنے والے ایک دوسرے شہر کے آزاد باشندے تھے جن کی چشم دید گواہیاں طمع و نفسانیت پر مبنی قرار نہیں دی جا سکتیں۔

سیالکوٹ میں آپ کی قیامگاہیں اور حفاظت الٰہی کے نظارے

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سیالکوٹ میں تشریف لائے تو آپ نے سب سے پہلے محلہ جھنڈانوالہ میں ایک چوبارے پر قیام فرمایا۔ ایک دفعہ حضور پندرہ سولہ افراد کے ساتھ اس چوبارے میں آرام فرما رہے تھے کہ شہتیر سے ٹک ٹک کی آواز آئی۔ اس پر آپ نے ساتھیوں کو سختی سے نکلنے کا حکم دیا جب آپ کے ساتھی نکل گئے تو آپ نے باہر آنے کا قصد کرتے ہوئے ابھی دوسرے زینہ پر ہی قدم رکھا تھا کہ اس کی چھت دھڑام سے آگری اور آپ معجزانہ طور پر بچ گئے۔ حضور نے اس واقعہ کی تفصیل یوں بیان فرمائی:

"ایک دفعہ رات میں ایک مکان کی دوسری منزل پر سویا ہوا تھا اور اسی کمرہ میں میرے ساتھ پندرہ یا سولہ آدمی اور بھی تھے۔ رات کے وقت شہتیر میں ٹک ٹک کی آواز آئی۔ میں نے آدمیوں کو جگایا کہ شہتیر خوفناک معلوم ہوتا ہے یہاں سے نکل جانا چاہئے۔ انہوں نے کہا کہ کوئی چوہا ہو گا خوف کی بات

نہیں اور یہ کہہ کر سوگئے۔ تھوڑی دیر کے بعد پھر ویسی آواز آئی۔ تب میں نے ان کو دوبارہ جگایا۔ مگر پھر بھی انہوں نے کچھ پرواہ نہ کی۔ پھر تیسری بار شہتیر سے آواز آئی تب میں نے ان کو سختی سے اٹھایا اور سب کو مکان سے باہر نکالا اور جب سب نکل گئے تو خود بھی وہاں سے نکلا۔ ابھی دوسرے زینہ پر تھا کہ وہ چھت نیچے گری اور وہ دوسری چھت کو ساتھ لے کر نیچے جا پڑی اور سب بچ گئے"۔ [۷]

چوبارہ گرنے کے بعد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام حافظ محمد شفیع صاحب قاری آف سیالکوٹ کے نانا فضل دین صاحب کے مکان واقع کشمیری محلہ [۸] میں اقامت گزین ہو گئے۔ [۸] اس کے بعد (بروایت میر حسن صاحب سیالکوٹی) آپ سیالکوٹ کی جامع مسجد کے سامنے حکیم منصب علی صاحب وثیقہ نویس کے ہمراہ ایک بیٹھک میں رہنے لگے اور غالباً یہیں آخر تک مقیم رہے۔ یہ سبھی مقامات مکانیت کے لحاظ سے مختصر اور بے رونق سے تھے جن میں کوئی ظاہری کشش اور دلچسپی نہیں تھی جس سے حضور کی غیر معمولی سادگی اور خلوت پسندی کا پتہ چلتا ہے۔ فضل الدین صاحب کی روایت ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام خدائی حفاظت کا ایک یہ واقعہ بھی بیان فرمایا کرتے تھے کہ "ایک دفعہ کا ذکر ہے جبکہ میں سیالکوٹ میں تھا۔ ایک دن بارش ہو رہی تھی۔ جس کمرہ کے اندر میں بیٹھا ہوا تھا اس میں بجلی آئی سارا کمرہ دھوئیں کی طرح ہو گیا اور گندھک کی سی بو آتی تھی۔ لیکن ہمیں کچھ ضرر نہ پہنچا۔ اسی وقت وہ بجلی ایک مندر میں گری جو کہ تیجا سنگھ کا مندر تھا اور اس میں ہندوؤں کی رسم کے موافق طواف کے واسطے پیچ در پیچ ارد گرد دیوار بنی ہوئی تھی اور اندر ایک شخص بیٹھا ہوا تھا۔ بجلی تمام چکروں میں سے ہو کر اندر جا کر اس پر گری اور وہ جل کر کوئلہ کی طرح سیاہ ہو گیا"۔ [۹]

سرکاری ملازمت میں آپ کا معمول اور شان استغناء

آپ جب سرکاری ملازمت میں آئے تو عام اہلکاروں میں تھے مگر جلد ہی آپ کی خداداد قابلیت کا عوام پر ہی نہیں حکومت کے سربر آوردہ افسروں پر بھی سکہ بیٹھ گیا اور ضلع بھر میں آپ کی علمی شان اور محققانہ طبیعت کے غلغلہ بلند ہونے شروع ہو گئے۔ دوسرے سرکاری ملازموں کی اکثریت جہاں ملک و قوم کے لئے موجب ننگ تھی اور اپنی تمام تر کوشش اور سعی میں دنیا پرستی' رشوت' دغا اور فریب میں مبتلا تھی وہاں آپ ہر قسم کی آلودگیوں سے بالکل پاک تھے۔ آپ دفتر میں اپنا مفوضہ کام پوری توجہ' دیانتداری' محنت اور ذمہ داری سے ادا فرماتے مگر دفتری اوقات کے بعد کچہری کے معاملات سے آپ یوں دستکش ہوتے کہ گویا ان امور سے آپ کو زندگی بھر سابقہ ہی نہیں پڑا۔ چنانچہ حافظ محمد شفیع صاحب کا بیان ہے کہ ان کے نانا فضل دین صاحب بتایا کرتے تھے کہ حضرت اقدس جب کچہری سے واپس آتے تو چونکہ آپ اہلمد تھے۔ مقدمہ

والے زمینداران کے مکان تک ان کے پیچھے آجاتے۔ تو حضور پر نور ہمارے نانا کو بلاتے اور کہتے کہ فضل دین میرا پیچھا ان سے چھڑا دو یہ مجھ سے کیا چاہتے ہیں۔ چنانچہ فضل دین صاحب ان زمینداروں کو سمجھاتے کہ جو تمہارا کام ہے مرزا صاحب کچہری میں ہی کر دیں گے۔ [۱۰]

یہ زمانہ جو آپ نے یوسفی شان سے ملازمت میں بسر کیا آپ اسے قید خانہ سے کسی طرح کم نہیں سمجھتے تھے۔ چنانچہ ایک مرتبہ آپ کی والدہ محترمہ نے قادیان کے ایک حجام حیات نامی کے ذریعہ سے آپ کو کپڑوں کے چار جوڑے سیالکوٹ بھجوائے۔ آپ کی فیاض طبیعت نے اسے خالی ہاتھ بھجوانا گوارا نہ کیا اور انہی نئے جوڑوں میں سے ایک جوڑا اس کے حوالے کر دیا۔ حالانکہ وہ خاص اہتمام سے آپ ہی کے لئے بھجوائے گئے تھے۔ حجام نے بر سبیل تذکرہ ملازمت کے متعلق عرض کیا کہ آپ کو پسند ہے؟ حضرت نے بے ساختہ فرمایا "قید خانہ ہی ہے"۔ [۱۱]

اسی تاثر کا نتیجہ تھا کہ آپ دفتری معاملات میں باوجود تندہی کے ایک بے مثال شان استغناء کے مالک تھے جس کو خاندانی وجاہت اور دماغی صلاحیتوں نے اور بھی نکھار دیا تھا۔ ان دنوں ضلع سیالکوٹ کے دفاتر کا سپرنٹنڈنٹ ایک شخص پنڈت سہج رام تھا۔ یہ شخص اسلام کا بدترین معاند اور سخت کینہ پرور انسان تھا۔ وہ اس خود فریبی کا شکار تھا کہ آپ چونکہ میرے ماتحت ایک سرشتہ میں ملازم ہیں اس لئے انہیں دفتری معاملات میں ہی نہیں، مذہبی معاملات میں بھی دب کر رہنا ہوگا۔ یہ بدبخت اکثر اپنی سیہ باطنی کی وجہ سے اسلام پر اعتراض کرتا اور آنحضرت ﷺ پر زبان طعن دراز کرتا رہتا تھا۔ مگر عاشق رسولؐ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے آقا کی توہین ہرگز برداشت نہیں کرتے تھے۔ اور نہ کر سکتے تھے۔ اس لئے ہر قسم کے عواقب اور خطرات سے بے نیاز ہو کر ایک بے باک مجاہد کی حیثیت سے ڈٹ کر جواب دیتے۔ آپ کے زبردست دلائل سے لاجواب اور مبہوت ہونے کے بعد زچ ہو جاتا تو اپنی بے بسی کی کسر نکالنے کے لئے دفتری معاملات کا سہارا لے کر آپ کو تکلیف دینے کی کوئی نئی سے نئی صورت پیدا کر لیتا اور اس مخالفت میں وہ اخلاق و شرافت کے ادنیٰ ترین تقاضوں کو بھی پامال کر دینے سے دریغ نہیں کرتا تھا۔ یہ کشمکش دو ایک دن کے لئے نہیں تھی بلکہ مسلسل چار سال تک قائم رہی۔ ایک طرف شوخ چشمی کی حد تھی تو دوسری طرف ابراہیمی صبر کا امتحان ہو رہا تھا۔ حضور کے ہندو دوست لالہ بھیم سین (جنہیں آپ سے بٹالہ میں ہم مکتب ہونے کے نیاز حاصل تھے اور آپ پر جان چھڑکتے تھے) یہ صورت حال دیکھ کر اکثر مشورہ دیتے کہ دنیاوی طور پر آپ کی ترقی سپرنٹنڈنٹ ہی سے وابستہ ہے اس لئے اگر اس کی طرف سے ایسی مخالفانہ کارروائی ہو تو الجھنے کی بجائے ٹال دیا کیجئے ورنہ اس مزاحمت میں آپ کا مستقبل مخدوش ہو جائے گا۔ لیکن خدا کے جانباز جرنیل کی نگاہ میں دنیا کے اس

ذلیل چیتھڑے کی بھلا حیثیت ہی کیا ہو سکتی تھی؟ حضورؑ لالہ صاحب کا مشورہ سنا ان سنا کر دیتے۔ اپنے فرائض منصبی میں کوتاہی آپ کی فطرت و طینت کے خلاف تھی مگر خدائے واحد کے مقابل کسی انسان کو معیشت کا سرچشمہ قرار دینا بھی آپ کو کب گوارا ہو سکتا تھا چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام جب تک سیالکوٹ میں رہے سہج رام کے تیر اور نشتر تائید اسلام کے "جرم" کی پاداش میں برداشت کرتے رہے۔ مگر جب مستعفی ہو کر واپس قادیان آئے تو وہی پنڈت سہج رام سیالکوٹ سے بدل کر امرت سر کی کمشنری میں سررشتہ دار بنا اور خدا تعالیٰ کے قہری تیروں کا شکار ہو گیا اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام کو قبل از وقت اس کی ناگہانی موت کی خبر بذریعہ کشف دے دی جس نے سننے والوں کو انگشت بدنداں کر دیا۔ حضرت اقدسؑ حقیقۃ الوحی میں خدا تعالیٰ کے اس خاص نشان کے متعلق فرماتے ہیں:

"ایک شخص سہج رام نام امرت سر کی کمشنری میں سررشتہ دار تھا اور پہلے وہ سیالکوٹ میں صاحب ڈپٹی کمشنر کا سررشتہ دار تھا اور وہ مجھ سے ہمیشہ مذہبی بحث رکھا کرتا تھا۔ اور دین اسلام سے فطرتاً ایک کینہ رکھا کرتا تھا۔ اور ایسا اتفاق ہوا کہ میرے ایک بڑے بھائی تھے انہوں نے تحصیلداری کا امتحان دیا تھا اور امتحان میں پاس ہو گئے تھے اور وہ ابھی گھر میں قادیان میں تھے اور نوکری کے امیدوار تھے۔ ایک دن میں اپنے چوبارہ میں عصر کے وقت قرآن شریف پڑھ رہا تھا جب میں نے قرآن شریف کا دوسرا صفحہ الٹانا چاہا تو اسی حالت میں میری آنکھ کشفی رنگ پکڑ گئی اور میں نے دیکھا کہ سہج رام سیاہ کپڑے پہنے ہوئے اور عاجزی کرنے والوں کی طرح دانت نکالے ہوئے میرے سامنے آکھڑا ہوا۔ جیسا کہ کوئی کہتا ہے کہ میرے پر رحم کرا دو۔ میں نے اس کو کہا کہ اب رحم کا وقت نہیں اور ساتھ ہی خدا تعالیٰ نے میرے دل میں ڈالا کہ اسی وقت یہ شخص فوت ہو گیا ہے اور کچھ خبر نہ تھی۔ بعد اس کے میں نیچے اترا۔ اور میرے بھائی کے پاس چھ سات آدمی بیٹھے ہوئے تھے اور ان کی نوکری کے بارے میں باتیں کر رہے تھے۔ میں نے کہا اگر پنڈت سہج رام فوت ہو جائے تو وہ عہدہ بھی عمدہ ہے ان سب نے میری بات سن کر قہقہہ مار کر ہنسی کی کہ "کیا چنگے بھلے کو مارتے ہو" دوسرے دن یا تیسرے دن خبر آگئی کہ اسی گھڑی سہج رام ناگہانی موت سے اس دنیا سے گذر گیا"۔ [۱۱۲]

دفتری اوقات کے بعد آپ کے مشاغل اور معمول

دفتری فرائض کی سرانجام دہی تو دفتری اوقات میں ہوتی تھی۔ باقی پورا وقت آپ کا تلاوت قرآن مجید، عبادت گذاری، شب بیداری، خدمت خلق اور تبلیغ اسلام ایسے اہم دینی مہمات میں گذرتا تھا۔

تلاوت قرآن مجید

آپ کا اکثر معمول تھا کہ آپ گھر سے باہر اپنے اوپر چادر لپیٹے رکھتے اور صرف اتنا حصہ چہرہ کا کھلا رکھتے جس سے راستہ نظر آئے۔ جب کچہری سے فارغ ہو کر واپس اپنی قیام گاہ پر تشریف لاتے تو دروازہ بند کر لیتے اور قرآن شریف کی تلاوت اور ذکر الٰہی میں مصروف ہو جاتے۔ آپ کے اس طریق مبارک سے بعض متجسس طبیعتوں کو خیال پیدا ہوا کہ یہ ٹوہ لگانا چاہئے کہ آپ کواڑ بند کر کے کیا کرتے ہیں۔ چنانچہ ایک دن "سراغ رسان" گروہ نے آپ کی "خفیہ سازش" کو بھانپ لیا یعنی "انہوں نے بچشم خود دیکھا کہ آپ مصلّٰی پر رونق افروز ہیں قرآن مجید ہاتھ میں ہے اور نہایت عاجزی اور رقت اور الحاح و زاری اور کرب و بلا سے دست بدعا ہیں کہ "یا اللہ تیرا کلام ہے مجھے تو تو ہی سمجھائے گا تو میں سمجھ سکتا ہوں"۔ [۱۳] مائی حیات بی بی صاحبہ بنت فضل دین صاحب مرحوم کی روایت ہے کہ "آپ کی عادت تھی کہ جب کچہری سے واپس آتے تو پہلے میرے باپ کو بلاتے اور ان کو ساتھ لے کر مکان میں جاتے۔ مرزا صاحب کا زیادہ تر ہمارے والد صاحب کے ساتھ ہی اٹھنا بیٹھنا تھا۔ ان کا کھانا بھی ہمارے ہاں ہی پکتا تھا۔ میرے والد ہی مرزا صاحب کو کھانا پہنچایا کرتے تھے۔ مرزا صاحب اندر جاتے اور دروازہ بند کر لیتے اور اندر صحن میں جا کر قرآن پڑھتے رہتے۔ میرے والد صاحب بتلایا کرتے تھے کہ مرزا صاحب قرآن مجید پڑھتے پڑھتے بعض وقت سجدہ میں گر جاتے ہیں اور لمبے لمبے سجدے کرتے ہیں اور یہاں تک روتے کہ زمین تر ہو جاتی ہے"۔ [۱۴]

اسی طرح میاں بوٹا صاحب کشمیری کی شہادت ہے کہ جب حضرت مرزا صاحب ہمارے مکان میں رہتے تھے تو مکان کے صحن میں ٹہلتے رہتے۔ اور قرآن شریف پڑھتے رہتے تھے"۔ [۱۵]

خدمت خلق

سیالکوٹ میں قیام کے دوران میں آپ نے خدمت خلق کے پہلو کی طرف بھی خاص توجہ مبذول رکھی۔ آپ قادیان کی طرح یہاں بھی غرباء پروری کا خاص اہتمام فرماتے۔ جو تنخواہ لاتے اس میں سے معمولی سادہ کھانے کا خرچ رکھ کر باقی رقم سے محلہ کی بیواؤں اور محتاجوں کو کپڑے بنوا دیتے یا نقدی کی صورت میں تقسیم فرما دیتے۔ [۱۶] علم طب میں آپ کو کافی درک تھا اور آپ اس سے مخلوق خدا کو فائدہ پہنچانے سے کبھی دریغ نہیں فرماتے تھے۔ آپ علاج کے ساتھ مریض کے لئے دعا بھی فرماتے اور شافی مطلق آپ کے دست مبارک سے شفا کا سامان بھی پیدا کر دیتا۔ یہی طب روحانی تھی۔ جس پر آپ اپنی پوری عمر کاربند رہے۔ میاں بوٹا کشمیری (جن کے گھر میں بھی حضور عرصہ تک قیام فرما رہے) شہادت دیتے ہیں کہ "میں تو ان کو ولی اللہ جانتا ہوں ایک دفعہ میرے والد صاحب بیمار ہو گئے تمام ڈاکٹر اور حکیم جواب دے چکے کہ اب یہ نہیں بچے گا اور علاج کرنا فضول ہے لیکن ہم نے حضرت مرزا صاحب کو بلایا آپ نے دعا فرمائی اور کچھ علاج بھی بتایا۔ اللہ تعالیٰ

نے آپ کی دعا سے میرے والد صاحب کو شفا دی اور بہت سی ان کی دعائیں ہمارے حق میں قبول ہوئیں"۔ [۱۷]

تعلیم و تدریس کا وہ سلسلہ جو قادیان میں آپ نے جاری کر رکھا تھا سیالکوٹ میں بھی (گو محدود وقت میں ہی سہی) بند نہیں ہونے دیا۔ سیالکوٹ میں آپ کی بیٹھک کے ساتھ حکیم حسام الدین صاحب مرحوم مطب کرتے تھے۔ جب انہیں حضور سے تعارف ہوا تو انہوں نے اس موقعہ کو غنیمت سمجھتے ہوئے طبابت میں راہ نمائی کی درخواست کی جسے آپ نے منظور فرماتے ہوئے قانونچہ اور موجز کا کچھ حصہ انہیں پڑھا دیا۔

سیالکوٹ میں عظیم الشان پیشگوئیوں کا ظہور

قیام سیالکوٹ کے عرصہ میں حضور کی بعض عظیم الشان پیشگوئیاں پوری ہوئیں جو حضور ہی کے الفاظ میں درج ذیل کی جاتی ہیں:

پہلی پیشگوئی: "لالہ بھیم سین صاحب کو جو سیالکوٹ میں وکیل ہیں۔ ایک مرتبہ میں نے خواب کے ذریعہ سے راجہ تیجا سنگھ کی موت کی خبر پاکر ان کو اطلاع دی کہ وہ راجہ تیجا سنگھ جن کو سیالکوٹ کے دیہات کی جاگیر کے عوض میں تحصیل بٹالہ میں دیہات معہ اس کے علاقہ کی حکومت کے ملے تھے فوت ہو گئے ہیں اور انہوں نے اس خواب کو سن کر بہت تعجب کیا اور جب قریب دو بجے بعد دوپہر کے وقت ہوا تو مسٹر پرنسب صاحب کمشنر امرت سر ناگہانی طور پر سیالکوٹ میں آگئے اور انہوں نے آتے ہی مسٹر مکنیب صاحب ڈپٹی کمشنر سیالکوٹ کو ہدایت کی کہ راجہ تیجا سنگھ کے باغات وغیرہ کی جو ضلع سیالکوٹ میں واقع ہیں بہت جلد ایک فہرست تیار ہونی چاہئے کیونکہ وہ کل بٹالہ میں فوت ہو گئے ہیں۔ تب لالہ بھیم سین نے اس خبر موت پر اطلاع پاکر نہایت تعجب کیا کہ کیونکر قبل از وقت اس کے مرنے کی خبر ہو گئی"۔ [۱۸]

دوسری پیشگوئی: "ایک مرتبہ جب انہوں نے (یعنی لالہ بھیم سین صاحب وکیل نے۔ ناقل) اس ضلع (سیالکوٹ۔ ناقل) میں وکالت کا امتحان دیا تو میں نے ایک خواب کے ذریعہ سے ان کو بتلایا کہ خدا تعالیٰ کی طرف سے ایسا مقدر ہے کہ اس ضلع کے کل اشخاص جنہوں نے وکالت یا مختاری کا امتحان دیا ہے فیل ہو جائیں گے مگر سب میں سے صرف تم ایک ہو کہ وکالت میں کامیاب ہو جاؤ گے اور یہ خبر میں نے تیس کے قریب اور لوگوں کو بھی بتلائی۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور سیالکوٹ کی تمام جماعت کی جماعت جنہوں نے وکالت یا مختار کاری کا امتحان دیا تھا فیل کئے گئے اور صرف لالہ بھیم سین پاس ہو گئے"۔ [۱۹]

سیالکوٹ میں قیام کے بعض مختصر حالات

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام ذکر فرمایا کرتے تھے کہ سیالکوٹ میں ایک مرہٹہ گوپی ناتھ بھاگ کر ریاست جموں میں ایک باغ میں رہائش رکھتا تھا۔ اس کے متعلق انگریزی حکومت نے اعلان عام کر رکھا تھا کہ اگر اس کو تحصیلدار پکڑے تو اسے اسسٹنٹ کمشنر کا عہدہ دیا جائے گا۔ اور اگر ڈپٹی کمشنر پکڑ لے تو اسے کمشنر بنا دیا جائے گا۔ چنانچہ جب وہ مرہٹہ گرفتار ہوا تو اس کا بیان آپ نے قلمبند فرمایا کیونکہ اس کا مطالبہ تھا کہ میں اپنا بیان ایک معزز خاندانی شریف افسر یا حاکم کو لکھواؤں گا۔ [۲۰]

ملازمت کے دوران میں آپ نے خود بھی محض خلق خدا کو قانونی الجھنوں سے بچانے اور ان کے شہری حقوق دلانے کے لئے مختاری کے امتحان کی تیاری کی اور قانون کا ابتدائی لٹریچر بھی مطالعہ فرمایا مگر چونکہ آپ دنیا والوں کے کیس لڑنے کے لئے نہیں آئے تھے محض اسلام کی وکالت کے لئے پیدا کئے گئے تھے اس لئے آپ اس کے امتحان میں تو کامیاب نہیں ہو سکے مگر آپ نے بعد کو اسلام کے وکیل ہونے کا حق اس خوبی سے سرانجام دیا کہ عالم اسلام عش عش کر اٹھا اور پھر خدا تعالیٰ نے یہاں تک عرش پر خوشنودی کا اظہار فرمایا کہ دنیا بھر کے مسلمانوں کے فروعی اختلافات کو دور کرنے کے لئے آپ کو حکم عدل یعنی منصف جج کے منصب پر سرفراز کر دیا۔ بہرحال مشیت ایزدی کا معاملہ جدا ہے جہاں تک آپ کی ذات کا تعلق ہے مختاری کے امتحان کی تیاری میں بھی مفلوک الحال انسانیت کی خدمت کا جذبہ کارفرما تھا جو ہمیشہ ہی آپ کا طرہ امتیاز رہا۔ امتحان میں کامیاب نہ ہونے کی ایک ظاہری وجہ یہ پیدا ہوئی کہ بائیس امیدوار شامل امتحان ہوئے تھے جن میں سے ایک نارائن سنگھ نامی امیدوار امتحان میں شرارت کرتے پکڑا گیا جس کی وجہ سے سب ہی امیدوار فیل کر دیئے گئے"۔ [۲۱]

حضرت اقدسؑ کی طرف سے تبلیغ اسلام کی مہم کا آغاز

قبل ازیں کم و بیش تیرہ سال سے آپ ناموس مصطفیٰ ﷺ کے تحفظ کے لئے جس معرکہ کی تیاری کر رہے تھے۔ سیالکوٹ کی سرزمین اس کا سب سے پہلا "میدان جنگ" بنی۔ ان دنوں حضور علیہ السلام لالہ بھیم سین سے مذہبی مسائل پر اکثر گفتگو فرماتے تھے بلکہ آپ نے تحریری رنگ میں بھی قرآن مجید کی سچائی ثابت کر کے ان کا حق رفاقت ادا کیا۔ چنانچہ ایک عرصہ ہوا لالہ صاحب آنجہانی کے بیٹے جناب لالہ کنور سین صاحب نے پرانے کاغذات سے حضور کا ایک تبلیغی مکتوب شیخ یعقوب علی صاحب عرفانیؓ کو بھجوایا تھا جس میں حضور نے سورۂ فاتحہ کی روشنی میں بت پرستی کے مسئلہ پر زبردست تنقید فرمائی ہے۔ [۲۲] پیغام حق پہنچانے کی دوسری مثال سیج

رام کے متعلق اوپر گذر چکی ہے جس کے اعادہ کی ضرورت نہیں ہے۔ لیکن حقیقت یہی ہے کہ سیالکوٹ میں آپ کی تبلیغی جدوجہد کا مرکز اکثر و بیشتر اس وقت کے جغادری عیسائی پادری اور مناد ہوتے تھے۔

پورے ہندوستان کو عیسائیت کے زیر نگیں کرنے کی برطانوی سازش

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف سے تبلیغ اسلام کی زبردست جدوجہد کے متعلق کچھ لکھنے سے پہلے یہ بتانا ضروری ہے کہ اس زمانہ میں عیسائیت کی پشت پر برطانوی حکومت کی پوری مشینری کام کر رہی تھی اور ہندوستان میں پنجاب کو اور پنجاب میں لدھیانہ اور سیالکوٹ کو عیسائیت کا مرکز بنا کر عیسائیت کا جال پھیلانے کی سرتوڑ کوششیں جاری تھیں۔

انگریزی پالیسی انگریز ہندوستان میں ابتداء ہی سے یہ پالیسی لے کر آئے تھے کہ وہ دولت و ثروت کے بل بوتے پر اس برصغیر پر قابض ہو جائیں اور یہاں اپنا دائمی اثر و اقتدار قائم کرنے کے لئے ایسا طبقہ پیدا کر دیں کہ جو رنگ و خون کے اعتبار سے ہندوستانی ہو مگر اپنے مذاق 'اپنی رائے' معاشرتی الفاظ اور سمجھ کے اعتبار سے انگریز ہو۔ برطانوی حکومت نے اس پالیسی پر ابتداء میں جس طرح عمل کیا وہ اس کی ڈپلومیسی کا شاہکار تھا۔ سرسید مرحوم نے "اسباب بغاوت ہند" میں ان کارروائیوں کو بڑی تفصیل سے بے نقاب کرتے ہوئے بتایا ہے کہ سب جانتے تھے کہ گورنمنٹ نے پادریوں کو مقرر کیا ہے ان کو تنخواہ دی جاتی ہے۔ دیگر اخراجات اور تقسیم کتب کے لئے بڑی بڑی رقمیں دی جاتی ہیں اور ہر طرح ان کے مددگار اور معاون ہیں۔ حکام شہر اور فوج کے افسر ماتحتوں سے مذہبی گفتگو کرتے تھے۔ اپنی کوٹھیوں پر بلا بلا کر پادریوں کا وعظ سنواتے تھے۔ غرضکہ اس بات نے یہاں تک ترقی پکڑی تھی کہ کوئی نہیں جانتا تھا کہ گورنمنٹ کی عملداری میں ہمارا یا ہماری اولاد کا مذہب قائم رہے گا"۔

ہندوستان کو عیسائیت کی آغوش میں دینے کی پالیسی جو ابھی تک خفیہ طور پر اختیار کی جاتی تھی ۱۸۵۷ء میں برطانوی پارلیمنٹ کے ایوانوں میں گونجنے لگی۔ چنانچہ پارلیمانی ممبر مسٹر ینگلس نے ان دنوں ایک تقریر میں کہا:

"خداوند تعالیٰ نے ہمیں یہ دن دکھایا ہے کہ ہندوستان کی سلطنت انگلستان کے زیر نگیں ہے تاکہ عیسیٰ مسیح کی فتح کا جھنڈا ہندوستان کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک لہرائے ہر شخص کو اپنی تمام

تر قوت تمام ہندوستان کو عیسائی بنانے کے عظیم الشان کام کی تکمیل میں صرف کرنی چاہئے اور اس میں کسی طرح تساہل نہیں کرنا چاہئے"۔ [۷۴]

ہنگامہ ۵۷ء کے فرو ہوتے ہی انگریزی حکمرانوں نے جس امر کی طرف مسلسل توجہ دی وہ تبلیغ عیسائیت کا معاملہ تھا ایک چرچ مشنری ہندوستان میں عیسائیت کے فروغ کی تاریخ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"غدر کی آگ کے بعد زیادہ مستحکم طور پر ایس پی جی نے دہلی میں اور سی ایم ایس نے لکھنؤ میں اپنے مرکز قائم کئے۔ اودھ میں مشنری خدمت کے لئے ہنری لارنس چیف کمشنر نے لکھنؤ میں لکھا جنہوں نے بنارس سے لیوپولٹ کو بھیج دیا۔ اور ۲۴۔ ستمبر ۱۸۵۸ء کو منٹگمری نے ایک جلسہ کرکے ۵،۰۰۰ پونڈ جمع کر لئے اور اودھ مشن کو تقویت پہنچائی"۔ [۷۵]

۱۸۶۲ء میں انگلستان کے وزیر اعظم لارڈ پامرسٹن اور وزیر ہند چارلس وڈ کی خدمت میں ایک وفد پیش ہوا جس میں دارالعلوم اور دارالامراء کے رکن اور دوسرے بڑے بڑے لوگ شامل تھے۔ انگلستان کے سب سے بڑے پادری آرچ بشپ آف کنٹربری نے اس وفد کا تعارف کرایا۔ وزیر ہند نے اس وفد سے خطاب کرتے ہوئے بتایا کہ:

"میرا یہ ایمان ہے کہ ہر وہ نیا عیسائی جو ہندوستان میں عیسائیت قبول کرتا ہے انگلستان کے ساتھ ایک نیا رابطہ اتحاد بنتا ہے اور ایمپائر کے استحکام کے لئے ایک نیا ذریعہ ہے"۔ [۷۶]

وزیر اعظم لارڈ پامرسٹن نے یہ بھی کہا کہ:

"میں سمجھتا ہوں کہ ہم سب اپنے مقصد میں متحد ہیں۔ یہ ہمارا فرض ہی نہیں بلکہ خود ہمارا مفاد بھی اس امر سے وابستہ ہے کہ ہم عیسائیت کی تبلیغ کو جہاں تک بھی ہو سکے فروغ دیں۔ اور ہندوستان کے کونے کونے میں اس کو پھیلا دیں"۔ [۷۷]

ان الفاظ کے بعد اس حقیقت میں کوئی شبہ نہیں رہ جاتا کہ ہندوستان سے انگلینڈ تک کے سب ہی انگریز افسر اپنی حکومت کے استحکام کا تمام تر راز عیسائیت کے فروغ میں سمجھتے تھے۔

پنجاب کو عیسائیت کیلئے قدرتی BASE قرار دیا گیا

مسیحی مشنریوں کی رپورٹوں سے ثابت ہے کہ وہ وسط ایشیا میں عیسائیت کی ترقی کے لئے پنجاب کو قدرتی بنیاد (Base) یقین کرتے تھے۔ چنانچہ رابرٹ کلارک نے لکھا ہے:

"پنجاب کی سرحدی لائن سے اور اسے اپنے کام کی بنیاد (Base) بنا کر عیسائیت ان مقامات تک

پھیل سکتی ہے جہاں ابھی اس کا نام تک نہیں پہنچا"۔

"وسط ایشیا میں عیسائیت کے تبلیغی کام کے لئے پنجاب ایک قدرتی بنیاد (Base) معلوم ہوتا ہے"۔ ۲۸

پنجاب کو صلیب کے جھنڈے تلے جمع کرنے کے لئے مرکزی مشن ابتداء لدھیانہ میں قائم کیا گیا۔ جس کے بعد پنجاب میں اگرچہ دیکھتے ہی دیکھتے صوبہ کے تمام مشہور شہروں میں مسیحی مشنوں کا قیام عمل میں آیا۔ گرجے تعمیر ہوئے اور لٹریچر کی اشاعت شروع ہو گئی۔

سیالکوٹ مشن کی خصوصیت

لیکن سیالکوٹ مشن کو ان میں ایک بھاری خصوصیت حاصل تھی کیونکہ یہ مشن (جو اسکاچ مشن تھا) ملک کی ایک دفاعی سکیم کے ماتحت جاری ہوا تھا جس کا واضح ثبوت یہ ہے کہ اسے فوجی افسروں کے مشورہ اور ایماء پر قائم کیا گیا تھا۔ چنانچہ ایک چرچ مشنری معترف ہیں کہ:

۱۸۵۶ء میں فوجی افسروں کی درخواست پر سکاچ مشن ۲۹ نے پنجاب کا رخ کیا جہاں دس سال کے اندر ۳۰ سیالکوٹ کو مرکز بنا کر گردو نواح کے پچاس میل دائرہ کے شہروں اور قصبوں میں سکول، یتیم خانے اور ڈسپنسریاں قائم کر دیں اور گردو پیش کے گاؤں میں تبلیغ کی جانے لگی"۔ ۳۱

چنانچہ عیسائیت نے بالخصوص سیالکوٹ کے حلقہ میں دس سال کے اندر یعنی ۱۸۶۶ء تک اپنی جڑیں مضبوط کر لیں۔ دراصل پورے پنجاب میں سیالکوٹ ہی ایک ایسا مقام تھا جس نے انگریزوں کے خلاف بغاوت میں ڈٹ کر حصہ لیا تھا۔ اس لئے انگریزوں کا قدرتی طور پر مفاد اسی میں تھا کہ پنجاب کے اس "بازوئے شمشیرزن" کو مفلوج کرنے کے لئے عیسائیت کی بکثرت اشاعت کریں۔ ملکہ وکٹوریہ نے ۱۸۵۷ء کے انہی واقعات سے متاثر ہو کر عفو عام، مساوات اور مذہبی آزادی کا ایک تاریخی اعلان کیا۔ جس کی رو سے ہندوستان میں ہر مذہب و ملت کو اپنے دینی عقائد پر عملدر آمد کرنے اور اشاعت و تبلیغ کرنے کی مکمل اجازت دی گئی تھی۔ انگریزی حکومت سیاسی لحاظ سے خواہ کس قدر فتنوں کے بپا لانے کا باعث ہوئی ملکہ کا یہ تاریخی اعلان ملک کے اہل فہم اور دینی مزاج رکھنے والے سنجیدہ طبقوں میں تشکر کے گہرے جذبات سے سنا گیا۔ یہ مذہبی آزادی ہر فرقہ کے لئے مساوی تھی جس سے ہر فرقہ نے اپنے مذہب کی ترقی و اشاعت کے لئے فائدہ اٹھایا۔ لیکن انگریزی حکومت سبھی فرقوں کو مذہبی آزادی دینے کے بعد اگر عیسائیت کی پشت پناہی کا خیال ترک کر دیتی تو اسے اپنی موت پر دستخط کرنا پڑتے۔ وہ بخوبی جانتی تھی کہ عیسائیت انگریزی اقتدار کا سہارا لئے بغیر اس برق رفتاری سے ہندوستان پر چھا نہیں سکتی۔ جس کا انگریزی حکومت کے مفاد تقاضا کرتے ہیں۔

دراصل ۱۸۵۷ء نے انگریز کو پوری طرح محسوس کروا دیا تھا کہ اگر عیسائیت کے فروغ کے لئے پوری جدوجہد کی جاتی تو ملک کی اکثریت عیسائیت کی چوکھٹ پر آجاتی اور اس قسم کے واقعات کی نوبت ہی نہیں آسکتی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ اس کے بعد انہوں نے پوری قوت سے اور صاف کھل کر عیسائیت کی پشت پناہی شروع کر دی اور پادریوں کی سرگرمیوں میں بے پناہ اضافہ ہوا۔ ایک پاکستانی ادیب لکھتے ہیں "انگریزوں کی غدر میں فتوحات کے بعد عیسائی مشنریوں کے حوصلے بہت بڑھ گئے تھے"۔ [۲۲] یہ اسی صورت حال کا لازمی نتیجہ تھا کہ خود ملک کے بعض منصف مزاج اور خدا ترس پادری برملا تسلیم کرتے تھے کہ اگر ۱۸۵۷ء کی مانند پھر غدر ہوا تو عماد الدین ایسے بدسگالوں کی بدزبانیوں اور بے ہودہ گوئیوں سے ہوگا۔ [۲۳] چنانچہ ۱۸۶۴ء میں ہنری لارنس کو جو قبل ازیں چیف کمشنر تھا اور ابتداء ہی سے عیسائیت کی ترقی واشاعت میں دیوانہ وار کوشش کرنا اپنا سیاسی فرض سمجھتا تھا ہندوستان کا وائسرائے بنا دیا گیا۔ یہ وہ شخص تھا جس کی قطعی رائے تھی کہ:

"غدر کے بھڑکانے میں سب سے بڑا سبب یہ تھا کہ برطانیہ حسب عادت اپنے مذہب کے معاملہ میں بزدلی دکھاتا رہا"۔ [۲۴]

وہ سرہربرٹ ایڈورڈز کے اس نظریہ کا پرجوش حامی تھا کہ "غدر کے برپا ہونے کی یہ وجہ نہیں تھی کہ عیسائیت کی تبلیغ کی گئی۔ بلکہ اس کی وجہ یہ تھی کہ عیسائیت کی تبلیغ نہیں کی گئی" [۲۵] ہنری لارنس ۱۸۶۴ء سے ۱۸۶۹ء تک وائسرائے رہا اور اس نے اپنے زمانہ اقتدار میں عیسائیت کے پھیلانے کی زبردست جدوجہد کی جس کا اعتراف خود فاضل مسیحی محققین کو ہے۔ ایک چرچ مشنری لکھتے ہیں کہ:

"جب ہنری لارنس وائسرائے مقرر ہوئے تو انہوں نے مسیحی تبلیغ کی اور وسیع کوشش کی"۔ [۲۶]

بہرحال یہ تھا سیالکوٹ کے تبلیغی "میدان جنگ" کا نقشہ اور ملکی سیاست کا ماحول۔ جس میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام قادیان سے سیالکوٹ تشریف لائے اور ایک عام سرکاری ملازم ہونے کے باوجود اس برطانوی اقدام کے خلاف تن تنہا پرجوش محاذ قائم کر لیا۔ اس زمانہ میں عیسائیت کے دفاع میں آپ کا ایک مناظرہ بلاشبہ حکومت وقت کے آئین سے نہیں اس کے مخصوص مفادات سے "بغاوت" کے مترادف تھا۔ جمعیتہ العلماء ہند کے ایک سابق ناظم مولانا سید محمد میاں صاحب لکھتے ہیں:

"رد عیسائیت بظاہر ایک واعظانہ اور مناظرانہ چیز ہے جس کو سیاست سے بظاہر کوئی تعلق نہیں لیکن غور کرو جب حکومت عیسائی گر ہو۔ جس کا نقطہ نظر ہی یہ ہو کہ سارا ہندوستان عیسائی مذہب اختیار کر لے اور اس کی تمنا دلوں کے پردوں سے نکل کر زبانوں تک آرہی ہو اور بے آئین اور جابر

حکومت کا فولادی پنجہ اس کی امداد کر رہا ہو تو یہی تبلیغی اور خالص مذہبی خدمت کس قدر سیاسی اور کتنی زیادہ سخت اور صبر آزما بن جاتی ہے۔ بلاشبہ ردعیسائیت کے سلسلہ میں ہر ایک مناظرہ، ہر ایک تبلیغ، ہر ایک تصنیف اغراض حکومت سے سراسر بغاوت تھی"۔ ۲۸

سیالکوٹ میں حضرت مسیح موعودؑ کا عیسائیت کے خلاف تبلیغی محاذ

اس زمانہ میں مسیحی مشن چونکہ نیا نیا پنجاب میں آیا تھا اس لئے مسلمان اس کے علم کلام اور دلائل سے اکثر نا آشنا تھے اور عیسائیت سے اکثر شکست کھا جاتے تھے۔ لیکن اس کے برعکس حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام ایسے مرد مجاہد سے جس مسیحی کی گفتگو ہوئی اسے خاموش ہونا پڑا۔ آپ صحیح معنوں میں سیالکوٹ کی پوری مذہبی فضاء پر چھائے ہوئے تھے اور عیسائی پادری آپ کے مدلل اور مسکت مباحثوں سے بالکل لاجواب ہو جاتے تھے۔ آپ کی بیٹھک کے قریب ہی ایک بوڑھے دکاندار فضل دین کی دکان تھی جہاں شام کو شہر کے اچھے اچھے سمجھدار لوگوں کا ایک ہجوم سا رہتا تھا۔ گاہے گاہے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی تشریف لاتے اور مشن سکول کے ہیڈ ماسٹر نصر اللہ نامی عیسائی سے مذہبی امور پر معلومات افزاء گفتگو فرماتے۔ ان دنوں حاجی پورہ میں ایک دیسی پادری الائشہ صاحب بھی ایک کوٹھی میں رہتے تھے۔ ایک دفعہ ان سے آپ کا ایک مختصر سا مگر فیصلہ کن مباحثہ بھی ہوا۔ پادری صاحب نے مباحثہ کا آغاز کرتے ہوئے دعویٰ کیا کہ عیسائیت قبول کئے بغیر نجات کا حصول ممکن نہیں۔ حضرت اقدسؑ نے جرح میں صرف یہ فرمایا کہ نجات کی مفصل تعریف بیان کیجئے۔ آپ کا بس اسی قدر فرمانا تھا کہ وہ صاحب دم بخود رہ گئے اور یہ کہتے ہوئے اٹھ کھڑے ہوئے کہ "میں اس قسم کی منطق نہیں پڑھا"۔

پادری بٹلر سے تبادلہ خیالات

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا سیالکوٹ میں جن پادریوں سے مذہبی تبادلہ خیالات کا سلسلہ جاری رہتا تھا ان میں پادری بٹلر ایم اے ممتاز تھے۔ پادری بٹلر سکاچ مشن کے بڑے نامی گرامی اور فاضل پادری تھے۔ ایک دفعہ حضرت اقدس سے ان کی اتفاقاً ملاقات ہو گئی۔ اثنائے گفتگو میں بہت کچھ مذہبی گفتگو ہوتی رہی۔ آپ کی تقریر اور دلائل نے پادری صاحب کے دل میں ایسا گھر کر لیا کہ ان کے دل میں آپ کی باتیں سننے کا بہت شوق پیدا ہو گیا۔ اکثر ایسا ہوتا کہ پادری صاحب دفتر کے آخری وقت میں حضور کی خدمت میں آجاتے اور پھر آپ سے باتیں کرتے کرتے آپ کی فرودگاہ تک پہنچ جاتے اور بڑی خوشی سے اس چھوٹے سے مکان میں جو عیسائیوں کی خوش منظر اور عالی شان کوٹھیوں کے مقابلہ میں ایک جھونپڑا سا تھا بیٹھے رہتے اور بڑی توجہ اور محویت و عقیدت سے باتیں سنا کرتے اور اپنی طرز معاشرت

کے تکلفات کو بھی اس جگہ بھول جاتے۔ بعض تنگ ظرف عیسائیوں نے پادری صاحب کو اس سے روکا اور کہا کہ اس میں آپ کی اور مشن کی خفت ہے آپ وہاں نہ جایا کریں۔ لیکن پادری صاحب نے بڑے حلم اور متانت سے جواب دیا کہ "یہ ایک عظیم الشان آدمی ہے کہ اپنی نظیر نہیں رکھتا تم اس کو نہیں سمجھتے میں خوب سمجھتا ہوں"۔ ۵۸

پادری بٹلر پر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پرنور شخصیت' بے مثال متانت و سنجیدگی اور زبردست قوت استدلال کا اس درجہ گہرا اثر تھا کہ جب وہ ولایت جانے لگے تو انہوں نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو الوداعی سلام کئے بغیر سیالکوٹ سے جانا گوارا نہ کیا۔ چنانچہ وہ دفتر کے اوقات میں محض آپ کی آخری زیارت کے لئے کچہری آئے اور ڈپٹی کمشنر کے پوچھنے پر بتایا کہ صرف مرزا صاحب کی ملاقات کے لئے آیا ہوں اور پھر جہاں آپ بیٹھے تھے وہیں سیدھے چلے گئے۔ اور کچھ دیر بیٹھ کر واپس چلے گئے۔ ۵۹

مذہبی تبادلہ خیالات کے دوران میں اکثر ضد و تعصب کی آگ بھڑک اٹھتی ہے لیکن آپ کچھ ایسے دلکش اور پیارے الفاظ میں عیسائیت کے متعلق گفتگو فرماتے کہ خود عیسائیوں میں سے حق پسند طبقہ کو لطف آجاتا اور وہ اختلاف رائے کے باوجود آپ کا گرویدہ ہو جاتا۔ ان دنوں مرزا مراد بیگ صاحب جالندھری مدیر اخبار "وزیر ہند" (جو ابتداء مرزا شکستہ تخلص کرتے تھے لیکن عیسائیوں سے مباحثات کے بعد مرزا موحد کہلائے) حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں اکثر حاضر ہوتے اور آپ کے علم کلام اور مسکت و معقول دلائل سے فیض یاب ہو کر اس سے اپنے رنگ میں اخباری دنیا کو روشناس کراتے۔ مرزا موحد حضرت اقدسؑ کے جوش ایمانی' اچھوتے طرز استدلال اور ناقابل تردید براہین پر حد درجہ فریفتہ تھے۔ جب سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سیالکوٹ سے تشریف لے آئے تو وہ قادیان میں بھی کئی بار آپ کی زیارت و استفادہ کے لئے حاضر ہوتے رہے۔ ۶۰

آپ کی پاکیزہ جوانی اور مقدس شباب کے متعلق چند شہادتیں

وہ مسلمان' ہندو اور سکھ یا عیسائی جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ ملازمت میں کچہری کے عملہ میں شامل تھے آپ کی امانت و دیانت' تقویٰ اور نیکی کے دل سے قائل تھے اور کوئی ایک بھی ایسا نہیں تھا جو آپ کی پاکیزہ جوانی اور مقدس شباب کا ثنا خواں اور مداح نہ ہو۔ ضلع کا سب سے بڑا افسر (ڈپٹی کمشنر) آپ کو غایت درجہ عزت و احترام کی نگاہ سے دیکھتا تھا۔ بلکہ ایک روایت سے یہاں تک معلوم ہوتا ہے کہ جب حضور

استعفیٰ دے کر واپس قادیان آنے لگے تو اس نے آپ کی مشایعت کے اعزاز میں تعطیل عام کر دی تھی کہ ایسا پاکباز شخص ان کے عملے سے مستعفی ہو کر جا رہا ہے۔ [61]

سرکاری افسروں اور ملازموں کے علاوہ سیالکوٹ کا ہر وہ شخص جسے آپ سے کبھی ملنے کا اتفاق ہوا آپ کی صالح اور درویشانہ طبیعت سے متاثر تھا۔ جن لوگوں کے مکانوں میں آپ نے ان دنوں قیام فرمایا وہ آپ کو ولی اللہ قرار دیتے تھے [62] سیالکوٹ کے علمی طبقہ میں تو آپ کو علم و فضل کا ایک نمایاں مقام حاصل تھا۔ اس زمانہ کی چند شہادتیں درج ذیل ہیں۔

پہلی شہادت سیالکوٹ میں ایک صاحب حکیم مظہر حسین صاحب تھے جو اگرچہ حضرت مسیح موعودؑ کے دعویٰ ماموریت پر دشمنان احمدیت کی صف اول میں چلے گئے تاہم حضور کے زمانہ سیالکوٹ کی پاکیزہ یاد وہ مخالفت کے ہجوم میں بھی فراموش نہیں کر سکے چنانچہ لکھتے ہیں:

"ثقہ صورت، عالی حوصلہ اور بلند خیالات کا انسان اپنی علو ہمتی کے مقابل کسی کا وجود نہیں سمجھتا۔ اندر قدم رکھتے ہی وضو کے لئے پانی مانگا اور وضو سے فراغت پا نماز ادا کی یا وظیفہ میں تھے"۔

درود وظائف کا لڑکپن سے شوق ہے مکتب کے زمانہ میں تحفہ ہند تحفۃ الہنود، خلعت الہنود وغیرہ کتابیں اور سنی اور شیعہ عیسائی مناظرہ کی کتابیں دیکھا کرتے تھے اور ہمیشہ آپ کا ارادہ تھا کہ کل مذاہب کے خلاف اسلام کی تائید میں کتابیں لکھ کر شائع کریں"۔ [63]

دوسری شہادت دوسری شہادت مشہور مسلم لیڈر مولوی ظفر علی صاحب آف زمیندار کے والد بزرگوار منشی سراج الدین صاحب مرحوم کی ہے:

"مرزا غلام احمد صاحب ۱۸۶۰ء یا ۱۸۶۱ء (؟) کے قریب ضلع سیالکوٹ میں محرر تھے اس وقت آپ کی عمر ۲۲-۲۳ سال ہوگی اور ہم چشم دید شہادت سے کہہ سکتے ہیں کہ جوانی میں بھی نہایت صالح اور متقی بزرگ تھے۔ کاروبار ملازمت کے بعد ان کا تمام وقت مطالعہ دینیات میں صرف ہوتا تھا۔ عوام سے کم ملتے تھے"۔ [64]

تیسری شہادت تیسری شہادت جو سب سے زیادہ اہمیت رکھتی ہے شمس العلماء مولانا سید میر حسن صاحب [65] مرحوم سیالکوٹی کی ہے۔ مولانا صاحب سیالکوٹ ہی میں نہیں ہندوستان بھر میں علوم مشرقی کے بلند پایہ عالم اور مسلمانوں میں ایک نہایت ممتاز شخصیت کے حامل تھے ڈاکٹر محمد اقبال ایسے شہرہ آفاق فلسفی شاعر ابتداء میں آپ ہی سے شرف تلمذ رکھتے تھے جس پر انہیں ہمیشہ ناز رہا۔ [66] جن دنوں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سیالکوٹ میں قیام پذیر تھے مولانا صاحب موصوف کو بھی حضور سے اکثر ملاقات کا موقعہ ملتا تھا۔ مولوی صاحب نے اس زمانہ میں حضور کو

بڑے قریب سے مطالعہ کیا اور دیکھا۔ وہ سرسید تحریک کے دلدادہ تھے مگر ان کے دل پر حضور کی بزرگی ' تقدس اور تقویٰ کا غیر معمولی اثر تھا اور وہ حضرت اقدسؑ کی بے حد عزت کیا کرتے تھے۔ [۶۷] ایک مکتوب میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ سیالکوٹ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"ادنیٰ تامل سے بھی دیکھنے والے پر واضح ہو جاتا تھا کہ حضرت اپنے ہر قول و فعل میں دوسروں سے ممتاز ہیں"۔ [۶۸]

ایک دفعہ حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانیؓ سیالکوٹ میں ان سے ملے تو انہوں نے چشم پر آب ہو کر فرمایا:

"افسوس ہم نے ان کی قدر نہ کی۔ ان کے کمالات روحانی کو بیان نہیں کر سکتا ان کی زندگی معمولی انسان کی زندگی نہ تھی۔ بلکہ وہ ان لوگوں میں سے تھے جو خدا تعالیٰ کے خاص بندے ہوتے ہیں اور دنیا میں کبھی کبھی آتے ہیں"۔ [۶۹]

مولوی سید میر حسن صاحب سیالکوٹی کے قلم سے حضورؑ کے زمانہ سیالکوٹ کے مفصل حالات

مولانا سید میر حسن صاحب مرحوم نے حضور کے قیام سیالکوٹ کے متعلق دو مفصل بیانات بھی لکھے جن سے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ سیالکوٹ پر تفصیلی روشنی پڑتی ہے اور جنہیں کوئی مورخ نظرانداز نہیں کر سکتا بلکہ حق یہ ہے کہ اس زمانہ کی تاریخ میں یہ قیمتی معلومات بنیادی لٹریچر کی حیثیت رکھتی ہیں۔

پہلا بیان (حضرت مرزا غلام احمد قادیانی مرحوم سیالکوٹ میں اور ان کا زمانہ قیام بتقریب ملازمت" کے عنوان سے)

"حضرت مرزا صاحب ۱۸۶۴ء میں بتقریب ملازمت شہر سیالکوٹ میں تشریف لائے اور قیام فرمایا۔ چونکہ آپ عزلت پسند اور پارسا اور فضول و لغو سے مجتنب اور محترز تھے اس واسطے عام لوگوں کی ملاقات جو اکثر تضیع اوقات کا باعث ہوتی تھی آپ پسند نہیں فرماتے تھے لالہ بھیم سین صاحب وکیل جن کے نانا مٹھن لال صاحب بٹالہ میں اکسٹرا اسسٹنٹ تھے ان کے بڑے رفیق تھے اور چونکہ بٹالہ میں مرزا صاحب اور لالہ صاحب آپس میں تعارف رکھتے تھے اس لئے سیالکوٹ میں بھی ان سے اتحاد کامل رہا۔ پس سب سے کامل دوست مرزا صاحب کے اگر اس شہر میں تھے تو لالہ صاحب ہی تھے۔ اور

چونکہ لالہ صاحب سلیم طبع اور لیاقت زبان فارسی اور ذہن رسا رکھتے تھے اس سبب سے بھی مرزا صاحب کو علم دوست ہونے کے باعث ان سے بہت محبت تھی۔

مرزا صاحب کی علمی لیاقت سے کچہری والے آگاہ نہ تھے مگر چونکہ اسی سال کے اوائل گرما میں ایک عرب نوجوان محمد صالح نام شہر میں وارد ہوئے اور ان پر جاسوسی کا شبہ ہوا تو ڈپٹی کمشنر صاحب نے (جن کا نام پرکسن تھا اور پھر وہ آخر میں کمشنر راولپنڈی کی کمشنری کے ہو گئے تھے) محمد صالح کو اپنے محکمہ میں بغرض تفتیش حالات طلب کیا۔ ترجمان کی ضرورت تھی۔ مرزا صاحب چونکہ عربی [۵۰] میں کامل استعداد رکھتے تھے اور عربی زبان میں تحریر و تقریر بخوبی کر سکتے تھے۔ اس واسطے مرزا صاحب کو بلا کر حکم دیا کہ جو جو بات ہم کہیں عرب صاحب سے پوچھو اور جو جواب وہ دیں اردو میں ہمیں لکھواتے جاؤ۔ مرزا صاحب نے اس کام کو کماحقہ ادا کیا اور آپ کی لیاقت لوگوں پر منکشف ہوئی۔

اس زمانہ میں مولوی الٰہی بخش صاحب کی سعی سے جو چیف محرر مدارس تھے (اب اس عہدہ کا نام ڈسٹرکٹ انسپکٹر مدارس ہے) کچہری کے ملازم منشیوں کے لئے ایک مدرسہ قائم ہوا کہ رات کو کچہری کے ملازم منشی انگریزی پڑھا کریں۔ ڈاکٹر امیر شاہ صاحب جو اس وقت اسسٹنٹ سرجن پنشنر ہیں استاد مقرر ہوئے۔ مرزا صاحب نے بھی انگریزی شروع کی اور ایک دو کتابیں انگریزی کی پڑھیں۔ [۵۱]

مرزا صاحب کو اس زمانہ میں بھی مذہبی مباحثہ کا بہت شوق تھا۔ چنانچہ پادری صاحبوں سے اکثر مباحثہ رہتا تھا۔ ایک دفعہ پادری الائشہ صاحب (سے) جو دیسی عیسائی پادری تھے اور حاجی پورہ سے جانب جنوب کی کوٹھیوں میں ایک کوٹھی میں رہا کرتے تھے مباحثہ ہوا۔ پادری صاحب نے کہا کہ عیسوی مذہب قبول کرنے کے بغیر نجات نہیں ہو سکتی۔ مرزا صاحب نے فرمایا نجات کی تعریف کیا ہے؟ اور نجات سے آپ کیا مراد رکھتے ہیں؟ مفصل بیان کیجئے۔ پادری صاحب نے کچھ مفصل تقریر نہ کی اور مباحثہ ختم کر بیٹھے اور کہا میں اس قسم کی منطق نہیں پڑھا۔

پادری بٹلر صاحب ایم اے سے جو بڑے فاضل اور محقق تھے مرزا صاحب کا مباحثہ بہت دفعہ ہوا۔ یہ صاحب موضع گوہد پور کے قریب رہتے تھے۔ ایک دفعہ پادری صاحب فرماتے تھے کہ مسیح کو بے باپ پیدا کرنے میں یہ سر تھا کہ وہ کنواری مریم کے بطن سے پیدا ہوئے اور آدم کی شرکت سے جو گنہگار تھا بری رہے۔ مرزا صاحب نے فرمایا کہ مریم بھی تو آدم کی نسل سے ہے پھر آدم کی شرکت سے بریت کیسے اور علاوہ ازیں عورت ہی نے تو آدم کو ترغیب دی جس سے آدم نے درخت ممنوع کا پھل کھایا اور گنہگار ہوا۔ پس چاہئے تھا کہ مسیح عورت کی شرکت سے بھی بری رہتے اس پر پادری صاحب خاموش ہو گئے۔

پادری بٹلر صاحب مرزا صاحب کی بہت عزت کرتے تھے اور بڑے ادب سے ان سے گفتگو کیا کرتے تھے۔ پادری صاحب کو مرزا صاحب سے بہت محبت تھی۔ چنانچہ پادری صاحب ولایت جانے لگے تو مرزا صاحب کی ملاقات کے لئے کچہری میں تشریف لائے۔ ڈپٹی کمشنر صاحب نے پادری صاحب سے تشریف آوری کا سبب پوچھا تو پادری صاحب نے جواب دیا کہ میں مرزا صاحب سے ملاقات کرنے کو آیا تھا۔ چونکہ میں وطن جانے والا ہوں اس لئے ان سے آخری ملاقات کروں گا۔ چنانچہ جہاں مرزا صاحب بیٹھے تھے وہیں چلے گئے اور فرش پر بیٹھے رہے اور ملاقات کر کے چلے گئے۔

چونکہ مرزا صاحب پادریوں کے ساتھ مباحثہ کو بہت پسند کرتے تھے اس واسطے مرزا شکستہ تخلص نے جو بعد ازاں موحد تخلص کیا کرتے تھے اور مراد بیگ [۵۲] نام جالندھر کے رہنے والے تھے مرزا صاحب کو کہا کہ سید احمد خاں صاحب نے تورات و انجیل کی تفسیر لکھی ہے آپ ان سے خط و کتابت کریں اس معاملہ میں آپ کو بہت مدد ملے گی۔ چنانچہ مرزا صاحب نے سرسید کو عربی میں خط لکھا۔

کچہری کے منشیوں سے شیخ اللہ داد صاحب مرحوم سابق محافظ دفتر سے بہت انس تھا اور نہایت پکی اور سچی محبت تھی۔ شہر کے بزرگوں سے ایک مولوی صاحب محبوب عالم نام سے جو عزلت گزین اور بڑے عابد اور پارسا اور نقشبندی طریق کے صوفی تھے مرزا صاحب کو دلی محبت تھی۔

چونکہ جس بیٹھک میں مرزا صاحب مع حکیم منصب علی کے جو اس زمانہ میں وثیقہ نویس تھے رہتے تھے اور وہ سر بازار تھی اور اس دکان کے بہت قریب تھی جس میں حکیم حسام الدین [۵۳] صاحب مرحوم سامان دوا سازی اور دوا فروشی اور مطب رکھتے تھے۔ اس سبب سے حکیم صاحب اور مرزا صاحب میں تعارف ہو گیا۔ چنانچہ حکیم صاحب نے مرزا صاحب سے قانونچہ اور موجز کا بھی کچھ حصہ پڑھا۔

چونکہ مرزا صاحب ملازمت کو پسند نہیں فرماتے تھے اس واسطے آپ نے مختاری کے امتحان کی تیاری شروع کر دی اور قانونی کتابوں کا مطالعہ شروع کیا پر امتحان میں کامیاب نہ ہوئے اور کیونکر ہوتے وہ دنیوی اشغال کے لئے بنائے نہیں گئے تھے۔ سچ ہے۔

ہر کسے را بہرے کارے ساختند

ان دنوں پنجاب یونیورسٹی نئی نئی قائم ہوئی تھی۔ اس میں عربی استاد کی ضرورت تھی۔ جس کی تنخواہ ایک سو روپیہ ماہوار تھی۔ میں نے ان کی خدمت میں عرض کی آپ درخواست بھیج دیں چونکہ آپ کی لیاقت عربی زباندانی کے لحاظ سے نہایت کامل ہے آپ ضرور اس عہدہ پر مقرر ہو جائیں گے۔ فرمایا میں مدرسی کو پسند نہیں کرتا کیونکہ اکثر لوگ پڑھ کر بعد ازاں بہت شرارت کے کام کرتے ہیں اور

علم کو ذریعہ اور آلہ ناجائز کاموں کا بناتے ہیں- میں اس آیت کی وعید سے بہت ڈرتا ہوں اُحْشُرُوا الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا وَاَزْوَاجَھُمْ اس جواب سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ کیسے نیک باطن تھے-

ایک مرتبہ کسی نے پوچھا کہ انبیاء کو احتلام کیوں نہیں ہوتا؟ آپ نے فرمایا کہ چونکہ انبیاء سوتے جاگتے پاکیزہ خیالوں کے سوا کچھ نہیں رکھتے اور ناپاک خیالوں کو دل میں آنے نہیں دیتے اس واسطے ان کو خواب میں بھی احتلام نہیں ہوتا-

ایک مرتبہ لباس کے بارے میں ذکر ہو رہا تھا- ایک کہتا کہ بہت کھلی اور وسیع موہری کا پاجامہ اچھا ہوتا ہے جیسا ہندوستانی اکثر پہنتے ہیں- دوسرے نے کہا کہ تنگ موہری کا پاجامہ بہت اچھا ہوتا ہے- مرزا صاحب نے فرمایا کہ: بلحاظ ستر عورت تنگ موہری کا پاجامہ بہت اچھا اور افضل ہے اور اس میں پردہ زیادہ ہے- کیونکہ اس کی تنگ موہری کے باعث زمین سے بھی ستر عورت ہو جاتا ہے- سب نے اس کو پسند کیا-

آخر مرزا صاحب نوکری سے دل برداشتہ ہو کر استعفیٰ دے کر ۱۸۶۸ء میں یہاں سے تشریف لے گئے- ایک دفعہ ۱۸۷۷ء میں آپ تشریف لائے اور لالہ بھیم سین صاحب کے مکان پر قیام فرمایا اور بتقریب دعوت حکیم میر حسام الدین صاحب کے مکان پر تشریف لائے-

اسی سال سر سید احمد خان صاحب غفرلہ نے قرآن شریف کی تفسیر شروع کی تھی- تین رکوع کی تفسیر یہاں میرے پاس آچکی تھی- جب میں اور شیخ اللہ داد صاحب مرزا صاحب کی ملاقات کے لئے لالہ بھیم سین صاحب کے مکان پر گئے تو اثنائے گفتگو میں سر سید صاحب کا ذکر شروع ہوا- اتنے میں تفسیر کا ذکر بھی آگیا- راقم نے کہا کہ تین رکوعوں کی تفسیر آئی جس میں دعا اور نزول وحی کی بحث آگئی ہے- فرمایا "کل جب آپ آویں تو تفسیر لیتے آویں" جب دوسرے دن وہاں گئے تو تفسیر کے دونوں مقام آپ نے سنے اور سن کر خوش نہ ہوئے اور تفسیر کو پسند نہ کیا-

اس زمانہ میں مرزا صاحب کی عمر راقم کے قیاس میں تخمیناً ۲۴ سے کم اور ۲۸ سے زیادہ نہ تھی غرضکہ ۱۸۶۴ء میں آپ کی عمر ۲۸ سے متجاوز نہ تھی- راقم میر حسن"- [۵۴]

دوسرا بیان

"حضرت مرزا صاحب پہلے محلہ کشمیریاں میں جو اس عاصی پر معاصی کے غریب خانہ کے بہت قریب ہے عمرا نامی کشمیری کے مکان پر کرایہ پر رہا کرتے تھے کچہری سے جب تشریف لاتے تھے تو قرآن مجید کی تلاوت میں مصروف ہوتے تھے- بیٹھ کر کھڑے ہو کر ٹہلتے ہوئے تلاوت کرتے تھے اور زار زار رویا کرتے تھے- ایسی خشوع اور خضوع سے تلاوت کرتے تھے کہ اس کی نظیر نہیں ملتی- حسب عادت زمانہ- صاحب حاجات جیسے اہلکاروں کے پاس جاتے ہیں ان کی خدمت میں

بھی آجایا کرتے تھے اس عمرا مالک مکان کے بڑے بھائی فضل الدین نام کو جو فی الجملہ محلہ میں موقر تھا آپ بلا کر فرماتے۔ میاں فضل الدین ان لوگوں کو سمجھادو کہ یہاں نہ آیا کریں نہ اپنا وقت ضائع کیا کریں اور نہ میرے وقت کو برباد کیا کریں۔ میں کچھ نہیں کر سکتا۔ میں حاکم نہیں ہوں۔ جتنا کام میرے متعلق ہوتا ہے کچہری میں ہی کر آتا ہوں فضل الدین ان لوگوں کو سمجھا کر نکال دیتے۔ مولوی عبدالکریم صاحب بھی اسی محلہ میں پیدا ہوئے اور جوان ہوئے جو آخر میں مرزا صاحب کے خاص مقربین میں شمار کئے گئے۔

اس کے بعد وہ مسجد جامع کے سامنے ایک بیٹھک میں بمعہ منصب علی حکیم کے رہا کرتے تھے۔ وہ (یعنی منصب علی۔ خاکسار مؤلف) وثیقہ نویس کے عہدہ پر ممتاز تھے۔ بیٹھک کے قریب ایک شخص فضل الدین نام بوڑھے دکاندار تھے جو رات کو بھی دکان پر ہی رہا کرتے تھے ان کے اکثر احباب شام کے بعد آتے سب اچھے ہی آدمی ہوتے تھے۔ کبھی کبھی مرزا صاحب بھی تشریف لایا کرتے تھے اور گاہ گاہ نصر اللہ نام عیسائی جو ایک مشن سکول میں ہیڈ ماسٹر تھے آجایا کرتے تھے۔ مرزا صاحب اور ہیڈ ماسٹر کی اکثر بحث مذہبی امور میں ہو جاتی تھی۔ مرزا صاحب کی تقریر سے حاضرین مستفید ہوتے تھے۔

مولوی محبوب عالم صاحب ایک بزرگ نہایت پارسا اور صالح اور مرتاض شخص تھے۔ مرزا صاحب ان کی خدمت میں بھی جایا کرتے تھے اور لالہ بھیم سین صاحب وکیل کو بھی تاکید فرماتے تھے کہ مولوی صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا کرو۔ چنانچہ وہ بھی مولوی صاحب کی خدمت میں کبھی کبھی حاضر ہوا کرتے تھے۔ جب کبھی بیعت اور پیری مریدی کا تذکرہ ہوتا تو مرزا صاحب فرمایا کرتے تھے کہ انسان کو خود سعی اور محنت کرنی چاہئے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَالَّذِیْنَ جَاهَدُوْا فِیْنَا لَنَهْدِیَنَّهُمْ سُبُلَنَا مولوی محبوب عالم صاحب اس سے کشیدہ ہو جایا کرتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ بیعت کے بغیر راہ نہیں ملتی۔

دینیات میں مرزا صاحب کی سبقت اور پیش روی تو عیاں ہے مگر ظاہری جسمانی دوڑ میں بھی آپ کی سبقت اس وقت کے حاضرین پر صاف ثابت ہو چکی تھی۔

اس کا مفصل حال یوں ہے کہ ایک دفعہ کچہری برخواست ہونے کے بعد جب اہلکار گھروں کو واپس ہونے لگے تو اتفاقاً تیز دوڑنے اور مسابقت کا ذکر شروع ہو گیا۔ ہر ایک نے دعویٰ کیا کہ میں بہت دوڑ سکتا ہوں۔ آخر ایک شخص بلا سنگھ نام نے کہا کہ میں سب سے دوڑنے میں سبقت لے جاتا ہوں۔ مرزا صاحب نے فرمایا کہ میرے ساتھ دوڑو تو ثابت ہو جائے گا کہ کون بہت دوڑتا ہے۔ آخر شیخ اللہ داد صاحب منصف مقرر ہوئے اور یہ امر قرار پایا کہ یہاں سے شروع کر کے اس پل تک جو کچہری کی سڑک اور شہر میں حد فاصل ہے ننگے پاؤں دوڑو۔ جوتیاں ایک آدمی نے اٹھالیں اور پہلے ایک شخص اس پل پر

بھیجا گیا تاکہ وہ شہادت دے کہ کون سبقت لے گیا اور پہلے پل پر پہنچا۔ مرزا صاحب اور بلا سنگھ ایک ہی وقت میں دوڑے اور باقی آدمی معمولی رفتار سے پیچھے روانہ ہوئے۔ جب پل پر پہنچے تو ثابت ہوا کہ حضرت مرزا صاحب سبقت لے گئے اور بلا سنگھ پیچھے رہ گیا"۔ [۵۵]

ملازمت سے استعفیٰ سیالکوٹ کا زمانہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک روحانی ٹریننگ کا زمانہ تھا۔ جس میں آپ کے ہاتھوں پادریوں سے معرکہ آرائی کا آغاز ہونا مقدر تھا۔ اس لئے جب اللہ تعالیٰ کے فیصلہ اور تقدیر کے مطابق یہ چار سالہ دور ختم ہونے کو آیا تو ۱۸۶۷ء میں آپ کے والد بزرگوار کے دل میں جدائی کا زخم جو آہستہ آہستہ مندمل ہو گیا تھا یکایک تازہ ہو گیا اور انہوں نے ایک آدمی بھجوا کر اپنے چہیتے فرزند کو ملازمت سے استعفیٰ دے کر واپس آجانے کی فوری ہدایت دی۔ یہاں کیا دیر تھی چار سال کی طویل مدت میں ایک ایک گھڑی اسی انتظار میں گذر رہی تھی کہ واپسی کا فرمان آئے تو اس دور اسیری کا خاتمہ ہو۔ چنانچہ آپ یہ ارشاد ملتے ہی ملازمت سے مستعفی ہو کر سیالکوٹ سے قادیان کو چل دیئے اور اپنے والد صاحب کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام خود تحریر فرماتے ہیں کہ:

"آخر چونکہ میرا جدا رہنا میرے والد صاحب پر بہت گراں تھا اس لئے ان کے حکم سے جو عین میری منشاء کے مطابق تھا میں نے استعفیٰ دے کر اپنے تئیں اس نوکری سے جو میری طبیعت کے مخالف تھی سبکدوش کر دیا اور پھر والد صاحب کی خدمت میں حاضر ہو گیا.... بقول صاحب مثنوی رومی وہ تمام ایام سخت کراہت اور درد کے ساتھ میں نے بسر کئے ۔

من بہر جمعیتے نالاں شدم　　　جفت خوشحالاں و بد حالاں شدم
ہر کسے از ظن خود شد یار من　　　وز درون من نجست اسرار من [۵۶]

حضرت چراغ بی بی صاحبہ رحمہا اللہ کا انتقال

حضرت مرزا غلام مرتضیٰ صاحب ؒ نے جب حضور کو استعفیٰ دے کر واپس چلے آنے کا پیغام بھجوایا تو حضور کی والدہ ماجدہ سخت بیمار تھیں حضرت مسیح موعود علیہ السلام پیغام سنتے ہی فوراً سیالکوٹ سے روانہ ہو گئے۔ امرت سر پہنچے تو قادیان کے لئے تانگہ کا انتظام کیا۔ اسی اثناء میں قادیان سے ایک اور آدمی بھی آپ کو لینے کے لئے امرت سر پہنچ گیا۔ اس آدمی نے یکہ بان سے کہا کہ یکہ جلدی چلاؤ کیونکہ ان کی حالت بہت نازک تھی۔ پھر تھوڑی دیر کے بعد کہنے لگا بہت ہی نازک حالت تھی جلدی کرو کہیں فوت نہ ہو گئی ہوں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو یہ سنتے ہی یقین ہو گیا کہ آپ کی والدہ ماجدہ کا انتقال ہو چکا ہے۔ چنانچہ قادیان پہنچے تو معلوم ہوا کہ آپ کی مشفق و مہربان اور جان سے پیاری والدہ آپ سے ہمیشہ کے لئے جدا ہو چکی ہیں [۵۷] حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانیؓ نے "حیات النبی" میں یہ واقعہ یوں بیان کیا ہے کہ "میراں بخش حجام کو آپ کے پاس بھیجا گیا اور اسے کہہ دیا گیا تھا کہ وہ یک دم حضرت والدہ مکرمہ کی وفات کی خبر حضرت مسیح موعودؑ کو نہ سنائے چنانچہ جس وقت بٹالہ سے نکلے تو حضور کو حضرت والدہ صاحبہ کی علالت کی خبر دی یکہ پر سوار ہو کر جب قادیان کی طرف آئے تو اس نے یکہ والے کو کہا کہ بہت جلد لے چلو۔ حضرت نے پوچھا کہ اس قدر جلدی کیوں کرتے ہو؟ اس نے کہا کہ ان کی طبیعت بہت ناساز تھی۔ پھر تھوڑی دور چل کر اس نے یکہ والے کو اور تاکید کی کہ بہت ہی جلدی لے چلو۔ تب پھر پوچھا۔ اس نے پھر کہا کہ ہاں طبیعت بہت ہی ناساز تھی کچھ نزع کی سی حالت تھی۔ خدا جانے ہمارے جانے تک زندہ رہیں یا فوت ہو جائیں۔ پھر حضرت خاموش ہو گئے۔ آخر اس نے پھر یکہ والا کو سخت تاکید شروع کی تو حضرت نے کہا کہ تم اصل واقعہ کیوں بیان نہیں کر دیتے کیا معاملہ ہے۔ تب اس نے کہا کہ اصل میں مائی صاحبہ فوت ہو گئی تھیں اس خیال سے کہ آپ کو صدمہ نہ ہو یک دم خبر نہیں دی۔ حضرت نے سن کر انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھ دیا اور یہ خدا کی رضاء میں محو اور مست قلب اس واقعہ پر ہرچند کہ وہ ایک حادثہ عظیم تھا سکون اور تسلی سے بھرا رہا"۔ [۵۸]

حضرت کی والدہ ماجدہؓ کے اخلاق و شمائل

حضرت چراغ بی بی صاحبہؓ ایمہ ضلع ہوشیار پور کے ایک معزز مغل خاندان سے تعلق رکھتی تھیں۔ قناعت، شجاعت، عفت، مروت، وسعت حوصلہ، استغناء، فیاضی اور مہمان نوازی آپ کی نمایاں خصوصیات تھیں۔ شہر کے مفلوک الحال اور پسماندہ طبقہ کی ضروریات کے مہیا کرنے میں انہیں خاص قلبی و روحانی مسرت حاصل ہوتی تھی۔ غرباء کے مردوں کو کفن ہمیشہ ان کے ہاں سے ملتا

تھا۔ ان کی دور اندیشی اور معاملہ فہمی مشہور تھی۔ وہ حضرت مرزا غلام مرتضیٰ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے لئے بہترین مشیر اور غمگسار تھیں اور آپ بھی اپنی ہیبت اور شوکت و جلال کے باوجود خانہ داری کے معاملات میں ان کی خلاف مرضی کوئی بات نہیں کرتے تھے۔ [۵۹]

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو چونکہ ابتداء ہی سے خلوت گزینی' ذکر الٰہی اور مطالعہ سے ہر لحہ شغف تھا اور اپنے والد صاحب کے دنیوی مشاغل اور دوسرے کاروبار میں حصہ لینے سے طبعاً متنفر تھے اس لئے گھر میں "ملاں" کہلاتے تھے۔ لیکن آپ کی والدہ محترمہؓ کو آپ سے بڑی محبت تھی۔ وہ آپ کی نیکی' تقویٰ شعاری' پاک زندگی اور سعادت مندی پر سو جان سے قربان ہو جاتیں اور آپ کی ہر قسم کی ضرورتوں کا خاص خیال رکھتی تھیں۔ چنانچہ ان کی زندگی میں آپ کو کبھی کچھ کہنے کی نوبت نہیں آئی۔ کیونکہ وہ ابتداء ہی سے جانتی تھیں کہ آپ اپنے گھر کے دوسرے افراد کے مقابل بالکل درویش طبع ہیں اور اپنی ضروریات کا کسی سے اظہار کرنا آپ کو ہرگز پسند نہیں۔ جب تک زندہ رہیں آپ کے لئے (ظاہری لحاظ سے) سپر بنی رہیں۔ والد خفگی کا اظہار کرتے تو ماں کی مامتا فرط محبت سے جوش میں آجاتی۔ حضور جب والد بزرگوار کے اصرار پر سیالکوٹ آگئے تو باقاعدہ آپ کے لئے کپڑے وغیرہ بنا کر بھجواتی رہیں۔ غرضکہ ان کا وجود آپ کے لئے سایہ رحمت تھا۔ دوسری طرف حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو بھی آپ سے بے پناہ محبت تھی۔ جب کبھی ان کا ذکر فرماتے آپ کی آنکھوں سے آنسو رواں ہو جاتے تھے۔ شیخ یعقوب علی صاحب عرفانیؓ کا چشم دید بیان ہے کہ حضور علیہ السلام ایک مرتبہ سیر کی غرض سے اپنے پرانے خاندانی قبرستان کی طرف نکل گئے۔ راستہ سے ہٹ کر آپ ایک جوش کے ساتھ اپنی والدہ صاحبہؓ کے مزار پر آئے اور اپنے خدام سمیت ایک لمبی دعا فرمائی۔ حضور جب کبھی حضرت والدہ صاحبہ کا ذکر فرماتے تو آپ چشم پر آب ہو جاتے [۶۰] حضرت والدہ صاحبہ نہایت خدا رسیدہ اور بزرگ خاتون تھیں۔ ان کی ایک کرامت حضرت مسیح موعود علیہ السلام یہ بیان فرمایا کرتے تھے کہ "جب بڑے مرزا صاحب (یعنی حضرتؑ کے والد۔ ناقل) کشمیر میں ملازم تھے تو کئی دفعہ ایسا ہوا کہ ہماری والدہ نے کہا کہ آج میرا دل کہتا ہے کہ کشمیر سے کچھ آئے گا تو اسی دن کشمیر سے آدمی آگیا اور بعض اوقات تو ایسا ہوا کہ ادھر والدہ صاحبہ نے یہ کہا اور ادھر دروازہ پر کسی نے دستک دی۔ دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ کشمیر سے آدمی آیا ہے"۔ [۶۱]

حضرت مریم صدیقہؓ سے معنوی مشابہت

حضرت سیدہ چراغ بی بی صاحبہ رضی اللہ عنہا کا روحانی مقام تو اس سے ظاہر ہے کہ آپ کے بطن مبارک سے مسیح محمدیؑ ایسا عظیم الشان وجود پیدا ہوا جس سے آفاق عالم روشن ہو گئے

لیکن ایک حیرت انگیز معنوی مشابہت آپ کو حضرت مسیح موسوی کی والدہ (حضرت مریمؑ) سے بھی حاصل تھی۔ اور وہ یہ کہ مریم کے ایک معنی "سمندر کا ستارا" [۶۲] کے بھی ہیں اور آپ کا اسم مبارک چراغ بی بی تھا۔ روشنی اور نور کے مفہوم میں متحد ہونے کے باوجود ان دونوں ناموں میں کھلا کھلا تفاوت ہے جس میں حکمت یہ ہے کہ حضرت مسیح کی آمد بنی اسرائیل میں دور نبوت کے خاتمہ پر ہوئی تھی اور وہ موسوی سلسلہ کی آخری کڑی تھے۔ اس لئے حضرت مسیح ناصری کی والدہ ستارہ تھیں جو فی نفسہ روشن ہوتا ہے مگر کسی اور وجود میں اپنی روشنی منتقل نہیں کر سکتا۔ لیکن حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے وجود سے چونکہ قیامت تک ہزاروں اور کروڑوں شمعوں کا روشن ہونا مقدر تھا۔ اس لئے حضور کی والدہ ماجدہ کا نام آسمان پر چراغ بی بی رکھا گیا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کیا خوب فرماتے ہیں۔

خدایا تیرے فضلوں کو کروں یاد بشارت تو نے دی اور پھر یہ اولاد
کہا ہرگز نہیں ہوں گے یہ برباد بڑھیں گے جیسے باغوں میں ہوں شمشاد

بشارت تو نے مجھ کو بار ہا دی
فسبحان الذی اخزی الاعادی

تاریخ وفات کی تعیین

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے خاندان کا ایک قلمی روزنامچہ حال ہی میں دریافت ہوا ہے جس کے اکثر اندراجات مرزا غلام قادر صاحب مرحوم کے قلم سے ہیں۔ انہوں نے اس میں حضرت والدہ صاحبہ کی تاریخ وفات ۱۲۔ ذی الحج ۱۲۸۳ھ (مطابق ۱۸۔ اپریل ۱۸۶۷ء) لکھی ہے۔

مزار مبارک

آپ کا مزار مبارک حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قدیم خاندانی مقبرہ میں موجود ہے جو مقامی عید گاہ کے پاس ہے اور قادیان سے مغرب کی طرف واقع ہے اس قبرستان کے ایک حصہ کا خاکہ یہ ہے:

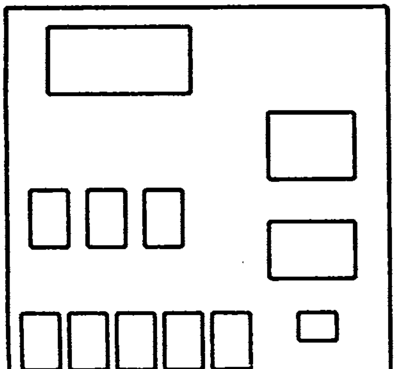

۱۔ احاطہ مزار شاہ عبداللہ غازیؒ و فرزند شاہ صاحب موصوف
۲۔ مائی صاحب جان صاحبہ۔ بیوہ مرزا غلام حیدر صاحب چچی حضرت اقدسؑ
۳۔ مرزا غلام قادر صاحب برادر کلاں حضرت اقدسؑ
۴۔ حضرت چراغ بی بی صاحبہؒ
۵۔ حضرت مرزا گل محمد صاحب پردادا حضرت مسیح پاکؑ

۶- مرزا غلام محی الدین صاحب چچا حضرت اقدسؑ ۷- مراد بی بی صاحبہؓ ہمشیرہ حضرت اقدسؑ
۸- جنت بی بی صاحبہ ہمشیرہ حضرت اقدسؑ ۹- مرزا غلام حیدر صاحب چچا حضرت اقدسؑ
۱۰- اہلیہ مرزا گل محمد صاحب پردادی حضرت اقدسؑ ۱۱- مائی لاڈلی بیگم صاحبہؓ عرف مائی لاڈو اہلیہ مرزا عطا محمد صاحبؓ

۱۲- مرزا عطا محمد صاحبؓ [۲۳] وفات ۲۷- ربیع الاول ۱۲۸۰ھ بمطابق ۱۲- ستمبر ۱۸۶۲ء (قلمی روزنامچہ خاندان مسیح موعود)

حواشی

۱۔ قادیان سے دو میل کے فاصلے پر ایک گاؤں
۲۔ سیرۃ المہدی حصہ اول صفحہ ۴۸ طبع اول و تذکرۃ المہدی صفحہ ۳۲ حصہ دوم
۳۔ "حیات النبی" جلد اول صفحہ ۵۸
۴۔ سیرۃ المہدی حصہ سوم صفحہ ۹۲۔ ضلع سیالکوٹ کے بعض سرکاری کاغذات سے پتہ چلتا ہے کہ حضور کا عہدہ نائب شیرف کا تھا۔ (سیرت المہدی حصہ چہارم صفحہ ۳۹، غیر مطبوعہ)
۵۔ کتاب البریہ صفحہ ۱۵۳، ۱۵۴ طبع اول ۱۸۹۸ء ضیاء الاسلام پریس قادیان
۶۔ سیرت المہدی حصہ اول صفحہ ۲۳۶
۷۔ یہ مکان بعد میں ماسٹر عبد العزیز صاحب مرحوم نے خرید لیا تھا۔ ماسٹر صاحب جماعت سیالکوٹ کے ایک فرد تھے اور اب بہشتی مقبرہ میں آرام فرما رہے ہیں۔
۸۔ حیات النبی جلد اول نمبر دوم صفحہ ۱۷۰ و سیرۃ المہدی حصہ سوم صفحہ ۹۳
۹۔ سیرت المہدی حصہ سوم صفحہ ۲۳۵، ۲۳۶
۱۰۔ ایضاً صفحہ ۹۳-۹۴
۱۱۔ حیات النبی جلد اول نمبر دوم صفحہ ۱۷۰
۱۲۔ حقیقۃ الوحی طبع اول صفحہ ۲۹۶
۱۳۔ حیات النبی جلد اول نمبر ۲ صفحہ ۱۱۰
۱۴۔ سیرت المہدی حصہ سوم صفحہ ۹۳
۱۵۔ الفضل ۸۔ اکتوبر ۱۹۲۸ء صفحہ ۶ کالم ۳
۱۶۔ سیرت المہدی حصہ سوم صفحہ ۹۴
۱۷۔ الفضل ۸۔ اکتوبر ۱۹۲۵ء صفحہ ۶ کالم نمبر ۳
۱۸۔ تریاق القلوب صفحہ ۵۷ تصنیف ۱۸۹۹ء۔ اشاعت ۱۹۰۲ء و براہین احمدیہ طبع اول صفحہ ۲۵۶ مطبوعہ ۱۸۸۰ء
۱۹۔ تریاق القلوب صفحہ ۵۷ و براہین احمدیہ طبع اول صفحہ ۲۵۶
۲۰۔ سیرۃ المہدی صفحہ ۱۷۹ حصہ سوم بروایت پنڈت دیوی رام۔
۲۱۔ ایضاً
۲۲۔ حیات النبی جلد اول نمبر دوم صفحہ ۱۶۳۔
۲۳۔ تاریخ التعلیم صفحہ ۸۷ از میجر باسو بحوالہ "علماء حق اور ان کے مجاہدانہ کارنامے" صفحہ ۳۸ از سید محمد میاں صاحب ناظم جمعیۃ العلماء ہند اشاعت ستمبر ۱۹۴۶ء۔
۲۴۔ "علمائے حق اور ان کے مجاہدانہ کارنامے" مرتبہ مولانا سید محمد میاں صاحب ناظم جمعیۃ العلماء ہند صفحہ ۲۵-۲۶ مطبوعہ دلی پرنٹنگ ورکس دلی۔
۲۵۔ تاریخ بشارت الہند و پاکستان صفحہ ۱۶۵ (شائع کردہ پنجاب ریلیجنس بک سوسائٹی) ۱۹۴۹ء
۲۶۔ The Mission by R.Clark London صفحہ ۲۳۴ (مطبوعہ ۱۹۰۴ء) بحوالہ انگریز اور بانی سلسلہ احمدیہ مؤلفہ مولانا عبد الرحیم صاحب درد
۲۷۔ ایضاً

۲۸- ایضاً صفحہ ۲۴۵
۲۹- سکاچ مشن ۱۸۲۹ء میں سکاٹ لینڈ کے ایک مشنری انگر نذر ڈف کے ذریعہ سے ہندوستان میں قائم ہوا تھا (بشارت السندو پاکستان صفحہ ۲۳۷)
۳۰- یاد رہے کہ ۱۸۵۷ء سے ہنگامہ میں سیالکوٹ چھاؤنی میں جو افواج متعین تھیں ان کے بڑے بڑے انگریز فوجی افسروں میں پادری ہنٹر کا نام بھی شامل ہے (روزنامہ امروز ۱۳- مئی ۱۹۵۷ء)
۳۱- (تاریخ بشارت السندو پاکستان صفحہ ۲۴۱)
۳۲- "سید عطاء اللہ شاہ بخاری" مولفہ شورش کاشمیری صفحہ ۱۸۷ ناشر مکتبہ چٹان لاہور طبع اول ستمبر ۱۹۵۶ء۔
۳۳- شمس الاخبار لکھنؤ باہتمام پادری کریونی صاحب بحوالہ کتاب البریہ صفحہ ۱۰۴۔
۳۴- مصنفہ رابرٹ کلارک مطبوعہ لندن ۱۸۸۵ء صفحہ ۲۹۴ Punjab and Sindh Mission
۳۵- The Missions by R. Clark
۳۶- بشارت السندو پاکستان صفحہ ۱۶۵۔
۳۷- "علمائے حق اور ان کے مجاہدانہ کارنامے"۔ صفحہ ۳۶
۳۸- "حضرت مسیح موعودؑ کے مختصر حالات" مشمولہ براہین احمدیہ حصہ اول طبع چہارم صفحہ ۶۹ (مرتبہ معراج الدین صاحبؓ) نیز الحکم ۷- اپریل ۱۹۳۴ء صفحہ نمبر ۳
۳۹- "سیرت مسیح موعودؑ" (مولفہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ) صفحہ ۱۴ طبع چہارم
۴۰- "حیات احمد" جلد اول نمبر ۲ صفحہ ۴۱-۴۲ (مولفہ حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانیؓ)
۴۱- روایات صحابہ (غیر مطبوعہ) جلد دہم صفحہ ۱۳۴
۴۲- الفضل ۸- اکتوبر ۱۹۲۵ء صفحہ ۶
۴۳- الحکم ۷- اپریل ۱۹۳۴ء صفحہ ۳
۴۴- اخبار زمیندار مئی ۱۹۰۸ء بحوالہ بدر ۲۵- جون ۱۹۰۸ء صفحہ ۱۳
۴۵- ولادت ۱۸- اپریل ۱۸۴۴ء وفات ۲۵- دسمبر ۱۹۲۹ء ان کی وفات پر ڈاکٹر اقبال نے مادہ تاریخ نکالا "ما ارسلنک الا رحمتہ اللعلمین"
۴۶، ۴۷- ذکر اقبال (مولانا عبد المجید صاحب سالک) طبع اول صفحہ ۱۹، ۲۷ ایضاً صفحہ ۲۷۸- ناشر بزم اقبال کلب روڈ لاہور ۱۹۵۵ء۔
۴۸- مکتوب ۲۶- نومبر ۱۹۲۲ء بنام حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ۔ منقول از سیرۃ المہدی حصہ اول صفحہ ۲۷۰ طبع دوم ۱۹۳۵ء۔
۴۹- الحکم ۷- اپریل ۱۹۳۴ء صفحہ ۳
۵۰- یہ ایک نسبتی تبصرہ ہے جس سے صرف یہ مراد ہے کہ اس وقت سیالکوٹ کے ایک خاص حلقہ میں حضرت اقدس کی عربی استعداد دوسروں کی نسبت اچھی تھی اور آپ ایک حد تک عربی میں اپنا مافی الضمیر ادا کر سکتے تھے کیونکہ آپ نے حصول علم کے لئے کسی بڑے مرکز یا شہر کا سفر اختیار نہیں کیا تھا۔
۵۱- اس کا یہ مطلب نہیں کہ حضور انگریزی خواں تھے۔ صرف یہ مطلب ہے کہ آپ کو حروف شناسی آگئی تھی کیونکہ ابتدائی زمانہ میں انگریزی کی جو پہلی کتاب ہوتی تھی اس میں صرف انگریزی کے حروف تہجی کی شناخت کروائی جاتی تھی اور دوسری کتاب میں حروف جوڑ کر آسان الفاظ بنانے کی ابتدائی مشق ہوتی تھی۔ حقیقت یہ ہے کہ حضور کو ابتداء ہی سے انگریزی زبان سے کوئی مناسبت اور دلچسپی نہیں تھی۔ دعویٰ مسیحیت کے بعد ایک مرتبہ محض تبلیغ اسلام کی غرض سے آپ کو انگریزی پڑھنے کا ضرور خیال آیا۔ یہ تجویز بھی فرمائی کہ انجیل متی کی انگریزی عبارت کو اردو حروف میں لکھا جائے اور ہر لفظ کے نیچے اس کے معنی دیئے جائیں۔ اس غرض کے لئے انجیل متی کے دو چار باب بعض انگریزی خواں دوستوں میں تقسیم بھی کئے گئے تھے لیکن کچھ عرصہ کے بعد خود ہی فرمایا کہ "میں نے خود انگریزی پڑھنے کے ارادہ کو ترک کر دیا ہے تاکہ یہ ثواب ہمارے انگریزی خواں دوستوں کے

واسطے مخصوص رہے"۔ (ذکر حبیب صفحہ ۴۳'۴۴ مولفہ حضرت مفتی محمد صادق صاحبؓ و سیرت المہدی حصہ اول طبع دوم صفحہ ۱۵۹) نیز یہ بھی فرمایا کہ "انگریزی چالیس تہجد کی نمازوں میں آجاتی ہے"۔ (حیات النبی جلد اول نمبر ۲ صفحہ ۱۷۲)

۵۲- منشور محمدی ۱۵- صفر المظفر ۱۳۰۰ھ صفحہ ۴۲ میں ان کا ایک قصیدہ شائع ہوا ہے۔ جس میں ان کا نام یوں لکھا گیا "عالم اعلم فاضل افضل مولانا مرزا موحد صاحب جالندھری اخبار نویس"

۵۳- حضرت میر حامد شاہ صاحب سیالکوٹی ؓ کے والد بزرگوار جنہیں ۱۸۶۴ء سے حضرت مسیح موعودؑ سے والہانہ عقیدت تھی اور آخر وقت تک رہی۔ آپ نے چونکہ حضور کی عملی زندگی کا بچشم خود مشاہدہ کیا ہوا تھا اس لئے حضور کی زبان مبارک سے دعوٰی ماموریت کا اعلان سنتے ہی حضرت کے غلاموں میں شامل ہو گئے۔ حضرت اقدس نے "لیکچر سیالکوٹ" میں انہیں اس زمانہ کے مخلص دوست اور بزرگ قرار دیا تھا۔

۵۴- سیرۃ المہدی حصہ اول صفحہ ۱۵۴ (طبع اول دسمبر ۱۹۲۳ء) و حیات النبی جلد اول صفحہ ۵۹-۶۲ (مطبوعہ اکتوبر ۱۹۱۵ء)

۵۵- سیرت المہدی حصہ اول طبع ثانی صفحہ ۲۷۰-۲۷۲

۵۶- کتاب البریہ طبع ثانی صفحہ ۱۵۳-۱۵۵ حاشیہ

۵۷- سیرت المہدی حصہ اول صفحہ ۴۳-۴۴ (طبع ثانی) بروایت حضرت ام المومنین نور اللہ مرقدہا۔

۵۸- حیات النبی جلد اول نمبر دوم صفحہ ۱۴۲

۵۹- حیات النبی جلد اول نمبر دوم صفحہ ۱۴۰' ۱۴۲۔

۶۰- حیات النبی جلد اول نمبر دوم صفحہ ۱۴۳۔

۶۱- سیرت المہدی حصہ اول صفحہ ۷' ۸ طبع دوم

۶۲- تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو صداقت مریمیہ صفحہ ۳۲ مولفہ میاں معراج الدین صاحب عمرؓ طبع اول مطبوعہ ۱۹۱۵ء ہلالی پریس دہلی

۶۳- سیرت المہدی حصہ سوم صفحہ ۱۷۶

باب ہفتم

سیالکوٹ کے بعد قادیان میں حضرت اقدسؑ کی دینی مصروفیات

(۱۸۶۷ تا ۱۸۷۱)

سیالکوٹ سے واپسی کے بعد حضرت اقدسؑ کو آپ کے والد بزرگوار نے پھر زمینداری کے کاموں اور مقدمات وغیرہ میں لگا دیا اور یہ سلسلہ کم و بیش آٹھ نو برس تک کسی نہ کسی صورت میں جاری رہا۔[۱] یہاں تک ان کی وفات (۱۸۷۶ء) کے بعد قریباً منقطع ہو گیا مقدمات کے اس دوسرے دور میں بھی بعض آسمانی نشانات کا ظہور ہوا۔ مثلاً (۱۸۶۸ء) ہی کا واقعہ ہے کہ ایک مقدمہ کے متعلق (جو آپ کے والد بزرگوار کی طرف سے اپنے زمینداری حقوق کے متعلق دائر کیا گیا تھا) بذریعہ خواب ڈگری ہونے کی خبر دی گئی جو غیر معمولی رنگ میں پوری ہوئی۔[۲] اسی طرح ایک مقدمہ میں دعا کے بعد آپ کو ایک حفیظ نامی لڑکا دکھایا گیا۔ چنانچہ وہ مقدمہ رفع دفع ہو گیا۔ وغیرہ[۳]

حضرت مرزا غلام مرتضیٰ صاحب مرحوم نے جب ابتداءً مقدمات میں قدم رکھا تو اس وقت انہیں اپنے مقاصد میں کامیابی کا قوی امکان ہو سکتا تھا۔ لیکن اب جو ایک عرصہ تک ان مقدمات کی کشمکش میں الجھنے کے بعد جب انہیں صریح ناکامی ہوئی اور جائیداد بھی غارت ہوتی دکھائی دینے لگی تو نہ صرف بشاشت کا پہلا سا رنگ نہ رہا بلکہ اس کے برعکس وہ سخت غمگین رہنے لگے۔ اپنی رفیقہ حیات کے ہمیشہ کے لئے جدا ہونے کا غم مزید بر آں تھا۔ اقتصادی اور معاشرتی صدمات میں چور چور تھے۔ اور ان کی گذشتہ کوششوں کے بھیانک اور تلخ نتائج ان کے سامنے تھے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے سیالکوٹ سے واپس آکر جہاں گذشتہ دستور کے مطابق قرآن و حدیث کا خود مطالعہ جاری رکھا وہاں آپ اس مطالعہ میں اپنے والد بزرگوار کو شریک کرتے ہوئے انہیں بھی قرآن و حدیث سنانا شروع کر دیا۔[۴] باپ اور بیٹے کی یہ قال اللہ اور قال الرسول کے وعظ و تلقین کی عجیب مجلسیں کتنی پر کیف ہوتی ہوں گی قلم ان کا نظارہ کھینچنے سے قاصر ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ان کوششوں اور

گذشتہ ناکامیوں پر مخلوط تاثرات و جذبات کا نتیجہ تھا کہ عمر کے آخری دور میں آپ دنیاداری کے ان جھمیلوں سے سخت دل برداشتہ ہو کر سابقہ بے التفاتی کی تلافی کی طرف متوجہ ہو گئے۔ جوں جوں عمر گذرتی گئی دنیاداری کے خلاف نفرت و حقارت میں بھی اضافہ ہو تا گیا۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام اپنی سوانح حیات میں تحریر فرماتے ہیں:

"اور جب میں حضرت والد صاحب مرحوم کی خدمت میں پھر حاضر ہوا تو بدستور ان ہی زمینداری کے کاموں میں مصروف ہو گیا مگر اکثر حصہ وقت کا قرآن شریف کے تدبر اور تفسیروں اور حدیثوں کے دیکھنے میں صرف ہو تا تھا اور بسا اوقات حضرت والد صاحب کو وہ کتابیں سنایا بھی کرتا تھا۔ اور میرے والد صاحب اپنی ناکامیوں کی وجہ سے اکثر مغموم اور مہموم رہتے تھے۔ انہوں نے پیروی مقدمات میں ستر ہزار کے قریب روپیہ خرچ کیا جس کا انجام آخر ناکامی تھا۔ کیونکہ ہمارے بزرگوں کے دیہات مدت سے ہمارے قبضہ سے نکل چکے تھے اور ان کا واپس آنا ایک خیال خام تھا۔ اسی نامرادی کی وجہ سے حضرت والد صاحب مرحوم ایک نہایت عمیق گرداب غم اور حزن اور اضطراب میں زندگی بسر کرتے تھے اور مجھے ان حالات کو دیکھ کر ایک پاک تبدیلی پیدا کرنے کا موقعہ حاصل ہو تا تھا کیونکہ حضرت والد صاحب کی تلخ زندگی کا نقشہ مجھے اس بے لوث زندگی کا سبق دیتا تھا جو دنیوی کدورتوں سے پاک ہے۔ اگرچہ حضرت مرزا صاحب کے چند دیہات ملکیت باقی تھے اور سرکار انگریزی کی طرف سے کچھ انعام بھی سالانہ مقرر تھا اور ایام ملازمت کی پنشن بھی تھی۔ مگر جو کچھ وہ دیکھ چکے تھے اس لحاظ سے وہ سب کچھ ہیچ تھا۔ اسی وجہ سے وہ ہمیشہ مغموم اور محزون رہتے تھے اور بارہا کہتے تھے کہ جس قدر میں نے اس پلید دنیا کے لئے سعی کی ہے اگر میں وہ سعی دین کے لئے کرتا تو شاید آج قطب وقت یا غوث وقت ہو تا۔ اور اکثر یہ شعر پڑھا کرتے تھے ۔

عمر بگذشت و نماندست جزایامے چند بہ کہ در یاد کسے صبح کنم شامے چند

اور میں نے کئی دفعہ دیکھا کہ وہ ایک اپنا بنایا ہوا شعر رقت کے ساتھ پڑھتے تھے اور وہ یہ ہے:

از در تو اے کس ہر بیکسے
نیست امیدم کہ روم نا امید

اور کبھی درد دل سے یہ شعر اپنا پڑھا کرتے تھے۔

باب دیدہ عشاق و خاکپائے کسے
مرا دلے ست کہ درخوں تپد بجائے کسے ۵

ریاست کپورتھلہ کے سررشتہ تعلیم کی افسری سے انکار

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سیالکوٹ سے ملازمت ترک کرکے قادیان تشریف لائے تو کچھ عرصہ بعد آپ کو ریاست کپورتھلہ کی طرف سے سررشتہ تعلیم کی افسری کی پیشکش کی گئی جسے حضور نے ٹھکرادیا اور حضرت والد صاحب قبلہ کی خدمت میں عرض کیا۔

"میں کوئی نوکری کرنی نہیں چاہتا ہوں دو جوڑے کھدر کے کپڑوں کے بنادیا کرو اور روٹی جیسی بھی ہو بھیج دیا کرو"۔

یہ فیصلہ جب ان تک پہنچا تو انہوں نے ایک شخص میاں غلام نبی کو نہایت رقت بھرے دل کے ساتھ مخاطب کرتے ہوئے کہا "میاں غلام نبی میں خوش تو اسی پر ہوں سچی راہ تو یہی ہے جس پر یہ چل رہا ہے"۔[۶]

یاد الٰہی کیلئے حضرت والد صاحب سے کلیتہ فراغت کی درخواست

جب آپ دنیوی مقدمات اور ملازمت وغیرہ کے جھمیلوں سے تنگ آگئے تو آپ نے اپنے والد صاحب مرحوم کی خدمت میں درخواست لکھی کہ آپ کو حیات مستعار کے بقیہ دن یاد الٰہی میں بسر کرنے کی اجازت دی جائے اور دنیاداری کے معاملات میں شرکت سے بالکل مستثنیٰ قرار دیا جائے۔ آپ نے یہ درخواست اس زمانہ کے دستور کے مطابق فارسی زبان میں لکھی تھی جس کے الفاظ یہ ہیں:

"حضرت والد مخدوم من سلامت! مراسم غلامانہ و قواعد فدویانہ بجا آوردہ معروض حضرت والا میکند۔ چونکہ دریں ایام برای العین مے بینم و بچشم سرمشاہدہ میکنم کہ در ہمہ ممالک و بلاد ہر سال چناں وبائے مے افتد کہ دوستاں را از دوستاں و خویشاں را از خویشاں جدا میکند۔ وہیچ سالے نمے بینم کہ ایں نائرہ عظیم و چنیں حادثہ الیم در آں سال شور قیامت نیفگند۔ نظر براں دل از دنیا سرد شدہ است و رواز خوف جان زرد و اکثر ایں دو مصرعہ شیخ مصلح الدین شیرازی بیاد مے آیند و اشک حسرت ریختہ میشود

مکن تکیہ بر عمر ناپائے دار مباش ایمن از بازی روزگار

و نیز ایں دو مصرعہ ثانی از دیوان فرخ قادیانی نمک پاش جراحت دل میشود ؎

بدنیائے دوں دل مبند اے جواں کہ وقت اجل مے رسد ناگہاں

لہٰذا میخواہم کہ بقیہ عمر در گوشہ تنہائی نشینم و دامن از صحبت مردم بچینم و بیاد او سبحانہ مشغول شوم مگر گذشتہ را عذرے و مافات را تدارکے شود۔

عمر بگذشت و نماند است جز از گاے چند - بہ کہ در یاد کسے صبح کنم شامے چند
کہ دنیا را اساسے محکم نیست و زندگی را اعتبارے نے و ایس من خاف علی نفسه من آفَةِ غَيْرِه والسلام ۷

ترجمہ: مخدومی حضرت والد صاحب سلامت! غلامانہ مراسم اور فدویانہ آداب کی بجا آوری کے بعد آپ کی خدمت میں یہ عرض کرتا ہوں کہ ان دنوں یہ امر مشاہدہ میں آ رہا ہے اور ہر روز یہ بات دیکھی جا رہی ہے کہ تمام ممالک اور قطعات زمین میں ہر سال اس قسم کی وباء پھوٹ پڑتی ہے جو دوستوں کو دوستوں سے اور رشتہ داروں کو رشتہ داروں سے جدا کر دیتی ہے اور ان میں دائمی مفارقت ڈال دیتی ہے اور کوئی سال بھی اس بات سے خالی نہیں گذرتا کہ عظیم الشان آگ اور المناک حادثہ ظاہر نہ ہوتا ہو یا اس کی تباہی کی وجہ سے شور قیامت بپا نہ ہوتا ہو - یہ حالات دیکھ کر میرا دل دنیا سے سرد ہو گیا ہے اور چہرہ غم سے زرد - اور اکثر حضرت شیخ سعدی شیرازی رحمتہ اللہ علیہ کے یہ دو مصرعہ زبان پر جاری رہتے ہیں اور حسرت و افسوس کی وجہ سے آنکھوں سے آنسو بہ پڑتے ہیں

مکن تکیہ بر عمر ناپائے دار مباش ایمن از بازی روزگار

(ناپائیدار عمر پر بھروسہ نہ کر اور زمانے کے کھیل سے بے خوف نہ ہو) نیز فرخ قادیانی کے دیوان سے یہ دو مصرعہ بھی میرے زخموں پر نمک پاشی کرتے رہتے ہیں) ۸

بدنیائے دوں دل مبند اے جواں کہ وقت اجل مے رسد ناگہاں

(اپنے دل کو دنیائے دوں میں نہ لگا کیونکہ موت کا وقت ناگہاں پہنچ جاتا ہے) اس لئے میں چاہتا ہوں کہ باقی عمر گوشہ تنہائی اور کنج عزلت میں بسر کروں اور عوام اور ان کی مجالس سے علیحدگی اختیار کروں اور اللہ تعالیٰ سبحانہ کی یاد میں مصروف ہو جاؤں تا تلافی مافات کی صورت پیدا ہو جائے۔

عمر بگذشت و نماند است جز ایامے چند بہ کہ در یاد کسے صبح کنم شامے چند

(عمر کا اکثر حصہ گذر گیا ہے اور اب چند دن باقی رہ گئے ہیں - بہتر ہے کہ یہ چند روز کسی کی یاد میں بسر ہوں) کیونکہ دنیا کی کوئی پختہ بنیاد نہیں - زندگی کا کوئی اعتبار نہیں اور حیات مستعار پر کوئی اعتماد نہیں ہے جس شخص کو اپنا فکر ہو اسے کسی آفت کا کیا غم) - ۹

محض للہ مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی سے مناظرہ سے دست کشی اور مستقبل کے متعلق ایک نہایت اہم خدائی بشارت

۱۸۶۸ء و ۱۸۶۹ء کا واقعہ ہے کہ مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی جب دلی سے تحصیل علم کر کے واپس اپنے وطن بٹالہ آئے تو اہل حدیثوں کے خلاف ہندوستان کے دوسرے مقامات میں جو

عوامی جذبات تھے وہ بٹالہ میں بھی ابھر آئے۔ اور حنفیوں نے ان کا ڈٹ کر مقابلہ کیا۔ مگر ان معرکوں میں اکثر مولوی صاحب کا پلہ بھاری رہتا۔ اسی دوران میں حسن اتفاق یہ ہوا کہ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کسی کام کے سلسلہ میں بٹالہ میں مقیم ہوئے۔ آپ کو اس نوعیت کے مذہبی اکھاڑوں سے چنداں کوئی دلچسپی نہ تھی۔ لیکن ایک شخص کے اصرار پر آپ کو بھی تبادلہ خیالات کے لئے مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی کے مکان پر جانا پڑا۔ دیکھا کہ مولوی صاحب اور ان کے والد مسجد میں ہیں اور سامعین کا ایک ہجوم مباحثہ کے لئے بیتاب ہے۔ حضور مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی کے سامنے بیٹھ گئے اور مولوی صاحب سے پوچھا کہ آپ کا دعویٰ کیا ہے؟ مولوی صاحب نے کہا کہ میرا دعویٰ یہ ہے کہ قرآن مجید سب سے مقدم ہے۔ اس کے بعد اقوال رسولؐ کا درجہ ہے اور میرے نزدیک کتاب اللہ اور حدیث رسول اللہؐ کے مقابل کسی انسان کی بات قابل حجت نہیں ہے۔ حضور نے یہ سن کر بے ساختہ فرمایا کہ آپ کا یہ اعتقاد معقول اور ناقابل اعتراض ہے۔ حضور کا یہ کہنا ہی تھا کہ لوگوں نے دیوانہ وار شور مچا دیا کہ ہار گئے ہار گئے۔ جو شخص آپ کو ساتھ لے گیا تھا وہ سخت طیش سے بھر گیا کہ آپ نے ہمیں ذلیل اور رسوا کیا۔ مگر آپ کوہ وقار بنے رہے اور اس ہنگامہ آرائی کی ذرہ بھر پروا نہ کرتے ہوئے فرمایا کہ کیا میں یہ کہوں کہ امت کے کسی فرد کا قول حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے قول پر مقدم ہے؟ اور اس طرح محض خدا کی خاطر سلسلہ بحث سے گریز اختیار کر لیا۔ جو دنیائے مناظرہ میں اپنی طرز کی پہلی مثال ہے۔ [10]

چونکہ آپ نے یہ دستکشی خالصتاً خدا اور رسول کی رضاء کے لئے کی تھی اس لئے خالق کائنات نے بھی عرش سے اس پر خوشنودی کا اظہار فرماتے ہوئے آپ کو الہاماً خبر دی۔

"تیرا خدا تیرے اس فعل سے راضی ہوا اور وہ تجھے بہت برکت دے گا یہاں تک کہ بادشاہ تیرے کپڑوں سے برکت ڈھونڈیں گے"۔ [11]

اس کے بعد کشفی رنگ میں حضور کو وہ بادشاہ بھی دکھلائے گئے جو گھوڑوں پر سوار تھے اور چھ سات سے کم نہ تھے ان بادشاہوں میں ہندوستان' عرب' ایران' شام اور روم کے بادشاہ بھی شامل تھے۔ [12] اس نظارہ کے بعد آپ کو خدا تعالیٰ کی طرف سے بتایا گیا کہ یہ لوگ تیری تصدیق کریں گے اور تجھ پر ایمان لائیں گے اور تجھ پر درود بھیجیں گے اور تیرے لئے دعائیں کریں گے [13] یاد رہے یہ وہی بٹالہ ہے جہاں حضور کو بچپن میں والد بزرگوار کی خفگی کے باعث دو ماہ تک پناہ گزین رہنا پڑا تھا۔ بہرحال اس الہام میں (جو موجودہ تحقیق کی رو سے اولین الہامات میں سے ہے) اسلام کے شاندار اور عالمگیر غلبہ اور عروج و اقبال کی خبر دی گئی ہے جو اگرچہ اس وقت تک پردہ غیب میں ہے۔ لیکن زمین و آسمان کے

شہنشاہ کی خاص تقدیروں میں سے ہے جسے دنیا کی کوئی بڑی سے بڑی حکومت بھی اپنی تدبیروں سے بدل نہیں سکتی اور ہرگز نہیں بدل سکتی۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام پر بعد میں الہاماً یہ بھی انکشاف فرمایا گیا کہ اسلامی غلبہ و استیلاء کا یہ زمانہ تین سو سال کے اندر اندر بہرحال آجائے گا۔ خدا کا یہ نوشتہ کب اور کس شکل میں پورا ہوگا یہ قبل از وقت بات ہے جس کی تفصیل مستقبل کا مورخ ہی بیان کر سکتا ہے۔

عیسائیت کی روک تھام

۱۸۶۷ء میں جبکہ حضور سیالکوٹ میں قیام پذیر تھے بابو یوحنا نامی مسیحی کے ذریعہ سے (جو میزان الحق کے مصنف ڈاکٹر فنڈر کی وساطت سے حلقہ بگوش عیسائیت ہوا تھا) بٹالہ میں عیسائی مشن قائم ہوا[۱۲۷] اس مشن نے قائم ہوتے ہی مسلمانوں میں ارتداد کا جال پھیلانا شروع کر دیا۔ سیالکوٹ کے دور کے برعکس یہاں آپ نے ابتداء میں براہ راست عیسائی پادریوں سے کسی مباحثہ میں حصہ نہیں لیا۔ بلکہ آپ کی زیادہ تر کوشش یہی رہی کہ آپ کے ماحول میں کچھ ایسے لوگ تیار ہو جائیں جو عشق رسولؐ کا جذبہ لے کر آگے آئیں اور اشاعت حق و توحید کے لئے ہروقت چوکس اور بیدار رہیں۔ بٹالہ میں ان دنوں منشی نبی بخش صاحب پٹواری رہا کرتے تھے جنہیں بڑی مذہبی غیرت تھی اور عیسائیوں سے گفتگو کرنے کا شوق بھی۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام نے انہیں تردید عیسائیت میں بعض الزامی اور تحقیقی جوابات سکھائے اور انہیں اجازت دی کہ وہ بے شک ایک عیسائی مناظر کی حیثیت سے دل کھول کر اعتراض کریں اور آپ سے ہر مسئلہ میں جواب حاصل کریں۔ اگر تسلی نہ ہو تو دوبارہ پوری قوت سے اس پر جرح کریں۔ حضور کے اس آزادانہ طریق کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان میں حضور کی خاص توجہ اور التفات سے عیسائیوں سے مباحثہ کرنے کی ایک قوت پیدا ہو گئی۔ میاں نبی بخش صاحب مرحوم کہتے تھے کہ حضرت اقدس کے پاس مرزاپور کی چھپی ہوئی بائبل تھی جسے آپ نے کئی مرتبہ پڑھا تھا۔ حضور بعض اوقات خود بائبل پر نشان کرتے یا اقتباسات الگ تحریر فرما دیتے تھے جنہیں میں خوب یاد کر لیتا اور لکھ لیتا تھا۔ حضرت اقدس مجھ کو عیسائیوں کے اعتراضات کے الزامی اور تحقیقی دونوں پہلوؤں پر مشتمل جوابات بتاتے تھے الزامی جوابات کے متعلق آپ کا ارشاد یہ ہوتا تھا کہ جب تم کسی جلسہ عام میں پادریوں سے مباحثہ کرو تو ان کو ہمیشہ الزامی جواب دو۔ اس لئے کہ ان لوگوں کی نیت نیک نہیں ہوتی اور لوگوں کو گمراہ کرنا۔ اسلام سے بدظن کرنا اور آنحضرت ﷺ پر حملہ کرنا مقصود ہے۔ پس ایسے موقعہ پر الزامی جواب ان کا منہ بند کر دیتا ہے۔ اور عوام جو اس وقت محض تماشے کے طور پر جمع ہو جاتے ہیں ایسے جواب سے متاثر ہو کر ان کے رعب میں نہیں آتے۔ لیکن اگر کسی ایسے شخص سے گفتگو کرو جو ان سے متاثر ہو تو اس کو ہمیشہ

تحقیقی جواب پہلے دو اور اس پر مقابلہ کر کے دکھاؤ کہ اسلام اور عیسائیت کی تعلیم میں کیا فرق ہے۔ ایسے لوگوں کو اگر الزامی جواب پہلے دیا جائے تو وہ ٹھوکر کھا سکتے ہیں کہ حقیقی جواب کوئی نہیں۔

مولوی قدرت اللہ کا ارتداد اور واپسی

اسی اثناء میں آپ کو یہ خبر سن کر دلی صدمہ ہوا کہ بٹالہ کے ایک مولوی قدرت اللہ نامی نے اسلام چھوڑ کر عیسائیت اختیار کر لی ہے۔ ۱۵ حضور نے منشی نبی بخش صاحب ہی کو جو یہ خبر لانے والے تھے کافی دیر تک تاکیدی ارشاد فرمایا کہ مولوی صاحب کو سمجھا کر واپس اسلام میں لائیں اور اگر میری ضرورت ہوئی تو میں خود وہاں جانے کو تیار ہوں۔ منشی صاحب نے عرض کیا کہ ان کے بپتسمہ لینے میں کچھ دنیوی اغراض لپٹی ہوئی ہیں اور قبول عیسائیت کا یہ قصہ حق و صداقت کی بنیاد پر مبنی نہیں ہے۔ لیکن حضور نے فرمایا کہ اگر مالی مدد بھی دینی پڑے تو چندہ کر لو۔ میں بھی شریک ہو جاؤں گا۔ اس کے نام کے ساتھ مولوی کا لفظ ہے عوام پر اس کا برا اثر پڑتا ہے۔ منشی نبی بخش صاحب نے عرض کیا کہ اگر ان سے مباحثہ کرنے میں کچھ سختی کرنا پڑی تو کیا کچھ سخت الفاظ بھی استعمال کر لوں۔ حضور نے فرمایا کہ سختی کرنے سے بعض اوقات دل سخت ہو جاتا ہے اور پھر ایسے لوگوں کا واپس آنا مشکل ہو جاتا ہے۔ اس لئے نرمی اور تالیف قلوب کا سلوک کرو۔ یہ ضدی طبع ہوتے ہیں اپنی ضد میں آ کر حق اور ناحق کی پروا نہیں کرتے۔ منشی صاحب کو مولوی صاحب کے حق کی طرف رجوع دلانے کی بار بار تاکید کرتے ہوئے آپ نے فرمایا کہ اسلام سے کسی کا مرتد ہو جانا ایک بڑا امر ہے جس کو سرسری نہیں سمجھنا چاہئے۔ ہمیں تو دوسروں کو اسلام میں لانا چاہئے اگر ہماری غفلت سے مسلمان مرتد ہو جائے تو ہم سب خدا تعالیٰ کے حضور اس کے لئے جوابدہ ہوں گے۔

منشی نبی بخش صاحب مرحوم کو حضور نے یہ بھی ہدایت فرمائی کہ تم جا کر کوشش کرو میں دعا کروں گا۔ اور تم اس سے تنہا ملو۔ لوگوں کے سامنے نہ ملنا اور بحث نہ کرنا۔ منشی نبی بخش صاحب کا بیان ہے کہ میں نے حضور کی قیمتی نصائح و ہدایات پر عمل کیا چنانچہ نتیجہ یہ ہوا کہ بالآخر مولوی قدرت اللہ صاحب واپس اسلام میں آ گئے جس سے حضرت اقدس کو بڑی خوشی ہوئی۔

اس زمانہ میں حضور کی توجہ سے جنہیں صلیبی تحریک کے دفاع کی طرف توجہ پیدا ہوئی ان میں آپ کے صاحبزادے مرزا سلطان احمد صاحب مرحوم بھی تھے۔ وہ بالالتزام اور پورے ذوق و شوق سے "منشور محمدی" وغیرہ اخبار میں مضامین لکھنے لگے اور موقعہ ملنے پر عیسائی مشنریوں سے مباحثہ بھی کر لیتے تھے۔ ۱۶ حضرت مرزا سلطان احمد صاحب مرحوم کا بیان ہے کہ "شرک کے خلاف حضرت کو اس قدر جوش تھا کہ اگر ساری دنیا کا جوش ایک پلڑے میں اور حضرت کا جوش دوسرے پلڑے میں ہو تو

آپ کا پلڑا بھاری ہو گا"۔ [۱۷]

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ان بالواسطہ سرگرمیوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ اگرچہ قادیان میں عیسائی مشنری پادری بیٹ وغیرہ آجایا کرتے تھے مگر انہیں حضرت اقدس سے مذہبی گفتگو کرنے کی جرات نہیں ہوتی تھی۔ بلکہ وہ یہاں آتے اور بازاروں میں وعظ کر کے واپس چلے جاتے تھے۔ وہ اس بات سے مایوس تھے کہ قادیان میں بھی کوئی شخص عیسائی ہو جائے گا۔ پادری بیٹ مین کو توقع پیدا ہوئی کہ قادیان کا بھائی کشن سنگھ عیسائیت قبول کر لے گا۔ لیکن جب اسے معلوم ہوا کہ وہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سے راہ و رسم رکھتا ہے تو اس نے صاف کہہ دیا کہ کشن سنگھ کے خیالات مرزا صاحب نے بگاڑ دیئے ہیں مطلب یہ کہ حضرت مرزا صاحبؑ کے زیر اثر ہونے کی وجہ سے کشن عیسائیت کا شکار ہرگز نہیں ہو سکتا۔ [۱۸]

لالہ شرمپت کے لئے ایک آسمانی نشان

قادیان میں جو ہندو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس اکثر حاضر ہوا کرتے تھے۔ ان میں قادیان کی آریہ سماج کے سیکرٹری لالہ شرمپت اور لالہ ملاوامل بالخصوص قابل ذکر ہیں۔ [۱۹] یہ دونوں اصحاب حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے متعدد آسمانی نشانوں کے گواہ بنے اور آپ نے اپنی کتابوں میں ان کی شہادتیں درج فرمائیں جن سے وہ آریوں کے شدید دباؤ کے باوجود آخری وقت تک انکار نہ کر سکے۔

۱۸۷۰ء میں اللہ تعالیٰ نے لالہ شرمپت کو اسلام کی سچائی کا ایک ایسا زبردست نشان دکھایا کہ انہیں اسلام کی عظمتوں کا اعتراف کرنا پڑا۔ [۲۰] اس نشان کی تفصیل یہ ہے کہ لالہ شرمپت کا ایک بھائی لالہ بشمبر داس اور ایک اور ہندو لالہ خوشحال چند نامی ایک مقدمہ میں ناگہانی طور پر ماخوذ ہو کر قید کر لئے گئے۔ عدالت عالیہ میں ان دونوں کی اپیل دائر تھی۔ کہ لالہ شرمپت رائے نے جو شدت عناد کی وجہ سے آنحضرت ﷺ کے معجزات کو محض مفروضہ داستانیں قرار دیتا تھا۔ ایک دن حضورؑ سے کہا کہ غیبی خبر اسے کہتے ہیں کہ آج کوئی یہ بتلا سکے کہ اس ہمارے مقدمہ کا انجام کیا ہے۔ حضرت اقدس نے جواب دیا کہ غیب تو خاصہ خدا ہے اور خدا کے پوشیدہ بھیدوں سے نہ کوئی نجومی واقف ہے نہ رمال نہ فال گیر۔ ہاں خدا جو آسمان و زمین کی ہر ایک بات سے واقف ہے اپنے کامل اور مقدس رسولوں کو اپنے ارادہ و اختیار سے بعض اسرار غیبیہ پر مطلع کرتا ہے اور نیز کبھی کبھی جب چاہتا ہے تو اپنے سچے رسول کے کامل تابعین پر جو اہل اسلام ہیں ان کی تابعداری کی وجہ سے اور نیز اس وجہ سے کہ وہ رسول خدا کے علوم کے وارث ہیں۔ بعض اسرار پوشیدہ ان پر کھولتا ہے تا ان کے صدق مذہب پر ایک نشان ہو۔ لیکن

دوسری قومیں جو باطل پر ہیں جیسے ہندو اور ان کے پنڈت وہ سب ان کامل برکتوں سے بے نصیب ہیں۔

حضرت اقدس کی اس حق گوئی پر لالہ شرمپت کو چڑ سی پیدا ہو گئی اور اس نے آپ سے نشان نمائی کا بار بار مطالبہ شروع کر دیا۔ تب آپ کے دل میں خدا تعالیٰ کی طرف سے یہ جوش ڈالا گیا کہ یہ دشمن اسلام اسی مقدمہ میں شرمندہ اور لاجواب ہو جائے گا اور آپ نے اسی غیبی جوش سے خدا کے حضور دعا کی کہ:

"اے خداوند کریم تیرے نبی کی عزت اور عظمت سے یہ شخص سخت منکر ہے اور تیرے نشانوں اور پیشگوئیوں سے جو تو نے اپنے رسول پر ظاہر فرمائیں سخت انکاری ہے اور اس مقدمہ کی آخری حقیقت کھلنے پر یہ لاجواب ہو سکتا ہے۔ اور تو ہر بات پر قادر ہے جو چاہتا ہے کرتا ہے اور کوئی امر تیرے علم محیط سے مخفی نہیں"۔

اللہ تعالیٰ نے رات کے وقت بذریعہ کشف آپ پر یہ منکشف فرمایا کہ چیف کورٹ سے مقدمے کی مثل سیشن کورٹ میں واپس آئے گی۔ جہاں اس کے بھائی کی تو نصف قید معاف ہو جائے گی۔ لیکن اس کا دوسرا ساتھی پوری سزا بھگتے گا۔ چنانچہ آپ نے یہ اطلاع پاتے ہی ایک جماعت کثیر کے علاوہ اس ہندو کو بھی خبر دے دی اور قادیان میں ایک عام چرچا ہو گیا۔

اس کے بعد جب بشمبر داس کی قید کی نسبت چیف کورٹ میں اپیل دائر کی گئی تو قادیان میں یہ افواہ آگ کی طرح پھیل گئی کہ اپیل منظور ہو گئی ہے اور بشمبر داس بری ہو گیا ہے۔ اس افواہ سے آریوں میں خوشی کی ایک برقی لہر دوڑ گئی۔ لیکن آپ پر غم کا پہاڑ ٹوٹ پڑا غم واندوہ کی اس ناقابل بیان کیفیت میں آپ خدا تعالیٰ کے سامنے سربسجود ہو گئے۔ تب آپ کو الہام ہوا کہ لَا تَحْزَنْ اِنَّكَ اَنْتَ الْاَعْلٰی یعنی غم نہ کر تجھی کو غلبہ نصیب ہو گا اور ان دشمنان اسلام کی خوشی پامال ہو جائے گی۔ چنانچہ بعد میں جلدی ہی یہ حقیقت کھل گئی کہ یہ افواہ بالکل بے بنیاد ہے۔ محض اپیل لئے جانے کو بشمبر داس کی بریت کی خبر سے مشہور کر دیا گیا ہے اور بعد کے واقعات نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام کی پیشگوئی کی ہر پہلو سے تصدیق کر دی۔ لالہ شرمپت جیسے دشمن اسلام نے جب خدا تعالیٰ کا یہ نشان اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کیا تو اس نے حضور کی خدمت میں لکھا کہ آپ خدا کے نیک بندے ہیں اس لئے اس نے آپ پر غیب کی باتیں ظاہر کر دیں۔ [۲۱]

حواشی

۱۔ ۱۸۷۶ء میں جب حضرت اقدس کو اپنے والد ماجد کی وفات کی اطلاع ملی تو آپ ایک مقدمہ کے سلسلہ میں لاہور میں مقیم تھے۔ (ذکر حبیب صفحہ ۲۲۴)

۲۔ تذکرہ طبع دوم صفحہ ۶

۳۔ ایضاً صفحہ ۷۵۳

۴۔ آپ کے مطالعہ میں ہمیشہ بے حد محویت اور استغراق کا عالم ہو تا تھا۔ حضرت مرزا سلطان احمد صاحب مرحوم کا بیان ہے کہ "جو عورت والد صاحب کو کھانا دینے جاتی تھی وہ بعض اوقات واپس آکر کہتی تھی میاں ان کو (یعنی حضرت صاحب کو) کیا ہوش ہے یا کتابیں ہیں یا وہ ہیں"۔ (سیرت المہدی حصہ اول روایت (۲۳۴) صفحہ ۲۳۴ طبع ثانی (۲۲۔ دسمبر ۳۵ء)

۵۔ کتاب البریہ طبع دوم صفحہ ۱۶۹، ۱۷۱

۶۔ حیات النبی جلد اول نمبر دوم صفحہ ۱۸۵

۷۔ دعوۃ الامیر اردو صفحہ ۲۱۶ و سیرت المہدی حصہ اول (طبع دوم) صفحہ ۲۵۵، ۲۵۶

۸۔ حضرت مسیح موعودؑ عوبی سے قمل فرخ تخلص کرتے تھے۔

۹۔ یہ قیمتی خط حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانیؓ کو حضرت مسیح موعودؑ کے پرانے دستاویزات میں سے ملا تھا جو حضرت مرزا سلطان احمد صاحب مرحوم نے انہیں دی تھیں۔ اس خط پر کسی تاریخ کا اندراج نہیں ہے (سیرت المہدی حصہ اول صفحہ ۲۵۶)

۱۰۔ الحکم ۱۴/۷ جون ۱۹۴۳ء

۱۱۔ براہین احمدیہ (طبع اول) حصہ چہارم صفحہ ۵۲۰، ۵۲۱ حاشیہ در حاشیہ نمبر ۳ و برکات الدعا صفحہ ۳۰ طبع اول رمضان ۱۳۱۰ھ و تجلیات الہیہ صفحہ ۲۱۔ مطبع ضیاء الاسلام قادیان ۲۹۔ جون ۱۹۲۲ء

۱۲۔ الحکم ۲۴۔ اکتوبر ۱۹۰۲ء صفحہ ۱۰

۱۳۔ (ترجمہ) لجۃ النور صفحہ ۳، ۴ طبع اول مطبع ضیاء الاسلام قادیان جنوری ۱۹۱۰ء۔

۱۴۔ تاریخ بشارت السند و پاکستان صفحہ ۲۰۱

۱۵۔ تاریخ بشارت السند و پاکستان صفحہ ۱۹۸ (مصنفہ خورشید عالم پادری) سے معلوم ہو تا ہے کہ مولوی قدرت اللہ کے ارتداد کا باعث امرتسر کا مشنری سکول تھا۔

۱۶۔ ایک مضمون ملاحظہ ہو۔ منشور محمدی ۲۵۔ صفر ۱۳۰۰ھ

۱۷۔ حیات احمد صفحہ ۲۵۳

۱۸۔ حیات احمد جلد اول نمبر ۳ صفحہ ۴۷، ۲ صفحہ ۵۵، ۵۶

۱۹۔ پیدائش ۱۹۱۲ء بکرمی مطابق ۱۸۵۶ء (لائف آف احمد صفحہ ۶۵) تاریخ وفات ۱۹۵۱ء

۲۰۔ پیدائش ۱۸۵۵ء سن وفات ۲۸۔ دسمبر ۱۹۳۲ء (لائف آف احمد صفحہ ۶۲)

۲۱۔ براہین احمدیہ حصہ سوم صفحہ ۲۵۰، ۲۵۱ حاشیہ در حاشیہ نمبر ۱ ایضاً صفحہ ۵۵۰، ۵۵۱ حاشیہ در حاشیہ (طبع اول) و سراج منیر صفحہ ۳۲ و قادیان کے آریہ اور ہم صفحہ ۳۵، ۳۳ (طبع اول)

باب ہشتم

قلمی جہاد کا آغاز

(۱۸۷۲ تا ۱۸۷۶)

مضامین کی اشاعت ملکی اخبارات میں

آپ کی ایک گونہ پبلک زندگی کی ابتداء گو سیالکوٹ میں ہو چکی تھی لیکن اس کا حقیقی معنوں میں آغاز قریباً ۱۸۷۲ء سے ہوا جبکہ آپ نے ملک کے مختلف اخبارات میں اپنے مضامین کا سلسلہ جاری کر کے قلمی جہاد میں حصہ لینا شروع کیا۔

ابتداء میں آپ کا معمول تھا کہ کبھی کبھی شیخ رحیم بخش صاحب والد مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی یا بعض دوسرے ناموں سے اپنے مضامین چھپوا دیتے تھے [۱] حضورؑ کے اپنے نام سے جو مضامین ملکی اخبارات میں شائع ہونے شروع ہوئے ان میں موجودہ تحقیق کے مطابق سب سے پہلا مضمون غالباً بنگلور کے دس روزہ اخبار منشور محمدیؐ ۲۵۔ ذی قعدہ ۱۲۹۴ھ مطابق ۲۵۔ اگست ۱۸۷۲ء میں شائع ہوا۔ [۲] یہ تاریخی مضمون دراصل ایک نہایت اہم اعلان تھا جس میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے مذاہب عالم کو اپنے بیس سالہ تجربہ و مشاہدہ کی بناء پر یہ زبردست چیلنج کیا کہ تمام انسانی معاملات اور تعلقات میں سچائی ہی تمام خوبیوں کی بنیاد اور اساس ہے۔ اس لئے ایک سچے مذہب کی نشان دہی کا آسان طریق یہ ہے کہ دیکھا جائے کہ اس نے سچائی پر کاربند ہونے کی کہاں تک زوردار اور موثر طریق پر تلقین کی ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ زبردست معیار قائم کرتے ہوئے پورے وثوق سے یہ اعلان فرمایا کہ آپ ہر اس غیر مسلم کو پانچ سو روپیہ کی رقم بطور انعام پیش کرنے کے لئے تیار ہیں جو اپنی مسلمہ مذہبی کتابوں سے ان تعلیمات کے مقابل آدھی بلکہ تہائی تعلیمات بھی پیش کردے جو آپ اسلام کی مسلمہ اور مستند مذہبی کتب سے سچائی کے موضوع پر نکال کر دکھائیں گے۔ خدا کے شیر کی یہ پہلی للکار تھی جسے سن کر پورے ہندوستان میں خاموشی کا عالم طاری ہو گیا اور کسی شخص کو حضرت

اقدس کا یہ زبردست چیلنج قبول کرنے کی جرات نہیں ہو سکی۔ [۳]

ضمناً یہ ذکر کرنا بھی ضروری ہے کہ منشور محمدیؐ (بنگلور) کے علاوہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اوائل زمانہ میں وکیل ہندوستان۔ سفیر ہند امرت سر [۴]۔ نور افشاں لدھیانہ۔ برادر ہند لاہور۔ [۵] وزیر ہند سیالکوٹ۔ ودیا پرکاش امرت سر۔ آفتاب پنجاب لاہور۔ ریاض ہند امرت سر اور اشاعۃ السنہ منگوایا کرتے تھے۔ اور بعض میں مضامین بھی لکھتے تھے۔ زمانہ ماموریت کے بعد مختلف زبانوں کے اخبارات قادیان میں آنے شروع ہوئے جو براہ راست غیر زبانوں کے اخبارات آپ کے ہاں پہنچتے آپ جستہ جستہ مقامات سے ان کا ترجمہ سنتے اور اگر ان کے کالموں میں اسلام کی تردید میں کوئی مضامین آتے تو اس کا جواب لکھوا کر شائع فرماتے۔ اور جو خود مطالعہ فرما سکتے وہ ضرور پڑھتے۔ اخبارات کا گہری نظر سے مطالعہ کرنا آپ کا معمول تھا۔ آخری زمانہ میں آپ لاہور کے روزنامہ "اخبار عام" کو بڑے شوق سے خریدتے اور خاص دلچسپی سے پڑھتے اور اس کی بے لاگ اور معتدل پالیسی کو پسند فرماتے تھے۔ [۶]

مولوی اللہ دتہ صاحب لودھی ننگل سے مسئلہ حیات النبی وغیرہ پر مذاکرہ

قادیان کے پاس لودھی ننگل میں ایک مولوی صاحب اللہ دتہ نامی رہا کرتے تھے جنہیں ان دنوں حضرت اقدسؑ نے اپنے صاحبزادوں کی تعلیم کے لئے بلوایا تھا۔ مولوی صاحب (بعض اپنے مذہبی عقائد یا دیگر نامعلوم وجوہ کی بناء پر) قادیان میں مختصر قیام کے بعد واپس اپنے گاؤں چلے گئے۔ جب تک وہ قادیان میں رہے انہوں نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سے مسئلہ "حیات النبی" اور دوسرے مسائل پر مذاکرہ جاری رکھا اور واپسی کے بعد انہی مسائل کے متعلق ایک منظوم فارسی خط لکھا۔ جس کے جواب میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بھی ۶۔ ستمبر ۱۸۷۲ء کو ایک پر کیف اور مبسوط فارسی نظم انہیں بھجوائی۔ اس نظم سے یہ حقیقت بالکل نمایاں ہو کر سامنے آجاتی ہے کہ آپ کو ابتداء ہی سے حضرت رسول اکرم ﷺ سے نہایت والہانہ عقیدت تھی اور آپ آنحضرت ﷺ کو دل و جان سے ابدی حیات کے تخت پر رونق افروز ہونے والا زندہ نبی یقین کرتے۔ حضورؑ کے چشمہ فیوض و برکات کو اپنے دل میں رواں دواں پاتے۔ اور حضور ﷺ کی عظمتوں اور برکتوں کی منادی کے لئے ہر وقت تیار رہتے تھے۔ پوری نظم حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانیؓ نے اپنی کتاب حیات احمد جلد اول نمبر ۳ صفحہ ۲۰۵، ۲۰۹ پر شائع کی ہے اور قابل دید ہے۔ صرف چند اشعار بطور نمونہ درج ذیل کرتا ہوں ؎

سپاس آں خداوند یکتائے را   بمہر و بمہ عالم آرائے را

جہاں جملہ مردہ فتاد ست و زار　　یکے زندہ او ہست از کردگار
چنیں است ثابت بقول سروش　　اگر راز معنی نیابی خموش
اگر در ہوا ہمچو مرغاں پری　　و گر بر سر آب ہا بگذری
و گر ز آتش آئی سلامت بروں　　و گر خاک را زرکنی از فسوں
اگر منکری از حیات رسولؐ　　سراسر زیاں است و کار فضول

۱۸۷۲ء میں آپ کی روزمرہ زندگی کی ایک جھلک

اب اگرچہ آپ پبلک زندگی میں قدم رکھ چکے تھے۔ لیکن آپ کی ان جلوتوں میں بھی خلوتوں کا رنگ چھایا ہوا تھا چنانچہ ان ایام کے متعلق مرزا دین محمد صاحب آف لنگروال کی چشم دید شہادت ہے کہ:

"قریباً ۱۸۷۲ء کا ذکر ہے میں چھوٹا تھا مرزا نظام الدین صاحب وغیرہ میرے پھوپھی زاد بھائی ہیں۔ اس وقت اہل حدیث کا بہت زور تھا۔ میرے والد صاحب بھی اہل حدیث تھے۔ شیخ رحیم بخش صاحب والد مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی یہاں بہت آیا کرتے تھے میں عام طور پر حضرت مرزا صاحب کے والد صاحب کے گھر بوجہ رشتہ داری آتا جاتا تھا۔ میں ان کے پاس عام طور پر رہتا تھا مگر حضرت مرزا صاحب کی گوشہ نشینی کی وجہ سے میں یہی سمجھتا تھا کہ مرزا غلام مرتضٰی صاحب کا ایک ہی لڑکا غلام قادر ہے۔ مگر مسجد میں میں مرزا صاحب کو بھی دیکھتا۔ میر ناصر نواب صاحب آیا کرتے تھے۔ ایک دن میں نے دیکھا کہ یہ اپنے مکان میں تشریف لے جارہے ہیں۔ دوسرے دن میں نے دیکھا کہ آپ نماز پڑھ کر گھر میں تشریف لے جارہے ہیں میں آپ کے والد صاحب کے پاس بیٹھا تھا۔ میں بھی جلدی سے اٹھ کر آپ کی طرف گیا۔ آپ اپنے کمرہ میں داخل ہو کر دروازہ بند کرنے لگے تھے کہ میں بھی جا پہنچا۔ آپ نے دروازہ کھول دیا اور دریافت کیا کہ کیا کام ہے؟ میں نے کہا میں ملنا چاہتا ہوں۔ آپ نے مجھے وہاں بٹھایا اور دریافت کیا کہ کہاں سے آئے ہیں؟ میں نے بتایا کہ لنگروال سے۔ اس کے بعد مجھے آپ کی واقفیت ہو گئی۔ آپ ایک بالاخانہ پر عبادت میں مصروف رہتے تھے۔ اور گھر سے جب روٹی آتی تو اس کی ایک کھڑکی سے بذریعہ چھینکا روٹی اوپر لے لیتے۔ اس کے بعد آپ سے مجھے انس ہو گیا اور گھر سے آپ کی روٹی میں لایا کرتا"۔

"میں آپ کے پاس ہی رہتا تھا اور اسی کمرہ میں سوتا تھا۔ آپ نے استخارہ بھی سکھایا۔ عشاء کی نماز کے بعد دو رکعت پڑھنے کے بعد گفتگو نہیں کرنی ہوتی تھی۔ صبح کو جو خواب آتی میں وہ آپ کو بتلا دیتا۔ آپ کے پاس فارسی کا ایک تعبیرنامہ بھی تھا آپ اسے دیکھتے تھے۔ آپ نے مجھے یہ بھی کہا کہ دونوں

گھروں میں (مرزا امام دین اور آپ کا مکان مراد تھا) استخارہ کا طریق بتلادو۔ اور اس طریق سے وہ سویا کریں۔ اور یہ بھی آپ نے کہا تھا کہ صبح جاکر ان کی خوابیں سنا کرو۔ مجھے روٹی بھی بہت دفعہ آپ ساتھ ہی کھلاتے۔ حافظ معین الدین صاحب عرف ماہناں بھی آپ کے پاس آتے۔ ۷ مجھے آپ ان کی روٹی لانے کے لئے کہتے چنانچہ میں لادیتا۔ آپ کا گھرانا بہت بڑا تھا جو بھی آتا اسے روٹی مل جاتی۔ اس عام روٹی سے میں میاں ماہناں کی روٹی لاتا۔ حضرت مرزا صاحب اس وقت تک انتظار کرتے اور جب میاں ماہناں کی روٹی آجاتی تو اپنا سالن اس کے سالن میں ملا دیتے۔ پھر اسے روٹی دیتے اور کہتے کھائیں۔ اور خود آپ بہت آہستہ آہستہ روٹی شروع کرتے۔ جب میاں ماہناں اپنی روٹی کھالیتے۔ تو آپ دریافت کرتے اور بھی چاہئے۔ وہ کہتے اگر ہے تو دے دیں تو بہت دفعہ حضور اپنا کھانا اور میرا بھی ان کو دے دیتے اور وہ سب کھا جاتے ایسے موقعہ پر تیسرے پہر پھر آپ مجھے پیسے دیتے کہ جاکر کابلی چنے بھنوا لاؤ۔ اس وقت بہت سستے ہوتے تھے ایک پیسے کے بھی بہت آجاتے تھے۔ اور میں اور حضور وہ کھالیتے۔ آپ بہت آہستہ آہستہ کھاتے تھے۔ آپ ایک دو دانے ہی منہ میں ڈالتے تھے۔ آپ کی عادت تھی کہ باتیں بشاشت سے کرتے اور اکثر رانوں پر ہاتھ مارتے تھے"۔

"آپ مسجد میں فرض نماز ادا کرتے۔ سنتیں اور نوافل مکان پر ہی ادا کرتے تھے عشاء کی نماز کے بعد آپ سو جاتے تھے اور نصف رات کے بعد آپ جاگ پڑتے اور نفل ادا کرتے۔ اس کے بعد قرآن مجید پڑھنا۔ مٹی کا دیا آپ جلاتے تھے۔ تلاوت فجر کی اذان تک کرتے۔ جس کمرہ میں آپ کی رہائش تھی وہ چھوٹا سا تھا اس میں ایک چارپائی اور ایک تخت پوش تھا۔ چارپائی تو آپ نے مجھے دی ہوئی تھی اور خود تخت پوش پر سوتے تھے۔ فجر کی اذان کے وقت آپ پانی کے ہلکے ہلکے چھینٹوں سے مجھے جگاتے تھے۔ ایک دفعہ میں نے دریافت کیا کہ حضور مجھے ویسے ہی کیوں نہیں جگا دیتے۔ آپ نے فرمایا حضور رسول کریم ﷺ کا یہی طریق تھا اس سنت پر میں کام کرتا ہوں تاکہ جاگنے میں تکلیف محسوس نہ ہو۔ نماز فجر کے بعد آپ واپس آکر کچھ عرصہ سو جاتے تھے کیونکہ رات کا اکثر حصہ عبادت الٰہی میں گذرتا تھا"۔ ۸

سلسلہ تعلیم و تدریس

زندگی کے اس دور سے جبکہ آپ قادیان میں زاہدانہ زندگی بسر کر رہے تھے اور حضرت والد صاحب کے حکم کی تعمیل میں مقدمات کی پیروی کے لئے جانا پڑتا تھا اپنے چشمہ علم و عرفان سے دوسروں کو بہرہ ور کرنا شروع کر دیا تھا۔ چنانچہ صاحبزادہ مرزا سلطان احمد صاحب مرحوم نے عربی نصاب کی کتابیں نحو میر' تاریخ فرشتہ اور شاید گلستان و بوستان۔ بھی آپ سے پڑھیں ۹ میاں علی محمد صاحب مرحوم کو گلستان و بوستاں کے کچھ سبق پڑھائے۔ مرزا دین محمد صاحب آف لنگروال کی روایت کے مطابق ۱۸۷۲ء میں کشن سنگھ۔ ملاوامل اور شرمپت

آپ سے حکمت اور قانون وغیرہ کی کتابیں پڑھا کرتے تھے۔ بلکہ خود انہیں بھی حضور انور نے ایک فارسی کتاب پڑھانی شروع کی تھی۔ ۱۱۰

بھائی کشن سنگھ صاحب کا بیان

بھائی کشن سنگھ صاحب کا بیان ہے کہ:

"لوگ حضرت مرزا غلام مرتضیٰ صاحب مرحوم سے جرات کر کے کچھ نہ کہہ سکتے تھے۔ مگر حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے بلا تکلف جو چاہتے کہہ لیتے تھے۔ میں نے اسی لئے ان سے پڑھنا شروع کیا۔ مجھے زمانہ طالب علمی میں یہ تجربہ ہوا کہ حضرت مرزا صاحب بھی کبھی ناراض نہیں ہوتے تھے۔ ان کی خدمت میں جاتے ہوئے ہم کو ذرا بھی جھجک اور حجاب نہ ہوتا تھا۔ ہم بے تکلف جس وقت چاہتے چلے جاتے تھے اور کبھی ایسا اتفاق نہیں ہوا کہ آپ نے اپنی مصروفیت یا آرام کرنے کا عذر کر کے ٹال دیا ہو۔ بعض اوقات آپ نے سوتے اٹھ کر دروازہ کھولا ہے مگر برا نہیں منایا کہ تم نے میرے آرام میں آکر خلل پیدا کیا"۔ "چونکہ دروازہ عموماً بند ہوتا تھا کبھی کبھی میں اوپر سے کنکری پھینک دیتا تھا اور آپ اس کی آہٹ سے اٹھ کر دروازہ کھول دیتے۔ کبھی ایسا بھی اتفاق ہوتا تھا کہ میں سبق پڑھا کرتا اور آپ کھاتے جاتے اور پڑھاتے بھی جاتے تھے۔ اسی حالت میں بعض اوقات میری کتاب میں کوئی غلطی ہوتی تو آپ کھانا چھوڑ کر اٹھ کھڑے ہوتے اور مستند کتاب نکال کر لاتے اور اس غلطی کی اصلاح یا مشکوک امر کو درست فرماتے۔ میں ہر چند عرض کرتا کہ آپ تکلیف نہ اٹھائیں کھانا کھالیں بعد میں دیکھا جائے گا۔ مگر آپ میری اس درخواست کو منظور نہ فرماتے اور کہہ دیتے کہ تمہارا حرج ہوگا یہ ٹھیک نہیں۔ وہ اپنے آرام کی پروا نہ کرتے اور کتاب نکال کر مجھے درست کرا دیتے"۔

"میں طب اکبر پڑھ رہا تھا اور اس میں مالیخولیا کی بیماری پر بحث میرے سبق میں آئی۔ طب اکبر میں اس مرض کی علامات 'اسباب وغیرہ پر مفصل بحث تھی۔ اس میں خلوت نشینی کو بھی ایک حد تک داخل کر دیا ہے۔ اس پر آپ نے فرمایا طبیبوں نے کسی کو بھی نہیں چھوڑا۔ دیکھو جو لوگ خلوت نشین ہوں ان کو بھی مجنوں کہہ دیتے ہیں"۔ "میں نے آپ سے یہ سن کر ہنستے ہوئے کہا کہ جیسے آپ کو بھی کہتے ہیں۔ آپ ہنس پڑے اور مجھے کسی قسم کا زجر نہ فرمایا۔ گو مجھے کہہ دینے کے بعد بہت افسوس ہوا اور شرم محسوس ہوئی کہ میں نے غلطی کی۔ لیکن میں نے کوئی عذر کرنا ضروری نہیں سمجھا کیونکہ میں جانتا تھا کہ مرزا صاحب اس قسم کی بات دل میں نہیں رکھتے۔ اور کسی سے بدلہ لینا نہیں چاہتے۔ ۱۱۱

شعری کلام کی ابتداء اور دیوان کی تسوید

حضرت مسیح موعود علیہ السلام چونکہ اسلام کی قلمی جنگ میں فتح نصیب جرنیل کی حیثیت

سے دنیا میں آئے تھے اس لئے قدرت نے ابتداء ہی سے آپ کو قلم کی لازوال قوتوں سے مسلح کر کے بھیجا تھا۔ اور نہ صرف نثر نگاری کے وسیع و عریض میدان کے آپ شہسوار تھے بلکہ اقلیم سخن کو آپ کی تاجداری پر ناز تھا۔ حضور علیہ السلام نے اپنے ہم عصر مسلمان شعراء کی طرح شعر و شاعری کو بطور پیشہ اختیار نہیں کیا۔ بلکہ اسے ذکر الٰہی، آنحضرت ﷺ سے عشق و فدائیت کے اظہار کا ایک موثر ذریعہ قرار دیا اور پھر اپنی خداداد روحانی و اخلاقی صلاحیتوں کی بدولت اس میں اپنے مسیحائی انفاس سے وہ روح پھونکی کہ الفاظ گویا اسلام کی ایک پر شوکت فوج میں بدل گئے اور تخیلات و تصورات زبردست روحانی اسلحہ خانوں میں ڈھل گئے جو قیامت تک کفر و ضلالت کے فولادی قلعوں کو پاش پاش کرتے رہیں گے۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام ایک عالی خاندان کے فرد تھے جسے بجا طور پر سخنوروں کا گہوارہ قرار دیا جانا چاہئے۔ آپ کے والد ماجد نے بھی طبیعت رسا پائی تھی وہ فارسی میں نہایت عمدہ شعر کہتے تھے اور تحسین تخلص کرتے تھے۔ مرزا سلطان احمد صاحب مرحوم نے ایک دفعہ ان کا کلام بلاغت نظام حافظ عمر دراز صاحب ایڈیٹر "پنجابی اخبار" کو دیا تھا مگر وہ فوت ہو گئے اور ان کے ساتھ یہ قیمتی خزانہ بھی معدوم ہو گیا۔ ایک ایرانی شاعر نے اس امر کا اظہار کیا تھا کہ ان کا فارسی کلام ایرانی شعراء کی طرح فصیح و بلیغ ہے۔ اسی طرح حضور کے بڑے بھائی مرزا غلام قادر صاحب کو بھی ذوق سخن تھا اور وہ مفتون [۱۴۲-۱۴۳] تخلص کرتے تھے۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے شعری کلام کی ابتداء کس سن میں ہوئی؟ اس بارے میں احمدی مورخین کوئی قطعی رائے قائم نہیں کر سکے۔ حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب کو خلافت ثانیہ کے ابتداء میں مرزا سلطان احمد صاحب مرحوم سے شعروں کی ایک کاپی ملی تھی جس میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے دست مبارک سے شعر درج کئے تھے۔ اس کاپی میں کئی شعر نامکمل تھے اور بعض شعر نظر ثانی کے لئے بھی چھوڑے ہوئے تھے۔ یہ کاپی حضرت مرزا بشیر احمد صاحب کے بیان کے مطابق بہت پرانی معلوم ہوتی ہے جو غالباً جوانی کا کلام تھا [۱۴۴] اس روایت سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جوانی میں کلام کہنا شروع کیا تھا اور جوانی کے زمانے کا سب سے ابتدائی کلام جو معین تاریخ کے ساتھ ملتا ہے وہ ۱۸۷۳ء کا فارسی کلام ہے جس کا تذکرہ اوپر کے صفحات میں کیا جا چکا ہے۔ آپ ابتداء میں فرخ تخلص کیا کرتے تھے۔ جسے زمانہ ماموریت کے چند سال بعد بالکل ترک کر دیا۔ ان دنوں آپ اگرچہ اردو اور عربی شعروں میں اپنے خیالات کا اظہار فرماتے لیکن آپ کی زیادہ تر توجہ اپنی خاندانی زبان فارسی کی طرف تھی۔ یہ تو ابتدائی زمانہ کی بات ہے

ورنہ منصب ماموریت پر فائز ہونے کے بعد آپ نے اردو' عربی اور فارسی تینوں زبانوں کو اسلام کی منادی کا ذریعہ بنالیا۔ آپ کا کلام الگ الگ تینوں زبانوں میں درثمین کے نام سے چھپا ہوا ہے جس کی عظمت کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ آپ کی زندگی بھر کے اہم واقعات' دعاوی اور علم کلام اس میں پوری شان جامعیت کے ساتھ موجود ہیں۔

۱۸۸۰ء سے پہلے جبکہ آپ کی مستقل تصانیف کی اشاعت شروع نہ ہوئی تھی۔ آپ کبھی کبھی اپنا کلام ملک کے بعض اخبارات میں بھی بھجوا دیتے تھے۔ چنانچہ "منشور محمدیؐ" میں ایک اردو نظم جو حضور نے قادیان سے ۸۔ محرم ۱۲۹۵ھ مطابق ۱۲۔ جنوری ۱۸۷۸ء کو رقم فرمائی اور نیاز نامہ متعلقہ "جواب الجواب" کے عنوان سے تھی شائع ہوئی۔ [۱۵]

حضرت اقدس علیہ السلام نے دعوئ مسیحیت سے قبل "دیوان فرخ قادیانی" کے نام سے اپنی غزلیات اور قطعات کا ایک مجموعہ بھی مرتب فرمایا تھا جو آپ کی وفات کے آٹھ سال بعد دسمبر ۱۹۱۶ء میں "در مکنون" کے نام سے پہلی دفعہ منظرعام پر آیا۔ اس مجموعہ کلام میں حمد الٰہی' شان مصطفیٰؐ' غیر مذاہب کے رد' اسلام کی حقانیت' اصلاح نفس' ذکر اولیاء' نشان اولیاء' علامات اولیاء' اخراج نبوت از یہود' ترک دنیا' دعا' ایمان' مذمت کبر' نفس امارہ' مرتبہ سلوک' مذمت شرک اور مذمت گور پرستی وغیرہ علمی و روحانی مسائل اور تصوف کے قیمتی اسرار و نکات بیان کئے گئے تھے۔ اس دیوان کے زمانہ تصنیف کا تعین اس وقت تک نہیں کیا جاسکا۔ سلسلہ احمدیہ کے پہلے مورخ جناب شیخ یعقوب علی صاحب عرفانیؓ کے نزدیک اس کا زمانہ تصنیف قیام سیالکوٹ کے دور سے شروع ہوتا ہے اور بعض کے نزدیک سیالکوٹ سے واپسی کے بعد۔ خود مجموعہ میں چار مقامات پر ۱۷۔ اکتوبر ۱۸۷۳ء۔ ۳۱۔ اگست ۱۸۷۶ء۔ ۲۱۔ ستمبر ۱۸۷۶ء اور ۱۶۔ نومبر ۱۸۸۸ء کی تاریخیں درج ہیں۔ لہٰذا قیاسات اور تخمینوں سے الجھے بغیر علیٰ وجہ البصیرت کہا جاسکتا ہے کہ یہ مجموعہ ۱۸۷۳ء سے ۱۸۸۸ء تک کے پندرہ سالہ عرصہ کو محیط ہے۔

ایک مقدمہ میں نشان آسمانی کا ظہور

تخمیناً ۱۸۷۳ء کا واقعہ ہے کہ کمشنر کی عدالت میں آپ زمینداروں کے خلاف ایک مقدمہ کی پیروی کے لئے امرت سر تشریف لے گئے۔ فیصلہ سے ایک روز قبل کمشنر کا رویہ بہت سخت معاندانہ تھا اور اس نے زمینداروں کی ناجائز حمایت کرتے ہوئے یہاں تک کہہ ڈالا کہ یہ غریب لوگ ہیں تم ان پر ظلم کرتے ہو۔ رات کو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خواب میں ایک انگریز کو ایک چھوٹے سے بچے کی شکل میں دیکھا کہ اس کے سر پر حضور ہاتھ پھیر رہے ہیں۔ چنانچہ حضور دوسرے دن جب

عدالت میں پہنچے تو اس کی حالت ایسی بدلی ہوئی تھی کہ گویا وہ پہلا انگریز نہیں تھا۔ اس نے زمینداروں کو سخت ڈانٹ پلائی اور آپ کے حق میں فیصلہ سناتے ہوئے سارا خرچہ بھی ان پر ڈال دیا۔ [۱۶]

آسمانی بادشاہت' درویشوں کی جماعت' اور ۱۸۷۴ء میں آپ کو خواب میں ایک فرشتہ ایک

اقتصادی کشائش عطا ہونے کی بشارت

لڑکے کی صورت میں دکھائی دیا جو ایک اونچے چبوترے پر بیٹھا ہوا تھا۔ اس کے ہاتھ میں ایک پاکیزہ نان تھا جو نہایت چمکیلا تھا۔ وہ نان آپ کی خدمت میں پیش کرتے ہوئے اس نے کہا "یہ تیرے لئے اور تیرے ساتھ کے درویشوں کے کے لئے ہے" اس نظارہ میں آپ کو رزق کی کشائش کے علاوہ درویشوں کی ایک جماعت عطا کئے جانے کی بشارت دی گئی۔ [۱۷] نیز آسمانی بادشاہت عطا ہونے کی خبر بھی دی گئی تھی۔ کیونکہ انجیل کے محاورہ میں روٹی سے مراد آسمانی بادشاہت کا قیام ہے۔ [۱۸] یاد رہے یہ اس زمانہ کی بشارت ہے جب آپ قادیان ایسے کوردیہہ میں اقتصادی مشکلات سے دوچار گوشہ نشینی اور خلوت کی زندگی بسر کر رہے تھے اور آپ کے حلقہ بیعت سے کوئی ایک شخص بھی وابستہ نہیں تھا۔ اور عجیب تر بات یہ ہے کہ یہ بشارت ٹھیک اس زمانہ میں دی گئی جبکہ دانیال نبی کی پیشگوئی کے مطابق مسیح موعود کی آمد مقدر تھی (یعنی ۱۲۹۰ھ مطابق ۱۸۷۳-۱۸۷۴ء میں) چنانچہ مسٹر رودرفورڈ انجیل کی پیشگوئیوں کی روشنی میں ۱۸۷۴ء کی اہمیت واضح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"The facts hereinbefore considered show that the lord was present from 1874 "The in this that he was doing a special work concerning his church, to forward, restoring to them the great fundamental truths that had been covered and wit by the ecelesiastical part of the Devil's Organization, and preparing to hid gather the saints" [۱۹]

یعنی حقائق بتاتے ہیں کہ ۱۸۷۴ء کے بعد مسیح اس دنیا میں موجود ہے اور اپنے کلیسیا کے متعلق ایک خاص کام سرانجام دے رہا ہے۔ اور وہ بنیادی صداقتیں جنہیں طاغوتی نظام نے ڈھانپ رکھا ہے اور دنیا کی نظروں میں روپوش کر رکھا ہے۔ وہ انہیں دوبارہ آشکار کر کے نیک اور پارسا لوگوں کو اپنے گرد جمع کر رہا تھا۔

مسجد اقصیٰ کی تعمیر

اب چونکہ وہ زمانہ تیزی سے آ رہا تھا جس میں آپ کے گرد پارسا درویش طبع لوگ پروانوں کی طرح جمع ہونے والے تھے اس لئے اللہ تعالیٰ نے پہلے یہ خوشخبری دی اور پھر اگلے سال (۱۸۷۵ء) میں

قادیان میں مسجد اقصیٰ ایسی عظیم الشان جامع مسجد کی بنیاد خود آپ کے والد ماجد کے ہاتھوں رکھوا دی۔ عمر بھر کی ناکامیوں کی وجہ سے چونکہ آپ کے والد ماجد کو مسلسل اور پیہم صدمات سے دوچار ہونا پڑا تھا اور دل زخم رسیدہ ہو چکا تھا۔ اس لئے زندگی کے آخری دنوں میں انہوں نے مافات کی تلافی کے لئے قادیان میں ایک جامع مسجد تعمیر کرنے کا قطعی فیصلہ کر لیا۔ اس سے پہلے انہوں نے اس مسجد کے حصول کی ازحد کوشش کی جسے رام گڑھیہ سکھوں نے بالجبر قبضہ کر کے دھرم سالہ بنا دیا تھا۔ لیکن جب خود مقامی مسلمانوں کی مخالفانہ شہادتوں نے اس کی بازیافتگی کا رستہ مسدود کر دیا تو آپ نے اس کے نزدیک ہی قصبہ کے وسط میں ایک اور جگہ انتخاب کی جو اس وقت سکھ کارداروں کی حویلی تھی۔ [۲۰] لیکن اس حویلی کی نیلامی کا مرحلہ آیا تو اہل قریہ نے ایک بار پھر آپ کو زمین سے محروم کرنے کی کوشش کی اور مقابل پر قیمت میں ڈٹ کر مقابلہ کیا۔ لیکن آپ نے خدا تعالیٰ کے حضور یہ پختہ عہد کر رکھا تھا کہ اگر باقی جائیداد بھی فروخت کرنا پڑے تو میں یہ زمین لے کر مسجد ضرور بناؤں گا۔ اس لئے آپ نے مالیات کے سبھی پہلو نظر انداز کر کے چند روپوں کی مالیت کا قطعہ ۷۰۰ روپے کی قیمت پر خرید لیا [۲۱]۔ اور اخلاص و ندامت بھرے دل کے ساتھ مسجد کا سنگ بنیاد رکھا۔ گاؤں میں چونکہ پہلے کئی مساجد موجود تھیں۔ اور یہ مسجد ان سب سے بڑی بنائی جا رہی تھی اس لئے اس وقت ایک شخص نے کہا کہ اتنی بڑی مسجد کی کیا ضرورت تھی۔ کس نے نماز پڑھنی ہے اس مسجد میں چمگادڑ ہی رہا کریں گے [۲۲] اور یہ بات گاؤں کی مختصر سی مسلم آبادی کے لحاظ سے ہر شخص کو معقول نظر آتی تھی۔ لیکن انہیں کیا معلوم تھا کہ یہ کام خدائی تحریک اور اس کے تصرف سے ہو رہا ہے اور ایک زمانہ آئے گا جب اسے دنیا بھر میں ایک ممتاز شان حاصل ہو گی۔

مسجد اقصیٰ کی تعمیر

یہ جامع مسجد جو اب مسجد اقصیٰ سے موسوم ہے تخمیناً ۱۸۷۵ء کے آخری دنوں سے تعمیر ہونی شروع ہوئی اور جون ۱۸۷۶ء میں پایہ تکمیل تک پہنچی اور اس کے پہلے خادم اور امام میاں جان محمد صاحب مرحوم مقرر ہوئے۔ اس ابتدائی مسجد کی پرانی مسقف عمارت اور اس کا صحن اور کنواں اپنی اپنی جگہ پر بدستور موجود ہیں۔ البتہ ابتدائی صحن مختصر اور پختہ پرانی قسم کی چھوٹی اینٹوں کا بنا ہوا تھا۔ شمالی دروازہ کے اندر کنوئیں کا منہ پہلے اوپر مسجد کے صحن کے فرش کے برابر تھا اور جہاں صحن کا فرش ختم ہوتا تھا وہاں مشرقی کنارہ پر اینٹوں کی ایک منڈیر تھی جس پر نمازی وضو کیا کرتے تھے اور نالی سے مستعمل پانی نیچے بازار کی گلی میں جا گرتا تھا [۲۳] چنانچہ پنڈت دیوی رام ساکن دودوچک تحصیل شکر گڑھ کی (جو ۲۱۔ جنوری ۱۸۷۵ء کو نائب مدرس ہو کر قادیان گئے اور چار سال تک انہیں حضرت اقدس کی خدمت میں رہنے کا موقعہ ملا) عینی شہادت ہے کہ "(آپ کے)

گھر سے چھوٹی سی گلی مسجد کو جاتی تھی اس راستہ سے گذر کر مسجد میں جاتے تھے صرف اکیلے ہی ہوا کرتے تھے اگر دو تین ہو جاتے تو مرزا صاحب جماعت کے ساتھ نماز پڑھتے اور اگر اکیلے ہوتے تو اکیلے ہی پڑھ لیتے۔ ان دنوں قادیان میں مسلمان عموماً بے نماز تھے۔ قمار بازی میں مشغول رہتے تھے۔ مسلمانوں کی آبادی کم تھی... نیکی تقویٰ اور طہارت میں مرزا غلام احمد صاحب اور مرزا کمال الدین صاحب اور میر عابد علی صاحب مسلمانوں میں مشہور تھے۔ مرزا کمال الدین فقیری طریقہ پر تھے۔ معلوم نہیں کہ وہ نماز کب پڑھا کرتے تھے۔ مگر مرزا غلام احمد صاحب کو ہم نے پنج وقت نماز پڑھتے دیکھا ہے"۔ ۲۲

سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے والد ماجد کے آخری عمر کے جذبات کا نقشہ کھینچتے ہوئے مسجد اقصیٰ کی تعمیر کا پس منظر یوں بیان فرماتے ہیں:

"حضرت عزت جل شانہ کے سامنے خالی ہاتھ جانے کی حسرت روز بروز آخری عمر میں ان پر غلبہ کرتی گئی تھی۔ بارہا افسوس سے کہا کرتے تھے کہ دنیا کے بیہودہ خرخشوں کے لئے میں نے اپنی عمر ناحق ضائع کر دی۔ ایک مرتبہ حضرت والد صاحب نے یہ خواب بیان کیا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ ایک بڑی شان کے ساتھ میرے مکان کی طرف چلے آتے ہیں جیسا کہ ایک عظیم الشان بادشاہ آتا ہے۔ تو میں اس وقت آپ کی طرف پیشوائی کے لئے دوڑا۔ جب قریب پہنچا تو میں نے سوچا کہ کچھ نذر پیش کرنی چاہئے۔ یہ کہہ کر جیب میں ہاتھ ڈالا جس میں صرف ایک روپیہ تھا اور جب غور سے دیکھا تو معلوم ہوا کہ وہ کھوٹا ہے۔ یہ دیکھ کر میں چشم پر آب ہو گیا اور پھر آنکھ کھل گئی۔ اور پھر آپ ہی تعبیر فرمانے لگے کہ دنیاداری کے ساتھ خدا اور رسول کی محبت ایک کھوٹے روپے کی طرح ہے۔ اور فرمایا کرتے تھے کہ میری طرح میرے والد صاحب کا بھی آخری حصہ زندگی کا مصیبت اور غم اور حزن میں ہی گزرا اور جہاں ہاتھ ڈالا آخر ناکامی تھی۔ اور اپنے والد صاحب یعنی میرے پردادا صاحب کا ایک شعر بھی سنایا کرتے تھے جس کا ایک مصرعہ راقم کو بھول گیا ہے اور دوسرا یہ ہے کہ

ع "جب تدبیر کرتا ہوں تو پھر تقدیر ہنستی ہے"

اور یہ غم اور درد ان کا پیرانہ سالی میں بہت بڑھ گیا تھا۔ اسی خیال سے قریباً چھ ماہ پہلے حضرت والد صاحب نے اس قصبہ کے وسط میں ایک مسجد تعمیر کی جو اس جگہ کی جامع مسجد ہے۔ اور وصیت کی کہ مسجد کے ایک گوشہ میں میری قبر ہو تا خدائے عزّوجل کا نام میرے کان میں پڑتا رہے کیا عجب کہ یہی ذریعہ مغفرت ہو۔ چنانچہ جس دن مسجد کی عمارت بہمہ وجوہ مکمل ہو گئی اور شاید فرش کی چند اینٹیں باقی تھیں کہ حضرت والد صاحب صرف چند روز بیمار رہ کر مرض پیچش سے فوت ہو گئے اور اسی مسجد کے اسی گوشہ

میں جہاں انہوں نے کھڑے ہو کر نشان کیا تھا دفن کئے گئے۔ اَللّٰھُمَّ ارْحَمْہُ وَادْخِلْہُ الْجَنَّۃَ۔ آمین اسی یا پچاسی برس کے قریب عمر پائی"۔ ۲۵

روزوں کا عظیم مجاہدہ اور عالم روحانی کی سیر

تلاوت قرآن کریم' ذکر الٰہی' اصلاح خلق' خلوت گزینی اور درود شریف کی کثرت آپ کی زندگی کا معمول بن چکا تھا۔ اب ۱۸۷۵ء کے آخر میں جناب الٰہی سے آپ کو روزوں کے ایک عظیم مجاہدہ کا ارشاد ہوا۔ چنانچہ اس کی تعمیل میں آپ نے آٹھ یا نو ماہ تک مسلسل روزے رکھے۔ ۲۶ روزوں کا یہ مجاہدہ بالکل مخفی طور پر اختیار کیا گیا اور اس کے لئے حضور نے یہ التزام فرمایا کہ گھر سے جو کھانا آتا وہ بعض بچوں میں تقسیم فرما دیتے اور خود روٹی کے چند لقموں یا چنوں پر گزارا کر لیتے۔ ۲۷ یہ دن انوار الٰہی کی بارش کے تھے جن میں آپ کو عالم روحانی کی سیر کرائی گئی اور خدا تعالیٰ کی تجلیات کے مختلف نظارے دکھائے گئے بعض گزشتہ انبیاء اور چوٹی کے صلحاء امت سے ملاقاتوں کے علاوہ آنحضرت ﷺ' حضرت سیدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا' حضرت علی و حسن و حسین علیہم السلام کی عین بیداری میں زیارت بھی نصیب ہوئی۔ یہ گویا آپ ایسے بے نظیر عاشق رسول کا ایک معراج تھا جو مسلسل کئی ماہ تک جاری رہا۔ آنحضرت ﷺ تو شب معراج میں خدا تک پہنچے تھے اور آپ اس روحانی سیر میں مصطفیٰ تک پہنچے۔

سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام خود تحریر فرماتے ہیں:

"حضرت والد صاحب کے زمانہ میں ہی جبکہ ان کا زمانہ وفات بہت نزدیک تھا۔ ایک مرتبہ ایسا اتفاق ہوا کہ ایک بزرگ معمر پاک صورت مجھ کو خواب میں دکھائی دیا۔ اور اس نے یہ ذکر کر کے کہ کسی قدر روزے انوار سماوی کی پیشوائی کے لئے رکھنا سنت خاندان نبوت ہے اس بات کی طرف اشارہ کیا کہ میں اس سنت اہل بیت رسالت کو بجالاؤں۔ سو میں نے کچھ مدت تک التزام صوم کو مناسب سمجھا۔ مگر ساتھ ہی یہ خیال آیا کہ اس امر کو مخفی طور پر بجالانا بہتر ہے۔ پس میں نے یہ طریق اختیار کیا کہ گھر سے مردانہ نشست گاہ میں اپنا کھانا منگواتا اور پھر وہ کھانا پوشیدہ طور پر بعض یتیم بچوں کو جن کو میں نے پہلے سے تجویز کر کے وقت حاضری کے لئے تاکید کر دی تھی دے دیتا۔ اور اس طرح تمام دن روزہ میں گذارتا اور بجز خدا تعالیٰ کے ان روزوں کی کسی کو خبر نہ تھی۔ پھر دو تین ہفتہ کے بعد مجھے معلوم ہوا کہ ایسے روزوں سے جو ایک وقت میں پیٹ بھر کر روٹی کھالیتا ہوں مجھے کچھ بھی تکلیف نہیں۔ بہتر ہے کہ کسی قدر کھانے کو کم کروں۔ سو میں اس روز سے کھانے کو کم کرتا گیا۔ یہاں تک کہ میں تمام رات دن

میں صرف ایک روٹی پر کفایت کرتا تھا اور اسی طرح میں کھانے کو کم کرتا گیا یہاں تک کہ شاید صرف چند تولہ روٹی میں سے آٹھ پہر کے بعد میری غذا تھی۔ غالباً آٹھ یا نو ماہ تک میں نے ایسا ہی کیا اور باوجود اس قدر قلت غذا کے کہ دو تین ماہ کا بچہ بھی اس پر صبر نہیں کر سکتا۔ خدا تعالیٰ نے مجھے ہر ایک بلا اور آفت سے محفوظ رکھا۔ اور اس قسم کے روزہ کے عجائبات میں سے جو میرے تجربہ میں آئے وہ لطیف مکاشفات ہیں جو اس زمانہ میں میرے پر کھلے۔ چنانچہ بعض گذشتہ نبیوں کی ملاقاتیں ہوئیں اور جو اعلیٰ طبقہ کے اولیاء اس امت میں گذر چکے ہیں ان سے ملاقات ہوئی۔ ایک دفعہ عین بیداری کی حالت میں جناب رسول اللہ ﷺ مع حسنین و علی ؓ و فاطمہ رضی اللہ عنہا کو دیکھا اور یہ خواب نہ تھی بلکہ بیداری کی ایک قسم تھی۔ غرض اسی طرح پر کئی مقدس لوگوں کی ملاقاتیں ہوئیں جن کا ذکر کرنا موجب تطویل ہے اور علاوہ اس کے انوار روحانی تمثیلی طور پر برنگ ستون سبز و سرخ ایسے دلکش و دلستان طور پر نظر آتے تھے جن کا بیان کرنا بالکل طاقت تحریر سے باہر ہے وہ نورانی ستون جو سیدھے آسمان کی طرف گئے ہوئے تھے جن میں سے بعض چمکدار سفید اور بعض سبز اور بعض سرخ تھے' ان کو دل سے ایسا تعلق تھا کہ ان کو دیکھ کر دل کو نہایت سرور پہنچتا تھا۔ اور دنیا میں کوئی بھی ایسی لذت نہیں ہوگی جیسا کہ ان کو دیکھ کر دل اور روح کو لذت آتی تھی۔ میرے خیال میں ہے کہ وہ ستون خدا اور بندہ کی محبت کی ترکیب سے ایک تمثیلی صورت میں ظاہر کئے گئے تھے۔ یعنی وہ ایک نور تھا جو دل سے نکلا اور دوسرا وہ نور تھا جو اوپر سے نازل ہوا اور دونوں کے ملنے سے ایک ستون کی صورت پیدا ہو گئی۔ یہ روحانی امور ہیں کہ دنیا ان کو نہیں پہچان سکتی۔ لیکن دنیا میں ایسے بھی ہیں جن کو ان امور سے خبر ملتی ہے۔

غرض اس حد تک روزہ رکھنے سے جو میرے پر عجائبات ظاہر ہوئے وہ انواع و اقسام کے مکاشفات تھے"۔ ۲۸

ایک دفعہ فرمایا جب میں تین ماہ کے قریب پہنچا تو ایک شخص قد آور جسم' رنگ سرخ میرے سامنے یہ الفاظ کہتا تھا۔ قرت۔ قرت۔ قرت نفس کشی اور ریاضت شاقہ کی اس کٹھن منزل کے طے کرنے سے جہاں آپ کو آسمانی عجائبات دیکھنے کا موقعہ ملا ۲۸/۲ - وہاں پہلی مرتبہ اپنے نفس کی حیرت انگیز قوت برداشت کا تجربہ ہوا۔ نیز اس نتیجہ پر پہنچے کہ آرام طلبی کی زندگی کو ترک کئے بغیر روحانیت کے مدارج کا حصول ممکن نہیں ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

"ایک اور فائدہ مجھے یہ حاصل ہوا کہ میں نے ان مجاہدات کے بعد اپنے نفس کو ایسا پایا کہ میں وقت ضرورت فاقہ کشی پر زیادہ سے زیادہ صبر کر سکتا ہوں۔ میں نے کئی دفعہ خیال کیا کہ اگر ایک موٹا آدمی جو علاوہ فربہی کے پہلوان بھی ہو میرے ساتھ فاقہ کشی کے لئے مجبور کیا جائے تو قبل اس کے کہ مجھے کھانے

کے لئے کچھ اضطرار ہو وہ فوت ہو جائے۔ اس سے مجھے یہ بھی ثبوت ملا کہ انسان کسی حد تک فاقہ کشی میں ترقی کر سکتا ہے۔ اور جب تک کسی کا جسم ایسا سخت کش نہ ہو جائے میرا یقین ہے کہ ایسا تنعم پسند روحانی منازل کے لائق نہیں ہو سکتا۔ لیکن میں ہر ایک کو یہ صلاح نہیں دیتا کہ ایسا کرے اور نہ میں نے اپنی مرضی سے ایسا کیا.... یاد رہے کہ میں نے کشف صریح کے ذریعہ سے خدا تعالیٰ سے اطلاع پا کر جسمانی محنت کشی کا حصہ آٹھ یا نو ماہ تک لیا اور بھوک اور پیاس کا مزہ چکھا اور پھر اس طریق کو علی الدوام بجالانا چھوڑ دیا اور کبھی کبھی اس کو اختیار بھی کیا"۔ [۲۱]

حضرت میر ناصر نواب صاحب کی قادیان میں پہلی بار آمد اور تعلقات کا آغاز

ان دنوں دلی کے مشہور عالی قدر سادات خاندان کے چشم و چراغ' شہرہ آفاق صوفی مرتاض خواجہ میر درد رحمتہ اللہ علیہ کے نبیرہ اور ان کے روحانی کمالات کی یادگار ایک بزرگ جن کا اسم گرامی میر ناصر نواب تھا' [۲۲] امرت سر سے منتقل ہونے کے بعد قادیان کے نزدیک موضع تتلہ میں نہر کے اوورسیر کی حیثیت سے متعین تھے۔ انہیں تبلیغ اسلام کا بڑا جوش تھا۔ ان کے دست مبارک پر اکتوبر ۱۸۷۴ء کو سٹھیالی کا ایک ہندو بنسی دھر حلقہ بگوش اسلام ہوا جس کا نام عبدالحق رکھا گیا [۲۳] ان کو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خاندان میں سب سے پہلے حضور کے بڑے بھائی مرزا غلام قادر صاحب مرحوم سے تعارف ہوا۔ ایک دفعہ حضرت میر صاحبؓ کی زوجہ محترمہ کی طبیعت علیل ہو گئی تو مرزا غلام قادر صاحب نے انہیں اپنے والد حضرت مرزا غلام مرتضیٰ صاحبؒ سے طبی مشورہ کے لئے قادیان جانے کی تحریک کی۔ چنانچہ حضرت میر صاحبؓ پہلی مرتبہ قادیان آئے۔ یہ اندازاً ۱۸۷۶ء کے اوائل کا واقعہ ہے۔ حضرت میر ناصر نواب صاحب کے حرم محترمؓ کی روایت ہے کہ مجھے ڈولے میں بٹھا کر قادیان لائے۔ جب میں یہاں آئی تو نیچے کی منزل میں مرزا غلام قادر صاحب مجلس لگائے بیٹھے تھے اور کچھ لوگ ان کے پاس بیٹھے تھے اور ایک نیچے کی کوٹھری میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام ایک کھڑکی کے پاس بیٹھے قرآن شریف پڑھ رہے تھے۔ میں نے گھر والیوں سے پوچھا کہ یہ کون ہیں؟ انہوں نے کہا کہ یہ مرزا صاحب کا چھوٹا لڑکا ہے اور بالکل ولی آدمی ہے قرآن ہی پڑھتا رہتا ہے۔ اوپر کی منزل میں حضرت مرزا غلام مرتضیٰ صاحبؒ تھے۔ انہوں نے میری نبض دیکھی اور ایک نسخہ لکھ دیا۔ اور پھر میر صاحبؓ کے ساتھ اپنے دلی جانے اور وہاں حکیم محمد شریف صاحب سے علم طب سیکھنے کا ذکر کرتے رہے۔ انہوں نے حضرت میر صاحب کو قادیان میں اور ٹھہرنے کے لئے کہا مگر ہم نہیں ٹھہر سکے۔ کیونکہ (ام المومنین) نصرت جہاں بیگم کو اکیلا چھوڑ آئے تھے [۲۴] حضرت میر صاحب اور ان کی اہلیہ محترمہ کی قادیان میں یہ پہلی آمد تھی جو قریباً ۱۸۷۶ء

کے اوائل میں ہوئی- لیکن حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سے تعلقات کا آغاز غالباً اگلے سال ۱۸۷۷ء کے بعد ہوا- جبکہ حضرت میر صاحبؓ کے اہل و عیال قادیان میں رہائش پذیر ہوئے- چنانچہ آپ کے حرم کا بیان ہے کہ اس کے بعد جب دوسری دفعہ قادیان آئی- تو حضرت مرزا غلام مرتضیٰؒ فوت ہو چکے تھے اور ان کی برسی کا دن تھا جو قدیم رسوم کے مطابق منائی جا رہی تھی- چنانچہ ہمارے گھر بھی بہت سا کھانا وغیرہ آیا تھا- اس دفعہ مرزا غلام قادر صاحب نے میر صاحب سے کہا کہ آپ تتلہ (قادیان سے قریب ایک گاؤں) میں رہتے ہیں جہاں آپ کو تکلیف ہوتی ہوگی اور وہ گاؤں بھی بدمعاش لوگوں کا گاؤں ہے- بہتر ہے کہ آپ یہاں ہمارے مکان میں آجائیں میں گورداسپور رہتا ہوں اور غلام احمد (علیہ الصلوٰۃ والسلام) بھی گھر میں بہت کم آتا ہے اس لئے آپ کو پردہ وغیرہ کی تکلیف نہیں ہوگی- چنانچہ میر صاحبؓ مان گئے اور ہم یہاں آکر رہنے لگے [۲۵] غالباً اسی دوران میں حضرت میر صاحب رضی اللہ عنہ کی مرزا غلام قادر مرحوم کے ذریعہ سے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سے پہلی ملاقات ہوئی تھی [۲۶] حضرت میر ناصر نواب صاحبؓ کے بیان کے مطابق یہ وہ زمانہ تھا جبکہ حضرت اقدس "براہین احمدیہ" لکھ رہے تھے [۲۷] حضرت میر صاحب کے زیادہ مراسم گو آپ کے بڑے بھائی سے تھے لیکن ابتدائی ملاقات ہی سے آپ کے دل پر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تقویٰ شعاری، عبادت اور ریاضت اور گوشہ گزینی نقش ہوگئی جس کا کبھی کبھی گھر میں آکر اظہار کرتے ہوئے کہا کرتے تھے کہ "مرزا غلام قادر کا چھوٹا بھائی بہت نیک اور متقی ہے" [۲۸] چند ماہ بعد ان کی تبدیلی قادیان سے لاہور میں ہوگئی تو وہ چند روز کے لئے اپنے اہل خانہ کو حضور کے مشورہ کے احترام میں بے تامل آپ ہی کے ہاں چھوڑ گئے اور جب وہاں مکان کا بندوبست ہوگیا تو پھر انہیں لے گئے- ان کا کہنا ہے کہ "میں نے اپنے گھر والوں سے سنا کہ جب تک میرے گھر کے لوگ مرزا صاحب کے گھر میں رہے مرزا صاحب کبھی گھر میں داخل نہیں ہوئے بلکہ باہر کے مکان میں رہے- اس قدر ان کو میری عزت کا خیال تھا- وہ بھی عجب وقت تھا حضرت صاحب گوشہ نشین تھے، عبادت اور تصنیف میں مشغول رہتے تھے- لالہ شرمپت اور ملاوامل کبھی کبھی حضرت صاحب کے پاس آیا کرتے تھے اور حضرت صاحب کے کشف اور الہام سنا کرتے تھے بلکہ کئی کشوف اور الہاموں کے پورے ہونے کے گواہ بھی ہیں- اس وقت یہ سچے اور نرم دل تھے"- [۲۹]

حضرت میر صاحب ابتداء" قادیان میں رہائش پذیر ہوئے تو انہیں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ اکثر نماز پڑھنے کا موقعہ ملتا اور وہ نماز کے بعد حضور سے علمی اور فقہی مسائل پر بھی مذاکرہ کیا کرتے تھے- چنانچہ پنڈت دیوی رام (ساکن دودوچک تحصیل شکر گڑھ) کی چشم دید شہادت ہے

کہ میر صاحب چونکہ اہل حدیث مسلک رکھتے تھے اس لئے رفع یدین - آمین بالجہر، ہاتھ باندھنے اور تکبیر پڑھنے کے متعلق تبادلہ خیالات جاری رہتا تھا [20] حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام سے حضرت میر صاحبؓ کے ابتدائی تعلقات کا یہ مختصر سا نقشہ ہے۔ جس کے بعد ان میں روز روز اضافہ ہوتا گیا۔ یہاں تک کہ سات سال بعد وہ بھی دن آ گیا کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام کی شادی ان کے جگر گوشہ حضرت نصرت جہاں بیگم رضی اللہ عنہا سے ہوئی۔ وہ نانا جان کہلائے اور ان کی مقدس صاحبزادی خدا کی ازلی تقدیروں کے باعث "خدیجہ" کے آسمانی خطاب سے سرفراز ہو کر ام المومنین کے نام سے موسوم ہوئیں۔ (اس کی تفصیل آئندہ بیان ہوگی)

حضرت مولانا عبداللہ غزنویؒ اور دوسرے اہل اللہ سے ملاقات

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام کی زندگی کے اس دور کی ایک بھاری خصوصیت یہ تھی کہ آپ ان دنوں بعض اہل اللہ کے پاس تشریف لے جایا کرتے تھے [21]۔ سیالکوٹ میں آپ کا ایک بزرگ مولوی محبوب عالم صاحب مرحوم سے خاص تعلق پیدا ہو گیا تھا۔ وہاں سے واپسی کے بعد آپ نے ایک خدا رسیدہ صوفی حضرت میاں شرف الدین صاحب کی ملاقات کے لئے متعدد بار سم شریف متصل طالب پور ضلع گورداسپور کا سفر اختیار فرمایا۔ تاریخ سے آپ کے یہاں بعض لوگوں کا آنا بھی ثابت ہے۔ مثلاً ایک صاحب کے شاہ نام ساکن لیل متصل دھاری وال قادیان آتے اور آپ ہی کے پاس قیام کرتے تھے [22] ان کے علاوہ حضرت کو جس باخدا اور صاحب ولایت بزرگ سے آخر وقت تک بے حد الفت رہی وہ مولانا مولوی عبداللہ غزنوی رحمتہ اللہ تھے جیسا کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام نے ذکر فرمایا ہے کہ "آپ غایت درجہ کے صالح.... مردان خدا میں تھے اور مکالمہ الٰہیہ کے شرف سے بھی مشرف تھے اور بمرتبہ کمال اتباع سنت کرنے والے اور تقویٰ اور طہارت کے جمیع مراتب اور مدارج کو ملحوظ اور مرعی رکھنے والے تھے۔ اور ان صادقوں اور راستبازوں میں سے تھے جن کو خدا تعالیٰ نے اپنی طرف کھینچا ہوا ہوتا ہے اور پرلے درجہ کے معمور الاوقات اور یاد الٰہی میں محو اور غریق اور اسی راہ میں کھوئے گئے تھے"۔ [23] حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام نے ان سے امرت سر اور اس کے نواحی گاؤں خیروی میں ملاقات فرمائی۔ اس سفر میں جو موسم سرما میں اختیار کیا گیا تھا۔ حضور کے پاس فنڈر کی مشہور کتاب "میزان الحق" (مطبوعہ ۱۸۶۱ء) تھی جس سے آپ نے آخر شب پانی گرم کرنے کا کام لیا۔ آپ فرماتے تھے کہ اس وقت میزان الحق نے خوب کام دیا۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام اپنے قلم سے ان ملاقاتوں کا احوال یوں بیان فرماتے ہیں کہ:

"جب وہ زندہ تھے ایک دفعہ مقام خیروی میں اور دوسری دفعہ امرت سر میں ان سے میری ملاقات ہوئی۔ میں نے انہیں کہا کہ آپ ملہم ہیں ہمارا ایک مدعا ہے اس کے لئے آپ دعا کریں۔ مگر میں آپ کو نہیں بتلاؤں گا کہ کیا مدعا ہے۔ انہوں نے کہا کہ در پوشیدہ داشتن برکت است و من انشاء اللہ دعا خواہم کرد و الہام امر اختیاری نیست۔ اور میرا مدعا یہ تھا کہ دین محمدی علیہ الصلوٰۃ والسلام روز بروز تنزل میں ہے خدا اس کا مددگار ہو۔ بعد اس کے میں قادیان میں چلا آیا۔ تھوڑے دنوں کے بعد بذریعہ ڈاک ان کا خط مجھ کو ملا جس میں لکھا تھا کہ "ایں عاجز برائے شما دعا کردہ بود القاشد وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ - فقیر را کم اتفاق مے افتد کہ بدیں جلدی القاشود ایں از اخلاص شما مے بینم" [۶۴] یہ تو ابتدائی انکشافات تھے ورنہ اسکے بعد تو آپ نے ایک مخلص ارادتمند (منشی محمد یعقوب صاحب) کو باذن الٰہی یہاں تک بتا دیا کہ حضرت مرزا صاحبؑ میرے بعد ایک عظیم الشان کام کے لئے مامور کئے جائیں گے۔ نیز اپنی وفات سے چند دن قبل (فروری ۱۸۸۱ء میں) اللہ تعالیٰ سے بذریعہ کشف خبر پاکر یہ پیشگوئی بھی فرمائی کہ "ایک نور آسمان سے قادیان کی طرف نازل ہوا مگر افسوس میری اولاد اس سے محروم رہ گئی" [۶۵]

آپ کو مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی کی نسبت بھی الہاماً بتایا گیا تھا کہ اس میں کوئی عیب ہے۔ بٹالوی صاحب نے وضاحت چاہی مگر انہوں نے یہی جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ کی حیا مانع ہے۔ دراصل آپ کو عالم رؤیا میں یہ دکھایا گیا تھا کہ بٹالوی صاحب کے کپڑے چاک چاک ہو گئے ہیں [۶۶] ان صریح اور واضح پیشگوئیوں سے جو بعد میں پوری وضاحت و صراحت سے پوری ہوئیں۔ حضرت مولانا رحمتہ اللہ علیہ کی حیرت انگیز قوت کشفی کا اندازہ ہوتا ہے۔

مولانا غزنوی کی وفات کے متعلق قبل از وقت خبر

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام گورداسپور میں تھے کہ حضور کو قبل از وقت بذریعہ رؤیا خبر دی گئی کہ ان کا زمانہ وفات قریب ہے [۶۷] چنانچہ وہ ۱۵۔ ربیع الاول ۱۲۹۸ھ بمطابق ۱۵۔ فروری ۱۸۸۱ء کو انتقال فرما گئے اور امرت سر میں بیرون دروازہ سلطان ونڈ میں دفن ہوئے [۶۸] حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کی وفات کے بعد بھی ان سے کشفی عالم میں ملاقات فرمائی تھی۔ جس میں انہوں نے حضرت اقدس کو خبر دی کہ خدا تعالیٰ آپ سے بڑے بڑے کام لے گا۔ آپ روحانی انوار و برکات کے ذریعہ سے مخالفین حق پر عقلی دلائل اور روحانی انوار و برکات دونوں ذریعہ سے اتمام حجت کریں گے۔ اس کے بعد انہوں نے فرمایا کہ دنیا میں مجھے امید تھی کہ خدا تعالیٰ میرے بعد ضرور ایسا آدمی پیدا کرے گا پھر مولانا غزنویؒ حضور کو ایک وسیع مکان کی طرف

لے گئے جس میں ایک جماعت راستبازوں اور کامل لوگوں کی بیٹھی ہوئی تھی۔ لیکن سب کے سب مسلح اور سپاہیانہ صورت میں ایسی چستی کی طرز سے بیٹھے ہوئے معلوم ہوتے تھے کہ گویا کوئی خدمت بجا لانے کے لئے کسی ایسے حکم کے منتظر بیٹھے ہیں[۱۰۹]

حواشی

۱- حیات النبی صفحہ ۷۳-۲
۲- منشور محمدیؐ کے ایڈیٹر ایک متدین عالم مولانا محمد شریف صاحب تھے۔ اور یہ اخبار مطبع بحر الاسلام بنگلور سے چھپتا تھا۔
۳- لائف آف احمد مولفہ مولانا عبد الرحیم صاحب درد ؓ صفحہ ۶۲
۴- پادری رجب علی کا اخبار۔
۵- شو نرائن اگنی ہوتری کا رسالہ۔
۶- سیرت مسیح موعود حصہ اول صفحہ ۶۴ (مرتبہ شیخ یعقوب علی صاحب عرفانیؓ
۷- حضرت حافظ معین الدین صاحب ؓ کے مفصل حالات زندگی ملاحظہ ہوں۔ الحکم ۲۱۔ فروری ۱۹۳۴ء ۲۸۔ فروری ۱۹۳۴ء ۷۔ مارچ ۱۹۳۴ء
۸- روایات صحابہ (غیر مطبوعہ) جلد ۱ صفحہ ۹۳ ۹۵
۹- سیرت المہدی حصہ اول صفحہ ۲۲۱
۱۰- لالہ ملاوامل کے بیان (مرقومہ حیات النبی صفحہ ۷۱۴) سے ثابت ہے کہ وہ پہلی دفعہ مسجد اقصیٰ کی تعمیر کے بعد حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے۔ لہذا مرزا دین محمد صاحب مرحوم کی یادداشت کا یہ حصہ صحیح معلوم نہیں ہوتا بالخصوص جبکہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام نے کتاب البریہ حاشیہ صفحہ ۱۵۸ میں صاف لکھا ہے کہ مسجد اقصیٰ حضرت والد صاحب قبلہ کی وفات سے چھ ماہ قبل تعمیر ہو چکی تھی اور ان کی وفات سرکاری کاغذات کی رو سے ۱۸۷۶ء میں ہوئی۔
۱۱- حیات احمد جلد اول نمبر ۳ صفحہ ۱۹۹ ۲۰۰
۱۲- سیرۃ المہدی جلد اول صفحہ ۲۲۸
۱۳- حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانی نے حیات النبی صفحہ ۶۴ پر ان کا تخلص محزون لکھا ہے۔
۱۴- سیرت المہدی جلد اول صفحہ ۲۳۲ ۲۳۳
۱۵- بحوالہ الحکم ۱۹۴۲ء صفحہ ۴
۱۶- الحکم ۷۱۰ جون ۱۹۰۱ء صفحہ ۳ بحوالہ تذکرہ طبع دوم صفحہ ۱۸
۱۷- نزول المسیح صفحہ ۲۰۶ ۲۰۷ (طبع اول مطبع ضیاء الاسلام قادیان اگست ۱۹۰۹ء
۱۸- یوحنا باب ۶ آیت ۳۲ ۳۵ ۴۷ ۵۱
۱۹- "Creation" صفحہ ۳۰۴ مولفہ روتھر فورڈ (Rutherford) شائع کردہ انٹرنیشنل بائبل سٹوڈنٹس ایسوسی ایشن ۲۲۱ تا ور بائبل اینڈ ٹریکٹ سوسائٹی بروکلین نیویارک (امریکہ)
۲۰- حضرت شیخ نور احمد صاحب مختار عام کی روایت کے مطابق اس جگہ سکھوں کا جیل خانہ تھا (الحکم ۱۴۔ جنوری ۱۹۳۶ء صفحہ ۶) حافظ صوفی غلام محمد صاحب مبلغ ماریشس کا بیان ہے کہ یہاں سکھوں کا دار القضاء تھا۔ (روایات صحابہ جلد ۷ صفحہ ۷۳ ۲ غیر مطبوعہ)
۲۱- سیرت المہدی حصہ اول صفحہ ۲۳۴
۲۲- حیات النبی جلد اول صفحہ ۴۲-
۲۳- روایات صحابہ جلد ۷ صفحہ ۷۳ ۲ (غیر مطبوعہ)
۲۴- سیرت المہدی جلد سوم صفحہ ۱۸۴
۲۵- کتاب البریہ حاشیہ صفحہ ۱۵۷ تا ۱۵۹
۲۶- کتاب البریہ صفحہ ۱۶۷ طبع دوم

۲۷۔ الفضل جلد ۲۱ نمبر ۷۸ صفحہ ۳ ۳۰۔ دسمبر ۱۹۳۳ء والحکم ۱۴/۷ جون ۱۹۴۳ء صفحہ ۷
۲۸۔ کتاب البریہ صفحہ ۱۶۴٬۱۶۲ حاشیہ طبع اول۔
۲۹۔ روایات صحابہ (غیر مطبوعہ) جلد ۵ صفحہ ۶۲ والحکم ۲۱۔ اگست ۱۹۳۵ء صفحہ ۶ و تذکرہ طبع دوم صفحہ ۷۵۴۔
۳۰۔ الحکم میں اس الہام کا ترجمہ بھی درج ہے کہ تجھ کو قدر والا کیا۔ تجھ کو قدر والا کیا۔ ممکن ہے اصل لفظ وقرت ہو جیسا کہ ترجمہ سے معلوم ہوتا ہے۔
۳۱۔ کتاب البریہ صفحہ ۱۶۶٬ ۱۶۷ (حاشیہ) طبع اول۔
۳۲۔ ولادت ۱۸۳۵ء۔۱۸۳۶ء وفات ۱۹۔ ستمبر ۱۹۲۴ء (سیرت ام المومنین حصہ اول صفحہ ۲۱۱٬ ۲۲۴ مرتبہ شیخ محمود احمد صاحب عرفانی مرحوم)
۳۳۔ اخبار منشور محمدی ۲۵۔ اکتوبر ۱۸۷۴ء
۳۴۔ سیرت المہدی حصہ دوم صفحہ ۱۰۸٬۱۰۹ "لائف آف احمد" صفحہ ۵۶ و سیرت المہدی حصہ اول صفحہ ۲۳۸
۳۵۔ سیرۃ المہدی حصہ دوم صفحہ ۱۰۹٬ ۱۱۰
۳۶٬ ۳۷ حیات ناصر صفحہ ۶ از حضرت شیخ یعقوب علی صاحب مطبوعہ انقلاب سٹیم پریس لاہور دسمبر ۱۹۲۷ء
۳۸۔ سیرت المہدی حصہ دوم صفحہ ۱۱۰
۳۹۔ حیات ناصر صفحہ ۶٬ ۷
۴۰۔ سیرت المہدی حصہ سوم صفحہ ۱۸۲
۴۱۔ دیوان فرخ الموسوم "در مکنون" صفحہ ۱۵۱ پر "فرخ در صحبت درویشاں" کے عنوان سے حضرت اقدس نے ایک نظم بھی کہی ہے جس کے صرف چند صفحہ قبل ۲۱۔ ستمبر ۱۸۷۶ء کی تاریخ درج ہے۔ (مرتب)
۴۲۔ حضرت مولانا رحمتہ اللہ علیہ ۱۲۳۰ھ بمطابق ۱۸۱۴ء۔۱۸۱۵ء میں ضلع غزنی (افغانستان) کے ایک گاؤں گیرو نامی میں پیدا ہوئے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام کی طرح آپ بھی بچپن ہی سے گوشہ تنہائی میں عبادت و ذکر الٰہی میں محو رہتے تھے۔ جب بلوغت کو پہنچے تو خواب میں صحیح بخاری کو غبار آلود دیکھا اور خواب ہی میں اسے صاف کرنا شروع کیا۔ چنانچہ آپ نے صحیح بخاری کے مطالعہ و عمل پر توجہ شروع کی تو غزنی کے ظالم طبع علماء نے وہابی مشہور کر کے ہولناک تکالیف دینی شروع کر دیں۔ کفر کا فتویٰ لگایا اور منہ کالا کر کے گدھے پر سوار کر کے جلا وطن کر دیا جس پر آپ ہجرت کر کے امرت سر میں تشریف لائے اور پھر کچھ عرصہ کے لئے خیروی مقام پر بھی بود و باش رکھی۔ دہلی میں مولوی نذیر حسین صاحب شیخ الکل سے حدیث کی سند لی۔ شیخ الکل کہا کرتے تھے کہ عبداللہ نے مجھ سے حدیث پڑھی اور میں نے اس سے نماز سیکھی (سیرت ثنائی مرتبہ مولانا عبدالمجید صاحب خادم سوہدری مدیر اہلحدیث صفحہ ۳۶۹ دفتر "اہل حدیث" سوہدرہ ضلع گوجرانوالہ ۱۹۵۲ء
۴۳۔ حیات النبی جلد اول صفحہ ۸۰ سوانح عمری مولوی عبداللہ غزنوی مطبوعہ مطبع القرآن والسنہ امرتسر رسالہ نور احمد نمبر ۱ صفحہ ۱۱)
۴۴۔ حقیقتہ الوحی طبع اول صفحہ ۲۳۹٬ ۲۴۰
۴۵۔ حیات النبی جلد ۱ صفحہ ۸۰٬ ۸۲
۴۶۔ الحکم ۳۱۔ اگست ۱۹۰۱ء و رسالہ نور احمد نمبر ۱ از شیخ نور احمد صاحب مالک ریاض ہند امرتسر طبع دوم لاہور ۱۹۵۷ء ناشر حکیم عبداللطیف صاحب شاہد۔
۴۷۔ تریاق القلوب طبع اول صفحہ ۹۵۔ نزول المسیح طبع اول صفحہ ۲۳۷
۴۸۔ سیرت ثنائی صفحہ ۳۶۹ و اشاعتہ السنہ جلد ۴ نمبر ۱٬ ۲
۴۹۔ ازالہ اوہام صفحہ ۸۵٬ ۹۲ حاشیہ (طبع اول)

باب نہم

والد ماجد کا وصال اور
کثرت مکالمات و مخاطبات کی ابتداء

(۱۸۷۶ تا ۱۸۷۷)

والد ماجد کے انتقال کی قبل از وقت خبر

حضرت بانی سلسلہ علیہ الصلوۃ والسلام اوائل جون ۱۸۷۶ء میں چیف کورٹ میں دائر ایک مقدمہ کے سلسلہ میں لاہور تشریف فرما تھے کہ آپ کو عالم رؤیا میں خبر دی گئی کہ آپ کے والد ماجد سفر آخرت پر روانہ ہونے والے ہیں۔ یہ اطلاع پاتے ہی آپ لاہور سے قادیان پہنچے اور دیکھا کہ اگرچہ وہ زحیر کے عارضہ میں مبتلا ہیں لیکن مرض کی شدت کم ہو چکی ہے۔ دوسرے دن (۲۔ جون ۱۸۷۶ء) جبکہ آپ چوبارہ پر استراحت فرما رہے تھے اور ایک خادم جمال کشمیری آپ کے پاؤں مبارک دبا رہا تھا آپ پر الہام نازل ہوا "وَالسَّمَاءِ وَالطَّارِقِ" کہ آسمان کی قسم ہے اور رات کے حادثہ کی قسم ہے۔[1] اور اس کی تفہیم یہ ہوئی کہ حضور کے والد ماجد آج غروب آفتاب کے وقت اس جہان سے رحلت کر جائیں گے یہ دراصل خالق کائنات کی زبان سے تعزیت تھی جو رونما ہونے والے حادثہ سے قبل ہی تسکین قلب کی خاطر آپ سے کی گئی۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام خود تحریر فرماتے ہیں:

"مجھے ایک خواب میں بتلایا گیا تھا کہ اب ان کے انتقال کا وقت قریب ہے۔ میں اس وقت لاہور میں تھا جب مجھے یہ خواب آیا تھا۔ تب میں جلدی سے قادیان میں پہنچا اور ان کو مرض زحیر میں مبتلا پایا لیکن یہ امید ہرگز نہ تھی کہ وہ دوسرے دن میرے آنے سے فوت ہو جائیں گے کیونکہ مرض کی شدت کم ہو گئی تھی اور وہ بڑے استقلال سے بیٹھے رہتے تھے۔ دوسرے دن شدت دوپہر کے وقت ہم سب عزیز ان کی خدمت میں حاضر تھے کہ مرزا صاحب نے مہربانی سے مجھے فرمایا کہ اس وقت تم آرام کر لو۔ کیونکہ جون کا مہینہ تھا اور گرمی سخت پڑتی تھی۔ میں آرام کے لئے ایک چوبارہ میں چلا گیا اور

ایک نوکر پیر دبانے لگا کہ اتنے میں تھوڑی سی غنودگی ہو کر مجھے الہام ہوا وَالسَّمَاءِ وَالطَّارِقِ یعنی قسم ہے آسمان کی جو قضا و قدر کا منبع ہے اور قسم ہے اس حادثہ کی جو آج آفتاب کے غروب کے بعد نازل ہو گا اور مجھے سمجھایا گیا کہ یہ الہام بطور عزا پرسی خدا تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ [۵] اور حادثہ یہ ہے کہ آج ہی تمہارا والد آفتاب کے غروب کے بعد فوت ہو جائے گا۔ سبحان اللہ کیا شان خداوند عظیم ہے کہ ایک شخص جو اپنی عمر ضائع ہونے پر حسرت کرتا ہوا فوت ہوا ہے اس کی وفات کو عزا پرسی کے طور پر بیان فرماتا ہے۔ اس بات سے اکثر لوگ تعجب کریں گے کہ خدا تعالیٰ کی عزا پرسی کیا معنی رکھتی ہے۔ مگر یاد رہے کہ حضرت عز و جل شانہ جب کسی کو نظر رحمت سے دیکھتا ہے تو ایک دوست کی طرح ایسے معاملات اس سے کرتا ہے۔ چنانچہ خدا تعالیٰ کا ہنسنا بھی حدیثوں میں آیا ہے ان ہی معنوں کے لحاظ سے ہے" [۲]

والد ماجد کا انتقال

چنانچہ وَالسَّمَاءِ وَالطَّارِقِ کی آسمانی خبر کے مطابق آپ کے والد ماجد کی روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ اور وہ اپنی وصیت کے مطابق مسجد اقصیٰ کے صحن میں دفن کئے گئے۔ وفات کے وقت ان کی عمر اسی پچاسی سال کے قریب تھی۔ [۴]

حلیہ مبارک، عادات و اخلاق

حضرت اقدس ؑ کے والد بزرگوار حضرت مرزا غلام مرتضیٰ صاحب ؓ نہایت وجیہہ اور دلکش شکل و صورت رکھنے والے بزرگ تھے۔ قد دراز، رنگ گندمی، آنکھیں موٹی اور سرخ، ریش مبارک دراز اور چہرے مہرے سے شاہی سطوت و جلال ٹپکتا تھا [۵]۔ دب کر صلح کرنے یا کسی بڑے سے بڑے حاکم سے مرعوب ہو کر خوشامد کرنے یا اس کے سامنے سر جھکانے کو اپنی شاندار خاندانی عظمت و وجاہت کی توہین سمجھتے تھے یہی وجہ ہے کہ انہوں نے سکھ اور انگریز دونوں کے زمانہ اقتدار میں بھاری نقصانات برداشت کئے [۶]۔ مہاراجہ رنجیت سنگھ نے ان کے اب وجد کی پوری ریاست ضبط کر لی اور صرف چند دیہات واپس کئے اور انگریزی حکومت نے تو باقی ماندہ دیہات بھی ضبط کر لئے اور ان کے ذرائع آمد بالکل محدود ہو کے رہ گئے۔ لیکن بہر نوع انہوں نے کسی دور میں بھی اپنی خاندانی روایات پر آنچ نہیں آنے دی۔ ایک دفعہ بٹالہ کے راجہ تیجا سنگھ بیمار ہوئے۔ ان کو کاربنکل کی قسم کا ایک پھوڑا تھا۔ بہت معالجات کئے گئے کوئی صورت فائدہ کی نہ ہوئی آخر ان کی طرف رجوع کیا گیا اور وہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے شفایاب ہو گئے۔ راجہ صاحب نے بطور ہدیہ ایک کثیر رقم اور خلعت کے علاوہ ان کی آبائی ریاست کے دو گاؤں شتاب کوٹ اور حسن پور یا حسن آباد بطور جاگیر پیش کرنا چاہے۔ مگر آپ نے حقارت آمیز لہجہ میں انکار کرتے

ہوئے جواب دیا "میں ان دیہات کو علاج میں لینا اپنے لئے اور اپنی اولاد کے لئے موجب ہتک سمجھتا ہوں"۔ ۷

ایک مرتبہ مہاراجہ شیر سنگھ کاہنوواں کے چھنب میں شکار کے لئے گئے۔ آپ بھی ان کے ہم رکاب تھے۔ مہاراجہ کے بازدار کو جو قوم کا جولاہا تھا زکام ہو گیا۔ آپ نے اس کو چند پیسوں کا ایک نسخہ لکھ دیا اور وہ اس کے استعمال سے فوراً اچھا ہو گیا۔ اس کے بعد خود راجہ صاحب اسی عارضہ میں مبتلا ہو گئے تو آپ نے تیس چالیس روپے کا ایک قیمتی نسخہ ان کے لئے تجویز کیا۔ مہاراجہ نے کہا کہ اس تفاوت کی کیا وجہ ہے؟ بے ساختہ جواب دیا "شیر سنگھ اور جولاہا ایک نہیں ہو سکتے"۔ ۸ اس جرات مندی پر مہاراجہ شیر سنگھ بہت ہی خوش ہوئے اور آپ کی عزت افزائی کے لئے اس زمانہ کے دستور کے موافق کڑوں کی ایک جوڑی پیش کی۔ ۹

بے باک حق گوئی

یہ تو سکھ فرمانرواؤں کے زمانہ کا تذکرہ ہے حضرت مرزا غلام مرتضیٰ صاحبؒ نے انگریزی حکومت کے ابتدائی دور میں بھی (جو ہندوستانیوں کے لئے بڑا صبر آزما دور تھا اور بڑے بڑے رؤسا دنی انگریز سے بھی سہمے رہتے تھے) بے باک حق گوئی اور وضع داری میں سرمو کوئی فرق نہیں آنے دیا۔ انہیں اپنی زندگی میں بڑے بڑے انگریز حکام سے ملاقات کا موقعہ ملا۔ اور وہ ان سے نہایت بے تکلفی اور آزادی سے گفتگو فرماتے تھے اور اگر کسی موقعہ پر وہ اپنی خودداری اور شاہانہ عظمت کو داغ دار ہوتا محسوس کرتے تھے تو عواقب کی پرواکئے بغیر کھری کھری سنا دیتے تھے۔

ایک دفعہ مسٹر میکانکی ڈپٹی کمشنر گورداسپور قادیان دورہ پر آئے۔ راستے میں انہوں نے ان سے پوچھا کہ آپ کے خیال میں سکھ حکومت اچھی تھی یا انگریزی حکومت اچھی ہے؟ انہوں نے کہا کہ گاؤں چل کر جواب دوں گا۔ جب قادیان پہنچے تو انہوں نے اپنے بھائیوں کے مکانات دکھا کر کہا کہ "یہ سکھوں کے وقت کے بنے ہوئے ہیں۔ مجھے امید نہیں کہ آپ کے وقت میں میرے بیٹے ان کی مرمت بھی کر سکیں"۔ ۱۰ ان کی خودداری اور خاندانی وجاہت کا اس سے عجیب تر واقعہ یہ ہے کہ وہ ایک دفعہ رابرٹ کسٹ صاحب کمشنر سے ملاقات کے لئے گئے۔ باتوں باتوں میں اس نے پوچھا کہ قادیان سے سری گوبند پور کتنی دور ہے؟ انہیں یہ سوال نشتر معلوم ہوا۔ اور وہ فوراً بولے "میں ہرکارہ نہیں" اور سلام کہہ کر رخصت ہونا چاہا۔ رابرٹ نے کہا مرزا صاحب آپ تو ناراض ہو گئے۔ انہوں نے جواب دیا کہ "ہم آپ سے اپنی باتیں کرنے آئے ہیں اور آپ ادھر ادھر کی باتیں پوچھتے ہیں۔ جو آپ نے مجھ سے پوچھا وہ میرا کام نہیں ہے"۔ نتیجہ یہ ہوا کہ کمشنر ان کی منتیں کرنے لگا اور کہنے لگا کہ آپ ناراض نہ

ہوں مجھ سے غلطی ہوئی ہے"۔ [۱۱]

اولوالعزمی اور جوانمردی

ان کی اولوالعزمی اور جوانمردی زباں زد خلائق تھی۔ جب ان کے والد کپور تھلہ میں انتقال فرما گئے تو ان کی عمر صرف سولہ سترہ سال کی تھی۔ انہوں نے فیصلہ کیا کہ وہ اپنے والد کی نعش مبارک قادیان ہی میں دفن کریں گے۔ لوگوں نے کہا کہ وہاں سکھ قابض ہیں جو شدید مزاحمت کریں گے مگر وہ نہ مانے اور لاش لے کر راتوں رات قادیان پہنچے۔ یہاں سکھ مانع ہوئے مگر رعایا کو ان سے ہمدردی ہو گئی اور وہ اپنے والد کو اپنے خاندانی قبرستان میں دفن کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ اس وقت بے سروسامانی کی یہ حالت تھی کہ کسی سے پانچ سیر دانے قرض لے کر گھر میں دیئے اور گھر سے پیدل ہی طبابت سیکھنے کے لئے دلی روانہ ہو گئے کہ عزت پاکر وطن واپس آؤں گا۔ وہاں قیام و طعام کی بے حد مشکلات کا سامنا کرنا پڑا اور فاقوں تک نوبت پہنچی۔ مگر وہ پوری جوانمردی' استقلال اور دل جمعی سے تحصیل علم طب میں مشغول رہے اور دلی کے مشہور حکیم محمد شریف صاحب سے طبابت میں یہاں تک دستگاہ حاصل کرلی کہ ان کا شمار چوٹی کے حکماء میں ہونے لگا۔ واپس آئے تو مہاراجہ رنجیت سنگھ نے ان کی گم گشتہ ریاست کے ۸۴ گاؤں میں سے سات واگذار کر دیئے اور فوج میں جرنل کے عہدہ پر مقرر کر دیا۔ [۱۲]

استغناء اور خودداری

استغناء اور خودداری کا یہ جذبہ عمر کم ہونے کے ساتھ ساتھ بڑھتا چلا گیا اور آخری عمر میں عروج تک پہنچ گیا۔ چنانچہ لکھا ہے کہ مرض الموت میں آپ وفات سے صرف ایک گھنٹہ پہلے قدمچہ کی طرف جانے کے لئے اٹھے تو ایک ملازم نے آپ کو سہارا دینا چاہا مگر آپ نے پیرانہ سالی اور مرض کی شدت کے باوجود نہایت سختی سے اس کا ہاتھ جھٹک کر پرے کر دیا اور فرمایا کہ مجھے سہارا کیوں دیتے ہو"۔ [۱۳] اس شاہانہ مزاج' علو ہمتی اور جلالت شان کے باوجود وہ نہایت بامروت اور وسیع الاخلاق انسان تھے۔ جن کے اعلیٰ کیریکٹر اور وسعت حوصلہ کے متعدد واقعات ہیں۔ [۱۴]

حسن خلق

نیک نیتی' صاف باطنی اور حسن خلق کی جیتی جاگتی تصویر تھے اور خدمت خلق ان کا قومی شعار تھا۔ وہ ایک موسم میں غرباء میں غلہ کی تقسیم کا خاص اہتمام فرمایا کرتے تھے باوجودیکہ تحصیل حکمت میں انہوں نے بڑی بڑی مشکلات برداشت کی تھیں اور غریب الوطنی میں برداشت کی تھیں لیکن انہوں نے فن طبابت کو بطور پیشہ اختیار کرنا کبھی گوارا نہیں کیا [۱۵]۔ اور ان کی پوری زندگی میں کوئی ایک واقعہ بھی ایسا نہیں ملتا جس میں ان کا حکمت کے لئے معاوضہ وصول کرنا ثابت ہو ان کا چشمہ فیض ہر غریب اور فقیر کے لئے جاری رہتا تھا [۱۶]۔ ایک مرتبہ قادیان میں بھنگیوں

میں ہیضہ پھوٹ پڑا۔ آپ ان دنوں بٹالہ میں تھے۔ جونہی آپ کو اطلاع ملی آپ فوراً قادیان پہنچے اور ان کی جھونپڑیوں کے پاس آکر ٹھہر گئے اور نہایت شفقت آمیز لہجہ میں ان کو تسلی دی اور وہاں ہی کھڑے کھڑے حکم دیا کہ قادیان کے عطار آملہ، کشٹے، گڑ اور نمک لیتے آویں۔ چنانچہ تعمیل کی گئی۔ اور آپ نے یہ اشیاء مٹکوں میں ڈلوا دیں اور ہدایت کی کہ جو چاہے گڑ ڈال کر پیئے اور جو چاہے نمکین پیئے۔ دوسرے دن قادیان کی فضا ہیضہ کی وباء سے صاف ہو گئی۔ ۱۷

غرباء کے حقوق بحال کرنے اور ان کی ضروریات پورا کرنے کے لئے وہ حکومت کے بڑے بڑے افسروں تک پہنچتے اور اپنے مطالبات منوا کر آتے تھے۔ ایک مرتبہ بٹالہ کے ایک حجام نے ان سے درخواست کی کہ اس کی معافی ضبط ہو گئی ہے۔ فنانشل کمشنر (ایجرٹن) سے (جو بعد کو لیفٹیننٹ گورنر پنجاب ہو گئے تھے) میری سفارش کر دیں۔ چنانچہ آپ اسے ساتھ لے کر لاہور گئے۔ اس وقت شالامار باغ میں جلسہ ہو رہا تھا۔ جب جلسہ ختم ہوا تو آپ نے فنانشل کمشنر سے کہا کہ آپ اس شخص کی بانہہ پکڑ لیں۔ فنانشل کمشنر نے ہرچند کہا کہ اس کا کیا مطلب ہے؟ مگر آپ نے یہی فرمایا کہ نہیں اس کی بانہہ پکڑ لو۔ آخر وہ آپ کے اصرار پر مجبور ہوا۔ جب انہوں نے ہاتھ پکڑ لیا تب کہا کہ ہمارے ملک میں دستور ہے کہ جس کی بانہہ یعنی ہاتھ پکڑ لیتے ہیں پھر خواہ سر چلا جائے اس کو چھوڑتے نہیں۔ اب آپ نے اس کا ہاتھ پکڑا ہے اس کی لاج رکھنا اور پھر کہا کہ اس کی معافی ضبط ہو گئی ہے کیا معافیاں دے کر ضبط کیا کرتے ہیں؟ فنانشل کمشنر کو آپ کے جذبہ انسانیت کے سامنے سرانداز ہونا پڑا اور اس نے دوسرے ہی دن حجام کی مسل طلب کر کے معافی بحال کر دی ۱۸

رحمت خداوندی پر نظر حضرت مرزا غلام مرتضیٰ صاحب کے حالات زندگی میں دنیاداری کا رنگ صاف نمایاں ہوتا تھا۔ اس اعتبار سے وہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طبیعت کے بالکل ضد واقع ہوئے تھے جس کا کھلا اعتراف کرتے ہوئے وہ اکثر اپنا یہ شعر پڑھا کرتے تھے ۔

کردیم نا کردنی ہمہ عمر اے وائے بماکہ ماچہ کردیم

لیکن اپنی تہی دامنی کے مقابل خدائی رحمتوں کی وسعتوں کا احساس ہمیشہ ان کے دل و دماغ پر حاوی رہتا تھا اور وہ اس کے آستانہ سے کبھی مایوس نہیں ہوتے تھے۔ ایک دفعہ ایک بغدادی مولوی صاحب قادیان آئے تو آپ نے ان کی بڑی عزت کی اور ان کی خاطر مدارت میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا انہوں نے کہا مرزا صاحب آپ نماز نہیں پڑھتے۔ جواب دیا قصور ہے مگر خاموش ہونے کی بجائے اور زیادہ اصرار سے پوچھنے لگے کہ آپ نماز نہیں پڑھتے اور آپ ہر مرتبہ کہہ دیتے کہ قصور ہے۔ آخر

مولوی صاحب نے کہا "آپ نماز نہیں پڑھتے خدا تعالیٰ آپ کو دوزخ میں ڈال دے گا" اس فقرہ پر انہیں جوش آگیا اور فرمایا کہ "تم کو کیا معلوم ہے کہ وہ مجھے دوزخ میں ڈالے گا کہاں؟ میں اللہ تعالیٰ پر ایسا بدظن نہیں میری امید وسیع ہے۔ اس نے فرمایا کہ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ تم مایوس ہو گئے۔ میں نہیں۔ میں خدا تعالیٰ کے رحم و کرم پر بھروسہ کرتا ہوں یہ تمہاری بداعتقادی ہے تم کو خدا تعالیٰ پر ایمان نہیں"۔[۱۹]

خدا تعالیٰ کا ان سے غیر معمولی سلوک

اسی حسن اعتقاد ہی کی بدولت اللہ تعالیٰ بھی ان کے ساتھ بعض اوقات غیر معمولی سلوک کرتا اور خصوصی احسانات سے نوازتا تھا۔ ان کی زندگی کا ایک مشہور واقعہ ہے کہ آپ ایک دفعہ سخت بیمار ہوئے اور بیماری بہت طوالت پکڑ گئی۔ اسی اثناء میں ان کے ہاں ایک ملاں آیا اور اس نے سمجھا کہ مرض کا بہت زور ہے تو وہ باہر نکل کر کواڑ کے پیچھے اس انتظار میں کھڑا ہو گیا کہ کب دم نکلتا ہے اور عورتیں رونا شروع کرتی ہیں۔ وہ دیر تک اسی حالت میں کھڑا تھا کہ اچانک آپ کی نظر اس پر پڑ گئی۔ فرمانے لگے ملاں چلے جاؤ ابھی تو میرے بیس سال باقی ہیں تو کب تک انتظار کرے گا چنانچہ سچ مچ آپ اس کے بعد ایک عرصہ تک زندہ رہے۔[۲۰]

اسی طرح آپ کے برادر زادہ مرزا امام الدین نے (جو آخر وقت تک اس خاندان کا جانی دشمن رہا) ایک دفعہ آپ کے خلاف قتل کی ناپاک سازش کی جسے خدا تعالیٰ نے خاص تصرف سے ناکام بنادیا۔ سوچیت سنگھ کا (جسے اس ملعون کام کی تکمیل کے لئے آلہ کار بنایا گیا تھا) بیان ہے کہ بڑے مرزا صاحب بالاخانے میں رہتے تھے۔ میں کچے دیوان خانہ کی دیوار سے ان تک پہنچنے کے لئے کئی دفعہ اوپر چڑھا اور ہر مرتبہ ان کے پاس مجھے دو محافظ نظر آئے۔ یہ دیکھ کر میں خوفزدہ ہو گیا اور بالآخر میں نے اس ارادہ بد سے توبہ کر لی۔ دراصل خدا تعالیٰ کی قدرت نمائی کا کرشمہ تھا کہ اسے ہر دفعہ دو پہرہ دار دکھائی دیئے۔ ورنہ یہ حقیقت ہے کہ آپ کے پاس اس وقت کوئی محافظ موجود نہیں تھا آپ کی طبیعت شگفتہ تھی[۲۱]۔ شجاعت، راست گوئی، جرات استقلال و وفاداری عہد اور دوستی میں سلف صالحین کا پاک نمونہ تھے۔ شعر و شاعری میں خاص دسترس تھی اور علمی تشنگی بجھانے کے لئے انہوں نے ایک وسیع لائبریری بھی قائم کر رکھی تھی جس میں قیمتی کتابوں کا ایک نایاب ذخیرہ تھا اور بعض کتابیں اپنے خاندان کی تاریخ کے متعلق بھی تھیں۔

آپ کی زندگی کا شاندار کارنامہ

آپ کی زندگی کا آخری اور شاندار کارنامہ مسجد اقصیٰ کی تعمیر ہے جہاں آپ اس وقت ابدی نیند سو رہے ہیں اور

جو آپ کے خلوص و ایمان، حسن خاتمہ اور دربار خالق میں قبولیت کی دائمی یادگار ہے۔

اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ مَثْوٰهُ فِی الْجَنَّةِ وَاَدْخِلْهُ فِیْ عِبَادِکَ الْمُؤْمِنِیْنَ

والد کی وفات کے بعد خدا تعالیٰ کی کفالت

چونکہ خاندانی معاش کے اکثر وجوہ آپ کے والد ماجدؒ ہی سے وابستہ تھے اور انہیں حکومت کی طرف سے پنشن وغیرہ ملتی تھی جو ان کی زندگی سے مشروط تھی۔ اس لئے طبعی طور پر آپ کو اپنے والد کے انتقال کی آسمانی خبر پر سخت صدمہ ہوا۔ اور دل میں خوف پیدا ہوا کہ شاید تنگی اور تکلیف کے دن ہم پر آئیں گے۔ یہ خیال بجلی کی چمک کی طرح ایک سیکنڈ سے بھی کم عرصہ میں آپ کے دل میں گزرا تھا کہ اسی وقت غنودگی طاری ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایک دوسرے الہام "الیس اللہ بکاف عبدہ" کے ذریعہ سے بشارت دی کہ آپ کو یوں مشوش ہونے کی ضرورت نہیں۔ سایہ پدری سے محرومی کے بعد زمین و آسمان کا خدا آپ کو خود اپنی کفالت میں لے لے گا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اس واقعہ کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"جب مجھے حضرت والد صاحب مرحوم کی وفات کی نسبت اللہ جلشانہ کی طرف سے یہ الہام ہوا جو میں نے ابھی ذکر کیا ہے تو بشریت کی وجہ سے مجھے خیال آیا کہ بعض وجوہ آمدن حضرت والد صاحب کی زندگی سے وابستہ ہیں پھر نہ معلوم کیا کیا ابتلاء ہمیں پیش آئے گا۔ تب اسی وقت یہ دوسرا الہام ہوا الیس اللہ بکاف عبدہ یعنی کیا خدا اپنے بندے کو کافی نہیں ہے؟ اور اس الہام نے عجیب سکینت اور اطمینان بخشا اور فولادی میخ کی طرح میرے دل میں دھنس گیا۔ پس مجھے اس خدائے عزوجل کی قسم ہے جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ اس نے اپنے مبشرانہ الہام کو ایسے طور سے مجھے سچا کر دکھلایا کہ میرے خیال اور گمان میں بھی نہ تھا میرا وہ ایسا متکفل ہوا کہ کبھی کسی کا باپ ہرگز متکفل نہیں ہو گا۔ میرے پر اس کے وہ متواتر احسان ہوئے کہ بالکل محال ہے کہ میں ان کا شمار کر سکوں۔ اور میرے والد صاحب اسی دن بعد غروب آفتاب فوت ہو گئے۔ یہ ایک پہلا دن تھا جو میں نے بذریعہ خدا کے الہام کے ایسا رحمت کا نشان دیکھا جس کی نسبت میں خیال نہیں کر سکتا کہ میری زندگی میں کبھی منقطع ہو"۔ [۲۲]

یہ الہام چونکہ ایک عظیم الشان پیشگوئی پر مشتمل تھا جو آئندہ ایک زبردست نشان بن کر ظاہر ہونے والی تھی۔ اس لئے آپ نے اسی وقت لالہ ملاوامل صاحب کو تفصیلات سے آگاہ کر دیا اور امرتسر میں حکیم محمد شریف صاحب کلانوری کی طرف بھیجا کہ وہ ان کی معرفت یہ الفاظ کسی نگینہ میں کندہ کرالائیں۔ چنانچہ لالہ ملاوامل صاحب امرتسر گئے اور مبلغ پانچ روپیہ میں انگشتری تیار کروا لائے [۲۳]۔ اور اسی طرح لالہ ملاوامل صاحب اور حکیم مولوی محمد شریف صاحب کلانوری دونوں اس چمکتے

ہوئے نشان کے شاہد ناطق بن گئے جو بعد میں حیرت انگیز رنگ میں ظاہر ہوا اور قیامت تک پورا ہوتا رہے گا۔ آسمانی باپ نے کس طرح آپ کی کفالت فرمائی۔ اس کا نقشہ کھینچتے ہوئے حضور ایک نظم میں فرماتے ہیں۔

ابتداء سے تیرے ہی سایہ میں میرے دن کٹے ——— گود میں تیری رہا میں مثل طفل شیر خوار
نسل انساں میں نہیں دیکھی وفا جو تجھ میں ہے ——— تیرے بن دیکھا نہیں کوئی بھی یار غمگسار
اس قدر مجھ پر ہوئیں تیری عنایات و کرم ——— جن کا مشکل ہے کہ تا روز قیامت ہو شمار
میں بھی ہوں تیرے نشانوں سے جہاں میں اک نشاں ——— جس کو تو نے کر دیا ہے قوم و دیں کا افتخار [۲۴]

کثرت مکالمات و مخاطبات کی ابتداء

حضرت مرزا غلام مرتضیٰ صاحب مرحوم کا انتقال فرمانا ہی تھا کہ آپ پر بڑے زور و شور سے مکالمات و مخاطبات کا نزول شروع ہو گیا۔ آپؑ خود فرماتے ہیں:

"ایک طرف ان کا (یعنی حضرت والد ماجد ؒ کا۔ ناقل) دنیا سے اٹھایا جانا تھا اور ایک طرف بڑے زور و شور سے سلسلہ مکالمات الہیہ کا مجھ سے شروع ہوا۔ میں کچھ بیان نہیں کر سکتا کہ میرا کون سا عمل تھا جس کی وجہ سے یہ عنایت الٰہی شامل حال ہوئی۔ صرف اپنے اندر یہ احساس کرتا ہوں کہ فطرتاً میرے دل کو خدا تعالیٰ کی طرف وفاداری کے ساتھ ایک کشش ہے جو کسی چیز کے روکنے سے رک نہیں سکتی۔ سو یہ اسی کی عنایت ہے"۔ [۲۵]

کثرت مکالمات الہیہ کے اس ابتدائی زمانہ میں آپ پر کئی عظیم الشان اخبار غیبیہ کا انکشاف ہوا۔ انگریزی الہامات کی ابتداء ہوئی اور مختلف مواقع پر آپ کی تائید میں کئی چمکتے ہوئے آسمانی نشان ظاہر ہوئے۔

مرزا غلام قادر صاحب کی جانشینی اور دور ابتلاء

اب آپ اگرچہ براہ راست اللہ تعالیٰ کے آغوش شفقت و محبت میں آچکے تھے اور وہی ہر لحظہ آپ کا حقیقی سرپرست، مربی، مونس و غمخوار اور معین و مددگار تھا لیکن اس کی حکیمانہ مصلحتوں اور پر حکمت تقدیروں کے مطابق ابھی آپ کے لئے اقتصادی لحاظ سے ایک شدید دور ابتلاء میں سے گذرنا ضروری تھا۔ اس لئے آپ کے والد صاحب کے انتقال کے بعد جونہی آپ کے بڑے بھائی (مرزا غلام قادر صاحب مرحوم) جانشین ہوئے آپ کی زندگی میں امتحان اور آزمائش کی ایک دوسری منزل شروع ہوئی جو ان کے سات سالہ زمانہ جانشینی (۱۸۷۶ء سے ۱۸۸۳ء) تک جاری رہی۔ [۲۶]

حضرت بانی سلسلہ عالیہ احمدیہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے والد ماجد کو قادیان کے سالم گاؤں پر حقوق مالکانہ حاصل تھے۔ اور اس کے علاوہ بٹالہ' امرتسر اور گورداسپور میں مکانات اور دوکانات کی شکل میں معقول جائیداد بھی موجود تھی۔ اور چونکہ آپ دو بھائی تھے اس لئے شرعاً اور قانوناً آپ ان کی متروکہ جائیداد کے برابر کے حصہ دار تھے اور اگر آپ چاہتے تو اسے تقسیم کرا سکتے تھے۔ لیکن آپ اپنے والد ماجد مرحوم کی وفات کے بعد جائیداد سے بالکل بے نیاز ہو کر عبادت' مطالعہ کتب اور اعلائے کلمہ الاسلام میں مشغول ہو گئے۔ اور پوری جائیداد بڑے بھائی مرزا غلام قادر صاحب کے سپرد فرما دی اور اپنا یہ معمول بنا لیا کہ حتی الوسع کسی قسم کی ضروریات کا اظہار نہ فرماتے۔ جو کچھ پہننے کو ملتا عجب شان بے نیازی سے پہن لیتے اور جو کھانا آتا وہ اپنے گزشتہ دستور کے مطابق مرزا مہتاب بیگ' حسینا کشمیری' جمال کشمیری' غفارا اور حافظ معین الدین صاحب وغیرہ کو دے دیتے اور خود ایک پیسے کے چنے منگوا کر گزارا کر لیتے۔ اور جب یہ بھی نہ ہوتا تو فاقہ کر لیتے۔ غرض کہ ان دنوں آپ نہایت سادہ اور درویشانہ زندگی بسر کر رہے تھے۔ اور صبح شام ذکر الٰہی اور اشاعت حق اور تربیت و اصلاح کے مشاغل میں گزرتے تھے۔ بے شبہ آپ کے بڑے بھائی آپ کا ادب و احترام بھی کرتے اور آپ سے محبت کی وجہ سے آپ کی ضروریات مہیا کرنے میں ایک گونہ خوشی بھی پاتے تھے مگر دنیا داری کے رنگ میں پوری طرح رنگین ہونے کے سبب وہ اکثر اظہار افسوس ہی کرتے رہتے تھے کہ آپ کسی کام کی طرف متوجہ نہیں ہوتے۔ بلکہ ان کی نگاہ میں ایک لمبے عرصہ سے اور غالباً اپنے والد ماجد کے تاثرات کے تحت آپ کے متعلق یہ نظریہ ہو چکا تھا کہ آپ زمانہ کے تقاضوں سے غافل اور دنیاوی معاملات میں بالکل ست ہیں۔ آپ کا مطالعہ کتب اور دوسرے دینی مشاغل ان کے نزدیک محض ضیاع وقت تھے۔ چنانچہ آپ نے ایک دفعہ کسی اخبار کے منگوانے کے لئے ان سے ایک نہایت قلیل رقم منگوائی تو انہوں نے آپ کی جائیداد پر قابض ہونے کے باوجود صاف انکار کر دیا اور کہا یہ اسراف ہے۔ کام تو کچھ کرتے نہیں اور یونہی بیٹھے کتب و اخبارات کا مطالعہ کرتے رہتے ہیں۔ ان کا یہ طرز عمل اور دنیادارانہ سلوک گو بہت حوصلہ شکن اور صبر آزما تھا لیکن مصیبت کی حد یہ تھی کہ وہ خود تو گورداسپور میں ڈپٹی کمشنر کے دفتر میں ملازم تھے اور اکثر گورداسپور میں رہتے تھے لیکن ان کی غیر حاضری میں گھر کے منتظمین آپ کو ادنیٰ ادنیٰ معاملات میں بھی تنگ کرنے میں کوشاں رہتے تھے۔ وہ حضور کو اپنا دست نگر سمجھتے اور آپ کے خلاف یہاں تک بائیکاٹ سا کر رکھا تھا کہ اگر دوسرا کوئی حضور کی خدمت میں کوئی چیز بھجواتا تو علم ہونے پر ان کا غم و غصہ انتہا تک پہنچ جاتا تھا۔ وسط ۱۸۷۷ء کا واقعہ ہے کہ جب حضرت میر ناصر نواب صاحبؓ مرزا غلام قادر صاحب کے مشورہ پر قادیان رہائش پذیر ہوئے۔ مرزا غلام قادر صاحب جب

گورداسپور سے آتے تو ان کے لئے پان لاتے۔ اور ان کی زوجہ محترمہ (یعنی حضرت نانی جانؓ مرزا غلام قادر صاحب مرحوم کے واسطے اچھا سا کھانا وغیرہ تیار کر کے بھیجا کرتی تھیں) ایک دفعہ جو حضرت نانی اماںؓ نے شامی کباب ان کے لئے تیار کئے اور بھیجنے لگیں تو انہیں معلوم ہوا کہ وہ گورداسپور واپس چلے گئے ہیں۔ چنانچہ انہوں نے نائن کے ہاتھ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو وہ کباب بھجوا دیئے اور اس کے بعد آپ ہر دوسرے تیسرے دن حضور کو کچھ کھانا وغیرہ بنا کر بھیج دیا کرتی تھیں اور حضور بڑی خوشی سے تناول فرما لیتے تھے۔ حضرت نانی اماںؓ کا بیان ہے کہ بعد میں جب اس بات کی اطلاع اہلیہ صاحبہ مرزا غلام قادر صاحب کو ہوئی تو وہ بہت خفا ہوئیں۔ کہ میں کیوں ان کو کھانا بھیجتی ہوں۔ دراصل وہ اس زمانہ میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سخت مخالف تھیں۔ اور چونکہ گھر کا سارا انتظام انہی کے ہاتھ میں تھا اس لئے وہ ہر بات میں حضور کو تکلیف پہنچاتی تھیں۔ اس وقت پورے خاندان میں صرف حضرت اقدس کی ممانی (صاحبزادہ مرزا سلطان احمد صاحب مرحوم کی نانی) کو آپ سے محبت تھی۔ باقی سب مخالف تھے۔ اور آپ کو بد دعائیں دیتے اور برا بھلا کہتے رہتے تھے الختصریہ زمانہ نہایت درجہ حسرت اور تنگی کا زمانہ تھا [۶۷]۔ لیکن حضرت اقدسؑ نے اسے ایک خدائی آزمائش سمجھتے اور انعام و برکت قرار دیتے ہوئے بے حد صبر و تحمل سے گذارا۔ آپ مسلسل سات سال تک مختلف مظالم کا تختہ مشق بنے اور زبان پر حرف شکایت نہ لائے۔ بد دعائیں سنیں اور دعاؤں میں مصروف رہے اور صبر و تحمل کا وہ کامیاب نمونہ دکھایا کہ رحمت دوعالم حضرت رسول اکرم ﷺ کے زمانہ کی یاد تازہ ہو گئی۔

حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کے خلاف پہلا مقدمہ

حضرت والد ماجد مرحوم کے انتقال کے دوسرے سال ۱۸۷۷ء میں آپ کے خلاف ایک عیسائی رلیا رام نے مقدمہ دائر کیا جو آپ کی زندگی میں آپ کے خلاف پہلا مقدمہ تھا۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام قریباً پانچ سال سے تبلیغ اسلام کی غرض سے قلمی جنگ کر رہے تھے کہ اس سلسلہ میں حضورؑ نے اسلام کی تائید میں امرت سر کے ایک پریس کو اشاعت کی غرض سے پیکٹ میں ایک مضمون ارسال فرمایا اور اس میں ایک خط بھی رکھ دیا۔ چونکہ خط میں ایسے الفاظ تھے جن میں اسلام کی تائید اور دوسرے مذاہب کے بطلان کی طرف اشارہ تھا اور مضمون کے چھاپ دینے کے لئے تاکید بھی تھی۔ اس لئے پریس کے عیسائی مالک رلیا رام وکیل جو امرت سر کے عیسائی مشن کی روح رواں سمجھا جاتا تھا اور مسیحیت کو اعلیٰ طبقہ تک پہنچانے میں اسے گہرا عمل و دخل تھا سخت مشتعل ہوا [۶۸]۔ چنانچہ اسے اپنے دل کی بھڑاس نکالنے کا ایک موقعہ ہاتھ آ گیا۔ کسی علیحدہ خط کا پیکٹ میں رکھنا قانوناً

ایک جرم تھا[۲۶]۔ اور ایسے جرم کی سزا میں ڈاک خانہ کے قوانین کی رو سے پانچ سو روپیہ جرمانہ یا چھ ماہ تک قید تھی جس کی حضرت اقدسؑ کو کچھ بھی اطلاع نہ تھی۔ لیکن رلیا رام نے مخبر بن کر ڈاک کے افسروں کے ذریعہ سے حضور پر عدالت میں مقدمہ دائر کر دیا۔ اور قبل اس کے کہ حضور کو اس مقدمہ کے متعلق کچھ خبر ہو رؤیا میں اللہ تعالیٰ نے حضور پر ظاہر کیا کہ رلیا رام وکیل نے ایک سانپ میرے کاٹنے کے لئے مجھ کو بھیجا ہے اور میں نے مچھلی کی طرح تل کر واپس کر دیا ہے۔ غرض اس جرم میں حضور گورداسپور میں طلب فرمائے گئے۔ اور جن جن وکلاء سے مقدمہ کے لئے مشورہ لیا گیا انہوں نے یہی مشورہ دیا کہ جھوٹ کے بغیر اور کوئی راہ نجات نہیں۔ اور یہ صلاح دی کہ اس طرح اظہار دے دیں کہ ہم نے پیکٹ میں خط نہیں ڈالا تھا' رلیا رام نے خود ڈال دیا ہو گا۔ نیز بطور تسلی کہا کہ ایسا بیان کرنے سے شہادت پر فیصلہ ہو جائے گا اور دو چار جھوٹے گواہ دے کر بریت ہو جائے گی۔ ورنہ صورت مقدمہ سخت مشکل ہے اور کوئی طریق رہائی نہیں۔ مگر حضور نے سب ہی وکلاء کو جواب دیا۔ کہ میں کسی حالت میں سچائی کو چھوڑنا نہیں چاہتا' جو ہو گا سو ہو گا۔ چنانچہ شیخ علی احمد صاحب کی (جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس مقدمہ میں وکیل و پیروکار تھے) شہادت ہے کہ میں نے ہر چند چاہا کہ مرزا صاحب انکار کر دیں کہ یہ خط اس میں نہیں رکھا تھا۔ میرے نزدیک اس کا کوئی ثبوت نہیں ہو سکتا تھا کہ وہ خط اس پیکٹ میں سے برآمد ہوا۔ اور اس کے متعلق شہادت قوی نہ تھی۔ بوجہ اختلاف مذہب خود رلیا رام کی شہادت بھی آئینی لحاظ سے چنداں قابل پذیرائی نہ تھی۔ میں جس قدر اصرار کرتا تھا اسی قدر مرزا صاحب انکار کرنے سے انکار کرتے تھے۔ میں نے ان کو ہر چند ڈرایا کہ نتیجہ اچھا نہ ہو گا اور خواہ نخواہ ایک معزز خاندان پر فوجداری مقدمہ میں سزا پانے کا داغ لگ جائے گا مگر وہ میری بات نہ مانے اور میں نے یہ سمجھ کر کہ میری پیروی میں مقدمہ ہار گیا تو بڑی بدنامی خاندان کی طرف سے ہو گی۔ اس لئے حضرت مرزا صاحب کے انکار نہ کرنے کے اصرار سے فائدہ اٹھا کر میں نے کہا کہ اگر آپ میری بات نہیں مانتے تو میں پیروی نہیں کرتا۔ میرا خیال یہ تھا کہ مقدمہ میں سزا ہو گی اور الزام ان پر رہ جائے گا کہ وکیل کے مشورہ کے خلاف عمل کرنے سے ایسا ہوا۔ میں اس طرح اپنی ناراضی کا اظہار کر کے پیش نہ ہوا اور میری غیر حاضری میں مقدمہ پیش ہو گیا۔

بہرحال حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام ایک انگریز کی عدالت میں پیش ہوئے اور آپ کے مقابل ڈاک خانہ جات کا افسر سرکاری مدعی کی حیثیت سے حاضر ہوا۔ اس وقت جج نے اپنے ہاتھ سے حضور کا بیان قلمبند کیا اور سب سے قبل حضور سے سوال کیا کہ کیا یہ خط آپ نے اپنے پیکٹ میں رکھ دیا تھا اور یہ خط اور پیکٹ تمہارا ہے؟ حضور نے بلاتوقف جواب دیا کہ یہ میرا ہی خط اور میرا ہی پیکٹ ہے

اور میں نے اس خط کو پیکٹ کے اندر رکھ کر روانہ کیا تھا۔ مگر میں نے گورنمنٹ کی نقصان رسانی محصول کے لئے بدنیتی سے یہ کام نہیں کیا بلکہ میں نے اس خط کو اس مضمون سے کچھ علیحدہ نہیں سمجھا اور نہ اس میں کوئی پیچ کی بات تھی۔ یہ بات سنتے ہی خدا تعالیٰ نے اس انگریز کے دل کو حضور کی طرف پھیر دیا۔ حضور کے مقابل پر ڈاک خانہ جات کے افسر نے بہت شور مچایا اور اپنا کیس مضبوط کرنے کے لئے انگریزی میں لمبی لمبی تقریریں کیں مگر وہ حاکم ہر ایک تقریر کے بعد زبان انگریزی میں نو۔ نو (No-No) کر کے اس کی سب باتوں کو رد کر دیتا تھا۔ انجام کار جب وہ افسر اپنے تمام وجوہ پیش کر کے تمام بخارات نکال چکا تو حاکم نے فیصلہ لکھنے کی طرف توجہ کی اور شاید سطر یا ڈیڑھ سطر لکھ کر حضور سے کہا کہ آپ کے لئے رخصت۔ اور مقدمہ خارج کر دیا۔ حضرت اقدسؑ عدالت کے کمرہ سے باہر تشریف لائے اور اپنے محسن حقیقی کا شکر بجالائے جس نے حضور کو راست گفتاری کی برکت سے اس معرکہ میں شاندار فتح بخشی۔ حضور اقدس نے مقدمہ سے قبل یہ خواب بھی دیکھی تھی۔ کہ ایک شخص نے حضور کی ٹوپی اتارنے کے لئے ہاتھ مارا۔ حضور نے فرمایا کیا کرنے لگا ہے۔ تب اس نے ٹوپی حضور ہی کے سر پر رہنے دی اور کہا کہ خیر ہے خیر ہے"۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اس غیر معمولی کامیابی پر حضور کے وکیل شیخ علی احمد صاحب جو فیصلہ میں سزا کا یقین کر کے عدالت ہی سے غائب ہو گئے تھے حیرت زدہ رہ گئے اور آخر دم تک حضور کی فوق العادت راست گفتاری کے عمر بھر مداح رہے۔ [۲۰]

سفر سیالکوٹ

اسی سال حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حکیم میر حسام الدین صاحب کی دعوت پر سیالکوٹ کا سفر اختیار کیا اور اپنے مخلص ہندو دوست لالہ بھیم سین صاحب کے ہاں قیام فرمایا۔ [۲۱]

منشی سراج الدین صاحب مرحوم بانی اخبار زمیندار کا قادیان میں ورود

اسی سال برصغیر ہند و پاکستان کے مشہور صحافی، سیاسی لیڈر اور قومی شاعر ظفر علی خان صاحب کے والد منشی سراج الدین صاحب بانی اخبار "زمیندار" غالباً مرزا موحد بیگ صاحب جالندھری کی معیت میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زیارت کے لئے حاضر ہوئے اور ایک رات کے مختصر سے قیام کے بعد واپس آگئے۔ اس ملاقات میں وہ آپ کے استغراق اور انقطاع الی اللہ سے بے حد متاثر ہوئے اور عمر بھر اس کی یاد سے لطف اندوز ہوتے رہے۔ چنانچہ اپنے اخبار زمیندار مئی ۱۹۰۸ء میں لکھا:

"۱۸۷۷ء میں ہمیں ایک شب قادیان میں آپ کے یہاں مہمانی کی عزت حاصل ہوئی ان دنوں

میں بھی آپ عبادت اور وظائف میں اس قدر محو و مستغرق تھے کہ مہمانوں سے بھی بہت کم گفتگو کرتے تھے"۔ [۲۲]

قادیان سے ایک سیاہ کار سادھو کا اخراج

اسی سال قادیان میں ایک سیاہ کار سادھو نے ڈیرہ لگالیا۔ یہ سادھو بڑی وزنی موگریوں سے ورزش کیا کرتا تھا۔ ہندو عوام تو خوش اعتقادی سے اسے شہ زوری میں ہنومان کا مثیل سمجھنے لگے تھے اور وہ تقدس کے پردہ میں عصمتوں کو پارہ پارہ کرنے میں مصروف رہتا تھا۔ آبروریزی کا یہ سیلاب ابھرا ہی تھا کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام تک اس کی خبر پہنچ گئی۔ حضور نے سنتے ہی چوکیدار کے ذریعہ سے اس بدباطن سادھو کو حکم دیا کہ یہاں سے چلے جاؤ۔ چنانچہ وہ ہیبت زدہ ہو کر اپنا بستر بوریا اور موگریاں وغیرہ اٹھائے گاؤں سے بھاگ گیا اور پھر کبھی دکھائی نہ دیا۔ [۲۳]

"نعمۃ الباری" کی تصنیف کا ارادہ

غالباً اسی دور میں حضور نے ایک کتاب "نعمۃ الباری" کی تصنیف کا ارادہ فرمایا [۲۴]۔ اور فارسی اشعار میں اس کا خطبہ بھی لکھا لیکن بعد میں خود ہی بتایا کہ جب میں نے قلم لے کر لکھنا شروع کیا تو یکایک باران رحمت کا نزول ہوا [۲۵]۔ اور میں نے محسوس کیا کہ ہر ایک قطرہ بارش اپنے ساتھ لاانتہاء برکات اور فیوض لے کر آتا ہے اس کو دیکھ کر اور اس احساس کے بعد میں نے قلم رکھ دیا کہ میں خدا تعالیٰ کی نعمتوں اور فضلوں کو گن نہیں سکتا۔ جیسے بارش کے ان قطرات کا شمار میرے امکان سے باہر ہے اسی طرح یہ امر بھی میرے امکان سے خارج ہے کہ میں خدا تعالیٰ کے ان انعامات کا جو مجھ پر ہوئے ہیں گن سکوں۔ ساری دنیا اور اس کا ایک ایک ذرہ اور نظام عالم کو میں نے اپنی ذات کے لئے دیکھا اور معرفت کا دفتر مجھ پر کھولا گیا۔ اور میں نے سمجھا کہ یہ بارش کا نزول محض اس لئے تھا کہ میں اس حقیقت کو پاؤں کہ میں افضال الٰہی اور انعام الٰہی کو شمار کرنے کی جرات نہیں کر سکتا۔ اور یہ راز منکشف ہو گیا۔ کہ اگر تم خدا تعالیٰ کی نعمتوں کا شمار کرنا چاہو تو ہرگز نہ کر سکو گے۔ اس طرح یہ کتاب ہمیشہ کے لئے معرض التواء میں چلی گئی۔ [۲۶]

حواشی

۱۔ (ذکر حبیب صفحہ ۲۲۴ مولفہ حضرت مفتی محمد صادق صاحب ناشر بکڈپو تالیف و اشاعت قادیان دسمبر ۱۹۳۶ء و تذکرہ طبع دوم صفحہ ۲۳) گورنمنٹ کی دستاویزات میں ان کی تاریخ وفات ۲۔ جون ۱۸۷۶ء ہی درج ہے۔ ملاحظہ ہو سابق فنانشل کمشنر پنجاب سر رابرٹ ایجرٹن کا مکتوب (مطبوعہ حیات النبی صفحہ ۳۶)

۲۔ ذکر حبیب صفحہ ۲۲۴ میں چوبارہ کی بجائے ڈیوڑھی لکھا ہے جو صحیح نہیں۔

۳۔ کتاب البریہ صفحہ ۱۵۹ تا ۱۶۱ حاشیہ

۴۔ کتاب البریہ حاشیہ صفحہ ۱۵۹۔ بعض دوسرے قرائن کے مطابق آپ کی پیدائش قریباً ۱۷۹۷ء میں ہوئی اور وفات ۷۹، ۸۰ سال کی عمر میں۔ کیونکہ مرزا عطا محمد صاحب قریباً ۱۸۱۴ء میں فوت ہوئے تھے اور اس وقت حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ کی تحقیق کے مطابق ان کی عمر ۱۷، ۱۶ برس کی تھی ("قادیان" صفحہ ۸۷۔ الحکم ۱۴/۷ جون ۱۹۴۳ء)

۵۔ الحکم ۱۴۔ جنوری ۱۹۳۶ء صفحہ ۶

۶۔ الحکم ۱۴/۷ جون ۱۹۴۳ء صفحہ ۴ کالم ۲

۷۔ سیرت المہدی جلد اول صفحہ ۲۲۷۔ حیات النبی صفحہ ۳۱

۸۔ ایضاً صفحہ ۲۷۔

۹۔ سیرت المہدی (حصہ اول طبع ثانی) صفحہ ۲۳۰ و حیات النبی صفحہ ۲۷

۱۰۔ سیرت المہدی حصہ اول صفحہ ۲۲۴۔

۱۱۔ ایضاً صفحہ ۲۲۸، ۲۲۹ و حیات النبی جلد اول صفحہ ۳۹۔ و الحکم صفحہ ۱۴/۷ جون ۱۹۴۳ء صفحہ ۴ و الفضل ۷۔ ۲۔ ستمبر ۱۹۳۸ء صفحہ ۳۔ ۴

۱۲۔ رپورٹ مجلس مشاورت ۱۹۳۷ء صفحہ ۲۱ و سیرت المہدی حصہ اول صفحہ ۳۵۔ ۴۰ طبع دوم روایت نمبر ۴۳ و ۴۸

۱۳۔ الحکم ۱۴/۷ جون ۱۹۴۳ء صفحہ ۷

۱۴۔ سیرۃ المہدی حصہ اول صفحہ ۲۲۷ طبع دوم۔

۱۵۔ الحکم ۱۴/۷ جون ۴۳ء صفحہ ۴

۱۶۔ سیرۃ المہدی حصہ سوم صفحہ ۱۸۱ و ۱۸۲ شہادت پنڈت دیوی رام

۱۷۔ حیات النبی جلد اول صفحہ ۳۰

۱۸۔ ایضاً صفحہ ۳۸ و سیرت المہدی حصہ اول صفحہ ۲۲۸ طبع دوم

۱۹۔ حیات النبی جلد اول صفحہ ۴۱

۲۰۔ الحکم ۲۱۔ نومبر ۱۹۳۴ء صفحہ ۶

۲۱۔ حیات النبی جلد اول صفحہ ۳۹، ۴۰ و سیرت المہدی جلد اول صفحہ ۲۳۰ طبع دوم

۲۲۔ کتاب البریہ صفحہ ۱۶۲، ۱۶۳۔

۲۳۔ اس پہلی تاریخی انگوٹھی نیز حضور کی دوسری انگوٹھیوں کی تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو سیرت مسیح موعودؑ (از شیخ یعقوب علی صاحب عرفانیؓ) صفحہ ۱۳۱ (حکیم صاحب کے خاندان میں سب سے پہلے آپ کے پوتے جناب محمد صادق صاحب ہاشمی نے قبول احمدیت کا شرف حاصل کیا)

۲۴۔ براہین احمدیہ حصہ پنجم صفحہ ۹۷، ۹۸ طبع اول اکتوبر ۱۹۰۸ء انوار احمدیہ مشین پریس قادیان۔

۲۵۔ کتاب البریہ صفحہ ۱۶۳ حاشیہ

۲۶۔ وفات ۹۔ جولائی ۱۸۸۳ء بوقت سات بجے شام (قلمی روزنامچہ خاندان حضرت مسیح موعودؑ)

۲۷۔ الحکم ۱۴/۷ جون ۱۹۴۳ء صفحہ ۷ و سیرت المہدی حصہ دوم صفحہ ۱۱۰ و سیرۃ المہدی حصہ اول صفحہ ۲۳۴ و سیرت مسیح موعود مولفہ حضرت خلیفۃ المسیح ثانی ایدہ اللہ صفحہ ۱۹-۲۰ حیات النبی جلد اول صفحہ ۲۲۹، ۲۳۰

۲۸۔ تاریخ بشارت السند و پاکستان صفحہ ۱۹۹

۲۹۔ دیکھو ۱۸۲۶ء کا ایکٹ نمبر ۱۴ دفعہ ۱۲، ۵۶ نیز گورنمنٹ آف انڈیا کا نوٹیفکیشن نمبر ۲۴۴۲ مورخہ ۷- دسمبر ۱۸۷۷ء دفعہ ۴۳۔ بحوالہ سیرت المہدی حصہ دوم صفحہ ۹، ۱۰۔

۳۰۔ آئینہ کمالات اسلام صفحہ ۲۹۷، ۲۹۹ طبع اول فروری ۱۸۹۳ء مطبع ریاض ہند قادیان۔ احمدی و غیر احمدی میں کیا فرق ہے صفحہ ۸، ۹ تقریر ۲۶- دسمبر ۱۹۰۶ء و سیرت المہدی حصہ دوم صفحہ ۹، ۱۰ حیات احمد جلد اول صفحہ ۲۳۴، ۲۳۵۔

۳۱۔ بحوالہ حیات احمد جلد اول صفحہ ۴۲۔

۳۲۔ بحوالہ حیات احمد جلد اول صفحہ ۱۳۵

۳۳۔ حیات النبی جلد اول نمبر دوم صفحہ ۱۳۵۔

۳۴، ۳۵ یہ خطبہ در مکنون صفحہ ۱۰۶ میں موجود ہے۔ اور چونکہ اس سے چند اوراق قبل ۱۰- شعبان ۱۲۸۳ھ مطابق دسمبر ۱۸۶۷ء کی تاریخ درج ہے اس لئے قیاساً اس کتاب کا تذکرہ ۱۸۶۷، ۱۸۷۷ء کے دور میں کیا گیا ہے۔

۳۶۔ حیات النبی صفحہ ۲۴۴

باب دہم

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام آریہ سماج کے خلاف میدان جہاد میں اور اسلام کی مسلسل فتوحات

(۱۸۷۸ تا ۱۸۷۹)

۱۸۵۷ء میں ہندو حکومت کے قیام کی سازش کی ناکامی کے اٹھارہ سال بعد سوامی دیانند نے آریہ سماج جیسی قومی اور نسلی تحریک کی بنیاد رکھی۔ [۱] یہ خطرناک تحریک بمقام بمبئی جنوری ۱۸۷۵ء میں قائم ہوئی۔ اور اس کے قیام کا تنہا مقصد یہ تھا کہ ہندوستان میں ہی نہیں دنیا بھر میں آریوں کو اقتدار مطلق حاصل ہو جائے۔ اس سیاسی پروگرام کو بروئے کار لانے کے لئے سوامی جی نے مرہٹی لیڈروں مثلاً مسٹر راناڈے، پنڈت گوپال راؤ، مہرتی لکھ وغیرہ کے مشورہ سے یہ پروگرام تجویز کیا کہ بالخصوص اسلام اور بانی اسلام پر دوسرے مخالفین کی ہم نوائی میں پوری بے باکی سے حملے کئے جائیں اور ہندوؤں کے دل میں مسلمانوں کے خلاف منافرت کی فضاء قائم کر کے حب الوطنی اور قومی ترقی کے نام سے ہندوؤں کی وسیع پیمانہ پر تنظیم کی جائے اور انہیں برسراقتدار لانے کے لئے انگریزی علوم سے مسلح کیا جائے۔ [۲] اس پروگرام میں سب سے بڑی دقت یہ تھی کہ وید جو ہندوؤں کی اجتماعی تحریک کی بنیاد بن سکتے ہیں موجودہ روشنی کے زمانہ میں اس کی محرف و مبدل اور مضحکہ خیز تعلیمات کا چراغ نہیں جل سکتا تھا۔ اس مشکل کو حل کرنے کے لئے ویدوں کی سنسکرت کے الفاظ سے بے نیاز ہو کر عجیب و غریب اور نئی تفسیر تیار کی گئی اور ویدوں کو کھینچ تان کر ایسا سائنٹفک رنگ دینے کی کوشش کی کہ ویدوں کے نام پر نئے وید تصنیف ہو گئے۔ جن میں اگنی، دایو، ادیت اور انگرہ دیوتاؤں کی بجائے اسلامی توحید کا پیوند لگایا گیا۔ بے ہودہ اور لاطائل قصوں سے سائنس کی جدید تھیوریاں ثابت کی گئیں۔ اور بے حقیقت اور محرف و مبدل تعلیم قلم کی ایک ہی جنبش سے علم و حکمت کا خزینہ دکھائی دینے لگی۔ [۳] یہ تحریک گو بمبئی میں اٹھی۔ لیکن ابتداء میں اسے سب سے زیادہ کامیابی صوبہ پنجاب میں ہوئی۔ جہاں یہ تحریک آگ کی شکل میں ابھری اور چند ماہ کے اندر اندر ہندوؤں کے سب ہی طبقوں میں پوری سرعت سے پھیلنی شروع

ہوگئی۔ خود سوامی دیانند جی نے ۱۸۷۷ء میں صوبہ پنجاب کے متعدد مشہور اضلاع کا ایک طوفانی دورہ کیا۔ مباحثات کئے اور لٹریچر تقسیم کیا۔ جس کے نتیجہ میں اسی سال لاہور، امرت سر اور راولپنڈی میں آریہ سماج کی مضبوط شاخیں قائم ہوگئیں۔ [۴] اسلام کے خلاف ایک بے پناہ طاقت پہلے ہی نبرد آزما تھی۔ اب اس میں آریہ سماج کی فتنہ سامانیوں کا بھی اضافہ ہوگیا۔ اور نہتے اور بے کس مسلمان بیرونی اور اندرونی دونوں قسم کے فتنوں سے گھر گئے۔ لیکن پنجاب میں آریہ سماج کی زہریلی کچلیوں نے سر نکالا ہی تھا کہ حضرت بانی سلسلہ احمدیہ علیہ الصلوٰۃ والسلام جو "منشور محمدی" بنگلور اور دوسرے ملکی اخبارات کے ذریعہ سے پہلے ہی قلمی جنگ میں مصروف تھے۔ میدان جہاد میں کود پڑے۔ اور دلائل و براہین کی شمشیر برہنہ سے باطل کا سرپاش پاش کردیا۔ اور نہ صرف پنجاب کی آریہ سماج کے بلیدانوں نے شیر اسلام کی ایک ہی للکار سے دہشت زدہ ہو کر ہتھیار ڈال دیئے۔ بلکہ خود سوامی دیانند جی مہاراج پر بھی سکوت مرگ طاری ہوگیا۔ اور اسلام کو حضور کے ہاتھوں مسلسل فتوحات نصیب ہوئیں۔

آریہ سماجی لیڈر کا روح کے متعلق اعلان

واقعہ یوں ہوا کہ ۷۔ دسمبر ۱۸۷۷ء کے "وکیل ہندوستان" وغیرہ اخبارات میں آریہ سماجی لیڈر سوامی دیانند نے روح کے متعلق اپنا یہ عقیدہ شائع کیا کہ:

"ارواح موجودہ بے انت ہیں اور اس کثرت سے ہیں کہ پرمیشر کو بھی ان کی تعداد معلوم نہیں۔ اس واسطے ہمیشہ مکتی پاتے رہتے اور پاتے رہیں گے مگر کبھی ختم نہیں ہوویں گے"۔

حضرت مسیح موعودؑ کا انعامی چیلنج

اس باطل عقیدے کا پبلک میں آنا ہی تھا کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے خالق کی یہ شرمناک توہین اور اہانت دیکھ کر دیوانہ وار آگے بڑھے اور سفیر ہند (۹۔ فروری تا ۹۔ مارچ ۱۸۷۸ء) میں اس کی دھجیاں بکھیرتے ہوئے ایک زبردست سلسلہ مضامین شروع کرکے یہ باطل شکن انعامی چیلنج دیا۔ کہ جو صاحب منجملہ توابع سوامی دیانند سرسوتی صاحب سوال ہٰذا کا جواب دے کر ثابت کرے کہ ارواح بے انت ہیں اور پرمیشور کو ان کی تعداد معلوم نہیں۔ تو میں اس کو مبلغ پانچ سو روپیہ انعام دوں گا۔ [۵]

اسلام کی پہلی فتح

یہ مذہبی دنیا میں آریہ سماج کے خلاف پہلا انعام تھا جو آپ نے پیش کیا۔ جس نے آریہ سماج کیمپ میں کھلبلی مچادی اور لاہور آریہ سماج کے سیکرٹری لالہ جیون داس کو سوامی دیانند کی عمومی لیڈر شپ کے خلاف "علم بغاوت" بلند کرتے ہوئے نہایت بدحواسی میں یہ اعلان کرکے پیچھا چھڑانا پڑا کہ "یہ مسئلہ آریہ سماج کے اصولوں میں داخل نہیں ہے۔ اگر کوئی ممبر آریہ سماج کا اس کا دعویدار ہو تو اس سے سوال کرنا چاہئے اور اسی کو جواب دینا لازم ہے۔ چونکہ اس

اشتہار سے لوگوں کو یہ مغالطہ پیدا ہوتا تھا کہ آریہ سماج والے سوامی دیانند صاحب کے پیرو اور تابع ہیں حالانکہ یہ بات نہیں اس لئے بغرض اشتباہ اور مغالطہ مذکور کے یہ تحریر عمل میں آئی"۔ [۶]

باوانارائن سنگھ صاحب میدان مقابلہ میں

لاہور آریہ سماج نے تو دہشت زدہ ہو کر معرکہ حق و باطل میں ابتداء ہی میں اپنے ہاتھ سے شکست کے دستخط کر دیئے۔ لیکن امرت سر آریہ سماج کے پرجوش سیکرٹری باوانارائن سنگھ صاحب نے پہلے تو اخبار آفتاب مورخہ ۱۸۔ فروری ۱۸۷۸ء کے کالموں کے کالم سیاہ کئے اور روحوں کے انادی ہونے پر عجیب و غریب دلائل دیتے ہوئے تان اس پر توڑی کہ کیا تردید کرنا ہے یہ تو توہمات ہیں۔ اور اس کے بعد اخبار سفیر ہند مورخہ ۲۳۔ فروری ۱۸۷۸ء کے مباحثہ سے فرار ہونے کے لئے عجیب در عجیب موشگافیاں کیں۔ [۷] مثلاً لکھا کہ اشتہار میں انعام کی بجائے جرمانہ کا لفظ لکھا جائے۔ اور اشتہار کی ایک نقل آپ کے دستخطوں سے انہیں دی جائے۔ اپنے فاتح ہونے پر پیشگی اعتماد کرانے کے لئے کہا کہ روپیہ کی وصولی کی تسلی بخش صورت تجویز ہونی چاہئے تا ان کے کامیاب ہونے کی صورت میں وہ انعام غت ربود نہ ہو جائے۔ باوانارائن صاحب نے جواب کا جائزہ لینے کے لئے ازخود ایک بورڈ بھی تجویز کر لیا۔ جس کے ممبر سرسید احمد خان مرحوم' منشی کنہیالال صاحب اور منشی اندرمن صاحب مراد آبادی نامزد کئے۔ کوئی دوسرا شخص ہوتا تو باوانرائن سنگھ صاحب کی الٹی سیدھی توجیہات کو ناقابل فہم قرار دے کر بحث مباحثہ سے انکار کر دیتا اور ایسا کرنا بالکل معقول ہوتا۔ لیکن حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام چونکہ باطل کا سر کچلنے کا مصمم ارادہ فرما چکے تھے اور چاہتے تھے کہ آریہ سماج پر ہر طرح سے اتمام حجت کر دی جائے اس لئے آپ نے باوا صاحب کے جواب الجواب کا دندان شکن جواب دیا بلکہ آئندہ مباحثہ پر آمادگی کے لئے ان کی ہر شرط سے رضامندی کا اعلان فرما دیا۔ انعام کے لفظ کی معقولیت کو مسکت دلائل سے ثابت کرنے کے باوجود اسے جرمانہ میں بدل دیا۔ اشتہار کو باقاعدہ اشٹام کے اقرار نامہ کی صورت دینے پر بھی صاد کر لیا۔ روپیہ کی وصولی کے لئے یہ صاف طریق رکھا کہ باوا صاحب اپنا ایک نمائندہ بٹالہ بھیج کر جائزہ لیں کہ ہزاروں روپیہ کی مالیت کی جائیداد وہاں موجود بھی ہے یا نہیں؟ مجوزہ بورڈ کے نامزد ممبروں کو خوشی سے قبول کرتے ہوئے تین اور ناموں کا اضافہ کیا اور اس اضافہ میں یہاں تک فراخدلی کا ثبوت دیا کہ حکیم محمد شریف صاحب امرت سری اور مولوی ابوسعید محمد حسین صاحب بٹالوی کے علاوہ خود سوامی دیانند سرسوتی کا نام بھی بورڈ کے ممبروں میں شامل کر دیا۔ جو اس پوری بحث میں سب سے بڑے حریف اور مدمقابل تھے۔ جو آپ کی زبردست روحانی قوت اور فاتحانہ شان کا ناقابل تردید ثبوت تھا۔ [۸]

پنڈت کھڑک سنگھ سے مباحثہ **کا فرار اور اسلام کی دوسری فتح**

اس حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اور باوا نارائن سنگھ صاحب کے درمیان مقابلہ جاری تھا کہ آریہ سماج امرت سر کے ایک ممبر پنڈت کھڑک سنگھ صاحب حضرت اقدس سے بحث کی طرح ڈالنے کے لئے قادیان آئے اور مستدعی بحث ہوئے۔ یہاں انکار کا سوال ہی کیا ہو سکتا تھا۔ حضور نے اطلاع ملتے ہی آمادگی کا اظہار فرما دیا۔ مقام مناظرہ سرکاری پرائمری سکول کے پاس بڈھن شاہ کا تکیہ قرار پایا اور موضوع مناظرہ "تناسخ اور مقابلہ وید و قرآن" تجویز ہوا۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مباحثہ کا آغاز کرتے ہوئے ابطال تناسخ پر اپنا معرکتہ الاراء مضمون پڑھ کر سنایا۔ جس میں اپنے مخصوص علم کلام کے تحت دعویٰ اور دلائل دونوں قرآن سے پیش کئے تھے۔ یہ مضمون پیش کرنے کے بعد حضور نے مطالبہ فرمایا کہ وہ التزام کے مطابق ویدوں سے تناسخ کا ثبوت پیش کریں۔ تا قرآن کے مقابل ویدوں کی حقیقت کھل جائے۔ پنڈت کھڑک سنگھ جن کے متعلق قادیان کے آریہ سماج نے مشہور کر رکھا تھا کہ وہ ایسے نامی گرامی پنڈت ہیں کہ انہیں چاروں وید کنٹھ ہیں ایسے دم بخود ہوئے کہ بحث کو دوسرے دن پر ٹالنے کے سوا کوئی چارہ کار نظر نہ آیا۔ لیکن جب دوسرا دن آیا اور سامعین بڑے اشتیاق اور بے تابی سے جمع ہوئے اور جواب کے منتظر ہوئے تو اصل سوالات سے گریز کر کے کچھ اور ہی کتھا سنانا شروع کر دی۔ اور دلائل وید کے پیش کرنے سے عجز مطلق ظاہر کرتے ہوئے صرف دو شرتیاں رگوید سے پیش کیں۔ جن کا تناسخ سے سرے سے کوئی علاقہ ہی نہیں تھا۔ آخر کہا گیا کہ اگر بحث منظور ہے تو برعایت آداب مناظرہ سیدھا جواب دینا چاہئے اس پر انہوں نے چند بے ہودہ اور لاطائل فسانے چھیڑ دیئے۔ مکرر توجہ دلائی گئی کہ اگر ہو سکتا ہے تو کچھ جواب دیجئے گا ورنہ ہم کتھا سننے تو نہیں آئے۔ اس مرحلہ پر پنڈت صاحب زچ ہو کر بولے "جواب دینا کیا مشکل ہے اگر ہم چاہیں تو پانچ منٹ میں جواب دے سکتے ہیں لیکن گھر میں کام ہے اب فرصت نہیں" یہ گفتگو جاری تھی کہ بھائی کشن سنگھ کے بیان کے مطابق اثنائے تقریر میں آنحضرت ﷺ کے متعلق بعض اعتراضات پنڈت کھڑک سنگھ صاحب نے کئے اور ان کا لب و لہجہ ایسا تھا کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو رنج ہوا اور حضور کے کلام میں تیزی پیدا ہو گئی۔ کیونکہ حضورؑ میں بے حد غیرت دینی تھی اور خصوصاً آنحضرت ﷺ کے خلاف تو بے ادبی کا کلمہ سن کر بے تاب ہو جاتے تھے اور برداشت ہی نہیں کر سکتے تھے۔ آخر جب فضا بگڑنے لگی تو بحث بند کر دی گئی۔ اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام وہاں سے تشریف لے آئے۔ اور عدو رسولؐ کو گھر تک پہنچانے کے لئے ایک تحریری سوال نامہ لکھا جس کا عنوان یہ تھا کہ "سوال اور جواب کہ جس کے

جواب دینے سے اگر پنڈت کھڑک سنگھ خاموشی اختیار کرے گا تو اس کا جھوٹا ہونا ثابت ہو گا"۔ سوال نامہ میں بطور نمونہ قرآن مجید کے اٹھارہ احکام درج کرتے ہوئے حضورؑ نے پنڈت کھڑک سنگھ کو چیلنج دیا کہ اگر یہ پہلو وید یا بائیبل سے دکھادے تو اسے پانچ سو روپیہ نقد انعام دیا جائے گا۔ [10] جواب کے لئے آپ نے دس بیس روز کی مہلت کا وعدہ بھی کیا اور پنڈت دیانند کو مددگار بنانے کی اجازت بھی دی۔ نیز نہایت جلال آمیز لہجہ میں آنحضرت ﷺ کے خلاف اس کی زبان درازی اور دریدہ دہنی پر سخت غم و غصہ کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا کہ تم کو اگر حضرت خاتم الانبیاء پر کچھ اعتراض ہے تو زبان تہذیب سے وہ اعتراض جو سب سے بھاری ہو تحریر کرکے پیش کرو۔ ہم تحریر کر دیتے ہیں کہ اگر وہ اعتراض تمہارا صحیح ہوا تو ہزار روپیہ ہم تم کو دیں گے۔ پنڈت کھڑک سنگھ جو عملاً پہلے ہی میدان چھوڑ چکا تھا آپ کے اس چیلنج کی تاب نہ لا کر قادیان سے ہی بھاگ گیا۔ مگر اپنی خفت اور شرمندگی چھپانے کے لئے اپنے گاؤں اودوکی سے ایک مجمل سا جواب لکھ بھیجا اور پھر وید کو سلام کرکے اصطباغ لے لیا۔ اور ریاض ہند اور چشمہ نور امرت سر میں اپنے لیکچر چھپوائے اور صاف لکھا کہ وید علوم الٰہی اور راستی سے بے نصیب ہیں اس لئے وہ خدا کا کلام نہیں ہو سکتے۔ اور آریوں کا ویدوں کے علم اور فلسفہ اور قدامت کے بارے میں ایک باطل خیال ہے۔ اس نازک بنیاد پر وہ حال اور ابد کے لئے اپنی امیدوں کی عمارت اٹھاتے ہیں اور اس ٹمٹماتی ہوئی روشنی کے ساتھ زندگی اور موت پر خوش ہیں۔ [11]

آریہ سماجی لیڈروں کو دوسرا چیلنج

اب حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے میدان مقابلہ کو کھڑک سنگھ تک محدود رکھنے کی بجائے آریہ سماج کے چوٹی کے لیڈروں تک وسیع کر دیا۔ اور ابطال تناسخ کے متعلق گزشتہ پانچ سو روپیہ کے انعامی چیلنج کے ساتھ اخبار "ہندو باندھو" میں شائع کر دیا۔ اور سوامی دیانند صاحب، پنڈت کھڑک سنگھ صاحب، باوا نارائن سنگھ صاحب، منشی جیون داس صاحب، منشی کنہیالال صاحب، منشی بختاور سنگھ صاحب، ایڈیٹر "آریہ درپن" بابو سارداپرشاد صاحب، منشی شرمپت صاحب سیکرٹری آریہ سماج قادیان، منشی اندرمن صاحب مراد آبادی کو دعوت عام دی کہ وہ اسلام اور ویدک دھرم کی اس مقدس جنگ میں مرد میدان بن کر سامنے آئیں اور انعام حاصل کریں۔ جواب کے موازنہ کے لئے حضور نے پادری رجب علی صاحب اور پنڈت شیو نرائن اگنی ہوتری کو مقرر فرمایا۔ سفیر ہند میں آپ کے پہلے انعامی مضمون نے آریہ سماجیوں پر سکتہ کا عالم طاری کر دیا تھا۔ اب جو یہ دوسرا چیلنج شائع ہوا تو دو طرفہ حملہ سے ان کے چھکے ہی چھوٹ گئے۔ [12]

باوا نارائن سنگھ صاحب جو پنڈت کھڑک سنگھ سے متعلق مباحثہ اور دوسرے انعامی چیلنج سے پہلے

بڑے زور و شور سے شرائط مباحثہ پر الجھ رہے تھے اب ہمیشہ کے لئے خاموش ہو گئے۔ اور کچھ عرصہ بعد آریہ سماج کے پلیٹ فارم سے علیحدگی اختیار کر کے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شاندار کامیابی پر مہر لگا دی۔ منشی کنہیا لال، منشی بختاور سنگھ صاحب مدیر آریہ درپن اور بابو سارد اپرشاد میں سے بھی کسی کو مرد میدان بننے کی جرات نہ ہو سکی۔ البتہ قادیان آریہ سماج کے سیکرٹری لالہ شرمپت صاحب کو (جنہیں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دوسرے انعامی چیلنج میں خاص طور پر مخاطب کیا تھا) اخباری دنیا میں آنے کا شوق چرایا۔ اور انہوں نے ابطال تناسخ کے مضمون یا پہلے چیلنج کا جواب دینے کی بجائے باوانارائن سنگھ کی خط و کتابت پر مفروضہ ثالث کی حیثیت سے ایک محاکمہ لکھ ڈالا اور اسے اگنی ہوتری کے رسالہ ہندو باندھو لاہور میں بغرض اشاعت بھجوا دیا۔

پنڈت شونرائن اگنی کا تبصرہ اور اسلام کی تیسری فتح

پنڈت شونرائن اگنی نے شرمپت رائے کے مضمون کو تو اپنے رسالہ میں جگہ دے دی لیکن ساتھ ہی حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے معرکتہ الاراء مضمون پر ادارتی نوٹ میں شاندار تبصرہ لکھتے ہوئے شرمپت رائے کے مضمون کے وہ بخئے ادھیڑے کہ پھر انہوں نے مرتے دم تک اخباری دنیا کا رخ نہیں کیا۔ اور اس طرح آریہ سماج کو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ہاتھوں تیسری مرتبہ شکست فاش ہوئی۔ پنڈت اگنی ہوتری کے اس تاریخی تبصرہ کے چند اقتباسات درج ذیل ہیں۔ پنڈت صاحب نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ابطال تناسخ والے مضمون اور چیلنج کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھا:

"ہم نے نہایت خوشی کے ساتھ اس مضمون کو درج رسالہ کیا تھا اور یہ امید دل میں قائم کی تھی کہ اگر مرزا صاحب کے دلائل جو نہایت صاف اور اصول منطق پر مبنی ہیں مذکورہ بالا صاحبان کی سمجھ میں آجائیں گے تو وہ بشرط اپنے اس اصول پر صادق رہنے کے کہ "راستی کے قبول کرنے اور ناراستی کے چھوڑنے کے لئے ہمیشہ مستعد رہنا چاہئے"۔ ضرور ہے کہ عام اور علانیہ طور سے وہ خدا کی خالقیت اور ابطال تناسخ کو تسلیم کر کے "راستی" کی تقلید کی واقعی مثال قائم کریں گے۔ اور اگر ان کی رائے میں مرزا صاحب کے دلائل بے بنیاد اور بے اصل ہیں تو اس سچے طریق کے ساتھ جو حق الامر کی تحقیقات کے لئے محققوں نے قائم کیا ہے مرزا صاحب کے دلائل کو اسی طرح نمبروار جس طرح مرزا صاحب نے انہیں رقم کیا ہے۔ کل کو یا ان میں سے کسی حصہ کو غلط ثابت کر کے اپنے عقیدہ کو تقویت دیں گے۔

باوجود اس کے کہ ہم نے مرزا صاحب کے مضمون کا پہلا حصہ اپنے اپریل کے رسالہ میں ختم کر دیا تھا اور یہ یقین کیا تھا کہ اثبات دعویٰ کے لئے جس قدر دلائل وہ اس مضمون میں رقم کر چکے ہیں بخوبی

کافی ہیں- مگر انہوں نے اسی پر اکتفا نہیں کیا اور ایک دوسرا حصہ اور تیار کر کے ہمارے پاس چھپنے کے لئے بھیج دیا ہے- اس حصہ کو ہم نے ہنوز رسالہ میں درج نہیں کیا بایں خیال کہ جو دلائل مرزا صاحب پہلے حصہ میں مشتہر کر چکے ہیں اگر انہیں کے رد کرنے کے لئے اہل آریہ تیار نہیں ہیں تو پھر مضمون مذکورہ کو اور زیادہ دلائل کے ساتھ طول دینا بالفعل کچھ ضرور نہیں- لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ ہماری امید بالکل خالی نہیں گئی- لالہ شرمپت صاحب نے جو آریہ سماج قادیان کے سیکرٹری ہیں ایک مضمون اثبات تناسخ پر ہمارے پاس برادر ہند میں مشتہر کرنے کے لئے بھیجا ہے- چنانچہ اسے ہم درج رسالہ کرتے ہیں- کس حیثیت کا وہ مضمون ہے اور اس کا نفس مضمون کس سانچہ کا ڈھلا ہوا ہے- اور اس کی طرز عبارت سے راقم مضمون کی ذاتی لیاقت اور فضیلت کا کہاں تک اظہار ہوتا ہے- اور اصول مناظرہ سے اس کا ڈھنگ بیان کہاں تک موافق یا ناموافق ہے- اس کا فیصلہ ہم خود کرنا نہیں چاہتے بلکہ اپنے ناظرین پر چھوڑتے ہیں- ہاں چند کلمے بطریق ہدایت دوستانہ لالہ صاحب اور نیز ان کے ہم خیال صاحبوں کے لئے یہاں پر درج کرنا مناسب خیال کرتے ہیں-

اول: ہر ایک کام کے لئے اس کے موافق انسان میں ایک خاص مادہ ہونا ضروری ہے [۱۲]- اصول مناظرہ یا بحث بھی اس قاعدہ سے خالی نہیں- پس پیشتر اس کے کہ ہم کچھ کہنے یا لکھنے کی جرات کریں- ہمارے لئے یہ لازم ہے کہ اپنے تئیں اصول مذکورہ کی صفت سے متصف بنالیں اور یہ کوئی آسان بات نہیں- برسوں کی تعلیم اور خاص قسم کی تربیت سے یہ ملکہ پیدا ہوتا ہے- اگر یہ ملکہ نہیں تو پھر صرف بولنا کون نہیں جانتا- حیوانات بھی ضد سے آواز برآمد کر سکتے ہیں-

دوم: کسی اخبار یا رسالہ میں جس کے ہزاروں پڑھنے والے ہوتے ہیں- جب کوئی مضمون چھپوانا منظور ہو تو اس میں بالخصوص اصول مذکور کے مدنظر رکھنے کی سخت ضرورت ہے- کیونکہ بے سروپا بکواس کے ساتھ کاغذ کو سیاہ کر کے ناظرین کے خیالات کو بگاڑنا ان کی طبیعت کو منتشر کرنا اور خواہ مخواہ ان کی تضیع اوقات کرنا نہ صرف راقم مضمون کے لئے بے جا ہے بلکہ ایڈیٹر کے لئے بھی (جو اندراج مضامین کے لئے پورا پورا ذمہ وار ہے) یہ امر ناواجب ہے-

اب دیکھنا چاہئے کہ لالہ شرمپت صاحب نے کہاں تک ان اصولوں کی پابندی کی ہے- اول: جو مضمون مرزا صاحب کا ابطال تناسخ پر ہمارے رسالہ میں مشتہر ہوا ہے لالہ صاحب نے اس کا جواب مطلق نہیں دیا- دوم: باوجود مرزا صاحب کی طرف سے بہ طلب جواب خود مخاطب کئے جانے کے مضمون مذکورہ پر "بطور ثالث کے رائے ظاہر کرتے ہیں"- وغیرہ

پنڈت شونرائن اگنی ہوتری نے تبصرہ کے اختتام پر اس خیال کا اظہار بھی کیا کہ "اگر لالہ صاحبان

عقل سلیم کو کام میں لاکر اپنے فرضی عقیدہ سے تائب ہونے کے لئے تیار نہیں تو مرزا صاحب کے وجوہ کو ہی اصول مناظرہ و منطق سے غلط ثابت کر دکھائیں۔ ورنہ مفت کی بے سروپا اور بے ڈھنگی بکواس کا سلسلہ قائم رکھنا عقلمندوں کے نزدیک ایک حرکت لغو شمار کی جاتی ہے"۔ [۱۴۲]

لالہ جیون داس' باوا نارائن سنگھ اور لالہ شرمپت رائے وغیرہ ایک ایک کر کے میدان سے ہٹ گئے تو آخر میں چنیوٹ مڈل سکول کے آریہ سماجی مدرس منشی گردیال صاحب نے محض تحقیق حق کے لئے اخبار آفتاب (۱۶۔ مئی ۱۸۷۸ء) میں چند استفسارات روحوں کے انادی ہونے کے متعلق آپ کے سامنے پیش کئے اور باادب درخواست کی کہ ان کے شکوک کا ازالہ فرمائیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام کے دندان شکن مضامین سے آریہ سماجی دنیا پر سکوت مرگ طاری ہو چکا تھا۔ اس لئے اب مزید کچھ کہنے کی ضرورت نہیں تھی۔ لیکن علمی تحقیق کی غرض سے آپ نے ایک بار پھر قلم اٹھانا ضروری سمجھا اور ان کے استفسارات کا مدلل اور مسکت جواب دے کر حق تبلیغ ادا کر دیا۔ [۱۴۵]

اسلام کی چوتھی فتح

اسلام اور آریہ سماج کی اس علمی جنگ کو چھڑے کئی ماہ ہو گئے لیکن اس دوران میں سوامی دیانند جی مہاراج جنہیں اشتہار میں باقاعدہ نام لے کر مقابلہ کی بار بار دعوت دی گئی تھی خاموش تماشائی بنے رہے اور ان پر حق کا رعب اس درجہ چھایا رہا کہ کچھ کہنے کی سکت نہ پا سکے۔ اور آخر مہینوں کے شدید انتظار کے بعد حضور کی خدمت میں تین آریہ سماجیوں کو یہ پیغام دے کر بھجوایا کہ "اگرچہ ارواح حقیقت میں بے انت نہیں ہیں لیکن تناسخ اس طرح پر ہمیشہ بنا رہتا ہے کہ جب سب ارواح مکتی پا جاتے ہیں تو پھر بوقت ضرورت مکتی سے باہر نکالی جاتی ہیں"۔ [۱۴۶] سوامی دیانند کے اس کھلے اعتراف سے اسلام کو چوتھی نمایاں فتح نصیب ہوئی۔

پنڈت شونرائن اگنی ہوتری کا فیصلہ

چنانچہ پنڈت شونرائن اگنی ہوتری نے مباحثہ کا ذکر کرتے ہوئے زوردار الفاظ میں یہ فیصلہ لکھا:

"سوامی دیانند سرسوتی مذہب کا جس قدر وعظ کرتے ہیں اور اس کے متعلق جن مسائل کا بیان فرماتے ہیں وہ سب وید کے موافق کہتے ہیں۔ ان کے مقلد یہ یقین کر کے اور وید کو خدا کا کلام مان کر اندھا دھند جو کچھ سوامی صاحب کے منہ سے سن لیتے ہیں وہ خواہ کیسا ہی علم و عقل کے مخالف ہو مگر اس کے پیرو ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ چند ماہ سے بعض آریہ سماج کے لائق ممبروں اور ہمارے رسالہ کے مضمون نگار صاحب کے درمیان جو کچھ مباحثہ جاری ہے۔ اس سے ہمارے ناظرین بخوبی واقف ہیں۔ سوامی صاحب کے مقلد باوجود خدا کے قائل ہونے کے سوامی جی کی ہدایت کے موافق یا یوں کہو کہ وید کے احکام کے موافق اپنا یہ یقین ظاہر کرتے ہیں کہ ارواح بے انت یعنی لاانتہاء ہیں اور خدا ان کا پیدا

کرنے والا نہیں ہے۔اور جب سے خدا ہے تب ہی سے ارواح بھی ہیں۔یعنی وہ انادی ہیں اور نیز خدا کو ارواح کی تعداد کا علم نہیں ہے ماسوائے کسی روح کو نجات ابدی حاصل نہیں ہوتی اور وہ ہمیشہ تناسخ یعنی اواگون کے سلسلہ میں مبتلا رہتی ہے۔ہم اگرچہ ان میں سے کسی مسئلہ کے قائل نہیں ہیں اور حقیقت کے مخالف ہونے کے باعث ان کو محض بے ہودہ اور لغو خیال کرتے ہیں تاہم اس رنج طبعی سے بھی ہم اپنے آپ کو بری نہیں دیکھتے کہ ہمارے بہت سے ہم وطن باوجود علم و عقل رکھنے کے پھر ان کے فیض سے فیض یاب نہیں ہوتے۔اور مثل ایسے لوگوں کے جن کے دماغ علم و عقل سے خالی ہیں محض تقلید کی غلامی کرتے ہیں۔باوجود دولت رکھنے کے پھر اس کو کام میں نہیں لاتے اور مفلسانہ زندگی بسر کرتے ہیں۔باوجود سوجاکھے ہونے کے آفتاب نیمروز کی روشنی میں بھی اندھوں کی طرح حرکت کرتے ہیں۔ ابھی تک آریہ سماج والے ارواح کے بے انت ہونے کا یقین کرتے رہے ہیں۔اور بایں خیال کہ اس مسئلہ کو بھی مثل اور مسئلوں کے سوامی جی نے انہیں وید کی ہدایت کے موافق بتلایا تھا اس پر نہایت مضبوطی کے ساتھ دعویٰ کرتے رہے ہیں۔مگر اب ہمارے مضمون نگار مرزا غلام احمد صاحب کی تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ آخر کار جب مرزا صاحب نے مسئلہ مذکور اپنی بحث میں باطل ثابت کر دیا تو لاچار سوامی جی نے مرزا صاحب کو یہ پیغام بھیجا کہ حقیقت میں ارواح بے انت نہیں ہیں۔لیکن تناسخ صحیح ہے خیر کچھ ہی ہو۔مگر اس موقعہ پر ہم اپنے ناظرین پر یہ ظاہر کرنا چاہتے ہیں کہ سوامی جی کے اسی اقرار سے چار باتیں ان پر صادق آتی ہیں۔اول جب کہ وہ وید کی ہدایت کے موافق آریہ سماج میں اپنے مقلدوں کو یہ یقین دلا چکے تھے کہ ارواح انادی اور لاانتہاء ہیں۔پھر اس کے خلاف اس مسئلہ کے باطل ثابت ہونے پر یہ اقرار کرنا کہ ارواح حقیقت میں بے انت نہیں ہیں۔صاف دلالت کرتا ہے کہ جس کتاب کی ہدایتوں کو وہ خدا کا کلام یقین کرتے ہیں اس کے مخالف انہوں نے اپنا یقین ظاہر کیا۔دوم۔اگر یہ پایا جاوے کہ درحقیقت وید میں یہی لکھا ہے کہ جو انہوں نے پیچھے سے اپنا یقین ظاہر کیا ہے تو پھر اس سے یہ ضرور لازم آتا ہے۔کہ ان میں خود وید کے سمجھنے کے لئے بہت بڑی لیاقت موجود ہے اور نیز ویدوں کے سمجھانے کا بھی خوب ملکہ حاصل ہے یعنی ایک وقت میں وید سے جس قسم کی ہدایت ظاہر کی جاتی ہے دوسرے وقت حسب موقعہ ٹھیک اس کے برعکس بھی بتلائی جاسکتی ہے۔سوم: اگر فی الواقع یہ مسئلہ ہی وید میں موجود نہیں ہے اور سوامی جی نے صرف اپنی رائے کے موافق ہی اپنے مقلدوں کو بتلایا تھا۔تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سوامی جی کا یہ وید عجیب ہے کہ جس میں ریلوے اور تار برقی کے علوم تک کا تو ذکر ہو۔مگر خاص دھرم کے متعلق جو مسائل ہیں ان کا کچھ بیان نہ ہو۔اور باوجود وید کے مقلد رہنے کے ان کو پھر اسی سچے وید کی ہدایت کا

محتاج ہونا پڑے جس کو عقل کہتے ہیں۔ چہارم: سوامی جی کے اس برتاؤ سے کہ جس میں وہ اپنے کسی یقین کے غلط ثابت ہونے پر اس کو چھوڑ صحیح یا راست امر کی طرف رجوع کرتے ہوئے معلوم ہوتے رہے ہیں۔ ان کی اس عمدہ خوبی کا بھی اظہار ہوتا ہے کہ ان میں انصاف پسندی کی عادت پائی جاتی ہے۔ چنانچہ یہ ایک مذکورہ بالا حرف۔ اول ہے مثال نہیں ہے جس میں انہوں نے اپنے یقین کو تبدیل کیا ہے بلکہ اس سے پہلے بارہا ایسا کر چکے ہیں۔ چند سال ہوئے کان پور میں جب انہوں نے ایک اشتہار اپنا دستخطی مشتہر کیا تھا تو اس میں انہوں نے اول اول اکیس شاستروں کو "ایشرکرت" (خدا کے اپنے تصنیف کئے ہوئے) قرار دیا تھا۔ پھر رفتہ رفتہ جب انہوں نے ان میں بہت سی خرابیاں دیکھیں تو سب کو چھوڑ چھاڑ صرف چار ویدوں کو "ایشرکرت" بتلانے لگے۔ پھر اس کے بعد جب ویدوں کا ایک حصہ جس کو برہمن کہتے ہیں ان کی نظروں میں صحیح ثابت نہیں ہوا تو اب صرف اس کے اس حصہ کو جس کو منتر بھاگ کہتے ہیں' الہامی کہتے ہیں۔ اس سے اگرچہ ان کی کسی قدر متلون مزاجی بھی ظاہر ہوتی ہے مگر ساتھ ہی اس کے طبیعت میں راستی پسندی کا بھی ثبوت پایا جاتا ہے۔ ہاں اس میں صرف ایک بہت بڑی کسر یہ باقی ہے کہ وہ اول ایک چیز کی نسبت پہلے سے ایک یقین پیدا کر لیتے ہیں۔ پھر جب کبھی حسب اتفاق اس یقین کا بطلان انہیں معلوم ہو جاتا ہے تب اس کو چھوڑتے ہیں۔ مگر اس قسم کی تحقیقات سچے محققوں کے اصول تحقیقات سے بالکل مخالف ہے۔ کیونکہ جب تم نے پہلے ہی ایک قسم کا یقین اپنے دل میں قائم کر لیا تو پھر اس میں خواہ مخواہ تمہاری طبیعت کا یہ مقتضی ہو جاتا ہے کہ اس کے بارے میں تم جو کچھ سوچتے ہو وہ زیادہ تر وہی ہوتا ہے جو تمہاری طبیعت کے موافق ہو کر تمہارے پہلے قائم کئے ہوئے یقین کی اعانت کرتا ہے۔ پس اگر وہ یقین غلط قائم ہو گیا ہے تو اس سے نکلنا ایک دفعہ نہایت مشکل بلکہ عنقریب ناممکن ہو جاتا ہے۔ پس اگر سوامی جی واقعی اپنے تئیں ایک سچے محقق کی مثال بنانا چاہتے ہیں تو ان کو چاہئے کہ وہ پیشتر اس کے کہ تحقیقات ختم ہو کسی چیز کے موافق یا ناموافق یقین پہلے ہی سے پیدا نہ کر لیں۔ بلکہ ثالث بالخیر ہو کر مثل ایک سچے (محقق کے) جب مقدمہ کی کل تحقیقات ختم ہو جائے تب فیصلہ کو دخل دیں۔ کاش کہ ہمارے فاضل سوامی جی اب بھی ویدوں کے منتر بھاگ کو پہلے سے ہی الہامی ماننے سے گریز کریں۔ اور بعد تحقیقات کامل کے کہ جو انیسویں صدی میں چنداں مشکل نہیں ہے پھر حسب نتیجہ اپنی رائے کو قائم کریں۔ نیز اب ہم یہ جاننا چاہتے ہیں کہ امرت سر آریہ سماج کے لائق سیکرٹری باوا نرائن سنگھ صاحب اور نیز ان کے دیگر وید بھائیوں نے پہلے جس زور و شور کے ساتھ سوامی جی کی ہدایت کے موافق ارواح کے بے انت ہونے کا دم بھرتے تھے اسی سرگرمی اور شد و مد کے ساتھ وہ اپنے پہلے یقین کے برعکس سوامی جی کے پچھلے اقرار کے موافق ارواح کے بے انت ہونے کے مسئلہ

پر یقین کرنے کو مستعد ہیں یا نہیں"۔ [۱۷]

سوامی دیانند جی نے اعتراف حقیقت کے بعد حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام کو مباحثہ کی دعوت دی جسے حضرت اقدس نے ۱۰۔ جون ۱۸۷۸ء کو بلا تامل منظور فرمالیا اور سوامی جی کو یہ اختیار دیا کہ وہ مباحثہ کے مقام و تاریخ خود ہی معین کر کے اخبار میں اعلان کر دیں۔ لیکن سوامی دیانند جنہوں نے پہلے از خود دعوت دی تھی خود ہی میدان مباحثہ سے گریز کر گئے۔

ایک آریہ سماجی مصنف کا بیان

ایک آریہ سماجی اپنی کتاب "آریہ سماج اور پرچار کے سادھنا میں" اس فرار کی ایک فرضی وجہ بیان کرتے اور آریہ سماجی تحریک کے خوفناک اثرات کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے:

"اجمیر سے چل کر سوامی دیانند چاندپور پہنچے اور مسلمانوں سے زبردست مناظرہ کیا۔ مسلمانوں کی طرف سے مولوی محمد قاسم صاحب اور مولوی عبدالمنصور صاحب پیش ہوئے اور ان کی مدد کے لئے بہت سے مولوی جمع تھے۔ لیکن سوامی جی مہاراج کے ساتھ صرف منشی بختاور سنگھ اور منشی اندر من مراد آبادی تھے۔ سوامی جی نے اعتراضات کی اس قدر بھرمار کی کہ مولوی ان کا کوئی جواب نہ دے سکے اور میدان چھوڑ کر بھاگ گئے۔ جس کا یہ اثر ہوا کہ مولوی نور اللہ صاحب کئی مسلمانوں کے سمیت آریہ ہو گئے۔ انہی ایام میں ایک ہزار کے قریب اور مسلمان بھی آریہ ہو گئے۔ آریہ ویروں نے جگہ جگہ شدھی سبھا قائم کر کے مسلمانوں میں پرچار کرنا شروع کر دیا۔ اگر آریہ سماجی دوست اس پوتر کام کو جاری رکھتے تو مسلمانوں کا ایک کثیر حصہ ویدک دھرم کی شرن میں آجاتا۔ لیکن آریہ سماج کے اندرونی اختلافات کی وجہ سے مرزا غلام احمد قادیانی کو موقع مل گیا۔ اس نے آریہ سماج کے خلاف سفیر ہند امرتسر میں مضامین کا ایک لمبا سلسلہ شروع کیا اور اس میں سوامی دیانند جی مہاراج کو بھی چیلنج دیا۔ چونکہ سوامی دیانند جی مہاراج ان دنوں راجستھان کا دورہ کر رہے تھے۔ اس لئے انہوں نے بختاور سنگھ اور منشی اندر من مراد آبادی سے کہا کہ وہ ان کا چیلنج منظور کر لیں۔ لیکن افسوس ہے کہ انہی ایام میں بعض وجوہ کی بناء پر سوامی جی نے اندر من مراد آبادی کو آریہ سماج سے نکال دیا۔ اس لئے یہ مناظرہ نہ ہو سکا۔ مرزا غلام احمد نے اس ورگھٹنا سے پورا پورا فائدہ اٹھایا اور آریوں کے خلاف ایسا زہریلا لٹریچر لکھا کہ جس نے مسلمانوں کے، دلوں میں آریہ دھرم کے متعلق سخت نفرت پیدا کر دی"۔ [۱۸]

حقیقت یہ ہے کہ یہ توجیہہ محض سوامی جی کے فرار پر پردہ ڈالنے کے لئے ہے۔ رسالہ جیون دھرم (۱۵۔ جولائی ۱۸۸۶ء) لکھتا ہے کہ "پنڈت دیانند صاحب جاتے وقت اشاروں کنایوں سے بعض معزز برہمو صاحبوں کو سمجھا گئے تھے کہ اب میرا ایمان ویدوں پر نہیں رہا"۔ [۱۹] پس جب سوامی صاحب

(حضرت مسیح موعودؑ کے زبردست مضامین کے باعث) ویدوں سے در پردہ منحرف ہو گئے تھے تو وہ میدان مناظرہ میں قدم رکھنے کی جرات ہی کیسے کر سکتے تھے۔؟؟

آریہ سماج کے بعد برہمو سماج سے تحریری مباحثہ

آریہ سماج کے قیام سے پچپن برس پیشتر مشہور ہندو لیڈر راجہ رام موہن رائے نے برہمو سماج کے نام سے ایک جدید مذہب اختراع کیا جس کی تمام تر بنیاد عقل کی قیادت اور الہام کے انکار پر تھی [۲۰] راجہ رام موہن رائے کے بعد برہمو سماج تحریک متعدد شاخوں میں منقسم ہو گئی۔ اور ابتداء میں ان کے لیڈر مہرشی دیبندر وناتھ ٹیگور' بابو کیشب چندر سین اور غالباً بابو راج نرائن بوس بنے۔ [۲۱] پنجاب میں برہمو سماج کے مشہور اور سرگرم پرچارک پنڈت نرائن اگنی ہوتری تھے۔ جن کے اخبار "ہندو باندھو" کو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے آریہ سماج کے مقابلہ کے لئے منتخب فرمایا تھا۔ اور جس میں پنڈت صاحب موصوف نے ثالث کی حیثیت سے آریہ سماج کے مقابل حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دلائل کی برتری کا کھلے لفظوں میں اعتراف کیا تھا۔ اب جو آریہ سماجی لیڈر چاروں شانے چت گر چکے تو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا خود پنڈت اگنی ہوتری سے ضرورت الہام کے متعلق پرائیویٹ تحریری مباحثہ شروع ہو گیا۔ جو ۲۱۔ مئی ۱۸۷۹ء سے ۱۷۔ جون ۱۸۷۹ء تک جاری رہا۔ دوران مباحثہ میں پنڈت صاحب نے لکھا کہ اس پرائیویٹ گفتگو کو اخبار میں شائع کرنا شروع کر دیا جائے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس سے اتفاق رائے کرتے ہوئے یہ تجویز پیش فرمائی کہ ایک فاضل نامی گرامی برہمو سماجی مثلاً مسٹر کیشپ چندر سین اور ایک انگریز کو بطور ثالث نامزد کر کے ان کی رائے بھی شامل اشاعت کی جائے جو محض اس قدر فیصلہ پر اکتفا نہ کریں کہ ہماری رائے میں یہ ہے یا وہ ہے بلکہ ہر ایک فریق کی دلیل اپنے بیان سے توڑیں یا بحال رکھیں تا قارئین کو اصل نتیجہ تک پہنچنے میں آسانی ہو۔ پنڈت شو نرائن کو جب یہ تجویز پہنچی تو وہ سناٹے میں آگئے۔ اور باوجودیکہ حضرت اقدس نے ثالثوں میں برہمو سماجی لیڈر اور ایک غیر جانبدار انگریز رکھا تھا اور کسی مسلمان کو اس میں شامل نہیں کیا تھا بلکہ ان کی نامزدگی کا معاملہ بھی انہی پر چھوڑا تھا۔ مگر انہوں نے یہ معقول اور سراسر مفید تجویز تسلیم کرنے کی بجائے صرف گزشتہ خط و کتابت ہی شائع کر کے بالکل سکوت اختیار کر لیا۔ پھر آٹھ سال گزرے تو ۱۶۔ فروری ۱۸۸۷ء کو برہمو سماج کو خیرباد کہہ دیا اور ایک تیسرا فرقہ "دیو سماج" نامی قائم کر لیا۔ پہلے تو وہ فقط ضرورت الہام کے قائل نہیں تھے۔ اب حق و صداقت کے مقابلہ کا عبرت ناک انجام یہ ہوا کہ "مہامانیہ پوجنیہ بر شری دیو گورو بھگوان بن کر خدا کے بھی منکر ہو گئے"۔ [۲۲]

برہمو سماج تحریک کی ناکامی

آریہ سماج کی طرح برہمو سماج تحریک کو ناکام بنانے کا سہرا بھی حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سر ہے۔ چنانچہ برہمو سماج کے ایک مشہور اپدیشک دیو نندر ناتھ سہائے لکھتے ہیں:

"برہمو سماج کی تحریک ایک زبردست طوفان کی طرح اٹھی اور آناً فاناً نہ صرف ہندوستان بلکہ غیر ممالک میں بھی اس کی شاخیں قائم ہو گئیں۔ بھارت میں نہ صرف ہندو اور سکھ ہی اس سے متاثر ہوئے بلکہ مسلمانوں کے ایک بڑے طبقہ نے بھی اس میں شمولیت اختیار کی۔ روزانہ بیسیوں مسلمان برہمو سماج میں پرویش یعنی داخل ہوئے اس کی دیکھشا لیتے ہمیں معلوم ہے کہ بنگال کے بڑے بڑے مسلم خاندان برہمو سماج کے ساتھ نہ صرف سمت تھے بلکہ اس کے باقاعدہ ممبر تھے۔ لیکن عین انہی دنوں میں مرزا غلام احمد قادیانی نے جو مسلمانوں میں ایک بڑے عالم تھے ہندوؤں اور عیسائیوں کے خلاف کتابیں لکھیں اور ان کو مناظرے کے لئے چیلنج دیا۔ افسوس ہے کہ برہمو سماج کے کسی وِدوان نے اس چیلنج کی طرف توجہ نہیں کی۔ جس کا اثر یہ ہوا کہ وہ مسلمان جو کہ برہمو سماج کی تعلیم سے متاثر تھے نہ صرف پیچھے ہٹ گئے بلکہ باقاعدہ برہمو سماج میں داخل ہونے والے مسلمان بھی آہستہ آہستہ اسے چھوڑ گئے" [۲۳]

ایک اور برہمو سماجی رام داس گوڑا اپنی کتاب "ہندوتو" میں لکھتے ہیں:

"برہمو سماج نے ہندو سنکرتی کی بندھی مریادا کو رستہ وسترت (عام) کر دیا کہ برہمو سماج کے ممبر عیسائی اور مسلمان بھی ہو سکتے ہیں۔ اگرچہ بعض لوگوں کو اس میں اختلاف تھا۔ یہی کارن تھا کہ اس میں دو فریق ہو گئے تھے۔ ایک فریق کا کہنا تھا کہ سنکرتی کو بدل کر ایسا بنانا چاہئے کہ سب مذاہب والے اس میں آسانی سے رہ سکیں۔ لیکن دوسرا فریق اس کی مخالفت کرتا تھا۔ اس کا کہنا تھا کہ ہمیں غیر مذاہب والوں کو اپنے اندر شامل کرتے ہوئے ہندو سنکرتی کو بھولنا نہیں چاہئے۔ راجہ رام موہن رائے کی زبردست شخصیت نے انگلستان اور امریکہ میں برہمو سماج کو یونی ٹیرین چرچ کی شکل میں قائم کیا اور سینکڑوں خاندانوں نے آپ کے ہاتھ پر برہمو سماج کی دیکھشا لی۔ لیکن افسوس ہے کہ بھارت کے مسلمانوں پر قادیانی سمپردائے (فرقہ) کی وجہ سے بہت برا پربھاو پڑا۔ اور مسلمانوں میں سے شردھالو جو برہمو سماج کے نیموں سے پربھاوت ہو چکے تھے قریباً قریباً پیچھے ہٹ گئے"۔ [۲۴]

ایک رات میں بے مثال روحانی انقلاب

غالباً اسی سال کا واقعہ ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام ایک سفر کے دوران میں گورداسپور میں تشریف فرما تھے کہ آپ کو ایک خواب میں دکھایا گیا کہ مولانا مولوی عبداللہ

غزنوی رحمتہ اللہ علیہ کا زمانہ وفات قریب ہے آنکھ کھلنے کے بعد آپ نے محسوس کیا کہ ایک آسمانی کشش آپ کے اندر کام کر رہی ہے۔ یہاں تک کہ وحی الٰہی کا سلسلہ جاری ہو گیا اور پھر ایک ہی رات میں آپ کے اندر بے مثال روحانی انقلاب برپا ہو گیا چنانچہ خود فرماتے ہیں:

"وہی ایک رات تھی جس میں اللہ تعالیٰ نے بتمام و کمال میری اصلاح کر دی اور مجھ میں ایک ایسی تبدیلی واقع ہو گئی جو انسان کے ہاتھ سے یا انسان کے ارادے سے نہیں ہو سکتی تھی"۔ ۲۵

اس دور کی شاندار اسلامی خدمات کا اعتراف

اس دور کی حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اسلامی خدمات' عیسائیت' آریہ سماج اور برہمو سماج کے ابطال میں اتنی بلند پایہ' رفیع القدر اور شاندار تھیں کہ آج تک غیر از جماعت مسلم لیڈر بھی ان کا کھلا اعتراف کر رہے ہیں۔ مثلاً سید حبیب صاحب سابق مدیر "سیاست"' "تحریک قادیان" میں لکھتے ہیں:

"غدر ۱۸۵۷ء کی تمام ذمہ داری بے جا طور پر مسلمانوں کے سر منڈھ دی گئی۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ارباب حکومت کے دلوں میں مسلمانوں کی طرف سے بغض پیدا ہو گیا ادھر مسلمانوں کے علماء نے حکومت انگلشیہ سے ہر قسم کے تعاون کو گناہ قرار دے کر اعلان کر دیا کہ ہندوستان دارالحرب ہے۔ نیز بین الاقوامی معاملات نے بھی ایسی صورت اختیار کر لی کہ مسلمانوں اور انگریزوں کے تعلقات اچھے نہ رہے۔ مسلمانوں نے علماء کے فتاوئی کے باعث انگریزی مدارس سے جو تعلیم کی روشنی کو واپس لانے والے تھے' اجتناب کیا۔ مساجد اجڑی پڑی تھیں۔ مکاتب کا نشان مٹ چکا تھا۔ صوفیاء کے تکیئے حدیث شریف و قرآن مجید کے مسائل کی جگہ بھنگ نواز دوستوں کی گپ بازی کا مرکز بن چکے تھے۔

غرض حالت یہ تھی کہ مسلمان حکام وقت کا چور بنا ہوا تھا۔ حکومت اس کے ہاتھوں سے چھن چکی تھی۔ تجارت سے اس کو دور کا بھی واسطہ نہ تھا۔ تعلیم اس کے ہاں سے غائب ہو چکی تھی۔ اور جاہل ماں باپ' جاہل تر اولاد پیدا کر رہے تھے۔ بے کاری' مفلسی اور حکومت کے عتاب نے مسلمانوں کو ایک قابل نفرت چیز بنا دیا تھا۔

مسیحی پادری ہمیشہ تسلیم کرتے رہے ہیں کہ دنیا میں ان کے عقائد کے لئے اگر کوئی خطرہ موجود ہے تو اس کا نام اسلام ہے۔ وہ اسلام کو مٹانے اور مسلمانوں کو بہکانے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھتے۔ انہوں نے اس وقت کو غنیمت اور اس موقعہ کو بے حد مناسب جان کر مسلمانوں کو بہکانے کے لئے ایک عالمگیر جدوجہد شروع کی جس کا سلسلہ ۱۸۶۰ء سے لے کر ۱۹۰۳ء کے بعد تک بڑے زور و شور سے قائم رہا۔

بے کار مسلمان مسیحی ہو کر روزگار حاصل کر لیتے تھے۔ قلاش مسلمان مالی لحاظ سے بہتر حالت میں ہو

جاتے تھے۔ اور غداری کا داغ جو ان کے لئے بے حد پریشان کن تھا۔ وہ پتسمہ کے پانی کے ساتھ ان کی پیشانی سے دھل جاتا تھا۔ یہ ترغیبات کچھ معمولی نہ تھیں۔ زر' حکومت اور ثروت کی ترغیب سے اگر کسی اور دین کا واسطہ پڑتا تو مٹ جاتا۔ یہ اسلام ہی کا کام تھا کہ وہ اس بے پناہ حملہ سے محفوظ رہا۔ و الحمدللہ علیٰ ذالک

عیسائیوں کے ان حملوں سے ہندو بھی محفوظ نہ تھے۔ لیکن اول تو وہ جدید تعلیم حاصل کرکے پرانی جہالت کے ازالہ میں مصروف ہو گئے تھے۔ دوسرے ان کے پاس تجارت اور دولت موجود تھی۔ لہٰذا یہ نہ قلاش و مفلس تھے نہ بے روزگار۔ تیسرے یہ حکومت کے عتاب سے محفوظ تھے۔ بلکہ یوں کہئے کہ اس کے لطف کا نشانہ بنے ہوئے تھے۔ لہٰذا انہیں وہ خطرات درپیش نہ تھے جو مسلمانوں کے لئے مخصوص ہو چکے تھے۔

مسلمانوں کو بہکانے کے لئے عیسائیوں نے دین حقہ اسلام اور اس کے بانی ﷺ پر بے پناہ حملے شروع کر دیئے جن کا جواب دینے والا کوئی نہ تھا۔ آخر زمانہ نے تین آدمی ان کے مقابلہ کے لئے پیدا کئے۔ ہندوؤں میں سے سوامی شری دیانند جی مہاراج نے جنم لے کر آریہ دھرم کی بنیاد ڈالی اور عیسائی حملہ آوروں کا مقابلہ شروع کیا مسلمانوں میں سرسید علیہ الرحمہ نے سپر سنبھالی اور ان کے بعد مرزا غلام احمد صاحب اس میدان میں اترے۔

سرسید احمد علیہ الرحمہ نے مسلمانوں کے سر سے غداری کا الزام دور کرنے کی کوشش کی اور انہیں تعلیم جدید کی طرف متوجہ کیا اور ساتھ ہی مسیحیوں کے حملوں کا جواب دے کر شریعت حقہ کی حمایت کرنے لگے۔ غدر کا الزام آج تک مسلمانوں کے سر پر موجود ہے۔ البتہ جدید تعلیم کی ترویج میں سرسید کو غیر معمولی کامیابی ہوئی۔ ان کی سیاسی رہنمائی بھی صحیح ثابت ہوئی اور مسلمان ایک عرصہ تک اس رہنمائی سے روگردانی کرنے کے بعد آج پھر لاچار ہو کر انہی کے اصولوں کو اختیار کرکے کامیاب ہو رہے ہیں۔

مذہبی حملوں کا جواب دینے میں البتہ سرسید کامیاب نہیں ہوئے۔ اس لئے کہ انہوں نے ہر معجزے سے انکار کیا اور ہر مسئلہ کو بزعم خود عقل انسانی کے مطابق ثابت کرنے کی کوشش کی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ہندوستان میں بچے کھچے جو علماء بھی موجود تھے ان میں اور سرسید میں ٹھن گئی۔ کفر کے فتوے شائع ہوئے اور بہت غلاظت اچھلی نتیجہ یہ نکلا کہ مسیحی پروپیگنڈہ زور پکڑ گیا اور علی گڑھ کالج مسلمانوں کی بجائے ایک قسم کے ملحد پیدا کرنے لگا۔ یہ لوگ محض اتفاقی پیدائش کی وجہ سے مسلمان ہوتے تھے ورنہ انہیں اسلام پر کوئی اعتقاد نہ ہوتا تھا.....

اس وقت کہ آریا اور مسیحی مبلغ اسلام پر بے پناہ حملے کر رہے تھے۔اکے دکے جو عالم دین بھی کہیں موجود تھے۔ وہ ناموس شریعت حقہ کے تحفظ میں مصروف ہو گئے مگر کوئی زیادہ کامیاب نہ ہوا۔ اس وقت مرزا غلام احمد صاحب میدان میں اترے۔ اور انہوں نے مسیحی پادریوں اور آریا اپدیشکوں کے مقابلہ میں اسلام کی طرف سے سینہ سپر ہونے کا تہیہ کر لیا۔ میں مرزا صاحب کے ادعائے نبوت وغیرہ کی قلعی کھول چکا ہوں لیکن بقولیکہ ع عیب وی جملہ بگفتی ہنرش نیز بگو۔ مجھے یہ کہنے میں ذرا باک نہیں۔ کہ مرزا صاحب نے اس فرض کو نہایت خوش اسلوبی سے ادا کیا اور مخالفین اسلام کے دانت کھٹے کر دیئے۔ "اسلام کے متعلق ان کے بعض مضامین لاجواب ہیں اور میں کہہ سکتا ہوں کہ اگر مرزا صاحب اپنی کامیابی سے متاثر ہو کر نبوت کا دعویٰ نہ کرتے تو ہم انہیں زمانہ حال میں مسلمانوں کا سب سے بڑا خادم مانتے۔ لیکن افسوس ہے کہ جس کی ابتداء اچھی تھی انتہاء وہ نہ رہی جو ہونا چاہئے تھی۔

مسلمان ایک ایسی قوم ہے جو اپنے خدام کی قدر کرتی ہے۔ عیسائیوں اور آریاؤں کے مقابلہ میں مرزا صاحب کی خدمات کی وجہ سے مسلمانوں نے انہیں سر پر بٹھایا اور دلوں میں جگہ دی۔ مولانا محمد حسین بٹالوی مرحوم اور مولانا ثناء اللہ امرتسری جیسے بزرگ ان کے حامی اور معترف تھے اور ان ہی کے نام کا ڈنکا بجاتے تھے۔ غرض مرزا صاحب کی کامیابی کی پہلی وجہ یہ ہے کہ یہ ایسے زمانہ میں پیدا ہوئے جبکہ جہالت مسلمانوں پر قابض تھی اور اسلام مسیحی اور آریہ مبلغین کے طعن و تشنیع کا مورد بنا ہوا تھا۔ مرزا صاحب نے اس حالت سے فائدہ اٹھایا اور مسلمانوں کی طرف سے سینہ سپر ہو کر اغیار کا مقابلہ کیا"۔ [۸۱]

حواشی

۱- ۱۸۵۷ء کے حالات پر بہت کچھ رنگ آمیزی کی گئی ہے۔ لیکن بعض مستند واقعات اور قرائن سے یہ حقیقت بالکل نمایاں ہے کہ اس "انقلاب" میں بہادر شاہ ظفر اور دوسرے مسلمان محض آلہ کار بنائے گئے تھے۔ دراصل اس تحریک کے اٹھانے والے ہندو تھے اور تلنگوؤں کی بغاوت کے پیچھے ہندو راج کے قیام کا منصوبہ کار فرما تھا۔ چنانچہ مشہور مورخ مولانا ذکاء اللہ لکھتے ہیں۔ "اول حکم بادشاہ کا جو صادر ہوا وہ یہ تھا کہ گائے ذبح نہیں کی جائے گی۔ ۹۔ جولائی کو ڈھنڈورا پٹوایا کہ جو گائے ذبح کرے گا وہ توپ کے منہ سے اڑایا جائے گا۔ بقر عید کو گائے کی قربانی منع کی گئی۔ اگر بادشاہ کو اختیار ہوتا تو وہ کیوں ہندو راجہ کے سے احکام دیتا مگر تلنگوؤں کے ہاتھ سے مجبور تھا جو اس نے اپنی مرضی اور مذہب کے خلاف یہ حکم دیئے.... مسلمانوں کو یہ بادشاہی احکام ناگوار گذرے اور انہوں نے کہا یہ اسلام کی بادشاہی نہیں یہ تو ہندوؤں کا راج ہے.... مسلمانوں نے ایک دفعہ اپنا محمدی جھنڈا ہندوؤں پر جہاد کے لئے لگایا۔ دوسری دفعہ مولوی محمد سعید نے جامع مسجد میں یہ جھنڈا کھڑا کیا تو بادشاہ نے ان سے کہا کہ یہ کس کے لئے ہے۔ انگریز تو شہر میں باقی نہیں۔ تو انہوں نے کہا کہ ہندوؤں کے لئے لگایا ہے۔ بادشاہ نے ان کو یہ سمجھا کر اس جھنڈے کو اکھڑوا دیا کہ سارے تلنگے ہندو ہیں ان سے بے چارے مسلمان کیا لڑیں گے"۔ (تاریخ عروج عہد سلطنت انگلشیہ ہند صفحہ ۶۶۰ مطبوعہ ۱۳۲۲ھ / ۱۹۰۴ء شمس المطابع دہلی)

۲- اس غرض کی تکمیل کے لئے سوامی دیانند نے "ستیارتھ پرکاش" جیسی رسوائے عالم کتاب لکھی۔

۳- تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو "سوامی دیانند اور ان کی تعلیم" مرتبہ مولانا خواجہ غلام الحسنین پانی پتی مطبوعہ ۱۹۳۲ء شائع کردہ اورینٹل پبلک لائبریری پانی پت۔ صفحہ ۱۱۹، ۱۲۲، ۱۷۵، ۱۷۷، ۲۹۱، ۲۹۶۔

۴- "لائف آف احمد" صفحہ ۶۱

۵- تبلیغ رسالت جلد اول صفحہ ۱-۲ مرتبہ حضرت میر قاسم علی صاحبؓ مطبوعہ اپریل ۱۹۱۸ء۔ اسی دوران میں حضور نے آریہ سماجی عقیدہ کو باطل ثابت کرنے کے لئے ایک نظم بھی لکھی تھی جو منشور محمدیؐ میں شائع ہوئی (ملاحظہ ہو الحکم ۷ تا ۲۸۔ مئی ۱۹۴۲ء صفحہ ۴)۔

۶- حیات النبی جلد اول نمبر ۲ صفحہ ۱۱۳ و تبلیغ رسالت جلد اول صفحہ ۸

۷- پرانی تحریریں صفحہ ۲۷ تا ۳۷ (طبع سوم بکڈپو تالیف و اشاعت قادیان دسمبر ۱۹۲۵ء) و تبلیغ رسالت جلد اول صفحہ ۲ تا ۶

۸- ایضاً و مکتوبات احمدیہ جلد دوم نمبر ۳

۹- "مجدد اعظم" جلد اول صفحہ ۸۲ پر لکھا ہے کہ "سردار سنت سنگھ صاحب مسلمان ہو کر عبد الرحمٰن بن چکے اور ان کی بیوی بھی مسلمان ہو چکیں۔ ادھر حضرت مرزا صاحب کے مضامین نے اخبارات میں دھوم مچا رکھی تھی اور آریہ سماج کے دھرے بکھیر دیئے تھے تو قادیان کے آریوں نے پنڈت کھڑک سنگھ کو حضرت مرزا صاحب سے مباحثے کے لئے بلایا"۔ ان الفاظ میں سردار سنت سنگھ کے قبول اسلام کے واقعہ کو پنڈت کھڑک سنگھ کی آمد کی ایک وجہ بتایا گیا ہے جو تاریخی لحاظ سے غلط ہے۔ کیونکہ اسی صفحہ پر قبول اسلام کی معین تاریخ ۲۳۔ جمادی الاولیٰ ۱۳۰۱ھ درج ہے جو شمسی حساب کے مطابق ۲۲۔ فروری ۱۸۸۴ء بنتی ہے (التوفیقات الالہامیہ) پس فروری ۱۸۸۴ء کا واقعہ ۱۸۷۸ء کی کسی دعوت و تحریک کا موجب کیسے قرار دیا جا سکتا ہے۔؟؟

۱۰- مکتوبات احمد جلد دوم صفحہ ۴۱ تا ۴۷۔

۱۱- شحنہ حق صفحہ ۲۴ طبع اول ریاض ہند پریس امرتسر ۱۸۸۸ء

۱۲- حیات احمد جلد اول نمبر ۳ صفحہ ۲۱۲، ۲۱۵، ۲۱۹، ۲۳۵ تا ۲۴۰۔ مکتوبات احمدیہ جلد دوم نمبر ۲ صفحہ ۴۱، ۵۳، ۵۹، ۷۱، ۷۵، ۷۸ حیات احمد صفحہ ۲۳۶، ۲۳۸ و ۲۴۰ شحنہ حق صفحہ ۲۴ پرانی تحریریں صفحہ ۱ تا ۱۴۱، حیات النبی صفحہ ۱۲۰، ۱۲۲، ۱۲۳، ۱۳۱ تبلیغ رسالت صفحہ ۲-۶

۱۳- متن میں د سہواً چھوٹ گئی ہے۔ مرتب)

۱۴- بحوالہ حیات احمد صفحہ ۲۲۱ تا ۲۲۴-
۱۵- پرانی تحریریں صفحہ ۳۸-۴۰ ناشر بکڈپو تالیف واشاعت قادیان دسمبر ۱۹۲۵ء-
۱۶- حاشیہ تبلیغ رسالت جلد نمبر ا صفحہ ۶ ' ۷ طبع اول اپریل ۱۹۱۸ء و مکتوبات احمدیہ جلد ۲ نمبر ۳ صفحہ ۷۰ ' ۷۱ ناشر بدر ایجنسی قادیان دسمبر ۱۹۱۲ء-
۱۷- برادر ہند جولائی ۱۸۷۸ء بحوالہ حیات النبی جلد اول نمبر دوم صفحہ ۱۱۴-۱۱۸
۱۸- کتاب "آریہ سماج اور پرچار کے سادھنا" صفحہ ۱۲ (مولفہ مہاشہ دیودت)-
۱۹- بحوالہ سرمہ چشم آریہ طبع دوم صفحہ ۱۳۴
۲۰- برہمو سماج کے متعلق معلومات کے لئے اخبار پیغام صلح ۵- جنوری ۱۹۱۵ء صفحہ ۲-۳ ملاحظہ ہو- نیز سوامی دیانند اور ان کی تعلیم صفحہ ۸۳
۲۱- ولادت ۱۸۳۸ء وفات جنوری ۱۸۸۴ء-
۲۲- "دیو آتما اور اس کا الوکک جیون برت" (مطبوعہ نول کشور گیس پرنٹنگ ورکس لاہور دسمبر ۱۹۱۱ء) "انسانی دنیا میں ایک لاثانی ظہور" (مطبوعہ اگست ۱۹۰۹ء) "دیو سماج کے بارے میں مختصر بات چیت" مطبوعہ اگست ۱۹۱۲ء-
۲۳- رسالہ "کودی" کلکتہ اگست ۱۹۲۰ء (ہندی سے ترجمہ) مترجم مہاشہ محمد عمر صاحب مربی سلسلہ احمدیہ
۲۴- "ہندوتو" صفحہ ۹۸۲ مصنفہ رام داس گوڑ (ہندی سے ترجمہ)
۲۵- نزول المسیح صفحہ ۲۳۷
۲۶- "تحریک قادیان" از مولانا سید حبیب صاحب سابق مدیر "سیاست" مطبوعہ ۱۹۳۳ء مقبول عام پریس لاہور صفحہ ۲۰۷ ' ۲۱۰

باب یازدہم

براہین احمدیہ کی انقلاب انگیز تصنیف واشاعت دنیائے مذاہب میں زبردست تہلکہ

(۱۸۸۰ تا ۱۸۸۴)

براہین احمدیہ کی تالیف کا پس منظر

بالخصوص آریہ سماج کے خلاف قلمی جنگ کے دوران میں آپ کے دل میں یکایک یہ غیبی تحریک پیدا ہوئی کہ معرکہ حق و باطل کے اس نازک ترین دور میں جبکہ عیسائیت' آریہ سماج' برہمو سماج وغیرہ منظم شکل میں اسلام پر حملہ آور ہیں۔ دین مصطفیٰ کے دفاع کے لئے ایک مستقل تصنیف کی ضرورت ہے جس میں باطل کے اس مرکب حملہ کا علمی اور عملی' عقلی اور منقولی سب ہی ہتھیاروں سے دندان شکن جواب دیا جائے۔ اور اپنے روحانی تجربات اور حقانیت اسلام کے تازہ نشانوں کو پیش کرکے اسلام کی فضیلت اور خاتم النبیین حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی صداقت اور قرآن مجید کی فوقیت اور برتری کے ثبوت میں اندرونی اور بیرونی' ماضی اور حال کے زبردست دلائل کی ایک ایسی عظیم الشان صف بستہ فوج کھڑی کردی جائے کہ دشمن کے مورچے بے کار ہو جائیں اور اسلام فاتحانہ شان کے ساتھ ہر قلب سلیم میں داخل ہو جائے۔ چنانچہ یہ خیال آتے ہی دین حق کے سپہ سالار نے ہاتھ میں قلم لیا اور روح القدس کی تائید سے نہایت مختصر وقت میں ایک معرکتہ الاراء کتاب تصنیف کر ڈالی۔ یہ کتاب آپ کی پہلی اور شہرہ آفاق تصنیف "براہین احمدیہ" تھی۔

براہین احمدیہ کی تصنیف کے متعلق حضور کا ایک کشف

یہی وہ مبارک کتاب تھی جس کے متعلق مدتوں قبل عالم شباب میں بذریعہ کشف آپ کو خبر دی گئی تھی کہ قطبی نام کی ایک کتاب لکھنا آپ کے لئے مقدر ہے۔ [1] اس کتاب کو قطبی اس لئے کہا گیا تھا کہ وہ اپنے مضبوط دلائل اور مستحکم اور غیر متزلزل براہین اور انوار و برکات کے لحاظ سے قطب ستارہ کی حیثیت میں افق پر طلوع ہوگی اور جس طرح قطب ستارہ سے قبلہ

کی تعین کی جاتی ہے اسی طرح دنیا بھر کو یہ کتاب کعبۃ اللہ کے روحانی پیکر اسلام کی طرف راہ نمائی کرنے کا موجب بنے گی۔ خود حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اس مایہ ناز تصنیف کے دلائل و براہین کے ناقابل تردید اور رائل ہونے پر اس درجہ یقین اور ایمان تھا کہ ۱۸۸۰ء میں جب اس کتاب کا پہلا حصہ شائع ہوا تو اس میں آپ نے مذاہب عالم کو دس ہزار روپیہ کا انعامی چیلنج دیتے ہوئے یہ پر شوکت اعلان فرمایا کہ جو شخص حقیقت فرقان مجید اور صدق رسالت حضرت خاتم الانبیاء ﷺ کے ان دلائل کا جو قرآن مجید سے اخذ کر کے پیش فرمائے ہیں اپنی الہامی کتاب میں آدھا یا تہائی یا چوتھائی یا پانچواں حصہ ہی نکال کر دکھلائے۔ یا اگر بکلی پیش کرنے سے عاجز ہو تو حضور ہی کے دلائل کو نمبروار توڑ دے تو آپ بلا تامل اپنی دس ہزار کی جائیداد اس کے حوالہ کر دیں گے۔ [۲] بشرطیکہ تین ججوں پر مشتمل مسلمہ بورڈ یہ فیصلہ دے کہ شرائط کے مطابق جواب تحریر کر دیا گیا ہے۔

واقعاتی لحاظ سے بھی براہین احمدیہ ہر جہت سے قطبی ثابت ہوئی اور غیر مذاہب کے مقابل اسلام کی ترقی و سرفرازی کا موجب بنی۔ براہین احمدیہ سے قبل کفر و الحاد کا سیلاب جو نہایت تیزی سے بڑھ رہا تھا اس کے منصہ شہود پر آتے ہی یکسر پلٹ گیا اور عیسائیت کا وہ فولادی قلعہ جس کی پشت پناہی ۱۸۵۷ء کے بعد حکومت کی پوری مشینری کر رہی تھی پاش پاش ہو گیا۔ اور ہمیں یقین ہے کہ مستقبل میں اسلام کی طرف سے کفر کے خلاف آخری جو روحانی جنگ ہونے والی ہے وہ انہی ہتھیاروں سے لڑی جائے گی جو براہین احمدیہ کے روحانی اسلحہ خانہ میں پہلے سے موجود ہیں۔ اور بالآخر اسی قطب ستارہ کی قیادت میں دنیا کا قافلہ اسلام کی طرف روانہ ہو گا۔ اور اس طرح کشف مذکورہ کا وہ حصہ بھی پورا ہو جائے گا۔ جس میں بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کے ہاتھ سے دین مصطفیٰ کو پھر سے شان و شوکت بخشے گا اور دائمی غلبہ عطا کرے گا۔ مشہور برطانوی مؤرخ پروفیسر آرنلڈ ٹوئن بی اپنے لیکچر "دور حاضر کا چیلنج" (The Challang of our era) میں کہتے ہیں۔ "وہ وقت قریب آرہا ہے جب دہریت عنقا ہو جائے گی اور تمام دنیا پھر مذہبی بھیس میں جلوہ گر ہو گی مگر کہا نہیں جا سکتا کہ وہ کس مذہب کو قبول کرے گی"۔ دراصل یہ دنیا کے حقیقی مذہب اسلام کی آمد کا ایک نظارہ ہے جو دنیا کے بڑے بڑے سائینسدانوں کو مستقبل کے دھندلکوں میں افق سے دور آج بھی دکھائی دے رہا ہے۔ مادی دنیا گو ابھی اپنی کوتاہ نظری اور بے بصیرتی کے باعث ابھی آنے والے شہنشاہ کو شناخت نہیں کر سکی تاہم وہ جلد یا بدیر اسے دل کی روشنی سے پہچانے گی۔ اس کا گرم جوشی سے استقبال کرے گی اور اپنی آنکھیں اس کے لئے فرش راہ کر دے گی۔ اور یہی وہ وقت ہو گا جبکہ خدائی کشف کے مطابق حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ ابدی جاہ و جلال کے تخت پر پوری شان سے جلوہ گر ہوں گے۔

براہین احمدیہ کو ملک بھر کے مسلم حلقوں کی طرف سے بے مثال خراج عقیدت

"براہین احمدیہ" کا پہلا حصہ اگرچہ اکثر و بیشتر اشتہار پر مشتمل تھا۔ لیکن اس کا منظر عام پر آنا ہی تھا کہ ملک کے طول و عرض میں ایک زبردست تہلکہ مچ گیا۔ مسلمانان ہند نے جو کفر کے پے در پے حملوں سے نڈھال ہو بیٹھے تھے خوشی اور مسرت سے تمتما اٹھے اور حضورؑ کو بے مثال خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے اسے اسلامی مدافعت کا زبردست شاہکار قرار دیا۔

براہین احمدیہ کے محاسن و کمالات پر سب سے مبسوط اور زوردار ریویو ملک کے اہل حدیث لیڈر ابو سعید مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی نے اپنے رسالہ "اشاعۃ السنہ" جلد ہفتم (نمبر ۶-۱۱) میں لکھا۔ جو قریباً دو سو صفحات کو محیط تھا۔ اور اس میں اس کتاب کو اسلام کی چودہ سو سالہ تاریخ میں اپنی نوعیت کی واحد اسلامی خدمت قرار دیا گیا تھا۔ یہ تبصرہ اس لحاظ سے خاص وقعت رکھتا تھا کہ یہ ملک کے ایک چوٹی کے ذمہ دار عالم کے قلم سے نکلا جس کا اس زمانہ میں طوطی بول رہا تھا اور جس کے علم و فضل کی دھاک بیٹھی ہوئی تھی۔ یہ تاریخی تبصرہ ان الفاظ سے شروع ہوتا تھا:

"ہماری رائے میں یہ کتاب اس زمانہ میں اور موجودہ حالت کی نظر سے ایسی کتاب ہے جس کی نظیر آج تک اسلام میں تالیف نہیں ہوئی اور آئندہ کی خبر نہیں۔ لَعَلَّ اللّٰہَ یُحْدِثُ بَعْدَ ذٰلِکَ اَمْرًا اور اس کا مولف بھی اسلام کی مالی و جانی و قلمی و لسانی و حالی و قالی نصرت میں ایسا ثابت قدم نکلا ہے جس کی نظیر پہلے مسلمانوں میں بہت ہی کم پائی گئی ہے۔

ہمارے ان الفاظ کو کوئی ایشیائی مبالغہ سمجھے تو ہم کو کم سے کم ایک ایسی کتاب بتا دے جس میں جملہ فرقہ ہائے مخالفین اسلام خصوصاً فرقہ آریہ و برہم سماج سے اس زور شور سے مقابلہ پایا جاتا ہو اور دو چار ایسے اشخاص انصار اسلام کے نشان دہی کرے جنہوں نے اسلام کی نصرت مالی و جانی و قلمی و لسانی کے علاوہ حالی نصرت کا بھی بیڑا اٹھا لیا ہو۔ اور مخالفین اسلام اور منکرین الہام کے مقابلہ میں مردانہ تحدی کے ساتھ یہ دعویٰ کیا ہو کہ جس کو وجود الہام کا شک ہو۔ وہ ہمارے پاس آکر تجربہ و مشاہدہ کر لے۔ اور اس تجربہ و مشاہدہ کا اقوام غیر کو مزہ بھی چکھا دیا ہو"۔ [۳۲]

حضرت اقدس کے الہامات کے متعلق غیروں کی شہادت سے لکھا کہ:

"مولف براہین احمدیہ مخالف و موافق کے تجربے اور مشاہدے کے رو سے (واللہ حسیبہ) شریعت محمدیہ ؐ پر قائم و پرہیزگار اور صداقت شعار ہیں۔ اور نیز شیطانی القاء اکثر جھوٹ نکلتے ہیں اور الہامات مولف براہین سے (انگریزی میں ہوں خواہ ہندی و عربی وغیرہ) آج تک ایک بھی جھوٹ نہیں نکلا

(چنانچہ ان کے مشاہدہ کرنے والوں کا بیان ہے گو ہم کو ذاتی تجربہ نہیں ہوا) پھر وہ القاء شیطانی کیونکر ہو سکتا ہے۔ کیا کسی مسلمان متبع قرآن کے نزدیک شیطان کو بھی یہ قوت قدسی ہے کہ وہ انبیاء و ملائکہ کی طرح خدا کی طرف سے مغیبات پر اطلاع پائے اور اس کی کوئی خبر غیب صدق سے خالی نہ ہو جائے۔ حاشاء و کلا"۔ ۴

تبصرہ کے آخری الفاظ یہ تھے:

اس کتاب کی خوبی اور حق اسلام نفع رسانی اس کتاب کو بچشم انصاف پڑھنے اور ہمارے ریویو کو دیکھنے والوں کی نظروں میں مخفی نہ رہے گی۔ لہٰذا بحکم "هَلْ جَزَاءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَانُ" کافہ اہل اسلام پر (اہل حدیث ہو خواہ حنفی شیعہ ہوں خواہ سنی وغیرہ) اس کتاب کی نصرت اور اس کی مصارف طبع کی اعانت واجب ہے۔ مولف براہین احمدیہ نے مسلمانوں کی عزت رکھ دکھائی ہے اور مخالفین اسلام سے شرطیں لگا لگا کر تحدی کی ہے۔ اور یہ منادی اکثر روئے زمین پر کر دی ہے کہ جس شخص کو اسلام کی حقانیت میں شک ہو وہ ہمارے پاس آئے اور اس کی صداقت دلائل عقلیہ قرآنیہ و معجزات نبوت محمدیہؐ سے (جس سے وہ اپنے الہامات و خوارق مراد رکھتے ہیں) بچشم خود ملاحظہ کرلے"۔ ۵

براہین احمدیہ کے دوسرے تبصرہ نگار لدھیانہ کے مشہور اور باکمال صوفی مرتاض حضرت صوفی احمد جان صاحب رضی اللہ عنہ تھے۔ جو رتڑ چھتڑ (ضلع گورداسپور میں بارہ چودہ برس تک سلوک کی منازل طے کرنے کے بعد دعوت رشد و ہدایت کی اجازت لے کر لدھیانہ محلہ جدید میں دھونی رمائے بیٹھے تھے۔ اور جن کے عقیدت مندوں کا حلقہ دور دور تک بڑی سرعت سے پھیل رہا تھا۔ اور ان کے روحانی کمالات اور توجہ کی برکات کی دھوم مچی ہوئی تھی۔ ان کی دینی عظمت کا اس سے پتہ چلتا ہے کہ لدھیانہ کے بڑے بڑے علماء مثلاً مولوی محمد صاحب لدھیانوی وغیرہ ان کے خاص ارادتمندوں میں شامل تھے۔ اور انہیں "مجمع فیوض سبحانی منبع علوم روحانی قدوۃ الواصلین زبدۃ المحققین صوفی باصفا زاہد اتقی فیاض زمان مسیحائے دوران کے خطابات سے یاد کیا جاتا تھا"۔ ۶

حضرت صوفی صاحب کو جب پہلی مرتبہ براہین احمدیہ کی زیارت نصیب ہوئی تو وہ اپنی دوربین نگاہ سے حضرت کا مقام بلند اور عالی مرتبہ فوراً بھانپ گئے اور ہزار جان سے فریفتہ ہو کر پکار اٹھے ؎

سب مریضوں کی ہے تمہیں پہ نگاہ
تم مسیحا بنو خدا کے لئے

حضرت صوفی صاحب رضی اللہ عنہ نے "اشتہار واجب الاظہار" کے نام سے نہایت والہانہ انداز میں ایک مفصل ریویو شائع کیا جس میں براہین احمدیہ کے متعلق بڑے پر شوکت اور دلاویز الفاظ میں اپنے

تاثرات سپرد قلم کئے:

"عالی جناب۔ فیض رسان عالم۔ معدن جود و کرم۔ حجتہ الاسلام' برگزیدہ خاص و عام حضرت مرزا غلام احمد صاحب دام برکاتہم رئیس اعظم قادیان ضلع گورداسپور پنجاب نے ایک کتاب مسمی براہین احمدیہ سلیس اردو زبان میں جس کی ضخامت قریب تین سو جز کے ہے۔ چاروں دفتر جو کہ قریباً ۳۵ جزو ہیں نہایت خوشخط چھپ بھی گئے ہیں اور باقی وقتاً فوقتاً چھپتے جائیں گے اور خریداروں کے پاس پہنچتے رہیں گے۔

یہ کتاب دین اسلام اور نبوت محمدیہ ﷺ اور قرآن شریف کی حقانیت کو تین سو مضبوط دلائل عقلی اور نقلی سے ثابت کرتی ہے اور عیسائی آریہ نیچریہ ہنود اور برہمو سماج وغیرہ جمیع مذاہب مخالف اسلام کو از روئے تحقیق رد کرتی ہے۔ حضرت مصنف نے دس ہزار روپیہ کا اشتہار دیا ہے کہ اگر کوئی مخالف اسلام یا مکذب اسلام تمام دلائل یا نصف یا خمس تک بھی رد کردے تو مصنف صاحب اپنی جائیداد دس ہزار روپے کی اس کے نام منتقل کردیں گے۔ چنانچہ یہ اشتہار براہین احمدیہ کے حصہ اول میں درج ہے۔ یہ کتاب مشرکین و مخالفین اسلام کی بیخ و بنیاد کو اکھاڑتی ہے اور اہل اسلام کے اعتقادات کو ایسی قوت بخشتی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ایمان اور اسلام کیا نعمت عظمیٰ ہے اور قرآن شریف کیا دولت ہے۔ اور دین محمدی کیا صداقت ہے اور آیات قرآن مجید کا اس کتاب میں اپنے اپنے موقعوں پر حوالہ دیا گیا ہے۔ ۲۰ سیپاروں کے قریب ہیں۔ منکروں کو معتقد اور سست اعتقادوں کو چست اور غافلوں کو آگاہ مومنوں کو عارف کامل بناتی ہے۔ اور اعتقادات قویہ اسلامیہ کی جڑ قائم کرتی ہے اور جو وساوس مخالف پھیلاتے ہیں ان کو نیست و نابود کرتی ہے۔ اس چودھویں صدی کے زمانہ میں کہ ہر ایک مذہب و ملت میں ایک طوفان بے تمیزی برپا ہے۔ بقول شخصے کافر نئے نئے ہیں مسلماں نئے نئے۔ ایک ایسی کتاب اور ایک ایسے مجدد کی بے شک ضرورت تھی جیسی کہ کتاب براہین احمدیہ۔ اس کے مولف جناب مخدومنا مولانا میرزا غلام احمد صاحب دام فیوضہ ہیں جو ہر طرح سے دعویٰ اسلام کو مخالفین پر ثابت کرنے کے لئے موجود ہیں جناب موصوف عامی علماء اور فقراء میں سے نہیں بلکہ خاص اس کام پر منجانب اللہ مامور اور ملہم اور مخاطب الٰہی ہیں۔ صدہا سچے الہام اور مخاطبات اور پیشگوئیاں اور رویاء صالحہ اور امر الٰہی اور اشارات اور بشارات اجراء کتاب اور فتح و نصرت اور ہدایات امداد کے باب میں زبان عربی فارسی اردو انگریزی وغیرہ میں ہیں۔ حالانکہ مصنف صاحب نے ایک لفظ بھی انگریزی کا نہیں پڑھا۔ چنانچہ صدہا مخالفین اسلام کی گواہی سے ثابت کرکے کتاب میں درج کئے گئے ہیں جن سے بخوبی صداقت پائی جاتی ہے اور یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ مصنف صاحب بے شک

امر الٰہی سے اس کتاب کو لکھ رہے ہیں اور صاف ظاہر ہوتا ہے۔ بموجب حدیث نبوی ﷺ کے عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ فِیْمَا اَعْلَمُ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ یَبْعَثُ لِهٰذِهِ الْاُمَّةِ عَلٰی رَأْسِ کُلِّ مِائَةِ سَنَةٍ مَنْ یُّجَدِّدُ لَهَا دِیْنَهَا (رواہ ابو داؤد)..... مصنف صاحب اس چودھویں صدی کے مجدد اور مجتہد اور محدث اور کامل مکمل افراد امت میں سے ہیں۔ اس دوسری حدیث نبوی ﷺ یعنی عُلَمَاءُ اُمَّتِیْ کَاَنْبِیَاءِ بَنِیْ اِسْرَائِیْلَ اسی کی تائید میں ہے۔ اس موقعہ پر چند اشعار فارسی اس کتاب کے لکھتا ہوں۔ جن کو پڑھ کر ناظرین خود جناب ممدوح کا مرتبہ دریافت فرما لیں گے اور یقین ہے کہ خلوص دل اور صدق عقیدت سے یہ شعر زبان حال سے فرمائیں گے کہ:

سب مریضوں کی ہے تمہیں پہ نگاہ
تم مسیحا بنو خدا کے لئے

..... سن شریف حضرت کا قریباً چالیس یا پینتالیس ہوگا۔ اصلی وطن اجداد کا قدیم ملک فارس معلوم ہوتا ہے۔ نہایت خلیق، صاحب مروت و حیاء، جوان رعنا۔ چہرہ سے محبت الٰہی ٹپکتی ہے۔ اے ناظرین میں سچی نیت اور کمال جوش صداقت سے التماس کرتا ہوں کہ بے شک و شبہ جناب میرزا صاحب موصوف مجدد وقت اور طالباں سلوک کے لئے کبریت احمر اور سنگ دلوں کے واسطے پارس اور تاریک باطنوں کے واسطے آفتاب اور گمراہوں کے لئے خضر اور منکرین اسلام کے واسطے سیف قاطع اور حاسدوں کے واسطے حجتہ بالغہ ہیں۔ یقین جانو کہ پھر ایسا وقت ہاتھ نہ آئے گا۔ آگاہ ہو کہ امتحان کا وقت آگیا ہے اور حجت الٰہی قائم ہو چکی ہے اور آفتاب عالمتاب کی طرح بدلائل قطعیہ ایسا ہادی کامل بھیج دیا ہے کہ سچوں کو نور بخشے اور ظلمات و ضلالت سے نکالے اور جھوٹوں پر حجت قائم کرے"۔ ۷

براہین احمدیہ کی اشاعت کے بعد اگر آپ کے پاس کوئی مرید ہونے کو آتا تو آپ فرماتے "سورج نکل آیا ہے اب تاروں کی ضرورت نہیں جاؤ حضرت صاحب کی بیعت کرو"۔ ۸ حالانکہ ان کی زندگی میں حضرت اقدس نے سلسلہ بیعت کا آغاز نہیں فرمایا۔

براہین احمدیہ کے تیسرے تبصرہ نگار مولوی محمد شریف صاحب بنگلوری تھے جو مسلمانان ہند کے نہایت دیندار اور تقویٰ شعار صحافی اور مشہور مسلم اخبار منشور محمدی بنگلور کے مدیر شہیر تھے۔ مولانا محمد شریف صاحب نے "جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ اِنَّ الْبَاطِلَ کَانَ زَهُوْقًا" کے عنوان سے اپنے مبسوط اور پر زور تبصرے میں لکھا:

"منافقوں اور دشمنوں کے سارے حملے دین اسلام پر ہو رہے ہیں۔ ادھر دہریہ پن کا زور ادھر لا مذہبی کا شور کہیں برہمو سماج والے اپنے مذہب کو فیلسوفانہ تقریروں سے دین اسلام پر غالب کیا چاہتے

ہیں - ہمارے عیسائی بھائیوں کی ساری پوری ہمت تو اسلام کی استیصال پر مصروف ہے - اور ان کو اس بات کا یقین ہے کہ جب تک آفتاب اسلام اپنی پر تاب شعاعیں دنیا میں ڈالتا رہے گا تب تک عیسوی دین کی ساری کوششیں بیکار اور تثلیث تین تیرہ رہے گی - غرض سارے مذہب اور تمامی دین والے یہی چاہتے ہیں کہ کسی طرح دین اسلام کا چراغ گل ہو.... مدت سے ہماری آرزو تھی کہ علمائے اہل اسلام سے کوئی حضرت جن کو خدا نے دین کی تائید اور حمایت کی توفیق دی ہے کوئی کتاب ایسی تصنیف یا تالیف کریں جو زمانہ موجودہ کی حالت کے موافق ہو - اور جس میں دلائل عقلیہ اور براہین نقلیہ قرآن کریم کے کلام اللہ ہونے پر آنحضرت ﷺ کی ثبوت نبوت پر قائم ہوں - خدا کا شکر ہے کہ یہ آرزو بھی بر آئی - یہ وہی کتاب ہے جس کی تالیف یا تصنیف کی مدت سے ہم کو آرزو تھی - براہین احمدیہ ملقب بہ البراہین الاحمدیہ علیٰ حقیقتہ کتاب اللہ القرآن والنبوۃ المحمدیہ جس میں مصنف زاد قدرہ اللھم متع المسلمین بطول حیاتہ نے تین سو براہین قطعیہ عقلیہ سے حقیت قرآن اور نبوت محمدیہ کو ثابت کیا ہے - افضل العلماء فاضل جلیل جرنیل فخر اہل اسلام ہند مقبول بارگہ صمد جناب مولوی میرزا غلام احمد صاحب رئیس اعظم قادیان ضلع گورداسپور پنجاب کی تصنیف ہے - سبحان اللہ کیا تصنیف منیف ہے کہ جس سے دین حق کا لفظ لفظ سے ثبوت ہو رہا ہے ہر ہر لفظ سے حقیت قران و نبوت ظاہر ہو رہی ہے - مخالفوں کو کیسے آب و تاب سے دلائل قطعیہ سنائے گئے ہیں - دعویٰ ہی مدلل و براہین ساطعہ ثبوت ہے - مثبت بہ دلائل قاطعہ تاب دم زدنی نہیں - اقبال کے سوا چارہ نہیں - ہاں انصاف شرط ہے ورنہ کچھ بھی نہیں -

ایھا الناظرین! یہ وہی کتاب ہے جو فی الحقیقت لاجواب ہے - اور دعویٰ تو یہ ہے کہ اس کا جواب ممکن نہیں - اگر مخالف بشرائط مندرجہ اشتہار جواب لکھیں تو پھر دس ہزار روپیہ مفت نذر ہے - اور حال یہ ہے کہ اگر مخالفوں کو کچھ بھی خدا ترسی ہو تو ان کو مجرد مطالعہ اس کتاب کے جواب یہی دینا چاہئے کہ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ حق اور مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ بر حق ہم تو فخریہ یہ کہتے ہیں کہ جواب ممکن نہیں - ہاں قیامت تک محال ہے - مخالفوں سے ہمارا بھی یہی سوال ہے کہ اگر اپنے مذہبوں کو حق مانتے ہوں تو آیئے ہمیں گوئے ہمیں میدان ہے اگر جواب براہ صواب لکھا جاوے تو دس ہزار روپیہ کا انعام ہے وعدہ مصنف لا کلام ہے - لیجئے ہم بھی ایک ہزار مزید بر آں کرتے ہیں - دیکھیں ہمارے مخالف بھائی اب بھی حمیت کو کام فرماتے ہیں یا اپنے ہی لکیر کو پیٹتے ہیں

اب روئے کلام مسلمانوں کی طرف ہے - بھائیو! کتاب براہین احمدیہ ثبوت قرآن و نبوت میں ایک ایسی بے نظیر کتاب ہے کہ جس کا ثانی نہیں - مصنف نے اسلام کو ایسی کوششوں اور دلیلوں سے ثابت

کیا ہے کہ ہر منصف مزاج یہی سمجھے گا کہ قرآن کتاب اللہ اور نبوت پیغمبر آخر الزمان حق ہے - دین اسلام منجانب اللہ اور اس کا پیرو حق آگاہ ہے - عقلی دلیلوں کا انبار ہے - خصم کو جو نہ جائے گریز اور نہ طاقت انکار ہے - جو دلیل ہے بین ہے جو برہان ہے روشن ہے - آئینہ ایمان ہے - لب لباب قرآن ہے - ہادی طریق مستقیم - مشعل راہ قویم - مخزن صداقت - معدن ہدایت - برق خرمن اعداء - عدو سوز ہر دلیل ہے - مسلمانوں کے لئے تقویت کتاب الجلیل ہے - ام الکتاب کا ثبوت ہے - بے دین حیران ہے مبہوت ہے" - [9]

کئی ماہ کے بعد پھر لکھا:

"اس کتاب کی زیادہ تعریف کرنی ہماری حد امکان سے باہر ہے اور حقیقت یہ ہے کہ جس تحقیق و تدقیق سے اس کتاب میں مخالفین اسلام پر حجت اسلام قائم کی گئی ہے وہ کسی کی تعریف و توصیف کی محتاج نہیں ع

حاجت مشاطہ نیست روئے دلارام را

مگر اتنا تو کہنے سے ہم بھی دریغ نہیں کر سکتے کہ بلا شبہ کتاب لاجواب ہے اور جس زور شور سے دلائل حقہ بیان کئے گئے ہیں اور مصنف مدظلہ نے اپنے مکشوفات و الہامات کو بھی مخالفین اسلام پر ظاہر کر دیا ہے - اس میں اگر کسی کو شک ہو تو مکاشفات الہی اور انوار نامتناہی جو عطیہ الہی ہیں ان سب کو فیض صحبت مصنف سے مستفیض ہو کر پاوے اور عین الیقین حاصل کرلے -

اثبات اسلام و حقیت نبوت و قرآن میں یہ لاجواب کتاب اپنا نظیر نہیں رکھتی .... یہ وہ عالی مضامین اور قاطع دلائل ہیں جن کے جواب کے لئے مخالفین کو دس ہزار کی تحریص دلائی گئی ہے - اور اشتہار دیئے ہوئے عرصہ ہو چکا - مگر کسی کو قلم اٹھانے کی اب تک طاقت نہ ہوئی" - [10]

یہ تو فقط وہ ریویو ہیں جو اس زمانہ میں طبع ہو کر پبلک کے سامنے آئے - ورنہ حقیقت یہ ہے کہ درد اسلام رکھنے والے جس جس مسلمان تک یہ تصنیف پہنچی وہ پہلی نظر ہی میں اس کی بے نظیر خوبیوں کا قائل ہو گیا - صوفی میر عباس علی شاہ صاحب لدھیانوی نے براہین دیکھی تو کہنے لگے "اس کتاب کی عبارت سے شان نبوت کی بو آتی ہے" - [11] مولوی عبداللہ صاحب غزنوی کے ایک مخلص ارادت مند اور عالم مولوی محمد یوسف صاحب اشتہار پڑھتے ہی بول اٹھے کہ یہ شخص کوئی بڑا کامل ہے اور اپنے بھانجے حضرت مولوی عبداللہ صاحب سے کہا کہ اگر تمہیں زیارت کے لئے جانا ہے تو ان کے پاس جاؤ" - [12] دہلی کے نہایت فاضل علوم شرقیہ سے باخبر عالم اور اردو فارسی کے نامور شاعر نواب ضیاء الدین احمد خان صاحب (لوہارو) براہین احمدیہ کو دیکھتے ہی فریفتہ ہو گئے اور یہاں تک وارفتگی کا عالم ہوا

کہ ہفتہ عشرہ میں پوری کتاب ختم کر کے دم لیا اور فرمایا "نہایت اعلیٰ درجہ کی کتاب ہے۔ اور مجھے یقین ہے کہ اسکے مصنف کو یا تو لوگ پاگل کہیں گے یا اس سے اگلی صدی کا مجدد ہو گا"۔ اسی طرح ان کے نواسے اور ملک کے نامور شاعر ابو المعظم نواب سراج الدین احمد صاحب سائل نے اسے بڑی معرکے کی کتاب قرار دیا۔ [۱۶۳] بعض مقامات مثلاً سرادہ میں براہین احمدیہ جب سنائی جاتی تھی تو سامعین بے ساختہ کہتے تھے کہ اس کتاب کا مصنف بے بدل انشاء پرداز ہے۔ [۱۶۴]

مولانا ابو الحسن علی ندوی "براہین احمدیہ" کی تصنیف واشاعت کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"یہ دور مذہبی مناظروں کا دور تھا اور اہل علم کے طبقہ میں سب سے بڑا ذوق مقابلہ مذاہب اور مناظرہ فرق کا پایا جاتا تھا.... عیسائی پادری مذہب مسیحیت کی تبلیغ دعوت اور دین اسلام کی تردید میں سرگرم تھے۔ حکومت وقت جس کا سرکاری مذہب مسیحیت تھا ان کی پشت پناہ اور سرپرست تھی۔ وہ ہندوستان کو یسوع مسیح کا عطیہ اور انعام سمجھتی تھی۔ دوسری طرف آریہ سماجی مبلغ جوش و خروش سے اسلام کی تردید کر رہے تھے انگریزوں کی مصلحت (جو ۱۸۵۷ء کی متحدہ کوشش اور ہندوستان کے اتحاد کی چوٹ کھا چکے تھے) یہ تھی کہ ان مناظرانہ سرگرمیوں کی ہمت افزائی کی جائے۔ اس لئے کہ ان کے نتیجہ میں ملک میں ایک کشمکش اور ذہنی و اخلاقی انتشار پیدا ہوتا تھا اور تمام مذاہب اور فرقوں کو ایک ایسی طاقتور حکومت کا وجود غنیمت معلوم ہوتا تھا جو ان سب کی حفاظت کرے اور جس کے سایہ میں یہ سب امن وامان کے ساتھ مناظرہ و مباحثہ کرتے رہیں۔ ایسے ماحول میں جو شخص اسلام کی مدافعت اور مذاہب غیر کی تردید کا علم بلند کرتا وہ مسلمانوں کا مرکز توجہ و عقیدت بن جاتا۔

مرزا صاحب کی حوصلہ مند طبیعت اور دوربین نگاہ نے اس میدان کو اپنی سرگرمیوں کے لئے انتخاب کیا۔ انہوں نے ایک بہت بڑی ضخیم کتاب کی تصنیف کا بیڑہ اٹھایا ہے جس میں اسلام کی صداقت، قرآن کے اعجاز اور رسول اللہ ﷺ کی نبوت کو بدلائل عقلی ثابت کیا جائے گا اور بیک وقت مسیحیت، سناتن دھرم، آریہ سماج اور برہمو سماج کی تردید ہو گی۔ انہوں نے اس کتاب کا نام براہین احمدیہ تجویز کیا.....

معلوم ہوتا ہے کہ ہندوستان کے بہت سے علمی و دینی حلقوں میں اس کتاب کا پرجوش استقبال کیا گیا۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ کتاب بہت صحیح وقت پر شائع ہوئی تھی۔ مرزا صاحب اور ان کے دوستوں نے اس کی تشہیر و تبلیغ بھی بہت جوش و خروش سے کی تھی۔ اس کتاب کی کامیابی اور اس کی تاثیر کا ایک سبب یہ بھی تھا کہ اس میں دوسرے مذاہب کو چیلنج کیا گیا تھا۔ اور کتاب جواب دہی کے بجائے حملہ آورانہ انداز میں لکھی گئی تھی۔ اس کتاب کے خاص معترفین اور پرجوش تائید کرنے والوں میں مولانا

محمد حسین صاحب بٹالوی کو خاص اہمیت حاصل ہے۔انہوں نے اپنے رسالہ اشاعت السنہ میں اس پر ایک طویل تبصرہ یا تقریظ لکھی جو رسالہ کے چھ نمبروں میں شائع ہوئی ہے۔اس میں کتاب کو بڑے شاندار الفاظ میں سراہا گیا ہے اور اس کو عصر حاضر کا ایک علمی کارنامہ اور تصنیفی شاہکار قرار دیا گیا ہے"۔[۱۵]

ایک مشہور سکھ لیڈر ارجن سنگھ صاحب ایڈیٹر "رنگین" امرت سر لکھتے ہیں:

"اس وقت کے مسلمان عالم یہ سمجھتے تھے کہ میرزا صاحب نے براہین احمدیہ لکھ کر اسلام کی کوئی بڑی خدمت کی ہے۔چنانچہ گھر گھر براہین احمدیہ کا چرچا تھا اور تمام پڑھے لکھے مسلمان اس کتاب کے مطالعہ کو ضروری سمجھتے تھے۔کیونکہ مسلمان عالموں کا خیال تھا کہ اس کتاب میں آریہ اور عیسائیوں کے تمام اعتراضوں کا جواب آچکا ہے۔ہر ایک مسلمان مناظر اس کتاب کو ایک نظر دیکھ لینا ضروری خیال کرتا تھا۔الغرض اس کتاب کی تصنیف کی وجہ سے جہاں میرزا صاحب ایک طرف ہندوستان کے مسلمانوں کی آنکھ کا تارا بن گئے وہاں آپ کو عیسائیوں اور آریوں میں بھی کافی شہرت حاصل ہو گئی اور عیسائیوں اور آریوں نے جواب در جواب کی جانب توجہ کی یہاں تک کہ نوبت مقدمہ بازی تک پہنچی اور مباہلوں اور بددعاؤں پر ختم ہوئی"۔[۱۶]

مخالفین اسلام کے کیمپ میں کھلبلی

یہ تو مسلمانوں کی طرف سے خیر مقدم کا نظارہ تھا لیکن دوسری طرف مخالفین اسلام کے کیمپ میں براہین احمدیہ کے اشتہار کی اشاعت ہی نے کھلبلی مچادی۔وہ قادیان کی گمنام بستی سے اسلام کی تائید میں اٹھنے والی پر شوکت آواز پر بوکھلا اٹھے اور انہوں نے اخبار "سفیر ہند" "نور افشاں" اور رسالہ "ودیا پرکاشک" میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو صریح ہجو آمیز الفاظ میں یاد کرتے ہوئے براہین احمدیہ کا رد لکھنے کے لئے بڑے پر جوش اعلانات شائع کر دیئے اور اسلام کی طرف سے لڑنے والے سپہ سالار کی مدافعت کے لئے پوری طرح متحد ہو گئے۔

خدا کا شیر ان گیدڑ بھبکیوں سے بھلا کیسے ڈر سکتا تھا۔آپ نے ان لوگوں کی دعوت مبارزت (جو اصل مضمون پڑھنے بلکہ چھپنے سے پہلے ہی رد لکھنے کا مضحکہ خیز اعلان کر کے اپنے ہاتھوں انصاف کا جنازہ نکال چکے تھے) فوراً منظور کر لی۔اور انہیں خدا کی قسم کا واسطہ دے کر گرجتی ہوئی آواز سے للکارا:

"سب صاحبوں کو قسم ہے کہ ہمارے مقابلہ پر ذرا توقف نہ کریں۔افلاطون بن جاویں بیکن کا اوتار دھاریں۔ارسطو کی نظر اور فکر لاویں۔اپنے مصنوعی خداؤں کے آگے استمداد کے لئے ہاتھ جوڑیں۔پھر دیکھیں جو ہمارا خدا غالب آتا ہے یا آپ لوگوں کے الٰہ باطلہ"۔[۱۷]

اس چیلنج نے دشمنان دین کے حوصلے پست کر دیئے۔ ان کے قلم ٹوٹ گئے۔ اور وہ کوئی معقول جواب لکھنے پر قادر نہ ہو سکے۔ برہمو سماج لیڈر اگنی ہوتری کو اپنی طلاقت لسانی پر بڑا غرہ تھا۔ اور انہوں نے اس کا رد لکھنے کا اعلان بھی کیا۔ لیکن حق کی قوتوں سے مرعوب ہو کر انہیں ہمیشہ کے لئے خاموش ہونا پڑا۔ اور وہ "جیون دھرم" میں چند سطروں کے سوا کچھ نہ لکھ سکے۔ اور جو کچھ لکھا اس کا جواب حضرت اقدس نے براہین احمدیہ ہی میں تحریر فرما کر اس کی غیر معقولیت اور بے ہودگی ثابت کر دکھائی۔ بعض دوسرے برہمو سماجیوں نے پرچہ رفاہ عام میں حصہ سوم کے رد کی طرح ڈالی۔ لیکن آپ کی قبل از وقت پیشگوئی کے مطابق وہ ذلیل و رسوا ہوئے۔ اور خدا کے دین کی عظمت و صداقت اور نمایاں ہو گئی"۔ [۱۸]

آریہ سماجی لیڈر سوامی دیانند براہین احمدیہ کی اشاعت کے بعد تین برس تک زندہ رہے اور براہین احمدیہ کے جواب کی جرات نہ کر سکے۔ دوسرے آریہ سماجی لیڈروں پر بھی سکوت مرگ طاری رہا۔ البتہ پشاور آریہ سماج کے ایک رسوائے عالم شاتم رسول اور دریدہ دہن شخص پنڈت لیکھرام نے "تکذیب براہین احمدیہ" کے نام سے جواب دینے کی ناکام کوشش کی [۱۹]۔ مگر جواب کی بجائے ہزلیات و فضولیات کا مجموعہ کہلانے کا مستحق تھا۔ جو حضرت مولانا حکیم نور الدین ؓ کی "تصدیق براہین احمدیہ" کے باطل شکن گرز سے ریزہ ریزہ ہو گیا [۲۰]۔ چند دن تک پادری ایل ایل ٹھاکر داس صاحب نے بھی "براہین احمدیہ" کے خلاف شور و غوغا بلند کئے رکھا۔ مگر پھر تاب مقابلہ نہ لا کر دم بخود ہو گئے۔

امرتسر اور لدھیانہ کے بعض حضرات کا افسوسناک مظاہرہ

"براہین احمدیہ" خرمن کفر و ضلالت پر بجلی بن کر گری تھی۔ اس لئے مخالفین اسلام کا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خلاف محاذ قائم کر لینا کوئی خلاف توقع امر نہیں تھا۔ لیکن اسلامی دنیا یہ دیکھ کر انگشت بدنداں رہ گئی کہ مسلمانان ہند تو اس لاجواب اور معرکہ کی تصنیف پر نعرہ ہائے تحسین بلند کر رہے ہیں اور امرتسر اور لدھیانہ کے بعض مسلم حلقوں نے اس کے بلند پایہ مصنف کی مخالفت کا محاذ قائم کر رکھا ہے۔

امرتسر کے بعض علماء کے نزدیک حضور کے الہامات غیر ممکن، غیر صحیح اور ناقابل تسلیم تھے۔ اور اس کا سبب (جیسا کہ خود مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی نے اپنے رسالہ "اشاعۃ السنہ" جلد ۷ صفحہ ۱۷۰ میں لکھا ہے) ان کی نافہمی، بے ذوقی اور کسی قدر عموماً اہل اللہ اور اہل باطن سے گوشہ تعصبی تھا یہی وہ مقام ہے جہاں بعد میں حضرت اقدس پر یہ "قرارداد جرم" بھی لگائی گئی کہ آپ نے آنحضرت ﷺ کی شان مبارک میں غلو اور مبالغہ آمیزی کا ارتکاب کیا ہے۔

دراصل آنحضرت ﷺ کی شان اقدس کے متعلق حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام کا ذاتی اعتقاد (جو آپ نے انہی دنوں حضرت صوفی احمد جان صاحب ؓ کے ایک سوال کے جواب میں میر عباس علی صاحب کو لکھا) یہ تھا کہ:

"اس کتاب (براہین احمدیہ۔ ناقل) میں تعریف قرآن شریف اور حضرت خاتم الانبیاء ﷺ کی ہے۔ سو وہ دونوں دریائے بے انتہاء ہیں کہ اگر تمام دنیا کے عاقل اور فاضل ان کی تعریف کرتے رہیں تب بھی حق تعریف ادا نہیں ہو سکتا۔ چہ جائیکہ مبالغہ تک نوبت پہنچے۔ ہاں الہامی عبارت میں کہ جو اس عاجز پر خداوند کریم کی طرف سے القاء ہوئی کچھ کچھ تعریفیں ایسی لکھی ہیں کہ بظاہر اس عاجز کی طرف منسوب ہوتی ہیں مگر حقیقت میں وہ سب تعریفیں حضرت خاتم الانبیاء ﷺ کی ہیں۔ اور اسی وقت تک کوئی دوسرا ان کی طرف منسوب ہو سکتا ہے کہ جب تلک اس نبی کریم ؐ کی متابعت کرے اور جب متابعت سے ایک ذرہ منہ پھیرے تو پھر تحت الثریٰ میں گر جاتا ہے۔ ان الہامی عبارتوں میں خداوند کریم کا یہی منشاء ہے کہ تا اپنے نبی ؐ اور اپنی کتاب کی عظمت ظاہر کرے"۔ [۲۱]

امرت سر کے بعد مخالفت کا دوسرا مرکز لدھیانہ تھا۔ جس میں مولوی محمد صاحب اور مولوی عبدالعزیز صاحب وغیرہ مخالفین اسلام کے خلاف مورچہ قائم کرنے کی بجائے آپ کی تکفیر اور مخالفت پر آمادہ ہو گئے تھے۔ مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی نے علماء لدھیانہ کی ناقابل فہم روش دیکھی تو وہ تحقیق کے بعد اس نتیجہ پر پہنچے کہ اس کے پیچھے محض بغض و عداوت اور جہالت کارفرما ہے۔ چنانچہ انہوں نے حقیقت سے نقاب اٹھاتے ہوئے مخالفت کے دو سبب بتائے۔ "ایک یہ کہ ان کو اپنی جہالت (نہ اسلام کی ہدایت) سے گورنمنٹ انگلشیہ سے جہاد و بغاوت کا اعتقاد ہے اور اس کتاب میں اس گورنمنٹ سے جہاد و بغاوت کو ناجائز لکھا ہے۔ لہٰذا وہ لوگ اس کتاب کے مؤلف کو منکر جہاد سمجھتے ہیں۔ اور از راہ تعصب و جہالت اس کے بغض و مخالفت کو اپنا مذہبی فرض خیال کرتے ہیں۔ مگر چونکہ وہ گورنمنٹ کے سیف و اقبال کے خوف سے علانیہ طور پر ان کو منکر جہاد نہیں کہہ سکتے اور نہ عام مسلمانوں کے روبرو اس وجہ سے ان کو کافر بنا سکتے ہیں لہٰذا وہ اس وجہ کفر کو دل میں رکھتے ہیں اور بجز خاص اشخاص جن سے ہم کو یہ خبر پہنچی ہے) کسی پر ظاہر نہیں کرتے۔ اور اس کا اظہار دوسرے لباس و پیرایہ میں کرتے ہیں۔ اور یہ کہتے ہیں کہ براہین احمدیہ میں فلاں فلاں امور کفریہ (دعویٰ نبوت اور نزول قرآن اور تعریف آیات قرآنیہ) پائی جاتی ہیں [۲۲]۔ اس لئے اس کا "مولف کافر ہے"۔ اور حد یہ تھی کہ ایک طرف "یہ حامیان دین متین" آپ کو منکر جہاد قرار دیتے تھے اور دوسری طرف براہین احمدیہ کو ضبط کروانے اور آپ کو قانونی شکنجہ میں جکڑنے کے لئے پبلک میں زور و شور سے یہ پراپیگنڈہ کر

رہے تھے کہ "یہ کتاب گورنمنٹ کے مخالف ہے اور اس کے مولف نے پیشوائی مذہب کے علاوہ پولیٹیکل سرداری کا بھی اس میں دعویٰ کیا ہے۔ اپنے آپ کو مسیح قرار دیا ہے اور اپنے غلبہ اور فتح کی بشارتیں اور اپنے مخالفین (یعنی مخالفین اسلام۔ ناقل) کی شکست و ہزیمت کی خبریں اس میں درج کی ہیں"۔ [23]

دوسرا سبب مولوی محمد حسین صاحب نے یہ بیان کیا کہ: انہوں نے باستعانت بعض معزز اہل اسلام لودھیانہ (جن کی نیک نیتی اور خیر خواہی ملک و سلطنت میں کوئی شک نہیں) بمقابلہ مدرسہ صنعت کاری انجمن رفاہ عام لودھیانہ ایک مدرسہ قائم کرنا چاہا تھا اور اس مدرسہ کے لئے لودھیانہ میں چندہ جمع ہو رہا تھا کہ انہی دنوں مولف براہین احمدیہ باستدعا اہل اسلام لودھیانہ میں پہنچ گئے۔ اور وہاں کے مسلمان ان کے فیض زیارت اور شرف صحبت سے مشرف ہوئے۔ ان کی برکات و اثر صحت کو دیکھ کر اکثر چندہ والے ان کی طرف متوجہ ہو گئے۔ اور اس چندہ کے بہت سے روپیہ طبع و اشاعت براہین احمدیہ کے لئے مولف کی خدمت میں پیشکش کئے گئے اور مولوی صاحبان مذکور تہی دست ہو کر ہاتھ ملتے رہ گئے۔

اس امر نے بھی ان حضرات کو بھڑکایا اور مولف کی تکفیر پر آمادہ کیا۔ جن کو ان باتوں کے صدق میں شک ہو وہ ہم کو اس امر سے مطلع کرے ہم لودھیانہ سے عمدہ اور واضح طور پر ان باتوں کی تصدیق کرا دیں گے"۔ [24]

یہ حضرات اپنی سرگرمیوں کا دائرہ لودھیانہ سے دلی۔ دیوبند اور گنگوہ تک پھیلانے کے لئے مدرسہ دیوبند کی تقریب دستار بندی میں بھی پہنچے اور بڑے بڑے مرصع فتوے لکھ کر دیوبندی اور گنگوہی علماء کے سامنے پیش کئے اور ان پر تصدیق کے لئے کوئی دقیقہ فرو گذاشت نہیں کیا۔ مگر کوئی ایک عالم بھی تکفیر بازی میں ملوث ہونے کے لئے تیار نہ ہوا۔ چنانچہ خود مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی کا بیان ہے کہ "موقع جلسہ دستار بندی مدرسہ دیوبند پر یہ حضرات بھی وہاں پہنچے اور لمبے لمبے فتوئ تکفیر مولف براہین احمدیہ کے لکھ کر لے گئے اور علماء دیوبند و گنگوہ وغیرہ سے ان پر دستخط و مواہیر ثبت کرنے کے خواستگار ہوئے [25]۔ مگر چونکہ وہ کفر ان کا اپنا خانہ ساز کفر تھا جس کا کتاب براہین احمدیہ میں کچھ اثر پایا نہ جاتا تھا لہٰذا دیوبند و گنگوہ نے ان فتووں پر مہر دستخط کرنے سے انکار کیا [26]۔ اور ان لوگوں کو تکفیر مولف سے روکا اور کوئی ایک عالم بھی ان کا اس تکفیر میں موافق نہ ہوا۔ جس سے وہ بہت ناخوش ہوئے اور بلا ملاقات وہاں سے بھاگے۔ اور کَاَنَّهُمْ حُمُرٌ مُّسْتَنْفِرَةٌ فَرَّتْ مِنْ قَسْوَرَةٍ کے مصداق بنے"۔

براہین احمدیہ کے زمانہ میں حضرت اقدس کی بے سروسامانی

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے "براہین احمدیہ" کی تصنیف کے لئے جب قلم اٹھایا تو دشمنان دین کی چیرہ دستیوں اور اسلام کی دردناک حالت نے آپ کے اندر بجلیاں بھردیں۔ اور آپ نے اسی بے پناہ جوش اور روحانی قوت کے عالم میں اپنے اقتصادی حالات اور مستقبل کے حالات سے بے نیاز ہو کر نہایت قلیل عرصہ میں ایک لاجواب عدیم النظیر کتاب مرتب فرمائی۔ لیکن اب جو اس کی اشاعت کا مرحلہ آیا تو قدم قدم پر مشکلات کے بڑے بڑے پہاڑ سد راہ بنے۔ آپ شہری آبادی سے دور ایک گمنام بستی میں رہنے والے ایک گوشہ نشین انسان تھے اور "براہین احمدیہ" ایسی ضخیم کتاب (جس کی نہایت عمدہ، نہایت اعلیٰ اور معیاری طباعت و کتابت کا آپ قطعی فیصلہ کر چکے تھے) اشاعتی کاموں کا ایک لمبا اور گہرا تجربہ چاہتی تھی جو آپ کو سرے سے حاصل ہی نہیں تھا۔ کیونکہ یہ آپ کی پہلی تصنیف تھی۔ پھر اس کی اشاعت میں بھی آپ کے مدنظر محض دین مصطفیٰ کی خدمت اور ملت بیضاء کی سربلندی کا پاکیزہ اور بے لوث مقصد تھا۔ اور آپ کو یہ ہرگز گوارا نہیں تھا کہ کوئی شخص محض تجارتی نقطہ نظر سے اس کی خریداری اختیار کرے۔ آپ کی یہ دلی خواہش تھی کہ عامۃ المسلمین کے ہاتھوں تک یہ کتاب ضرور پہنچ جائے۔ اور وہ معاندین اسلام کے مقابل اس کے ناقابل تردید دلائل سے مسلح ہو جائیں۔ لیکن آپ عامۃ المسلمین سے جو عموماً غرباء کا طبقہ تھا اصل لاگت سے بہت کم قیمت پر کتاب پہنچانا چاہتے تھے تا ان پر گراں نہ ہو۔ بلکہ آپ کا یہاں تک منشاء مبارک تھا کہ عدم استطاعت رکھنے والے طالب حق غیر مسلموں میں اس کی مفت اشاعت کی جائے۔ ظاہر ہے کہ ان عظیم الشان عزائم کی تکمیل کے لئے بھاری اخراجات درکار تھے۔ لیکن آپ درویشی کے جس صبر آزما امتحان میں سے گذر رہے تھے اس کے لحاظ سے ان کا مہیا ہو جانا معجزہ سے تو ممکن تھا۔ خارجی اور مادی اسباب کے لحاظ سے ممکن نہیں تھا۔ آپ گو قانوناً دس ہزار سے زائد جائیداد کے مالک تھے مگر عملاً تمام تر خاندانی جائیداد پر آپ کے بڑے بھائی قابض و متصرف تھے اور خود آپ کے پاس کتاب کی چھپوائی کے لئے کچھ روپیہ نہ تھا دوسری طرف پردہ گمنامی تھا اور آپ تھے۔ ان نامساعد حالات میں براہین احمدیہ ایسی ضخیم کتاب زیور طبع سے آراستہ ہوتی تو کیونکر۔ اور دنیا آپ کے علم و عرفان سے فیض یاب ہوتی تو کیسے؟

تائید غیبی کیلئے دعا اور خدائی بشارت

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس تہی دستی کے عالم میں جناب الٰہی میں تائید غیبی کے لئے دعا کی تو آپ کو بتایا گیا کہ "بالفعل نہیں" یعنی مسلمانوں کی طرف سے عدم توجہی رہے گی۔ لیکن پھر کچھ

عرصہ کے بعد آپ پر الہام نازل ہوا هُزِّ اِلَيْكَ بِجِذْعِ النَّخْلَةِ تُسَاقِطْ عَلَيْكَ رُطَباً جَنِيّاً (کھجور کا تنہ ہلا تجھ پر تازہ بتازہ کھجوریں گریں گی) یہ خدائی بشارت ملنے پر آپ نے سمجھ لیا کہ یہ تحریک اور ترغیب کی طرف اشارہ ہے اور یہ وعدہ دیا گیا ہے کہ بذریعہ تحریک اس حصہ کتاب کے لئے سرمایہ جمع ہو گا"۔ [۲۷]

عامتہ المسلمین اور رؤساء سے تحریک

چنانچہ حضرت احدیت کے اس حکم کی تعمیل میں حضور نے ملک میں اشتہارات شائع فرمائے۔ اور خصوصاً امراء اور رؤساء کو تحریک کی غرض سے سب سے اول جناب خلیفہ سید محمد حسن خاں صاحب مرحوم وزیر اعظم ریاست پٹیالہ سے اور پھر بعض دوسرے رؤساء سے دردمندانہ اپیل کی کہ وہ اسلام پر آنے والی قیامت خیز مصیبتوں کا احساس کریں [۲۸] اور دینی فرض شناسی کا ثبوت دیتے ہوئے اس علمی جہاد میں آپ کا ہاتھ بٹائیں حساب کی رو سے کتاب کے اصل مصارف پچیس روپے کے قریب بنتے تھے [۲۹]۔ مگر آپ نے اعلان فرمایا کہ اس کتاب کو عام مسلمانوں تک پہنچانے کے لئے صرف دس روپے کا برائے نام ہدیہ مقرر کیا جاتا ہے [۳۰] اور امید ظاہر فرمائی کہ اگر امراء اسلام اپنے مطبخ کے ایک ایک دن کا خرچ بھی بطور اعانت پیش کریں تو یہ عظیم الشان کتاب بسہولت شائع ہو جائے گی اور اس طرح نقصان کی تلافی کی صورت بھی نکل آئے گی جس سے ہزارہا بندگان خدا فائدہ اٹھا سکیں گے۔ یہ تو اشاعت سے قبل آپ نے بذریعہ اشتہارات تحریک فرمائی۔ اس کے بعد جب کتاب کا پہلا حصہ چھپا تو آپ نے ڈیڑھ سو نسخے ملک کے بڑے بڑے امیروں' دولتمندوں اور رئیسوں کو بھی اس خیال سے بھجوائے کہ اگر وہ کتاب کی خریداری منظور کر کے کم از کم معمولی مقررہ قیمت ہی پیشگی ارسال کر دیں تو کتاب کے اگلے حصوں کا انتظام کیا جائے۔ نیز اپنے قلم سے ڈیڑھ سو کے قریب خطوط بھی لکھے اور انہیں حقیقت حال سے اطلاع بھی دی۔ [۳۱]

خدا پر ایمان افروز توکل

غرض کہ آپ نے خدائی ارشاد کے مطابق تبلیغ و تحریص کا حق ادا کر دیا اور عوام اور امراء دونوں کو اس دینی خدمت سے وابستہ کرنے کی کوئی ممکن صورت نظر انداز نہیں ہونے دی۔ البتہ سنت مامورین کے مطابق بے شک ظاہری سامانوں کے لئے تدبیر اختیار فرمائی۔ مگر توکل اور بھروسہ تنہا خدا پر رکھا جس نے پہلے سے امداد کی بشارت دے رکھی تھی۔ اور تحریک کرتے ہوئے ساتھ ہی ساتھ یہ صاف بتاتے چلے گئے کہ براہین احمدیہ کی تصنیف کا کام خدائی منشاء اور مصلحت کے مطابق ہو رہا ہے۔ اس لئے وہ ضرور اس کی اشاعت کے غیبی سامان پیدا کرے گا۔ چنانچہ فرمایا "رہا یہ فکر کہ اس قدر روپیہ کیونکر میسر آوے گا۔ سو اس سے تو

ہمارے دوست ہم کو مت ڈراویں اور یقین کر کے سمجھیں جو ہم کو اپنے خدائے قادر مطلق اور اپنے مولیٰ کریم پر اس سے زیادہ تر بھروسہ ہے کہ جو ممسک اور خسیس لوگوں کو اپنی دولت کے ان صندوقوں پر بھروسہ ہوتا ہے کہ جن کی تالی ہر وقت ان کی جیب میں رہتی ہے۔ سو وہی قادر و توانا اپنے دین اور اپنی وحدانیت اور اپنے بندہ کی حمایت کے لئے آپ مدد کرے گا"۔ [۳۲] نیز فرمایا: اس قدر ہم نے برعایت ظاہر لکھا ہے ورنہ اگر کوئی مدد نہیں کرے گا یا کم توجہی سے پیش آئے گا۔ حقیقت میں وہ آپ ہی ایک سعادت عظمیٰ سے محروم رہے گا۔ اور خدا کے کام رک نہیں سکتے اور نہ کبھی رکے۔ جن باتوں کو قادر مطلق چاہتا ہے وہ کسی کی کم توجہی سے ملتوی نہیں رہ سکتیں۔ [۳۳]

کتاب کی اشاعت میں جذبہ خدمت دین کی نمایاں جھلک

براہین احمدیہ شائع ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے لدھیانہ کے ایک صوفی میر عباس علی شاہ صاحب کے دل میں اس قابل قدر اور نایاب تصنیف کی اشاعت کے لئے دلی تڑپ پیدا کر دی اور انہوں نے حضرت اقدس سے براہین احمدیہ کے کچھ نسخے حاصل کر کے اپنے ہاں محلہ صوفیاں میں اس کی فروخت کے لئے ایک شاخ کھول دی جو قادیان سے باہر براہین احمدیہ کی واحد ایجنسی تھی۔ جہاں سے اس وقت یہ کتاب دستیاب ہو سکتی تھی۔ یہ ایجنسی کوئی تجارتی اصولوں پر قائم نہیں ہوئی تھی بلکہ اس کے سبھی معاملات سر تا پا دین تھے۔ اس میں نہ تو کسی کمیشن کا قضیہ تھا نہ حق تالیف و تصنیف کا سوال! بس یہی ایک دھن لگی ہوئی تھی کہ اسلام کی ڈگمگاتی ہوئی کشتی کفر کے بپھرے ہوئے طوفانوں سے بچ کر کسی طرح ساحل عافیت تک پہنچ جائے اور مسلمان اپنے مذہبی اور دینی اصولوں کی برتری کے لحاظ سے پھر سے عظمت رفتہ کا مالک بن جائے۔ چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے میر صاحب موصوف کو یہ اصولی ہدایت دے رکھی تھی کہ:

"چونکہ یہ کام خالصتاً خدا کے لئے اور خود حضرت احدیت کے ارادہ خاص سے ہے اس لئے آپ اس کے خریداروں کی فراہمی میں یہ ملحوظ خاطر شریف رکھیں کہ ایسا کوئی خریدار شامل نہ ہو جس کی محض خرید و فروخت پر نظر ہو۔ بلکہ جو لوگ دینی محبت سے مدد کرنا چاہتے ہیں انہیں کی خریداری مبارک اور بہتر ہے۔ کیونکہ در حقیقت یہ کوئی خرید و فروخت کا کام نہیں۔ غرض آں مخدوم اس سعی اور کوشش میں خداوند کریم پر توکل کر کے صادق الارادت لوگوں سے مدد لیں۔ اور اگر ایسے نہ ملیں تو آپ کی طرف سے دعا ہی مدد ہے۔ ہم عاجز اور ذلیل بندے کیا حیثیت اور کیا قدر رکھتے ہیں۔ وہ جو قادر مطلق ہے وہ جب چاہے گا تو اسباب کاملہ خود بخود میسر کر دے گا کون سی بات ہے جو اس کے آگے آسان نہ ہو۔ [۳۴]

تحقیق حق کا جذبہ رکھنے والے غیر مسلموں کے متعلق حضورؑ کا ارشاد یہ تھا کہ:

"اگر کوئی ہندو فی الحقیقت طالب حق ہے تو اس سے رعایت کرنا واجب ہے۔ بلکہ اگر ایسا شخص بے استطاعت ہو تو اس کو مفت بلا قیمت دے سکتے ہیں۔ غرض اصلی اشاعت دین ہے نہ کہ خرید و فروخت جیسی صورت ہو اس سے اطلاع بخشیں تا کہ بھیجی جاوے"۔ [۲۵]

یہی نہیں کتاب کی آمد پر کڑی نگرانی رکھنے کی بجائے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام نے میر صاحب کو یہاں تک کھلی اجازت عنایت فرمادی کہ:

"آپ کو کلی اختیار ہے کہ جو کچھ قیمت کتاب میں جمع ہو اس کو حسب ضرورت خرچ کرتے رہیں۔ خداوند کریم نے آپ کی سعی میں برکت ڈالی ہے اور آپ وہ کام کر رہے ہیں کہ جس میں ہر یک کو آپ کی طرح توفیق نہیں دی گئی"۔ [۲۶]

ایک موقعہ پر میر صاحب نے براہین احمدیہ کے لئے غرباء سے چندہ جمع کرنے کی تجویز پیش کی تو حضور نے اسے ٹھکرادیا اور انہیں لکھا کہ:

"غرباء سے چندہ لینا ایک مکروہ امر ہے۔ جب خدا اس کا وقت لائے گا تو پردہ غیب سے کوئی شخص پیدا ہو جائے گا جو دینی محبت اور دلی ارادت سے اس کام کو سرانجام دے گا۔ تجویز چندہ کو موقوف رکھیں"۔ [۲۷]

امراء کی انتہاء درجہ سرد مہری

یہ تو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام کے دل میں موجزن ایثار قومی، خلوص نیت اور خدمت دین کے پرجوش جذبات کا عالم تھا۔ لیکن امراء نے جنہیں اسلامی مہم کی شاندار تکمیل کے لئے براہین احمدیہ کی اشاعت کے سب ہی اخراجات ادا کرنے کی از خود پیشکش کرنا چاہئے تھی اس نازک موقعہ پر بار بار کی یاددہانی کے باوجود نہایت درجہ سرد مہری اور افسوسناک فرض ناشناسی کا ثبوت دیا۔ اور صرف چند گنتی کے خداترس رؤساء میدان میں نکل سکے۔ جنہوں نے اس آسمانی دعوت پر لبیک کہی جن میں سرفہرست جناب خلیفہ محمد حسن خان صاحب مرحوم وزیر اعظم و دستور معظم ریاست پٹیالہ تھے، جن کا حضور نے بھی براہین احمدیہ حصہ اول میں تذکرہ خاص فرمایا۔ ان کے علاوہ عہدیدار (محمد افضل خان، نواب اقبال الدولہ صاحب حیدر آباد۔ ابراہیم علی خاں صاحب، نواب صاحب مالیر کوٹلہ، شیخ محمد بہاؤ الدین صاحب مدار المہام جوناگڑھ، فخر الدولہ نواب مرزا علاء الدین خان صاحب فرمانروائے ریاست لوہارو۔ سردار عطر سنگھ رئیس اعظم لدھیانہ اور مولوی چراغ علی خاں صاحب معتمد دار المہام دولت آصفیہ حیدر آباد دکن اور محمود علی خاں صاحب چھتاری وغیرہ بھی کسی قدر اس کار خیر میں شریک ہوئے۔ مگر باقی

امراء اور والیان ریاست نے اس طرف ذرا التفات نہیں کی اور سخت دنیاداری کا نمونہ دکھایا۔ [۵۸] ان مسلمان رئیسوں کی زر پرستی اور دینی کاموں سے نفرت و حقارت کا یہ پہلا تجربہ اتنا تلخ اور ناخوشگوار تھا کہ حضور اسے اپنی زندگی کے آخر تک بھلا نہ سکے۔ چنانچہ آپ نے ایک دفعہ اسلام کا دردناک نقشہ کھینچتے ہوئے فرمایا:

مردم ذی مقدرت مشغول عشرتہائے خویش خرم و خنداں نشستہ باہتان نازنین

اے مسلماناں چہ آثار مسلمانی ہمیں است دیں چنیں ابتر شما در جیفہ دنیا رہین

جیسا کہ اوپر ذکر آچکا ہے۔ حضرت اقدس نے ڈیڑھ سو مسلمان دولتمندوں اور رئیسوں کو براہین احمدیہ کا پہلا حصہ بھجوادیا تھا اور متعدد خطوط کے علاوہ ڈاک کے مصارف بھی اپنی گرہ سے ادا کئے تھے اور یہ امید ظاہر کی تھی کہ وہ کتاب کی فقط معمولی قیمت پیشگی بھجوا کر اعانت میں حصہ دار بن جائیں گے۔ اور ہزارہا بندگان خدا اس روحانی چشمہ سے فیض یاب ہو سکیں گے۔ لیکن آپ کا یہ خیال صحیح نہ نکلا اور چند عالی ہمت امراء کے سوا کتابوں کا واپس کرنا تو درکنار انہوں نے جواب دینے کی زحمت بھی گوارا نہیں کی۔ اور بالآخر آپ کو غم واندوہ بھرے دل سے لکھنا پڑا کہ:

"اگر خدانخواستہ کتابیں بھی واپس نہ ملیں تو سخت دقت پیش آئے گی اور بڑا نقصان اٹھانا پڑے گا افسوس جو ہم کو معزز بھائیوں سے بجائے اعانت کے تکلیف پہنچ گئی۔ اگر یہی حمایت اسلام ہے تو کار دیں تمام ہے۔ ہم بکمال غربت عرض کرتے ہیں کہ اگر قیمت پیشگی کتابوں کا بھیجنا منظور نہیں تو کتابوں کو بذریعہ ڈاک واپس بھیج دیں۔ ہم اس کو عطیہ عظمیٰ سمجھیں گے۔ اور احسان عظیم خیال کریں گے۔ ورنہ ہمارا بڑا حرج ہوگا اور گمشدہ حصہ کو دوبارہ چھپوانا پڑے گا۔ کیونکہ یہ پرچہ اخبار نہیں کہ جس کے ضائع ہونے میں کچھ مضائقہ نہ ہو۔ ہر ایک حصہ کتاب کا ایک ایسا ضروری ہے کہ جس کے تلف ہونے سے ساری کتاب ناقص رہ جاتی ہے۔ برائے خدا ہمارے معزز اخوان سرد مہری اور لاپرواہی کو کام میں نہ لائیں۔ اور دنیوی استغناء کو دین میں استعمال نہ کریں اور ہماری اس مشکل کو سوچ لیں کہ اگر ہمارے پاس اجزاء کتاب کے ہی نہیں ہوں گے تو ہم خریداروں کو کیا دیں گے اور ان سے پیشگی روپیہ کہ جس پر چھپنا کتاب کا موقوف ہے کیونکر لیں گے کام ابتر پڑ جائے گا۔ اور دین کے امر میں جو سب کا مشترک ہے ناحق کی دقت پیش آجائے گی"۔ [۵۹]

اس دردمندانہ اپیل پر بھی جب دو سال کا عرصہ بیت چکا تو آپ نے انہیں ایک بار پھر توجہ دلائی۔ [۶۰] لیکن اب کے بھی سات آٹھ افراد کے سوا (جنہوں نے کچھ تھوڑی بہت توجہ دی) باقی سب غریبوں میں داخل ہو گئے [۶۱]۔ اور رئیس ہونے کے باوجود پانچ پانچ یا دس دس روپیہ کی قلیل اعانت پر ہی

مطمئن ہو بیٹھے کہ بس دینی فریضہ ادا ہو گیا ہے۔ [۴۲]

نواب صدیق حسن خان صاحب کا براہین کے متعلق ناروا طرز عمل

ان حضرات میں سب سے زیادہ ناروا طرز عمل نواب صدیق حسن خاں صاحب نے دکھایا۔ نواب صاحب موصوف اہل حدیث فرقہ کے مشہور عالم تھے جنہیں ان کے بعض عقیدت مند ان کی وسیع اسلامی خدمات اور عالمانہ شان کی وجہ سے "مجدد وقت" بھی قرار دیتے تھے۔ چونکہ انہوں نے والیہ ریاست نواب شاہ جہاں بیگم سے شادی کر لی تھی اس لئے پوری ریاست کی باگ ڈور عملاً انہی کے سپرد تھی۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام نے انہیں ایک درد مند دل رکھنے والے مسلمان رئیس کی حیثیت سے اعانت کی طرف جب پہلی مرتبہ توجہ دلائی تو انہوں نے پہلے تو رکھ رکھاؤ کا طریق اختیار کرتے ہوئے پندرہ بیس نسخوں کی خرید پر آمادگی کا اظہار کیا۔ مگر پھر دوبارہ یاد دہانی پر محض گورنمنٹ برطانیہ کے خوف سے دست کش ہو گئے اور یہ مصلحت آمیز جواب دیا کہ "دینی مباحثات کی کتابوں کا خریدنا یا انہیں کچھ مدد دینا خلاف منشاء گورنمنٹ انگریزی ہے۔ اس لئے اس ریاست سے خرید وغیرہ کی کچھ امید نہ رکھیں"۔ اسی پر اکتفاء نہ کرتے ہوئے انہوں نے "براہین احمدیہ" کا پیکٹ وصول کرنے کے بعد اسے چاک کر کے آپ کو واپس کر دیا۔ [۴۳] (حافظ حامد علی صاحب کا بیان ہے کہ) جب کتاب واپس آئی تو اس وقت حضرت اقدس اپنے مکان میں چہل قدمی کر رہے تھے۔ کتاب کی یہ حالت دیکھ کر کہ وہ پھٹی ہوئی ہے اور نہایت بری طرح اس کو خراب کیا گیا ہے۔ حضور کا چہرہ مبارک متغیر اور غصہ سے سرخ ہو گیا۔ عمر بھر میں حضور کو ایسے غصہ کی حالت میں نہیں دیکھا گیا۔ آپ کے چہرہ کو دیکھ کر ایسا معلوم ہوتا تھا کہ آپ میں ناراضگی کی کیفیت پیدا ہو گئی ہے۔ آپ بدستور ادھر ادھر ٹہلتے تھے اور خاموش تھے کہ یکایک آپ کی زبان مبارک سے یہ الفاظ نکلے "اچھا تم اپنی گورنمنٹ کو خوش کر لو"۔ نیز یہ دعا کی کہ ان کی عزت چاک کر دی جائے۔ اس کے بعد جب براہین احمدیہ کا چوتھا حصہ حضور نے تحریر فرمایا تو اس میں بھی حضرت اقدس نے نواب صاحب کے اس غیر اسلامی فعل کی طرف اشارہ کرتے ہوئے تحریر فرمایا کہ "ہم بھی نواب صاحب کو امید گاہ نہیں بناتے بلکہ امید گاہ خداوند کریم ہی ہے اور وہی کافی ہے (خدا کرے گورنمنٹ انگریزی نواب صاحب پر بہت راضی رہے") (حضور کے یہ الفاظ کس طرح ایک انذاری پیشگوئی کی شکل اختیار کر گئے۔ اس کا بیان دوسری جلد میں آرہا ہے)

براہین احمدیہ کی اشاعت ایک معجزہ تھی

ان حالات میں جبکہ اپنوں اور بیگانوں کی زبردست مزاحمت نے براہین احمدیہ کے منظر

عام پر آنے کے سبھی اسباب مسدود کر دیئے تھے یقیناً براہین احمدیہ کی اشاعت ایک محیر العقول معجزہ تھی جو خدا تعالیٰ کی پہلے سے عطا کردہ بشارتوں اور حضور کی تحریرات کے عین مطابق ظہور میں آیا۔ براہین احمدیہ ایسی ضخیم اور معرکتہ الاراء تصنیف کی طباعت و اشاعت دراصل ایک وسیع پیمانے پر چلنے والے اسلامی ادارہ یا ایک منظم جماعت کا کام تھا۔ جو اللہ تعالیٰ کی تائید خصوصی سے آپ نے تن تنہا کر دکھایا۔

ابتدائی تصنیف کا مسودہ

اس مقام پر "براہین احمدیہ" کی ترتیب۔ کتابت اور اشاعت کے متعلق بعض تاریخی کوائف کا بھی ذکر ضروری ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام اپریل ۱۸۷۹ء تک براہین احمدیہ کی تصنیف فرما چکے تھے اور مسودات کا حجم دو اڑھائی ہزار صفحہ تک پہنچ گیا تھا۔ اور اس میں حضور نے اسلام کی صداقت میں تین سو ۳۰۰ ایسے زبردست دلائل تحریر فرمائے کہ جن کے متعلق آپ کا دعویٰ تھا کہ ان سے قرآن مجید کی سچائی اور رسول اکرم ﷺ کی جلالت شان نیر النہار کی طرح روشن ہو جائے گی۔ اور آپ نے ابتداء ہی میں یہ فیصلہ فرما لیا تھا کہ اشاعت کے مرحلے پر اصل مسودہ میں ایک حصہ بعض تمہیدی امور اور اہم حواشی وغیرہ کا اضافہ کیا جائے گا۔ کتاب کے ابتداء میں انعامی اشتہار کا لگانا بھی شروع سے آپ کے مدنظر تھا ۲۴ چنانچہ موجودہ شائع شدہ براہین احمدیہ کا اشتہار حصہ اول مقدمہ حصہ دوم اور حواشی سب دوران زمانہ اشاعت کے ہیں۔ اور اس میں اصل ابتدائی تصنیف کا حصہ چند صفحات سے زیادہ نہیں آسکا۔ ۲۵

خوشخط نقل اور کتابت کے مرحلے

مسودہ کو خوشخط نقل کرنے کے لئے آپ نے میاں شمس الدین صاحب (جو آپ کے استاد فضل الٰہی صاحب کے بیٹے تھے) کی خدمات حاصل کر لی تھیں۔ جب وہ مسودہ صاف اور شستہ خط میں نقل کر لیتے تو اسے منشی امام الدین صاحب کاتب امرتسری کو دے دیا جاتا ۲۶ و ۲۷۔ جو امرتسر سے قادیان آکر حضور کی نگرانی میں کتابت کا کام کیا کرتے تھے۔ جب کاپیاں تیار ہو جاتیں تو ان پر نظر ثانی فرماتے اور تصحیح کرنے کے بعد انہیں پریس تک پہنچانے کے لئے اکثر خود ہی امرتسر تشریف لے جاتے بعد میں حضور کو جب کاپیوں کو پتھر پر جما دینے کی اطلاع دی جاتی تو پھر بنفس نفیس تشریف لے جاتے اور پروف پڑھنے کے لئے کئی روز تک حکیم محمد شریف صاحب کلانوری مرحوم وغیرہ کے یہاں قیام پذیر ہونا پڑتا۔ اس سفر میں آپ کے ساتھ کبھی کبھی لالہ ملاوامل اور لالہ شرمپت رائے ہوتے تھے۔ بعض اوقات لالہ ملاوامل صاحب ہی کو کاپیاں دے کر بھجوا دیا جاتا۔ ۲۸ حصہ چہارم کی طباعت کا زمانہ آیا تو پروف اور کاپیوں کو گاہے گاہے بذریعہ ڈاک بھی بھجوا دیتے تھے۔ لیکن اس میں خاص احتیاط کرنا پڑتی تھی۔ حضرت اقدس خود بھی رجسٹری کرتے اور پریس کے مہتمم کو بھی یہ ہدایت تھی کہ وہ کاپیاں اور پروف رجسٹری

بھجوایا کرے۔ [۴۹]

براہین احمدیہ کس کس پریس میں چھپی

براہین احمدیہ کی طباعت کا انتظام شروع میں حضور نے پادری رجب علی کے مطبع سفیر ہند میں فرمایا۔ کیونکہ اختلاف مذہب کے باوجود پادری موصوف کو دلی شغف تھا کہ کام کی عمدگی اور خوبی اور صحت میں کوئی کسر نہ رہ جائے اور حضرت اقدس کا منشاء مبارک بھی "براہین احمدیہ" کو کتابت و طباعت کے لحاظ سے معیاری اور دیدہ زیب بنانے کا تھا۔ بلکہ ایسی بے جا کفایت شعاری کو جو کتاب کے ظاہری حسن کو ماند کر دے آپ شرک قرار دیا کرتے تھے اس لئے مطبع کے گراں نرخ اور بھاری اخراجات کے باوجود آپ کی نظر انتخاب اسی پر پڑی [۵۰]۔ چنانچہ کتاب کا حصہ اول اسی مطبع میں چھپا اور اس کے پہلے پرنٹر شیخ نور احمد صاحب رضی اللہ عنہ بنے جو فن طباعت میں بہترین ماہر مانے جاتے تھے اور جنہیں کچھ عرصہ قبل پادری رجب علی صاحب نے مراد آباد سے خاص طور پر بلا کر ان کے سپرد اپنے مطبع کا اہتمام کر رکھا تھا۔ حصہ اول کی اشاعت کے بعد چونکہ شیخ نور احمد صاحبؓ نے مطبع "سفیر ہند" چھوڑ کر "مطبع ریاض ہند" کے نام سے قریب ہی اپنا ذاتی مطبع قائم کر لیا تھا اس لئے پادری رجب علی صاحب نے کتاب کو گذشتہ معیار پر قائم رکھنے کے لئے شیخ نور احمد صاحبؓ ہی کو کچھ اجرت پر اس کی طباعت کا کام دے دیا۔ اور اس طرح اگلے دو حصے (حصہ دوم و حصہ سوم) عملاً تو "ریاض ہند" میں طبع ہوئے مگر ان پر نام "سفیر ہند" کا درج کیا گیا۔ [۵۱] اسی رنگ سے کتاب کا حصہ سوم "ریاض ہند" میں چھپ رہا تھا کہ پادری صاحب نے حضرت صاحب سے روپے کا بار بار مطالبہ کرنا شروع کر دیا۔ حالانکہ حضرت اقدس تو انہیں پیشگی روپیہ دے دیتے۔ مگر وہ کام کو معرض تاخیر میں ڈالتے جاتے تھے۔ جب ان کے تقاضوں نے سخت تنگ کیا تو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کچھ رقم لے کر قادیان سے امرت سر ہال بازار پہنچے۔ جہاں چھاپہ خانہ دریافت کیا تو بتانے والے نے مطبع ریاض ہند کا پتہ بتا دیا۔ چنانچہ حضور اس مطبع میں داخل ہوئے یہاں براہین احمدیہ کا تیسرا حصہ چھپ رہا تھا۔ حضرت اقدس نے سمجھا کہ رجب علی کا یہی پریس ہوگا۔ ملازموں سے آپ نے فرمایا کہ پادری رجب علی صاحب کو بلاؤ۔ شیخ نور احمد صاحبؓ (مہتمم مطبع) کا گھر قریب ہی تھا۔ جب انہیں اطلاع ہوئی تو وہ جلد آگئے اور السلام علیکم کہہ کر مصافحہ کیا۔ حضرت صاحب رجب علی صاحب کو تو جانتے تھے لیکن ان سے تعارف نہیں تھا۔ ان کو دیکھ کر متعجب سے ہوئے اور فرمایا یہ پریس رجب علی کا ہے؟ انہوں نے ادب سے عرض کیا کہ آپ ہی کا ہے۔ پھر فرمایا کہ رجب علی صاحب کا پریس کہاں ہے اور یہ ہماری کتاب جو چھپ رہی ہے اس مطبع میں کیسے آئی؟ انہوں نے اصل واقعہ عرض کرتے ہوئے کہا کہ یہ ساری کتاب میں نے اپنے مطبع میں

چھاپی ہے۔ صرف پہلا حصہ پادری صاحب کے پریس میں چھپا ہے اور وہ بھی میں نے ہی چھاپا ہے۔ اب ان کا پریس بند ہے اور وہ خیر الدین کی مسجد کی پیچھے رہتے ہیں۔ حضرت صاحب نے فرمایا کہ رجب علی صاحب ہمیں تنگ کرتے ہیں۔ پیشگی روپیہ لے لیتے ہیں اور وقت پر کام نہیں دیتے۔ اب ہم ان کو روپیہ دینے آئے ہیں اور کتاب ابھی چھپی نہیں۔ اگر پہلے سے ہمیں معلوم ہوتا تو آپ ہی سے چھپواتے۔ ہمیں اس وقت بڑی خوشی ہوئی کہ ایک مسلمان کے مطبع میں کتاب چھپ رہی ہے۔ اور ہمارا یہ منشاء ہے کہ جلد چہارم آپ ہی چھاپیں اور چھپنے کے بعد جب کتاب مکمل ہو جائے تو ایک ماہ کے بعد بتدریج آپ کو روپیہ دیں۔ کیا آپ یہ انتظام کر سکتے ہیں؟ شیخ نور احمد صاحبؓ نے عرض کیا مجھے منظور ہے۔ آپ ایک ماہ کے بعد روپیہ بتدریج عنایت فرمانا شروع کر دیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس پر اظہار خوشنودی فرمایا اور فرمایا کہ کاغذ بھی اپنے پاس سے لگائیں اور چھپائی اور ترتیب اور کٹائی اور سلائی سب کام تیار کرا کے اور مکمل کر کے ہمیں دیں۔ نیز فرمایا کہ ہم کام عمدہ چاہتے ہیں۔ کوئی نرخ چھپائی یا کاغذ وغیرہ کا ان سے نہیں پوچھا اور اس طرح آئندہ براہ راست "ریاض ہند" میں کتاب کی طباعت کا سلسلہ منتقل ہو گیا۔ چنانچہ کچھ عرصہ بعد حضرت اقدس نے شیخ صاحبؓ کو قادیان بلایا اور انہیں جلد چہارم کا ابتدائی خوشخط لکھا ہوا مسودہ اشاعت کے لئے عنایت فرمایا اور براہین حصہ چہارم چھپنا شروع ہو گئی۔ بعد میں حضور نے آہستہ آہستہ دوسرا مضمون بھی دستی یا بذریعہ ڈاک بھجوا دیا۔ سرورق محمد حسین صاحب مراد آبادی نے لکھا۔ اس کا ایک جز چھپنا باقی تھا کہ شیخ نور احمد صاحب سفر بخارا پر روانہ ہو گئے اور بقیہ حصہ جناب محمد حسین صاحب مراد آبادی کی نگرانی میں چھپا اور براہین احمدیہ مکمل طور پر تیار ہو کر حضرت اقدس کی خدمت میں پہنچ گئی۔ [۵۲]

براہین احمدیہ کے مختلف حصص کا سن اشاعت

"براہین احمدیہ" کے پہلے دو حصے ۱۸۸۰ء میں تیسرا حصہ ۱۸۸۲ء میں اور چوتھا حصہ ۱۸۸۴ء میں شائع ہوا۔

زمانہ "براہین احمدیہ" مسلسل جہاد تھا

"براہین احمدیہ" سے تعارف کے لئے ملکی پریس میں تحریک، ملک کے مسلمان رؤساء اور دوسرے لوگوں سے خط و کتابت اور پھر اس کی ترسیل وغیرہ امور میں سے ہر امر بجائے خود ایک دفتر اور عملہ کا مقتضی تھا۔ لیکن آپ نے ان ذمہ داریوں کی ادائیگی میں بھی ایک فرض شناس اور بیدار مغز انسان کا اعلیٰ ترین نمونہ پیش کیا۔ کتاب کی تحریک کے لئے ملکی رسائل و جرائد "سفیر ہند"، "اشاعت السنہ" اور "منشور محمدی" وغیرہ میں مضامین تحریر فرمائے۔ ملک کے مسلم دوست رؤساء

اور امراء کو سینکڑوں دستی خطوط لکھے - کتاب کی روانگی کے لئے ایک مفصل فہرست مرتب فرمائی - حضور خود اپنے ہاتھ سے پیکٹ تیار کرتے - ان پر اپنے ہاتھ سے مرسل الیہ کا پتہ تحریر فرماتے الختصر آپ کی زندگی کا یہ دور مسلسل جہاد تھا[۵۲]-

براہین احمدیہ کا التواء

۱۸۸۴ء میں براہین احمدیہ کا حصہ چہارم چھپا اور اسی حصہ کے آخر میں آپ نے یہ اطلاع شائع کی کہ "ابتداء میں جب یہ کتاب تالیف کی گئی تھی اس وقت اس کی کوئی اور صورت تھی - پھر بعد اس کے قدرت الہیہ کی ناگہانی تجلی نے اس احقر عباد کو موسیٰ کی طرح ایک ایسے عالم سے خبر دی جس سے پہلے خبر نہ تھی - یعنی یہ عاجز بھی حضرت ابن عمران کی طرح اپنے خیالات کی شب تاریک میں سفر کر رہا تھا کہ ایک دفعہ پردہ غیب سے انی انا ربک کی آواز آئی اور ایسے اسرار ظاہر ہوئے کہ جن تک عقل اور خیال کی رسائی نہ تھی - سو اب اس کتاب کا متولی اور مہتمم ظاہراً و باطناً حضرت رب العالمین ہے"- چنانچہ الٰہی منشاء کے ماتحت تئیس سال تک براہین احمدیہ معرض التواء میں رہی اور آخر ۱۹۰۵ء میں اس کا پانچواں اور آخری حصہ تصنیف ہو کر اکتوبر ۱۹۰۸ء میں شائع ہوا - یہ حصہ مضمون کے اعتبار سے ابتدائی حصوں کے تسلسل میں نہیں تھا - کیونکہ اس تئیس سالہ دور میں آپ ماموریت کے تاج سے سرفراز ہو کر قرآنی صداقتوں کے لاکھوں نشانوں کا جلوہ گاہ بن گئے تھے اور "براہین احمدیہ" کے موعودہ تین سو دلائل کا ذکر ہی کیا آپ کے قلم و زبان سے اسلام اور قرآن مجید کی سچائی کے علمی اور عملی زندہ اور درخشاں دلائل کا ایک غیر محدود سمندر اور بحر ناپیدا کنار ٹھاٹھیں مار تا دکھائی دے رہا تھا - اس لئے براہین احمدیہ کے حصہ پنجم پر قلم اٹھانے کی تحریک ہوئی تو براہین احمدیہ کے باقی ماندہ مضمون کو جس کے بغیر یہ تصنیف اب تک بالکل نا تمام صورت میں پڑی تھی شامل اشاعت کرنے کی چنداں ضرورت ہی نہیں سمجھی گئی - اس کے برعکس اس میں معجزہ کی حقیقت اور اپنے دعاوی کے متعلق دوسرے مباحث بیان کرتے ہوئے فقط ان پیشگوئیوں کا ذکر فرما دیا گیا جو ابتدائی حصوں میں کی گئی تھیں - اور پھر برسوں کے بعد ناموافق بلکہ سراسر مخالف حالات میں بڑی شان سے پوری ہوئیں - حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس لطیف اور پر حکمت اسلوب و انداز نے اسے پہلی تصنیف سے بھی مربوط کر دیا اور دنیا پر اتمام حجت بھی قائم ہو گئی اور یہی براہین احمدیہ کی تصنیف اور آپ کی آمد کا حقیقی مقصد تھا -

قیمت کتاب کی واپسی کا اعلان

براہین احمدیہ کی تعویق پر بعض لوگوں کی طرف سے اعتراضات ہوئے تو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے پہلی دفعہ یکم مئی ۱۸۹۳ء میں - اور اس کے بعد کئی مرتبہ اعلان فرمایا کہ جن خریداروں کو اس خدائی

توقف پر شکوہ اور سوء ظن ہو وہ کتاب واپس کر کے اپنی قیمت لے سکتے ہیں۔ چنانچہ وہ تمام لوگ جو اس قسم کی جہالت میں مبتلا تھے انہوں نے کتابیں بھیج دیں اور حضرت اقدس نے انہیں قیمت واپس کر دی اور بعض نے کتابوں کو بہت خراب اور خستہ حالت میں واپس کیا مگر آپ نے قیمت کی واپسی میں ایک لمحہ کے لئے بھی تامل نہیں کیا۔ بلکہ بعض بگڑی ہوئی ذہنیتوں کی روش دیکھ کر یہاں تک کہا کہ وفات شدہ خریداروں کے ورثاء بھی کتاب واپس کرنا چاہیں تو وہ چار معتبر مسلمانوں کی تصدیق بھجوا دیں انہیں بھی فی الفور قیمت ادا کر دی جائے گی۔ [۵۴]

دوسری طرف براہین احمدیہ کی آڑ میں گند اچھالنے والوں کے لئے معافی کا اعلان کرتے ہوئے فرمایا "میں ایسے صاحبوں کی بدزبانی اور بدگوئی اور دشنام دہی کو بھی محض للہ بخشتا ہوں کیونکہ میں نہیں چاہتا کہ کوئی میرے لئے قیامت میں پکڑا جائے۔ [۵۵]

براہین احمدیہ کی تصنیف کا ذکر کرتے ہوئے ہم ۱۸۸۴ء تک جا پہنچے تھے۔ اب دوبارہ مضمون کے تسلسل میں ۱۸۸۰-۱۸۸۱ء کی طرف پلٹتے ہیں۔

الہامات کیلئے روزنامچہ نویس کا تقرر

اس وقت تک حضرت مسیح پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام کا معمول یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضور کو جو اہم خبریں ملتیں وہ اپنے حلقہ احباب تک پہنچا دیتے۔ قادیان میں آپ ہندوؤں میں سے لالہ ملاوامل، لالہ شرمپت رائے اور کشن سنگھ کو اور مسلمانوں میں سے میاں جان محمد مرحوم امام مسجد کو ان سے آگاہ رکھتے تھے اور بعض بیرونی احباب مثلاً لالہ بھیم سین صاحب وکیل اور حافظ ہدایت علی صاحب ڈپٹی ضلع وغیرہ کو بھی وقتاً فوقتاً ان سے تحریری اطلاع دیتے رہتے تھے۔ لیکن اب آپ نے الہامات لکھنے کے لئے بطور روزنامچہ نویس ایک نوکر رکھ لیا جس کا نام پنڈت شام لال تھا اور جو ناگری اور فارسی دونوں میں لکھ سکتا تھا۔ یہ برہمن نژاد فارسی اور ناگری میں اپنے دستخطوں کے ساتھ حضرت کے الہامات و مکاشفات روزنامچہ میں درج کرتا رہتا تھا۔ یہ شخص ایک عرصہ تک اس عہدہ پر متعین رہا۔ لیکن جب پنڈت لیکھرام قادیان میں آیا تو اس نے اسے دباؤ ڈال کر اس خدمت سے الگ کرا لیا۔ اور گو وہ علیحدگی کے بعد بھی مخفی طور پر ملازمت کرتا رہا۔ مگر خدا کے زندہ اور روشن نشانوں کے لکھنے میں آپ کے مدنظر اتمام حجت کی جو غرض تھی اس کے لئے اس طرز کی پوشیدہ ملازمت سراسر بے فائدہ اور بے کار تھی۔ اس لئے حضرت اقدس نے خود ہی اسے برطرف کر دیا اور پھر ایک اور ہندو برہمن کالیہ بوا داس کو یہ خدمت سپرد کر دی۔ لیکن جب زمانہ ماموریت میں مکالمات الٰہیہ کی شہادت کا میدان پورے ملک کو محیط ہو گیا تو اس التزام کی ضرورت ہی نہ رہی۔

روزنامچہ نویس کے زمانہ میں قادیان اور بیرون کے ہندو، مسلمان اصحاب کو خدائی کلام سے وقتاً فوقتاً مطلع کرنے کا سلسلہ ختم نہیں ہوا بلکہ بدستور جاری رہا۔ اور اس میں اور زیادہ وسعت اور باقاعدگی پیدا ہو گئی۔ کیونکہ اس زمانہ میں ملک کا ایک طبقہ صدق و عقیدت کے ساتھ آپ کی طرف مائل ہو چکا تھا۔ اور آپ انہیں بذریعہ مکتوبات اپنے الہامات سے باخبر رکھتے تھے۔ خصوصاً میر عباس علی صاحب لدھیانوی سے تو اس ضمن میں باقاعدہ ایک سلسلہ خط و کتابت جاری رہتا تھا۔ بلکہ حضرت اقدس کا طریق مبارک تھا کہ کسی شخص کے نام مراسلت فرماتے تو اس کی ایک کاپی میر عباس علی صاحب کو بھجوا دیتے جسے وہ باوضو ہو کر نہایت عقیدت کے ساتھ اپنے رجسٹر میں محفوظ کر لیتے۔ ۵۶ اور یوں قدرت نے انہی کے ہاتھوں اس گنج گراں مایہ کی حفاظت کا سامان کیا۔

اس زمانہ کی عظیم الشان پیشگوئیاں اور نشانات

یہ زمانہ آسمانی تجلیات کا ایک خاص زمانہ تھا جس میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو مستقبل کے متعلق بڑی عظیم الشان خبریں دی گئیں۔ جو بعد میں بڑی آب و تاب سے پوری ہوئیں۔ مثلاً آپ کو بتایا گیا کہ ایک شریف اور عالی نسب خاندان سے آپ کا تعلق قائم ہونے والا ہے اور اس دوسری شادی کے لئے سبھی انتظامات اللہ تعالیٰ اپنے معجز نما ہاتھ سے کرے گا اور آپ کو کسی قسم کی تکلیف نہ ہو گی۔ نیز ایک مبارک نسل کا وعدہ بھی آپ کو دیا گیا اور ایک حسین فرزند کی قبل از وقت اطلاع بھی! حضور کا مشہور تاریخی اور پر شوکت الہام "اِنِّیْ مُھِیْنٌ مَّنْ اَرَادَ اِھَانَتَکَ" بھی اسی زمانہ میں نازل ہوا جو ہزاروں دفعہ پورا ہوا۔ اور واقعات نے ہر رنگ میں اس کی سچائی پر شہادت دی اور مخالفین تک نے کھلے لفظوں میں تسلیم کیا کہ "جب تک وہ انداز اختیار نہ کیا جائے جس سے فکری اور عملی تقاضے پورے ہوں۔ ہنگامہ خیزی کا نتیجہ وہی برآمد ہو گا جس پر مرزا صاحب کا الہام اِنِّیْ مُھِیْنٌ مَّنْ اَرَادَ اِھَانَتَکَ صادق آئے گا"۔ ۵۷

اس زمانہ میں جہاں مستقبل کے متعلق یہ اہم خبریں دی گئیں وہاں متعدد نشانات بھی ظہور پذیر ہوئے۔ سردار محمد حیات خاں عرصہ کی معطلی کے بعد آپ کی خواب کے مطابق بحال ہوئے اور لالہ ملاوامل جو دق کے مہلک اور جانگداز مرض میں مبتلا ہو گئے تھے محض آپ کی دعا اور خدائی بشارت کے مطابق ایک ہفتہ کے اندر اندر مکمل طور پر شفایاب ہو گئے اور پچانوے سال کی عمر پائی جو ایک بے مثال معجزہ ہے اور جس کی مثال طبی دنیا میں تلاش کرنا مشکل ہے۔ اس زمانہ کے نشانات کو ایک عجیب خصوصیت یہ حاصل تھی کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کو قبل از وقت یہ اطلاع دے دی جاتی تھی کہ فلاں شخص آپ کو اس قدر رقم بھجوا رہا ہے چنانچہ جب ہندو اور مسلمان ڈاک خانہ سے پتہ کرتے تو

آپ کی اطلاع درست نکلتی اور وہ بالکل مبہوت ہو کر رہ جاتے۔ [58]

قولنج زحیری کا خطرناک حملہ اور اعجازی شفاء کا نشان

براہین احمدیہ کی تصنیف و اشاعت کے کام میں حضرت اقدس نے اپنی صحت سے بے نیاز ہو کر جان کی بازی لگا دی تھی۔ لیکن اس مسلسل جہاد میں آپ کے صبر و رضاء کا ایک درد انگیز امتحان بھی مقدر تھا جو اسی سال ایک شدید بیماری کی شکل میں ظاہر ہوا۔ ۱۸۸۰ء میں ایک مرتبہ قادیان اور بٹالہ کے ماحول میں قولنج زحیری کی وباء پھوٹ پڑی اور متعدد اموات ہوئیں بلکہ خود حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام پر بھی اس کا خطرناک حملہ ہوا۔ آپ کے ساتھ ہی قادیان میں ایک اور شخص (محمد بخش حجام نامی) بھی بیمار ہوا اور اگرچہ اس کی بیماری آپ کے مقابل میں نسبتاً زیادہ سخت نہیں تھی لیکن وہ آٹھ دن میں ہی راہی ملک عدم ہو گیا حضرت اقدس برابر سولہ روز تک اس مہلک مرض میں مبتلا رہے اور پے در پے خونی اجابتوں نے آپ کی حالت یہاں تک نازک کر دی کہ خویش و اقارب نے ایک دو دفعہ نہیں متواتر تین مرتبہ یہ سمجھ کر کہ آپ کا سفر آخرت آن پہنچا ہے مسنون طریق پر سورۂ یٰسین سنائی۔ سولہویں دن جب تیسری بار یٰس پڑھی گئی تو دیواروں کے پیچھے وہ زار و قطار رونے لگے اور انہیں پختہ یقین ہو گیا کہ آپ آج شام تک قبر میں ہوں گے۔ جب بیماری اس درجہ تشویشناک صورت اختیار کر گئی تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کو تسبیح و تحمید اور درود شریف کی ایک دعا سکھائی گئی "سُبْحَانَ اللّٰہِ وَ بِحَمْدِہٖ سُبْحَانَ اللّٰہِ الْعَظِیْمِ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِ مُحَمَّدٍ" اور حکم ملا کہ یہ دعا پڑھتے ہوئے دریا کے پانی اور ریت میں ہاتھ ڈال کر اسے اپنے بدن پر پھیریں اس سے آپ شفاء پائیں گے۔ چنانچہ دریا سے پانی اور ریت منگوائی گئی۔ اس وقت آپ کا پورا جسم دردناک جلن میں مبتلا تھا اور ایک ایک بال سے آگ نکل رہی تھی اور طبیعت بے اختیار اس بات کی طرف مائل تھی کہ اس حالت سے موت بہتر ہے۔ مگر جونہی آسمانی معالج اور حکیم مطلق کا علاج شروع ہوا طبیعت میں یکایک خوشگوار انقلاب پیدا ہو گیا۔ جوں جوں آپ یہ کلمات پڑھ کر پانی کو بدن پر پھیرتے آپ کو محسوس ہوتا کہ آگ اندر سے نکلتی جاتی ہے اور مرض میں افاقہ اور طبیعت میں سکون ہوتا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ ابھی پیالہ کا پانی ختم نہ ہوا تھا کہ آپ کو اعجازی رنگ میں شفا عطا ہوئی اور آپ بکلی صحت یاب ہو گئے۔ بیماری کے دوران میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عیادت کے لئے ابو سعید مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی کے والد مولوی رحیم بخش صاحب بھی آئے اور انہوں نے تسلی دلانے کی بجائے اس خبر سے اور بھی تشویش پیدا کر دی کہ میں ابھی بٹالہ میں ایک شخص کا جنازہ پڑھ کر آیا ہوں جو اسی مرض سے فوت ہوا ہے۔ [59]

دراصل بچپن سے آپ کی صحت اچھی نہیں تھی اور آپ مختلف امراض و عوارض کے شکار رہتے تھے۔ پہلے سل اور اب قولنج زحیری ایسی مہلک بیماریوں میں بھی آپ مبتلا ہوئے مگر جونہی آپ کی زندگی کے آثار بظاہر منقطع ہونے کو آئے خدا تعالیٰ کے فرشتے خود اپنے ہاتھوں سے آپ کو موت کی آغوش سے نکال لاتے تھے۔ یہ خارق عادت سلوک صاف اشارہ کر رہا تھا کہ تجدید دین کا وہ روحانی قافلہ جو حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ، حضرت سید عبدالقادر صاحب جیلانیؒ حضرت محی الدین ابن عربیؒ حضرت امام غزالیؒ، حضرت مجدد الف ثانیؒ اور حضرت سید احمد بریلوی رحمتہ اللہ علیہم اجمعین کے ہاتھوں بریلی کی سرزمین تک پہنچا تھا آپ کی قیادت میں ایک نئی شان و شوکت کے ساتھ شاہراہ عالم پر گامزن ہونے والا ہے۔

حواشی

۱۔ دیکھو حالات ۱۸۶۴ء-۱۸۶۵ء
۲۔ مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی نے بھی براہین احمدیہ سے پہلے ایک انعامی اشتہار دیا تھا جس میں رفع یدین اور آمین وغیرہ مسائل تھے اور جواب کے لئے فی مسئلہ دس روپے انعام مقرر کیا تھا۔ دس مسائل تھے۔ حضرت اقدس کو جب یہ اشتہار ملا تو فرمایا "دیکھو یہ کیسا فضول اشتہار ہے۔ جب نماز ہر طرح ہو جاتی ہے۔ تو ان باتوں کا تنازعہ موجب فساد ہے۔ اس وقت ہمیں اسلام کی خدمت کی ضرورت ہے۔ نہ ان مسائل میں بحث کی"۔ (سیرۃ المہدی حصہ سوم صفحہ ۴۴ '۴۵)
۳۔ "اشاعۃ السنہ" جلد ہفتم نمبر ۶ صفحہ ۱۶۹ '۱۷۰۔
۴۔ ایضاً صفحہ ۲۸۴
۵۔ "اشاعۃ السنہ" جلد ہفتم نمبر ۱۱ صفحہ ۳۴۸
۶۔ طب روحانی صفحہ ۲۷ '۲۸ طبع اول مطبوعہ رحیمی پریس لدھیانہ
۷۔ الفضل ۲۳۔ جون ۱۹۳۱ء (مکمل متن اشتہار)
۸۔ "انعامات خداوند کریم" مولفہ حضرت پیر افتخار احمد صاحب مطبوعہ قادیان
۹۔ "منشور محمدیؐ" بنگلور ۲۵۔ رجب المرجب ۱۳۰۰ھ صفحہ ۲۱۴ '۲۱۷
۱۰۔ "منشور محمدیؐ" ۵۔ جمادی الاخرا ۱۳۰۱ھ صفحہ ۱۹۵ '۱۹۶۔
۱۱۔ الحکم ۱۴۔ فروری ۱۹۳۵ء صفحہ ۳
۱۲۔ حیات احمد جلد دوم نمبر اول صفحہ ۸۸
۱۳۔ الحکم ۱۴۔ مارچ ۱۹۳۷ء صفحہ ۲
۱۴۔ "ریویو آف ریلیجنز اردو" جنوری ۱۹۴۲ء صفحہ ۸-۹
۱۵۔ "قادیانیت" صفحہ ۴۵-۵۱ طبع اول از سید ابو الحسن ندوی
۱۶۔ "خلیفہ قادیان" صفحہ ۴ '۵ (از ارجن سنگھ صاحب مدیر اخبار رنگین امرتسر" ناشر راجپوت بک ایجنسی کٹڑہ جمیل سنگھ امرتسر
۱۷۔ براہین احمدیہ حصہ دوم سرورق صفحہ ۱ '۳ '۴۔
۱۸۔ مکتوبات احمدیہ جلد اول صفحہ ۳ (از حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانی) مطبوعہ دسمبر ۱۹۰۸ء انوار احمدیہ مشین پریس قادیان
۱۹۔ اس کتاب میں آنحضرت ﷺ پر نہایت گندے الزامات لگائے گئے تھے "پیسہ اخبار" لاہور نے حکومت سے اس کی ضبطی کا مطالبہ کیا۔
۲۰۔ لیکھرام کے مختصر کوائف ولادت (۱۸۵۸ء) آریہ سماج میں شمولیت (۱۸۸۰ء) آریہ گزٹ کی ادارت (۱۸۸۷ء تا ۱۸۹۰ء) اشاعت تکذیب براہین احمدیہ (۱۸۸۷ء) قتل (۶۔ مارچ ۱۸۹۷ء)
۲۱۔ مکتوبات احمدیہ جلد اول صفحہ ۳
۲۲۔ اصل عبارت میں تحریف کی بجائے "تعریف" ہی لکھا ہے۔ مرتب۔
۲۳۔ ایضاً صفحہ ۱۷۴-۱۷۵
۲۴۔ اشاعۃ السنہ جلد ۷ نمبر ۶ صفحہ ۱۷۰ '۱۷۱
۲۵ '۲۶ نقل مطابق اصل
۲۷۔ براہین احمدیہ حصہ سوم صفحہ ۲۲۵ '۲۲۶ حاشیہ در حاشیہ نمبر ۱
۲۸۔ حقیقۃ الوحی صفحہ ۳۳۷

۲۹۔ براہین احمدیہ جلد اول سرورق صفحہ ۳ و تبلیغ رسالت جلد اول صفحہ ۸
۳۰۔ براہین احمدیہ حصہ دوم صفحہ ۹ و تبلیغ رسالت جلد اول صفحہ ۸
۳۱۔ ایضاً صفحہ ۲۹
۳۲۔ اشتہار مندرجہ کتاب براہین احمدیہ صفحہ ۹ و جلد دوم
۳۳۔ اشتہار مندرجہ سرورق براہین احمدیہ جلد سوم (مطبوعہ سفیر ہند پریس امرتسر)
۳۴۔ حیات احمد جلد دوم نمبر اول صفحہ ۴۶ مکتوب مورخہ ۲۸۔ اکتوبر ۱۸۸۲ء
۳۵۔ حیات احمد جلد دوم نمبر اول صفحہ ۴۷
۳۶۔ مکتوبات احمدیہ جلد اول صفحہ ۲۹۔۳۰
۳۷۔ ایضاً صفحہ ۴۷
۳۸۔ براہین احمدیہ حصہ اول صفحہ ا وحصہ سوم صفحہ ۲۵۵، ۲۵۶ وحصہ چہارم صفحہ ج حیات احمد جلد دوم صفحہ ۲۸، ۲۹ و ۵۵، ۵۴
۳۹۔ براہین احمدیہ جلد دوم (صفحہ ا تا د) ۱۸۸۰ء۔
۴۰۔ اشتہار مندرجہ ٹائٹل براہین احمدیہ جلد سوم۔
۴۱۔ مثلاً نواب اقبال الدولہ صاحب حیدر آباد، عہدہ دار محمد افضل خاں، نواب صاحب مالیرکوٹلہ وغیرہ براہین احمدیہ جلد چہارم صفحہ ج
۴۲۔ ایضاً
۴۳۔ تتمہ حقیقۃ الوحی صفحہ ۳۷
۴۴۔ سرورق براہین احمدیہ حصہ اول۔ تبلیغ رسالت حصہ اول صفحہ ۸/ ج
۴۵۔ سیرت المہدی حصہ اول صفحہ ۱۱۱
۴۶۔ مکتوبات " بنام مولوی عبداللہ صاحب سنوری صفحہ ۵
۴۷۔ صرف حصہ چہارم کے ایک حصہ کی کتابت حضرت شیخ محمد حسین صاحب مراد آبادیؓ نے کی باقی سبھی حصے منشی صاحب موصوف نے لکھے۔ (حیات احمد جلد دوم نمبر اول صفحہ ۳۷)
۴۸۔ حیات احمد جلد دوم نمبر اول صفحہ ۴۳، ۴۴
۴۹۔ ایضاً صفحہ ۴۰
۵۰۔ حیات احمد جلد دوم نمبر ا صفحہ ۳۶
۵۱۔ ایضاً صفحہ ۳۸
۵۲۔ رسالہ نور احمد نمبر ا صفحہ ۴، ۷
۵۳۔ حیات احمد جلد دوم نمبر اول صفحہ ۴۲
۵۴، ۵۵۔ تبلیغ رسالت جلد سوم صفحہ ۲۹ تا ۳۶ مرتبہ حضرت میر قاسم علی صاحب اشاعت دسمبر ۱۹۲۰ء (حیات احمد جلد دوم نمبر سوم صفحہ ۵۹
۵۶۔ حیات احمد جلد دوم نمبر ا صفحہ ۶۴، ۶۶ و مکتوبات احمدیہ جلد اول و الحکم ۱۴۔ فروری ۱۹۳۵ء صفحہ ۳
۵۷۔ ملاحظہ ہو اخبار "المنیر" (فیصل آباد) لائلپور ۱۰۔ اگست ۱۹۵۵ء و ۲۲۔ فروری ۱۹۵۶ء۔
۵۸۔ براہین احمدیہ صفحہ ۵۵۸ و شحنہ حق طبع دوم صفحہ ۵۵ و تریاق القلوب صفحہ ۳۴، ۵۸، ۵۹ و براہین احمدیہ حصہ سوم صفحہ ۲۵۲ حاشیہ در حاشیہ نمبر ا و صفحہ ۲۲۷، ۲۲۸ حاشیہ در حاشیہ نمبر ا ونزول المسیح صفحہ ۲۰۲
۵۹۔ تریاق القلوب صفحہ ۳۷، ۳۸ و حیات احمد جلد دوم نمبر ا صفحہ ۸۱۔ سیرت مسیح موعود مولفہ حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانیؓ صفحہ ۲۶۰

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم
وعلیٰ عبدہ المسیح الموعود

ماموریت کا پہلا سال

خلعت ماموریت سے سرفرازی

(۱۸۸۲ء)

ماموریت کا پہلا الہام اوائل کا واقعہ ہے کہ حضرت اقدس سیدنا مسیح موعود علیہ السلام کو ایک دفعہ مسجد اقصیٰ میں کشفاً دکھایا گیا کہ "ایک باغ لگایا جا رہا ہے اور میں اس کا مالی مقرر ہوا ہوں"۔ یہ دراصل ماموریت کی پہلی بشارت تھی جس میں بتایا گیا تھا کہ آپ کو گلشن محمد (ﷺ) کی باغبانی کا فریضہ سپرد ہونے والا ہے۔ اس کشف کے ایک عرصہ بعد جب کہ آپ "براہین احمدیہ" (حصہ سوم) کا حاشیہ تحریر فرما رہے تھے۔ آپ پر یکایک ربودگی کا عالم طاری ہوا اور حالت کشف میں آنحضرت ﷺ رونق افروز ہوئے اور آپ کو شرف معانقہ بخشا۔ اس وقت آنحضرت کا روئے مبارک چودھویں رات کے چاند کی مانند چمک رہا تھا۔ آپ نے دیکھا کہ حضور انور کے مقدس چہرے سے نور کی کرنیں نکل نکل کر آپ کے اندر داخل ہو رہی ہیں آپ یہ نور ظاہری روشنی کی طرح مشاہدہ کر رہے تھے اور پورے یقین کے ساتھ سمجھتے تھے کہ آپ صرف باطنی آنکھوں ہی سے نہیں بلکہ ظاہری نظر سے بھی اس نظارہ سے محظوظ ہو رہے ہیں۔ آنحضرت ﷺ سے معانقے کے بعد آپ کے لئے یہ فیصلہ کرنا دشوار ہو گیا کہ آیا آنحضرت ﷺ آپ سے الگ ہوئے ہیں یا تشریف لے گئے ہیں۔

زیارت مصطفوی ﷺ کی اس عظیم الشان تجلی کے بعد جو ۱۸۸۲ عیسوی کے آغاز میں ہوئی حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر الہام الٰہی کے دروازے کھول دیئے گئے اور خدا تعالیٰ کی طرف سے

ماموریت کا پہلا اور تاریخی الہام نازل کیا گیا جو کم و بیش ستر فقرات پر مشتمل تھا اور جس کے ابتدائی کلمات یہ تھے۔

"یَا اَحْمَدُ بَارَکَ اللّٰہُ فِیْکَ مَا رَمَیْتَ اِذْ رَمَیْتَ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ رَمٰی۔ اَلرَّحْمٰنُ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّا اُنْذِرَ اٰبَاءُ ھُمْ وَلِتَسْتَبِیْنَ سَبِیْلُ الْمُجْرِمِیْنَ۔ قُلْ اِنِّیْ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُؤْمِنِیْنَ"۔ [۲]

یعنی اے احمد خدا نے تجھ میں برکت رکھ دی ہے جو کچھ تو نے چلایا وہ تو نے نہیں بلکہ خدا نے چلایا۔ خدا نے تجھے قرآن سکھایا تا ان لوگوں کو تو ڈرائے جن کے باپ دادا کو انذار نہیں کیا گیا اور تا خدا کی حجت پوری ہو اور مجرموں کی راہ کھل جائے۔ کہہ دے میں خدا کی طرف سے مامور اور اول المومنین ہوں۔

ماموریت کا یہ الہام جماعت احمدیہ کے قیام میں سنگ بنیاد کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس الہام میں جہاں آپ کی پوری زندگی کے اہم واقعات مثلاً مستقبل میں منظم مخالفت کے باوجود آپ کی شاندار کامیابی اور آپ کی طرف تصرف الٰہی کے تحت ایک عالم کے کھچے آنے سے متعلق قبل از وقت خبریں دی گئیں وہاں آپ کی شان ماموریت کو رسالت و نبوت سے تعبیر کرتے ہوئے بتا دیا گیا کہ آپ قرآنی پیشگوئی۔ "ھُوَ الَّذِیْ اَرْسَلَ رَسُوْلَہٗ بِالْھُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْھِرَہٗ عَلَی الدِّیْنِ کُلِّہٖ" [۳] کے مصداق ہیں اور آپ ہی کے ہاتھوں دین خدا کو دلائل و براہین کے ذریعہ سے سبھی ادیان عالم پر روحانی غلبہ نصیب ہونا مقدر ہے اور یہ سب کچھ رسول اکرم ﷺ کی اتباع و غلامی کے طفیل ہو گا جیسا کہ آپ کو الہاماً بتایا گیا۔ "کُلُّ بَرَکَۃٍ مِّنْ مُّحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَتَبَارَکَ مَنْ عَلَّمَ وَتَعَلَّمَ"۔ یعنی ہر ایک برکت محمد ﷺ کے افاضہ سے عطا ہوئی ہے پس معلّم (یعنی رسول عربی ﷺ) بھی مبارک اور متعلّم (یعنی مسیح موعودؑ) بھی۔ اسی لئے آپ فرماتے ہیں ۔

اس سے یہ نور لیا بار خدایا ہم نے مصطفیٰؐ پر تیرا بے حد ہو سلام اور رحمت

غرضیکہ ماموریت کے اس پہلے الہام ہی میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کے حقیقی منصب کی نشاندہی کر دی گئی تھی لیکن حضرت مسیح موعود علیہ السلام چونکہ فنافی الرسول کی انتہائی منزلیں طے کر کے اس آخری حد تک پہنچ گئے تھے جہاں انسان کی اپنی ہستی محبت کے بحر بیکراں میں ہمیشہ کے لئے فنا ہو جاتی ہے اور ہر طرف آنحضرت ﷺ کا مقدس وجود ہی جلوہ گر ہوتا ہے اس لئے آپ نے "براہین احمدیہ" میں الہام ماموریت درج کر کے صاف لکھا "تمام ملائکہ کو بھی اس جگہ برابری کا دم مارنے کی جگہ نہیں۔ چہ جائیکہ کسی اور کو آنحضرتؐ کے کمالات سے کچھ نسبت ہو خداوند کریم نے اس

غرض سے کہ تا ہمیشہ اس رسول مقبول ﷺ کی برکتیں ظاہر ہوں اور تا ہمیشہ اس کے نور اور اس کی قبولیت کی کامل شعاعیں مخالفین کو ملزم اور لاجواب کرتی رہیں اس طرح پر اپنی کمال حکمت اور رحمت سے انتظام کر رکھا ہے کہ بعض افراد امت محمدیہ کے جو کمال عاجزی اور تذلل سے آنحضرت ﷺ کی متابعت اختیار کرتے ہیں اور خاکساری کے آستانہ پر پڑ کر بالکل اپنے نفس سے گئے گزرے ہوتے ہیں خدا ان کو فانی اور ایک مصفا شیشہ کی طرح پاکر اپنے رسول مقبول ﷺ کی برکتیں ان کے وجود بے نمود کے ذریعہ سے ظاہر کرتا ہے اور جو کچھ منجانب اللہ ان کی تعریف کی جاتی ہے یا کچھ آثار اور برکات اور آیات ان سے ظہور پذیر ہوتی ہیں حقیقت میں مرجع تام ان تمام تعریفوں کا اور مصدر کامل ان تمام برکات کا رسول کریم ﷺ ہی ہوتا ہے اور حقیقی اور کامل طور پر وہ تعریفیں اسی کے لائق ہوتی ہیں اور وہی ان کا مصداق اتم ہوتا ہے۔ مگر چونکہ متبع سنن آں سرور کائنات کا اپنے غایت اتباع کے جہت سے اس شخص نورانی کے لئے کہ جو وجود باجود حضرت نبوی ؐ ہے مثل ظل کے ٹھہر جاتا ہے اس لئے جو کچھ اس شخص مقدس میں انوار الٰہیہ پیدا اور ہویدا ہیں۔ اس کے ظل میں بھی نمایاں اور ظاہر ہوتے ہیں اور سایہ میں اس تمام وضع اور انداز کا ظاہر ہونا کہ جو اس کے اصل میں ہے ایک ایسا امر ہے کہ جو کسی پر پوشیدہ نہیں ہاں سایہ اپنی ذات میں قائم نہیں اور حقیقی طور پر کوئی فضیلت اس میں موجود نہیں بلکہ جو کچھ اس میں موجود ہے وہ اس کے شخص اصلی کی ایک تصویر ہے جو اس میں نمودار اور نمایاں ہے"۔ ۶

اس حقیقت کی روشنی میں آپ زیادہ سے زیادہ یہی سمجھے کہ آپ کے سپرد تجدید دین اور احیائے شریعت کی خدمت کی گئی ہے اور یہ کہ آپ چودھویں صدی کے مجدد ہیں۔ چنانچہ خود ہی فرماتے ہیں۔ "جب تیرھویں صدی کا اخیر ہوا اور چودھویں صدی کا ظہور ہونے لگا تو خدا تعالیٰ نے الہام کے ذریعہ سے مجھے خبر دی کہ تو اس صدی کا مجدد ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ الہام ہوا کہ اَلرَّحْمٰنُ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ...... قُلْ اِنِّیْ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُؤْمِنِیْنَ" ("کتاب البریہ" صفحہ ۱۶۸ حاشیہ) اس انکشاف پر بھی آپ نے دنیا کے سامنے باقاعدہ کوئی دعویٰ نہیں کیا یہاں تک کہ ۱۸۸۵ء میں جب براہ راست جناب الٰہی کی طرف سے آپ کو اس کی تحریک ہوئی تو آپ نے مجددیت کا اعلان فرمایا اور یوں پہلی مرتبہ آپ محض ایک مجدد کی حیثیت میں دنیا سے روشناس ہوئے حالانکہ جیسا کہ خود آپ کو بھی بعد میں تدریجاً بتایا گیا چودھویں صدی کا مجدد محض مجدد نہیں قرار دیا جا سکتا تھا کیونکہ خدائی نوشتوں میں تیرھویں صدی کو جو نمایاں خصوصیت حاصل تھی اس کے لحاظ سے چودھویں صدی کا مامور اور مجدد اپنے مقام کے اعتبار سے امت میں ایک ممتاز شخصیت تسلیم کیا گیا ہے۔ چنانچہ انیسویں صدی تک کے مستند اسلامی

لٹریچر میں یہ نظریہ قطعی طور پر پایا جاتا ہے کہ تیرھویں صدی کا زمانہ حضرت امام مہدی کی پیدائش کا زمانہ ہے جو چودھویں صدی کا کامل مجدد ہوگا۔ چنانچہ حدیث نبوی "اَلْاٰیَاتُ بَعْدَ الْمِائَتَیْنِ" کی تشریح میں امت کے مشہور محدث حضرت ملا علی قاری (متوفی ۱۵۷۳ء) نے بالوضاحت لکھا ہے کہ تیرھویں صدی میں امام مہدی پیدا ہوں گے۔ ("مرقاۃ" شرح مشکوٰۃ جلد پنجم صفحہ ۱۸۵ مطبوعہ مصر) اسی طرح بارھویں صدی کے شہرہ آفاق مجدد حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی (۱۷۰۲-۱۷۶۲) اور حضرت شاہ عبدالعزیز (۱۷۴۶-۱۸۲۴) اور حضرت سید اسماعیل شہیدؒ (متوفی مئی ۱۸۳۱ء) ایسے بلند پایہ بزرگوں کی قطعی رائے تھی کہ تیرھویں صدی کے شروع میں حضرت مہدی کی پیدائش اور اسی کے آخر میں آپ کا ظہور ہوگا۔ ("اربعین فی احوال المہدیین" صفحہ ۴۴ مطبوعہ مصری گنج کلکتہ۔ ۱۲۶۸ھ مولفہ حضرت سید اسماعیل شہیدؒ) نامور علماء میں سے نواب صدیق حسن خان صاحب (۱۸۳۵-۱۸۸۹) قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی (متوفی ۱۸۱۰ء) اور حضرت حافظ برخوردار صاحب بھی اس خیال کے زبردست موید تھے۔ ان کے علاوہ امت کے دوسرے علماء و صوفیاء ولادت مہدی کے زمانہ کی آخری حد تیرھویں صدی تک قرار دیتے آئے ہیں اور کوئی اندازہ اس زمانہ سے آگے نہیں بڑھنے پاتا۔ (ملاحظہ ہو "اقتراب الساعۃ" صفحہ ۲۴۵ و "حجج الکرامہ" صفحہ ۳۹۳-۳۹۴) حضرت مسیح موعودؑ اسی حقیقت کی طرف توجہ دلاتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

"حدیث "الایات بعد المائتین" کی تشریح بہت سے متقدمین اور متاخرین نے یہی کی ہے۔ جو مائتین کے لفظ سے وہ مائتین مراد ہیں جو الف کے بعد ہیں یعنی ہزار کے بعد۔ اس طرح پر معنے اس حدیث کے یہ ہوئے کہ مہدی اور مسیح کی پیدائش جو آیات کبریٰ میں سے ہے تیرھویں صدی میں ہوگی اور چودھویں صدی میں اس کا ظہور ہوگا یہی معنی محققین علماء نے کئے ہیں اور انہی قرائن سے انہوں نے حکم کیا ہے کہ مہدی معہود کا تیرھویں صدی میں پیدا ہو جانا ضروری ہے تا چودھویں صدی کے سر پر ظاہر ہو سکے۔ چنانچہ اسی بناء پر نیز کئی اور قرائن کے رو سے بھی مولوی نواب صدیق حسن خان صاحب مرحوم اپنی کتاب حجج الکرامہ میں لکھتے ہیں کہ "میں بلحاظ قرائن تو یہ گمان کرتا ہوں کہ چودھویں صدی پر مہدی معہود کا ظہور ہوگا اور ان قرائن میں سے ایک یہ ہے کہ تیرھویں صدی میں بہت سے دجالی فتنے ظہور میں آگئے ہیں"۔ [۵]

پس بلاشبہ تیرھویں صدی کے آخر میں مامور ہونے والا محض مجدد کے اسم سے موسوم نہیں ہو سکتا وہ تو ایک مخصوص شان کا موعود ہے اور ان تمام پیشگوئیوں کا مصداق جو اس زمانہ میں آنے والے مامور کے متعلق بتائی گئی تھیں۔ یہ موعود قرآنی اشارات کے مطابق رسولؐ [۶] اور احادیث نبویؐ کے

مطابق امام، مہدی، عیسیٰ اور نبی ۷ اللہ بلکہ گذشتہ ۸ تمام انبیاء مرسلین کا بروز کامل قرار دیا گیا ہے بلکہ حدیث میں آنحضرت ﷺ کی امت کے فضائل کے متعلق یہاں تک لکھا ہے کہ "موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا کہ اے رب مجھ کو اس امت کا نبی بنا دیجئے۔ ارشاد ہوا اس امت کا نبی اسی میں سے ہوگا۔ عرض کیا کہ تو مجھ کو ان (محمد ﷺ) کی امت میں سے بنا دیجئے۔ ارشاد ہوا کہ تم پہلے ہو گئے وہ پیچھے ہوں گے۔ البتہ تم کو اور ان کو دار الجلال (جنت) میں جمع کردوں گا"۔ ۹

ماموریت کے پہلے الہام کے بعد اگلے سال ہی آپ کو مسیح موعود، نبی اور نذیر کے نام سے یاد کیا گیا مگر حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کا مقام فنائیت اس درجہ کامل تھا کہ آپ کا ذہن پھر بھی اس طرف نہیں گیا کہ آپ کس شان کے حامل ہیں۔ اور توجہ بھی کیسے ہوتی جب کہ اپنے لئے کسی عہدے کے خواہاں نہیں تھے اور حضرت مسیح ناصری علیہ السلام کی دوبارہ تشریف آوری کا عقیدہ رکھتے تھے چنانچہ خود ہی فرماتے ہیں۔ "اس وقت مجھے مسیح موعود ٹھہرایا گیا جب کہ مجھے بھی خبر نہ تھی کہ میں مسیح موعود ہوں"۔ ۱۰

یہ صورت مسلسل آٹھ سال تک جاری رہی اس دوران میں آپ سے باصرار درخواست کی گئی کہ جب آپ مجدد وقت ہیں تو اپنے دست مبارک پر ہمیں بیعت کا شرف بخشیں۔ لیکن آپ نے یہی جواب دیا میں اذن الٰہی کے بغیر کوئی قدم اٹھانے کو تیار نہیں ہوں۔ پھر جب خدا کا حکم آگیا تب بیعت کی اجازت دی۔ اس کے بعد ۱۸۹۰ء میں آپ پر تواتر کے ساتھ یہ حقیقت کھول دی گئی کہ حضرت مسیح ناصری علیہ السلام طبعی موت سے فوت ہو چکے ہیں اور آپ کو اللہ تعالیٰ نے مسیح موعود بنا کر بھیجا ہے۔ اس آسمانی حکم کی تعمیل میں آپ نے مسیح موعود ہونے کا دعویٰ تو پورے زور سے کر دیا مگر اب بھی آپ کی تحریرات میں اپنے لئے لفظ "نبی" کا استعمال مجازی رنگ ہی میں مستعمل رہا کیونکہ حضور ابھی تک عامتہ المسلمین کی طرح یہی مسلک رکھتے تھے کہ نئی شریعت لانا یا شریعت سابقہ کے بعض حصوں کی ترمیم و تنسیخ کرنا یا کم از کم کسی نبی کے فیض کے بغیر براہ راست اس منصب تک پہنچنا لازمی ہوتا ہے۔ ۱۱ اور آپ تو پیغمبر خدا ﷺ کی غلامی کے طفیل ہی دین اسلام کی تجدید و اشاعت کے لئے مامور ہوئے تھے اور رسول اللہ ﷺ کی کفش برداری کو تخت شاہی سے افضل سمجھتے اور اپنے لئے سب سے بڑا فخر قرار دیتے تھے۔ لہذا اپنے متعلق حدیث نبوی یا اپنے الہام میں وارد ہونے والے "نبی اللہ" کے خطاب کی وضاحت یہ فرمائی کہ اس سے مقصود فقط کثرت مکالمہ و مخاطبہ کا شرف ہے جسے محدثیت سے موسوم کرنا چاہئے نہ کہ نبوت سے۔ چنانچہ ۱۸۹۰ء سے ۱۹۰۰ء تک آپ اسی مسلک پر قائم رہے اور اپنے مقام کو جزوی یا ناقص نبوت سے تعبیر کرتے رہے۔ لیکن اس کے بعد مکمل رنگ میں آپ پر شان

ماموریت کا انکشاف کیا گیا یعنی آپ کو خبر دی گئی کہ کثرت مکالمہ و مخاطبہ الٰہیہ کے جس شرف کو آپ محدثیت قرار دے رہے ہیں وہ خدا تعالیٰ کی اصطلاح میں نبوت ہے۔ اس انکشاف پر آپ نے اپنے متعلق جزوی یا ناقص نبوت یا محدثیت کے الفاظ کا استعمال ہمیشہ کے لئے ترک کر دیا اور صاف لفظوں میں اعلان فرمایا کہ "میں خدا کے حکم کے موافق نبی ہوں"۔ [12] نیز گزشتہ مسلک کے برعکس ایک دوسرا جامع تصور نبوت امت کے سامنے آپ نے یہ پیش فرمایا کہ "مکالمہ مخاطبہ اپنی کیفیت اور کمیت کی رو سے کمال درجہ تک پہنچ جائے اور اس میں کوئی کثافت اور کمی باقی نہ ہو اور کھلے طور پر امور غیبیہ پر مشتمل ہو تو وہی دوسرے لفظوں میں نبوت سے موسوم ہوتا ہے"۔ [13] اس دعویٰ کو آپ نے بار بار نہایت زوردار لفظوں میں بیان فرمایا اور آیت فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖۤ اَحَدًا اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ [14] (الجن: ۲۷-۲۸) کی روشنی میں یہاں تک لکھا کہ میں اس دعویٰ میں منفرد نہیں بلکہ جملہ انبیاء علیہم السلام کا اس پر اتفاق ہے۔ [15] بلکہ خود اللہ تعالیٰ کی یہ اصطلاح ہے جو کثرت مکالمات و مخاطبات کا نام اس نے نبوت رکھا ہے"۔ [16]

اس انقلاب آفریں تصور سے جہاں آنحضرت ﷺ کی اس خبر کی سچائی نصف النہار کی طرح ثابت ہو گئی جس میں مسیح محمدی کو نبی اللہ کہا گیا تھا وہاں اس سے اتحاد اسلامی کی بنیادیں بھی نہایت درجہ مضبوط ہو گئیں وہاں اس کے نتیجہ میں صاف کھل گیا کہ نہ صرف ختم نبوت کے باب میں تحریک احمدیت کا نقطہ نگاہ جمہور امت سے ہرگز علیحدہ نہیں بلکہ اس تحریک کا قیام ہی ختم نبوت کے تحفظ کے لئے ہوا ہے۔ حضرت اقدسؑ نے اسی حقیقت کی طرف مسلمانان عالم کو بھی توجہ دلائی اور لکھا۔ "مراد میری نبوت سے کثرت مکالمت و مخاطبت الٰہیہ ہے جو آنحضرت ﷺ کی اتباع سے حاصل ہے۔ سو مکالمہ و مخاطبہ کے آپ لوگ بھی قائل ہیں پس یہ صرف لفظی نزاع ہوئی یعنی آپ لوگ جس امر کا نام مکالمہ و مخاطبہ رکھتے ہیں میں اس کی کثرت کا نام بموجب حکم الٰہی نبوت رکھتا ہوں" [17]

اس وضاحتی بیان نے اگرچہ الجھاؤ کی کوئی صورت نہیں چھوڑی تھی تاہم اس عاشق رسول ﷺ نے تعریف نبوت کی اس الہامی تبدیلی کے بعد اب بھی فقط نبی کا لفظ اپنے لئے گوارا نہیں فرمایا بلکہ اس کے ساتھ "امتی" کے لفظ کا اضافہ ضروری سمجھا۔ چنانچہ آپ نے لکھا "شریعت آنحضرت ﷺ پر ختم ہے اور آنحضرت ﷺ کے بعد کسی پر نبی کے لفظ کا اطلاق بھی جائز نہیں جب تک اس کو امتی بھی نہ کہا جائے۔ جس کے یہ معنی ہیں کہ ہر ایک انعام اس نے آنحضرت ﷺ کی پیروی سے پایا ہے نہ براہ راست"۔ [18]

ان تفصیلات سے ظاہر ہے کہ ماموریت کے پہلے الہام میں آپ کا جو حقیقی مقام متعین کیا گیا تھا

بنیادی لحاظ سے آخر وقت تک اس میں نہ کوئی اضافہ ہوا نہ ترمیم۔ وہی دعاوی تھے اور وہی اغراض و مقاصد۔ لہٰذا بعد کو اگر کوئی ارتقائی رنگ پیدا ہوا تو وہ محض ذاتی یا نظریاتی تھا واقعاتی ہرگز نہیں تھا جو خدا تعالیٰ کی قدیم سنت کے عین مطابق وقوع میں آیا۔

دنیا میں نشان نمائی کی پہلی باطل شکن دعوت

اسلامی دنیا میں اس وقت غیر مذاہب کے مقابلہ میں محض عقلی اور نقلی دلائل کا سہارا لیا جاتا تھا۔ جو اس کارزار عالم میں چنداں مفید نہیں تھا۔ منطق' فلسفہ' خطابت اور تحریر کی قوتوں میں ایک مسلم اور کافر' دہریہ اور خدا پرست دونوں ہی شریک ہو سکتے ہیں بلکہ عین ممکن ہے کہ کفر کے نمائندے کی پشت پر اگر اقتدار اور دولت کام کر رہی ہو تو اس کے قلم و زباں میں غیر معمولی قوت و شوکت پیدا ہو جائے اور یہ امکان اس زمانے میں واقعاتی شکل میں موجود تھا۔ عیسائی مناد' آریہ سماجی اور برہمو سماجی پر جازک قوت و ثروت کے بل بوتے پر پورے ملک پر چھا چکے تھے اور مسلم علماء جواب کی تاب نہ لا کر ایک کونے میں سہمے بیٹھے تھے اور جو تھوڑے بہت خدا کے حق پرست بندے علمی مدافعت میں مصروف تھے ان کے دلائل میں کوئی جان' کوئی عظمت اور کوئی شوکت نہیں تھی۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو چونکہ اسلام کے عالمگیر غلبہ کے لئے بھیجا تھا اس لئے ادھر آپ مامور ہوئے اور ادھر آپ نے کفر و اسلام کی جنگ کا اسلوب ہی بدل دیا۔ آپ نے علماء ظواہر کے پامال اور فرسودہ ہتھیاروں کی بجائے اسلام اور محمد رسول اللہ ﷺ کو زندہ ثابت کرنے کے لئے اپنا وجود پیش کیا اور دنیا بھر میں منادی کرادی کہ اگر کوئی طالب حق قرآن مجید کی سچائی کے زندہ نشانات دیکھنا چاہتا ہے تو آپ کے پاس آئے اور آپ کی صحبت میں صحت نیت کے ساتھ رہے تو وہ اپنی آنکھوں سے نشانات دیکھے گا اس کے برعکس قرآن کے مخالف اپنے مذہب کی سچائی میں ہرگز کوئی نشان نہیں دکھا سکیں گے اور صرف گزشتہ زمانے کے حوالہ پر ہی اکتفاء کریں گے جو ان کے غلطی خوردہ ہونے کی فیصلہ کن دلیل ہے۔ نشان نمائی کی یہ باطل شکن دعوت آپ نے پہلی مرتبہ ۱۸۸۲ء میں "براہین احمدیہ" حصہ سوم کے ذریعہ سے کی چنانچہ آپ نے فرمایا۔

"آج تک کوئی ایسی صدی نہیں گزری جس میں خدا تعالیٰ نے مستعد اور طالب حق لوگوں کو قرآن شریف کی پوری پوری پیروی کرنے سے کامل روشنی تک نہیں پہنچایا اور اب بھی طالبوں کے لئے اس روشنی کا نہایت وسیع دروازہ کھلا ہے۔ یہ نہیں کہ صرف کسی گزشتہ صدی کا حوالہ دیا جائے جس طرح سچے دین اور ربانی کتاب کے حقیقی تابعداروں میں روحانی برکتیں ہونی چاہئیں اور اسرار

خاصہ الہیہ سے ملہم ہونا چاہیئے وہی برکتیں اب بھی جوئندوں کے لئے مشہود ہو سکتی ہیں جس کا جی چاہے صدق قدم سے رجوع کرے اور دیکھے اور اپنی عاقبت کو درست کرلے۔ انشاء اللہ تعالیٰ ہر یک طالب صادق اپنے مطلب کو پائیگا اور ہر یک صاحب بصارت اس دین کی عظمت کو دیکھے گا مگر کون ہمارے سامنے آکر اس بات کا ثبوت دے سکتا ہے کہ وہ آسمانی نور ہمارے کسی مخالف میں بھی موجود ہے اور جس نے حضرت محمد مصطفی ﷺ کی رسالت اور افضیلت اور قرآن شریف کے منجانب اللہ ہونے سے انکار کیا ہے وہ بھی کوئی روحانی برکت اور آسمانی تائید اپنی شامل حال رکھتا ہے۔ کیا کوئی زمین کے اس سرے سے اس سرے تک ایسا متنفس ہے کہ قرآن شریف کے ان چمکتے ہوئے نوروں کا مقابلہ کر سکے۔ کوئی نہیں ایک بھی نہیں"۔ [۱۹]

نیز فرمایا "اس زمانہ کے پادری اور پنڈت اور برہمو اور آریا اور دوسرے مخالف چونک نہ اٹھیں کہ وہ برکتیں کہاں ہیں وہ آسمانی نور کدھر ہیں جن میں امت مرحومہ حضرت خاتم الانبیاء ﷺ کی مسیح اور موسیٰ کی برکتوں میں شریک ہے اور ان نوروں کی وارث ہے جن سے اور تمام قومیں اور تمام اہل مذاہب محروم اور بے نصیب ہیں......... اس ثبوت دینے کے ہم آپ ہی ذمہ دار ہیں....... پس اگر کوئی پادری یا پنڈت یا برہمو کہ جو اپنی کور باطنی سے منکر ہیں یا کوئی آریہ اور دوسرے فرقوں میں سے سچائی اور راستی سے خدا تعالیٰ کا طالب ہے تو اس پر لازم ہے کہ سچے طالبوں کی طرح اپنے تمام تکبروں اور غروروں اور نفاقوں اور دنیا پرستیوں اور ضدوں اور خصومتوں سے بکلی پاک ہو کر فقط حق کا خواہاں اور حق کا جویاں بن کر ایک مسکین اور عاجز اور ذلیل آدمی کی طرح سیدھا ہماری طرف چلا آوے اور پھر صبر اور برداشت اور اطاعت اور خلوص کو صادق لوگوں کی طرح اختیار کرے تا انشاء اللہ اپنے مطلب کو پاوے"۔ [۲۰]

اس اعلان پر کسی غیر مسلم کو یہ توفیق نہ مل سکی کہ وہ یہ فیصلہ کن آسمانی دعوت قبول کرتے ہوئے آپ کی خدمت میں پہنچتا اور اسلام کی صداقت کے نشانوں کا بچشم خود مشاہدہ کرتا اور دنیا حق و باطل میں کھلا امتیاز کرلیتی۔ البتہ بعض الٹی کھوپڑیوں میں یہ خبط سما گیا کہ نشان نمائی کی دعوت کو قبول کرنے کی بجائے آپ کے پیش کردہ نشانات کی تکذیب میں سردھڑ کی بازی لگادی جائے۔ چنانچہ بد زبان پنڈت لیکھرام جو ان دنوں صوابی ضلع پشاور میں محکمہ پولیس میں ملازم تھا اور اپنی دشنام طرازی اور گندہ دہنی میں سوامی دیانند صاحب سے بھی گوئے سبقت لے گیا تھا اس موقعہ پر پہلی مرتبہ میدان مقابلہ میں اترا اور اس نے لالہ ملاوامل اور لالہ شرمپت رائے پر خط و کتابت کے ذریعہ سے ہر ممکن دباؤ ڈالا کہ اپنی مصدقہ شہادتوں سے دستکش ہونے کا اعلان کریں۔ مگر انہوں نے پوری اخلاقی جرات سے کام لیتے

ہوئے لیکھرام کے بھرے میں آنے سے صاف انکار کر دیا۔ اور اس کی یہ خفیہ سازش پوری طرح ناکام ہو گئی۔

قادیان کی گمنام حالت اور رجوع خلائق کا آغاز

اس زمانہ میں قادیان ایک انتہائی بے رونق گاؤں تھا۔ چنانچہ حضرت پیر سراج الحق صاحب نعمانی کی چشم دید شہادت ہے کہ جب آپ ۱۸۸۲ء میں قادیان گئے تو یہ بستی ویران پڑی تھی جس کے بازار خالی پڑے تھے اور بہت کم آدمی چلتے پھرتے نظر آتے تھے بعض دکانیں ٹوٹی پھوٹی اور بعض غیر آباد خالی پڑی تھیں اور دو تین یا کم و بیش دکانیں نون مرچ کی تھیں وہ بھی ایسی کہ اگر چار پانچ آنے کا مصالحہ خریدنے کا اتفاق ہو تو ان دکانوں سے بجز دو چار پیسہ کے نہیں مل سکتا تھا اور تھوڑی تھوڑی ضرورتوں کے واسطے بٹالہ جانا پڑتا تھا علیٰ ہذا القیاس اور چیزوں کا بھی یہی حال تھا۔ دو دکان حلوائیوں کی بھی تھی لیکن ان کی بے رونقی اور کم مائیگی کا یہ حال تھا کہ شاید دو تین پیسہ کی ریوڑیاں گڑ کی جن سے دانتوں کے بھی ٹوٹنے کا احتمال ہو اگر کوئی خرید لے تو خرید ے ورنہ اور مٹھائی کے لئے مصالحہ کی طرح بٹالہ ہی یاد آئے۔ مجھے اب تک وہ دکان یاد ہے کہ جس میں کسی قدر نون مرچ اور کچھ تیل کے علاوہ دو چار تھان کپڑے کے بھی رکھے تھے ایک تھان گاڑھے اور ادھوتر کا جس کو پنجابی میں کھدر کہتے ہیں اور ایک دو تھان گھٹیل قند سرخ کے جس کو الوان بھی کہتے ہیں اور شاید ایک دو تھان نکمی سی سوسی اور بھدی سی چھینٹ کے بھی رکھے ہوئے تھے جن کو جٹیوں کے سوا اور کوئی خریدنے کا نام تک نہ لے۔ اناج کی منڈی۔ سبزی کی منڈی یا اور کسی قسم کے فواکہ اور میوے کا تو ذکر کیا گھی چاول دودھ کمیاب اور دیگر اشیاء ضروری مفقود۔ قصائی کی ایک دکان ایسی تھی کہ اگر قصاب کبھی شامت سے ایک بکرا ذبح کر لیتا تھا تو وہ بکرا اس کی جان کا وبال ہو جاتا تھا اگر گرمیوں کا موسم ہے تو گل سڑ کر خراب ہو گیا اور جو سردیاں ہوئیں تو چار پانچ روز تک رکھ کر کچھ یہاں کچھ دیہات میں اناج کے بدلے بمشکل تمام بیچ کھوچ کر پورا کیا۔ جس میں نفع نقصان برابر سرابر............ جس طرف دیکھو کچے مکان اور بے مرمت مکان پڑے تھے۔ ہاں حضرت اقدس و اکرم کا مکان پختہ تھا یا آپ کے بڑے بھائی کا لیکن وہ کچے مکانوں کی طرح مکان تھے۔ جو بعض حصہ ان کا زمین دوز تھا۔ اندر کا پانی باہر جانا برسات میں دشوار تھا جس کا نمونہ اب تک موجود ہے کہ حضرت اقدسؑ کے مکان کے ملحق مرزا غلام قادر صاحب مرحوم کا مکان ہے حضرت اقدس جس مکان میں جلوہ افروز تھے وہ ایک چھوٹا سا حجرہ تھا اور اب بھی ہے اس میں دس پندرہ آدمیوں کے سوا زیادہ نہیں آسکتے تھے اس حجرہ کا نام بیت الفکر ہے اس حجرے کے آگے ایک دالان تھا اور نیچے کے

مکان میں بھی ایک دالان تھا اور ایک دو مکان اور مختصر سے تھے اور ایک طرف کی عمارت خام تھی اور ایک گول کمرہ تھا جس کو تیار کرایا جاتا تھا یعنی کچھ حصہ اس کا بن چکا تھا اور کچھ بن رہا تھا اور مسجد مبارک بھی اس وقت ناتمام تھی۔ معمار مزدور لگ رہے تھے اور اب تو اس مکان میں بہت سے مکان۔ عمارت پختہ عالی شان بن گئے ہیں۔ آپ کے ہاں لوگوں کی آمد روفت بہت کم تھی یہاں تک کہ بعض دو دو چار چار یا دس دس کوس کے آدمی بھی آپ سے کم واقفیت رکھتے تھے۔ مجھے خوب یاد ہے کہ اس وقت دو چار نمازی آپ کے ساتھ ہوتے تھے اکثر حضرت اقدس نماز پڑھایا کرتے تھے اور کبھی میں ایک ہی مقتدی ہوتا تھا اور آپ امام اور کبھی میں امام اور آپ مقتدی۔ سیر کا بھی یہی حال تھا کہ کبھی ایک دو آدمی ساتھ ہوتے تھے اور کبھی آپ اکیلے ہی سیر کو تشریف لے جاتے تھے۔ ایک دو ہندو اس زمانہ میں آیا کرتے تھے۔ وہ ہندو آپ کے الہامات کو جو خدا تعالیٰ کی طرف سے ہوتے تھے لکھا کرتے تھے اور ہمیشہ آپ کی پیشگوئیوں کی تگ ودو میں لگے رہتے تھے کہ آیا یہ پیشگوئی پوری ہوئی یا نہیں"۔ [۲۱]

غرضیکہ اس وقت قادیان ایک ویرانے کا منظر پیش کر رہا تھا جس پر چاروں طرف غار کی سی تاریکی اور خاموشی مسلط تھی اور ۱۸۸۰ء تک خود حضرت اقدس حد درجہ پردہ گمنامی میں تھے اور آپ کا حلقہ احباب نہایت محدود تھا۔ اس زمانہ میں حضرت اقدس کی گمنام حالت کا مکمل نقشہ صرف شیعہ بزرگوں کے ان الفاظ میں کھینچا جا سکتا ہے جن میں کہا گیا تھا کہ امام قائم غار سے ظاہر ہوگا آپ ان دنوں سچ مچ "صاحب الغار" تھے اور چند گنتی کے اصحاب کے سوا جن میں میاں جان محمد صاحب مولوی رحیم بخش صاحب تلونڈی جھنگلاں، مرزا دین محمد صاحب، مرزا غلام اللہ صاحب، مرزا اسمٰعیل بیگ صاحب، حافظ حامد علی صاحب [۲۲] حافظ معین الدین صاحب [۲۳]، میاں جمال الدین سیکھوانی [۲۴]، میاں امام الدین صاحب سیکھوانی [۲۵]، میاں خیر الدین صاحب سیکھوانی [۲۶]، حافظ نبی بخش صاحب فیض اللہ چک [۲۷]۔ حافظ نور محمد صاحب فیض اللہ چک [۲۸]، حضرت میر ناصر نواب صاحب۔ میر حامد شاہ صاحب [۲۹]۔ مولوی سید میر حسن صاحب (۱۸۴۴-۱۹۲۹) میر عباس علی صاحب اور مولوی ابو سعید محمد حسین صاحب بٹالوی (متوفی جنوری ۱۹۲۵ء) کا نام قابل ذکر ہے۔ حضرت اقدس کے نام سے بھی کوئی متعارف نہیں تھا۔ ان کے علاوہ آپ کے دلی محبوں میں حضرت مولوی عبد اللہ صاحب غزنویؒ بھی تھے مگر وہ اب داغ مفارقت دے کر اگلی دنیا میں جا چکے تھے۔

یہ گویا ایک مختصر سا روحانی ہالہ یا دائرہ تھا جو سینتالیس برس میں خدا کے اس مقدس چاند کے ارگرد قائم ہو سکا۔ ۱۸۸۰ء میں آپ کی پہلی تصنیف (براہین احمدیہ) معرض ظہور میں آئی اور آپ کا نام ملک میں گونجنے لگا۔ ۱۸۸۲ء میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہ خبر دی کہ لوگ دور دور سے تیرے پاس آئینگے اور

تیری مدد کرنے والے وہ لوگ ہوں گے جن کو آسمانی تحریک ہوگی۔ [۲۰] - چنانچہ فی الواقعہ اس خدائی خبر کے بعد ملک میں یکایک ایک جنبش پیدا ہوئی اور لوگ آہستہ آہستہ آپ کی زیارت کے لئے قادیان کی طرف کشاں کشاں آنے شروع ہو گئے اس سلسلہ میں (جدید تحقیق کے مطابق) ابتداء آپ کی خدمت میں حاضر ہونے والے حضرت پیر سراج الحق صاحب نعمانی سرساوی [۲۱] اور حضرت منشی عبداللہ صاحب سنوری [۲۲] تھے جو ۱۸۸۲ء میں حضور کے شرف زیارت سے فیضیاب ہوئے۔ ان بزرگوں کے بعد ایک رو پیدا ہو گئی اور پھر آنے والوں میں روز بروز اضافہ ہونے لگا۔ مثلاً ۱۸۸۴ء میں مدار ضلع جالندھر سے حضرت چودھری رستم علی خاں صاحب [۲۳] اور حضرت سید ناصر شاہ صاحب [۲۴] ایسے مخلص شیدائی حضور کے قدموں میں آئے۔ اسی سال منشی الٰہی بخش صاحب [۲۵] اکونٹنٹ آئے۔ منشی الٰہی بخش صاحب کے ہمراہ ان کے ساتھیوں میں منشی عبدالحق صاحب اکونٹنٹ اور حافظ محمد یوسف صاحب امرتسری بھی جو حضرت مولانا عبداللہ صاحب غزنوی کے مرید تھے اکثر حاضر ہوا کرتے تھے۔
(ریویو جنوری ۱۹۴۲ء صفحہ ۱۱)

۱۸۸۵ء میں حضرت مولانا نورالدین شاہی طبیب جیسی برگزیدہ ہستی جموں سے دیوانہ وار قادیان پہنچی۔ اسی زمانہ میں مولوی ثناءاللہ صاحب امرتسری [۲۶] (جو آئندہ آپ کے مخالفین کی صف اول میں شمار ہوئے) ۱۷/۱۸ سال کی عمر میں محض شوق زیارت میں بٹالہ سے پاپیادہ تنہا قادیان آئے۔

۱۸۸۶ء میں حضرت منشی ظفر احمد صاحب رجسٹرار ہائیکورٹ کپور تھلہ [۲۷] حضرت خان محمد خان صاحب افسر بگھی خانہ کپور تھلہ اور حضرت منشی محمد اروڑا خان صاحب تحصیل دار کپور تھلہ ایسے عشاق قدم بوسی کی سعادت کے لئے قادیان پہنچے۔ اسی سال مولانا برہان الدین صاحب جہلمی بھی پہلی مرتبہ قادیان تشریف لائے لیکن حضور سے ملاقات ہوشیار پور میں ہوئی۔ [۲۸]

۱۸۸۷ء میں حضرت پیر افتخار احمد صاحب [۲۹] حضرت پیر منظور محمد صاحب [۳۰]، پیر صاحب العلم کے دو مریدوں عبداللطیف صاحب اور حاجی عبداللہ صاحب اور مشہور مسلم مشنری مولوی حسن علی صاحب کو قادیان میں شرف باریابی نصیب ہوا [۳۱] - یہ تو زمانہ بیعت سے قبل رجوع خلائق کا نظارہ ہے زمانہ بیعت کے بعد جب دور مسیحیت کا آغاز ہوا تو ہندوستان کے گوشے گوشے سے اس کثرت سے لوگ آپ تک پہنچے کہ اپنے اور بیگانے دنگ رہ گئے۔

حضرت مولانا نور الدین صاحب شاہی طبیب کا قادیان کی طرف پہلا تاریخی سفر

دعویٰ مسیحیت سے قبل جو بزرگ قادیان آئے ان میں حضرت حکیم مولانا نورالدین صاحب کی قادیان میں اولین تشریف آوری اپنے اندر ایک خاص تاریخی شان رکھتی ہے۔ تاریخ احمدیت میں آپ کا تذکرہ کئی جگہ آئے گا۔ اس لئے مختصراً یہ بتانا ضروری ہے کہ حضرت حافظ حاجی الحرمین مولانا نورالدین صاحب بھیروی شاہی طبیب حضرت عمر فاروقؓ (وفات یکم محرم ۲۴ھ) کے شجرہ طیبہ کے ایک شیریں ثمر' دین حق کے جری پہلوان اور آسمان علم و حکمت کے آفتاب تھے۔ قرآن مجید' حدیث' فقہ' کلام منطق اور فلسفہ وغیرہ اسلامی علوم میں ان کے تبحر علمی کا کوئی جواب نہیں تھا۔ قلم کے دھنی اور میدان تقریر کے شہسوار۔ مذاہب عالم پر اتنی وسیع نظر تھی کہ مسلمان ہی نہیں' ہندو' سکھ' عیسائی' برہمو' دہریہ بھی حیرت زدہ ہو جاتے اور عش عش کر اٹھتے تھے۔ مد مقابل پر لبوں کی ایک ہی جنبش سے مہر سکوت لگا دینا آپ کی نکتہ آفرینی اور حاضر دماغی کا ایک ادنیٰ کرشمہ سمجھا جاتا تھا۔ کئی سال تک مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ میں رہے اور دیار حبیب کی برکتوں سے فیضیاب ہوئے۔ ابتداء میں حضرت شاہ عبدالغنی صاحب مجددی مہاجر مکی و مدنی (خلف الصدق حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلویؒ متوفی ۱۲۹۶ھ) حضرت محمد جی بخاری مولوی عبدالقیوم صاحب سے بیعت [۶۲] ہوئے۔ حالانکہ خود ان کا مقام اتنا بلند تھا کہ توکل اور رضاء الٰہی میں ضرب المثل تھے۔ علی گڑھ تحریک کے قابل احترام بانی سرسید احمد خاں مرحوم (۱۸۱۷-۱۸۹۸ء) کہا کرتے تھے کہ جاہل جب ترقی کرتا ہے تو پڑھا لکھا کہلاتا ہے جب اور ترقی کرتا ہے تو فلسفی کہلاتا ہے پھر ترقی کرے تو صوفی بن جاتا ہے مگر جب صوفی ترقی کرتا ہے تو مولانا نورالدین بن جاتا ہے۔ [۶۳] حضرت مسیح موعود علیہ السلام مامور ہونے کے بعد اکثر دعا کیا کرتے تھے کہ اپنی جناب سے اس دینی خدمت کا بوجھ اٹھانے کے لئے کوئی شریک سفر پیدا فرما۔ چنانچہ آپ کو آنحضرت ﷺ کی طرح ایک فاروق کی بشارت دی گئی۔ یہ فاروق حضرت مولانا نورالدین شاہی طبیب تھے۔ [۶۴]

۱۸۸۵ء میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے نشان نمائی کی دعوت [۶۵] کا ایک اشتہار شائع فرمایا حضرت مولانا نورالدین صاحب بھیروی ریاست جموں کے شاہی طبیب کی حیثیت سے جموں میں مقیم تھے۔ کہ یہیں آپ کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا اشتہار ملا اور آپ حضرت کی زیارت کے لئے دیوانہ وار جموں سے قادیان روانہ ہو گئے۔ آپ کے اس پہلے سفر کی مفصل کی روداد ذیل میں خود حضرت مولانا نورالدین کے حقیقت افروز قلم سے لکھتا ہوں۔ فرماتے ہیں۔

"حضرت مرزا صاحب کا خیال مجھے پہلے پہلے اس بات سے پیدا ہوا کہ ایک بڑا انگریزی تعلیم یافتہ

اور بہت بڑا عہدہ دار شخص جو کہ مسلمان کہلاتا تھا میرا اس سے حضرت نبی کریم ﷺ کی نبوت کے معاملہ میں مباحثہ ہوا کیونکہ وہ ایسے دعاوی کو حقارت کی نگاہ سے دیکھتا تھا۔ آخر کار دوران گفتگو میں اس نے تسلیم کیا کہ میں حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کو خاتم النبین یقین کرتا ہوں۔ لہٰذا اس معاملہ میں میں اب بحث نہیں کرتا۔ اس پر میں نے اس سے پوچھا بھلا ختم نبوت کی کوئی دلیل تو بیان کرو کیونکہ میرا خیال تھا کہ اس شخص نے اس وقت یہ اقرار صرف پیچھا چھڑانے کی غرض سے کر لیا ہے چنانچہ میرا وہ خیال درست نکلا اور اس نے یہ جواب دیا کہ آنحضرت ﷺ کی کمال دانائی اور عاقبت اندیشی اس امر سے مجھے معلوم ہوتی ہے کہ آپ نے ختم نبوت کا دعویٰ کیا۔ کیونکہ آپ زمانہ کی حالت سے یہ یقین کر چکے تھے کہ لوگوں کی عقلیں اب بہت بڑھ گئی ہیں اور کہ آئندہ ایسا زمانہ اب نہیں آئے گا کہ لوگ آئندہ کسی کو مرسل یا مہبط وحی مان سکیں۔ اس بناء پر آپؐ نے (نعوذ باللہ) دعویٰ کر دیا کہ میں ہی خاتم النبین ہوں۔ اور یہی وجہ ہے کہ میں آپؐ کو بڑے اعلیٰ درجہ کا دانا اور عاقبت اندیش انسان مانتا ہوں میں نے اس دلیل کو سن کر بہت ہی رنج کیا اور میرے دل کو سخت صدمہ اور دکھ پہنچا کہ یہ شخص بڑا ہی محجوب ہے اور بے باک ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ یہ اولیائے کرام کے حالات سے بھی نابلد محض ہے۔ اب چونکہ ایک طرف تو اس سے مباحثہ ہوا تھا اور اس کا صدمہ دل پر ابھی باقی تھا دوسری طرف وہیں کے پرائم منسٹر نے مجھے حضرت اقدس کا پہلا اشتہار دیا۔ جس میں [۴۶] اس سوفسطائی کا ظاہر اور بین جواب تھا جونہی کہ پرائم منسٹر نے مجھے وہ اشتہار دیا میں فوراً اسے لے کر اس عہدہ دار کے پاس گیا اور اس سے کہا کہ دیکھو تمہاری وہ دلیل کیسی غلط اور ظنی ہے۔ اس وقت بھی ایک شخص نبوت کا مدعی موجود ہے۔ اور وہ کہتا ہے خدا مجھ سے کلام کرتا ہے یہ سن کر وہ نہایت گھبرایا اور متحیر ہو کر بولا۔ اچھا دیکھا جاوے گا۔ میں تو چونکہ مجھے ایک تازہ چوٹ اس وقت لگی تھی فوراً اس اشتہار کے مطابق اس امر کی تحقیق کے واسطے قادیان کی طرف چل پڑا اور روانگی سے پہلے اور دوران سفر میں اور پھر قادیان کے قریب پہنچ کر قادیان کو دیکھتے ہی نہایت اضطراب اور کپکپا دینے والے دل سے دعائیں کیں۔ جب میں قادیان پہنچا۔ تو جہاں میرا یکہ ٹھہرا وہاں ایک بڑا محراب دار دروازہ نظر آیا جس کے اندر چارپائی پر ایک بڑا ذی وجاہت آدمی بیٹھا نظر آیا۔ میں نے یکہ بان سے پوچھا کہ مرزا صاحب کا مکان کونسا ہے جس کے جواب میں اس نے اسی رشائل مشبہ داڑھی والے کی طرف جو اس چارپائی پر بیٹھا تھا اشارہ کیا کہ یہی مرزا صاحب ہیں مگر خدا کی شان اس کی شکل دیکھتے ہی میرے دل میں ایسا انقباض پیدا ہوا کہ میں نے یکے والے سے کہا کہ ذرا ٹھہر جاؤ میں بھی تمہارے ساتھ ہی جاؤں گا اور وہاں میں نے تھوڑی دیر کے واسطے بھی ٹھہرنا گوارا نہ کیا۔ اس شخص کی شکل ہی میرے واسطے ایسی صدمہ دہ تھی کہ جس کو میں ہی سمجھ سکتا ہوں۔ آخر طوعاً

کرہامیں اس مرزا کے پاس پہنچا ۲۷۔ میرا دل ایسا منقبض اور اس کی شکل سے متنفر تھا کہ میں نے السلام علیک تک بھی نہ کہی کیونکہ میرا دل برداشت ہی نہیں کرتا تھا۔ الگ ایک خالی چارپائی پڑی تھی اس پر میں بیٹھ گیا اور دل میں ایسا اضطراب اور تکلیف تھی کہ جس کے بیان کرنے میں وہم ہوتا ہے کہ لوگ مبالغہ نہ سمجھیں۔ بہرحال میں وہاں بیٹھ گیا۔ دل میں سخت متحیر تھا کہ میں یہاں آیا کیوں۔ ایسے اضطراب اور تشویش کی حالت میں اس مرزا نے خود ہی مجھ سے پوچھا کہ آپ کہاں سے آئے ہیں میں نے نہایت روکھے الفاظ اور کبیدہ دل سے کہا کہ پہاڑ کی طرف سے آیا ہوں۔ تب اس نے جواب میں کہا کہ آپ کا نام نور الدین ہے؟ اور آپ جموں سے آئے ہیں؟ اور غالباً آپ مرزا صاحب کو ملنے آئے ہوں گے؟ بس یہ لفظ تھا جس نے میرے دل کو کسی قدر ٹھنڈا کیا۔ اور مجھے یقین ہوا کہ یہ شخص جو مجھے بتایا گیا ہے مرزا صاحب نہیں ہیں۔ میرے دل نے یہ بھی گوارا نہ کیا کہ میں اس سے پوچھتا کہ آپ کون ہیں۔ میں نے کہا ہاں اگر آپ مجھے مرزا صاحب کے مکانات کا پتہ دیں تو بہت ہی اچھا ہو گا۔ اس پر اس نے ایک آدمی مرزا صاحب کی خدمت میں بھیجا اور مجھے بتایا کہ ان کا مکان اس مکان سے باہر ہے اتنے میں حضرت اقدسؑ نے اس آدمی کے ہاتھ لکھ بھیجا کہ نماز عصر کے وقت آپ ملاقات کریں۔ یہ بات معلوم کر کے میں معاً اٹھ کھڑا ہوا اور اس جگہ نہ ٹھہرا"۔

"چنانچہ آپ اس وقت سیڑھیوں سے اترے تو میں نے دیکھتے ہی دل میں کہا کہ بس یہی مرزا ہے اور اس پر میں سارا ہی قربان ہو جاؤں"۔

"حضرت اقدس تشریف لائے اور مجھ سے فرمایا کہ میں ہوا خوری کے واسطے جاتا ہوں کیا آپ بھی ہمارے ساتھ چلیں گے؟ میں نے عرض کیا کہ ہاں۔ چنانچہ آپ دور تک میرے ساتھ چلے گئے اور مجھے یہ بھی فرمایا کہ امید ہے کہ آپ جلد واپس آجائیں گے حالانکہ میں ملازم تھا اور بیعت وغیرہ کا سلسلہ بھی نہیں تھا۔ چنانچہ میں پھر آگیا۔ اور ایسا آیا کہ یہیں کا ہو رہا۔ مومن میں ایک فراست ہوتی ہے"۔

"رستے میں میں نے ایک رؤیا بیان کیا جس میں میں نے نبی کریم ﷺ کو دیکھا تھا اور عرض کیا تھا کہ کیا حضرت ابو ہریرہؓ کو آپ کی احادیث بہت کثرت سے یاد تھیں؟ اور کیا وہ آپ کی باتوں کو ایک زمانہ بعید تک بھی نہیں بھولا کرتے تھے؟ آپ نے فرمایا۔ ہاں۔ میں نے عرض کیا۔ کیا کوئی تدبیر ہو سکتی ہے کہ جس سے آپ کی حدیث نہ بھولے آپ نے فرمایا کہ وہ قرآن شریف کی ایک آیت ہے جو میں تمہیں کان میں بتا دیتا ہوں۔ چنانچہ آپ نے اپنا منہ مبارک میرے کان کی طرف جھکایا اور دوسری طرف معاً ایک شخص نور الدین نام میرے شاگرد نے مجھے بیدار کر دیا اور کہا ظہر کا وقت ہے آپ اٹھیں۔

یہ ایک ذوقی بات تھی کہ میں نے مرزا صاحب کے سامنے اسے پیش کیا کہ کیوں وہ معاملہ پورا نہ ہوا؟ اس پر آپ کھڑے ہو گئے اور میری طرف منہ کر کے ذیل کا شعر پڑھا ۔

من ذرہ ز آفتابم ہم از آفتاب گویم
نہ شبم نہ شب پرستم کہ حدیث خواب گویم

پھر فرمایا کہ جس شخص نے آپ کو جگایا تھا اسی کے ہم معنی کوئی آیت قرآن کریم کی ہے اور وہ یہ ہے - لا یمسه الا المطهرون. غرض یہ تو ایک پہلا بیج تھا جو میرے دل میں بویا گیا اور حضرت مرزا صاحب کی سادگی جواب اور وسعت اخلاق اور طرز ادا نے میرے دل پر ایک خاص اثر کیا"۔ ۴۸

حضرت مولانا ملاقات کرتے ہی واپس جموں تشریف لے گئے اور پھر دوبارہ حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ آپ کی راہ میں مجاہدہ کیا ہے؟ اس کے جواب میں حضرت اقدسؑ نے فرمایا کہ مجاہدہ یہی ہے کہ عیسائیوں کے مقابل پر ایک کتاب لکھو - آپ نے عرض کیا کہ بعض سوال اس قسم کے ہوتے ہیں جن میں الزامی جواب ہی دشمن کو خاموش کرتا ہے - لہٰذا اگر ان کے بعض اعتراضات میں صرف الزامی جواب دیا جائے تو کیا آپ اس طریق کو پسند فرمائیں گے - فرمایا بڑی ہی بے انصافی ہو گی اگر ایک بات جسے انسان خود نہیں مانتا دوسرے کو منوانے کے واسطے تیار ہو - ہاں اگر کوئی ایسا ہی مشکل سوال آپ کی راہ میں آجائے جس کا جواب ہرگز آپ کی سمجھ میں نہ آسکے تو مناسب طریق یہ ہے کہ آپ یہ سوال نہایت ہی خوشخط اور جلی قلم سے لکھ کر اپنی نشست گاہ کے سامنے جہاں ہمیشہ نظر پڑتی رہے لٹکا دیا کریں - یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ آپ پر اپنے خاص فضل سے فیضان نازل فرمائے اور یہ عقدہ حل ہو جائے"۔ حضرت مولانا فرماتے تھے کہ اس طریق دعا کا میں پہلے ہی قائل تھا کہ مجھے اس کی مضبوط چٹان پر حضرت اقدس نے کھڑا کر دیا - ۴۹ ان ابتدائی ملاقاتوں کے نتیجے میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے آپ کا باقاعدہ سلسلہ مراسلت قائم ہو گیا جو قادیان کی ہجرت تک جاری رہا اور پھر تو آپ یہیں کے ہو رہے - ۵۰

حواشی

۱۔ حیات النبی جلد اول نمبر دوم صفحہ ۱۹۲

۲۔ "براہین احمدیہ" حصہ سوم (طبع اول) صفحہ ۲۳۸-۲۴۲ حاشیہ در حاشیہ و آئینہ کمالات اسلام صفحہ ۵۵۰

۳۔ سورہ صف:۱۰ (ترجمہ:- "وہ خدا ہی ہے جس نے اپنا رسول ہدایت اور دین حق دے کر بھیجا ہے تا اسے تمام ادیان پر غالب کر دے"

۴۔ "براہین احمدیہ" جلد سوم (طبع اول) صفحہ ۲۴۳-۲۴۴

۵۔ تحفہ گولڑویہ صفحہ ۲۶-۲۷ (طبع اول)

۶۔ (سورۃ صف و سورہ جمعہ) مشہور ترکی عالم موسیٰ جار اللہ لکھتے ہیں کہ "و معنی ھذۃ الایہ الکریمہ الثالثہ ھو الذی بعث فی الامیین رسولا و بعث فی الاخرین رسلا من اخرین فکل امہ لھا رسول من نفسھا و ھولاء الرسل ھم رسل الاسلام فی الامم"۔ ("کتاب فی حروف اوائل السور" شائع کردہ بیت الحکمہ مطبوعہ ۱۷ فروری ۱۹۴۲ء) یعنی اللہ تعالیٰ نے جس طرح امیوں میں رسول مبعوث فرمایا اسی طرح آخرین میں بھی بھیجے گا۔ اور یہ عہد اسلام کے رسول ہیں۔

۷۔ مسلم مصری جلد دوم صفحہ ۵۱۶ (حدیث نواس بن سمعان)

۸۔ بحار الانوار جلد ۱۳ صفحہ ۲۰۲ (باقر مجلسی) مطبوعہ ایران ۱۳۰۲ھ۔

۹۔ الرحمتہ المھداۃ صفحہ ۳۳۸ بحوالہ حلیہ مرتبہ مولانا سید نور الحسن قنوجی مطبوعہ ۱۳۰۱ھ "نشر الطیب" ۲۶۲ (از مولانا اشرف علی صاحب تھانوی) شائع کردہ تاج کمپنی و "ترجمان السنہ" جلد اول ۴۲۴ از استاذ الحدیث مولانا بدر عالم صاحب رفیق ندوۃ المصنفین) ایضاً "الخصائص الکبریٰ" حصہ اول صفحہ ۱۲ (از علامہ حضرت جلال الدین سیوطیؒ) مطبوعہ حیدر آباد دکن ۱۳۱۹ھ۔

۱۰۔ "تریاق القلوب" طبع اول صفحہ ۶۹ و "آئینہ کمالات اسلام" صفحہ ۵۵۱

۱۱۔ الحکم ۱۷۔ اگست ۱۸۹۹ء صفحہ ۶ کالم نمبر ۲

۱۲۔ بدر ۱۱۔ جون ۱۹۰۸ء صفحہ ۱۰ کالم نمبر ۱

۱۳۔ الوصیت صفحہ ۱۱ طبع اول مطبوعہ ۲۴۔ دسمبر ۱۹۰۵ء۔

۱۴۔ (ترجمہ) اللہ تعالیٰ صرف اپنے برگزیدہ رسولوں کو ہی اپنے غیب پر غالب کرتا ہے

۱۵۔ الوصیت صفحہ ۱۱ طبع اول۔

۱۶۔ چشمہ معرفت صفحہ ۳۲۵

۱۷۔ تتمہ حقیقتہ الوحی صفحہ ۶۸۔

۱۸۔ "تجلیات الٰہیہ" حاشیہ صفحہ ۹۔

۱۹۔ "براہین احمدیہ" حصہ سوم (طبع اول حاشیہ در حاشیہ صفحہ ۲۶۱ و صفحہ ۲۶۲)

۲۰۔ "براہین احمدیہ" حصہ سوم حاشیہ نمبر ۱۱ صفحہ ۲۴۷

۲۱۔ الحکم ۳۰ اپریل ۱۹۰۲ء صفحہ ۹۔

۲۲۔ حافظ صاحبؓ کا شمار ان اصحاب کبار میں ہے جنہیں ایک لمبے عرصہ تک حضرت مسیح موعودؑ کی خدمت کی توفیق ملی۔ اور وہ سفر و حضر میں ہمیشہ اپنے آقا کے ہمرکاب رہے۔ نماز پنجگانہ کی پابندی میں وہ اپنی مثال آپ تھے حضرت اقدس نے انکے اس جذبہ روحانی کی بڑی تعریف کی ہے اور انہیں "متدین" "متقی" اور "وفادار" کے لقب سے نوازا ہے (ازالہ اوہام صفحہ ۸۱۳-۸۱۷ طبع اول) ان کو یہ عظیم خصوصیت بھی حاصل ہے کہ ان کی عظیم الشان خدمات کے باعث حضرت مسیح موعودؑ نے بشارت دی تھی۔ "جو خدمت میری شیخ حامد علی صاحب نے کی ہے کسی دوسرے نے نہیں کی اور یہ میرے ساتھ ہمیشہ رہا ہے اور جنت میں بھی میرے ساتھ اسی طرح ہوگا"۔ (الحکم مارچ ۱۹۳۴ء وفات ۸ ستمبر ۱۹۱۹ء)

۲۳- نابینا تھے مگر بصیرت کی آنکھیں روشن تھیں بڑے عابد بڑے زاہد سقیم حالت کے باوجود حضرت مسیح موعودؑ کی ہر تحریک میں حصہ لیتے تھے۔ حضور کو دابنا آپ کا معمول تھا ان کی عمر چودہ پندرہ برس کی تھی کہ حضور انہیں اپنے یہاں بلا کر لے گئے اور فرمایا حافظ صاحب ہمارے پاس رہا کریں۔ انہوں نے عرض کیا میں معذور ہوں مجھ سے کوئی کام نہیں ہو سکے گا۔ حضرت نے جواب دیا۔ کہ ہم اکٹھے نماز پڑھ لیا کریں گے اور تو قرآن شریف یاد کیا کر۔ ایک لحاظ سے آپ "اصحاب الصفہ" کے پہلے فرد ہیں جنہیں آپ کے قدموں میں رہنے کی سعادت عطا ہوئی۔ حضرت مسیح موعودؑ کی وفات کی خبر پر انہیں یقین نہیں آتا تھا لیکن جب یقین ہوا تو کہنے لگے۔ "میں آج یتیم ہو گیا ہوں"۔ وفات ۱۶۔ جولائی ۱۹۱۹ء (الحکم ۲۱ فروری تا ۷۔ مارچ ۱۹۳۴ء)

۲۴ تا ۲۶ قادیان سے چار میل کے فاصلہ پر جانب غرب سیکھواں نامی ایک گاؤں ہے۔ یہ تینوں بزرگ قدیم ترین صحابی اور سگے بھائی اسی جگہ کے رہنے والے تھے۔ حضرت اقدس کے ساتھ انہیں ایک فدائیانہ تعلق تھا سلسلہ کے مشہور اور نامور عالم مولوی جلال الدین صاحب شمس سابق مبلغ بلاد عربیہ و انگلستان میاں امام الدین صاحب کے فرزند ہیں اور مولوی قمر الدین صاحب فاضل میاں خیر الدین صاحب کے۔ ان بزرگوں کی وفات علی الترتیب ۱۴' ۱۵۔ اگست ۱۹۲۲ء ۸۔ مئی ۱۹۴۱ء اور ۱۷۔ مارچ ۱۹۴۹ء کو ہوئی۔

۲۷- "احمدیہ نائیجریا مشن" کے کامیاب مبلغ اور جانباز مجاہد حکیم فضل الرحمٰن صاحب رحمہ اللہ علیہ کے والد ماجد۔ آپ حافظ حامد علی صاحبؓ کے رشتہ دار تھے۔ فرمایا کرتے تھے کہ جب میں نے پہلی مرتبہ حضرت مسیح موعودؑ کی زیارت کی تو اس کے بعد اس قدر عشق پیدا ہوا کہ حضور کے دیدار کے بغیر چین نہیں آتا تھا۔ (الحکم ۷۔ دسمبر ۱۹۳۴ء صفحہ ۵) تاریخ وفات ۲۳ مارچ ۱۹۴۲ء

۲۸- آپ کے حضرت اقدسؑ کی خدمت میں لانے کے محرک حافظ حامد علی صاحبؓ تھے وہ جب قادیان آئے تو ابھی مسجد مبارک کی تعمیر کا آغاز نہیں ہوا تھا (الحکم ۲۸۔ مارچ ۱۹۳۴ء) آپ کا انتقال ۷ دسمبر ۱۹۴۵ء کو ہوا۔

۲۹- صاحب کشف والہام تھے اور شعر گوئی میں ایک خاص ملکہ حاصل تھا جو آخر وقت تک تائید دین کے لئے وقف کئے رکھا۔ ان کا مقام خلوص و اطاعت حضرت اقدس کے ان الفاظ سے ظاہر ہے کہ "ان کا جوش سے بھرا ہوا اخلاص اور ان کی محبت صافی جس حد تک مجھے معلوم ہوتی ہے اس کا اندازہ نہیں کر سکتا"۔ ازالہ اوہام صفحہ ۷۸۴ (وفات ۱۵۔ نومبر ۱۹۱۸ء)

۳۰- "براہین احمدیہ" حصہ سوم (طبع اول) صفحہ ۲۴۰

۳۱- ان کا سلسلہ نسب کئی واسطوں کے ساتھ شیخ کبیر حضرت فرید گنج شکرؒ کے خلیفہ قطب الاقطاب شیخ جمال الدین احمد ہانسویؒ (متوفی ۶۵۹ھ) تک جا پہنچتا ہے۔ بڑے مقتدر گدی نشین تھے۔ اور انکی بڑی مانتا تھی لیکن جب حضرت مسیح موعودؑ نے دعوئی ماموریت فرمایا تو مسند امارت چھوڑ کر ماموروقت کی غلامی اختیار کرلی۔ حضرت اقدس نے انہیں اکابر مخلصین کا خطاب دیتے ہوئے لکھا ہے۔ "صاف باطن یک رنگ اور للہی کاموں میں جوش رکھنے والے اور اعلاء کلمہ حق کے لئے بدل و جان ساعی و سرگرم ہیں"۔ (ازالہ اوہام حصہ دوم صفحہ ۸۰۲) آپ نے حضور کے عہد مبارک کے چشم دید واقعات اپنی زندگی میں ہی "تذکرۃ المہدی" کے نام سے شائع فرما دیئے تھے جو نہایت ایمان افروز ہیں۔ ۳۔ جنوری ۱۹۳۵ء کو آپ کا وصال مبارک ہوا۔ (الحکم ۱۴۔ جنوری ۱۹۳۴ء)

۳۲- نہایت بلند پایہ اور جلیل القدر صحابی تھے۔ سرخ چھینٹوں کے کشفی نشان کے حامل براہین احمدیہ (حصہ چہارم) کی طباعت کے مخلص کارکن اور سفر ہوشیار پور میں حضرت کے وفادار خادم۔ مرشد کامل کی تلاش میں تھے کہ اپنے ماموں مولوی محمد یوسف صاحب مرحوم سے حضرت کا ذکر سن کر قادیان پہنچے اور پہلی ملاقات میں ہی اسیر محبت ہو گئے تین روز کے قیام کے بعد اجازت لے کر بٹالہ تک گئے اور پھر واپس آگئے حضور نے واپسی کا سبب پوچھا تو عرض کیا حضور میرا جانے کو دل نہیں چاہتا۔ ریاست پٹیالہ کے قصبہ سنور میں ۱۸۶۱ء میں پیدا ہوئے اور ۷ اکتوبر ۱۹۲۷ء کو اپنے مولائے حقیقی سے جا ملے (الفضل ۱۴ تا ۲۵۔ اکتوبر ۱۹۲۷ء۔ حیات احمد جلد دوم نمبر اول صفحہ ۸۸-۸۹) حضرت اقدس مسیح موعودؑ نے آپ کے متعلق لکھا ہے کہ "یہ جوان صالح اپنی فطری مناسبت کی وجہ سے میری طرف کھینچا گیا میں یقین رکھتا ہوں کہ وہ ان وفادار دوستوں میں سے ہے جن پر کوئی ابتلاء جنبش نہیں لا سکتا"۔ (ازالہ اوہام صفحہ ۷۹۶)

۳۳- آپ مدار ضلع جالندھر کے ایک معزز اور شریف خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ ابتداء محکمہ پولیس میں ملازم ہوئے اور ترقی کر کے کورٹ انسپکٹر کے عہدہ تک پہنچے۔ آپ شروع سے ایک بدنام محکمہ میں ہونے کے باوجود دینی شہرت رکھتے تھے براہین احمدیہ کے مطالعہ نے تو ان کی کایا ہی پلٹ دی اور وہ حضرت اقدس کے ارادتمندوں میں شامل ہو گئے اور پھر وہ مقام حاصل کیا کہ

خدا نے عرش سے انہیں "چودھری رستم علی" کے پیارے نام سے یاد کیا۔ (الحکم-۱۰-اپریل ۱۹۰۵ء) آخری وقت میں آپ تبدیل ہو کر گورداسپور میں آگئے تھے جس کی وجہ سے انہیں حضرت اقدس کی خدمت میں حاضر ہونے کا بہت موقعہ ملتا تھا۔ ملازمت سے سبکدوشی کے بعد دیار حبیب میں آگئے۔ جہاں حضرت مسیح موعودؑ کے مہمانوں کی خدمت کرتے ہوئے ۱۱-جنوری ۱۹۰۹ء کو ابدی نیند سو گئے (حیات احمد جلد دوم نمبر سوم صفحہ ۳۶) حضرت اقدس مسیح موعودؑ نے ان کے اخلاص وعقیدت پر خوشنودی کا اظہار کرتے ہوئے لکھا ہے۔ "یہ ایک جوان صالح اخلاص سے بھرا ہوا میرے اول درجہ کے دوستوں سے ہے ان کے چہرے پر ہی علامت غربت وبے نفسی واخلاص ظاہر ہے کسی ابتلاء کے وقت میں نے اس دوست کو متزلزل نہیں پایا اور جس روز سے ارادت کے ساتھ انہوں نے میری طرف رجوع کیا اس ارادت میں قبض اور افسردگی نہیں بلکہ روز افزوں ہے"۔ (ازالہ اوہام صفحہ ۸۰۶-۸۰۷)

۳۴- نہایت وجیہہ اور بلند قامت بزرگ تھے۔ یکم جنوری ۱۹۳۶ء کو انتقال فرمایا۔ ایک دفعہ جب کہ آپ کشمیر میں ایس۔ڈی۔او کے طور پر تعینات تھے آپ کو عالم رویا میں خبر دی گئی کہ حضرت مسیح موعود کو آپ کی ضرورت ہے قادیان پہنچے تو معلوم ہوا کہ کتاب "نزول المسیح" کی اشاعت روپیہ نہ ہونے کے باعث معرض التوا میں ہے۔ چنانچہ آپ نے اسی وقت ڈیڑھ ہزار کی رقم جو حج بیت اللہ کے لئے جمع کر رکھی تھی حضور کی خدمت میں پیش کر دی۔ نیز وعدہ کیا کہ طباعت کے بقیہ اخراجات کشمیر جاکر ارسال کر دونگا۔ خود حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو ان سے جو بے مثال الفت تھی اس کا اندازہ اس واقعہ سے ہوتا ہے کہ حضرت مولانا عبدالکریم صاحب نے ایک دفعہ ان کی گردن میں ہاتھ ڈال کر فرمایا۔ "شاہ صاحب حضرت صاحب جس طرح آپ کے ساتھ محبت کرتے ہیں اسے دیکھ کر خدا کی قسم ہمیں تو رشک آتا ہے"۔ آبائی وطن لاہور تھا (الحکم ۲۱ ' ۲۸ جنوری ۱۹۳۹ء)

۳۵- "عصائے موسیٰ" صفحہ ۳ یہ صاحب بعد کو اپنے رفقاء سمیت اشد مخالفین میں شامل ہو کر خدا کی قہری تجلی کا شکار ہوئے۔

۳۶- تاریخ مرزا صفحہ ۵۳ طبع دوم (مؤلفہ جناب مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری- ولادت جون ۱۸۶۸ء وفات ۱۹۴۸ء) وسیرت ثنائی صفحہ ۶۹-۳۹۷ مولفہ عبد المجید صاحب خادم سوہدروی ناشر دفتر اہلحدیث سوہدرہ ضلع گوجرانوالہ- اپریل ۱۹۵۲ء

۳۷- مجسم ایثار وفدائیت ۱۱/۱۲ سال کی عمر ہوگی کہ آپ کو کپور تھلہ کے سیشن جج حاجی ولی اللہ صاحب سے "براہین احمدیہ" مل گئی جسے آپ دوسروں کو سناتے سناتے حضرت مسیح موعودؑ کے والہ وشیدا بن گئے اسی دوران میں جالندھر میں حضرت اقدس کی زیارت نصیب ہوئی کپور تھلہ میں واپس آکر اپنے دوستوں میں سے منشی محمد اروڑ خان صاحب (وفات ۲۵- اکتوبر ۱۹۱۹ء) اور محمد خان صاحب (وفات جنوری ۱۹۰۴ء) سے اپنے تاثرات بیان کئے تو انہیں بھی اشتیاق پیدا ہو گیا اور پھر جلد ہی یہ تینوں بزرگ بیعت کا عزم لے کر قادیان پہنچے حضرت اقدس نے فرمایا۔ مجھے بیعت کا حکم نہیں لیکن ہم سے ملتے رہا کرو چنانچہ اس کے بعد یہ بہت دفعہ قادیان گئے۔ اور جب بیعت کا حکم ملا تو شمع احمدیت کے گرد پروانوں کی طرح جمع ہو گئے لدھیانہ پہنچے اور بیعت کر لی۔ اور پھر اخلاص وفدائیت میں مسابقت کی وہ قابل فخر مثال قائم کی کہ عہد اول کے صحابہ کی تصویر آنکھوں کے سامنے پھر گئی۔ حضرت اقدس مسیح موعودؑ نے "ازالہ اوہام" اور آئینہ کمالات اسلام" میں اپنے محبین کا تذکرہ کرتے ہوئے ان کا نمایاں رنگ میں ذکر فرمایا ہے۔ چنانچہ محمد اروڑا خاں صاحب کے متعلق فرمایا کہ "ان کو اس عاجز سے ایک عشق ہے"۔ خان محمد خاں صاحبؓ کی نسبت لکھا ہے کہ "جس قدر انہیں میری نسبت عقیدت وارادت ومحبت ونیک ظن ہے میں اس کا اندازہ نہیں کر سکتا" اور منشی ظفر احمد صاحب کو ان تعریفی کلمات سے یاد کیا ہے کہ "یہ جوان صالح کم گو اور خلوص سے بھرا دقیق فہم آدمی ہے۔ استقامت کے آثار وانوار اس میں ظاہر ہیں" تاریخ وفات ۲۰- اگست ۱۹۴۱ء (حضرت منشی ظفر احمد صاحب کے خود نوشت حالات وروایات کے لئے ملاحظہ ہو ریویو آف ریلیجنز اردو جنوری ۱۹۴۲ء واصحاب احمد جلد چہارم مولفہ ملک صلاح الدین صاحب ایم۔اے درویش قادیان)

۳۸- آپ کے تفصیلی حالات جلد سوم میں آئیں گے' یہاں صرف انکی پہلی ملاقات کا دلچسپ واقعہ درج کرتا ہوں جو ان کی فراست وبصیرت پر ابدی برہان ہے۔ فرمایا کرتے تھے کہ میں ہوشیار پور گیا لیکن حضرت صاحب ہوشیار پور میں (چلہ کشی کے لئے شیخ مہر علی صاحب کے مکان میں) فروکش تھے۔ حامد علی صاحب مکان کے دروازہ پر بیٹھے تھے اور اندر نہیں جانے دیتے تھے مگر باغ میں چھپ کر دروازہ تک پہنچ ہی گیا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ حضرت جلدی جلدی لمبے لمبے قدم اٹھا رہے ہیں میں جھٹ پیچھے کو مڑا اور میں نے اس تیز گامی سے سمجھ لیا کہ یہ شخص صادق ہے ضرور اسے کسی دور کی منزل تک پہنچنا ہے۔ ۲- دسمبر ۱۹۰۵ء کو رحلت فرمائی (الحکم ۷ / ۱۴

جون ۱۹۴۳ء صفحہ ۹)

۳۹۔ حضرت صوفی احمد جان صاحب کے بڑے بیٹے !! نہایت باخدا بزرگ تھے۔ حضرت اقدس کی پہلی زیارت لدھیانہ میں ۱۸۸۴ء میں کی مگر قادیان آنے کا اتفاق بشیر اول کے عقیقہ کی تقریب پر ۱۸۸۷ء میں ہوا۔ ایک لمبے عرصے تک حضرت مسیح موعودؑ اور حضرت خلیفہ ثانی کے خطوط نویس رہے۔ ۸۔ جنوری ۱۹۵۱ء میں اٹھاسی سال کی عمر میں داعی اجل کو لبیک کہا (الفضل ۱۱۔ جنوری ۱۹۵۱ء) حضرت مسیح موعودؑ ان کے بارے میں فرماتے ہیں۔ "یہ جوان صالح میرے مخلص اور محب صادق حاجی حرمین شریفین منشی احمد جان صاحب مرحوم و مغفور کے خلف رشید ہیں اور بمقتضائے الولد سرلابیہ تمام محاسن اپنے والد بزرگوار کے اپنے اندر جمع رکھتے تھے"۔ (ازالہ اوہام صفحہ ۸۱۲)

۴۰۔ حضرت صوفی احمد جان صاحب کے دوسرے فرزند جو "قاعدہ یسرنا القرآن" کے موجد کی حیثیت سے ملک بھر میں مشہور ہوئے آپ نے بھی عقیقہ بشیر اول کے موقعہ پر ہی قادیان کا پہلا سفر اختیار کیا تھا ان کے مزاج میں تصوف کا رنگ بہت غالب تھا انہوں نے صرف اسی شوق میں خوشنویسی سیکھی تا حضور کی کتابوں کی کتابت حضور کے منشاء کے مطابق بہترین ہو سکے۔ چنانچہ حضرت اقدسؑ کی بہت سی کتابوں کے پہلے ایڈیشن آپ ہی کے لکھے ہوئے ہیں جو خوشنویسی کا دلاویز مرقع اور الفت و محبت کی ابدی یادگار ہیں۔ تاریخ وفات ۲۱ جون ۱۹۵۰ء (الفضل ۲۳۔ جون ۱۹۵۰ء)

۴۱۔ مفصل کوائف آئندہ صفحات میں آرہے ہیں۔

۴۲۔ مرقاۃ الیقین صفحہ ۱۹۱ طبع اول صفحہ ۱۹۱۔ ۱۳۳۱ھ مولفہ اکبر شاہ خاں نجیب آبادی مطبوعہ قادیان ۱۳۳۱ھ / ۱۹۱۳ء

۴۳۔ مکتوب سرسید احمد خاں مورخہ ۸ مارچ ۱۸۹۷ء (الحکم ۱۴۔ اپریل ۱۹۳۴ء)

۴۴۔ "آئینہ کمالات اسلام" طبع اول صفحہ ۵۸۱۔ ۵۸۳

۴۵۔ اس اشتہار کا ذکر ۱۸۸۵ء کے واقعات میں آرہا ہے۔

۴۶۔ کتاب "مجدد اعظم" میں اس کی بجائے یہ فرضی واقعہ لکھا ہے کہ "حضرت مولوی صاحب نے ایک دوا جو عطار کی دکان سے منگوائی اس نے جس کاغذ میں دوا رکھ کر بھیجی وہ براہین احمدیہ کا اشتہار تھا"۔ (مجدد اعظم صفحہ ۱۳۶ حصہ اول) ناشر احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور۔ طبع اول دسمبر ۱۹۳۹ء

۴۷۔ امام دین (مرتب)

۴۸۔ الحکم ۲۲۔ اپریل ۱۹۰۸ء صفحہ ۲، ۳ و الحکم ۷۔ فروری ۱۹۱۰ء صفحہ ۷

۴۹۔ الحکم ۲۲۔ اپریل ۱۹۰۸ء صفحہ ۳ کالم نمبر ۳۔

۵۰۔ "مکتوبات بنام خلیفۃ المسیح اول" (مرتبہ عرفانی الکبیرؓ)

ماموریت کا دوسرا سال

مسجد مبارک کی تعمیر

(۱۸۸۳ء)

قادیان میں مسجد اقصیٰ کی موجودگی میں کسی اور مسجد کی بظاہر ضرورت نہیں تھی کیونکہ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام اور معدودے چند افراد کے سوا اس میں کوئی نمازی ہی نہیں تھا۔ مگر چونکہ حضرت مسیح موعودؑ معمور الاوقات انسان تھے اور مستقبل قریب میں آپ کے سپرد تحریک احمدیت کی قیادت ہونے والی تھی اور آپ کے ہاتھوں اسلام کی تائید میں عالمگیر قلمی جنگ کے آغاز کا زمانہ قریب آچکا تھا اس لئے حضور کو پیش آنے والی اور وسیع علمی و روحانی سرگرمیوں کے لئے ایک ایسے بیت الذکر کی ضرورت تھی۔ جو آپ کے تاریخی چوبارے کے پہلو ہی میں (جو الہام میں "بیت الفکر" کے نام سے موسوم ہوا اور جس میں آپ نے "براہین احمدیہ" ایسی عظیم الشان کتاب تصنیف فرمائی) موجود ہو۔ تا کہ تصنیف و تالیف کی مصروفیات کے دوران میں ایک لمحہ بھی ضائع کئے بغیر نمازوں کے التزام کے علاوہ جب چاہیں اپنے مولائے حقیقی کے آستانہ پر بالحاح وزاری عجز و نیاز کر سکیں۔ چنانچہ اس نوع کی متعدد آسمانی مصلحتوں کے مطابق حضرت اقدسؑ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھاری بشارتوں کے ساتھ ایک مسجد کے قیام کی تحریک ہوئی [1]۔ یہ مسجد جو مسجد مبارک کہلاتی ہے آج بھی پوری شان و عظمت کے ساتھ قادیان میں موجود ہے اور عالمگیر شہرت کی حامل ہے۔

مسجد مبارک کی تعمیر

مسجد مبارک کی بنیاد (حضرت پیر سراج الحق صاحب کی گذشتہ عینی شہادت کے مطابق) ۱۸۸۲ء میں اور حضرت شیخ یعقوب علی صاحب تراب کی تحقیق کے مطابق ۱۸۸۳ء میں رکھی گئی تھی۔ حضرت اقدسؑ کے چوبارے کے ساتھ جہاں اس

مسجد کی تاسیس ہوئی دراصل کوئی موزون جگہ موجود نہیں تھی۔ کیونکہ "بیت الفکر" کے عقب میں گلی تھی اور گلی کے ساتھ آپ کے چچا مرزا غلام محی الدین کا رقبہ تھا جس میں ان کے خراس کی قدیم عمارت کے کھنڈر پڑے ہوئے تھے اور اس کے بقیہ آثار میں سے شمالی جانب ایک بوسیدہ سی دیوار کھڑی تھی۔ حضور نے اسی دیوار اور اپنے گھر کی جنوبی دیوار پر اپنے باغ کی دیسی لکڑی سے مسقف تیار کرایا۔ اینٹوں کی فراہمی کے لئے بعض پرانی بنیادوں کی کھدائی کی گئی اور مسجد کی تعمیر آپ کے خاندانی معمار پیراں دتا نے شروع کردی۔ ۳۰ اگست ۱۸۸۳ء میں مسجد کی سیڑھیوں کے بننے کا مرحلہ آیا۔ مسجد کا اندرونی حصہ حتمی طور پر ۹۔ اکتوبر ۱۸۸۳ء تک ایک گونہ پایہ تکمیل تک پہنچ گیا لیکن اس کی سفیدی بعد کو ہوئی۔

قدیم مسجد مبارک کا اندرونی منظر

مسجد مبارک کی اندرونی عمارت کے تین حصے تھے پہلا اور غربی حصہ امام کا محرابی گوشہ تھا جس کے مغرب اور شمال میں دو کھڑکیاں اور شرقی دیوار میں ایک دروازہ تھا جو لکڑی کے تختے سے بند ہو کر دو ایک فرد کی خلوت نشینی کے لئے ایک نہایت مختصر مگر مستقل حجرہ بن جاتا تھا۔ وسطی حصے میں چھ چھ نمازیوں کی دو صفوں کی گنجائش تھی۔ اسی حصے میں "بیت الفکر" کو کھڑکی کھلتی تھی مقابل کی جنوبی دیوار میں ایک کھڑکی روشنی کے لئے نصب تھی اور باہر کے مشرقی حصہ سے الحاق کے لئے ایک دروازہ لگا دیا گیا تھا۔ مسجد کا شرقی حصہ وسطی حصہ سے نسبتاً بڑا تھا یعنی اس میں بعض اوقات تین حصوں میں کم و بیش پندرہ آدمی نماز پڑھ سکتے تھے اس حصے سے باہر ایک طرف زینہ تھا اور دوسری طرف نمازیوں کے وضو وغیرہ کے لئے جگہ اور ایک غسل خانہ بھی بنایا گیا۔ جس میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام گرمیوں میں استراحت بھی فرماتے تھے اور اسی میں سرخی کے چھینٹوں کا نشان بھی ظاہر ہوا [2]۔ شرقی حصے میں تین دروازے تھے پہلا شمالی دیوار میں تھا جو حضرت اقدس کے مکان سے متصل تھا۔ دوسرا زینے سے مسجد تک داخلہ کے لئے اور تیسرا غسل خانے کی جانب جاتا۔ مسجد کے دونوں دروازوں پر آیت "اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَامُ"۔ درود شریف اور مسجد کے متعلق الہامات درج تھے۔ اس تفصیل کے مطابق (قدیم) مسجد مبارک کے اندرونی حصے کا خاکہ یہ تھا۔

مسجد کی بالائی منزل

یہ تو مسجد کی اندرونی عمارت کا نقشہ تھا۔ جہاں تک بالائی منزل کا تعلق ہے وہ اس سے بھی سادہ اور مختصر تھی۔ یعنی گوشہ امام والا حصہ چھوڑ کر باقی چھت کے چاروں کونوں پر چار چھوٹے چھوٹے مینار تھے اور وہاں پہنچنے کے لئے سرخی کے نشان والے کمرے

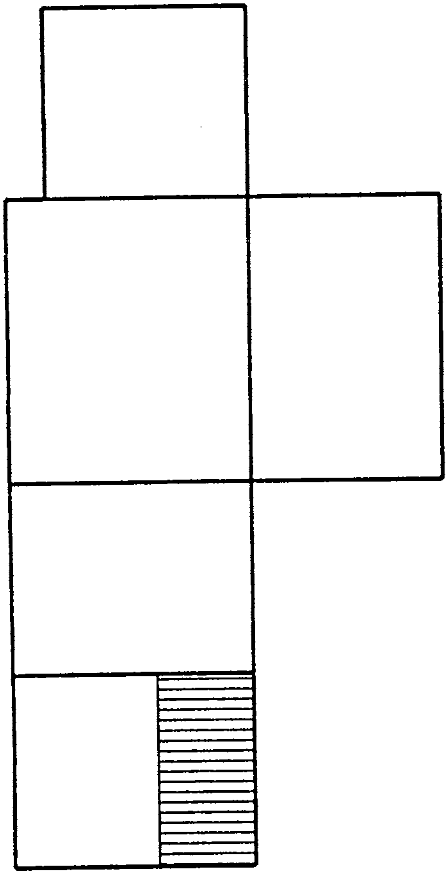

کی چھت پر دو سیڑھیوں کا ایک چوبی زینہ رکھا رہتا۔ قیام جماعت احمدیہ کے بعد جب حضرت مولانا نور الدین صاحب، حضرت مولانا عبدالکریم صاحب اور دوسرے بزرگان سلسلہ قادیان میں ہجرت کر کے آگئے تو اس کے غربی حصے پر شہ نشین بنا دیا گیا جہاں حضرت اقدس نماز مغرب کے بعد اپنے خدام میں رونق افروز ہوتے اور علم و عرفان کے موتی بکھیرتے تھے یہ پاک اور روح پرور محفل "دربار شام" کے پیارے نام سے یاد کی جاتی تھی۔

مسجد مبارک کی تعمیر کے بعد حضرت مسیح موعودؑ مسجد اقصیٰ کی بجائے مسجد مبارک میں نماز ادا فرمانے لگے۔ ابتداء میں اکثر خود ہی اذان دیتے اور خود ہی امامت کے فرائض سرانجام دیتے تھے۔

مسجد کی توسیع

مسجد مبارک کی یہ ابتدائی عمارت چوبیس سال تک اپنی پہلی حالت میں بدستور قائم رہی۔ اس دوران میں صرف یہ خفیف سی تبدیلی کی گئی کہ سرخی کے نشان والا کمرہ جو دو ایک فٹ نشیب میں واقع تھا مسجد کی عام سطح کے برابر کر دیا گیا اور پھر ۱۹۰۷ء میں حضرت میر ناصر نواب صاحب کی نگرانی میں جنوبی طرف پہلی مرتبہ توسیع کی گئی جس کے نتیجہ میں اس کے جنوب مغربی کونے کا مینار قائم نہ رہ سکا۔ اور دو مینار شمالی دیوار میں جذب ہو گئے ایک مینار آج تک اصلی صورت میں موجود ہے۔ مسجد مبارک کی دوسری مرتبہ توسیع خلافت ثانیہ کے عہد میں دسمبر ۱۹۴۴ء میں مکمل ہوئی جس سے یہ مسجد ۱۹۰۷ء کی عمارت سے اپنی فراخی اور کشادگی میں دو چند ہو گئی۔ اس مرتبہ تعمیر کی نگرانی کا کام حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب نے سرانجام دیا [۲]

نواب صدیق حسن خان صاحب کو سزا اور حضرت اقدسؑ کی دعا سے خطابات کی بحالی

نواب صدیق حسن خاں صاحب کی طرف سے "براہین احمدیہ" کی بے حرمتی اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی بد دعا کا جو دلخراش واقعہ صفحہ 188 پر بیان ہو چکا ہے وہ اسی زمانہ (۱۸۸۳ء) میں وقوع پذیر ہوا تھا۔

نواب صاحب مولوی سید اولاد حسن صاحب قنوجی کے فرزند تھے انہوں نے علوم دینی علمائے یمن و ہند سے حاصل کئے۔ پھر ریاست بھوپال کی ملازمت اختیار کرلی اور بتدریج ترقی کر کے وزارت و نیابت پر فائز ہو گئے یہاں تک کہ ان کا بھوپال کی والیہ شاہجہان بیگم صاحبہ سے ۱۸۷۱ء میں عقد ہو گیا جس کے بعد وہ عملاً ریاست کے فرمانروا بن گئے تھے۔ اور حکومت برطانیہ نے انہیں "نواب والاجاہ"۔ "امیر الملک" اور "معتمد المہام" کے خطابات سے نواز دیا۔ نواب صاحب اپنی شاہانہ ٹھاٹ باٹ اور علو مرتبت میں بھی اسلام کی تحریری خدمت سرانجام دے رہے تھے۔ اور ان کی علمی تصانیف کا ہندوستان کے طول و عرض میں ایک شہرہ تھا۔ اور مولوی ابو سعید محمد حسین صاحب بٹالوی تو انہیں "مجدد وقت" تسلیم کرتے تھے۔ [۴] حضرت مسیح موعودؑ نے ان کی اس خصوصیت کی وجہ سے ان کی اسلامی خدمات پر حسن ظن کرتے ہوئے انہیں "براہین احمدیہ" بھجوائی تھی [۵]۔ مگر انہوں نے یہ کتاب پھاڑ کر واپس کر دی اور لکھا کہ "مذہبی کتابوں کی خریداری حکومت وقت کی سیاسی مصلحتوں کے خلاف ہے اس لئے ریاست سے کچھ امید نہ رکھیں"۔ حضرت مسیح موعودؑ نے کتاب کی یہ صورت دیکھی تو آپ کو بہت رنج ہوا اور آپ نے دعا کی کہ ان کی عزت چاک کر دی جائے۔ [۶] خدا کی قدرت دیکھئے اس واقعہ پر ابھی دو تین سال کا عرصہ ہی ہوا تھا کہ ۱۸۸۶ء میں اسی حکومت نے (جس کی خوشنودی کے لئے انہوں نے "براہین احمدیہ" کی توہین کی تھی) ان پر بعض مقدمات دائر کر دیئے اور وہ جرائم پیشہ انسانوں کی طرح ریاست میں معصوموں کے خون بہانے 'سوڈانی مہدی کو امداد بھجوانے اور اپنی مختلف تصانیف میں انگریزی گورنمنٹ کے خلاف بغاوت کی آگ بھڑکانے کے سنگین الزامات میں ماخوذ ہو گئے اور حکومت نے ان پر سرلیپل گریفن کا تحقیقاتی کمیشن بٹھا دیا کمیشن کے فیصلہ کے مطابق ان کے نوابی کے خطابات چھن گئے اور یہاں تک بے آبروئی ہوئی کہ خود مسلمانوں کے ایک طبقہ نے حکومت پر زور دیا کہ اس سیاسی مقدمہ میں ان سے ذرہ بھر رعایت روا نہ رکھی جائے اور ان جرائم کی پاداش میں

وہ تختہ دار پر لٹکا دیئے جائیں یا کالے پانی بھیج دیئے جائیں۔ حتیٰ کہ خود مولوی ابو سعید محمد حسین صاحب بٹالوی کو نواب صاحب کے دفاع میں ایک مبسوط مضمون "اشاعت السنہ" میں لکھنا پڑا۔ اور "گورنر ڈفرن اور سر لیپل گریفن کے حضور میں" نہایت عاجزی کے ساتھ التجا کرنا پڑی کہ وہ نواب صاحب موصوف کے متعلق فیصلے پر نظر ثانی کرتے ہوئے ان کا خطاب بحال فرمائیں۔ وہ گورنمنٹ کے حقیقی اور دلی خیر خواہ ہیں۔ مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی کا شمار حکومت انگریزی کے دلی خیر خواہوں اور حقیقی وفاداروں میں ہوتا تھا اور حکومت کی نگاہ میں ان کی شہادت بڑی وقیع اور پختہ سمجھی جاتی تھی۔ لیکن ان کی یہ اپیل بالکل ناقابل التفات سمجھی گئی اور حکومت ٹس سے مس نہ ہوئی۔ اسی لئے پنڈت لیکھرام نے مارچ ۱۸۸۶ء میں حضرت اقدس کو مخاطب کرتے ہوئے لکھا تھا "آپ تو مقبولوں کے سرغنہ ہیں اور آپ کی دعا تو تقدیر معلق کو باسلوبی ٹال سکتی ہے.......... صدیق حسن خاں معزول ہیں اور ان کی نسبت جو جو مقدمات اور غبن مال سرکاری دائر ہیں ان سے نہایت ملول ہیں...... جناب بیگم صاحبہ والئی بھوپال صدیق حسن خاں معزول کو تین لاکھ دے کر خارج کرنا چاہتی ہیں ان کا ارادہ فسخ کیجئے"۔ [۷]

خدا کی شان پنڈت لیکھرام نے تو یہ بات طنزاً کہی تھی مگر آپ ہی کی دعا کی برکت سے حالات میں تبدیلی واقع ہوئی جس کی تفصیل یہ ہے کہ جب معاملہ تشویشناک صورت اختیار کرتا دکھائی دیا تو خود نواب صاحب موصوف نے سراپا عجز و انکسار بن کر حضرت اقدس کی خدمت میں درخواست دعا لکھی اور مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی نے حضرت اقدس کی خدمت میں ان کی خدمات پیش کرتے اور دعا کی سفارش کا پیغام بھجواتے ہوئے حافظ محمد یوسف صاحب کو قادیان روانہ کیا۔ حافظ صاحب کا بیان ہے کہ میں نے جب حاضر ہو کر حضورؑ کی خدمت میں دعا کی درخواست پیش کی تو حضرت اقدس نے اولاً دعا کرنے سے انکار کر دیا اور براہین کا واقعہ بیان کر کے یہ بھی فرمایا کہ وہ خدا کی رضا پر گورنمنٹ کی رضا کو مقدم کرنا چاہتے تھے اب گورنمنٹ کو راضی کر لیں۔ موحد ہونے کا دعویٰ کر کے ایک زمینی حکومت کے خوف اور وہ بھی دین کے معاملہ میں جس میں خود اس حکومت نے ہر قسم کی آزادی دے رکھی ہے اس پر بہت دیر تک تقریر فرماتے رہے۔ چونکہ مجھ پر مہربانی فرماتے تھے۔ میں نے بھی پیچھا نہ چھوڑا عرض کرتا ہی رہا۔ نواب صاحب کی طرف سے معذرت بھی کی آخر حضرت صاحب نے دعا کرنے کا وعدہ فرما لیا اور میں تو اسی غرض سے آیا تھا جب تک آپ نے دعا نہ کر دی اور یہ نہ فرمایا کہ میں نے دعا کر دی ہے وہ توبہ کریں خدا تعالیٰ توبہ قبول کرنے والا ہے وہ رحم کرے گا حکومت کے اخذ سے وہ بچ جائیں گے۔ خود حضرت اقدس علیہ السلام نے یہ واقعہ اس رنگ میں بیان فرمایا ہے کہ (نواب صاحب موصوف

نے۔ ناقل) "بڑی انکساری سے میری طرف خط لکھا کہ میں ان کے لئے دعا کروں۔ تب میں نے اس کو قابل رحم سمجھ کر اس کے لئے دعا کی تو خدا تعالیٰ نے مجھ کو مخاطب کر کے فرمایا کہ سرکوبی سے اس کی عزت بچائی گئی۔ میں نے یہ اطلاع بذریعہ خط ان کو دے دی اور کئی اور لوگوں کو بھی جو ان دنوں میں مخالف تھے یہی اطلاع دی۔ چنانچہ منجملہ ان کے حافظ محمد یوسف ضلعدار نہر حال پنشنر ساکن امرت سر اور مولوی محمد حسین بٹالوی بھی ہیں"۔ [۸] حافظ صاحب کا یہ بھی بیان ہے کہ میں نے "براہین احمدیہ" کی خریداری کے لئے نواب صاحب کی طرف سے درخواست کی آپ نے اس کو منظور نہ فرمایا۔ ہر چند عرض کیا گیا آپ راضی نہ ہوئے فرمایا میں نے رحم کر کے ان کے لئے دعا کر دی ہے اور خدا تعالیٰ کے فضل سے وہ اس عذاب سے بچ جائیں گے میرا یہ فعل شفقت کا نتیجہ ہے ایسے شخص کو جس نے کتاب کو اس ذلت کے ساتھ واپس کیا میں اب کسی قیمت پر بھی کتاب دینا نہیں چاہتا۔ یہ میری غیرت اور ایمان کے خلاف ہے۔ ان لوگوں کو جو میں نے تحریک کی تھی خدا تعالیٰ کے مخفی اشارہ کے ماتحت اور ان پر رحم کر کے کہ یہ لوگ دین سے غافل ہوتے ہیں براہین کی اشاعت میں اعانت ان کے گناہوں کا کفارہ ہو جائے اور خدا تعالیٰ انہیں کسی اور نیکی کی توفیق دے۔ ورنہ میں نے ان لوگوں کو کبھی امید گاہ نہیں بنایا۔ ہماری امید گاہ تو اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ اور وہی کافی ہے نواب صاحب سنگین مقدمہ میں پانچ سال تک مبتلا رہے اور بالآخر اللہ تعالیٰ نے اپنے وعدہ کے موافق انہیں حکومت کے مواخذہ سے بھی بچا لیا اور ان کے خطابات بھی بحال کر دیئے گئے۔ لیکن افسوس وہ بحالی کی خبر ملنے سے پہلے ہی اس دار فانی سے چل بسے۔ [۹]

مرزا غلام قادر صاحب (برادر اکبر) کی رحلت

حضرت مسیح موعودؑ کی شفیق والدہ آپ سے ۱۸۔ اپریل ۱۸۶۷ء کو اور والد بزرگوار ۲۔ جون ۱۸۷۶ء کو جدا ہو چکے تھے اب ۱۸۸۳ء میں والد بزرگوار کے انتقال کے سات سال بعد آپ کے بڑے بھائی مرزا غلام قادر صاحب بھی ۹۔ جولائی کو رحلت فرما گئے۔ وفات کے وقت ان کی عمر پچپن سال کے لگ بھگ تھی جو دراصل حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی دعا کا نتیجہ تھی ورنہ وہ تو پندرہ سال پہلے ہی لقمہ اجل ہو چکے ہوتے کیونکہ انہیں کم و بیش چالیس سال کی عمر میں ایک شدید بیماری لاحق ہو گئی تھی اور وہ ہڈیوں کا ایک ڈھانچہ رہ گئے تھے اور نقاہت کا یہ عالم ہو گیا تھا کہ چارپائی پر لیٹتے تو کسی کو احساس تک نہ ہوتا کہ یہاں کوئی شخص پڑا ہے۔ ان کی یہ حالت دیکھ کر حضرت اقدس کے والد بزرگوار نے جو ایک حاذق طبیب تھے صاف کہدیا کہ اب یہ چند دن کا مہمان ہے بلکہ خود حضرت مسیح موعودؑ کو بھی

قبل ازیں الہاماً بتایا جا چکا تھا کہ پندرہ دن تک ان کی عمر کا خاتمہ یقینی ہے لیکن حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے خدا تعالیٰ کی بے انتہا قدرتوں کا نظارہ کرنے کے لئے جناب الٰہی کی طرف توجہ کی چنانچہ خدا کے فضل اور آپ کی روحانی توجہ اور دعا کی برکت سے پندرہ دن پندرہ سالوں میں بدل گئے اور مرزا غلام قادر صاحب جو اپنی زندگی کے دن پورے کر چکے تھے "زندہ" ہو کر چند روز تک بالکل صحت یاب ہو گئے اور اس کے بعد پندرہ برس تک بقید حیات رہے۔

مرزا غلام قادر صاحب مرحوم کی وفات کا فوری سبب یہ بیان کیا جاتا ہے کہ مرزا اعظم بیگ لاہوری سابق اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر نے بعض بے دخل شرکاء کی طرف سے آپ کی خاندانی جائیداد میں حصہ دار بننے کے لئے نالش دائر کر دی۔ اور مرزا غلام قادر صاحب اپنی کامیابی کو یقینی سمجھتے ہوئے مقدمہ کی پیروی میں مصروف ہو گئے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے انہیں بھی اور خاندان کے دوسرے تمام افراد کو بھی کھول کھول کر سنا دیا تھا کہ ہمارے لئے مقدمہ میں فتح یابی مقدر نہیں ہے اس لئے اس سے دستبردار ہونا چاہیے۔ لیکن وہ ماننے کے لئے تیار نہ ہوئے اور انہوں نے جواب دیا کہ اب ہم مقدمہ میں بہت کچھ خرچ کر چکے ہیں۔ اگر پہلے کہتے تو ہم مقدمہ نہ کرتے مگر یہ بے حقیقت بات تھی۔ دراصل انہیں اپنی کامیابی کا ابتداء سے کامل یقین تھا اور ماتحت عدالت میں کامیاب بھی ہو گئے مگر بالاخر چیف کورٹ میں ان کے خلاف ڈگری ہوئی اور تمام عدالتوں کا خرچہ بھی ان کے ذمے پڑا۔ اور پیروی مقدمہ میں جو بھاری قرضہ اٹھایا تھا وہ بھی ادا کرنا پڑا۔ جس وقت ڈگری ہو جانے کی خبر آئی تو اس وقت حضرت مسیح موعود علیہ السلام اپنے کمرے میں تھے مرزا غلام قادر صاحب باہر سے کانپتے ہوئے ڈگری کا پرچہ ہاتھ میں لئے اندر آئے اور حضرت کے سامنے وہ کاغذ ڈال دیا اور کہا "لے غلام احمد جو تو کہندا سی او ہو ای ہو گیا اے"۔ یعنی دیکھو غلام احمد جو تم کہتے تھے وہی ہو گیا ہے۔ اور پھر غش کھا کر گر گئے۔ بہرحال انہیں ڈگری سے شدید صدمہ ہوا۔ اور وہ اس غم میں سخت بیمار ہو گئے اور یہی بیماری جان لیوا ثابت ہوئی۔ آپ تقریباً دو سال اس بیماری میں مبتلا رہے۔ جس دن آپ کی وفات مقدر تھی۔ اس کی صبح کو حضرت اقدس کو الہام ہوا کہ "جنازہ" اور شام ۷ بجے وہ انتقال کر گئے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو یاد الٰہی اور خدمت دین میں جس درجہ استغراق تھا اسی قدر شیفتگی اپنے والد بزرگوار کے بعد مرزا غلام قادر صاحب کو دینوی معاملات میں تھی۔ ایک کا دل اسلام کی گم گشتہ حکومت کو دنیا بھر میں قائم کرنے کے لئے ہر لحہ مضطرب اور بے قرار تھا اور دوسرے کے مدنظر فقط قادیان کی مٹی ہوئی ریاست کے باقی ماندہ نقوش کا رنگ و روغن اور ان کی حفاظت تھی۔

مطمح نظر کا یہ بعد المشرقین ہی تھا جس کی وجہ سے انہیں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا یہ مسلک

ہمیشہ ناگوار گزرتا تھا لیکن اگر وہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی طرح کشفی آنکھ سے کبھی یہ دیکھ پاتے کہ جس جائیداد کی واپسی کی خاطر وہ اپنی عمر و دولت ضائع کر رہے ہیں وہی آپ کے چھوٹے بھائی کی روحانی برکتوں کے طفیل کچھ عرصہ بعد خود بخود ان کے خاندان میں منتقل ہو جائے گی اور پھر حضرت مسیح موعودؑ اور آپ کے خاندان کی روحانی عظمت کا سکہ ساری دنیا پر بیٹھ جائے گا تو ممکن نہیں تھا کہ وہ اس حقیر اور معمولی مقصد کا خیال تک دل میں لاتے۔ انہیں حضرت مسیح موعودؑ نے مقدمہ میں ناکامی کی قبل از وقت خبر بھی دی مگر وہ اپنی افتاد طبع کے باعث اپنی رائے بدلنے پر قادر نہیں ہو سکے۔

اس خالص دینی نقطہ نگاہ سے قطع نظر وہ بڑے ملنے کے انسان تھے شکل و شباہت نہایت درجہ پر رعب پائی تھی انہوں نے محکمہ نہر اور ضلع گورداسپور کے دفتر میں ایک لمبا عرصہ ملازمت کی اور ہر جگہ اپنی اصابت رائے اور معاملہ فہمی سے حکومت کے بڑے بڑے افسروں کو اپنا مداح بنا لیا۔ وہ شجاعت اور غریب پروری کی نہایت اعلیٰ صفات سے پوری طرح متصف تھے۔ آپ کو اگرچہ حضرت اقدسؑ کے روحانی مشرب سے کوئی مناسبت نہیں تھی مگر آپ حضور کا احترام کرتے تھے۔ آپ کے روحانی کمالات شب بیداری اور دعاؤں کی قبولیت کے قائل تھے۔ خاندانی مذاق کے موافق شعر و شاعری میں بھی درک تھا اور مفتون تخلص کرتے تھے۔

مرزا غلام قادر صاحب مرحوم لاولد تھے اور ان کی جائیداد کے بھی آپ ہی وارث تھے ان کے ورثاء میں آپ کے سوا کوئی اور شخص ہوتا تو اپنے بھائی کی وفات کے معاً بعد اس جائیداد پر قابض ہو جاتا مگر آپ نے اس موقعہ پر یہ شاندار نمونہ پیش فرمایا کہ آپ نے اپنی بھاوج [10] حرمت بی بی صاحبہ کی دلداری کے لئے جائیداد پر قبضہ نہیں کیا بلکہ پوری جائیداد اپنے فرزند اور ان کے متبنی حضرت صاحبزادہ مرزا سلطان [11] احمد صاحب کے زیر انتظام کر دی اور خود بدستور اعلائے کلمۃ الاسلام ہی میں مصروف رہے۔ بعد کو جب وہ ملازم ہو گئے اور جائیداد تقسیم ہو کر نصف ترکہ آپ کے نام درج ہو گیا تب بھی آپ کو ان معاملات میں کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ مرزا اسمٰعیل بیگ صاحب یا دوسرے خدام اس کی نگرانی کرتے تھے اور جو کچھ وہ لا دیتے حضرت اقدس تحقیق کئے بغیر وصول کر لیتے۔ بعض اوقات ایسا ہوتا کہ بعض ہوشیار کارندے چالاکی سے آپ کو نقصان بھی پہنچا دیتے۔ مگر آپ ان باتوں سے بالکل بے نیاز ہو کر اپنی دینی خدمت میں مستغرق رہتے تھے۔ دراصل بات یہ تھی کہ آپ کی بھاوج نے حضرت مرزا سلطان احمد صاحب کو رسمی طور پر متبنی قرار دیا تھا اور درخواست کی تھی کہ اسے نصف حصہ دے دیا جائے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے تبنیت کے سوال پر تو صاف صاف کہدیا کہ اسلام میں یہ جائز نہیں ہے۔ مگر محض ان کی دلداری کی خاطر آدھی جائداد مرزا سلطان احمد صاحب کے

نام لکھ دی اور یہ سمجھ لیا کہ آپ نے ان کا حصہ اپنی زندگی میں ادا کر دیا ہے مرزا غلام قادر صاحب مرحوم نے اپنی زندگی میں ڈگری ہونے کے باوجود فریق مخالف کو جائیداد سپرد نہیں کی تھی۔ لیکن حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ان کی وفات کے بعد جہاں مرزا سلطان احمد صاحب کو نصف جائیداد دی وہاں انہیں بلا کر قبضہ دے دینے کا ارشاد بھی فرمایا۔ نیز اراضی کی تقسیم کے متعلق نصیحت فرمائی کہ شرکاء جس طرح چاہیں تقسیم کر لیں تم دخل نہ دینا اور تسلیم کر لینا۔ چنانچہ اس موقعہ پر خاندان کے ایک قدیم کارکن کی طرف سے (جو اس وقت مرزا اعظم بیگ ہی کے ملازم تھے) اگرچہ یہ مشورہ بھی دیا گیا کہ وہ مرزا غلام قادر صاحب مرحوم کی طرح تقسیم قبول کرنے پر ہرگز آمادہ نہ ہوں۔ مگر انہوں نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے حکم کی تعمیل میں فریق مخالف کو قبضہ بھی دے دیا اور جائیداد کا ایک حصہ نہایت سستے داموں فروخت کر کے اخراجات مقدمہ میں ادا کر دیئے [۱۲]

مقام ماموریت سے متعلق بعض مزید تفصیلات

ماموریت کا وہ منصب جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو ۱۸۸۲ء میں عطا ہوا تھا اس کے متعلق بعض مزید تفصیلات اس سال آپ پر ظاہر کر دی گئیں اور آپ کو بتایا گیا کہ آپ محدث اللہ، عیسیٰ دوران اور خدا کے نبی ہیں۔ [۱۳] عجیب بات یہ ہے کہ جیسا کہ یہودی تاریخ کے مطابق حضرت مسیح ناصری اپنے متبوع حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ولادت سے ٹھیک ۱۲۷۲ برس بعد پیدا ہوئے تھے اسی طرح حضرت اقدس علیہ السلام کو بھی رسول اکرم ﷺ کے دعویٰ رسالت سے ٹھیک ۱۲۷۲ برس بعد "عیسیٰ" کے عہدے پر سرفراز فرمایا گیا۔ آنحضرت ﷺ نے ۶۱۰ء میں دعویٰ نبوت فرمایا اور ٹھیک ۱۲۷۲ سال بعد ۱۸۸۳ء میں یہ الہامات نازل ہوئے گویا مسیح موسوی کا جسمانی اور مسیح محمدی کا روحانی ظہور اپنے اپنے دائرہ میں ایک ہی سال میں وقوع میں آیا۔ [۱۴]

جیسا کہ ابتداء میں بتایا جا چکا ہے ان الہامات کے نزول کے ساتھ تصرف الٰہی سے یہ ہوا کہ آپ پر اپنی بعثت کے ابتدائی ایام میں یہ راز بالکل نہیں کھلا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو مسیح بنا کر بھیجا ہے اور آپ نے براہین احمدیہ حصہ چہارم میں یہ رسمی عقیدہ بھی درج فرما دیا کہ حضرت مسیح علیہ السلام دوبارہ دنیا میں تشریف لائیں گے۔ حضرت مسیح موعودؑ کا اس زمانہ میں اپنے قلم سے مسیح ناصری کی دوبارہ آمد کا اقرار کرنا خدائی مصلحت کے مطابق اور حضور کی سادگی اور عدم بناوٹ پر ایک چمکتا ہوا نشان تھا۔ چنانچہ بعد کو جب دعویٰ مسیحیت کے وقت آپ پر حیات مسیح کے متعلق گذشتہ عقیدہ کی آڑ میں اعتراضات کئے گئے تو آپ نے صاف جواب دیا کہ "جب تک مجھے خدا نے اس طرف توجہ نہ دلائی اور بار بار نہ

سمجھایا کہ تو مسیح موعود ہے اور عیسیٰ فوت ہو گیا ہے تب تک میں اسی عقیدہ پر قائم تھا جو تم لوگوں کا عقیدہ ہے اسی وجہ سے کمال سادگی سے میں نے حضرت مسیح کے دوبارہ آنے کی نسبت براہین میں لکھا ہے۔ جب خدا نے مجھ پر اصل حقیقت کھول دی تو میں اس عقیدہ سے باز آگیا۔ میں نے بجز کمال یقین کے جو میرے دل پر محیط ہو گیا اور مجھے نور سے بھر دیا۔ اس رسمی عقیدہ کو نہ چھوڑا۔ حالانکہ اسی براہین میں میرا نام عیسیٰ رکھا گیا تھا اور مجھے خاتم الخلفاء ٹھہرایا گیا تھا اور میری نسبت کہا گیا تھا کہ تو ہی کسر صلیب کرے گا۔ اور مجھے بتلایا گیا تھا تیری خبر قرآن اور حدیث میں موجود ہے اور تو ہی اس آیت کا مصداق ہے۔ هو الذی ارسل رسوله بالهدى و دين الحق ليظهره على الدين كله۔ نیز فرمایا۔ "پھر میں قریباً بارہ برس تک جو ایک زمانہ دراز ہے بالکل اس سے بے خبر اور غافل رہا کہ خدا نے مجھے بڑی شدومد سے براہین میں مسیح موعود قرار دیا ہے اور میں حضرت عیسیٰ کی آمد ثانی کے رسمی عقیدہ پر جما رہا۔ جب بارہ برس گزر گئے تب وہ وقت آگیا کہ میرے پر اصل حقیقت کھول دی جائے تب تواتر سے اس بارہ میں الہامات شروع ہوئے کہ تو ہی مسیح موعود ہے۔ پس جب اس بارہ میں انتہاء تک خدا کی وحی پہنچی اور مجھے حکم ہوا فاصدع بما تومر یعنی جو تجھے حکم ہوتا ہے وہ کھول کر لوگوں کو سنا دے اور بہت سے نشان مجھے دیئے گئے اور میرے دل میں روز روشن کی طرح یقین بٹھا دیا گیا تب میں نے یہ پیغام لوگوں کو سنا دیا یہ خدا کی حکمت عملی میری سچائی کی ایک دلیل تھی۔ اور میری سادگی اور عدم بناوٹ پر ایک نشان تھا اگر یہ کاروبار انسان کا ہوتا اور انسانی منصوبہ اس کی جڑ ہوتی تو میں براہین احمدیہ کے وقت میں ہی یہ دعویٰ کرتا کہ میں مسیح موعود ہوں"۔ [۱۵]

مسلمانانِ عالم کے روشن مستقبل کے متعلق ایک خبر

انیسویں صدی کا ربع آخر دنیائے اسلام کے لئے نہایت درجہ مایوس کن، جگر سوز اور روح فرسا دور تھا۔ ہندوستان میں ۱۸۵۷ء کے "انقلاب" کے بعد مغلیہ خاندان کی بساط سیاست پلٹ چکی تھی۔ ترکی اور ایران کی منڈیوں پر یورپ کے سرمایہ دار قابض تھے۔ مصر نہر سویز کے جاری ہونے پر برطانوی اقتدار کے شکنجے میں آچکا تھا اور وہاں احمد عربی پاشا کی قیادت میں فرنگی اور ترکی اقتدار کے خلاف قومی تحریک اٹھ چکی تھی اور برطانیہ کی امداد کے لئے ہندوستانی فوج کی نئی کمک پہنچ رہی تھی عرب قبائل والئی نجد کے خلاف خانہ جنگی میں مصروف تھے۔ ٹیونس، الجیریا اور مراکش فرانسیسی اثر کے زیر نگین تھے اور ایران میں ہر طرف بدنظمی اور ابتری کا دور دورہ تھا۔ [۱۶] اور یورپ کی سیاسی قوتیں جو طوفان بن کر اٹھی تھیں ہر طرف آندھی بن کر چھا چکی تھیں اور اسلامی دنیا مرد بیمار کی طرح سسکتے

ہوئے بزبان حال پکار رہی تھی۔ ؎

وہ بیمار قریب مرگ ہے، اسلام واویلا مسیحا کو نہیں ہے جس کی امید شفا باقی ۱۷

اللہ تعالیٰ نے اسلامی دنیا کی زہرہ گداز اور درد انگیز کس مپرسی کے اس دور میں مسیح موعود علیہ السلام کو بذریعہ رویا خبر دی کہ "عنایت الٰہیہ مسلمانوں کی اصلاح اور ترقی کی طرف متوجہ ہے اور یقین کامل ہے کہ اس قوت ایمان اور اخلاص اور توکل کو جو مسلمانوں کو فراموش ہو گئے ہیں پھر خداوند کریم یاد دلائے گا اور بہتوں کو اپنے خاص برکات سے متمتع کریگا۔ کہ ہریک برکت ظاہری اور باطنی اسی کے ہاتھ میں ہے"۔ ۱۸

مسلمانوں کی از سر نو ترقی اور عروج کے بارہ میں یہ تاریخی الہام بھی نازل ہوا کہ "بخرام کہ وقت تو نزدیک رسید و پائے محمدیاں بر منار بلند تر محکم افتاد"۔ یعنی خوش ہو کہ تیری ترقی کا وقت قریب آپہنچا اور مسلمانوں کا قدم ایک بہت بلند مینار پر مضبوط پڑا۔ اس الہام الٰہی میں مسلمانان عالم کے عظیم الشان اور روشن مستقبل کی خبر دی گئی تھی۔

اللہ تعالیٰ کی ان بشارتوں کے مطابق اس کے فضل سے نہ صرف ۱۴۔ اگست ۱۹۴۷ء سے پاکستان ایسی عظیم الشان اسلامی مملکت معرض ظہور میں آچکی ہے بلکہ دنیا کے مسلمان پستی کی حالت سے نکل کر آہستہ آہستہ شان و شوکت کے اس مضبوط اور بلند مینار کی طرف آرہے ہیں جس کی خبر آپ کو دی گئی تھی۔ ایران۔ مصر۔ تیونس، مراکش اور لیبیا اب غیر ملکی چنگل سے آزاد ہو چکے ہیں۔ سوڈان خود مختار ہو چکا ہے۔ انڈونیشیا میں مسلمان حکومت قائم ہو چکی ہے۔ ترکی بڑی تیزی سے ترقی کی شاہراہ پر گامزن ہے۔ الجیریا وغیرہ ممالک گو ابھی تک غلامی کی زنجیروں میں ہیں مگر ان کی تحریک آزادی عالمی رائے کا مرکز بن رہی ہے۔ غرض ۱۸۸۳ء کے مایوس کن اور خطرناک حالات کا نقشہ یکسر بدل چکا ہے اور اس کی جگہ ایک حوصلہ افزا ماحول نے لے لی ہے۔ (جولائی ۱۹۶۲ء میں الجیریا بھی آزاد ہو چکا ہے)

بانی آریہ سماج پر آخری اتمام حجت

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو ابتداء ہی سے تبلیغ دین کا ایک پر جوش اور بے پناہ جذبہ عطا ہوا تھا اور آپ غیر مذاہب کے سربر آوردہ رہنماؤں کو اسلام کا پیغام پہنچانا اور ان کی ملحدانہ تعلیمات و عقائد کا رد کرنے کو اپنا فرض اولین سمجھتے تھے۔ آپ نے ۱۸۷۸ء میں "پنڈت دیانند جی سرسوتی" کو روحوں کے ان گنت ہونے کے متعلق چیلنج دے کر خط و کتابت کی جو طرح ڈالی تھی اس کا مقصد وحید بھی یہی تھا کہ وہ ایک جدید ہندو فرقہ کے بانی تھے۔ اگر وہ اپنے غلط اور بے بنیاد عقائد سے رجوع کر کے آپ کی

طرف متوجہ ہو جاتے تو شاید ہندو جاتی میں اسلام کے متعلق ایک عام رو پیدا ہو جاتی لیکن افسوس پنڈت جی نے داعی حق کی آواز سن کر چپ سادھ لی۔ اور پوری عمر اپنے غلط 'بے حقیقت اور خود ساختہ عقائد کے پرچار میں بسر کر دی اور اسی بے خبری میں ۳۰۔ اکتوبر ۱۸۸۳ء کو اس جہان سے کوچ کر گئے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ان کی وفات سے صرف چھ ماہ قبل ان پر آخری دفعہ اتمام حجت کرنے کے لئے متعدد رجسٹری خطوط لکھے جنمیں صاف لفظوں میں یہ انتباہ کرتے ہوئے کہ دنیا چند روزہ ہے اور آخر کار خدا سے معاملہ پڑنے والا ہے۔ انہیں ازراہ شفقت و محبت توجہ دلائی کہ وہ اپنے باطل خیال پر تعصب و عناد سے جمے رہنے کی بجائے قرآن مجید کی صداقت کے عقلی دلائل اور اس کی روحانی برکات ملاحظہ کرنے کے لئے حضور کی تصنیف "براہین احمدیہ" کا مطالعہ کریں۔ نیز یہ وعدہ بھی فرمایا کہ اگر وہ حق و صداقت کی جستجو میں اس کتاب کا مطالعہ کرنے پر رضامند ہوں تو انہیں یہ قیمتی کتاب مفت ارسال فرما دیں گے۔ آپ نے انہیں یہ پیشکش بھی فرمائی کہ کتاب کے غیر جانبدارانہ مطالعہ کے بعد بھی ان کی نظر میں اسلام کی صداقت مشکوک رہے تو وہ مزید تسلی و تشفی کے لئے قادیان آئیں اور انکی آمد و رفت اور قیام کے واجبی اخراجات آپ خود برداشت کریں گے۔ پنڈت دیانند جی نے ان خطوط کی رسید بھجوا دی مگر اپنی گزشتہ روایات کے مطابق اس بارہ میں آخر وقت تک بالکل ساکت رہے

پنڈت جی کی یہ اتنی بڑی کھلی شکست تھی کہ انکے سوانح نگاروں نے جہاں ان کی زندگی کے واقعات پر تفصیلی قلم اٹھایا وہاں اس عظیم الشان واقعہ کی طرف اشارہ تک کرنے کی جرات نہیں کر سکے۔ پنڈت دیانند کی وفات کے متعلق بھی آپ کو قبل از وقت اطلاع دی گئی تھی جسے آپ نے قادیان کے ہندوؤں اور آریوں کو بتا دیا تھا۔ اس طرح پنڈت دیانند کی زندگی تو ان کی ہزیمت و شکست کا ثبوت تھی ہی ان کی موت بھی اسلام کی زندگی کا نشان بن گئی [۱۹]

حواشی

۱- ملاحظہ ہو "براہین احمدیہ" حصہ چہارم طبع اول صفحہ ۵۵۸-۵۵۹

۲- اس نشان کی تفصیل آئندہ اوراق میں ملاحظہ ہو۔

۳- حیات احمد جلد چہارم صفحہ ۵۸۰-۵۸۱ "حیات احمد" جلد دوم نمبر دوم صفحہ ۲۱-۲۸۔ "سیرۃ المہدی" حصہ سوم صفحہ ۲۶۸-۲۷۰۔ "ضمیمہ اصحاب احمد" جلد اول صفحہ ۷-۸ "لائف آف احمد" صفحہ ۹۲-۹۳۔ الفضل ۲۶ مارچ ۱۹۴۵ء صفحہ ۳-۴

۴- "اشاعۃ السنہ" جلد ۹ صفحہ ۴۷

۵- ان کے بیٹے نواب محمد علی حسن خاں سابق ناظم ندوۃ العلماء نے "مآثر صدیقی" میں ان کی مستقل کتابوں کی فہرست شائع کی ہے، جو ۲۲۲ کتابوں پر مشتمل ہے۔

۶- "حقیقۃ الوحی" تتمہ صفحہ ۳۷

۷- "کلیات آریہ مسافر" صفحہ ۴۹۵ (مطبوعہ ۱۹۰۴ء)

۸- "تتمہ حقیقۃ الوحی" صفحہ ۳۷

۹- "حیات احمد" جلد دوم نمبر دوم صفحہ ۴۴-۴۷۔ "اشاعۃ السنہ" جلد ۹ صفحہ ۱-۲ (مطابق ۱۸۸۶ء) "مذاہب اسلام" صفحہ ۶۱۶، ۶۲۰ مولفہ حکیم مولانا محمد نجم الغنی صاحب رامپوری مطبع نو لکشور لکھنؤ۔ "موج کوثر" مرتبہ شیخ محمد اکرام صاحب ایم۔اے طبع اول صفحہ ۴۹-۵۰۔

۱۰- حضرت مسیح موعودؑ کو الہام ہوا "تائی آئی" سو اسی کے مطابق حرمت بی بی صاحبہ نے مارچ ۱۹۱۶ء میں حضرت خلیفہ ثانی کی بیعت کر لی۔ (الفضل ۴- مارچ ۱۹۱۶ء صفحہ ۱) آپ ۳۰ نومبر ۱۹۲۷ء کو قریباً ۱۰۰ سال کی عمر میں فوت ہوئیں بہشتی مقبرہ قادیان میں ان کا مزار مبارک ہے۔ (الفضل ۶- دسمبر ۱۹۲۷ء صفحہ ۱)

۱۱- تاریخ وفات ۲ جولائی ۱۹۳۱ء

۱۲- "حقیقۃ الوحی" طبع اول صفحہ ۲۴۳-۲۵۴-۲۵۵۔ "حیاۃ النبی ﷺ" جلد دوم نمبر دوم صفحہ ۵۹-۶۴۔ "سیرت المہدی" حصہ اول طبع اول صفحہ ۲۱-۲۲-۳۶-۳۷-۳۔ "سیرت مسیح موعود" (مرتبہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ) الحکم ۱۴- جنوری ۱۹۳۶ء صفحہ ۶۔

۱۳- ملاحظہ ہو "براہین احمدیہ" حصہ چہارم طبع اول صفحہ ۵۵۷-۵۵۸۔ "ایک غلطی کا ازالہ"۔

۱۴- تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو ریویو آف ریلیجنز اردو ستمبر ۱۹۴۵ء

۱۵- "اعجاز احمدی" طبع اول صفحہ ۶-۷

۱۶- تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو "تاریخ انقلابات عالم" مرتبہ ابو سعید بزمی (ناشر کتاب منزل لاہور)

۱۷- محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس-۱۸۹۱ء بحوالہ ریویو آف ریلیجنز اردو۔ اگست ۱۹۴۵ء

۱۸- "مکتوبات احمدیہ" جلد اول صفحہ ۱۹-۲۰

۱۹- "براہین احمدیہ" حصہ چہارم ۵۳۵/۵۳۶ "حقیقۃ الوحی" صفحہ ۲۲۱ "نزول المسیح" صفحہ ۱۵۸ "مکتوبات احمدیہ" جلد دوم ۱-۳ "حیات احمد" جلد دوم نمبر دوم صفحہ ۲۸-۳۳

ماموریت کا تیسرا سال

حضرت اقدسؑ کا پہلا سفر لدھیانہ

(۱۸۸۴ء)

لدھیانہ کے عقیدت مندوں کا اصرار "براہین احمدیہ" کی اشاعت نے یوں تو ملک بھر میں ایک تہلکہ مچا دیا تھا مگر لدھیانہ کو یہ خصوصیت حاصل تھی کہ یہاں حضرت اقدسؑ کے عقیدت مندوں کی ایک جماعت قائم ہو گئی تھی جس میں حضرت صوفی احمد جان صاحب' قاضی خواجہ علی صاحب' [1] نواب علی محمد صاحب آف جھجر' [2] مولوی عبدالقادر صاحب' [3] شہزادہ عبدالمجید صاحب [4] میر عباس علی صاحب وغیرہ بہت سے نفوس شامل تھے۔ یہ بزرگ آپ کے حلقہ ارادت میں آنے کے بعد ہزار جان سے چاہتے تھے کہ حضرت اقدسؑ ان کے ہاں لدھیانہ تشریف لائیں اور اس غرض سے ان کی طرف سے ۱۸۸۲ء میں باصرار درخواست بھی حضور انور کی خدمت میں پہنچی اور حضور نے اسے ازراہ شفقت منظور فرماتے ہوئے وعدہ بھی کر لیا۔ لیکن حالات کچھ ایسے پیدا ہو گئے کہ مختلف اوقات میں عزم سفر کرنے کے باوجود اس سال وہاں جانے کی نوبت نہ آسکی۔ ۱۸۸۴ء کے آغاز میں لدھیانہ کے دوستوں نے ایک دفعہ پھر میر عباس علی صاحب کے ذریعہ سے (جو ان دنوں لدھیانہ میں گویا حضرت اقدس کے نمائندے تھے اور جن کے متعلق حضرت اقدس نے یہاں تک حکم دے رکھا تھا کہ لدھیانہ سے جو دوست حضور کی ملاقات کے لئے آئیں پہلے ان سے مل کر آئیں تا تسلی رہے) بار بار اپنی اس دلی تمنا کا اظہار کیا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام چونکہ اذن الٰہی کے بغیر کوئی قدم اٹھانا معصیت خیال کرتے تھے اس لئے آپ نے میر عباس علی صاحب کو ۱۸۔ جنوری ۱۸۸۴ء کو تحریر فرمایا کہ "کچھ خداوند کریم ہی کی طرف اسباب آپڑتے ہیں کہ رک جاتا ہوں۔ نہیں معلوم حضرت احدیت کی کیا مرضی ہے عاجز بندہ بغیر اس کی مشیت کے قدم اٹھا نہیں سکتا"۔ نیز لکھا کہ "لوگوں کے شوق اور ارادت پر آپ خوش نہ ہوں حقیقی شوق اور

ارادت کہ جو لغزش اور ابتلاء کے مقابلہ پر کچھ ٹھہر سکے - لاکھوں میں کسی ایک کو ہوتا ہے" - اس سلسلہ میں انہیں اپنا ایک رؤیا بھی لکھا جس میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو میر عباس علی صاحب کی باطنی کیفیت کے متعلق یہ نظارہ دکھایا گیا تھا - کہ آپ ایک مکان میں ہیں اور بعض نئے نئے آدمی آپ سے ملنے آئے ہیں اور میر عباس علی صاحب بھی ان کے ساتھ ہیں اور یہ سب حضور سے بیزار ہو کر ایک دوسرے مکان میں جا بیٹھے حضور ان لوگوں میں جن میں شاید میر صاحب بھی ہیں امامت کی غرض سے تشریف لے گئے لیکن پھر بھی انہوں نے بیزاری سے کہا کہ ہم نماز پڑھ چکے ہیں تب حضور نے ان سے کنارہ کش ہو کر باہر نکلنے کے لئے قدم اٹھایا معلوم ہوا کہ ان سب میں سے ایک شخص پیچھے چلا آتا ہے جب نظر اٹھا کر دیکھا تو میر صاحب تھے ۵ اس غیبی اطلاع پر تھوڑا عرصہ ہی گزرا تھا کہ آپ کو خدا تعالیٰ کی طرف سے اجازت عطا کر دی گئی تو آپ نے میر عباس علی صاحب کو جو انہی دنوں حضور کی خدمت میں قادیان آئے ہوئے تھے یہ ہدایت فرمائی کہ لدھیانہ میں آپ کے لئے کوئی ایسی قیام گاہ تجویز کی جائے جس میں تخلیہ اور ملاقات کے لئے الگ الگ کمرے ہوں اور ان میں مختصر ضروری سامان بھی موجود ہو - میر صاحب حضرت کا فرمان سن کر خوشی خوشی لدھیانہ پہنچے اور حضور کے استقبال کے لئے تیاریاں ہونے لگیں - لدھیانہ میں حضرت صوفی احمد جان صاحبؓ کے مریدوں کا ایک جال بچھا ہوا تھا انہیں آپ نے حضرت اقدس کی تشریف آوری کی خصوصی اطلاع دیتے ہوئے ہدایت کی کہ وہ کثیر تعداد میں اسٹیشن پر حاضر ہوں - محلہ صوفیاں میں جہاں میر عباس علی صاحب سکونت رکھتے تھے انہیں کے اعزہ و اقارب سے ایک دوست ڈپٹی امیر علی صاحب تھے جن کا مکان حضرت کی فرودگاہ کے لئے بہت موزوں تھا - مکان کی چابی ڈپٹی صاحب کے چچا میر نظام الدین صاحب کے پاس تھی جب انہیں بتایا گیا کہ اس مکان پر حضرت اقدس کے قیام فرمانے کی تجویز ہے تو انہوں نے بخوشی چابی دے دی - انہیں کہا گیا کہ وہ مکان میں سے تکلفات کا سامان اٹھالیں کیونکہ للہی محفل ہے اس میں غریب و امیر آئیں گے - ہم یہاں چٹائیاں بچھادیں گے مگر انہوں نے جواب دیا کہ میرے سامان کو قدم بوسی کی برکت نصیب ہوگی اسے یہیں رہنے دیا جائے ہم اسے اپنے ساتھ تھوڑا ہی لے جائیں گے حضرت صوفی احمد جان صاحب نے اپنی فراست کی بناء پر اپنے مریدوں کو پہلے سے کہہ رکھا تھا کہ احادیث میں اس زمانہ کے مامور کا حلیہ موجود ہے اس لئے اگرچہ میں نے حضرت کی پہلے کبھی زیارت نہیں کی میں آپ کو از خود پہچان لونگا -

لدھیانہ میں تشریف آوری اور بے مثال استقبال

غرضکہ اہل لدھیانہ حضرت اقدسؑ کی تشریف آوری کے

لئے نہایت بے قراری سے چشم براہ تھے کہ حضور اطلاع کے مطابق اپنے تین خدام حافظ حامد علی صاحب مولوی جان محمد صاحب [6] اور لالہ ملاوامل صاحب کی رفاقت میں لدھیانہ اسٹیشن پر تشریف لے آئے۔ یہ ۱۸۸۴ء کی پہلی سہ ماہی کا واقعہ ہے۔ اسٹیشن پر زائرین کا بے پناہ ہجوم تھا یوں معلوم ہوتا تھا کہ پورا شہر اُمڈ آیا ہے۔ لدھیانہ کے دوستوں میں میر عباس علی صاحب کے سوا کوئی بھی حضور کی شکل مبارک سے واقف نہیں تھا اس لئے جب گاڑی کا وقت قریب آیا تو میر صاحب اور انکے ساتھ بہت سے دوست پلیٹ فارم کے اندر چلے گئے اور لوگوں کی نظریں اس طرف جم گئیں کہ میر صاحب جس بزرگ سے مصافحہ کریں گے وہی حضرت اقدس ہوں گے لیکن اتفاق یہ ہوا کہ حضور اپنے خدام کے جھرمٹ میں گاڑی کے اگلے ڈبوں سے اتر کر پھاٹک کی طرف تشریف لے آئے۔ پھاٹک پر اس وقت سید میر عنایت علی صاحب کھڑے تھے [7]۔ جو یہ خیال کر کے پہلے ہی سے یہاں آگئے تھے کہ حضرت اقدس بہرحال یہیں سے گزریں گے۔ اور گو انہیں حضور کی زیارت کا قبل ازیں موقعہ نہیں ملا تھا مگر آنے والے مسافروں میں سے جونہی ان کی نظر حضور کے مقدس اور نورانی چہرے پر پڑی وہ فوراً بھانپ گئے کہ حضرت اقدس یہی ہیں اور جھٹ مصافحہ کرتے ہوئے دست بوسی کر لی۔ اس موقعہ پر حضرت صوفی احمدؓ جان صاحبؓ نے بھی جیسا کہ انہوں قبل از وقت بتا دیا تھا اسٹیشن پر حضور کو دیکھتے ہی بتا دیا کہ حضرت اقدس یہ ہیں حضرت صوفی صاحب کے ساتھ اس وقت ان کے دونوں فرزند یعنی حضرت پیر منظور محمدؓ صاحب اور حضرت پیر افتخار احمد صاحب اور متعدد مرید شاگرد مثلاً مولوی تاب الدین صاحب بھی موجود تھے [8] جو ان دنوں تحصیل علم کی خاطر لدھیانہ میں مقیم تھے۔ مولوی صاحب کا کہنا ہے کہ حضور کو دیکھتے ہی میری زبان سے نکلا

هٰذَا لَيْسَ وَجْهُ كَاذِبٍ

اب حضرت مسیح موعود علیہ السلام تو باہر تشریف لا چکے تھے مگر میر عباس علی صاحب اور ان کے ساتھی ابھی تک آپ کی تلاش میں سرگرداں تھے۔ جب انہیں اس میں کامیابی نہ ہوئی تو وہ بھی مختصر وقفہ کے بعد باہر آگئے اور حضور کو دیکھتے ہی مصافحہ کے لئے لپکے ان کا مصافحہ کرنا ہی تھا کہ زائرین شوق دیدار میں ٹوٹ پڑے۔ نواب علی محمد صاحب رئیس آف جھجر نے میر عباس علی صاحب سے کہا کہ میری کوٹھی قریب ہے اور اس کے گرد باغ بھی ہے بہت لوگ حضرت اقدس کی زیارت کے لئے آئیں گے۔ اگر آپ اجازت دیں تو حضرت صاحب کو یہیں ٹھہرا لیا جائے۔ میر صاحب نے کہا کہ آج کی رات یہ مبارک قدم میرے غریب خانے پر پڑنے دیں کل آپ کو اختیار ہے۔ نواب صاحب موصوف مان گئے اور حضرت اقدس علیہ السلام قاضی خواجہ علی صاحب کی شکرم میں بیٹھ کر محلہ صوفیاں میں ڈپٹی

امیر علی صاحب کے مکان کی طرف روانہ ہوئے۔ حضرت اقدسؑ کے ساتھ اس وقت ایک بڑا مجمع تھا گویا ایک جلوس کی سی شکل تھی۔ جب مکان پر پہنچے تو نماز عصر کا وقت ہو چکا تھا۔ حضور نے پہنچتے ہی وضو کیا اور آخر میں اپنی مالیدہ کی جرابوں پر مسح کیا۔ بعض لوگوں نے جو موجود تھے جب آپ کو پاؤں پر مسح کرتے ہوئے دیکھا آپس میں اس کے جواز کے متعلق سرگوشیاں کیں۔ حضرت اقدس جب وضو کر کے مسجد محلہ صوفیاں کے اندر تشریف لائے تو مولوی موسیٰ صاحب نے استفسار کیا کہ حضور اس پر مسح جائز ہے؟ حضور نے فرمایا جائز ہے۔ امامت کے لئے عرض کیا گیا تو فرمایا نہیں نماز مولوی عبد القادر صاحب پڑھائیں گے چنانچہ جب تک حضرت اقدس کا لدھیانہ میں قیام رہا (نماز فجر کے سوا جس میں حضور خود امامت کراتے تھے) باقی سب نمازیں مولوی صاحب ہی نے پڑھائیں۔

بعض لدھیانوی علماء کی ہنگامہ آرائی!

پہلے روز شام کو میر عباس علی صاحب نے حضرت اقدس کی خدمت میں کھانا پیش کیا۔ دوسرے دن صبح کو قاضی خواجہ علی صاحب اور شام کو احمدؐ جان صاحب کے ایک مرید منشی رحیم بخش صاحب نے دعوت کی۔ لدھیانہ کی فضا اس وقت تک پرسکون تھی اور ابھی تک کوئی ناخوشگوار اور تلخ صورت پیدا نہیں ہوئی تھی۔ لیکن اب شام کو جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام مولوی رحیم بخش صاحب کے ہاں تشریف لے گئے تو لدھیانہ کے بعض خدا ناترس علماء کی ایک افسوسناک کارروائی سامنے آئی۔ واقعہ یوں ہوا کہ حضرت اقدس آٹھ دس اصحاب کے ہمراہ منشی صاحب کے گھر پہنچے جہاں آپ کو پہلے تو ایک کھلے کمرے میں تشریف رکھنے کے لئے کہا گیا لیکن جب کھانا تیار ہو گیا تو حضور کو ایک چھوٹے سے کمرے میں بٹھا دیا گیا۔ کھانا کھا چکے تو مولوی عبد العزیز لدھیانوی نے ہنگامہ آرائی کے لئے اپنا ایک ایلچی بھیج دیا۔ جس نے آتے ہی حضرت صوفی احمد جان صاحبؓ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ ہمارے مولوی عبد العزیز صاحب کہتے ہیں قادیان والے مرزا صاحب یا ہمارے ساتھ بحث کریں یا کوتوالی چلیں۔ حضرت صوفی صاحب نے جواب دیا کہ ہم کیوں کوتوالی چلیں کیا ہم نے کسی کا قصور کیا ہے؟ اگر تمہارے مولوی صاحب نے کوئی بات دریافت کرنی ہے تو اخلاق و انسانیت کے ساتھ محلہ صوفیاں میں جہاں حضرت اقدس ٹھہرے ہوئے ہیں دریافت کر لیں حضرت صوفی صاحب نے اپنا جواب ختم کیا ہی تھا کہ خود میزبان یعنی منشی رحیم بخش صاحب نے انہیں یہ خبر سنائی کہ جس کمرہ سے آپ پہلے اٹھ کر آئے ہیں وہاں بعض لوگ جمع ہیں اپنے شکوک پیش کرنا چاہتے ہیں۔ حضرت صوفی صاحب نے انہیں سمجھایا کہ حضرت صاحب کو سفر کی وجہ سے تکان ہے یہ لوگ حضرت اقدس کی قیام گاہ محلہ صوفیاں پر آجائیں لیکن حضرت مسیح موعودؑ نے یہ سن کر فرمایا کہ نہیں ہم بیٹھیں گے اور ان لوگوں کی بات سنیں گے کہ وہ

کیا کہتے ہیں۔ یہ کہکر حضرت اقدسؑ اپنے خدام کے ساتھ پہلے کمرے کی طرف چل دیئے یہاں آئے تو دیکھا کہ کمرہ کھچا کھچ بھرا ہے اور تل دھرنے کو جگہ نہیں۔ حضور اور آپ کے ساتھیوں کو بمشکل جگہ ملی۔ ان لوگوں سے کہا گیا کہ وہ اپنے شکوک پیش کریں۔ چنانچہ وہ اعتراضات کرتے رہے اور حضرت مسیح موعودؑ انکے جوابات دیتے رہے لیکن ان شوریدہ سروں کو تحقیق حق تو مقصود نہیں تھی وہ تو لدھیانہ کے بعض مولویوں کی اشتعال انگیزی پر اپنے جوش غضب کا مظاہرہ کرنے کو آئے تھے جو کرتے رہے۔ اسی موقعہ پر ایک شخص نے یہ سوال بھی کیا کہ آپ بھی پیشگوئیاں فرماتے ہیں اور نجومی اور رمال بھی کرتے ہیں ہمیں صداقت کا پتہ کس طرح لگے؟ حضور نے فرمایا کہ الٰہی نصرت نجومیوں اور رمالوں کے ساتھ نہیں ہوتی لیکن انبیاء علیہم السلام اور مامورین کو نصرت اور کامیابی ملتی ہے وہ اور ان کی جماعت روز بروز ترقی کرتی اور ان کا اقبال ترقی کرتا ہے خدا کے مامور کا حوصلہ دیکھو کہ میر عباس علی صاحب تو لدھیانہ والوں کا بے جا جوش دیکھ کر گھبرا جاتے مگر حضرت کے چہرے پر قطعاً ملال کے آثار نہیں تھے اور آپ پوری تسلی اور اطمینان کے لب و لہجہ میں انہیں فرماتے تھے کہ یہ لوگ جو کچھ کرنا چاہتے ہیں ان کو کرنے دو۔ آخر تھوڑی دیر بعد جب منشی رحیم بخش صاحب نے دیکھا کہ معاملہ طول کھینچ رہا ہے اور مخالفت لحہ بہ لحہ بڑھ رہی ہے تو انہوں نے کمال عقل مندی سے کہدیا کہ میں حضرت صاحب کو زیادہ تکلیف نہیں دینا چاہتا آپ لوگوں کے شکوک کے جواب حضرت صاحب نے کافی طور پر دے دیئے ہیں حضور کو تکان ہے چنانچہ حضرت اقدس واپسی کا قصد کر کے اٹھے تو صوفی احمد جان صاحب رضی اللہ عنہ نے میر عباس علی صاحب کو مشورہ دیا کہ مولوی عبد العزیز صاحب فساد کے خوگر ہیں دوسرے رستہ سے چلنا چاہیئے۔ حضرت اقدس نے جو قریب ہی کھڑے سن رہے تھے۔ اس موقعہ پر بھی کوہ استقلال بن کر ارشاد فرمایا نہیں اسی راستہ سے چلیں گے جس راستہ سے اندیشہ کیا جاتا ہے غرض فوراً حضور اسی راستہ سے ڈپٹی امیر علی صاحب کے مکان تک تشریف لائے اور راستہ میں کسی شخص کو مزاحم ہونے کی جرات نہیں ہو سکی۔ چوڑے اور اونچے بازار کے سرے تک پہنچے تو لالہ ملاوامل نے میر عباس علی صاحب کو وہ رؤیا یاد دلایا جو حضور نے لدھیانہ والوں کی مخالفت کے متعلق لکھا تھا اور ان سے پوچھا کہ وہ رؤیا پورا ہو گیا؟ میر عنایت علی صاحب نے جو اس وقت حضرت اقدس کے ہمراہ تھے پیچھے مڑ کر دیکھا تو فی الواقع میر صاحب کے سوا اور کوئی نہیں تھا۔ اس وقت خود میر عباس علی صاحب نے کھلا اقرار کیا کہ حضور کی رؤیا کمال صفائی سے پوری ہو گئی ہے۔ اگلے دن صوفی احمد جان صاحب کے ہاں دعوت کا انتظام تھا دعوت ختم ہوئی تو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ساتھ وہ بھی مزید برکت کے لئے ہمراہ ہو گئے۔ رستہ میں انہوں نے حضرت کے استفسار پر عرض کیا کہ میں نے بارہ چودہ سال رتڑ چھتڑ کی گدی میں مجاہدات

کئے ہیں جن سے میرے اندر اتنی زبردست طاقت پیدا ہو گئی ہے کہ اگر میں اپنے پیچھے آنے والے آدمی پر توجہ کروں تو وہ ابھی گر جائے اور تڑپنے لگے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنی عادت مبارک کے مطابق اپنی سوٹی کی نوک سے زمین پر نشان بناتے ہوئے فرمایا۔ صوفی صاحب اگر وہ گر جائے تو اس سے آپ کو کیا فائدہ ہو گا اور اس کو کیا فائدہ ہو گا؟ صوفی صاحب اہل باطن میں سے تھے یہ نکتہ سن کر پھڑک اٹھے اور اسی وقت حضور کے سامنے علم توجہ سے ہمیشہ کے لئے توبہ کر لی بلکہ اپنی معرکہ الآراء کتاب طب روحانی کو (جس میں انہوں نے توجہ کے کمالات اور برسوں کے تجربات پر اتنی مفصل روشنی ڈالی تھی کہ لدھیانہ والوں نے انہیں مسیح دوران کے خطابات دے رکھے تھے) نہ صرف مرتے دم تک خود اٹھا کر نہیں دیکھا بلکہ اپنے مریدوں میں اشتہار دے دیا کہ علم توجہ اسلام سے مخصوص نہیں ہے اس لئے میں اعلان کرتا ہوں کہ آج سے میرا کوئی مرید اسے دین اسلام کا جزو سمجھ کر استعمال نہ کرے۔ حضرت صوفی صاحب نے "طب روحانی" میں اعلان کیا تھا کہ اس سلسلہ میں "نجات جاودانی" اور "کمالات انسانی" کے نام پر دو مزید حصے بھی شائع ہوں گے اور عملاً ان کا مسودہ بھی تیار تھا لیکن اس کے بعد آپ نے وہ مسودہ لے کر چاک کر ڈالا بعض لوگوں نے جو "طب روحانی" سے بے حد متاثر تھے بڑے اصرار کے ساتھ آپ سے درخواست کی کہ وہ چیرا پھاڑا ہوا مسودہ ہی بھیج دیں تا اسی کو مرتب کر کے معلوم ہو سکے کہ کیا لکھا ہے لیکن آپ نے جواب دیا کہ "آں قدح بشکست و آں ساقی نماند"۔ پنجاب میں ایک آفتاب نکلا ہے جس کے سامنے ستارے رہبری نہیں کر سکتے۔ اس آفتاب کا نام مرزا غلام احمد ہے انہوں نے ایک کتاب "براہین احمدیہ" لکھی ہے اسے منگوا کر پڑھو"۔ [۱۰]

زائرین کا ہجوم اور حضور کی مجلس علم و عرفان

بہرکیف زبردست مخالفت کے باوجود جو آپ کی آمد پر اٹھائی گئی تھی لدھیانہ کے گردونواح سے روزانہ ہی صبح و شام بڑی کثرت سے لوگ حاضر ہوتے تھے۔ علماء اور رؤساء کا تو ایک تانتا بندھا رہتا تھا۔ بالخصوص حضرت صوفی احمد جان صاحب نقشبندی، مولوی شاہ دین صاحب، مولوی محمد حسن صاحب رئیس اعظم لدھیانہ، نواب علی محمد خان صاحب جھجر، پیر سراج الحق صاحب نعمانی تو پروانوں کی طرح آپ کے گرد رہتے تھے۔ حضرت صوفی احمد جان صاحب خود ایک بڑی جماعت کے روحانی پیشوا تھے لیکن وہ حضرت اقدس کی مجلس میں نہایت اخلاص و ارادت کے ساتھ دو زانو ہو کر باادب بیٹھتے اور عقیدت مند مریدوں کی طرح آپ کے کلمات طیبات سنتے اور فیض اٹھاتے۔ یہی حال پیر سراج الحق صاحب نعمانی کا تھا۔ حضرت کی مجلس میں ہر قسم کے دینی مسائل کا تذکرہ ہوتا تھا اور حضور بڑی دیر تک حقائق و معارف کے خزانے لٹاتے اور لوگ مالا مال ہوتے تھے۔ چنانچہ ایک مرتبہ حضور

نے اس امر پر لطیف روشنی ڈالی کہ ایمان اور یقین لانے کا فائدہ اس وقت ہوتا ہے جب کہ کچھ اخفاء بھی ہو اگر معاملہ ایسا صاف اور روشن ہو جائے جیسا کہ نصف النہار کے وقت ہوتا ہے اس وقت ایمان لانے کا ثواب نہیں ہوتا۔ اجر اسی وقت ہے کہ یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ کے مطابق کچھ غیبوبت بھی ہو اور ایمان لایا جائے ایک دن کسی شخص کے سوال پر حضور نے مسئلہ توحید پر تقریر فرمائی جو کئی گھنٹے تک جاری رہی۔ حضور کی اعجازی تقریروں میں روحانیت کا دریا بہتا ہوا نظر آتا تھا اور کسی کو آج تک ان آسمانی علوم و حقائق و نکات سننے یا پڑھنے کا اتفاق نہیں ہوا تھا۔ اسی دوران میں شہر کے بعض علماء مثلاً مولوی عبد القادر صاحب نے بھری مجلس میں حضور سے استدعا کی کہ حضور ان کی بیعت قبول فرمائیں۔ مگر حضور نے بلا تامل جواب دیا۔ "لست بمامور" (میں مامور نہیں ہوں) اور پھر اس مجلس میں ٹھہرنا ہی گوارا نہ فرمایا۔ اور فوراً باہر سیر کے لئے چل دیئے۔ حضرت کے اس طرز جواب پر آپ کے ارادتمند دل مسوس کر رہ گئے۔ مگر جواب مختصر ہونے کے باوجود ہر پہلو سے مکمل تھا اس لئے پھر کسی کو آپ کے سامنے بیعت کی درخواست کرنے کی جرات نہیں ہو سکی۔ حضرت صوفی احمد جان صاحبؓ اور میر عباس علی صاحب نے بعد کو مولوی عبد القادر صاحب سے کہا آپ بہت سادہ ہیں ایسی بات علیحدگی میں کرنا چاہیے تھی۔

لدھیانہ میں معمول

قیام لدھیانہ کے دوران میں حضرت اقدس اپنے معمول کے مطابق اکثر سیر کو بھی تشریف لے جاتے تھے ایک مرتبہ جنگل میں نماز عصر کا وقت آگیا۔ عرض کیا گیا نماز کا وقت ہو گیا ہے آپ نے فرمایا بہت اچھا یہیں پڑھ لیں۔ غرض وہیں مولوی عبد القادر صاحب نے نماز پڑھائی۔

ٹمپرنس سوسائٹی میں تقریر کرنے سے انکار

لدھیانہ میں ٹمپرنس سوسائٹی کا جلسہ تھا جس میں حضور نے بھی شرکت فرمائی۔ مختلف فرقوں کے لوگ جمع تھے حاضرین نے آپ سے تقریر کے لئے پر زور درخواست کی مگر آپ نے منظور نہ فرمایا۔ جب اپنی قیام گاہ پر تشریف لائے اور آپ سے انکار کی بابت پوچھا گیا تو فرمایا اگر میں تقریر کرتا تو ضرور تھا کہ میں بیان کرتا کہ شراب سے روکنے والوں کے سردار محمد رسول اللہ ﷺ ہیں جن کے ذکر کی یہ لوگ اجازت نہ دیتے اور میری کیفیت یہ ہے کہ میں اس تقریر کو جس میں میرے آقا کا نام لیا جانے کی اجازت نہ ہو پسند نہیں کرتا۔

واپسی

غرض حضرت مسیح موعود علیہ السلام تین چار روز تک علم و عرفان کی بارش برساتے اور اہل لدھیانہ کی روحانی تشنگی بجھاتے ہوئے واپس قادیان تشریف لے گئے۔ [۱۱]

لدھیانہ کا دوسرا سفر لدھیانہ کے اس اولین سفر کے بعد حضور کو میر عباس علی صاحب کی عیادت کے لئے اسی سال ۱۴۔ اکتوبر کو دوبارہ لدھیانہ تشریف لانا پڑا۔ حضور نے اس دفعہ قبل از وقت محض سرسری سی اطلاع دی تھی تاہم قاضی خواجہ علی صاحب مولوی عبدالقادر صاحب اور نواب علی محمد خان صاحب آف جھجر حضورؑ کے استقبال کے لئے اسٹیشن پر موجود تھے۔ حضور کا قیام بہت مختصر تھا۔ صرف دو ایک دن آپ ٹھہرے اور سنت نبوی (ﷺ) کی تعمیل میں عیادت کا اسلامی فریضہ ادا کرنے کے بعد قادیان واپس تشریف لائے۔ [۱۷]

سفر مالیر کوٹلہ نواب محمد ابراہیم علی خاں صاحب آف مالیر کوٹلہ کو ان دنوں اپنے بڑے بیٹے عشق علی خان کی وفات وغیرہ صدمات کی وجہ سے خلل دماغ کا عارضہ لاحق تھا اور انہوں نے ریاستی امور سے کنارہ کشی اختیار کرلی تھی ان کی والدہ صاحبہ کو حضرت اقدس کی آمد کی اطلاع پہنچی تو انہوں نے یہ موقعہ غنیمت سمجھتے ہوئے آپ سے اپنے ہاں تشریف لانے اور اپنے بچے کی شفایابی کے لئے دعا کرنے کی درخواست کی۔ چنانچہ حضور قاضی خواجہ علی صاحب کی شکرم میں بیٹھ کر میر عنایت علی صاحب اور دوسرے آٹھ دس خدام کے ہمراہ مالیر کوٹلہ تشریف لے گئے اور دعا کرتے ہی لدھیانہ پلٹ آئے۔ میر عنایت علی صاحبؓ کا بیان ہے کہ "اس وقت تک ابھی مالیر کوٹلہ کی ریل جاری نہیں ہوئی تھی۔ میں بھی حضور کے ہمرکاب تھا۔ حضرت صاحب نے یہ سفر اس لئے اختیار کیا تھا کہ بیگم صاحبہ یعنی والدہ نواب ابراہیم علی خان صاحب نے اپنے اہلکاروں کو لدھیانہ بھیج کر حضرت صاحب کو بلایا تھا کہ حضور مالیر کوٹلہ تشریف لا کر میرے لڑکے کو دیکھیں اور دعا فرمائیں کیونکہ نواب ابراہیم علی خاں کو عرصہ سے خلل دماغ کا عارضہ ہو گیا تھا۔ حضرت صاحب لدھیانہ سے دن کے دس گیارہ بجے قاضی خواجہ علی صاحب کی شکرم میں بیٹھ کر تین بجے کے قریب مالیر کوٹلہ پہنچے اور ریاست کے مہمان ہوئے۔ جب صبح ہوئی تو بیگم صاحبہ نے اپنے اہلکاروں کو حکم دیا کہ حضرت صاحب کے لئے سواریاں لے جائیں تا کہ آپ باغ میں جا کر نواب صاحب کو دیکھیں مگر حضرت اقدس نے فرمایا کہ ہمیں سواری کی ضرورت نہیں ہم پیدل ہی چلیں گے۔ چنانچہ آپ پیدل ہی گئے اس وقت ایک بڑا ہجوم لوگوں کا آپ کے ساتھ تھا۔ جب آپ باغ میں پہنچے تو مع اپنے ساتھیوں کے ٹھہر گئے نواب صاحب کوٹھی سے باہر آئے اور پہلی دفعہ حضرت صاحب کو دیکھ کر پیچھے ہٹ گئے لیکن پھر آگے بڑھ کر آئے اور حضرت صاحب سے السلام علیکم کیا اور کہا کہ کیا براہین کا چوتھا حصہ چھپ گیا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ ابھی تو نہیں چھپا مگر انشاء اللہ عنقریب چھپ جائے گا۔ اس کے بعد نواب صاحب نے کہا کہ آیئے اندر بیٹھیں۔ چنانچہ حضرت صاحب اور نواب صاحب کوٹھی کے اندر چلے گئے اور قریباً آدھ گھنٹہ اندر

رہے۔ چونکہ کوئی آدمی ساتھ نہ تھا اس لئے ہمیں معلوم نہیں ہوا کہ اندر کیا کیا باتیں ہوئیں۔ اس کے بعد حضرت صاحب مع سب لوگوں کے پیدل ہی مسجد کی طرف چلے گئے اور نواب صاحب بھی سیر کے لئے باہر چلے گئے۔ مسجد میں پہنچ کر حضور نے فرمایا کہ سب لوگ پہلے وضو کریں اور پھر دو رکعت نماز پڑھ کر نواب صاحب کی صحت کے واسطے دعا کریں کیونکہ یہ تمہارے شہر کے والی ہیں۔ اور ہم بھی دعا کرتے ہیں۔ غرض حضرت اقدسؑ نے مع سب لوگوں کے دعا کی اور پھر اس کے بعد لدھیانہ واپس تشریف لے آئے اور باوجود اصرار کے مالیر کوٹلہ میں اور نہ ٹھہرے [۱۳]

سفر انبالہ' پٹیالہ و سنور

۱۸۸۴ء میں حضرت نے انبالہ چھاؤنی کا سفر اختیار فرمایا جہاں آپ کے خسر حضرت میر ناصر نواب صاحب مقیم تھے۔ سنور کے مخلصین کو معلوم ہوا تو انہوں نے حضور کی خدمت میں غلام قادر صاحب (ولد اللہ بخش) عبد الرحمٰن صاحب (ولد اللہ بخش) اور منشی عبد اللہ صاحب سنوری پر مشتمل ایک وفد بھجوایا تا حضور کو سنور تشریف لانے کی دعوت دیں۔ چنانچہ منشی عبد اللہ صاحب سنوری کی درخواست پر حضور واپسی کے وقت سنور تشریف لے گئے۔ رستہ میں پٹیالہ میں بھی مختصر سا قیام فرمایا۔ آپ پٹیالہ سٹیشن پر پہنچے تو بے شمار لوگ آپ کی زیارت کے لئے موجود تھے۔ وزیر الدولہ مدبر الملک خلیفہ سید محمد حسن صاحب خان بہادر سی آئی ای وزیر اعظم [۱۴] پٹیالہ نے جو آپ کے خاص ارادت مندوں میں سے تھے آپ کو شاہی بگھی میں بٹھایا اور اپنی کوٹھی میں لے گئے۔ حضرت اقدس نے پٹیالہ کے مسلمانوں سے خطاب کرتے ہوئے ایک مختصر تقریر بھی فرمائی اور کہا کہ یہ تمہارے وزیر شیعہ نہیں ہیں اہل سنت والجماعت میں سے ہیں ان کے لئے تم بھی دعا کرو میں بھی دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ان کا خاتمہ بالخیر کرے اس کے بعد حضرت نے حاضرین سمیت ہاتھ اٹھا کر دعا فرمائی اور بگھی پر سوار ہو کر سنور تشریف لے گئے۔ دوپہر کا کھانا تناول فرمانے کے بعد ظہر و عصر کی نمازوں کے لئے مسجد شیخاناں گئے۔ خدام نے حضرت اقدس سے بار بار عرض کیا کہ آپ نماز پڑھائیں مگر آپ نے یہی جواب دیا کہ اس مسجد کا امام جماعت کرائے۔ آخر کار حد درجہ اصرار ہوا تو پھر آپ ہی نے نماز پڑھائی۔ حضرت اقدس نے منشی عبد اللہ صاحب سنوری کے گھر کو بھی اپنے قدم مبارک سے برکت بخشی اس وقت منشی صاحبؓ کے دادا محمد بخش صاحب بقید حیات تھے انہیں حضرت اقدس سے مصافحہ کا شرف بھی حاصل ہوا۔ بعد ازاں پٹیالہ سے ہوتے ہوئے واپس انبالہ چھاؤنی روانہ ہو گئے [۱۵]۔ اس سفر میں منشی عبد اللہ صاحب سنوریؓ بھی آپ کے ہمراہ تھے۔

حواشی

۱۔ جماعت لدھیانہ کے روح رواں اور حضرت اقدس کے قدیم عشاق میں سے تھے حضرت نے "ازالہ اوہام" صفحہ ۷۹۳۔۷۹۴ میں اپنے مخلصین کا تذکرہ کرتے ہوئے انکے متعلق تحریر فرمایا ہے "اس عاجز کے ایک منتخب دوستوں میں سے ہیں۔ محبت و خلوص و وفاو صدق و صفا کے آثار ان کے چہرہ پر نمایاں ہیں خدمت گزاری میں ہر وقت کھڑے ہیں...... اور ایام سکونت لدھیانہ میں جو چھ چھ ماہ تک بھی اتفاق ہوتا ہے ایک بڑا حصہ مہمانداری کا خوشی کے ساتھ وہ اپنے ذمے لے لیتے ہیں اور جہاں تک ان کے قبضہ قدرت میں ہے وہ ہمدردی اور خدمت اور ہر ایک قسم کی غمخواری میں کسی بات سے فرق نہیں کرتے"۔ لدھیانہ سے مالیر کوٹلہ تک ان کی شکر میں چلتی تھیں عمر کے آخر میں قادیان آگئے تھے اور مہتمم لنگر خانہ کے فرائض نہایت درجہ استقلال و امانت سے سنبھال لئے۔ ۲۴ اگست ۱۹۱۲ء کو لدھیانہ میں فوت ہوئے اور بہشتی مقبرہ میں دفن ہوئے (الحکم ۷'۱۴۔ ستمبر ۱۹۱۲ء' ۲۸۔ اگست ۱۹۳۵ء)

۲۔ "انقلاب" ۱۸۵۷ء کے بعد ترک وطن کر کے لدھیانہ میں جاگزیں ہو گئے حضرت اقدس کے بڑے فدائی تھے ایک مرتبہ انہوں نے حضور کی خدمت میں ایک خط اور منی آرڈر بھجوایا جس کے متعلق قبل از وقت حضور کو خدا تعالیٰ نے اطلاع دے دی جو انکے اخلاص پر ایک آسمانی شہادت تھی۔ وفات ۱۸۹۱ء (الحکم ۳۱۔ مارچ ۱۹۳۴ء صفحہ ۹)

۳۔ حکیم محمد عمر صاحب کے والد ماجد! آپ نے ۳۱۔ دسمبر ۱۹۲۰ء کو ۸۰ سال کی عمر میں انتقال فرمایا۔ آپ کو قبول صداقت کے بعد بہت سی مالی اور اعزازی قربانیاں دینی پڑیں۔ مگر آپ مضبوط چٹان کی طرح اپنے عقیدہ پر تادم آخر مستحکم رہے۔ ۳۱۳۔ اصحاب کبار میں آپ کا نام ۱۳۱ نمبر پر ہے سیدنا حضرت مسیح پاک علیہ السلام نے آپ کو بیعت لینے کی بھی اجازت دے رکھی تھی۔ (الفضل ۲۰۔ ۱۷۔ اپریل ۱۹۲۲ء)

۴۔ کابل کے مشہور شاہی خاندان درانی سے تعلق رکھتے تھے اور شاہ شجاع کی نسل میں سے تھے۔ اس خاندانی عظمت کے باوجود ان کی پوری زندگی توکل سے معمور درویشی میں گزری۔ خلافت ثانیہ کے آغاز میں جب حضرت مصلح موعود نے وقف زندگی کی تحریک فرمائی تو حضرت شہزادہ صاحب نے اپنا مکان فروخت کر دیا اور اپنے خرچ پر تبلیغی جہاد پر جانے کے لئے اپنی خدمات پیش کر دیں۔ اس وقت آپ کو بھجوایا نہ جاسکا اور جب کچھ عرصہ بعد انہیں حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے ایران جانے کا ارشاد فرمایا تو وہ روپیہ خرچ کر چکے تھے۔ لیکن انہوں نے اس امر کا اشارۃً بھی اظہار کرنا گوارا نہیں کیا۔ اور اسی بے سروسامانی کی حالت میں ایران کی طرف چل دیئے۔ اور پیرانہ سالی اور کس مپرسی کے باوجود چار سال تک تبلیغ حق میں مصروف عمل رہے اور اسی جہاد میں اپنی زندگی ختم کر دی۔ اور ۲۳۔ فروری ۱۹۲۸ء کو انتقال فرمایا۔ آپ کی شہادت کی خبر پر حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ نے فرمایا کہ قسطنطنیہ خوش قسمت ہے کہ وہ حضرت ایوب انصاریؓ کا مدفن بنا۔ اور ایران کو یہ فخر نصیب ہوا کہ وہاں خدا نے ایک ایسے شخص کو وفات دی جسے لوگ اس کی زندگی میں ولی اللہ کہتے تھے۔ (الفضل ۷۔ ۲۔ مارچ ۱۹۲۸ء صفحہ ۱۔ الحکم نمبر ۲۶ تا ۳۶ جلد ۷۔ ۳۔ ۱۹۳۴ء۔ الفضل ۲۸۔ دسمبر ۱۹۳۹ء صفحہ ۸۶)

۵۔ مکتوبات احمدیہ جلد اول صفحہ ۲۷ ناشر حضرت شیخ یعقوب علی صاحب دسمبر ۱۹۰۸ء انوار احمدیہ مشین پریس قادیان

۶۔ قادیان کے ایک نیک مزاج مولوی صاحب ! حضرت اقدسؑ سے ان کا گہرا تعلق تھا اور وہی مسجد اقصیٰ کے اولین امام تھے ان کا ایک بھائی غفارا جو بالکل جاہل تھا بعض اوقات حضور کی خدمت میں رہتا تھا۔ (سیرت المہدی حصہ اول۔ طبع ثانی۔ صفحہ ۲۲۰۔ ۲۲۱)

۷۔ بیعت اولیٰ کی تاریخی تقریب میں نویں نمبر پر بیعت کی اور اپنے چچا اور خسر میر عباس علی صاحب کے ارتداد کے باوجود آخر دم تک حق و صداقت کے پرجوش داعی و علمبردار رہے۔ بڑے مستجاب الدعوات اور صاحب کشف تھے۔ لدھیانہ کے سجادہ نشینوں میں سے تھے۔ خانقاہ کے ساتھ کافی زمین ورثہ میں پائی تھی۔ مگر آپ وہاں کبھی جا کر کھڑے بھی نہیں ہوئے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ خانقاہ کے جاروب کش ہی مالک بن بیٹھے مریدوں سے اکثر فرمایا کرتے کہ ہم تو خود اصل سرکار کے مرید ہیں۔ ولادت ۱۸۵۸ء' وفات ۳۔ ستمبر ۱۹۴۳ (الفضل ۲۱' ۲۲۔ ستمبر ۱۹۴۳ء صفحہ ۳)

۸- حضرت اقدس کے قدیم اور درویش طبع صحابی جو طبیب بھی تھے اور خوش الحان واعظ بھی۔ سفر نصیبین کے لئے جو وفد حضرت مسیح موعودؑ نے تجویز فرمایا تھا اس کے ایک رکن آپ بھی نامزد ہوئے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے حکم سے آپ کو ہندوستان کے مختلف مقامات پر پیغام احمدیت پہنچانے کا موقعہ ملا۔ حضرت خلیفہ اولؓ کی وفات کے بعد حضور ہی کے جاری کردہ مطب میں بیٹھ گئے اور ربع صدی سے زائد عرصہ تک اپنے مایہ ناز استاد (حضرت خلیفہ اولؓ) کے چشمہ حکمت سے مخلوق خدا کو فیض یاب کیا۔ راولپنڈی میں ۲۵- اکتوبر ۱۹۴۸ء کو اپنے مولائے حقیقی سے جا ملے۔ (الفضل ۲- نومبر ۱۹۴۸ء اور ۹- جنوری ۱۹۴۹)

۹- ایک قسم کا پشمینہ کا کپڑا جو مل کر ملائم کیا جاتا ہے۔ (فرہنگ آصفیہ)

۱۰- "روایات صحابہ" (غیر مطبوعہ) جلد ہشتم صفحہ ۲۸۴-۲۸۵-

۱۱- الحکم ۱۴- فروری ۱۹۳۵ء صفحہ ۳ الحکم ۷- مارچ ۱۹۲۰ صفحہ ۱- ۳ "سیرت المہدی" حصہ اول طبع ثانی صفحہ ۱۴۵ تا ۱۴۷"۔ "سیرت المہدی" حصہ سوم صفحہ ۳۴- صفحہ ۹۹-۱۰۰- روایات صحابہ غیر مطبوعہ جلد ہفتم صفحہ ۱-۲- الحکم ۲۱ مئی تا ۱۴ جون ۱۹۴۳ء صفحہ ۸ '۹ "روایات صحابہ" غیر مطبوعہ جلد یازدہم صفحہ ۳۵۷ روایات صحابہ غیر مطبوعہ جلد پنجم صفحہ ۸۴-

۱۲- حیات احمد جلد دوم نمبر دوم صفحہ ۱۹ 'صفحہ ۲۰

۱۳- سیرت المہدی حصہ دوم صفحہ ۲۷ '۲۸ اور روایات صحابہ "جلد اول صفحہ ۱۲۱ '۱۲۲ حیات احمد جلد دوم نمبر سوم صفحہ ۴۲ '۴۳ از حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانی مطبوعہ اسلامی پریس حیدر آباد دکن دسمبر ۱۹۵۱ء

۱۴- ولادت ۱۸۳۰ء وفات ۱۸۹۵ء آپ کا شمار روشن خیال اہل قلم میں ہوتا ہے آپ نے ۱۸۸۹ء میں قرآن مجید کے کلام اللہ ہونے کے ثبوت میں "اعجاز التنزیل" کے نام سے ایک مبسوط کتاب شائع کی جو آپ کے علمی ذوق کی آئینہ دار ہے۔

۱۵- "روایات صحابہ" غیر مطبوعہ جلد ۱۱ صفحہ ۲ '۳ "مکتوبات بنام مولوی عبداللہ صاحب سنوری" صفحہ ۴۹ "لائف آف احمد" مرتبہ مولانا عبدالرحیم صاحب درد صفحہ ۱۰۱-

دوسری شادی، مبشر اولاد اور ایک نہایت مبارک اور مقدس خاندان کی بنیاد

دنیا میں اسلام کے عالمگیر نظام روحانی کے قیام اور امام عصر حاضر کے لائے ہوئے آسمانی انوار و برکات کو جہان بھر میں پھیلا دینے کے لئے ازل سے یہ مقدر تھا کہ ہندوستان کے صوفی مرتاض اور ولی کامل حضرت خواجہ محمد ناصر کی نسل سے ایک پاک خاتون مہدی موعود کی عقد زوجیت میں آئیگی جس کے نتیجہ میں ایک نہایت مبارک اور مقدس خاندان کی بنیاد رکھی جائے گی جو خدا کے دین کا جھنڈا بلند کر کے کثرت سے ملکوں میں پھیل جائے گا اور نہایت شان و شوکت سے قیامت تک سرسبز رہے گا۔ چنانچہ اٹھارھویں صدی کے آغاز میں خود حضرت خواجہ محمد ناصر رحمتہ اللہ علیہ (ولادت ۱۶۹۳ء وفات ۲۹۔اپریل ۱۷۵۸ء) کو برسوں کی سخت ریاضتوں اور مجاہدات کے بعد ایک مکاشفہ میں حضرت امام حسنؓ کی روح نے خبر دی کہ **"نانا جان نے مجھے خاص اس لئے تیرے پاس بھیجا تھا کہ میں تجھے معرفت اور ولایت سے مالا مال کر دوں۔ یہ ایک خاص نعمت تھی جو خانوادہ نبوت نے تیرے واسطے محفوظ رکھی تھی۔ اس کی ابتداء تجھ پر ہوئی ہے اور انجام اس کا مہدی علیہ الصلوۃ والسلام پر ہو گا"** [۱] سو جب اس موعود نعمت کے عطا ہونے کا وقت قریب آیا تو اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو بار بار اطلاع دی کہ ہم تیرے اب و جد کے سلسلے کو منقطع کر کے تجھ سے ایک نئی نسل اور نئے خاندان کی ابتدا کرنے والے ہیں بلکہ آپ کو قبل از وقت یہ بھی بتا دیا گیا کہ آپ کی یہ دوسری شادی دلی کے ایک مشہور سادات خاندان میں مقدر ہے۔ حضرت ایک عرصہ سے عملاً تجرد کی زندگی بسر کر رہے تھے۔ اور مسلسل علمی مشاغل شب بیداری کے باعث ضعف قلب و دماغ، ذیابیطس اور دوران سر وغیرہ امراض سے طبیعت انتہا درجہ کمزور ہو چکی تھی۔ عمر پچاس سال تک پہنچ رہی تھی جو ہمارے ملک کی اوسط عمر کے مطابق پیرانہ سالی میں شمار ہوتی ہے اور اقتصادی مشکلات اور اہل خاندان کی مخالفت الگ ایک مستقل مصیبت تھی ان حالات میں جب کہ شادی کی راہ میں قدم قدم

پر ایسے موانع تھے ۔ کہ آپ کو ازدواجی زندگی میں قدم رکھنے کی جرات نہیں ہو سکتی تھی لیکن چونکہ خدائی منشاء میں نکاح ثانی کا ہونا ضروری تھا اس لئے خدا تعالیٰ نے (غالباً ۱۸۸۱ء میں آپ کو نئی شادی کی تحریک فرمائی اور یہ خوشخبری بھی دی کہ تمہیں تشویش کی قطعاً ضرورت نہیں ۔ شادی کا سب سامان ہم اپنے دست قدرت سے کریں گے ۔ چنانچہ آپ کو الہام ہوا ۔

ہرچہ باید نو عروسے راہماں ساماں کنم
واں چہ مطلوب شما باشد عطائے آں کنم

یعنی جو کچھ دلہن کے لئے فراہم ہونا چاہیے وہ میں فراہم کرونگا اور تمہاری ہر ایک ضرورت پوری کروں گا ۔ [۲] اس خدائی بشارت کے تین سال بعد نومبر ۱۸۸۴ء میں خواجہ محمد ناصر رحمتہ اللہ علیہ کے خاندان میں حضرت میر ناصر نواب صاحب دہلوی کے ہاں آپ کی دوسری شادی ہوئی اور ان کی دختر نیک اختر نصرت جہاں بیگمؓ [۳] "خدیجہ" بن کر آپ کے حرم میں داخل ہوئیں اور لاکھوں مومنوں کی روحانی ماں ہونے کی وجہ سے "ام المومنین" کا ابدی خطاب پایا ۔

حضرت اقدس کی دوسری شادی کا یہ خدائی سامان اس طرح ہوا کہ حضرت میر ناصر نواب صاحب ۱۸۷۶ء سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ارادت مندوں میں شامل اور آپ کی خدانما شخصیت کے مداح تھے ۔ جب "براہین احمدیہ" شائع ہوئی تو انہوں نے بھی اس کا ایک نسخہ خریدا اور پھر جذبات عقیدت میں چند امور کے لئے حضرت سے دعا منگوانے کے لئے خط لکھا جن میں سے ایک امر یہ بھی تھا کہ دعا کریں مجھے خدا تعالیٰ نیک اور صالح داماد عطا فرمائے ۔ اس وقت چونکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نئے رشتہ کی تحریک ہو چکی تھی اور یہ بھی بتایا جا چکا تھا کہ رشتہ دلی کے عالی نسب سادات خاندان میں مقدر ہے اس لئے جب حضرت میر صاحب کا یہ خط پہنچا تو حضور نے خداداد فراست سے درخواست دعا کو خدائی اشارہ پا کر انہیں جواب دیا ۔ کہ میرا تعلق اپنی بیوی سے عملاً منقطع ہے اور میں اور نکاح کرنا چاہتا ہوں مجھے اللہ تعالیٰ نے الہام فرمایا ہے کہ جیسا تمہارا عمدہ خاندان ہے ایسا ہی تم کو سادات کے معزز خاندان میں سے زوجہ عطا کروں گا تمہیں کچھ تکلیف نہ ہوگی ۔ نیز یہ بھی لکھا کہ تا تصفیہ اس امر کو مخفی رکھیں اور رد کرنے میں جلدی نہ کریں ۔ حضرت میر صاحب جو ہمیشہ اللہ تعالیٰ سے دعا مانگا کرتے تھے کہ انہیں کوئی نیک اور صالح داماد عطا ہو یہ جواب پڑھ کر گہرے فکر میں پڑ گئے اور کچھ تامل کیا کیونکہ اول تو ان کی بیٹی ۱۷/۱۸ سال کی تھیں اور حضرت کی عمر پچاس سال کے لگ بھگ تھی ۔ دوسرے پہلی بیوی اور دو بچے بھی موجود تھے ۔ خاندان بھی دوسرا تھا اور تمدنی ماحول کی پیچیدگیاں الگ نظر آ رہی تھیں بایں ہمہ خدا نے یہ تصرف کیا کہ حضرت کی نیکی اور نیک مزاجی پر نظر کر کے انہوں نے اپنے دل میں یہ پختہ

فیصلہ کر لیا کہ اسی نیک مرد سے میں اپنی دختر نیک اختر کا رشتہ کروں گا۔ تاہم انہوں نے اس ڈر کی وجہ سے کہ مبادا انکی اہلیہ صاحبہ انکار کر دیں اس خط کا مضمون اپنے تک محدود رکھا اور ان سے ذکر تک نہیں کیا۔ دل کی بات دل ہی میں رہ گئی۔ اس کے بعد حضرت میر صاحب ملازمت کے سلسلہ میں ضلع لاہور سے منتقل ہو کر چند ماہ کے لئے پٹیالہ اور مالیر کوٹلہ میں قیام فرماتے ہوئے ملتان گئے اور پھر ملتان سے رخصت پر اپنے وطن دلی جا پہنچے اس عرصہ میں کئی جگہ سے رشتہ کے پیغام آتے رہے اور سلسلہ جنبانی ہو رہا تھا۔ لیکن خدا کی شان خود ان کی اہلیہ محترمہ یعنی حضرت نانی اماں سید بیگم صاحبہ کی کسی جگہ تسلی نہیں ہوئی ۔ حالانکہ پیغام دینے والوں میں بعض بڑے اچھے اچھے آسودہ حال بھی تھے اور بہت اصرار کے ساتھ درخواست کرتے تھے حضرت نانی اماں کے بیان کے مطابق اس دوران میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا نام بھی زیر تجویز آیا لیکن وہ عمر کے تفاوت اور خصوصاً پنجاب والوں کے خلاف دہلوی تعصب کی وجہ سے یہاں بھی مطمئن نہ ہو سکیں۔ مگر اب جو حضرت میر صاحب دلی آئے تو اللہ تعالیٰ نے ان کے دلی ارادے کی تکمیل کے لئے خود ہی حضرت نانی اماں کا شرح صدر کر دیا۔ ایک دن نانی اماں سے رشتہ کی بابت تذکرہ جاری تھا کہ حضرت میر صاحب نے ایک لدھیانہ کے باشندہ سے متعلق کہا کہ اس کی طرف سے بہت اصرار سے درخواست ہے اور ہے بھی وہ اچھا آدمی۔ اسے رشتہ دے دو۔ انہوں نے اس کی ذات وغیرہ دریافت کی۔ تو انہوں نے صاف انکار کر دیا۔ جس پر حضرت میر صاحب نے خفگی کے لہجے میں کہا لڑکی اٹھارہ سال کی ہو گئی ہے کیا ساری عمر اسے یونہی بٹھا چھوڑو گی؟ حضرت نانی اماں نے جواب دیا کہ "ان لوگوں سے تو پھر غلام احمد ہی ہزار درجہ اچھا ہے"۔ حضرت میر صاحب نے جو اس سنہری موقع کے بے تابی سے منتظر تھے جھٹ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا خط نکال کر ان کے سامنے رکھ دیا اور کہا کہ "لو پھر مرزا غلام احمد کا بھی خط آیا ہوا ہے جو کچھ ہو ہمیں اب جلد فیصلہ کرنا چاہیے"۔ حضرت نانی اماں نے کہا کہ "اچھا پھر غلام احمد کو لکھ دو"۔ چنانچہ حضرت میر صاحب نے اسی وقت حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو خط لکھ دیا اور نکاح کا دن (حضرت ام المومنینؓ کی روایات کے مطابق) ۲۶۔ محرم ۱۳۰۲ھ مقرر کر دیا۔ جسے حضرت مسیح موعود کے ایماء پر ۲۷۔ محرم ۱۳۰۲ھ بروز سوموار (مطابق ۱۷۔ نومبر ۱۸۸۴ء) کر دیا گیا۔

حضرت مسیح موعود کی برات دلی میں اور واپسی

تاریخ طے پا گئی تو آسمانی دولہا یعنی حضرت مسیح موعود علیہ السلام دلی جانے کے لئے حافظ حامد علی صاحبؓ اور لالہ ملاوامل صاحب کی معیت میں لدھیانہ سٹیشن پر وارد ہوئے۔ جہاں لدھیانہ کے مخلصین حضرت صوفی احمد جان صاحبؓ اور ان کے فرزند صاحبزادہ پیر

منظور محمد صاحبؓ اور صاحبزادہ پیر افتخار احمد صاحبؓ ' میر عباس علی صاحب اور دوسرے حضرات موجود تھے حضرت صوفی صاحبؓ نے ایک تھیلی جس میں کچھ رقم تھی آپ کی نذر کی۔ حضرت اقدس نے یہاں میر عباس علی صاحب سے برات میں شمولیت کی خواہش ظاہر فرمائی مگر انہوں نے خرابی صحت کا عذر کر کے معذرت کر دی۔ اور آپ دو خدام کی مختصر سی برات لے کر دلی پہنچے۔ خواجہ میر دردؒ کی مسجد میں عصر و مغرب کے درمیان مولوی سید نذیر حسین صاحب ۵ دہلوی نے گیارہ سو روپیہ مہر پر نکاح پڑھا جو ضعف اور بڑھاپے کی وجہ سے چل پھر نہیں سکتے تھے۔ اور ڈولی میں بیٹھ کر آئے تھے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس موقعہ پر مولوی صاحب کو ایک مصلیٰ اور پانچ روپے بطور ہدیہ دیئے حضرت میر صاحب نے رشتہ کا معاملہ اپنے خاندان بلکہ اپنی والدہ ماجدہ وغیرہ سے بھی مخفی رکھا تھا۔ حضرت پہنچے تو انہیں بھی خبر ہو گئی اور وہ بھڑک اٹھے کہ ایک بوڑھے شخص اور پھر پنجابی کو رشتہ دے دیا ہے۔ اور کئی افراد خاندان تو اسی غصہ اور ناراضی میں نکاح میں شامل نہیں ہوئے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے نکاح کے اخراجات کے لئے منشی عبدالحق صاحب اکونٹنٹ سے پانچ سو روپیہ بطور قرض لے لیا تھا (جسے انہوں نے بعد میں "سراج منیر" کی اشاعت کی مد میں دے دیا) اور دو تین سو کی رقم حکیم محمد شریف صاحب کلانوری نے پیش کر دی تھی۔ شادی بیاہ کے ملکی دستور کے مطابق حضور کو دلہن کے لئے قیمتی زیور اور پارچات ضرور لے جانا چاہیے تھے مگر حضرت اپنے دینی منصب کے لحاظ سے یہ تقریب اسلامی تمدن و معاشرت کی روشنی میں نہایت سادہ اور پروقار طریق پر انجام دینا چاہتے تھے اس لئے رسم و رواج کی پابندیوں سے عجیب شان بے نیازی دکھاتے ہوئے آپ اس موقعہ پر کوئی کپڑا اور زیور ساتھ نہیں لے گئے تھے صرف ڈھائی سو روپیہ کی رقم حضرت میر صاحبؓ کے حوالے کی کہ جو چاہیں بنوالیں۔ حضرت میر صاحبؓ کی برادری نے اس طرز عمل پر سخت لے دے کی۔ کہ اچھا نکاح ہوا کہ کوئی زیور کپڑا ساتھ نہیں آیا۔ انہیں جواب دیا گیا کہ مرزا صاحب کے اپنے رشتہ داروں کے ساتھ زیادہ تعلقات نہیں ہیں اور گھر کی عورتیں ان کی مخالف ہیں اور پھر وہ جلدی میں آئے ہیں اس حالت میں وہ زیور کپڑا کہاں سے بنوالاتے؟ مگر بعض برادری والے سختی پر اتر آئے اور بعض دانت پیس کر رہ گئے۔ بہر حال اس ماحول میں نکاح کے بعد رخصتانہ کی تقریب عمل میں آئی۔ جس میں تکلف یا رسم و رواج نام کو بھی نہیں تھا۔ جہیز کو صندوق میں بند کر کے کنجی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو دے دی گئی اور حضور دوسرے دن حضرت سیدۃ النساء ام المومنین نصرت جہاں بیگم کو ساتھ لے کر دلی سے روانہ ہوئے اور قادیان تشریف لے آئے۔

نئی دلہن کی سسرال میں پہلی آمد پر خوشی اور طرب کے بڑے بڑے جشن منعقد کئے جاتے ہیں مگر

حضرت ام المومنین تو ایسی جگہ تشریف لائی تھیں جہاں ہر طرف بیگانے ہی بیگانے تھے۔ اور حضرت مسیح موعودؑ کی پہلی خوشدامن محترمہ چراغ بی بی صاحبہ کے سوا باقی سب رشتہ دار شدید مخالف اور بالخصوص اس دوسری شادی پر طیش میں آئے ہوئے تھے۔ زبان۔ طرز معاشرت اور ماحول بھی بالکل نئے تھے۔ پھر کجا دلی جیسا بارونق اور پینتالیس میل کی وسعتوں کو محیط ایک شاندار اور بارونق تاریخی شہر اور کجا دنیا کی آبادی سے دور ایک گمنام سا گاؤں نہ لال قلعہ نہ شاہی محلات نہ بلند و بالا مساجد۔ نہ پرشکوہ اور سر بفلک عمارتیں نہ بلند و بالا مینار۔ نتیجہ یہ ہوا کہ حضرت نصرت جہاں بیگم اس عالم تنہائی میں سخت گھبرا گئیں۔ چنانچہ حضرت نواب مبارکہ بیگم کا بیان ہے کہ اماں جان نے ایک دفعہ ذکر فرمایا جب تمہارے ابا مجھے بیاہ کر لائے تو یہاں سب کنبہ سخت مخالف تھا۔ دو چار خادم مرد تھے۔ گھر میں عورت کوئی نہ تھی صرف میرے ساتھ فاطمہ بیگم تھیں۔ وہ کسی کی زبان نہ سمجھتی تھیں نہ ان کی کوئی سمجھے۔ شام کا وقت بلکہ رات تھی جب ہم پہنچے۔ تنہائی کا عالم' بیگانہ وطن۔ دل کی عجیب حالت تھی۔ اور روتے روتے میرا برا حال ہو گیا تھا۔ نہ کوئی اپنا تسلی دینے والا نہ منہ دھلانے والا نہ کھلانے پلانے والا۔ کنبہ نہ ناطہ۔ اکیلی حیرانی پریشانی میں آن کر اتری۔ کمرے میں ایک کھری چارپائی پڑی تھی جس کی پائینتی پر ایک کپڑا پڑا تھا۔ اس پر تھکی ہاری جو پڑی ہوں تو صبح ہو گئی۔

یہ اس زمانہ کی ملکہ دو جہان کا بستر عروسی تھا اور سسرال کے گھر میں پہلی رات تھی۔ مگر خدا کی رحمت کے فرشتے پکار پکار کر کہہ رہے تھے کہ "اے کھری چارپائی پر سونے والی پہلے دن کی دلہن ! دیکھ تو سہی دو جہان کی نعمتیں ہوں گی اور تو ہو گی بلکہ ایک دن تاج شاہی تیرے خادموں سے لگے ہوں گے انشاء اللہ ! صبح حضرت مسیح موعودؑ نے ایک خادمہ کو بلوا دیا اور گھر میں آرام کا سب بندوبست کر دیا"۔

بایں ہمہ حضرت ام المومنین طبعی طور پر ایک اجنبی ماحول دیکھ کر سخت حزن و ملال میں مبتلا ہو گئیں اور آشفتگی میں انہوں نے دلی خط لکھے کہ "میں سخت گھبرائی ہوئی ہوں اور شاید میں اسی غم اور گھبراہٹ سے مر جاؤں گی"۔ ان خطوط کا پہنچنا تھا کہ حضرت میر صاحب کے خاندان نے اور اعتراضات کی بوچھاڑ کر دی۔ اور کہا کہ اگر آدمی نیک تھا تو اس کی نیکی کی وجہ سے لڑکی کی عمر کیوں تباہ کی۔ یہ صورت حال دیکھ کر حضرت میر صاحب اور حضرت نانی اماں بھی کچھ گھبرا گئے۔ چنانچہ رخصتانہ سے ایک مہینہ کے بعد حضرت میر صاحب قادیان آئے اور حضرت ام المومنین کو دلی لے گئے جب وہ دلی پہنچے تو حضرت نانی اماں نے فاطمہ بیگم سے پوچھا کہ لڑکی کیسی رہی؟ اس نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی بہت تعریف کی اور کہا کہ لڑکی یونہی شروع شروع میں اجنبیت کی وجہ سے گھبرا گئی ہو گی۔ ورنہ مرزا صاحب نے ان کو بہت ہی اچھی طرح سے رکھا ہے اور بہت اچھے آدمی ہیں۔ خود حضرت ام المومنین نے بھی بتایا کہ

"مجھے انہوں نے بڑے آرام کے ساتھ رکھا مگر میں دہنی گھبراگئی تھی"۔ [۶] حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے نکاح پر جہاں حضرت مسیح موعودؑ کے خاندان اور دلی کی برادری میں غم و غصہ کی لہردوڑ گئی تھی وہاں خود حضرت کے بعض قدیم اور مخلص رفقاء نے بھی آپ کی صحت کو مدنظر رکھتے ہوئے اس پر اظہار افسوس کیا۔ چنانچہ مولوی ابو سعید محمد حسین صاحب بٹالوی نے خط بھیجا کہ "مجھے حکیم محمد شریف صاحب کی زبانی معلوم ہوا ہے کہ آپ بباعث سخت کمزوری کے اس لائق نہ تھے۔ اگر یہ امر آپ کی روحانی قوت سے تعلق رکھتا ہے تو میں اعتراض نہیں کر سکتا کیونکہ میں اولیاء اللہ کے خوارق اور روحانی قوتوں کا منکر نہیں ورنہ ایک بڑے فکر کی بات ہے ایسا نہ ہو کہ کوئی ابتلا پیش آوے"۔ [۷]

غرض اپنے تو ابتلاء میں پڑ گئے اور بیگانوں نے خوب کھل کر چہ میگوئیاں کیں مذاق اڑایا۔ مگر خدا نے عرش سے آپ کو ۱۸۸۶ء میں یہ جاں فزا بشارت دی کہ۔ "تیرا گھر برکت سے بھرے گا۔ اور میں اپنی نعمتیں تجھ پر پوری کروں گا۔ اور خواتین مبارکہ سے جن میں سے تو بعض کو اس کے بعد پائے گا تیری نسل بہت ہوگی اور میں تیری ذریت کو بہت بڑھاؤں گا اور برکت دوں گا۔ مگر بعض ان میں سے کم عمری میں فوت بھی ہوں گے اور تیری نسل کثرت سے ملکوں میں پھیل جائے گی اور ہر ایک شاخ تیرے جدی بھائیوں کی کاٹی جائے گی اور وہ جلد لاولد ہو کر ختم ہو جائے گی اگر وہ توبہ نہ کریں گے تو خدا ان پر بلا پر بلا نازل کرے گا۔ یہاں تک کہ وہ نابود ہو جائیں گے ان کے گھر بیواؤں سے بھر جائیں گے اور ان کی دیواروں پر غضب نازل ہو گا۔ لیکن اگر وہ رجوع کریں گے تو خدا رحم کے ساتھ رجوع کرے گا۔ خدا تیری برکتیں ارگرد پھیلائے گا اور ایک اجڑا ہوا گھر تجھ سے آباد کرے گا۔ اور ایک ڈراؤنا گھر برکتوں سے بھر دے گا [۸]۔ تیری ذریت منقطع نہیں ہوگی اور آخری دنوں تک سرسبز رہے گی۔ خدا تیرے نام کو اس روز تک جو دنیا منقطع ہو جائے عزت کے ساتھ قائم رکھے گا۔ اور تیری دعوت کو دنیا کے کناروں تک پہنچا دے گا"۔ [۹] چنانچہ اس وعدہ کے مطابق حضرت ام المؤمنین کے ذریعہ سے ایک مبارک نسل کا آغاز ہوا اور آپ کے بطن مبارک سے پانچ صاحبزادے اور پانچ صاحبزادیاں پیدا ہوئیں جن کے اسماء گرامی یہ ہیں۔

۱۔ صاحبزادی عصمت (ولادت ۱۵۔ اپریل ۱۸۸۶ء۔ وفات جولائی ۱۸۹۱ء)

۲۔ بشیر اول (ولادت ۷۔ اگست ۱۸۸۷ء بعد از نصف شب۔ وفات ۴۔ نومبر ۱۸۸۸ء (سبز اشتہار)

۳۔ حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر الدین محمود احمد خلیفہ المسیح الثانی امام جماعت احمدیہ ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز (ولادت ۱۲۔ جنوری ۱۸۸۹ء دس گیارہ بجے شب)

۴۔ صاحبزادی شوکت (ولادت ۱۸۹۱ء چار بجے شام۔ وفات ۱۸۹۲ء)

۵- حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر صاحب ایم-اے سلمہ ربہ (ولادت ۲۰-اپریل ۱۸۹۳ء طلوع آفتاب کے بعد)

۶- حضرت صاحبزادہ مرزا شریف احمد صاحب (ولادت ۲۴- مئی ۱۸۹۵ء طلوع آفتاب سے قبل)

۷- حضرت نواب مبارکہ بیگم صاحبہ (ولادت ۲- مارچ ۱۸۹۷ء پہلی رات کے نصف اول میں)

۸- حضرت صاحبزادہ مرزا مبارک احمد صاحب (ولادت سہ پہر کے وقت ۱۴- جون ۱۸۹۹ء وفات ۱۶- ستمبر ۱۹۰۷ء)

۹- صاحبزادی سیدہ امتہ النصیر (ولادت ۲۸- جنوری ۱۹۰۳ء - وفات ۳- دسمبر ۱۹۰۳ء)

۱۰- حضرت صاحبزادی امتہ الحفیظ بیگم صاحبہ (ولادت ۲۵ جون ۱۹۰۴ء - عشاء کے بعد) [۱۰]

مبارک نسل کے اس خدائی وعدہ کے علاوہ جو ۱۸۸۶ء میں عمومی رنگ میں حضرت مسیح موعودؑ کو دیا گیا آپ کا ہر بچہ قبل از وقت الہامی اطلاع اور بھاری آسمانی بشارتوں کے ماتحت پیدا ہوا۔ حضور خود فرماتے ہیں۔ "ہر ایک لڑکا جو میرے گھر میں اس بیوی سے پیدا ہوا موعود ہے"۔ [۱۱] اور اسی لئے حضرت مسیح موعود علیہ السلام حضرت اُمّ المؤمنین کو شعائر اللہ یقین کرتے۔ ان کی دلداری کی ہر ممکن کوشش کرتے تھے۔ حضرت مفتی محمد صادق صاحب رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ "ایک دن کا ذکر ہے کہ کسی دیوار کے متعلق حضرت ام المومنین کی رائے تھی کہ یوں بنائی جائے اور مولوی عبد الکریم رضی اللہ عنہ کی رائے اس کے خلاف تھی چنانچہ مولوی صاحب موصوف نے حضرت اقدس سے عرض کیا تو آپ نے فرمایا خدا تعالیٰ نے مجھے لڑکوں کی بشارت دی اور وہ اس بی بی کے بطن سے پیدا ہوئے اس لئے میں اسے شعائر اللہ سے سمجھ کر اس کی خاطر داری رکھتا ہوں اور جو وہ کہے مان لیتا ہوں"۔ حضرت کو اپنی بصیرت اور باطنی قوتوں کی بناء پر آپ کے نام "نصرت جہاں بیگم" میں بھی خدائی نصرتوں کے انوار نظر آتے تھے اور آپ فرماتے تھے:-

"چونکہ خدا تعالیٰ کا وعدہ تھا کہ میری نسل میں سے ایک بڑی بنیاد حمایت اسلام کی ڈالے گا۔ اور اس میں سے وہ شخص پیدا کرے گا جو آسمانی روح اپنے اندر رکھتا ہو گا۔ اس لئے اس نے پسند کیا کہ اس خاندان (میر دردؒ - ناقل) کی لڑکی میرے نکاح میں لاوے اور اس سے وہ اولاد پیدا کرے جو ان نوروں کو جن کی میرے ہاتھ سے تخم ریزی ہوئی ہے دنیا میں پھیلا دے اور یہ عجیب اتفاق ہے کہ جس طرح سادات کی دادی کا نام شہربانو تھا اسی طرح میری یہ بیوی جو آئندہ خاندان کی ماں ہو گی اس کا نام نصرت جہاں بیگم ہے یہ تفاؤل کے طور پر اس بات کی طرف اشارہ معلوم ہوتا ہے کہ خدا نے تمام جہان کی مدد کے لئے میرے آئندہ خاندان کی بنیاد ڈالی ہے یہ خدا تعالیٰ کی عادت ہے کہ کبھی ناموں میں بھی اس کی

پیشگوئی مخفی ہوتی ہے"۔ ۱۲

جماعت کے بزرگ حضرت اقدسؑ کی زندگی میں آپ کو "ام المومنین" کہتے تھے۔ ایک دفعہ مخالف حلقوں میں آپ کے "ام المومنین" کہلانے پر طنز کیا گیا تو حضور نے فرمایا۔ "نبیوں یا ان کے اظلال کی بیویاں اگر امہات المومنین نہیں ہوتی ہیں تو کیا ہوتی ہیں؟ ۱۳ خدا تعالیٰ کی سنت اور قانون قدرت کا اس تعامل سے بھی پتہ لگتا ہے کہ کبھی کسی نبی کی بیوی سے کسی نے شادی نہیں کی ہم کہتے ہیں ان لوگوں سے جو اعتراض کرتے ہیں کہ ام المومنین کیوں کہتے ہو پوچھنا چاہیے کہ تم بتاؤ جو مسیح موعود تمہارے ذہن میں ہے اور جسے تم سمجھتے ہو کہ وہ آکر نکاح بھی کرے گا کیا اس کی بیوی کو تم ام المومنین کہو گے یا نہیں؟ مسلم میں تو مسیح موعود کو نبی ہی کہا گیا۔ اور قرآن شریف میں انبیاء علیہم السلام کی بیویوں کو مومنوں کی مائیں قرار دیا ہے"۔ ۱۴

۱۹۰۵ء کے آخر میں اللہ تعالیٰ کے حکم سے جماعت کے برگزیدہ لوگوں کی آخری آرام گاہ کے لئے "بہشتی مقبرہ" کا قیام عمل میں لایا گیا۔ تو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے حضرت ام المومنین اور اپنی مبشر اولاد کے متعلق وصیت فرمائی کہ میری نسبت اور میرے اہل و عیال کی نسبت خدا نے استثناء رکھا ہے باقی ہر ایک مرد ہو یا عورت ہو ان کو ان شرائط کی پابندی لازم ہو گی۔ اور شکایت کرنے والا منافق ہو گا"۔ ۱۵

حضرت ام المومنین اٹھارہ سال کی عمر میں نومبر ۱۸۸۴ء میں قادیان آئیں اور حضرت کے ہر دعویٰ اور ہر بات پر غیر متزلزل ایمان لائیں اور جیسا کہ حضرت مولوی عبد الکریم صاحب رضی اللہ عنہ نے اپنی سیرت مسیح موعودؑ میں لکھا ہے۔ "سخت سے سخت بیماریوں اور اضطراب کے وقتوں میں جیسا اعتماد انہیں حضرت کی دعا پر ہے کسی چیز پر نہیں۔ وہ ہر بات میں حضرت کو صادق و مصدوق مانتی ہیں جیسے کوئی جلیل سے جلیل اصحابی مانتا ہے"۔ حضرت سیدۃ النساء حضرت اقدس کی بشارتوں سے خوش ہوتیں اور انذارات سے ترساں و لرزاں ہوتی تھیں اور حضرت اقدس کے مشن کی تکمیل اور جماعت کی ترقی بہبود اور غمگساری کے لئے تو ہمہ اوقات وقف اور سر تاپا عمل و؟ ادبی رہیں۔ حضرت اقدس کا وصال ۱۹۰۸ء میں ہوا اور جماعت غیبی مصلحتوں کے مطابق خدا کے جری پہلوان اور افواج اسلام کے سپہ سالار کی براہ راست قیادت سے محروم ہو گئی مگر ان کی بدولت حضرت اقدس کے انوار و برکات کا سایہ انتالیس سال تک قادیان میں اور پانچ سال تک پاکستان میں ممتد ہو گیا۔ بلکہ دراصل خود حضرت مسیح موعود علیہ السلام ہی ان کے وجود میں زندہ رہے۔ بالآخر ۲۰، ۲۱۔ اپریل ۱۹۵۲ء ساڑھے گیارہ بجے شب آپ کی روح بھی قفس عنصری سے پرواز کر گئی اور جماعت مسیح موعودؑ کی یہ مقدس

یادگار بھی کھو بیٹھی۔ اب وہی فیض بلا انقطاع حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کے چشمہ صافی سے جاری ہے۔ اللھم متعنا بطول حیاتہ و اطلع شموس طالعہ۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت ام المومنین رضی اللہ عنہا کے ذریعہ سے حضرت مسیح موعودؑ کو جو مبارک نسل عطا فرمائی اسے الٰہی بشارات اور حضور کی رقت آمیز دعاؤں کے نتیجہ میں جو غیر معمولی ترقی ہوئی ہے وہ ایک خارق عادت نشان ہے جو رہتی دنیا تک قائم رہے گا۔

پہلی بیوی سے حُسنِ سلوک

حضرت ام المؤمنین کا بیان ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو اوائل ہی سے پہلی بی بی سے بے تعلقی سی تھی جس کی وجہ یہ تھی کہ حضور کے رشتہ داروں کو دین سے سخت بے رغبتی تھی اور ان کا میلان ان کی طرف تھا اور وہ اسی رنگ میں رنگین تھیں اس لئے آپ نے ان سے خصوصی تعلقات ترک کر دیئے تھے۔

ہاں حسن معاشرت میں آپ نے کبھی فرق نہیں آنے دیا۔ اور انہیں اخراجات وغیرہ باقاعدہ دیا کرتے تھے۔ نکاح ثانی کے بعد حضرت اقدس نے انہیں کہلا بھیجا۔ اب میں نے دوسری شادی کر لی ہے اب اگر دونوں بیویوں میں برابری نہیں رکھوں گا تو میں گنہگار ہوں گا۔ اس لئے اب دو باتیں ہیں۔ یا تو تم مجھ سے طلاق لے لو اور یا مجھے اپنے حقوق چھوڑ دو۔ میں تم کو خرچ دیئے جاؤں گا انہوں نے کہلا بھیجا کہ اب میں بڑھاپے میں کیا طلاق لوں گی۔ بس مجھے خرچ ملتا رہے میں اپنے باقی حقوق چھوڑتی ہوں۔ چنانچہ حضرت اقدس نے ان کی یہ خواہش منظور فرمالی۔ اور وسط ۱۸۹۱ء تک انہیں برابر خرچ ملتا رہا۔ لیکن بعد کو جب وہ اپنے بے دین رشتہ داروں کے ساتھ حضور کی مخالفت میں کھلم کھلا شامل ہو گئیں تو حضور نے محض دینی غیرت کے تحت ان کو طلاق دے دی۔ طلاق دینے سے پہلے حضور نے ۲۔ مئی ۱۸۹۱ء کو اپنے ایک اشتہار میں انہیں مخالفانہ سرگرمیوں سے دستکش ہونے کی ہدایت فرماتے ہوئے آخری بار انتباہ بھی کیا لیکن انہوں نے کچھ پروا نہیں کی۔ تب مجبوراً حضرت اقدس کو بھی ان سے کلیتہً قطع تعلق کا فیصلہ کرنا پڑا۔ حضور نے طلاق کے بعد بھی خدمت خلق کے اسلامی تقاضوں کے مطابق انہیں اپنی نوازشوں سے محروم نہیں رکھا۔ بلکہ گاہے گاہے ضرورت کے وقت حضرت ام المؤمنین کے توسط سے انہیں امداد بھی دیتے رہے۔ چنانچہ حضرت ام المومنین ہی کی روایت ہے کہ:۔

"ایک دفعہ مرزا سلطان احمد کی والدہ بیمار ہوئیں تو چونکہ حضرت صاحب کی طرف سے مجھے اجازت تھی میں انہیں دیکھنے کے لئے گئی۔ واپس آکر میں نے حضرت صاحب سے ذکر کیا کہ یہ تکلیف ہے۔ آپ خاموش رہے۔ میں نے دوسری دفعہ کہا تو فرمایا۔ میں تمہیں دو گولیاں دیتا ہوں یہ دے آؤ۔ مگر اپنی طرف سے دینا میرا نام نہ لینا۔ اور بھی بعض اوقات حضرت صاحب نے اشارۃً کنایۃً مجھ پر ظاہر کیا

کہ میں ایسے طریق پر کہ حضرت صاحب کا نام درمیان میں نہ آئے اپنی طرف سے کبھی کچھ مدد کر دیا کروں۔ سو میں کر دیا کرتی تھی"۔ [۱۷]

حواشی

۱۔ "میخانہ درد" صفحہ ۲۵ (مرتبہ سید ناصر نذیر صاحب فراق دہلوی)
۲۔ "شحنہ حق" طبع اول صفحہ ۴۳
۳۔ حضور علیہ السلام کو اس شادی سے تین برس قبل یہ الہام ہوا تھا "اشکر نعمتی رایت خدیجتی" ("براہین احمدیہ" حصہ چہارم صفحہ ۵۵۹) یعنی میری نعمت کا شکر کر کہ تو نے میری خدیجہ دیکھی۔
۴۔ وفات ۲۳۔ نومبر ۱۹۳۲ء بعمر ۸۰ سال ۱۲۔ ۱۳ سال کی عمر میں حضرت میر صاحب سے شادی ہوئی۔ آپ کے شکم سے ۱۳ بچے پیدا ہوئے سب سے پہلے حضرت ام المومنین نصرت جہاں بیگم اور پھر پانچ بچوں کے بعد حضرت میر محمد اسمٰعیل صاحب اور پھر پانچ بچوں کے بعد حضرت میر محمد اسحٰق صاحب کی ولادت ہوئی۔ سخاوت انکسار اور مودت آپ کا طرہ امتیاز تھے ۱۸۹۴ء میں ہجرت کر کے قادیان آئیں۔ حضرت مسیح موعودؑ کو جب دوران تالیف میں کسی لفظ کے متعلق تحقیق مطلوب ہوتی تو آپ کے پاس تشریف لے جاتے یا ان کو بلوا لیتے تھے۔ زبان اردو کے بارے میں حضور علیہ السلام حضرت میر صاحب سے زیادہ آپ ہی کو مستند سمجھتے تھے۔ (الفضل ۲۲۔ دسمبر ۱۹۳۲ء صفحہ ۹۔ ۱۰)
۵۔ ۱۲۲۰ھ میں سورج گڑھ ضلع بہار میں پیدا ہوئے علم حدیث کی تکمیل آپ نے شاہ محمد اسحٰق صاحب نبیرہ شاہ عبدالعزیز دہلویؒ سے کی۔ پاکستان کے اکثر علماء اہلحدیث کا سلسلہ استناد آپ تک پہنچتا ہے اسی لئے آپ شیخ الکل کے نام سے موسوم ہوتے ہیں ۱۸۹۷ء میں انگریزی حکومت سے شمس العلماء کا خطاب ملا۔ اور ۱۰۰ برس کی عمر میں وفات پائی۔ (سیرت ثنائی صفحہ ۹۷ موج کوثر صفحہ ۵۰ طبع ثانی)
۶۔ "حیات ناصر" صفحہ ۷۔ ۹ "سیرت المہدی" حصہ اول صفحہ ۵۷۔ ۵۸ و حصہ دوم ۱۰۹۔ ۱۱۲۔ ۲۳۴ "سیرت ام المومنین" جلد اول صفحہ ۲۹۸ از شیخ محمود احمد عرفانی "لائف آف احمد" صفحہ ۱۰۳ "روایات صحابہ" غیر مطبوعہ جلد ۷ صفحہ ۲ و ۳۔ حیات احمد جلد دوم نمبر سوم صفحہ ۹۸۔
۷۔ "تریاق القلوب" صفحہ ۳۵ (طبع اول)
۸، ۹۔ اشتہار ۲۰۔ فروری ۱۸۸۶ء بشمولہ "آئینہ کمالات اسلام"۔
۱۰۔ حیات احمد جلد دوم نمبر سوم صفحہ ۱۷۵ از حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانی "سیرت المہدی" حصہ اول صفحہ ۵۳ "سیرت المہدی" حصہ دوم صفحہ ۵۰
۱۱۔ "تریاق القلوب" طبع اول صفحہ ۷۲۔
۱۲۔ "تریاق القلوب" طبع اول صفحہ ۶۴۔ ۶۵
۱۳۔ بطور مثال ملاحظہ ہو۔ "گلدستہ کرامات" صفحہ ۸۱ (مطبع افتخار دہلی) و "اشارات فریدی" جلد اول صفحہ ۹۱ مطبوعہ مفید عام آگرہ۔ ان کتابوں میں حضرت عبد القادر صاحب جیلانی رحمتہ اللہ علیہ کی والدہ ماجدہ اور قطب وقت حضرت جمال الدین ھانسوی کی اہلیہ کو "ام المومنین" کے خطاب سے یاد کیا گیا ہے۔
۱۴۔ الحکم ۲۴۔ اکتوبر ۱۹۰۱ء۔ صفحہ ۱
۱۵۔ "الوصیت" صفحہ ۲۹۔
۱۶۔ "سیرت ام المومنین" حصہ اول و حصہ دوم۔ "سیرت المہدی" حصہ اول صفحہ ۳۴
"سیرت مسیح موعود" (از حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانیؓ) حصہ سوم صفحہ ۳۶۳۔ ۳۷۴۔ ۳۷۴
"سیرت مسیح موعود" (از حضرت مولوی عبد الکریم صاحب)۔ "حیات احمد" جلد دوم نمبر سوم۔ صفحہ ۶۵۔ ۹۹ "محمود کی آمین"۔

ماموریت کا چوتھا سال

دعویٰ ماموریت اور نشان نمائی کی عالمگیر دعوت

(۱۸۸۵ء)

مارچ ۱۸۸۵ء میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے حکم پاکر اپنے مامور اور مجدد وقت ہونے کا دعویٰ کرتے ہوئے اعلان عام فرمایا کہ آپ حضرت قادر مطلق جل شانہ کی طرف سے مامور ہوئے ہیں تانبی ناصری اسرائیلی (مسیح) کی طرز پر کمال مسکینی فروتنی و غربت و تذلل و تواضع سے اصلاح خلق کے لئے کوشش کریں۔ نیز یہ کہ آپ کو جناب الٰہی سے یہ علم بھی دیا گیا ہے کہ آپ مجدد وقت ہیں۔ اور روحانی طور پر آپ کے کمالات مسیح ابن مریم کے کمالات سے مشابہ ہیں اور ایک کو دوسرے سے بشدت مناسبت و مشابہت ہے اور آپ کو خواص انبیاء و رسل کے نمونہ پر محض بہ برکت و متابعت حضرت خیر البشر و افضل الرسل ﷺ ان بہتوں پر اکابر اولیاء سے فضیلت دی گئی ہے کہ جو آپ سے پہلے گزر چکے ہیں۔

ماموریت و مجددیت کے اس عظیم الشان دعویٰ کے ساتھ ہی آپ نے مذاہب عالم کے سربر آوردہ لیڈروں اور مقتدر رہنماؤں کو الٰہی بشارتوں کے تحت نشان نمائی کی عالمگیر دعوت دی کہ اگر وہ طالب صادق بن کر آپ کے یہاں ایک سال تک قیام کریں تو وہ ضرور اپنی آنکھوں سے دین اسلام کی حقانیت کے چمکتے ہوئے نشان مشاہدہ کرلیں گے اور اگر ایک سال رہ کر بھی وہ آسمانی نشان سے محروم رہیں تو انہیں دو سو روپیہ ماہوار کے حساب سے چوبیس سو روپیہ بطور ہرجانہ یا جرمانہ پیش کیا جائے گا۔[۱]

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس دعوت کی عالمگیر اشاعت کے لئے خدائی تحریک کے مطابق خاص اہتمام فرمایا۔ چنانچہ حضرت اقدسؑ نے بیس ہزار کی تعداد میں اردو انگریزی اشتہارات شائع کئے۔

اور ایشیا یورپ اور امریکہ کے تمام بڑے بڑے مذہبی لیڈروں‘ فرمانرواؤں‘ مہاراجوں‘ عالموں‘ مدبروں‘ مصنفوں اور نوابوں کو باقاعدہ رجسٹری کر کے بھجوا دیئے اور اس زمانہ میں کوئی نامور اور معروف شخصیت ایسی نہیں چھوڑی جس تک آپ نے یہ خدائی آواز نہ پہنچائی ہو۔ [۲]

اس دعوت سے بیرونی دنیا میں اس وقت بظاہر [۳] کوئی خاص جنبش پیدا نہیں ہوئی۔ مگر ہندوستان میں جو مذاہب عالم کا عجائب خانہ تھا۔ اس نے ایک زبردست زلزلہ پیدا کر دیا اور غیر مذاہب اس درجہ مبہوت اور دہشت زدہ ہو گئے کہ کسی کو آپ کی دعوت کے مطابق اسلام کی سچائی کا تجربہ کرنے کی جرات ہی نہ ہو سکی۔ آتھم صاحب امرتسر کے ایک منجھے ہوئے مشہور پادری تھے۔ حضرت اقدسؑ نے انہیں مولوی قطب الدین صاحب کے ذریعہ سے اشتہار بھجوایا تو پادری عماد الدین صاحب اور بعض دوسرے پادری نیز امرت سر کے بعض رؤساء مثلاً غلام حسن‘ یوسف شاہ وغیرہ بھی ان کی کوٹھی میں جمع ہوئے اور پادری آتھم اور دوسرے پادریوں کو قادیان جانے سے روک دیا۔ [۴] ہندوستان کی کروڑوں کی آبادی میں سے جن لوگوں نے قادیان کی روحانی تجربہ گاہ سے آزمائش پر بظاہر رضامندی ظاہر کی وہ صرف تین تھے۔ منشی اندرمن مراد آبادی۔ پادری سوفٹ۔ پنڈت لیکھرام مگر جیسا کہ آئندہ واقعات نے کھول دیا یہ آمادگی بھی محض نمائش اور فریب تھی۔

منشی اندرمن صاحب مراد آبادی کا فرار

منشی اندرمن صاحب مراد آبادی نے اس دعوت کے جواب میں سرہیرا سنگھ [۵] سی ایس آئی مہاراجہ نابھہ کے اشارہ پر پہلے نابھہ اور پھر لاہور سے حضرت اقدس کو لکھا کہ وہ آسمانی نشان دیکھنے کے لئے ایک سال تک ٹھہرنا منظور کرتے ہیں مگر اس شرط پر کہ سات دن کے اندر اندر چوبیس سو روپیہ ان کے لئے سرکاری بینک میں بطور پیشگی جمع کرا دیا جائے۔ گو پیشگی رقم کے مطالبہ کا حضرت اقدس کی اصل دعوت سے کوئی تعلق نہیں تھا۔ مگر حضرت اقدس چونکہ دل سے خواہاں تھے کہ ادیان باطلہ کا کوئی علمبردار میدان امتحان میں آئے اس لئے آپ نے چند ضروری اور ناگزیر شرائط کے ساتھ ان کا یہ مطالبہ تسلیم کر لیا اور لاہور میں مقیم اپنے ارادتمندوں یعنی منشی عبدالحق صاحب‘ منشی الٰہی بخش صاحب اکونٹنٹ اور حافظ محمد یوسف صاحب کو فوری طور پر ہدایت فرمائی کہ وہ مطلوبہ رقم مہیا کر کے منشی صاحب کو اطلاع دیں اور آپ کا جواب بھی ان تک پہنچا دیں۔ مقررہ میعاد کے اختتام میں صرف ایک رات باقی تھی۔ اس لئے جونہی حضرت اقدس کا خط لاہور میں پہنچا۔ حافظ محمد یوسف صاحب روپیہ کی تلاش میں راتوں رات اپنے ایک اہلحدیث دوست منشی سزاوار خاں صاحب پوسٹ ماسٹر کے ہاں جنرل پوسٹ آفس میں پہنچے اور حضور کی ہدایت کا ذکر کیا تو انہوں نے کہا روپیہ موجود ہے مگر گھر پر ہے میں

اس وقت جا نہیں سکتا تم چابی لے جاؤ اور جا کر روپیہ لے لو۔ اس پر حافظ صاحب ان کے گھر گئے اور ان کا پیغام دے کر چوبیس سو روپیہ لے آئے اور اپنے دوستوں سے کہا یہ مرزا صاحب کی تائید ربانی کا کھلا کھلا ثبوت ہے۔ صبح ہوئی تو یہ اصحاب مطلوبہ رقم سمیت مرزا امان اللہ صاحب منشی امیر الدین صاحب۔ خلیفہ رجب دین صاحب ۶ اور غالباً بابا محمد چٹو ۷ وغیرہ لاہور کے دوسرے سرکردہ مسلمانوں کو ساتھ لے کر منشی اندر من صاحب مراد آبادی کی موعود جائے قیام پر پہنچے لیکن وفد کو یہاں آکر معلوم ہوا کہ منشی صاحب تو لاہور سے اسی روز فرید کوٹ چلے گئے ہیں۔ ۸ جس روز انہوں نے حضرت اقدس کی خدمت میں مطلوبہ رقم کے لئے خط لکھا تھا۔

حضرت اقدس نے یہ ناشائستہ حرکت دیکھ کر ۳۰۔ مئی ۱۸۸۵ء کو ان کے فرار کا واقعہ اور اصل خط جو آپ نے وفد کے ذریعہ سے منشی صاحب کو بھجوایا بلا کم و کاست پبلک کے سامنے رکھ دیا۔ منشی اندر من صاحب نے یوں برسرعام اپنی ذلت دیکھی تو ہندوؤں کی اشک شوئی کرنے اور اپنی شکست پر پردہ ڈالنے کے لئے بے سروپا اور مغالطہ انگیز اشتہار شائع کر ڈالا اور لکھا کہ پہلے مرزا صاحب نے خود ہی مجھ سے بحث کا وعدہ کیا اور جب میں اسی نیت سے مشقت سفر اٹھا کر لاہور میں آیا تو پھر میری طرف اس مضمون کا خط بھیجا کہ ہم بحث کرنا نہیں چاہتے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے دوبارہ ایک اشتہار میں بڑی تفصیل سے منشی صاحب کی عہد شکنی، کنارہ کشی اور حق پوشی پر روشنی ڈالتے ہوئے بالآخر پرمیشر کے نام پر انہیں اپیل کی کہ "اگر آپ طالب صادق ہیں تو آپ کے پرمیشر کی قسم دی جاتی ہے کہ آپ ہمارے مقابلہ سے ذرا کوتاہی نہ کریں۔ آسمانی نشانوں کے دیکھنے کے لئے قادیان میں آکر ایک سال تک ٹھہریں اور اس عرصہ میں جو کچھ وساوس عقلی طور پر آپ کے دل پر دامنگیر ہوں وہ بھی تحریری طور پر رفع کراتے جائیں۔ پھر اگر ہم مغلوب رہے تو کس قدر فتح کی بات ہے کہ آپ کو چوبیس سو روپیہ نقد مل جائے گا اور اپنی قوم میں آپ بڑی نیک نامی حاصل کریں گے"۔ حضرت اقدس نے منشی صاحب سے یہ بھی وعدہ کیا کہ اگر قادیان میں ایک سال تک ٹھہرنے کی نیت سے آنے کا ارادہ ظاہر کریں تو مراد آباد سے قادیان تک کا کل کرایہ بھی انہیں بھیج دیں گے۔ اور چوبیس سو روپیہ کسی بنک سرکاری میں الگ جمع کر دیا جائے گا۔ ۹ لیکن منشی صاحب تو مہاراجہ صاحب نابھہ کے آلہ کار بن کر محض ڈرامائی انداز میں ایک شور و غوغا بلند کرنے آئے تھے۔ وہ بھلا اس دعوت کو کیسے قبول کر لیتے۔ چنانچہ حضرت اقدس کے جواب الجواب پر بالکل خاموش ہو گئے اور بظاہر یہ خط و کتابت بالکل بے نتیجہ ثابت ہوئی۔ مگر کرشمہ قدرت ملاحظہ ہو کہ اس کے چودہ پندرہ برس بعد لالہ نرائن داس صاحب پلیڈر مراد آباد کے فرزند اور منشی اندر من صاحب کے نواسے بھگوتی سہائے نے قبول اسلام کر کے آنحضرت ﷺ کی

صداقت پر مہر تصدیق ثبت کر دی۔ [۱۰]

پنڈت لیکھرام کی آمادگی اور مصلحت آمیز کارروائیوں کے ساتھ فرار

دوسرا شخص جس نے حضرت اقدس کی دعوت پر بظاہر آمادگی کا اظہار کیا پنڈت لیکھرام تھا۔ پنڈت لیکھرام نے امرتسر میں کسی سے حضرت اقدس کا اشتہار (مطبوعہ مطبع مرتضائی لاہور) پڑھا اور ۳۔ اپریل ۱۸۸۵ء کو منشی اندر من جیسی ذہنیت کا مظاہرہ کرتے ہوئے اعلان دعوت میں خود ساختہ رنگ بھرتے اور نئے معنے ڈالتے ہوئے حضرت اقدس کی خدمت میں لکھا کہ وہ قادیان میں ایک سال تک رہنے اور نشان دیکھنے کا خواہاں ہے بشرطیکہ آپ اول بحساب دو سو روپیہ (ماہوار) کے کل ۲۴۰۰ روپیہ ایک سال کا داخل خزانہ سرکار فرما دیویں۔ اور اقرار نامہ تحریر کر دیویں کہ اگر ایک سال تک آپ کی ہدایت اور آسمانی نشانات و معجزات وغیرہ سے تسلی نہ پا کر آپ کے دین کو قبول نہ کروں تو وہ مبلغان.............. مجھ کو مل جاویں اور وہ روپیہ تا انقضائے ایک سال کے خزانہ سرکاری میں مکفول رہے اس کے واپس لینے کا آپ کو اختیار نہ ہو گا"۔

دعوت نشان نمائی میں حضرت اقدس کا روئے سخن چونکہ محض غیر مذاہب کے چیدہ، منتخب اور مشہور رہنماؤں کی طرف تھا اس لئے حضور علیہ السلام نے اسے جواب دیا کہ خط مطبوعہ کے مخاطب وہ لوگ ہیں جو اپنی قوم میں معزز اور سربر آوردہ ہیں۔ جن کا ہدایت پانا ملک کے ایک کثیر طبقہ پر موثر ہو سکتا ہے مگر آپ اس حیثیت اور مرتبہ کے آدمی نہیں ہیں۔ اور اگر میں نے اس رائے میں غلطی کی ہے اور آپ فی الحقیقت مقتداء و پیشوائے قوم ہیں تو صرف اتنا کریں کہ قادیان، لاہور، پشاور، امرت سر اور لدھیانہ کی آریہ سماج کی طرف سے یہ حلفیہ بیان بھجوا دیں کہ یہ صاحب ہمارے پیشوا ہیں۔ اور اگر اس روحانی مقابلہ میں مغلوب ہو کر نشان آسمانی مشاہدہ کر لیں تو ہم سب بلا توقف حلقہ بگوش اسلام ہو جائیں گے۔ پنڈت لیکھرام نے اس معقول مطالبہ کو پورا کرنے کی بجائے اخبارات میں حضور کو بدنام کرنے کی مہم شروع کر دی کہ جس حالت میں میں آریہ سماج کا ایک مشہور لیڈر ہوں اور پھر طالب حق۔ تو پھر مجھے آسمانی نشان دکھانے اور اسلام کی حقیقت مشاہدہ کرانے سے کیوں محروم رکھا جاتا ہے اور کیوں چوبیس سو روپیہ دینے کی شرط پر مجھ کو قادیان میں رہ کر نشان آزمانے کی اجازت نہیں دی جاتی۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے پنڈت لیکھرام کا یہ غایت درجہ اصرار دیکھا تو آپ نے اس کی درخواست منظور کرتے ہوئے فرمایا کہ میں جہاں چاہیں۔ ۲۴۰۰ کی موعود رقم جمع کرانے کو تیار اور مستعد ہوں مگر چونکہ آپ نے دعوت نامہ کی شرائط سے تجاوز کر کے یہ رقم کسی بنک میں محفوظ کرا لینے کا مطالبہ کیا ہے اسی طرح مجھے بھی حق پہنچتا ہے کہ میں بھی فقط اس لئے کہ نشان آسمانی کے دیکھنے کے بعد

کہیں اپنے مشرف باسلام ہونے کے عہد سے برگشتہ نہ ہو جائیں آپ سے اتنا ہی روپیہ کسی مہاجن کی دکان پر پیشگی جمع کرالوں تا جس کو خدا تعالیٰ فتح بخشے اس کے لئے یہ روپیہ فتح کی ایک یادگار رہے۔ نیز لکھا "یہ انتظام نہایت عمدہ اور مستحسن ہے کہ ایک طرف آپ وصولی روپیہ کے لئے اپنی تسلی کرلیں اور ایک طرف میں بھی ایسا بندوبست کرلوں کہ درحالت عدم قبول اسلام آپ بھی شکست کے اثر سے خالی نہ جانے پاویں۔ اگر آپ اسلام کے قبول کرنے میں صادق النیت ہیں تو آپ کو روپیہ جمع کرنے میں کچھ نقصان اور اندیشہ نہیں۔ کیونکہ جب آپ بصورت مغلوب ہونے کے مسلمان ہو جائیں گے تو ہم کو آپ کے روپیہ سے کچھ سروکار نہیں ہوگا۔ بلکہ یہ روپیہ تو صرف اس حالت میں بطور تاوان آپ سے لیا جاوے گا کہ جب عہد شکنی کرکے اسلام کے قبول کرنے سے گریز یا روپوشی اختیار کریں گے۔ سو یہ روپیہ بطور ضمانت آپ کی طرف سے جمع ہوگا۔ اور صرف عہد شکنی کی صورت میں ضبط ہوگا نہ کسی اور حالت میں"۔

پنڈت لیکھرام سمجھا کہ اس کے نامعقول مطالبہ کا جواب قطعی طور پر نفی میں ملے گا اور وہ اسے اچھالتے ہوئے اپنی شہرت کا موجب بنالے گا۔ مگر جب حضور نے ہر طرح آمادگی کا اظہار فرمایا اور اس کے مطالبہ کی تکمیل کے لئے ایک معقول طریق بھی سامنے رکھ دیا تو اس نے لکھا کہ "آپ کو واجب تھا کہ پہلے ہی اشتہار میں صاف لفظوں میں شرط باندھتے کہ بطور قمار بازان کے چوبیس سو روپیہ لگایا جاوے گا۔ تا کہ شرائط کی ترمیم تنسیخ نہ کرنی پڑتی"۔ نیز لکھا "میں باز آیا محبت سے اٹھالو پاندان اپنا۔ مگر آخری اپنا فرض دوستانہ ادا کرنا بھی واجب جانتا ہوں وہ یہ ہے کہ سچا مذہب خدا کی طرف سے عالمگیر ہے اور جس کی صداقت کی شعاعیں ہمیشہ آفتاب کی طرح جہان کو روشن کر رہی ہیں۔ وہ آریہ دھرم ہے۔ پس بخیال نیک نیتی کے دعوت کی جاتی ہیں کہ جس طرح اور کئی علماء و فضلاء دین محمدی اچھی طرح سوچ سمجھ کر وید مقدس پر ایمان لائے ہیں آپ کو بھی اگر صراط المستقیم پر چلنے کی دلی تمنا ہے تو صدق دلی سے آریہ دھرم کو قبول کرو"۔ [۱۱] لیکھرام کی تحریرات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس مرحلہ پر حضرت مسیح موعودؑ نے اسے جاہل سمجھ کر منہ لگانا ہی چھوڑ دیا۔ مگر تین ماہ بعد جب اس نے آپ کی خدمت میں ایک پوسٹ کارڈ لکھا تو حضرت نے جواباً لکھوایا کہ قادیان کوئی دور نہیں ہے آکر ملاقات کر جاؤ امید ہے کہ یہاں پر باہمی ملنے سے شرائط طے ہو جاویں گی۔ [۱۲]

حضرت اقدس کے خاندان کا ایک طبقہ جس میں آپ کا ایک چچازاد [۱۳] بھائی مرزا امام الدین اپنے ملحدانہ خیالات اور بے دینی میں پیش پیش تھا۔ ابتداء ہی سے نہ صرف حضور کے دعاوی والہامات کا مذاق اڑاتا تھا بلکہ اسلام اور رسول خدا ﷺ اور قرآن مجید کے خلاف ہرزہ سرائی اس کا ایک عام

مشغلہ بن چکا تھا اس کی مقدس تعلیمات پر نشتر چلانے میں اسے ایک خاص لذت محسوس ہوتی تھی چنانچہ اب جو حضور نے نشان نمائی کی عالمگیر دعوت دی تو مرزا امام الدین نے منشی اندر من مراد آبادی اور پنڈت لیکھرام اور دوسرے دشمنان دین کی پیٹھ ٹھونکتے اور محض زبانی بیہودہ گوئی پر اکتفا نہ کرتے ہوئے اگست ۱۸۸۵ء میں "قانونی ہند پریس" [۱۴] اور "چشمہ نور امرت سر" سے آپ کے خلاف نہایت گندے اشتہار شائع کئے۔ نیز جب حضرت اقدسؑ نے پنڈت لیکھرام کو قادیان آنے کی دعوت دی تو (حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانی کی تحقیق کے مطابق) یہ معاند اسلام خود گیا اور پنڈت لیکھرام کو قادیان [۱۵] لے آیا۔ پنڈت لیکھرام گو بظاہر حضرت مسیح موعودؑ کی دعوت پر آیا اور اسے شرائط طے کرنے کے لئے حضرت اقدس سے بہرحال ملاقات کرنا چاہیے تھی مگر مرزا امام الدین وغیرہ کو جو محض اپنے ذوق بے دینی کی تسکین کے لئے تماشائی بنے ہوئے تھے۔ لیکھرام کا اظہار خیالات کے لئے حضرت اقدس کی مجلس میں جانا کیونکر پسند ہو سکتا تھا۔ چنانچہ مرزا امام الدین نے لیکھرام کو اپنے اشاروں کے مطابق چلانے کے لئے یہ مکروہ چال چلی کہ وہ اپنے لگے بندھے بعض نام نہاد مسلمانوں مثلاً ملاں حسیناں اور مراد علی وغیرہ کے ساتھ آریہ سماج میں داخل ہو گئے اور یوں خود مسلمانوں ہی کے ہاتھوں "قادیان آریہ سماج" کی توسیع ہوئی۔ لیکھرام جب اس طرح مرزا امام الدین کے دام تزویر میں الجھ گیا تو اسے ہر جھوٹے اور مکروہ پروپیگنڈے کا شکار بنانا چنداں مشکل نہ تھا نتیجہ یہ ہوا کہ مرزا امام الدین اور مقامی ہندوؤں کی فتنہ انگیزی سے حضرت اقدس کے خلاف لیکھرام میں دشمنی اور بغض و کینہ کے جذبات ہر لحہ شدید تر ہو گئے۔ حالانکہ ابتداء میں اس کی حالت اتنی خطرناک نہیں تھی۔ یہ تبدیلی قادیان آنے کے بعد پیدا ہوئی۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام خود فرماتے ہیں۔ "قادیان کے بعض شریر الطبع لوگوں نے اس کے دل کو خراب کر دیا اور میری نسبت بھی ان نالائق ہندوؤں نے بہت کچھ جھوٹی باتیں اس کو سنائیں تا وہ میری صحبت سے متنفر ہو جائے پس ان بد صحبتوں کی وجہ سے روز بروز وہ ردی حالت کی طرف گرتا گیا مگر جہاں تک میرا خیال ہے ابتداء میں اس کی ایسی ردی حالت نہ تھی صرف مذہبی جوش تھا جو ہر اہل مذہب حق رکھتا ہے کہ اپنے مذہب کی پابندی میں بپابندی حق پرستی و انصاف بحث کرے۔ [۱۶] بہرحال لیکھرام کے ماحول پر مرزا امام الدین اور قادیان کے ہندو پوری طرح چھائے ہوئے تھے اس لئے وہ حضرت اقدس کی خدمت میں ملاقات کے لئے تو نہ آیا البتہ اس نے نہایت شوخی اور بے باکی کے رنگ میں حضرت اقدس سے سلسلہ خط و کتابت شروع کر دیا۔ یہ خط و کتابت اکثر بھائی کشن سنگھ اور گاہے گاہے پنڈت موہن لال' پنڈت نہال چند اور حکیم دیا رام کے ذریعہ سے ہوتی تھی۔ پنڈت موہن لال کا بیان ہے کہ "حضرت صاحب بڑی مہربانی فرماتے تھے اور ہنستے

ہوئے ملتے تھے اور کبھی خالی ہاتھ نہ آنے دیتے۔ ایک دفعہ حضرت صاحب نے مجھے نہایت عمدہ سیب دیئے۔ میں لے کر گیا۔ پنڈت لیکھرام کا بھی معمول ہو گیا تھا۔ کہ جب میں واپس جاتا تو ضرور پوچھتا کیا لائے ہو؟ میں نے جب کہا کہ سیب لایا ہوں تو اس نے گویا للچائی ہوئی نظروں سے دیکھ کر کہا لاؤ لاؤ میں کھاؤں۔ میں نے ان کو ہنسی سے کہا کہ دشمن کے گھر کی چیز تم کو نہیں کھانی چاہیے۔ تو اس نے جھٹ میرے ہاتھ سے سیب لے لیا اور کھانا شروع کر دیا۔ [۱۷] لیکھرام اپنی تحریر اور مجلس میں نہایت رکیک اور سوقیانہ حملے کرتا تھا۔ مگر آپ ان کو نظر انداز کر کے تحقیقی جوابات دیتے تھے اور آپ کی پوری کوشش یہ تھی کہ وہ دیانتدارانہ روش اختیار کر کے آپ کی دعوت نشان نمائی پر رضامندی اختیار کرے۔ دوران خط و کتابت میں آپ نے اسلام کی صداقت کا قائل کرنے کے لئے اس کے سامنے اپنا وہ مخصوص علم کلام بھی پیش کیا۔ جس نے دنیائے اسلام میں زبردست انقلاب برپا کر رکھا تھا یعنی دعویٰ اور دلیل دونوں مذہبی کتاب سے پیش کرنے چاہیں۔ لیکن جب لیکھرام کے مذہبی لیڈر اور آریہ سماج کے بانی سوامی دیانند سرسوتی کو اس جری پہلوان کے سامنے آنے کی جرات نہ ہو سکی تو لیکھرام کو کیا جرات ہوتی؟ لیکھرام ہر دفعہ نہایت چالاکی سے اس آسمانی حربہ کی زد سے بچنے کی خاطر صرف نشان دکھائے جانے کا مطالبہ دہرا دیتا اور اپنے ہزلیات کے فن میں مشاق کے جوہر دکھانے میں ہی کامیابی سمجھتا تھا۔

پنڈت لیکھرام ۱۹۔ نومبر ۱۸۸۵ء کو قادیان آیا اور کم و بیش دو ماہ [۱۸] قادیان میں رہا اس عرصہ میں اس نے مرزا امام الدین کا آلہ کار بن کر اسلام اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر لگاتار سوقیانہ حملے کئے۔ ایک مرتبہ تو یہاں تک نوبت آ پہنچی کہ اس کی زبان درازی کو دیکھ کر مرزا سلطان احمد صاحب ایسے مرنجان مرنج طبیعت انسان نے اسے مباحثے کا چیلنج دے دیا۔ بلکہ پورے جوش کے عالم میں ہندو بازار تک جا پہنچے۔ مگر ہندوان کی یہ جرات دیکھ کر سہم گئے اور لیکھرام کو باہر نہ نکلنے دیا اور معاملہ رفع دفع ہو گیا۔ ۱۳ دسمبر کو اس نے ایک خط میں لکھا۔ "مرزا صاحب کندن کوہ (اس کے آگے ایک شکستہ لفظ تھا جو پڑھا نہیں گیا۔ ناقل) افسوس کہ آپ [۱۹] قرآنی اسپ اور اوروں کے اسپ کو خچر قرار دیتے ہیں۔ میں نے ویدک اعتراض کا عقل سے جواب دیا اور آپ نے قرآنی اعتراض کا نقل سے مگر وہ عقل سے بسا بعید ہے۔ اگر آپ فارغ نہیں تو مجھے بھی تو کام بہت ہے اچھا آسمانی نشان تو دکھا دیں اگر بحث نہیں کرنا چاہتے تو رب العرش خیر الماکرین سے میری نسبت کوئی آسمانی نشان تو مانگیں تا فیصلہ ہو"۔ حضرت اقدس نے اس کے جواب میں تحریر فرمایا۔ "جناب پنڈت صاحب آپ کا خط میں نے پڑھا۔ آپ یقیناً سمجھیں کہ ہم کو نہ بحث سے انکار ہے اور نہ نشان دکھلانے سے مگر آپ سیدھی نیت سے طلب حق

نہیں کرتے۔ بے جا شرائط زیادہ کر دیتے ہیں۔ آپ کی زبان بد زبانی سے رکتی نہیں آپ لکھتے ہیں اگر بحث نہیں کرنا چاہتے تو رب العرش خیر الماکرین سے میری نسبت کوئی آسمانی نشان مانگیں یہ کس قدر ہنسی ٹھٹھے کے کلمے ہیں گویا آپ اس خدا پر ایمان نہیں لاتے جو بیباکوں کو تنبیہ کر سکتا ہے باقی رہا یہ اشارہ کہ خدا عرش پر ہے اور مکر کرتا ہے۔ یہ خود آپ کی ناسمجھی ہے مکر لطیف اور مخفی تدبیر کو کہتے ہیں جس کا اطلاق خدا پر ناجائز نہیں۔ اور عرش کا کلمہ خدا تعالیٰ کی عظمت کے لئے آتا ہے کیونکہ وہ سب اونچوں سے اونچا اور جلال رکھتا ہے۔ یہ نہیں کہ وہ کسی انسان کی طرح کسی تخت کا محتاج ہے۔ خود قرآن میں ہے کہ ہر ایک چیز کو اس نے تھاما ہوا ہے اور وہ قیوم ہے جس کو کسی چیز کا سہارا نہیں۔ پھر جب قرآن شریف یہ فرماتا ہے تو عرش کا اعتراض کرنا کس قدر ظلم ہے آپ عربی سے بے بہرہ ہیں آپ کو مکر کے معنے بھی معلوم نہیں۔ مکر کے مفہوم میں کوئی ایسا ناجائز امر نہیں ہے جو خدا تعالیٰ کی طرف منسوب نہیں ہو سکتا۔ شریروں کو سزا دینے کے لئے خدا کے جو باریک اور مخفی کام ہیں ان کا نام مکر ہے لغت دیکھو پھر اعتراض کرو۔ میں اگر بقول آپ کے وید سے امی ہوں تو کیا حرج ہے کیونکہ میں آپ کے مسلم اصول کو ہاتھ میں لے کر بحث کرتا ہوں مگر آپ تو اسلام کے اصول سے باہر ہو جاتے ہیں صاف افتراء کرتے ہیں۔ چاہئے تھا کہ عرش پر خدا کا ہونا جس طور سے مانا گیا ہے اول مجھ سے دریافت کرتے پھر اگر گنجائش ہوتی تو اعتراض کرتے اور ایسا ہی مکر کے معنے اول پوچھتے پھر اعتراض کرتے۔ اور نشان خدا کے پاس ہیں وہ قادر ہے جو آپ کو دکھلادے۔ وَالسَّلَامُ عَلٰى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى۔ [۱۲۰]

پنڈت لیکھرام کم و بیش دو ماہ تک قادیان میں رہا اس عرصہ میں خط و کتابت کے نتیجہ میں یہ تبدیلی ضرور ہوئی کہ ۲۰۰ روپیہ ماہوار کی بجائے تیس روپیہ ماہانہ رقم پر آگیا۔ مگر اس کے مقابل اس کی بدلگامی اور بیہودہ سرائی میں بھی اضافہ ہوتا گیا۔ اور وہ اپنی ضد پر آخر وقت تک قائم رہا۔ مرزا امام الدین کا آلہ کار بن کر اسلام اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر سوقیانہ حملے کرتا رہا۔ پنڈت لیکھرام کی یہ مخالفانہ کارروائی سال کے آخر تک پوری طرح جاری رہی۔ اگلا سال ۱۸۸۶ء آیا تو حضرت مسیح موعودؑ پر فروری ۱۸۸۶ء میں پنڈت لیکھرام اور منشی اندر من مراد آبادی کے متعلق بعض انکشافات ہوئے مگر آپ نے خدائی منشاء کے مطابق پہلے ان ہر دو سے پوچھا کہ کیا ان کا اظہار کر دیا جائے۔ مراد آبادی صاحب تو خاموش رہے مگر لیکھرام نے افتاد طبیعت کا ثبوت دیتے ہوئے نہایت درجہ بے باکی سے تحریری اجازت بھجوا دی۔ یہی نہیں جب حضرت مسیح موعودؑ کا ماسٹر مرلی دھر ہوشیار پوری سے مباحثہ "سرمہ چشم آریہ" کے نام سے شائع ہوا تو اس کی شر انگیزیاں یکایک بڑھ گئیں اور اس نے اپنی کتاب "خبط احمدیہ" میں پرمیشور سے سچے فیصلہ کی درخواست کرتے ہوئے کھلے لفظوں میں لکھا۔ "میں نیاز

التیام لیکھرام ولد پنڈت تارا سنگھ شرما مصنف تکذیب براہین احمدیہ و رسالہ ہذا اقرار صحیح بدرستی ہوش و حواس کر کے کہتا ہوں کہ میں نے اول سے آخر تک رسالہ سرمہ چشم آریہ کو پڑھ لیا...... میں اپنے جگت پتا پرمیشور کو ساکھی جان کر اقرار کرتا ہوں کہ ...... اس سرشٹی کے آغاز میں جب انسانی خلقت شروع ہوئی پرماتما نے دیدوں کو شری اگنی شری وایو شری آدت شری انگرہ جیو چار رشیوں کے آتماؤں میں الہام دیا مگر جبرئیل یا کسی اور چھٹی رسان کی معرفت نہیں بلکہ خود ہی...... آریہ ورت سے ہی تمام دنیا نے فضیلت سیکھی۔ آریہ لوگ ہی سب کے استاد اول ہیں۔ کیونکہ تواریخ سے بھی اس کا ثبوت ملتا ہے۔ آریہ ورت سے باہر جو بقول مسلمانوں کے ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر (۵-۶ ہزار سال میں) آئے ہیں اور توریت' زبور' انجیل۔ قرآن وغیرہ کتب لائے ہیں میں دلی یقین سے ان پستکوں کے مطالعہ کرنے سے اور سمجھنے سے (باستثنائے ان باتوں کے جو وید مقدس اپ شدوں یا شاستروں میں درج ہیں) ان کی تمام مذہبی ہدایتوں کو بناوٹی اور جعلی۔ اصلی الہام کو بدنام کرنے والی تحریریں خیال کرتا ہوں..... لیکن میرا دوسرا فریق مرزا غلام احمد ہے وہ قرآن کو خدا کا کلام جانتا ہے اور اس کی سب تعلیموں کو درست اور صحیح سمجھتا ہے .... اے پرمیشور ہم دونوں فریقوں میں سچا فیصلہ کر....... کیونکہ کاذب صادق کی طرح کبھی تیرے حضور میں عزت نہیں پا سکتا"۔ [۶۱]

گو حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر لیکھرام کے متعلق بعض انکشاف ہو چکے تھے اور لیکھرام نے اس کی اشاعت پر بھی پابندی نہیں لگائی تھی مگر آپ الٰہی منشاء کے ماتحت پانچ برس تک اس بارہ میں بالکل خاموش رہے اور پھر اذن خداوندی پا کر ۲۰۔ فروری ۱۸۹۳ء کو آپ نے لیکھرام کے عبرتناک انجام کے متعلق پیشگوئی کا اعلان فرما دیا۔ جس کے مطابق وہ ۶۔ مارچ ۱۸۹۷ء کو رب العرش خیر الماکرین کی پراسرار تدبیر کے تحت لاہور میں قتل ہوا۔ اور اس کی زبان جو خنجر کی طرح چلتی تھی تیغ محمدی ﷺ میں متشکل ہو کر اس کے پارہ پارہ کرنے کی موجب بن گئی۔ مگر اس کے بیان کا یہ موقعہ نہیں۔ اس عظیم الشان نشان کی تفصیل ۱۸۹۷ء کے واقعات میں آئے گی۔

پادری سوفٹ کا گریز

تیسرے صاحب جنہوں نے حضرت مسیح موعودؑ کی دعوت پر قادیان آنے اور نشان دیکھنے کی خواہش کا اظہار کیا پادری سوفٹ تھے جو ریاست گوالیار کے باشندے اور عیسائی مدرسہ الہیات (سہارنپور) سے فارغ التحصیل ہو کر ان دنوں گوجرانوالہ میں متعین تھے۔ [۶۲] انہیں دوسرے پادریوں کی نسبت مسیحی دینیات کا بڑا ناز تھا حضرت اقدس کی دعوت نشان نمائی پر انہوں نے بذریعہ ڈاک ایک خط لکھا جس میں حضرت مسیحؑ کی خدائی کا لاطائل فسانہ چھیڑنے کے بعد دعوت کو نمائشی رنگ میں قبول کرتے ہوئے دو شرائط لکھیں جن میں پہلی

شرط یہ تھی کہ چھ سو روپیہ یعنی تین ماہ کی تنخواہ بطور پیشگی ہمارے پاس گوجرانوالہ میں بھیجی جائے اور نیز مکان وغیرہ کا انتظام حضور کے ذمہ رہے اور اگر کسی نوع کی دقت پیش آئے تو فوراً وہ گوجرانوالہ کو واپس ہو جائیں گے اور جو روپیہ انہیں مل چکا ہو اس کی واپسی کا حضرت اقدس کو استحقاق نہیں ہو گا۔ دوسری شرط یہ لکھی کہ الہام اور معجزہ کا ثبوت ایسا چاہیے 'جیسے کتاب اقلیدس میں ثبوت درج ہوتا ہے۔ حضور کو یہ خط ملا تو آپ کو افسوس ہوا کہ حضور کی زبردست سعی و جدوجہد کے باوجود عیسائیت کے علمبرداروں میں سے کوئی مرد میدان بن کر آگے نہیں آنا چاہتا۔ اور جس نے آگے آنے کی حامی بھری تو محض دنیا پرستی کی تکمیل اور نام و نمود کے لئے۔ بہر حال حضرت اقدس مایوس نہیں ہوئے۔ چنانچہ آپ نے اپنے جواب میں "الوہیت مسیح" کے بچھائے ہوئے جال کو اپنے قلم سے پارہ پارہ کرتے ہوئے انہیں نہایت احسن رنگ میں لکھا کہ آپ کے اطمینان قلب کے لئے روپیہ کسی سرکاری بنک یا مہاجن کے پاس جمع کر دیا جائے گا اور جس طرح چاہیں روپیہ کی بابت تسلی کر لیں مگر جب تک فریقین میں جو امر متنازعہ فیہ ہے وہ تصفیہ نہ پا جائے آپ کو پیشگی روپیہ لینے کا اصرار نہیں کرنا چاہیے مکان کے بارہ میں انہیں اطمینان دلایا کہ "اس خاکسار کا یہ عہد و اقرار ہے کہ جو صاحب اس عاجز کے پاس آئیں ان کو اپنے مکان میں سے اچھا مکان اور اپنی خوراک کے موافق خوراک دی جائے گی۔ اور جس طرح ایک عزیز اور پیارے مہمان کی حتی الوسع دلجوئی و خدمت و تواضع کرنی چاہیے اسی طرح ان کی بھی کیجائیگی۔ ہاں یہ وضاحت بھی فرمادی کہ "یہ عاجز مسیح کی زندگی کے نمونہ پر چلتا ہے کسی باغ میں امیرانہ کوٹھی نہیں رکھتا اور اس عاجز کا گھر اس قسم کی عیش و نشاط کا گھر نہیں ہو سکتا۔ جس کی طرف دنیا پرستوں کی طبیعتیں راغب اور مائل ہیں"۔ دوسری شرط کے متعلق فرمایا "اقلیدس میں بہت سی وہمی اور بے ثبوت باتیں بھری ہوئی ہیں۔ [۲۲] جن کو جاننے والے خوب جانتے ہیں مگر آسمانی نشان تو وہ چیز ہے کہ وہ خود منکر کی ذات پر ہی وارد ہو کر حق الیقین تک اس کو پہنچا سکتا ہے۔ اور انسان کو بجز اسکے ماننے کے کچھ بن نہیں پڑتا۔ سو آپ تسلی رکھیں کہ اقلیدس کے ناچیز خیالات کو ان عالی مرتبہ نشانوں سے کچھ نسبت نہیں "چہ نسبت خاک را با عالم پاک" اور یہ نہیں کہ صرف اس عاجز کے بیان پر ہی رہے گا۔ بلکہ یہ فیصلہ بذریعہ ثالثوں کے ہو جائے گا۔ اور جب تک ثالث لوگ جو فریقین کے مذہب سے الگ ہوں گے یہ شہادت نہ دیں کہ ہاں فی الحقیقت یہ خوارق اور پیشگوئیاں انسانی طاقت سے باہر ہیں تب تک آپ غالب اور یہ عاجز مغلوب سمجھا جائے گا"۔

خط کے آخر میں اسے خدائے کامل اور صادق کی قسم دیتے ہوئے غیرت دلائی کہ "آپ ضرور تشریف لادیں ضرور آئیں اگر وہ قسم آپ کے دل پر موثر نہیں تو پھر اتمام الزام کی نیت سے آپ کو

حضرت مسیح کی قسم ہے کہ آپ آنے میں ذرا توقف نہ کریں۔ تا حق اور باطل میں جو فرق ہے وہ آپ پر کھل جائے"۔ ۲۴

غرض حضرت اقدس نے پادری سوفٹ پر ہر پہلو سے اتمام حجت کر دیا۔ کوئی حق کا طالب ہوتا تو اس مرد خدا کی زیارت کو دیوانہ وار چل پڑتا۔ مگر پادری صاحب کو محض سستی شہرت مطلوب تھی جب انہیں یہ گوہر مقصود نہ ملا تو ان کی زبان پر ابدی قفل لگ گئے۔

حضرت مسیح موعودؑ کی طرف سے چالیس روزہ میعاد کا تعین

خلاصہ یہ کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی اس دعوت پر مذاہب عالم میں سے کسی کو میدان مقابلہ میں آنے کی جرات نہ ہوئی تاہم مزید اتمام حجت کے لئے آپ نے ستمبر ۱۸۸۶ء میں سال کی شرط اڑا کر اس کی بجائے چالیس روز مقرر کر دیئے۔ اور بالخصوص منشی جیون داس، لالہ مرلی دھر ڈرائنگ ماسٹر ہوشیار پور، منشی اندر من مراد آبادی، مسٹر عبد اللہ آتھم، پادری عماد الدین اور پادری ٹھاکر داس کو ایک بار پھر دعوت دی اور فرمایا کہ اس عرصہ میں اگر ہم کوئی خارق عادت پیشگوئی پیش نہ کریں یا پیش کریں مگر بوقت ظہور وہ جھوٹی نکلے یا وہ اس کا مقابلہ کر کے دکھا دیں تو مبلغ پانسو روپیہ نقد بلا توقف ادا کر دیں گے لیکن اگر وہ پیشگوئی بپایہ صداقت پہنچ گئی تو مشرف بہ اسلام ہونا پڑے گا۔ ۲۵ مگر یہ آواز بھی بے نتیجہ ثابت ہوئی اور اس معرکہ میں اسلام کو ایک بار پھر فتح نصیب ہوئی۔

مقامی ہندوؤں کی درخواست نشان نمائی

یہ تو بیرونی دنیا کا ذکر ہے خود قادیان میں اس کی باز گشت ایک لحاظ سے خوشگوار رنگ میں سنائی دی اور وہ اس طرح کہ غالباً اگست ۱۸۸۵ء میں قادیان کے دس ہندوؤں ۲۶ نے (جن میں ساہو کار وغیرہ شامل تھے) حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی خدمت میں باادب درخواست کی کہ ہم آپ کے ہمسایہ لندن اور امریکہ والوں سے زیادہ آسمانی نشان دیکھنے کے حقدار اور مشتاق ہیں۔ ہمیں کوئی نشان دکھایا جائے سعادت ازلی تو خدا کی توفیق اور فضل سے عطا ہوتی ہے اس لئے مسلمان ہو جانے کی شرط تو ہم سے موقوف رکھی جائے البتہ ہم پرمیشر کی قسم کھا کر وعدہ کرتے ہیں کہ ہم جو نشان آپ سے بچشم خود مشاہدہ کر لیں گے اخبارات میں بطور گواہ اسے شائع کرا دیں گے اور آپ کی صداقت کی حقیقت کو حتی الوسع اپنی قوم میں پھیلائیں گے۔ اور ایک سال تک عند الضرورت آپ کے مکان پر حاضر ہو کر ہر قسم کی پیشگوئی پر بقید تاریخ دستخط کریں گے اور کوئی نامنصفانہ حرکت ہم سے ظہور میں نہیں آئے گی۔ درخواست کے لفظ لفظ سے چونکہ سراسر انصاف و حق پرستی اور خلوص ٹپکتا تھا۔ اس

لئے حضور نے نہایت درجہ مسرت کا اظہار کرتے ہوئے اسے بلا تامل قبول فرمالیا اور ایک باقاعدہ تحریری معاہدہ کی شکل میں شرمپت رائے ممبر آریہ سماج قادیان نے اسے شائع بھی کر دیا اور ستمبر ۱۸۸۵ء سے ستمبر ۱۸۸۶ء تک اس کی میعاد قرار پائی۔ [۱۲]

خدا تعالیٰ کی قدرت ابھی میعاد شروع بھی نہ ہوئی تھی کہ ۵۔ اگست ۱۸۸۵ء کو آپ پر الہاماً منکشف ہوا کہ آج سے اکتیس ماہ تک مرزا امام الدین اور نظام الدین جو اس وقت آپ کی مخالفت میں اہم حصہ لے رہے تھے) ایک بڑی مصیبت میں مبتلا ہوں گے۔ یعنی ان کے اہل و عیال میں سے کسی مرد یا عورت کا انتقال ہو جائے گا۔ جس سے انہیں سخت تکلیف پہنچے گی۔ حضرت اقدس نے یہ خبر پاتے ہی اس پر معاہدہ میں شامل چار ہندوؤں کے دستخط کرا لئے۔ چنانچہ ٹھیک اکتیسویں مہینے (یعنی فروری ۱۸۸۸ء میں) مرزا نظام دین کی بیٹی اور مرزا امام الدین کی بھتیجی ایک چھوٹا بچہ چھوڑ کر فوت ہو گئی اور خدا کی بات پوری آب و تاب سے پوری ہوئی مگر افسوس معاہدہ کے مطابق مقامی ہندوؤں کی طرف سے نہ صرف اس نشان کی اشاعت نہ کی گئی بلکہ اصل میعاد کے ختم ہونے سے چند روز پہلے ہی یہ شور و غوغا مچانا شروع کر دیا کہ پیشگوئی غلط نکلی اور جب پیشگوئی کا ظہور ہو گیا تو انہوں نے چپ سادھ لی۔ اور اعتراف حق کرنے کی ان کو توفیق نہ مل سکی۔

یہ تو وہ پیشگوئی ہے جس پر ان ہندوؤں کے دستخط موجود تھے اس کے علاوہ اس عرصہ میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو صداقت اسلام کے ایک زندہ و تابندہ نشان کی بھی خبر دی گئی جس سے قرآن مجید اور رسول پاک ﷺ کی سچائی صرف قادیان کے ہندوؤں پر ہی نہیں بلکہ پوری دنیا پر آفتاب نیم روز کی طرح عیاں ہو گئی۔ میری مراد مصلح موعود کی پیشگوئی سے ہے جو حضرت اقدسؑ کی دعوت نشان نمائی اور اکتیس ماہ کی میعاد کے اندر کی گئی۔ جس کی تفصیل ۱۸۸۶ء کے واقعات میں بیان ہو گی۔

بیت اللہ شریف اور میدان عرفات میں حضرت صوفی احمد جان صاحبؓ کی زبان سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی درد انگیز دعا

۱۸۸۵ء کے اوائل میں حضرت صوفی احمد جان صاحب سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی اجازت سے جب سفر حج پر روانہ ہونے لگے تو حضرت مسیح موعودؑ نے اپنے قلم سے انہیں ایک درد انگیز دعا تحریر فرمائی اور لکھا "اس عاجز ناکارہ کی ایک عاجزانہ التماس یاد رکھیں کہ جب آپ کو بیت اللہ کی زیارت بفضل اللہ تعالیٰ نصیب ہو۔ تو اس مقام محمود مبارک کی انہیں لفظوں سے مسکنت اور غربت

کے ہاتھ بحضور دل اٹھا کر گزارش کریں"۔ نیز یہ ہدایت فرمائی کہ "آپ پر فرض ہے کہ انہیں الفاظ سے بلا تبدیل و تغیر بیت اللہ میں حضرت ارحم الراحمین میں اس عاجز کی طرف سے دعا کریں" چنانچہ حضرت صوفی صاحب نے حضرت کے ارشاد کے تعمیل میں یہ دعا بیت اللہ شریف میں بھی اور پھر ۹- ذی الحجہ ۱۳۰۲ھ کو (بمطابق ۱۹- ستمبر ۱۸۸۵ء) میدان عرفات میں بھی پڑھی۔ آپ کے پیچھے اس وقت ان کے ۲۰/۲۲ خدام اور عقیدت مند تھے جن میں حضرت شہزادہ عبدالمجید صاحب مبلغ ایران حضرت خان صاحب محمد امیر خاں صاحب اور حضرت قاضی زین العابدین صاحب سرہندی [۲۸] اور حضرت صوفی صاحبؓ کے فرزند حضرت صاحبزادہ پیر افتخار احمد صاحب بھی شامل تھے۔ صوفی صاحبؓ میدان عرفات میں حضرت مسیح موعودؑ کا مکتوب مبارک ہاتھ میں لئے کھڑے ہوئے اور فرمایا میں یہ خط بلند آواز سے پڑھتا ہوں تم سب آمین کہتے جاؤ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ [۲۹] اس تاریخی دعا کے الفاظ یہ تھے۔

"اے ارحم الراحمین ایک تیرا بندہ عاجز اور ناکارہ پر خطا اور نالائق غلام احمد جو تیری زمین ملک ہند میں ہے اسکی یہ عرض ہے کہ اے ارحم الراحمین تو مجھ سے راضی ہو اور میری خطیات اور گناہوں کو بخش کہ تو غفور و رحیم ہے اور مجھ سے وہ کام کرا جس سے تو بہت ہی راضی ہو جائے مجھ میں اور میرے نفس میں مشرق اور مغرب کی دوری ڈال اور میری زندگی اور میری موت اور میری ہریک قوت اور جو مجھے حاصل ہے اپنی ہی راہ میں کر اور اپنی ہی محبت میں مجھے زندہ رکھ اور اپنی ہی محبت میں مجھے مار اور اپنے ہی کامل متبعین [۳۰] میں مجھے اٹھا۔ اے ارحم الراحمین جس کام کی اشاعت کے لئے تو نے مجھے مامور کیا ہے اور جس خدمت کے لئے تو نے میرے دل میں جوش ڈالا ہے اس کو اپنے ہی فضل سے انجام تک پہنچا اور اس عاجز کے ہاتھ سے حجت اسلام مخالفین پر اور ان سب پر جو اب تک اسلام کی خوبیوں سے بے خبر ہیں پوری کر اور اس عاجز اور اس عاجز کے تمام دوستوں اور مخلصوں اور ہم مشربوں کو مغفرت اور مہربانی کی نظر سے اپنے ظل حمایت میں رکھ کر دین و دنیا میں آپ ان کا متکفل اور متولی ہو جا اور سب کو اپنی دارالرضاء میں پہنچا اور اپنے نبی ﷺ اور اس کی آل اور اصحاب پر زیادہ سے زیادہ درود و سلام و برکات نازل کر۔ آمین یا رب العالمین" [۳۱]

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا سفر لدھیانہ اور حضرت صوفی احمد جان صاحبؓ کی وفات

حضرت صوفی احمد جان صاحب زیارت کعبہ اور حج بیت اللہ شریف کے برکات سے فیضیاب ہو کر

وسط دسمبر ۱۸۸۵ء میں لدھیانہ پہنچے اور یکایک سخت بیمار ہو گئے۔ چنانچہ ابھی تیرہ دن ہی واپسی پر گزرے تھے کہ ۱۹۔ ربیع الاول ۱۳۰۳ھ (بمطابق ۲۷۔ دسمبر ۱۸۸۵ء) کو پیغام اجل آگیا۔ اور آپ لدھیانہ کے قبرستان گور غریباں میں دفن ہوئے۔ تھوڑا عرصہ بعد حضرت اقدس بنفس نفیس تعزیت کے لئے لدھیانہ تشریف لے گئے۔ آپ کے صاحبزادے حضرت پیر افتخار احمد صاحب کا بیان ہے کہ حضور نے اس موقعہ پر "تھوڑی دیر قیام فرمایا۔ والد صاحب مرحوم کی محبت' اخلاص اور دینی خدمت کا ذکر فرماتے رہے پھر حضورؑ نے مع حاضرین دعا فرمائی"۔ [۲۲۴]

حضرت صوفی احمد جان صاحب رضی اللہ عنہ حضرت مسیح موعودؑ کے ان اولین عشاق میں سے تھے۔ جنہوں نے اپنے کثیر ارادت مندوں اور عقیدت مندوں کی پرواہ نہ کرتے ہوئے حضرت مسیح موعودؑ کے دامن سے وابستگی اختیار کرلی تھی اور شاہی پر غلامی کو ترجیح دی۔ حضرت کو بھی آپ سے دلی محبت و الفت تھی جس کا ذکر اکثر ان کی وفات کے بعد فرمایا کرتے تھے چنانچہ مارچ ۱۸۸۹ء میں جب بیعت اولیٰ ہوئی تو حضرت اقدس نے اس مقدس تقریب کے لئے حضرت صوفی صاحب رضی اللہ عنہ ہی کے مکان کا انتخاب فرمایا۔ پھر اس کے بعد جب ازالہ اوہام کی تصنیف فرمائی تو اس میں اپنے مخلصین کا تذکرہ کرتے ہوئے آپ کے متعلق تحریر فرمایا۔ حبی فی اللہ منشی احمد جان صاحب مرحوم۔ اس وقت ایک نہایت غم سے بھرے ہوئے دل کے ساتھ یہ پردرد قصہ مجھے لکھنا پڑا کہ اب یہ ہمارا دوست اس عالم میں موجود نہیں ہے۔ اور خداوند کریم و رحیم نے بہشت بریں کی طرف بلالیا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ وانا بفراقه لمحزونون۔ حاجی صاحب مغفور و مرحوم ایک جماعت کثیر کے پیشوا تھے اور ان کے مریدوں میں آثار رشد و سعادت و اتباع سنت نمایاں ہیں اگرچہ حضرت موصوف اس عاجز کے شروع سلسلہ بیعت سے پہلے ہی وفات پاچکے لیکن یہ امر ان کے خوارق میں سے دیکھتا ہوں کہ انہوں نے بیت اللہ کے قصد سے چند روز پہلے اس عاجز کو ایک خط ایسے انکسار سے لکھا جس میں انہوں نے درحقیقت اپنے تئیں اپنے دل میں سلسلہ بیعت میں داخل کر لیا۔ چنانچہ انہوں نے اس میں سیرۃ صالحین پر اپنا توبہ کا اظہار کیا اور اپنی مغفرت کے لئے دعا چاہی اور لکھا کہ میں آپ کے للہی ربط کے زیر سایہ اپنے تئیں سمجھتا ہوں اور پھر لکھا کہ میری زندگی کا نہایت عمدہ حصہ یہی ہے کہ میں آپ کی جماعت میں داخل ہو گیا ہوں اور پھر کسر نفسی کے طور پر اپنے گذشتہ ایام کا شکوہ لکھا اور بہت سے رقت آمیز ایسے کلمات لکھے جن سے رونا آتا تھا۔ اس دوست کا وہ آخری خط جو ایک دردناک بیان سے بھرا ہوا ہے اب تک موجود ہے مگر افسوس کہ حج بیت اللہ سے واپس آتے وقت پھر اس مخدوم پر بیماری کا ایسا غلبہ طاری ہوا کہ اس دور افتادہ کو ملاقات کا اتفاق نہ ہوا بلکہ چند روز کے بعد ہی وفات کی خبر سنی گئی اور خبر سنتے ہی ایک

جماعت کے ساتھ قادیان میں نماز جنازہ پڑھی گئی - حاجی صاحب مرحوم اظہار حق میں بہادر آدمی تھے - بعض نافہم لوگوں نے حاجی صاحب موصوف کو اس عاجز کے ساتھ تعلق ارادت رکھنے سے منع کیا کہ اس میں آپ کی کسر شان ہے لیکن انہوں نے فرمایا کہ مجھے کسی شان کی پروا نہیں اور نہ مریدوں کی حاجت "۔ [۳۲]

سرخی کے کشفی چھینٹوں کا حیرت انگیز نشان

۱۰ - جولائی ۱۸۸۵ء (بمطابق ۲۷ - رمضان ۱۳۰۲ھ) کا ذکر ہے کہ سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام طلوع آفتاب کے وقت حسب معمول مسجد مبارک کے مشرقی جانب حجرہ میں جو غسل خانہ کے طور پر استعمال ہوتا تھا شرقاً غرباً بچھی ہوئی ایک چارپائی پر آرام فرما رہے تھے تازہ پلستر کی وجہ سے حجرہ کی فضا میں خنکی سی تھی - چارپائی پر نہ کوئی بستر تھا نہ تکیہ اور حضرت اقدس بائیں کروٹ لیٹے بائیں کہنی سر کے نیچے رکھے اور چہرہ مبارک دائیں ہاتھ سے ڈھانپے ہوئے تھے اور حضور کے مخلص خادم منشی عبداللہ صاحب سنوری نیچے بیٹھے حضور کے پاؤں داب رہے تھے کہ حضرت اقدس نے کشفی عالم میں دیکھا کہ بعض احکام قضاء و قدر حضرت نے اپنے ہاتھ سے لکھے ہیں کہ آئندہ زمانہ میں ایسا ہوگا اور پھر اس کو دستخط کرانے کے لئے خداوند قادر مطلق جل شانہ کے سامنے پیش کیا ہے - اور اس نے جو ایک حاکم کی شکل میں متمثل تھا اپنے قلم کو سرخی کی دوات میں ڈبو کر اول اس سرخی کو آپ کی طرف چھڑکا اور بقیہ سرخی کا قلم کے منہ میں رہ گیا اور اس سے قضاء و قدر کی کتاب پر دستخط کر دیئے خدا کی معجز نمائی کا نشان دیکھو ادھر عالم کشف میں قلم کی سرخی چھڑکی گئی اور ادھر یہ سرخی وجود خارجی میں منتقل ہو گئی - منشی صاحب نے سخت حیرت زدہ ہو کر بچشم خود دیکھا کہ حضورؑ کے ٹخنے پر سرخی کا ایک قطرہ پڑا ہے انہوں نے اپنی دائیں ہاتھ کی شہادت کی انگلی اس قطرہ پر رکھی تو وہ قطرہ ٹخنے اور انگلی پر بھی پھیل گیا - تب ان کے دل میں یہ آیت گزری صبغة الله و من احسن من الله صبغة - انہوں نے سوچا کہ جب یہ اللہ کا رنگ ہے تو اس میں خوشبو بھی ہوگی مگر اس میں خوشبو نہیں تھی - ابھی وہ اسی حیرت و استعجاب میں تھے کہ انہیں حضور کے کرتے پر بھی سرخی کے چند تازہ چھینٹے دکھائی دیئے وہ مبہوت ہو کر آہستہ سے چارپائی سے اٹھے اور انہوں نے ان قطرات کا سراغ لگانے کے لئے چھت کا گوشہ گوشہ پوری باریک نظر سے دیکھ ڈالا انہیں اس وقت یہ بھی خیال ہوا کہ کہیں چھت پر کسی چھپکلی کی دم کٹنے سے خون نہ گرا ہو - مگر وہ تو دست قدرت کا کشفی معجزہ تھا خارج میں اس کا کھوج کیا ملتا ناچار وہ چارپائی پر بیٹھ گئے اور دوبارہ پاؤں دابنے کی خدمت میں مصروف ہو گئے - تھوڑی دیر بعد حضور عالم کشف سے بیدار ہو کر

اٹھے اور مسجد مبارک میں تشریف لے آئے۔ منشی صاحب پھر دابنے لگے اور اس دوران میں انہوں نے حضرت سے سوال بھی کر دیا کہ حضور آپ پر یہ سرخی کہاں سے گری ہے؟ حضورؑ نے بے توجہی سے فرمایا کہ آموں کا رس ہو گا۔ دوبارہ عرض کیا گیا کہ حضور یہ آموں کا رس نہیں یہ تو سرخی ہے اس پر حضور نے سر مبارک کو تھوڑی سی حرکت دے کر فرمایا۔ "کتھے ہے" یعنی کہاں ہے۔ منشی صاحب نے کرتے پر وہ نشان دکھا کر کہا کہ یہ ہے۔ اس پر حضور نے کرتہ سامنے کی طرف کھینچ کر اور اپنا سر ادھر پھیر کر قطرہ کو دیکھا اور پھر (منشی صاحب کے بیان کے مطابق) پہلے بزرگوں کے کچھ واقعات بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ "خدا کی ہستی وراء الوراء ہے اس کو یہ آنکھیں دنیا میں نہیں دیکھ سکتیں البتہ اس کے بعض صفات جمالی یا جلالی متمثل ہو کر بزرگوں کو دکھائی دیئے جاتے ہیں۔ ۲۶۷

رویت باری تعالیٰ اور کشفی امور کے خارجی ظہور پر یوں واقعاتی روشنی ڈالنے کے بعد حضرت نے انہیں کشف کی پوری تفصیل سنائی بلکہ اپنے دست مبارک سے کشف میں قلم کے جھاڑنے اور دستخط کرنے کا نقشہ بھی کھینچا اور اسی طرز پر جنبش دی اور ان سے پوچھا کہ اپنا کرتہ اور ٹوپی دیکھیں کہیں ان پر بھی سرخی کا قطرہ تو نہیں گرا۔ انہوں نے کرتہ دیکھا تو وہ بالکل صاف تھا مگر ململ کی سفید ٹوپی پر ایک قطرہ موجود تھا۔ منشی صاحب نے عاجزانہ درخواست کی کہ حضور اپنا یہ اعجاز نما کرتہ انہیں تبرکاً عنایت فرمائیں۔ حضرت اقدس کا سلوک اپنے خدام ہی سے نہیں دشمنوں سے بھی فیاضانہ تھا لیکن آپ نے منشی صاحب کی یہ درخواست ماننے سے انکار کر دیا اور فرمایا مجھے یہ اندیشہ ہے کہ ہمارے بعد اس سے شرک پھیلے گا۔ اور لوگ اس کو زیارت گاہ بنا کر اس کی پوجا شروع کر دیں گے۔ انہوں نے عرض کیا۔ رسول اللہ ﷺ کے تبرکات جن صحابہ کے پاس تھے وہ مرتے ہوئے وصیتیں کر گئے کہ ان تبرکات کو ہمارے کفن کے ساتھ دفن کر دینا۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا جو تبرک جس صحابی کے پاس تھا وہ ان کے کفن کے ساتھ دفن کر دیا گیا انہوں نے عرض کیا کہ حضور میں بھی مرتا ہوا وصیت کر جاؤں گا۔ اس پر حضرت اقدس نے فرمایا۔ "ہاں اگر یہ عہد کرتے ہو تو لے لو"۔ چنانچہ حضرت نے جمعہ کے لئے کپڑے بدلے اور یہ کرتہ منشی صاحب کے سپرد کر دیا اس اعجازی کرتے کا کپڑا نینو کہلاتا ہے اور سرخی کا رنگ ہلکا اور گلابی مائل تھا جس میں تینتالیس برس کی طویل مدت گزرنے کے باوجود خفیف سا تغیر بھی نہیں ہوا۔

نشان کے متعلق حضرت منشی صاحب کا حلفیہ بیان

حضرت منشی صاحب کو اس نشان آسمانی پر اس درجہ بصیرت و ایماں حاصل تھا کہ ان کی زندگی میں ایک دفعہ مشہور اہلحدیث عالم مولوی ثناء اللہ صاحب امرت سری نے اس کشفی نشان پر تنقید کی تو حضرت منشی عبداللہ صاحب سنوری نے نہ صرف اپنی

مفصل حلفیہ شہادت شائع کی بلکہ انہیں مباہلہ کا چیلنج بھی دے دیا مولوی صاحب نے چیلنج سے تو گریز اختیار کیا البتہ لکھا کہ ہمارے محلہ کی مسجد میں آکر قسم کھائیں چنانچہ وہ سلسلہ کے بعض اکابر کو ہمراہ لے کر بے کھٹکے امرت سر پہنچے اور مولوی ثناء اللہ صاحب کی مسجد میں اپنا مطبوعہ حلفیہ بیان ایسے دردانگیز رنگ میں پڑھ کر سنایا کہ سامعین پر ایک لرزہ طاری ہو گیا نیز کہا کہ مولوی صاحب کے نزدیک یہ حلف کافی نہ ہو تو وہ جن الفاظ میں چاہیں مجھ سے قسم کھلالیں۔ میں اپنی اولاد اپنے مال اور اپنی جان غرضیکہ ہر چیز کی قسم کھانے کے لئے تیار ہوں میں نے اس سرخی کے نشان کو جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے تختہ پر پڑا تھا اپنی شہادت کی انگلی لگا کر دیکھا تھا اس سے میری انگلی کو بھی سرخی لگ گئی تھی۔ اگر میں یہ جھوٹ کہتا ہوں تو میری انگلی کیا میرے جسم کا ذرہ ذرہ جہنم میں ڈالا جائے۔ اور سب سے بڑا جو عذاب ہے وہ مجھ پر نازل کیا جائے "۔ حضرت منشی صاحب ایک عرصہ تک لوگوں کو یہ کرتہ دکھانے سے احتراز کرتے تھے۔ لیکن جب حضرت خلیفہ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے انہیں ارشاد فرمایا کہ اسے بہت کثرت سے دکھاؤ تا اس کی رؤیت کے گواہ بہت پیدا ہو جائیں تو وہ دکھانے لگے۔ اور یوں ہزاروں نفوس کو اسے بچشم خود دیکھنے کا موقعہ مل گیا۔ حضرت منشی صاحب نے عمر بھر اعجازی کرتہ کی حفاظت کی اور سفر و حضر میں ہمیشہ اپنے ساتھ ہی رکھتے تھے۔ بالآخر ۷۔ اکتوبر ۱۹۲۷ء کو انہوں نے داعی اجل کو لبیک کہا اور یہ قیمتی یادگار بھی حضرت اقدس کی وصیت کے مطابق بہشتی مقبرہ میں سپرد خاک کر دی گئی۔ [۳۵]

شہب ثاقبہ کا آسمانی نظارہ

حضرت مسیح ناصریؑ نے اپنی آمد ثانی کے متعلق ایک یہ بھی پیشگوئی کی تھی کہ "اس وقت آسمان سے ستارے گریں گے اور جو قوتیں آسمان میں ہیں وہ ہلائی جائیں گی"۔ [۳۶] چنانچہ ۲۸۔ نومبر ۱۸۸۵ء کی شب کو آسمان پر شہب ثاقبہ کا یہ غیر معمولی نظارہ نمودار ہوا۔ اس وقت آسمان کی فضا میں ہر طرف اس درجہ بے شمار شعلے چل رہے تھے۔ کہ گویا ان کی بارش ہو رہی تھی۔ یورپ' امریکہ اور ایشیا میں اس سے حیرت کی زبردست لہر دوڑ گئی اور اخباروں میں ان کی خبر نمایاں رنگ میں شائع ہوئی جیسا کہ حضرت مسیحؑ نے اشارۃ" بتایا تھا۔ یہ تصویری زبان میں اس امر کا اعلان تھا کہ آسمانی قوتیں اسلامی انقلاب کے لئے ہلادی گئی ہیں اور اب خدائی افواج کے سپہ سالار کی قیادت میں کفر و باطل کے قلعوں پر حملہ آور ہونے والی ہیں۔

شہب کی بارش کا یہ آسمانی نظارہ ابتدائے شب سے شروع ہو گیا تھا جسے آپ بہت دیر تک دیکھتے اور خدائی بشارتوں کا تصور کر کے لطف اندوز ہوتے رہے۔ اس موقعہ پر آپ پر بار بار "مَا رَمَیْتَ

اِذْ رَمَیْتَ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ رَمٰی" کا الہام ہوا اور القاء کیا گیا کہ یہ تیرے لئے نشان ظاہر ہوا ہے"۔ ۳۷
اس موقعہ پر حضور کو (کشفاً) دکھایا گیا کہ آپ اور حضرت سید عبدالقادرؒ برابر برابر کھڑے ہیں۔ نیز آپ نے دیکھا کہ حضرت شیخ سعدیؒ اور حضرت سید عبدالقادرؒ ایک باغ میں سیر کر رہے ہیں۔ ۳۸

اس آسمانی نظارہ کے بعد یورپ کے لوگوں کو وہ ستارہ دکھائی دیا جو حضرت مسیحؑ کے ظہور کے وقت نکلا تھا۔ اور آپ کو بتایا گیا کہ یہ ستارہ بھی آپ کی صداقت کے لئے ایک دوسرا چمکتا ہوا نشان ہے۔

حواشی

۱- "تبلیغ رسالت" جلد اول صفحہ ۱۱-۱۶

۲- "سیرت المہدی" حصہ دوم صفحہ ۱۳-۱۴ مکتوبات بنام مولوی عبداللہ سنوری صفحہ ۳-۴ طبع اول۔

۳- بیرونی دنیا میں اس کے اثرات ۱۸۸۷ء میں ظاہر ہونے شروع ہوئے۔ جب مسٹر الگزنڈر رسل وب نے امریکہ سے خط و کتابت شروع کی۔ اور بالآخر حلقہ بگوش اسلام ہو گئے جیسا کہ آئندہ ذکر آرہا ہے۔

۴- "روایات صحابہ" غیر مطبوعہ جلد پنجم صفحہ ۸۴

۵- ولادت ۱۸۷۱ء وفات ۱۹۱۱ء (تذکرہ روسائے پنجاب طبع دوم ۶۸۴)

۶- ۳۱۳ اصحاب میں تھے ان کی صاحبزادی خواجہ کمال الدین صاحب بانی ووکنگ مشن کے عقد میں آئیں۔

۷- حضرت مسیح پاک کے مشہور صحابی حضرت قریشی محمد حسین صاحب (وفات ۱۷- اپریل ۱۹۳۲ء) موجد مفرح عنبری لاہور کے دادا جو پہلے اہلحدیث تھے مگر آخر عمر میں مولوی عبداللہ صاحب چکڑالوی کے ہم خیال بلکہ دست راست بن گئے۔

۸- محترم مولف صاحب "مجدد اعظم" نے منشی اندر من مراد آبادی کے متعلق سہواً لکھا ہے کہ اس نے "سرمہ چشم آریہ" کی اشاعت پر مقابلہ کی ٹھہرائی مگر انعام پہلے مانگا کہ کسی کے پاس رکھوا دیا جائے۔ جب مرزا صاحب کے آدمی زر انعام لے کر پہنچے تو اندر من لاہور چھوڑ کر ہی بھاگ گیا (مجدد اعظم جلد اول صفحہ ۱۷۰) یہ واقعہ پیش ضرور آیا۔ مگر "سرمہ چشم آریہ" کے انعامی اشتہار سے قبل نہ کہ بعد۔ جیسا کہ ۱۰- مئی ۱۸۸۵ء کے اشتہار بلکہ "سرمہ چشم آریہ" سے ملحق اشتہار "صداقت انوار" سے بھی ظاہر ہے۔ (دیکھئے صفحہ ۲۵۹ طبع اول)

۹- "تبلیغ رسالت" جلد اول صفحہ ۴۸- ر۔ ہ۔ ح "مکتوبات احمدیہ" جلد اول صفحہ ۹۱-۹۳ و جلد دوم صفحہ ۶-۱۰۔
"حیات احمد" جلد دوم نمبر سوم صفحہ ۱۲۰-۱۲۳

۱۰- اخبار "عام" بحوالہ الحکم ۲۴- اگست ۱۸۹۹ء صفحہ ۸ کالم نمبر ۳۔

۱۱- کلیات آریہ مسافر صفحہ ۴۰۸-۴۱۴ طبع اول شائع کردہ ستیہ دھرم پرچارک پریس ہردوار ضلع سہارنپور۔

۱۲- ایضاً

۱۳- مرزا امام الدین کے الحاد و دہریت کا اندازہ اس سے لگ سکتا ہے کہ اس کی مجلس میں بھنگ اور چرس پینے والے جمع ہوتے جو اباحتی فقیروں کی طرح شریعت پر لغو اعتراضات کی بوچھاڑ کیا کرتے تھے۔ حضرت مسیح موعودؑ کے دعوٰی کا چرچا دیکھ کر اس نے اپنے تئیں چماروں کا ہادی قرار دے لیا اور ایسی ایسی ناگفتنی باتیں کہیں کہ خدا کا کوئی پاک باز نبی اس کی تضحیک سے محفوظ نہ رہا۔ مثلاً کہا۔ "ایک پیغمبر دوسرے پیغمبر کو جھٹلاتا اور منسوخ کرتا ہے اگر عیسیٰ صاحب کو سچا جانیں تو محمد ﷺ صاحب کی غلطی معلوم ہوتی ہے اور اگر محمد صاحب کو راستی پر سمجھیں تو عیسیٰ صاحب کا اعتبار جاتا ہے"۔ (ملاحظہ ہو اس کی کتاب "گل شگفت" صفحہ ۱۷ مطبوعہ چشمہ نور)

۱۴- "آئینہ کمالات اسلام" صفحہ ۲۸۵ و "کلیات آریہ مسافر" صفحہ ۴۱۴-۴۱۵۔

۱۵- لیکھرام کے ایک خط سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ غالباً ۱۹- نومبر ۱۸۸۵ء کو قادیان آیا تھا۔ بحوالہ "حیات احمد" جلد دوم نمبر دوم صفحہ ۴۰ (مرتبہ شیخ یعقوب علی صاحب عرفانی)

۱۶- "حقیقتہ الوحی" طبع اول صفحہ ۲۸۸

۱۷- "حیات احمد" جلد دوم نمبر دوم صفحہ ۴۰-۴۱ (مرتبہ حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانی)

۱۸- "حقیقتہ الوحی" طبع اول صفحہ ۲۸۸ و "کلیات آریہ مسافر"۔ صفحہ ۴۱۵

۱۹- نقل مطابق اصل۔

۲۰- "حیات احمد" جلد دوم صفحہ ۴۲-۴۳- مرتبہ حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانی۔

۲۱۔ "خبط احمدیہ" ۳۴۴-۳۴۷ مطبوعہ ۱۸۸۸ء
۲۲۔ "حیات احمد" جلد دوم نمبر سوم صفحہ ۱۳۵ (مرتبہ حضرت شیخ یعقوب صاحب عرفانی) یہ شخص ہندوؤں سے عیسائی ہوا اصلی نام رام چند تھا ("لائف آف احمد" صفحہ ۸۶ از مولوی عبد الرحیم صاحب درد)
۲۳۔ نقل مطابق اصل۔
۲۴۔ "مکتوبات احمدیہ" جلد سوئم صفحہ ۱۰۱ (مرتبہ حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانی)
۲۵۔ "تبلیغ رسالت" جلد اول صفحہ ۷۷-۷۹
۲۶۔ ان ہندوؤں کے نام یہ تھے کچھمن رام پنڈت بھارامل۔ بشن داس ولد رعدا ساہوکار۔ منشی تاراچند کھتری۔ پنڈت نہال چند۔ سنت رام۔ فتح چند۔ پنڈت ہرکرن۔ پنڈت بیج ناتھ بشن داس ولد ہیرانند برہمن۔ (تبلیغ رسالت جلد اول صفحہ ۵۲)
۲۷۔ "تبلیغ رسالت" جلد اول صفحہ ۵۴
۲۸۔ آپ کو ۳۱۳ صحابہ کبار میں شامل ہونے کا فخر بھی حاصل ہے۔
۲۹۔ الحکم ۶، ۱۳۔ اگست ۱۸۹۸ء۔ انعامات خداوند کریم صفحہ ۱۴ (مرتبہ حضرت پیر افتخار احمد صاحب) ور وایات صحابہ مطبوعہ جلد ہفتم
۳۰۔ اخبار الحکم ۶، ۱۳۔ اگست ۱۸۹۸ء میں متبعین کی بجائے مجبین کا لفظ ہے۔
۳۱۔ "مکتوبات امام ہمام" قلمی جلد اول صفحہ ۶۱۔ ۱۸۹۲ء حضرت مسیح موعودؑ اکثر اپنے خطوط کی نقول میر عباس علی صاحب کو بھجوا دیا کرتے تھے چنانچہ انہی نقول سے حضرت منشی حبیب الرحمٰن صاحبؓ نے ۱۸۹۲ء میں یہ مکتوب بھی لکھا تھا اس کے چھ سال بعد حضرت پیر منظور محمد صاحب نے اصلی خط سے اس کی نقل لے کر الحکم ۶، ۱۳۔ اگست ۱۸۹۸ء صفحہ ۱۲-۱۳ میں چھپوا دی تھی۔ مگر خط کے بعض نقوش مدھم یا بالکل محو ہو چکے تھے۔ اس لئے اس کی اشاعت ناتمام شکل میں ہو سکی اور انہوں نے خالی مقامات پر نقطہ ڈال دیئے۔ مگر "مکتوبات امام ہمام" کے قلمی نسخہ میں (جو خلافت لائبریری میں محفوظ ہے) اس دعا کا پورا متن موجود ہے۔ "مکتوبات امام ہمام" کے مرتب حضرت منشی حبیب الرحمٰن صاحب (رئیس حاجی پورہ ریاست کپورتھلہ) تھے جو ۳۱۳ اصحاب کبار میں سے تھے۔ مشہور مبلغ اسلام حضرت مولانا عبد الرحیم صاحب نیر آپ ہی کی تبلیغ سے داخل سلسلہ ہوئے۔ سرسید احمد خاں مرحوم کے سوانح دیکھ کر ان کے دل میں زبردست تڑپ پیدا ہوئی کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی مقدس زندگی کے مفصل حالات میری زندگی میں قلمبند ہو جائیں۔ اس خواہش کی تکمیل کے لئے انہوں نے جماعت کے ایک اہل قلم بزرگ کو سلسلہ کا بہت سا لٹریچر بھی فراہم کر کے دیا۔ مگر افسوس زندگی نے وفا نہ کی اور آپ یکم دسمبر ۱۹۳۰ء کو ۶۳ سال کی عمر میں وصال فرما گئے۔ (الحکم جلد ۳۸ صفحہ ۷ ۲ تا صفحہ ۳۳-۱۹۳۵ء)
۳۲۔ "روایات صحابہؓ (غیر مطبوعہ) جلد ہفتم صفحہ ۳-۴
۳۳۔ "ازالہ اوہام" حصہ دوم صفحہ ۱۹۱-۱۹۳ طبع اول۔
۳۴۔ گذشتہ اولیاء کے سوانح میں کشفی امور کے مادی رنگ پکڑنے کی متعدد مثالیں موجود ہیں۔ مثلاً حضرت حسن بصریؒ نے خواب میں شمعون سے ایک خط لیا جب بیدار ہوئے تو اسے خارج میں بھی موجود پایا۔ حضرت عبد اللہ بن جلالؒ نے عالم رویا میں آنحضرت ﷺ کے دست مبارک سے ایک روٹی لی اور آدھی کھائی تھی کہ بیدار ہو گئے اور دیکھا کہ باقی نصف ٹکڑا ان کے ہاتھ میں ہے ("تذکرۃ الاولیاء" مترجم صفحہ ۳۸ صفحہ ۲۹۸ مولفہ حضرت خواجہ فرید الدین صاحب عطارؒ شائع کردہ ملک دین محمد اینڈ سنز لاہور۔) مزید تفصیلات کے لئے ملاحظہ ہو رسالہ "ریویو آف ریلیجنز" اردو جولائی ۱۹۳۲ء۔
۳۵۔ "سرمہ چشم آریہ" صفحہ ۱۳۱-۱۳۲ الفضل ۲۶ دسمبر ۱۹۱۶ء "سیرت مسیح موعود" مرتبہ حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانی حصہ اول صفحہ ۳۰ "سیرت المہدی" حصہ اول صفحہ ۸۰-۸۵ و حصہ دوم صفحہ ۱۰۷-۱۰۸
۳۶۔ مرقس ۱۳: ۲۲ تا ۲۵۔
۳۷۔ "آئینہ کمالات اسلام" صفحہ ۱۱۰-۱۱۱
۳۸۔ "تذکرہ" طبع اول صفحہ ۷۵۶

مامورریت کا پانچواں سال

ہوشیار پور کا مبارک سفر

"پسر موعود" کے متعلق عظیم الشان پیشگوئی کا انکشاف

(۱۸۸۶ء)

گزشتہ نوشتوں میں پسر موعود کی پیشگوئی

اب ہم ۱۸۸۶ء میں قدم رکھ رہے ہیں جو تاریخ احمدیت میں ایک نہایت درجہ امتیازی حیثیت رکھتا ہے کیونکہ اس میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو دین اسلام کے شرف اور آنحضرت ﷺ کی صداقت و عظمت کے اظہار کے لئے ایک "پسر موعود" کی عظیم الشان خبر دی گئی گو یہ پیشگوئی اپنی تفصیلات کے اعتبار سے پہلی دفعہ حضرت مسیح موعودؑ پر منکشف ہوئی مگر اپنی اصولی شکل میں وہ ہزاروں برس سے موجود تھی۔ چنانچہ مذہبی تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ ابتداء بنی اسرائیل کے سامنے یہ منادی کی گئی تھی کہ مسیح موعود کے انتقال کے بعد اس کا فرزند اور پوتا اس کی (آسمانی) بادشاہت کا وارث ہوگا۔ [1] بعد ازاں جب نعمت نبوت بنی اسمٰعیل کی طرف منتقل ہوئی تو پیغمبر دو عالم ﷺ نے مسیح موعود کے متعلق یہ خبر دی۔ "یَتَزَوَّجُ وَیُوْلَدُلَہٗ" [2] یعنی وہ شادی کرے گا اور اس کی اولاد ہوگی۔ اب صاف ظاہر ہے کہ محض شادی اور اولاد کا وجود تو کسی مامور الٰہی کی سچائی پر برہان نہیں بن سکتا۔ جب تک وہ اپنے اندر بھاری نشان نہ رکھتے ہوں۔ پس بے شبہ مخبر صادق کا مقصود یہ تھا کہ مسیح موعود ایک موعود شادی کریگا جو ایک زبردست آیت اللہ ہوگی جس کے نتیجے میں اسے ایک بلند مقام رکھنے والا صالح فرزند عطا کیا جائیگا جو اس کے روحانی کمالات کا نظیر و مثیل ہوگا اور جانشین بھی! وہ ہر امر میں اس کا مطیع ہوگا۔ اس کا شمار درگاہ الٰہی کے معزز بندوں میں ہوگا اور وہ دین اسلام کی حمایت کرے گا۔ [3]

اب چونکہ اس موعود کے ظہور کا زمانہ قریب آ رہا تھا اس لئے خدا تعالیٰ کی طرف سے اسلام کے مختلف باکمال بزرگوں کو بھی اطلاع دے دی گئی۔ چنانچہ روم میں مولوی جلال الدین ؒ [۴] (۱۲۰۷۔ ۱۲۷۳) ہندوستان میں حضرت نعمت اللہ [۵] ولی ہانسوی ۱۱۶۵ء اور شام میں حضرت محی الدین ابن عربی [۶] (۱۱۶۴۔۱۲۴۰ء) نے کشفی آنکھ سے اس موعود کو دیکھا اور اپنے اپنے زمانہ میں اس کی خبر دیتے رہے بلکہ پانچویں صدی ہجری کے شامی بزرگ حضرت امام یحییٰ بن عقب ؒ نے تو کھلے لفظوں میں پیشگوئی فرمائی کہ۔

وَ مَحْمُوْدٌ سَيُظْهَرُ بَعْدَ هٰذَا وَ يَمْلِكُ الشَّامَ بِلَا قِتَالٍ [۷]

یعنی مسیح موعودؑ اور ایک عربی النسل انسان کے بعد محمود ظاہر ہو گا جو ملک شام کو کسی (مادی) جنگ کے بغیر فتح کرے گا۔ بعض ائمہ شیعہ کو بھی [۸] بتایا گیا کہ ایک آنے والے موعود کا اسم گرامی "محمود" ہو گا۔

ہوشیار پور کا مبارک سفر

ان قدیم نوشتوں کے جلد پورا کرنے کے لئے خود اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے دل میں قادیان سے باہر چلہ کشی کرنے کی تحریک اٹھی اور آپ نے ۱۸۸۴ء میں سوجان پور کا فیصلہ کر کے اپنے عقیدتمند منشی عبداللہ صاحب سنوری کو اپنی منشاء سے اطلاع بھی دے دی مگر حضور کو الہاماً بتایا گیا کہ آپ کی عقدہ کشائی ہوشیار پور [۹] میں ہو گی۔ سو حضور بہلی میں بیٹھ کر دریائے بیاس کے راستے ۲۲۔ جنوری ۱۸۸۶ء کو ہوشیار پور تشریف لے گئے اور چلہ کشی کے نتیجے میں مصلح موعود اور پردہ غیب میں پوشیدہ جماعت کے شاندار مستقبل کے متعلق بھاری بشارتیں پانے اور تبلیغ اسلام کی مہمات میں حصہ لینے کے بعد ۱۷۔ مارچ [۱۰] ۱۸۸۶ء کو بانیل مرام واپس قادیان پہنچے۔

حضرت منشی عبداللہ صاحب سنوری (جنہیں اس موقعہ پر ابتداء سے آخر تک ہمسفر رہنے کا شرف نصیب ہوا) اس مبارک سفر کی روداد یوں بیان کرتے ہیں کہ "حضرت صاحب نے ۱۸۸۴ء میں ارادہ فرمایا تھا کہ قادیان سے باہر جا کر کہیں چلہ کشی فرمائیں گے اور ہندوستان کی سیر بھی کریں گے۔ چنانچہ آپ نے ارادہ فرمایا کہ سوجان پور ضلع گورداسپور میں جا کر خلوت میں رہیں اور اس کے متعلق حضور نے ایک اپنے ہاتھ کا لکھا ہوا پوسٹ کارڈ بھی مجھے روانہ فرمایا۔ میں نے عرض کیا کہ مجھے بھی اس سفر اور ہندوستان کے سفر میں حضور ساتھ رکھیں۔ حضور نے منظور فرمالیا۔ مگر پھر حضور کو اس سفر سوجان پور کے متعلق الہام ہوا کہ تمہاری عقدہ کشائی ہوشیار پور میں ہو گی۔ چنانچہ آپ نے سوجان پور جانے کا ارادہ ترک کر دیا۔ اور ہوشیار پور جانے کا ارادہ کر لیا۔ جب آپ ماہ جنوری ۱۸۸۶ء میں

ہوشیار پور جانے لگے تو مجھے خط لکھ کر حضور نے قادیان بلالیا۔ اور شیخ مہر علی رئیس ہوشیار پور کو خط لکھا کہ میں دو ماہ کے واسطے ہوشیار پور آنا چاہتا ہوں کسی ایسے مکان کا انتظام کر دیں جو شہر کے ایک کنارہ پر ہو اور اس میں بالاخانہ بھی ہو۔ شیخ مہر علی نے اپنا ایک مکان جو طویلہ کے نام سے مشہور تھا خالی کروا دیا۔ حضور بہلی میں بیٹھ کر دریائے بیاس کے راستے تشریف لے گئے۔ میں اور شیخ حامد علی اور فتح خاں ساتھ تھے...... فتح خاں رسولپور متصل "ٹانڈہ ضلع ہوشیار پور کا رہنے والا تھا اور حضور کا بڑا معتقد تھا مگر بعد میں مولوی محمد حسین بٹالوی کے اثر کے نیچے مرتد ہو گیا۔ حضور جب دریا پر پہنچے تو چونکہ کشتی تک پہنچنے کے رستہ میں کچھ پانی تھا اس لئے ملاح نے حضور کو اٹھا کر کشتی میں بٹھایا جس پر حضور نے اسے ایک روپیہ انعام دیا۔ دریا میں جب کشتی چل رہی تھی حضور نے مجھ سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ میاں عبداللہ کامل کی صحبت اس سفر دریا کی طرح ہے جس میں پار ہونے کی بھی امید ہے اور غرق ہونے کا بھی اندیشہ ہے۔ میں نے حضور کی یہ بات سرسری طور پر سنی مگر جب فتح خاں مرتد ہوا تو مجھے حضرت کی یہ بات یاد آئی۔ خیر ہم راستہ میں فتح خاں کے گاؤں میں قیام کرتے ہوئے دوسرے دن ہوشیار پور پہنچے وہاں جاتے ہی حضرت صاحب نے طویلہ کے بالاخانہ میں قیام فرمایا اور اس غرض سے کہ ہمارا آپس میں کوئی جھگڑا نہ ہو ہم تینوں کے الگ الگ کام مقرر فرما دیئے۔ چنانچہ میرے سپرد کھانا پکانے کا کام ہوا۔ فتح خاں کی یہ ڈیوٹی لگائی گئی کہ وہ بازار سے سودا وغیرہ لایا کرے۔ شیخ حامد علی کا یہ کام مقرر ہوا کہ گھر کا بالائی کام اور آنے جانے والے کی مہمان نوازی کرے۔ اس کے بعد حضرت مسیح موعودؑ نے بذریعہ دستی اشتہارات اعلان کر دیا کہ چالیس دن تک مجھے کوئی صاحب ملنے نہ آویں۔ اور نہ کوئی صاحب مجھے دعوت کے لئے بلائیں۔ ان چالیس دن کے گزرنے کے بعد میں یہاں بیس دن اور ٹھہروں گا۔ ان بیس دنوں میں ملنے والے ملیں دعوت کا ارادہ رکھنے والے دعوت کر سکتے ہیں اور سوال و جواب کرنے والے سوال و جواب کرلیں۔ اور حضرت صاحب نے ہم کو بھی حکم دے دیا کہ ڈیوڑھی کے اندر کی زنجیر ہر وقت لگی رہے اور گھر میں بھی کوئی شخص مجھے نہ بلائے۔ میں اگر کسی کو بلاؤں تو وہ اسی حد تک میری بات کا جواب دے جس حد تک کہ ضروری ہے اور نہ اوپر بالاخانہ میں کوئی میرے پاس آوے۔ میرا کھانا اوپر پہنچا دیا جاوے مگر اس کا انتظار نہ کیا جاوے کہ میں کھانا کھالوں۔ خالی برتن پھر دوسرے وقت لے جایا کریں۔ نماز میں اوپر الگ پڑھا کروں گا تم نیچے پڑھالیا کرو۔ جمعہ کے لئے حضرت صاحب نے فرمایا کوئی ویران سی مسجد تلاش کرو جو شہر کے ایک طرف ہو۔ جہاں ہم علیحدگی میں نماز ادا کر سکیں۔ چنانچہ شہر کے باہر ایک باغ تھا اس میں ایک چھوٹی سی ویران مسجد تھی۔ وہاں جمعہ کے دن حضور تشریف لے جایا کرتے تھے۔ اور ہم کو نماز پڑھاتے تھے اور خطبہ بھی خود پڑھتے تھے"۔

"میں کھانا چھوڑنے اوپر جایا کرتا تھا اور حضور سے کوئی بات نہیں کرتا تھا مگر کبھی حضور مجھ سے خود کوئی بات کرتے تھے تو جواب دے دیتا تھا۔ ایک دفعہ حضرت صاحب نے مجھ سے فرمایا۔ میاں عبداللہ ان دنوں میں مجھ پر بڑے بڑے خدا تعالیٰ کے فضل کے دروازے کھلے ہیں اور بعض اوقات دیر دیر تک خدا تعالیٰ مجھ سے باتیں کرتا رہتا ہے اگر ان کو لکھا جاوے تو کئی ورق ہو جاویں۔........ پسر موعود کے متعلق الہامات بھی اسی چلہ میں ہوئے تھے اور بعد چلہ کے ہوشیار پور سے ہی آپ نے اس پیشگوئی کا اعلان فرمایا تھا جب چالیس دن گزر گئے تو پھر آپ حسب اعلان بیس دن اور وہاں ٹھہرے۔ ان دنوں میں کئی لوگوں نے دعوتیں کیں اور کئی لوگ مذہبی تبادلہ خیالات کے لئے آئے اور باہر سے حضور کے پرانے ملنے والے لوگ بھی مہمان آئے انہی دنوں میں مرلی دھر سے آپ کا مباحثہ ہوا۔ جو سرمہ چشم آریہ میں درج ہے جب دو مہینے کی مدت پوری ہوگی تو حضرت صاحب واپس اسی راستہ سے قادیان روانہ ہوئے ہوشیار پور سے پانچ چھ میل کے فاصلہ پر ایک بزرگ کی قبر ہے جہاں کچھ باغیچہ سا لگا ہوا تھا وہاں پہنچ کر حضور تھوڑی دیر کے لئے بہلی سے اتر آئے اور فرمایا یہ عمدہ سایہ دار جگہ ہے یہاں تھوڑی دیر ٹھہر جاتے ہیں اس کے بعد حضور قبر کی طرف تشریف لے گئے میں بھی پیچھے پیچھے ساتھ ہو گیا۔ اور شیخ حامد علی اور فتح خاں بہلی کے پاس رہے آپ مقبرہ پر پہنچ کر اس کا دروازہ کھول کر اندر گئے اور قبر کے سرہانے کھڑے ہو کر دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے اور تھوڑی دیر تک دعا فرماتے رہے پھر واپس آئے اور مجھ سے مخاطب ہو کر فرمایا "جب میں نے دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے تو جس بزرگ کی یہ قبر ہے وہ قبر سے نکل کر دو زانو ہو کر میرے سامنے بیٹھ گئے اور اگر آپ ساتھ نہ ہوتے تو میں ان سے باتیں بھی کر لیتا۔ انکی آنکھیں موٹی موٹی ہیں اور رنگ سانولا ہے"۔ پھر کہا کہ دیکھو اگر یہاں کوئی مجاور ہے تو اس سے ان کے حالات پوچھیں۔ چنانچہ حضور نے مجاور سے دریافت کیا۔ اس نے کہا میں نے ان کو خود نہیں دیکھا کیونکہ ان کی وفات کو قریباً ایک سو سال گزر گیا ہے۔ ہاں اپنے باپ یا دادا سے سنا ہے کہ یہ اس علاقہ کے بڑے بزرگ تھے اور اس علاقہ میں ان کا بہت اثر تھا۔ حضور نے پوچھا ان کا حلیہ کیا تھا؟ وہ کہنے لگا سنا ہے سانولا رنگ تھا اور موٹی موٹی آنکھیں تھیں۔ پھر ہم وہاں سے روانہ ہو کر قادیان پہنچ گئے"۔ [111]

پسر موعود اور جماعت کی ترقی سے متعلق زبردست پیشگوئی

سفر ہوشیار پور کے ان اجمالی حالات میں حضور کی چلہ کشی پسر موعود کی پیشگوئی اور مباحثہ کی طرف اشارہ کیا گیا ہے جن کا تفصیلی ذکر اب کیا جاتا ہے۔

سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام (جیسا کہ اوپر ذکر ہو چکا ہے) ہوشیار پور میں محض چلہ کشی کے

لئے تشریف لے گئے تھے اور شیخ مہر علی صاحب رئیس ہوشیار پور کے مکان کی بالائی منزل میں آپ چالیس روز تک دعاؤں میں مصروف رہے اس دوران میں حضور کی خلوت نشینی کا عجیب رنگ تھا۔ شہر والوں سے تو دستی اشتہارات کے ذریعہ سے ملاقات کی ممانعت تھی اور اپنے تینوں خادموں کو بھی جو آپ کے ھمسفر تھے زبانی یہ حکم دے دیا تھا کہ ڈیوڑھی کی زنجیر ہر وقت لگی رہے اور کوئی شخص گھر میں بھی مجھے نہ بلائے میں اگر کسی کو بلاؤں تو وہ اتنا ہی میری بات کا جواب دے جتنا ضروری ہے کھانا پہنچانے کے لئے بھی حضور سے انہیں اوپر اجازت لے کر جانا پڑتا تھا۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس عرصہ میں مکالمات و مخاطبات کا وسیع سلسلہ جاری ہوا۔ چنانچہ منشی عبداللہ صاحب سنوری ایک دفعہ جب کھانا لے کر اوپر گئے تو حضور نے فرمایا کہ مجھے الہام ہوا ہے۔ "بورک من فیھا و من حولھا"۔ اور حضور نے تشریح فرمائی کہ من فیھا سے تو میں مراد ہوں اور من حولھا سے تم لوگ۔ اسی طرح ایک دوسرے موقعہ پر فرمایا۔ "مجھے خدا اس طرح مخاطب کرتا ہے اور مجھ سے اس طرح کی باتیں کرتا ہے کہ اگر میں ان میں سے کچھ تھوڑا سا بھی ظاہر کر دوں تو یہ جو معتقد نظر آتے ہیں سب پھر جاویں"۔ [۱۲] ان سب الہامات میں اہمیت اس پیشگوئی کو حاصل ہے جس میں آپ کو پسر موعود کی خبر دی گئی۔ اسی لئے جب چلہ ختم ہوا تو حضرت اقدس نے اپنے قلم سے ۲۰۔ فروری ۱۸۸۶ء کو ایک اشتہار تحریر فرمایا۔ جو اخبار ریاض ہند امرت سر یکم مارچ ۱۸۸۶ء کی اشاعت میں بطور ضمیمہ شائع ہوا چنانچہ آپ نے لکھا۔

"پہلی پیشگوئی بالہام اللہ تعالیٰ و اعلامہ عزوجل خدائے رحیم و کریم بزرگ و برتر نے جو ہر یک چیز پر قادر ہے (جل شانہ و عزاسمہ) مجھ کو اپنے الہام سے مخاطب کر کے فرمایا کہ میں تجھے ایک رحمت کا نشان دیتا ہوں اسی کے موافق جو تو نے مجھ سے مانگا سو میں نے تیری تضرعات کو سنا اور تیری دعاؤں کو اپنی رحمت سے بپایہ قبولیت جگہ دی اور تیرے سفر کو (جو ہوشیار پور اور لدھیانہ کا سفر ہے) تیرے لئے مبارک کر دیا سو قدرت اور رحمت اور قربت کا نشان تجھے دیا جاتا ہے فضل اور احسان کا نشان تجھے عطا ہوتا ہے اور فتح اور ظفر کی کلید تجھے ملتی ہے اے مظفر! تجھ پر سلام۔ خدا نے یہ کہا تا وہ جو زندگی کے خواہاں ہیں موت کے پنجہ سے نجات پاویں اور وہ جو قبروں میں دبے پڑے ہیں باہر آویں اور تا دین اسلام کا شرف اور کلام اللہ کا مرتبہ لوگوں پر ظاہر ہو اور تا حق اپنی تمام برکتوں کے ساتھ آ جائے اور باطل اپنی تمام نحوستوں کے ساتھ بھاگ جائے اور تا لوگ سمجھیں کہ میں قادر ہوں جو چاہتا ہوں کرتا ہوں اور تا وہ یقین لائیں۔ میں کہ تیرے ساتھ ہوں اور تا انہیں جو خدا کے وجود پر ایمان نہیں لاتے اور خدا اور خدا کے دین اور

اس کی کتاب اور اس کے پاک رسول محمد مصطفیٰ ﷺ کو انکار اور تکذیب کی نگاہ سے دیکھتے ہیں ایک کھلی نشانی ملے اور مجرموں کی راہ ظاہر ہو جائے۔ سو تجھے بشارت ہو کہ ایک وجیہہ اور پاک لڑکا تجھے دیا جائیگا ایک زکی غلام (لڑکا) تجھے ملے گا وہ لڑکا تیرے ہی تخم سے تیری ہی ذریت و نسل ہو گا۔ خوبصورت پاک لڑکا تمہارا مہمان آتا ہے اس کا نام عنموائیل اور بشیر بھی ہے اس کو مقدس روح دی گئی ہے اور وہ رجس سے پاک ہے' وہ نور اللہ ہے مبارک وہ جو آسمان سے آتا ہے اس کے ساتھ فضل ہے جو اس کے آنے کے ساتھ آئیگا۔ وہ صاحب شکوہ اور عظمت اور دولت ہو گا وہ دنیا میں آئے گا اور اپنے مسیحی نفس اور روح الحق کی برکت سے بہتوں کو بیماریوں سے صاف کرے گا وہ کلمتہ اللہ ہے کیونکہ خدا کی رحمت و غیوری نے اسے اپنے کلمہ تمجید سے بھیجا ہے۔ وہ سخت ذہین و فہیم ہو گا اور دل کا حلیم اور علوم ظاہری و باطنی سے پر کیا جائے گا اور وہ تین کو چار کرنے والا ہو گا (اس کے معنے سمجھ میں نہیں آئے) دو شنبہ ہے مبارک دو شنبہ۔ فرزند دلبند گرامی ارجمند مَظْهَرُ الْاَوَّلِ وَالْاٰخِرِ مَظْهَرُ الْحَقِّ وَالْعُلَاءِ كَاَنَّ اللّٰهَ نَزَلَ مِنَ السَّمَاءِ۔ جس کا نزول بہت مبارک اور جلال الٰہی کے ظہور کا موجب ہو گا۔ نور آتا ہے نور جس کو خدا نے اپنی رضامندی کے عطر سے ممسوح کیا۔ ہم اس میں اپنی روح ڈالیں گے اور خدا کا سایہ اس کے سر پر ہو گا وہ جلد جلد بڑھے گا اور اسیروں کی رستگاری کا موجب ہو گا اور زمین کے کناروں تک شہرت پائے گا اور قومیں اس سے برکت پائیں گی تب اپنے نفسی نقطہ آسمان کی طرف اٹھایا جائے گا۔ وَكَانَ اَمْرًا مَّقْضِيًّا۔

پھر خدائے کریم جل شانہ نے مجھے بشارت دے کر کہا کہ تیرا گھر برکت سے بھرے گا اور میں اپنی نعمتیں تجھ پر پوری کروں گا اور خواتین مبارکہ سے جن میں سے تو بعض کو اس کے بعد پائے گا تیری نسل بہت ہو گی اور میں تیری ذریت کو بہت بڑھاؤں گا اور برکت دوں گا مگر بعض ان میں سے کم عمری میں فوت بھی ہوں گے اور تیری نسل کثرت سے ملکوں میں پھیل جائے گی اور ہر یک شاخ تیرے جدی بھائیوں کی کاٹی جائے گی اور وہ جلد لاولد رہ کر ختم ہو جائیگی اگر وہ توبہ نہ کریں گے تو خدا ان پر بلا پر بلا نازل کرے گا یہاں تک کہ وہ نابود ہو جائیں گے ان کے گھر بیواؤں سے بھر جائیں گے اور ان کی دیواروں پر غضب نازل ہو گا لیکن اگر وہ رجوع کریں گے تو خدا رحم کے ساتھ رجوع کریگا۔ خدا تیری برکتیں اردگرد پھیلائے گا اور ایک اجڑا ہوا گھر تجھ سے آباد کرے گا اور ایک

ڈراؤنا گھر برکتوں سے بھردے گا تیری ذریت منقطع نہیں ہو گی اور آخری دنوں تک سرسبز رہے گی خدا تیرے نام کو اس روز تک جو دنیا منقطع ہو جائے عزت کے ساتھ قائم رکھے گا اور تیری دعوت کو دنیا کے کناروں تک پہنچادے گا۔ میں تجھے اٹھاؤں گا اور اپنی طرف بلالوں گا پر تیرا نام صفحہ زمین سے کبھی نہیں اٹھے گا اور ایسا ہو گا کہ سب وہ لوگ جو تیری ذلت کی فکر میں لگے ہوئے ہیں اور تیرے ناکام رہنے کے درپے اور تیرے نابود کرنے کے خیال میں ہیں وہ خود ناکام رہیں گے اور ناکامی و نامرادی میں مریں گے لیکن خدا تجھے بکلی کامیاب کرے گا اور تیری ساری مرادیں تجھے دے گا۔ میں تیرے خالص اور دلی محبوں کا گروہ بھی بڑھاؤں گا اور ان کے نفوس و اموال میں برکت دوں گا اور ان میں کثرت [۱۳] بخشوں گا اور وہ مسلمانوں کے اس دوسرے گروہ پر تابروز قیامت غالب رہیں گے جو حاسدوں اور معاندوں کا گروہ ہے خدا انہیں نہیں بھولے گا اور فراموش نہیں کرے گا اور وہ علیٰ حسب الاخلاص اپنا اپنا اجر پائیں گے تو مجھے ایسا ہے جیسے انبیاء بنی اسرائیل (یعنی ظلی طور پر ان سے مشابہت رکھتا ہے) تو مجھے ایسا ہے جیسی میری توحید۔ تو مجھ سے اور میں تجھ سے ہوں اور وہ وقت آتا ہے بلکہ قریب ہے کہ خدا بادشاہوں اور امیروں کے دلوں میں تیری محبت ڈالیگا۔ یہاں تک کہ وہ تیرے کپڑوں سے برکت ڈھونڈیں گے۔ اے منکرو اور حق کے مخالفو! اگر تم میرے بندہ کی نسبت شک میں ہو اگر تمہیں اس فضل و احسان سے کچھ انکار ہے جو ہم نے اپنے بندہ پر کیا تو اس نشان رحمت کی مانند تم بھی اپنی نسبت کوئی سچا نشان پیش کرو اگر تم سچے ہو اور اگر تم پیش نہ کر سکو اور یاد رکھو کہ ہرگز پیش نہ کر سکو گے تو اس آگ سے ڈرو کہ جو نافرمانوں اور جھوٹوں اور حد سے بڑھنے والوں کے لئے تیار ہے۔ فقط" [۱۴]

اس اشتہار کے بعد حضرت اقدس کو مزید بتایا گیا کہ "ایسا لڑکا بموجب وعدہ الٰہی ۹ برس کے عرصہ تک ضرور پیدا ہو گا خواہ جلد ہو خواہ دیر سے بہرحال اس عرصہ کے اندر پیدا ہو جائے گا۔ [۱۵] نیز چند روز بعد ۸۔ اپریل ۱۸۸۶ء کو جناب الٰہی کی طرف توجہ کرنے پر منکشف ہوا "کہ ایک لڑکا بہت ہی قریب ہونے والا ہے جو ایک مدت حمل سے تجاوز نہیں کر سکتا"۔ تاہم یہ ظاہر نہیں کیا گیا کہ جو اب پیدا ہو گا یہی پسر موعود ہے یا وہ کسی اور وقت میں نو برس کے عرصہ میں پیدا ہو گا۔ [۱۶]

پسر موعود سے متعلق پیشگوئی کا ردعمل

حضرت اقدس کی طرف سے پسر موعود سے متعلق یہ پیشگوئی شائع ہوئی تو ملک میں ایک

شور برپا ہو گیا- آپ کے عقیدت مند نہایت بے تابی سے آنے والے کا انتظار کرنے لگے- اور مخالفین اسلام میں جو حضرت اقدسؑ کے نشان نمائی کے چیلنج کے مقابلہ میں شکست فاش اٹھا چکے تھے اس "نشان رحمت" کی تضحیک کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے چنانچہ پنڈت لیکھرام نے ۱۸- مارچ ۱۸۸۶ء کو نہایت گستاخانہ لب و لہجہ میں ایک مفتریانہ اشتہار شائع کیا جس میں حرف بحرف خدا تعالیٰ کے حکم سے لکھنے کا ادعا کر کے جواب دیا کہ "آپ کی ذریت بہت جلد منقطع ہو جائے گی غایت درجہ تین سال تک شہرت رہے گی"- نیز کہا کہ اگر کوئی لڑکا پیدا بھی ہوا تو وہ آپ کی پیشگوئی میں بیان شدہ صفات سے برعکس رحمت کا نشان نہیں زحمت کا نشان ثابت ہو گا- وہ مصلح موعود نہیں مفسد موعود ہو گا چنانچہ اس بدزبان نے پسر موعود سے متعلق پیشگوئی کی ایک ایک صفت کو اپنے تجویز کردہ الفاظ کے سانچے میں ڈھال کر پوری بے حجابی سے لکھا- "خدا کہتا ہے جھوٹوں کا جھوٹا ہے میں نے کبھی اس کی دعا نہیں سنی اور نہ قبول کی"- "خدا اس سفر کو نہایت منحوس بتلاتا ہے"- "خدا کہتا ہے میں نے قہر کا نشان دیا ہے"- "خدا کہتا ہے اس کا نام عزرائیل اور شریر بھی ہے"- "ناپاک اور پلید روح دی گئی ہے"- "وہ دیجور کھلم کھلا ہے"- "خدا کہتا ہے وہ آسمانی گولا نہایت منحوس ہے جو پاتال کو جاتا ہے"- "آج تک مرزاوی فرقہ میں عموماً اور مرزا صاحب پر خصوصاً قہر کا سایہ تھا جو اس مغضوب ربانی کے سبب جہان میں آیا تھا"- "شاید وہ صاحب ذلت و نحوست و نکبت ہو گا"- "خدا کہتا ہے وہ مرزا کی طرح دنیا میں آکر اعزاز شیطانی نفس اور روح منحوس کی نحوست سے بہتوں کو دائم المریض کر کے واصل فی النار کرے گا اور آخر کو خود بھی اس میں پڑیگا- اور اس کا نام خرد جال ہو گا"- "خدا اسے ناپاک بتلاتا ہے جس کو شیطان نے اپنی شیطنت اور بے ہمیتی سے بھیجا ہے"- "خدا کہتا ہے وہ نہایت غلیظ القلب ہو گا اور علوم صوری و معنوی سے قطعی محروم رہے گا"- "خدا کہتا ہے غلام جان بد بخت خسرۃ الدنیا والاخرہ مصدر باطل والعاطل"- "کَاَنَّ الشَّیْطَانُ وَرَدَ عَنِ الْفَلَکِ"- "اس میں شیطان کی روح پڑیگی اور خدا کا غضب اس پر برسے گا"- (وہ جلد جلد بڑھیگا کے متعلق) خدا کہتا ہے کہ محض جھوٹھ ۱۷ ہے"- "خدا کہتا ہے وہ دائم الحبس ہو گا"- "اس رذیل کا نام قادیان میں بھی بہت سے نہ جانیں گے"- اب تک تو آپ کے خالص اور دلی محبوں کا گروہ گھٹتا رہا ہے آئندہ بھی خدا کہتا ہے خسرۃ الدنیا والاخرۃ رہیں گے"- اس اشتہار کے آخر میں لکھا-

"قادیانی خدا کا ارشاد ہے کہ میں نے تجھ پر کچھ فضل و احسان نہیں کیا نہ کوئی رحمت کا نشان بھیجا یہ سب تیری کارسازی ہے اور سراسر جعلسازی- اور خدا کا یہ بھی فرمان ہے کہ میں نے جو فضل و احسان کیا ہے سب آریوں پر کیا ہے اور وقتاً فوقتاً انہیں کو الہامات اور رغبت کی خبروں سے اطلاع دی ہے اور سب فرقے جھوٹے مدعی ہیں"- ۱۸

پنڈت لیکھرام کی اس ہرزہ سرائی کے علاوہ پنڈت اندرمن مراد آبادی نے بھی نکتہ چینی کی کہ نو برس کی حد جو پسر موعود کے لئے بیان کی گئی ہے بڑی گنجائش کی جگہ ہے ایسی لمبی میعاد تک تو کوئی نہ کوئی لڑکا پیدا ہو ہی سکتا ہے۔ یہ تو دشمنان اسلام تھے ان کے لئے یہ مخالفت تعجب کا محل نہ تھی۔ حیرت اس بات پر ہے کہ قادیان کے بعض نام نہاد مسلمانوں (حافظ سلطان کشمیری و صابر علی) نے عدوان اسلام کی پیٹھ ٹھونکتے ہوئے یہ مشہور کر دیا کہ لڑکا تو ڈیڑھ ماہ سے پیدا ہو چکا ہے۔ ایک شخص محمد رمضان نے پنجابی اخبار (۲۰۔ مارچ ۱۸۸۶ء) میں ایک تہذیب و شائستگی سے گرا ہوا مضمون بھی لکھا۔ [۱۹] حضرت مسیح موعودؑ نے لیکھرام کے تعفن آلود اشتہار کا فیصلہ تو مستقبل پر چھوڑا۔ البتہ اندرمن کو جواب دیا کہ جن صفات خاصہ کے ساتھ لڑکے کی بشارت دی گئی ہے کسی لمبی میعاد سے گو نو برس سے بھی دو چند ہوتی اس کی عظمت و شان میں فرق نہیں آسکتا۔ آپ نے ۲۲۔ مارچ ۱۸۸۶ء کے اشتہار میں یہ بھی لکھا کہ "یہ صرف پیشگوئی ہی نہیں بلکہ ایک عظیم الشان نشان آسمانی ہے جس کو خدائے کریم جل شانہ نے ہمارے نبی کریم رؤف رحیم محمد مصطفیٰ ﷺ کی صداقت و عظمت ظاہر کرنے کے لئے ظاہر فرمایا ہے۔ ....جو لوگ مسلمانوں میں چھپے ہوئے مرتد ہیں وہ آنحضرتؐ کے معجزات کا ظہور دیکھ کر خوش نہیں ہوتے بلکہ ان کو بڑا رنج پہنچتا ہے کہ ایسا کیوں ہوا"۔ [۲۰]

صاحبزادی عصمت کی پیدائش اور بشیر اول کی وفات پر طوفان بے تمیزی

یہ نوک جھوک جاری تھی کہ ۱۵۔ اپریل ۱۸۸۶ء کو صاحبزادی عصمت پیدا ہو گئیں جس پر ہندوؤں اور عیسائیوں کی طرف سے طوفان بے تمیزی برپا کیا گیا کہ پیشگوئی غلط نکلی لڑکے کی بجائے لڑکی پیدا ہوئی۔ بحالیکہ حضرت مسیح موعودؑ نے خدا تعالیٰ سے خبر پا کر صاف طور پر پسر موعود کے لئے نو سالہ میعاد مقرر فرمائی تھی اور اسے موجودہ حمل سے متعلق نہیں کیا تھا بلکہ اس کے برعکس پہلے سے یہ بتا دیا تھا کہ ایک لڑکا قریب حمل میں پیدا ہونے والا ہے معلوم نہیں کہ وہی پسر موعود ہے یا وہ بعد کو اپنی مقررہ میعاد کے اندر پیدا ہو گا۔ اور جیسا کہ حضور نے اس وقت لکھا کہ لڑکی کی پیدائش میں بھی بڑی حکمت اور مصلحت تھی۔ کیونکہ اگر ابتدا ہی میں لڑکا پیدا ہو تا تو ایسے لوگوں پر کیا اثر پڑ سکتا تھا جو پہلے ہی کہتے تھے کہ قواعد طبی کی رو سے حمل موجودہ کی علامات سے ایک حکیم بھی بتا سکتا ہے کہ کیا پیدا ہو گا۔

لیکن ابھی ہندوؤں اور عیسائیوں کے فتنے کا انتہائی مرحلہ باقی تھا۔ سوا سال بعد اس خدائی خبر کے عین مطابق جو حضور نے ۸۔ اپریل ۱۸۸۶ء میں شائع فرمادی تھی ۷۔ اگست ۱۸۸۷ء کو بشیر اول کی پیدائش ہوئی اور خدا کا نشان پھر ظاہر ہوا۔ بشیر اول ۴۔ نومبر ۱۸۸۸ء کو فوت ہو گئے۔ [۲۱] اور مخالفین کو

ہنگامہ آرائی کا موقعہ ہاتھ آگیا۔ بالخصوص پنڈت لیکھرام جس نے صاحبزادی عصمت کی پیدائش پر سخت طنز و استہزاء کیا تھا بشیر اول کی وفات پر نہایت درجہ سخت کلامی پر اتر آیا۔

"سبز اشتہار" کی اشاعت

حضور نے پنڈت لیکھرام اور اسی قسم کے دوسرے معاندین کی غلط بیانیوں کا ازالہ کرنے کے لئے "سبز اشتہار" (مطبوعہ یکم دسمبر ۱۸۸۸ء) شائع کیا جس میں حضور نے چیلنج دیا کہ وہ ہمارے اشتہارات میں سے کوئی ایسا حرف پیش کر دکھائیں جس میں یہ دعویٰ کیا گیا ہو کہ مصلح موعود اور عمر پانے والا یہی لڑکا تھا جو فوت ہو گیا ہے آپ نے یہ بھی فرمایا کہ بشیر اول کی وفات سے ۲۰۔ فروری ۱۸۸۶ء کی پیشگوئی کا وہ حصہ پورا ہوا ہے۔ جس میں لکھا ہے کہ بعض بچے کم عمری میں بھی فوت ہوں گے۔ حضرت اقدسؑ نے پیشگوئی کے ایک لفظ "مہمان" کی طرف اشارہ کر کے الہام الٰہی سے لکھا کہ اس پیشگوئی کی ابتدائی عبارت "مبارک وہ جو آسمان سے آتا ہے"۔ کے فقرہ پر ختم ہوتی ہے اسی مہمان (بشیر اول) کے متعلق تھی اور اس میں درحقیقت دو لڑکوں کی پیشگوئی مخفی تھی اور مصلح موعود کے حق میں جو پیشگوئی ہے وہ اس عبارت سے شروع ہوتی ہے کہ "اس کے ساتھ فضل ہے کہ جو اس کے آنے کے ساتھ آئے گا پس مصلح موعود کا نام الہامی عبارت میں فضل رکھا گیا اور نیز دوسرا نام اس کا محمود اور تیسرا نام اس کا بشیر ثانی بھی ہے اور ایک الہام میں اس کا نام فضل عمر ظاہر کیا گیا ہے۔ اور ضرور تھا کہ اس کا آنا معرض التواء میں رہتا جب تک یہ بشیر جو فوت ہو گیا ہے پیدا ہو کر پھر واپس اٹھایا جاتا کیونکہ یہ سب امور حکمت الٰہیہ نے اس کے قدموں کے نیچے رکھے تھے۔ اور بشیر اول جو فوت ہو گیا ہے بشیر ثانی کے لئے بطور ارہاص تھا اس لئے دونوں کا ایک ہی پیشگوئی میں ذکر کیا گیا"۔

اس الہامی نشان کے ساتھ حضور نے پسر موعود کو خدائی الہام کے مطابق بشیر ثانی اور محمود اور مصلح موعود کے نام سے یاد کرتے ہوئے بڑی تحدی کے ساتھ لکھا "دوسرا لڑکا جس کی نسبت الہام نے بیان کیا کہ دوسرا بشیر دیا جائے گا جس کا دوسرا نام محمود ہے وہ اگرچہ اب تک جو یکم دسمبر ۱۸۸۸ء ہے پیدا نہیں ہوا مگر خدا تعالیٰ کے وعدے کے موافق اپنی میعاد کے اندر ضرور پیدا ہو گا زمین و آسمان ٹل سکتے ہیں پر اس کے وعدوں کا ٹلنا ممکن نہیں"

نیز فرمایا۔

"سو اے وے لوگو! جنہوں نے ظلمت کو دیکھ لیا حیرانی میں مت پڑو۔ بلکہ خوش ہو

اور خوشی سے اچھلو کہ اس کے بعد اب روشنی آئیگی"۔ [۶۲]

بشیر ثانی اور محمود کی ولادت باسعادت

پنڈت لیکھرام نے اپنے اشتہاروں میں لکھا تھا کہ تین سال تک آپ کی ذریت منقطع ہو جائے گی۔ یہ خدا تعالیٰ کے خلاف چیلنج تھا جس سے رحمت الٰہی میں ایک خاص جوش پیدا ہو گیا۔ اور وہ بشیر ثانی جس کی میعاد ۹ سال رکھی گئی تھی۔ اللہ تعالیٰ کی تقدیر خاص کے تحت لیکھرام کی پیشگوئی کو باطل ثابت کرنے کے لئے ۱۲۔ جنوری ۱۸۸۹ء کو پیدا ہو گیا۔

یہ بشیر ثانی جماعت احمدیہ کے موجودہ امام حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد ہیں جن کے پیدا ہوتے ہی حضور نے اشتہار "تکمیل تبلیغ" میں اہل عالم کو اطلاع دی کہ:-

"خدائے عزوجل نے جیسا کہ اشتہار دہم جولائی ۱۸۸۸ء و اشتہار یکم دسمبر ۱۸۸۸ء میں مندرج ہے اپنے لطف و کرم سے وعدہ دیا تھا کہ بشیر اول کی وفات کے بعد ایک دوسرا بشیر دیا جائے گا جس کا نام محمود بھی ہو گا اور اس عاجز کو مخاطب کر کے فرمایا تھا کہ وہ اولوالعزم ہو گا اور حسن و احسان میں تیرا نظیر ہو گا۔ وہ قادر ہے جس طور سے چاہتا ہے پیدا کرتا ہے۔ سو آج ۱۲۔ جنوری ۱۸۸۹ء میں مطابق ۹۔ جمادی الاولیٰ ۱۳۰۶ھ روز شنبہ میں اس عاجز کے گھر میں بفضلہ تعالیٰ ایک لڑکا پیدا ہو گیا ہے جس کا نام بالفعل محض تفاؤل کے طور پر بشیر اور محمود رکھا گیا ہے اور کامل انکشاف کے بعد پھر اطلاع دی جائے گی"۔ [۶۳]

کامل انکشاف کے بعد اطلاع

حضرت اقدس ؑ نے سفر ہوشیار پور کے بعد ۱۸۸۶ء میں ایک رسالہ "سراج منیر" لکھنا شروع فرمایا تھا۔ حضور نے اس رسالہ کے چھاپنے میں صرف اس لئے توقف فرمایا کہ "جب اچھی طرح الہامی طور پر لڑکے کی حقیقت کھل جائے تب اس کا مفصل و مبسوط حال لکھا جائے"۔ [۶۴]

چنانچہ جب الہامی طور پر کامل انکشاف ہو گیا تو جہاں پہلے حضور نے محض تفاؤل کے طور پر پیدا ہونے والے فرزند کو بشیر اور محمود قرار دیا تھا وہاں اب "سراج منیر" میں کسی شک و شبہ کے بغیر حقیقی رنگ میں اسے سبز اشتہار کی پیشگوئی کا مصداق قرار دے کر لکھا کہ:-

"پانچویں پیشگوئی میں نے اپنے لڑکے محمود کی پیدائش کی نسبت کی تھی کہ وہ اب پیدا ہو گا اور اس کا نام محمود رکھا جائے گا۔ اور اس پیشگوئی کی اشاعت کے لئے سبز ورق کے اشتہار شائع کئے گئے تھے جو اب تک موجود ہیں اور ہزاروں میں تقسیم ہوئے تھے چنانچہ وہ لڑکا پیشگوئی کی میعاد میں پیدا ہوا۔ اور اب نویں سال میں ہے"۔ [۶۵]

نیز لکھا۔ "سبز اشتہار" میں صریح لفظوں میں بلا توقف لڑکا پیدا ہونے کا وعدہ تھا سو محمود پیدا ہو گیا۔

کس قدر پیشگوئی عظیم الشان ہے خدا کا خوف ہے تو پاک دل کے ساتھ سوچو"۔ [26]

"سراج منیر" کے علاوہ حضور نے اپنی وفات تک کئی بار پیہم اور مسلسل مخالفین اسلام کے سامنے خدائے عزوجل کے اس عظیم الشان نشان کے ظہور کی منادی کی۔ چنانچہ "سر الخلافہ" میں فرمایا۔

"اِنَّ لِیْ کَانَ اِبْنًا صَغِیْرًا وَ کَانَ اِسْمُہٗ بَشِیْرًا فَتَوَفَّاہُ اللّٰہُ فِیْ اَیَّامِ الرَّضَاعِ..... فَاُلْھِمْتُ مِنْ رَّبِّیْ اِنَّا نَرُدُّہٗ اِلَیْکَ تَفَضُّلًا عَلَیْکَ وَ کَذَالِکَ رَاَتْ اُمُّہٗ فِیْ رُؤْیَاھَا اَنَّ الْبَشِیْرَ قَدْ جَاءَ وَ قَالَ اِنِّیْ اُعَانِقُکِ اَشَدَّ الْمُعَانَقَۃِ وَ لَا اُفَارِقُ بِالسُّرْعَۃِ فَاَعْطَانِیَ اللّٰہُ بَعْدَہٗ اِبْنًا اٰخَرَ وَ ھُوَ خَیْرُ الْمُعْطِیْنَ فَعَلِمْتُ اَنَّہٗ ھُوَ بَشِیْرٌ وَ قَدْ صَدَقَ الْخَبِیْرُ فَسَمَّیْتُہٗ بِاِسْمِہٖ وَ اَرٰی حُلْیَۃَ الْاَوَّلِ فِیْ جِسْمِہٖ"۔ [27]

یعنی میرا ایک چھوٹا بیٹا جس کا نام بشیر (اول - مرتب) تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اسے شیر خواری میں ہی وفات دے دی۔ تب مجھے اللہ تعالیٰ نے الہاماً فرمایا کہ ہم اسے ازراہ احسان تمہارے پاس واپس بھیج دیں گے۔ ایسا ہی اس بچے کی والدہ نے رؤیا میں دیکھا کہ بشیر آگیا ہے اور کہتا ہے کہ میں آپ سے نہایت محبت کے ساتھ ملوں گا۔ اور جلد جدا نہ ہوں گا۔ اس الہام و رؤیا کے بعد اللہ تعالیٰ نے مجھے دوسرا فرزند عطا فرمایا۔ تب میں نے جان لیا کہ یہ وہی بشیر (موعود) ہے اور خدا تعالیٰ اپنی خبر میں سچا ہے چنانچہ میں نے اس بچے کا نام بشیر ہی رکھا اور مجھے اس کے جسم میں بشیر اول کا حلیہ دکھائی دیتا ہے۔

ضمیمہ انجام آتھم میں لکھا۔

"محمود جو بڑا لڑکا ہے اس کی پیدائش کی نسبت اس سبز اشتہار میں صریح پیشگوئی مع محمود کے نام کے موجود ہے"۔ [28]

"تریاق القلوب" میں تحریر فرمایا۔

"محمود جو میرا بڑا بیٹا ہے اس کے پیدا ہونے کے بارے میں اشتہار دہم جولائی ۱۸۸۸ء میں اور نیز اشتہار یکم دسمبر ۱۸۸۸ء میں جو سبز رنگ کے کاغذ پر چھاپا گیا تھا......... پیشگوئی کی گئی اور سبز رنگ کے اشتہار میں یہ بھی لکھا گیا کہ اس پیدا ہونے والے لڑکے کا نام محمود رکھا جائے گا اور یہ اشتہار محمود کے پیدا ہونے سے پہلے ہی لاکھوں انسانوں میں شائع کیا گیا۔ پھر جب کہ اس پیشگوئی کی شہرت بذریعہ اشتہارات کامل درجہ پر پہنچ چکی اور مسلمانوں اور عیسائیوں اور ہندوؤں میں سے کوئی بھی فرقہ باقی نہ رہا جو اس سے بے خبر ہو تب خدا تعالیٰ کے فضل اور رحم سے ۱۲۔ جنوری ۱۸۸۹ء مطابق ۹۔ جمادی الاولیٰ ۱۳۰۶ء میں بروز شنبہ محمود پیدا ہوا"۔ [29]

اور بالآخر حقیقۃ الوحی میں نہایت صراحت کے ساتھ حضرت صاحبزادہ مرزا محمود احمد کو سبز اشتہار

کا موعود قرار دیتے ہوئے بتایا۔ "میرے سبز اشتہار کے ساتویں صفحہ میں ایک دوسرے لڑکے کے پیدا ہونے کے بارے میں یہ بشارت ہے کہ دوسرا بشیر دیا جائے گا جس کا دوسرا نام محمود ہے۔ وہ اگرچہ اب تک جو یکم ستمبر ۱۸۸۸ء ہے پیدا نہیں ہوا مگر خدا تعالیٰ کے وعدہ کے موافق اپنی میعاد کے اندر ضرور پیدا ہوگا۔ زمین و آسمان ٹل سکتے ہیں پر اس کے وعدوں کا ٹلنا ممکن نہیں۔ یہ ہے عبارت اشتہار سبز کے صفحہ سات کی جس کے مطابق جنوری ۱۸۸۹ء میں لڑکا پیدا ہوا جس کا نام محمود رکھا گیا اور اب تک بفضلہ تعالیٰ زندہ موجود ہے اور سترھویں سال میں ہے"۔ [۲۰]

اکابر جماعت احمدیہ کا قطعی مسلک

ان تصریحات ہی کا نتیجہ تھا کہ ابتداء ہی سے جماعت کے اکابر بزرگوں نے جب بھی جماعت کے سامنے پسر موعود کی پیشگوئی کا تذکرہ کیا قطعی طور پر اسی مسلک کا اظہار کیا کہ حضرت صاحبزادہ مرزا محمود احمد ہی سبز اشتہار کی پیشگوئی کے مصداق ہونے کی وجہ سے حقیقی معنوں میں پسر موعود ہیں۔

سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے بعد حضرت مولانا نورالدین (خلیفہ المسیح اول) کی شخصیت پوری جماعت کے لئے مطاع کل تھی بالخصوص اس لئے کہ خود حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے آپ سے متعلق لکھا تھا کہ وہ مشکوۃ نبوت سے منور ہیں اور اپنی پاک طینتی اور شان جوانمردی کے مناسب آنحضرت ﷺ کے نور سے نور لیتے ہیں اور آپ کے لبوں پر حکمت بہتی ہے اور آسمان کے نور نازل ہوتے ہیں۔ [۲۱] اس برگزیدہ ہستی کی خدمت میں جب عمر کے آخری [۲۲] ایام میں حضرت پیر منظور محمد صاحبؓ نے یہ عرض کیا کہ مجھے آج حضرت اقدس مسیح موعودؑ کے اشتہارات پڑھ کر معلوم ہو گیا ہے کہ پسر موعود میاں محمود احمد صاحب ہی ہیں تو آپ نے فرمایا "ہمیں تو پہلے ہی سے معلوم ہے کیا تم نہیں دیکھتے کہ ہم میاں صاحب کے ساتھ کس خاص طرز سے ملا کرتے ہیں اور ان کا ادب کرتے ہیں"۔ مزید توثیق کے لئے اپنے قلم مبارک سے آپ نے یہ لکھا۔ "یہ لفظ میں نے برادرم منظور محمد سے کہے ہیں"

اس تاریخی دستاویز کا چربہ پیر صاحب موصوف نے مئی ۱۹۱۴ء کے تشحیذ الاذہان صفحہ ۲۵ میں شائع کر دیا۔ حضرت مولانا نور الدین خلیفہ المسیح اول نے اشارہ الٰہی سے یہ حیرت انگیز خبر بھی دی کہ مصلح موعود ۱۹۴۲ء کے بعد ظاہر ہوگا۔ [۲۳] چنانچہ حضرت خلیفہ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ کو بذریعہ رویا جنوری ۱۹۴۴ء [۲۴] میں بمقام لاہور بتایا گیا کہ آپ ہی مصلح موعود کی پیشگوئی کے مصداق ہیں۔ حضرت خلیفہ اول فرماتے تھے "محمود کی خواہ کوئی کتنی شکایتیں ہمارے پاس کرے ہمیں اس کی کوئی پروا نہیں ہمیں تو اس میں وہ چیز نظر آتی ہے جو ان کو نظر نہیں آتی۔ یہ لڑکا بہت بڑا بنے گا اور اس سے خدا تعالیٰ

عظیم الشان کام لے گا"۔ ۲۵ یہی وجہ ہے کہ آپ جب ۱۹۱۱ء میں بیمار ہوئے تو آپ نے وصیت فرمائی کہ آپ کے بعد محمود خلیفہ ہو گا۔ ۲۶

حضرت خلیفہ اول تو حضرت مسیح موعودؑ کے مزاج شناس اور ترجمان حقیقت تھے اس لئے ان کا یہ مسلک ناگزیر تھا لیکن یہ تو ایسی کھلی حقیقت تھی جس کے متعلق جماعت میں عام چرچے رہتے تھے۔ مثلاً حضرت صاحبزادہ مرزا محمود احمد ایدہ اللہ تعالیٰ کی ۱۹۱۰ء کے سالانہ جلسہ کی تقریر دلپذیر سن کر جماعت کے نامور عالم مولانا محمد احسن صاحب امروہی بے ساختہ پکار اٹھے کہ:۔

"ایک یہ بھی الہام تھا کہ اِنَّا نُبَشِّرُکَ بِغُلَامٍ مَظْهَرِ الْحَقِّ وَالْعُلَاءِ....الخ جو اس حدیث کی پیشین گوئی کے مطابق تھا جو مسیح موعود کے بارے میں ہے کہ یتزوج و یولد لہ یعنی آپ کے ہاں ولد صالح عظیم الشان پیدا ہو گا۔ چنانچہ حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب موجود ہیں"۔ ۲۷

پسر موعود کے متعلق مبینہ علامات کا خارق عادت رنگ میں ظہور!

مندرجہ بالا واقعات سے ثابت ہے کہ سیدنا حضرت میرزا بشیر الدین محمود احمد خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعود ایدہ اللہ تعالیٰ کے وجود میں ابتداء ہی سے پسر موعود کی جھلک نمایاں طور پر جماعت کے سامنے آچکی تھی مگر خدائی نوشتوں کے مطابق جب آپ حضرت خلیفۃ المسیح اول رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد خلیفہ منتخب ہوئے تو آپ کے متعلق آسمانی وعدوں کا ایک ایک جز نہایت برق رفتاری سے پورا ہونا شروع ہو گیا اور ابھی آپ کے عہد خلافت پر تھوڑا عرصہ ہی گزرا تھا کہ ایک عالم کی آنکھیں خیرہ ہو گئیں اور بالآخر مسلم و غیر مسلم حلقے بھی یہ تسلیم کرنے پر مجبور ہو گئے کہ آپ موجودہ دنیا کی ایک عظیم ترین ہستی ہیں اور اب جب کہ یہ تاریخ مرتب ہو رہی ہے بلا مبالغہ کہا جا سکتا ہے کہ پیشگوئی پسر موعود کی کوئی بھی اہم علامت ایسی نہیں جس کے آپ میں پائے جانے کا بالواسطہ یا بلاواسطہ کسی نہ کسی رنگ میں غیروں کی زبان و قلم سے اقرار نہ کیا جا چکا ہو۔

زبردست شہادتیں

اس ضمن میں بطور مثال صرف چند شہادتیں درج کی جاتی ہیں۔

پہلی شہادت: ایک معزز غیر احمدی عالم مولوی سمیع اللہ خاں صاحب فاروقی نے قیام پاکستان سے قبل "اظہار حق" کے عنوان سے ایک ٹریکٹ میں لکھا۔ "آپ کو (یعنی حضرت مسیح موعودؑ کو۔ ناقل) اطلاع ملتی ہے کہ "میں تیری جماعت کے لئے تیری ہی ذریت سے ایک شخص کو قائم کروں گا اور اس کو اپنے قرب اور وحی سے مخصوص کروں گا اور اس کے ذریعہ سے حق ترقی کریگا اور بہت سے لوگ سچائی قبول کریں گے"

اس پیش گوئی کو پڑھو اور بار بار پڑھو اور پھر ایمان سے کہو کہ کیا یہ پیشگوئی پوری نہیں ہوئی۔ جس وقت یہ پیشگوئی کی گئی ہے اس وقت موجودہ خلیفہ ابھی بچے ہی تھے اور مرزا صاحب کی جانب سے انہیں خلیفہ مقرر کرانے کے لئے کسی قسم کی وصیت بھی نہ کی گئی تھی بلکہ خلافت کا انتخاب رائے عامہ پر چھوڑ دیا گیا تھا۔ چنانچہ اس وقت اکثریت نے حکیم نورالدین صاحبؓ کو خلیفہ تسلیم کر لیا جس پر مخالفین نے محولہ صدر پیشگوئی کا مذاق بھی اڑایا لیکن حکیم صاحب کی وفات کے بعد مرزا بشیر الدین محمود احمد خلیفہ مقرر ہوئے اور یہ حقیقت ہے کہ آپ کے زمانہ میں احمدیت نے جس قدر ترقی کی وہ حیرت انگیز ہے۔

خود مرزا صاحب کے وقت میں احمدیوں کی تعداد بہت تھوڑی تھی خلیفہ نورالدین صاحب کے وقت میں بھی خاص ترقی نہ ہوئی تھی لیکن موجودہ خلیفہ کے وقت میں مرزائیت قریباً دنیا کے ہر خطہ تک پہنچ گئی اور حالات یہ بتلاتے ہیں کہ آئندہ مردم شماری میں مرزائیوں کی تعداد ۱۹۳۱ء کی نسبت دگنی سے بھی زیادہ ہوگی بحالیکہ اس عہد میں مخالفین کی جانب سے مرزائیت کے استیصال کے لئے جس قدر منظم کوششیں ہوئی ہیں پہلے کبھی نہیں ہوئی تھیں"۔

"الغرض آپ کی ذریت میں سے ایک شخص پیشگوئی کے مطابق جماعت کے لئے قائم کیا گیا اور اس کے ذریعہ جماعت کو حیرت انگیز ترقی ہوئی جس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ مرزا صاحب کی یہ پیشگوئی من وعن پوری ہوئی"۔ [۳۸]

دوسری شہادت:۔ ہندوستان کے ایک غیر مسلم سکھ صحافی ارجن سنگھ ایڈیٹر "رنگین" امرتسر نے تسلیم کیا کہ "مرزا صاحب نے ۱۹۰۱ء میں جب کہ میرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب موجودہ خلیفہ ابھی بچہ ہی تھے یہ پیشگوئی کی تھی کہ ؎

بشارت دی کہ اک بیٹا ہے تیرا جو ہوگا ایک دن محبوب میرا
کروں گا دور اس مہ سے اندھیرا دکھاؤں گا کہ اک عالم کو پھیرا
بشارت کیا ہے اک دل کی غذا دی

فسبحان الذی اخزی الاعادی

یہ پیشگوئی بے شک حیرت پیدا کرنے والی ہے ۱۹۰۱ء میں نہ میرزا بشیر الدین محمود کوئی بڑے عالم و فاضل تھے اور نہ آپ کی سیاسی قابلیت کے جوہر کھلے تھے اس وقت یہ کہنا کہ تیرا ایک بیٹا ایسا اور ایسا ہوگا ضرور کسی روحانی قوت کی دلیل ہے یہ کہا جا سکتا ہے کہ چونکہ میرزا صاحب نے ایک دعویٰ کر کے گدی کی بنیاد رکھ دی تھی۔ اس لئے آپ کو یہ گمان ہو سکتا تھا کہ میرے بعد میری جانشینی کا سہرا میرے لڑکے کے سر پر رہے گا لیکن یہ خیال باطل ہے اس لئے کہ میرزا صاحب نے خلافت کی یہ شرط نہیں رکھی کہ

وہ ضرور مرزا صاحب کے خاندان سے اور آپ کی اولاد سے ہی ہو۔ چنانچہ خلیفہ اول ایک ایسے صاحب ہوئے جن کا میرزا صاحب کے خاندان سے کوئی واسطہ نہ تھا پھر بہت ممکن تھا کہ مولوی حکیم نور الدین صاحب خلیفہ اول کے بعد بھی کوئی اور صاحب خلیفہ ہو جاتے۔ چنانچہ اس موقعہ پر بھی مولوی محمد علی صاحب امیر جماعت لاہور خلافت کے لئے امیدوار تھے لیکن اکثریت نے میرزا بشیر الدین صاحب کا ساتھ دیا اور اس طرح آپ خلیفہ مقرر ہو گئے۔

اب سوال یہ ہے کہ اگر بڑے میرزا صاحب کے اندر کوئی روحانی قوت کام نہ کر رہی تھی تو پھر آخر آپ یہ کس طرح جان گئے کہ میرا ایک بیٹا ایسا ہو گا جس وقت مرزا صاحب نے مندرجہ بالا اعلان کیا ہے اس وقت آپ کے تین بیٹے تھے آپ تینوں کے لئے دعائیں بھی کرتے تھے لیکن پیشگوئی صرف ایک کے متعلق ہے اور ہم دیکھتے ہیں کہ وہ ایک فی الواقع ایسا ثابت ہوا ہے کہ اس نے ایک عالم میں تغیر پیدا کر دیا ہے"۔ [۳۹]

تیسری شہادت:۔ پسر موعود کی آمد کا مقصود یہ تھا کہ "تا دین اسلام کا شرف اور کلام اللہ کا مرتبہ لوگوں پر ظاہر ہو"۔ برصغیر ہند و پاکستان کے مشہور مسلم لیڈر اور شعلہ نوا شاعر مولوی ظفر علی خاں آف "زمیندار" (۱۸۷۳-۱۹۵۶ء) نے کھلے لفظوں میں اعتراف کرتے ہوئے کہا۔ "کان کھول کر سن لو تم اور تمہارے لگے بندھے مرزا محمود کا مقابلہ قیامت تک نہیں کر سکتے۔ مرزا محمود کے پاس قرآن ہے اور قرآن کا علم ہے تمہارے پاس کیا دھرا ہے.... تم نے کبھی خواب میں بھی قرآن نہیں پڑھا...... مرزا محمود کے پاس ایسی جماعت ہے جو تن من دھن اس کے اشارے پر اس کے پاؤں پر نچھاور کرنے کو تیار ہے.... مرزا محمود کے پاس مبلغ ہیں، مختلف علوم کے ماہر ہیں۔ دنیا کے ہر ملک میں اس نے جھنڈا گاڑ رکھا ہے"۔ [۴۰]

چوتھی شہادت:۔ پسر موعود سے متعلق وعدہ الٰہی تھا کہ وہ "اولوالعزم" ہو گا۔ نیز یہ کہ وہ "علوم ظاہری و باطنی سے پر کیا جائے گا"۔ چنانچہ ہندوستان کے نامور صوفی خواجہ حسن نظامی دہلوی (۱۸۷۸-۱۹۵۵) نے آپ کی قلمی تصویر کھینچتے ہوئے لکھا۔ "اکثر بیمار رہتے ہیں مگر بیماریاں ان کی عملی مستعدی میں رخنہ نہیں ڈال سکتیں۔ انہوں نے مخالفت کی آندھیوں میں اطمینان کے ساتھ کام کر کے اپنی مغلئی جوانمردی کو ثابت کر دیا۔ اور یہ بھی کہ مغل ذات کار فرمائی کا خاص سلیقہ رکھتی ہے۔ سیاسی سمجھ بھی رکھتے ہیں اور مذہبی عقل و فہم میں بھی قوی ہیں۔ اور جنگی ہنر بھی جانتے ہیں۔ یعنی دماغی اور قلمی جنگ کے ماہر ہیں"۔ [۴۱]

پانچویں شہادت:۔ خدا تعالیٰ نے خبر دی تھی کہ پسر موعود سخت ذہین و فہیم ہو گا"۔ اس حقیقت

کو بھی بیگانوں نے تسلیم کیا۔ چنانچہ مفکر احرار چوہدری افضل حق (۱۸۹۲ء-۱۹۴۲ء) نے آپ کے متعلق لکھا"۔ جس قدر روپے احرار کی مخالفت میں قادیان خرچ کر رہا ہے اور جو عظیم الشان دماغ اس کی پشت پر ہے وہ بڑی سے بڑی سلطنت کو پل بھر میں درہم برہم کرنے کے لئے کافی تھا"۔ [۶۲]

چھٹی شہادت: پسر موعود کے متعلق ایک اہم خبر یہ دی گئی تھی کہ "وہ اسیروں کی رستگاری کا موجب ہوگا"۔ یہ پیشگوئی جس حیرت انگیز رنگ میں پوری ہوئی اس نے انسانی عقل کو ورطہ حیرت میں ڈال دیا ہے اور تحریک آزادی کشمیر اس پر شاہد ناطق ہے۔ کیونکہ اس تحریک کو کامیاب بنانے کا سہرا "آل انڈیا کشمیر کمیٹی" کے سر ہے۔ یہ مشہور کمیٹی حضور کی تحریک اور ہندو پاکستان کے بڑے بڑے مسلم زعماء مثلاً سر ذوالفقار علی خاں (وفات ۱۹۳۳ء) ڈاکٹر سر محمد اقبال (۱۸۷۳-۱۹۳۸ء) خواجہ حسن نظامی دہلوی (۱۸۷۸-۱۹۵۵ء) سید حبیب مدیر اخبار "سیاست" وغیرہ کے مشورہ سے ۲۵۔ جولائی ۱۹۳۱ء کو شملہ میں قائم ہوئی اور اس کی صدارت حضور کو سونپی گئی تھی۔ [۶۳] آپ کی کامیاب قیادت کا نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمانان کشمیر جو مدتوں سے انسانیت کے ادنیٰ حقوق سے بھی محروم ہو کر غلامی کی زندگی بسر کر رہے تھے۔ ایک نہایت قلیل عرصے میں آزادی کی فضاء میں سانس لینے لگے ان کے سیاسی اور معاشی حقوق تسلیم کئے گئے۔ ریاست میں پہلی دفعہ اسمبلی قائم ہوئی اور تقریر و تحریر کی آزادی کے ساتھ انہیں اس میں مناسب نمائندگی ملی۔ جس پر مسلم پریس نے حضرت مصلح موعود کے شاندار کارناموں کا اقرار کرتے اور آپ کو خراج تحسین ادا کرتے ہوئے یہاں تک لکھا کہ "جس زمانہ میں کشمیر کی حالت نازک تھی اور اس زمانہ میں جن لوگوں نے اختلاف عقائد کے باوجود مرزا صاحب کو صدر منتخب کیا تھا انہوں نے کام کی کامیابی کو زیر نگاہ رکھ کر بہترین انتخاب کیا تھا۔ اس وقت اگر اختلاف عقائد کی وجہ سے مرزا صاحب کو منتخب نہ کیا جاتا۔ تو تحریک بالکل ناکام رہتی۔ اور امت مرحومہ کو سخت نقصان پہنچتا"۔ [۶۴] عبدالمجید سالک (۱۸۹۴-۱۹۵۹ء) تحریک آزادی کشمیر کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں "شیخ محمد عبداللہ (شیر کشمیر) اور دوسرے کارکنان کشمیر مرزا محمود احمد صاحب اور ان کے بعض کارپردازوں کے ساتھ ...... اعلانیہ روابط رکھتے تھے اور ان روابط .... کی بناء محض یہ تھی کہ مرزا صاحب کثیر الوسائل ہونے کی وجہ سے تحریک کشمیر کی امداد کئی پہلوؤں سے کر رہے تھے اور کارکنان کشمیر طبعاً ان کے ممنون تھے"۔ [۶۵]

"وہ تین کو چار کرنے والا ہوگا"

آسمانی کلام دقیق بھی ہوتا ہے اور ذوالمعارف بھی۔ اور اس کے اسرار و غوامض کا سلسلہ نہایت درجہ وسیع ہوتا ہے اور ہر طلوع ہونے والی صبح اس کی عظمتوں پر ایک نئی گواہی پیش کرتی ہے اس نقطہ نظر کے مطابق

اگر پسر موعود کی پیشگوئی دیکھی جائے تو اس کا لفظ لفظ بحر مواج نظر آتا ہے۔ جس کا سطحی سا اندازہ اوپر کی سطور سے باسانی لگ سکتا ہے۔ اسی طرح "وہ تین کو چار کرنے والا ہو گا"۔ کہنے کو تو اس تاریخی پیشگوئی کے الفاظ میں ایک مختصر سا فقرہ ہے مگر دست قدرت نے اس میں "تین" کے لفظ کو عمومیت کا رنگ دے کر واقعات کی ایک دنیا آباد کر دی اور بتایا کہ خدا تعالیٰ کے علم میں اس خدائی خبر کا ظہور کئی بار مقدر ہے تا ایک لمبے عرصے تک اتمام حجت کے تقاضے پوری آب و تاب سے پورے ہوتے رہیں۔ چنانچہ پہلی اور دوسری بار اس کا ظہور سیدنا حضرت مصلح موعود کی ولادت باسعادت کے وقت ہوا جب کہ حضور ایک تو پیشگوئی کے انکشاف سے چوتھے سال یعنی ۱۸۸۹ء میں جلوہ افروز عالم ہوئے۔ دوسرے آپ حضرت مرزا سلطان احمد صاحب، مرزا فضل احمد صاحب اور بشیر اول کے بعد پیدا ہوئے اور چوتھے فرزند تھے۔

اس خبر کا تیسری بار ظہور ۲۵۔ دسمبر ۱۹۳۰ء کو حضرت مرزا سلطان احمد صاحب کی بیعت کے ذریعہ ہوا [۲۶] مرزا سلطان احمد صاحب سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے حرم اول سے فرزند اکبر تھے اور انہیں حضور کی مقدس زندگی کا ایک بہت بڑا دور دیکھنے کی سعادت ملی اور وہ آپ کو بصدق دل عاشق رسول ﷺ اور عاشق قرآن یقین کرتے تھے مگر وہ حضور کی زندگی میں بیعت میں شامل نہ ہوئے حضرت خلیفہ اول کو مرزا صاحب موصوف سے انتہا درجہ کی محبت و الفت تھی اور وہ اکثر حضرت اقدس کے سامنے آپ کی بعض کتب کی تعریف کیا کرتے تھے اور منشاء یہ ہوتا تھا کہ حضور کی نظر کرم صاحبزادہ صاحب کی طرف ہو جائے اور ان کے لئے دعا فرمائیں۔ ایک دفعہ آپ نے اپنے معمول کے مطابق حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے سامنے مرزا سلطان احمد صاحب کی ایک کتاب کا ذکر کیا تو حضور نے فرمایا۔ "مرزا سلطان احمد سے کہو کہ خدا سے صلح کر لے"۔ [۲۷] لیکن صاحبزادہ مرزا سلطان احمد صاحب کو حضرت اقدس کی زندگی میں اپنے مقدس باپ کی بیعت کا موقعہ میسر نہ آیا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے انتقال کے بعد خلافت اولیٰ کا زمانہ آیا۔ مگر اب بھی حضرت خلیفہ المسیح اول سے خاص عقیدت کے باوصف صاحبزادہ صاحب سلسلہ احمدیہ میں داخل نہ ہوئے۔ اس کے بعد حضرت خلیفہ المسیح الثانی کی خلافت کا دور شروع ہو گیا۔ اور اب بظاہر مرزا سلطان احمد کے حق کی طرف آنے کا امکان یکسر ختم ہو گیا۔ کیونکہ حضرت خلیفہ المسیح الثانی آپ کے چھوٹے بھائی تھے اور باہم عمر کا تفاوت اس درجہ تھا کہ مرزا سلطان احمد صاحب کی برات اسی دن گئی تھی جس دن حضرت مسیح موعود دوسری شادی کے لئے دلی تشریف لے گئے تھے۔ چنانچہ وہ خود بھی حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانی سے خلافت ثانیہ کے ابتداء میں یہ تذکرہ کیا کرتے تھے کہ بڑے مرزا صاحب زندہ ہوتے تو میں ان کی

بیعت کرلیتا........اب میں اپنے چھوٹے بھائی کی بیعت کیا کروں۔ چنانچہ اسی تذبذب میں خلافت ثانیہ کے بھی ۱۵ سال گزر گئے اور عمر کا آخری حصہ آپہنچا۔ ہاتھ پاؤں جواب دے گئے اور پاؤں کو باسانی ہلانے کی سکت بھی باقی نہ رہی کہ یکایک انہوں نے دسمبر ۱۹۳۰ء میں حضرت خلیفہ المسیح الثانی المصلح الموعود ایدہ اللہ کو پیغام بھیجا کہ میں تو چل نہیں سکتا آپ کسی وقت آکر میری بیعت لے لیں۔ چنانچہ حضور نے اسی دن ان کی بیعت لی۔ حضور ان کی چارپائی کے قریب ہی بیٹھ گئے اور مرزا سلطان احمد صاحبؓ نے اپنا ہاتھ بیعت کے لئے بڑھادیا۔ اور بیعت کرلی [۴۸] اور اس طرح مصلح موعود کی بدولت حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے تین زندہ صلبی و روحانی بیٹوں (حضرت مصلح موعود، حضرت مرزا بشیر احمد صاحب اور حضرت مرزا شریف احمد صاحب) میں مرزا سلطان احمد صاحبؓ کا بھی اضافہ ہوگیا۔ عجیب بات یہ ہے کہ خود مرزا سلطان احمد صاحب رضی اللہ عنہ کو بھی مدتوں قبل بذریعہ رویا یہ بتایا گیا تھا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کھڑے ہیں اور وہ بھی حضورؑ کے پاس ہیں اور وہاں ایک جگہ پر چار کرسیاں بچھی ہیں حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے آپ سے کہا کہ ایک کرسی پر تم بیٹھ جاؤ"۔ [۴۹]

تین کو چار کرنے والا چوتھی بار ظہور ہمارے سامنے پاکستان میں ربوہ ایسے عظیم الشان مرکز احمدیت کے قیام سے ہوا۔ چنانچہ مکہ مکرمہ۔ مدینہ منورہ اور قادیان کے اسلامی مراکز پہلے سے موجود تھے۔ حضرت امیرالمومنین خلیفہ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے ربوہ بسا کر ان تین مراکز میں ایک اور کا اضافہ فرمادیا۔ اور اس طرح آپ تین کو چار کرنے والے بن گئے۔

خود "تین کو چار کرنے والا ہوگا" کی عبارت کے سیاق و سباق میں اس نئے اور چوتھے مرکز کی بعض اہم خصوصیات کی طرف اشارہ بھی کردیا گیا تھا۔ مثلاً "دوشنبہ ہے مبارک دوشنبہ" کے الفاظ میں اس مرکز کے یوم افتتاح کی خبر دی گئی تھی اور اس سے قبل "علوم باطنی" کے الفاظ کو اس صفت سے پیوست کرکے یہ اطلاع دی گئی تھی کہ مصلح موعود کو اس چوتھے مرکز کے قیام کی قبل از وقت بذریعہ کشف و رؤیا خبر دی جائے گی جو مسلمہ طور پر علوم باطنی کا سرچشمہ اور ماخذ ہوتے ہیں۔ چنانچہ اس خبر کے عین مطابق نہ صرف ربوہ کا افتتاح ۲۰۔ ستمبر ۱۹۴۸ء کو ہوا۔ جو دوشنبہ تھا بلکہ اس کے افتتاح سے سات برس پیشتر آپ کو پہاڑیوں کے دامن میں ایک نئے مرکز کے قیام کا کشفی نظارہ دکھا دیا گیا۔ [۵۰]

غرضکہ "وہ تین کو چار کرنے والا ہوگا"۔ کی صفت حضرت مصلح موعود خلیفہ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ کی ذات میں متعدد رنگ میں پوری ہوئی اور اس طرح مصلح موعود کی الہامی پیشگوئی کا کوئی گوشہ ایسا نہیں رہا جو خارق عادت رنگ میں پورا نہ ہوچکا ہو۔

پیشگوئی مصلح موعود اور مؤلف "مجدّد اعظم" جناب ڈاکٹر بشارت احمد صاحب مولف "مجدد اعظم" نے "پیشگوئی مصلح موعود" بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ "حضرت مرزا صاحب کے لڑکوں میں مصلح موعود کوئی بھی نہ ہوا"۔ ۵۱ نیز کہا ہے کہ "مصلح موعود لڑکا کسی آئندہ نسل میں جب اللہ تعالیٰ چاہے گا پیدا ہو گا"۔ اسی طرح یہ بھی قیاس آزمائی کی ہے کہ "یہ بھی ممکن کیا بلکہ اغلب ہے کہ بیٹے سے مراد روحانی بیٹا ہو" یہ بھی اجتہاد کیا ہے کہ چوتھی صدی اس سلسلہ کے غلبہ کی صدی ہے اور غالباً وہی وقت ہو گا جب کوئی شخص دنیا کو راہ راست پر لانے والا آئے گا۔ بہرحال اس سے پہلے تو آ نہیں سکتا"۔

مولف صاحب "مجدد اعظم" نے اس تمام تر مفروضے کی بنیاد اس امر پر رکھی ہے کہ "اگر کوئی اس پیشگوئی کا مصداق ہو سکتا تھا تو وہ حضرت صاحب کا چوتھا لڑکا مبارک احمد ہو سکتا تھا۔ ۵۲ کیونکہ ان کی ولادت سے پہلے دوبارہ اس "تین کو چار کرنے والے" لڑکے کی آمد کے متعلق الہام ہوا تھا مگر ان کے فوت ہو جانے سے اللہ تعالیٰ کے فعل نے ثابت کر دیا کہ وہ بھی اس کے مصداق حقیقی نہ تھے"۔ اپنا یہ نظریہ صحیح ثابت کرنے کے لئے انہوں نے ایک عبارت تصنیف کر کے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی طرف منسوب کر دی اور لکھا کہ "حضرت اقدس تریاق القلوب میں نہایت صاف الفاظ میں یہ تحریر فرماتے ہیں۔ یہ پیشگوئی تین کو چار کرنے والے کی جو پہلے ۲۰۔ فروری ۱۸۸۶ء کے اشتہار میں شائع ہوئی اور بعد میں تین لڑکوں یعنی محمود بشیر اور شریف کے پیدا ہو جانے کے بعد انجام آتھم اور ضمیمہ میں خدا نے پھر اطلاع دی کہ وہ تین کو چار کرنے والا یعنی مصلح موعود اب آئے گا"۔ ۵۳

حقیقت یہ ہے کہ یہ الفاظ "تریاق القلوب" میں ہرگز موجود نہیں۔ اور خود ساختہ ہیں۔ تنہا اس ایک مثال سے ہی واضح ہو جاتا ہے کہ انہوں نے تاریخ احمدیت ایسے اہم اور نازک موضوع پر قلم اٹھاتے ہوئے کہاں تک ذمہ داری کا ثبوت دیا ہے!!!

حواشی

۱۔ "طالمود" باب پنجم صفحہ ۳۷ مطبوعہ لنڈن ۱۸۷۸ء (از جوزف بارکلے) میں لکھا ہے۔

"It is also said that he (the Messiah) shall die and his Kingdom descend to his son and grand son"

۲۔ "مشکوٰۃ مجتبائی باب نزول عیسیٰ بن مریم۔

۳۔ "آئینہ کمالات اسلام" صفحہ ۵۷۸ (طبع اول فروری ۱۸۹۳ء) "حمامتہ البشریٰ" صفحہ ۹۶ (طبع اول ۱۸۹۳ء) اور "حقیقتہ الوحی" (مطبوعہ مئی ۱۹۰۷ء) صفحہ ۳۱۲۔

۴۔ "مثنوی مولانا روم" دفتر ششم صفحہ ۲۲۱ مطبوعہ کانپور۔

۵۔ کتاب "اربعین فی احوال المہدیین" (مئولفہ سید اسمٰعیل شہیدؒ) میں آپ کا جو قصیدہ درج ہے اس میں یہ شعر بھی ہے ۔

دور او چوں شود تمام بکام پسرش یادگار ے بینم

۶۔ "فتوحات مکیہ" بحوالہ نوید یحییٰ (از آغا عبدالعزیز فاروقی) حضرت ابن عربیؒ سپین کے مقام مرسیا میں پیدا ہوئے مگر آخری عمر میں ہجرت کر کے شام میں مستقل طور پر مقیم ہو گئے تھے۔ دمشق میں ان کا مزار ہے۔

۷۔ "شمس المعارف" مصری صفحہ ۳۴۰، مولفہ شیخ احمد بن علی البونی ناشر مصطفیٰ البابی الحلبی واولادہ مصر ۱۳۴۵ھ۔

۸۔ "بحار الانوار" جلد ۱۳ صفحہ ۷۔ مولفہ محمد باقر مجلسی۔

۹۔ "سیرۃ المہدی" حصہ اول صفحہ ۶ بدر ۵۔ ستمبر ۱۹۰۷ء صفحہ ۱۰ کالم نمبر ۲ پر حضرت کی زندگی میں یہ الہام ان الفاظ میں شائع ہوا کہ "ایک معاملہ کی عقدہ کشائی ہوشیارپور میں ہوگی"۔

۱۰۔ "لائف آف احمد" صفحہ ۱۰۹-۱۰۸ مطبوعہ ۱۹۴۹ء (مئولفہ مولانا عبدالرحیم درد صاحبؓ ایم۔ اے)

۱۱۔ "سیرت المہدی" حصہ اول طبع دوم صفحہ ۶۹-۷۱

۱۲۔ سیرت المہدی حصہ اول صفحہ ۷۲ طبع دوم

۱۳۔ یاد رہے یہ اس زمانہ کی پیشگوئی ہے جب کہ سرے سے جماعت کا کوئی وجود ہی نہیں تھا۔ کیونکہ جماعت کی تاسیس ۲۳۔ مارچ ۱۸۸۹ء کو ہوئی اور یہ فروری ۱۸۸۶ء کی پیشگوئی ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے اس وقت فرمایا کہ آپ کو ایک جماعت عطا ہوگی اور ساتھ ہی خبر دی کہ جب یہ جماعت اقلیت میں ہوگی۔ تو دنیا اپنی کثرت کے نشہ میں اسے مٹانے کی کوشش کرے گی مگر فرماتا ہے ہم ابھی سے یہ خبر دے دیتے ہیں کہ خدا تعالیٰ کی تقدیر کے مطابق انجام کار یہ انقلاب برپا ہو گا کہ "کثرت" "قلت" میں اور "قلت" "کثرت" میں تبدیل ہو جائے گی۔ (مرتب)

۱۴۔ اشتہار ۲۰۔ فروری ۱۸۸۶ء مشمولہ آخر "آئینہ کمالات اسلام" (طبع اول)

۱۵۔ اشتہار ۲۲۔ مارچ ۱۸۸۶ء "تبلیغ رسالت" جلد اول صفحہ ۷۲ (مطبوعہ چشمہ فیض قادری بٹالہ)

۱۶۔ "اشتہار صداقت آثار" ۸۔ اپریل ۱۸۸۶ء مطبوعہ چشمہ فیض قادری پریس بٹالہ" (تبلیغ رسالت" جلد اول صفحہ ۷۵-۷۶)

۱۷۔ نقل مطابق اصل۔

۱۸۔ "کلیات آریہ مسافر" صفحہ ۴۹۳-۴۹۹۔ شائع کردہ رائے صاحب منشی گلاب سنگھ اینڈ سنز مطبع مفید عام مطبوعہ ۱۹۰۴

۱۹۔ تبلیغ رسالت جلد اول صفحہ ۸۹

۲۰۔ ایضاً صفحہ ۷۳-۷۵

۲۱۔ "سبز اشتہار" صفحہ ۱۱

۲۲۔ "سبز اشتہار"

۲۳۔ "تبلیغ رسالت" جلد اول صفحہ ۱۴۷ تا ۱۴۹ حاشیہ

۲۴۔ ایضاً صفحہ ۱۲۴ "سبز اشتہار صفحہ ۴۔
۲۵، ۲۶۔ "سراج منیر" صفحہ ۳۱ حاشیہ (طبع اول ۱۸۹۷ء)
۲۷۔ سرالخلافہ طبع اول صفحہ ۵۳ مطبوعہ ۱۸۹۴ء
۲۸۔ "ضمیمہ انجام آتھم" صفحہ ۱۵ مطبوعہ ۱۸۹۷ء
۲۹۔ "تریاق القلوب طبع اول صفحہ ۴۲ مطبوعہ ۱۸۹۹ء
۳۰۔ "حقیقتہ الوحی" صفحہ ۳۶۰ طبع اول (مئی ۱۹۰۷ء)
۳۱۔ ترجمہ از "آئینہ کمالات اسلام" طبع اول صفحہ ۵۸۴۔۵۸۷۔
۳۲۔ یہ ۸۔ دسمبر ۱۹۱۳ء کا واقعہ ہے (مرتب)
۳۳۔ اصل تحریر کا عکس رسالہ فرقان (قادیان) مئی ۱۹۴۵ء صفحہ ۴۔۶ پر چھپ چکا ہے۔
۳۴۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو الفضل یکم فروری ۱۹۴۴ء صفحہ ۱۔۸
۳۵۔ الفضل ۴۔ اگست ۱۹۴۷ء صفحہ ۴
۳۶۔ بدر ۲۶۔ جنوری ۱۹۱۱ء صفحہ ۱۔ و رسالہ "حقیقت اختلاف" مصنفہ مولوی محمد علی صاحب ایم۔ اے) صفحہ ۶۹
۳۷۔ ضمیمہ اخبار بدر ۲۶۔ جنوری ۱۹۱۱ء صفحہ ۲
۳۸۔ "اظہار الحق" صفحہ ۱۶۔۱۷ (مطبوعہ نذیر پرنٹنگ پریس امرتسر باہتمام سید مسلم حسن صاحب زیدی)
۳۹۔ رسالہ "خلیفہ قادیان" طبع اول صفحہ ۷۔۸ از ارجن سنگھ ایڈیٹر "رنگین" امرت سر
۴۰۔ "ایک خوفناک سازش" صفحہ ۱۹۶ (مظہر علی اظہر)
۴۱۔ اخبار "عادل" دہلی ۲۴۔ اپریل ۱۹۳۳ء (بحوالہ "خالد" نومبر ۱۹۵۵ء)
۴۲۔ اخبار "مجاہد" ۱۵۔ اگست ۱۹۳۵ء (بحوالہ "الفضل" ۲۹۔ اگست ۱۹۳۵ء)
۴۳۔ "سرگزشت" صفحہ ۲۹۳ (از عبدالمجید سالک)
۴۴۔ اخبار "سیاست" ۱۸۔ مئی ۱۹۳۳ء
۴۵۔ "ذکر اقبال" صفحہ ۱۸۸ (از عبدالمجید سالک)
۴۶۔ "الفضل" یکم جنوری ۱۹۳۱ء صفحہ ۴ کالم ۲۔۳
۴۷۔ یہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے قدیم صحابی حضرت حافظ مختار احمد صاحب شاہجہانپوری کی روایت ہے جو آپ نے خاکسار مرتب کے سامنے ایک مجلس میں بیان فرمائی تھی۔
۴۸۔ "الفضل" ۱۳۔ اپریل ۱۹۵۸ء صفحہ ۴
۴۹۔ الفضل ۱۵۔ فروری ۱۹۱۶ء
۵۰۔ "الفضل" ۲۱۔ دسمبر ۱۹۴۱ء
۵۱۔ حالانکہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام صاف لفظوں میں تحریر فرماتے ہیں "الہام یہ بتلا تا تھا کہ چار لڑکے پیدا ہونگے اور ایک کو ان میں سے ایک مرد خدا مسیح صفت الہام نے بیان کیا ہے سو خدا تعالیٰ کے فضل سے چار لڑکے پیدا ہو گئے"۔ (تریاق القلوب صفحہ ۱۴ طبع اول ۱۹۰۲ء)
نیز فرماتے ہیں ۔

بشارت دی کہ اک بیٹا ہے تیرا
جو ہو گا ایک دن محبوب میرا

(بشیر احمد و شریف احمد و مبارکہ کی آمین مطبوعہ ۱۹۰۱ء)
علاوہ ازیں الہام الٰہی میں صاف خبر دی گئی ہے کہ "وہ لڑکا تیرے ہی تخم سے تیری ہی ذریت و نسل ہو گا"۔ یہ الفاظ چونکہ صاف بتا

رہے تھے کہ مصلح موعود کا براہ راست آپ ہی کی ذریت و نسل ہونا مقدر ہے اس لئے مولف "مجدد اعظم" نے سرے سے پیشگوئی پسر موعود کی الہامی عبارت ہی درج نہیں فرمائی۔

۵۲۔ صاحبزادہ مرزا مبارک احمد صاحب کے متعلق حضرت اقدس کو ۱۸۸۳ء میں ایک الگ الہام ہوا تھا کہ "تین کو چار کرنے والا مبارک" (نزول المسیح صفحہ ۱۹۶) پس اگر یہ الہام ان کی پیدائش سے قبل دوبارہ بھی نازل ہوا تو اس سے یہ کیسے ثابت ہو گیا کہ وہ مصلح موعود کی پیش گوئی کے مصداق ہو سکتے تھے۔ خصوصاً جب کہ ان کی ولادت نو سالہ میعاد کے بعد ہوئی اور جونہی آپ پیدا ہوئے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو خبر دے دی گئی۔ کہ یہ جلد فوت ہو جائینگے۔ (تریاق القلوب صفحہ ۴۰ طبع اول)
پس در حقیقت مصلح موعود کی پیشگوئی اور صاحبزادہ مبارک احمد کے متعلق الہام "تین کو چار کرنے والا" الگ الگ حیثیت رکھتے ہیں دونوں کو ملانا کسی طرح بھی صحیح نہیں۔

۵۳۔ "مجدد اعظم" جلد اول طبع اول صفحہ ۱۵۲۔

ماسٹر مرلی دھر صاحب سے مباحثہ اور "سرمہ چشم آریہ" کی تصنیف و اشاعت

سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے سفر ہوشیار پور میں چلّہ کشی اور پیشگوئی "پسر موعود" کے بعد دوسرا اہم واقعہ مباحثہ مرلی دھر ہے۔

ماسٹر مرلی دھر صاحب آف ہوشیار پور سے مباحثہ

ماسٹر مرلی دھر صاحب (جو آریہ سماج ہوشیار پور کے ایک ممتاز رکن تھے) حضرت اقدس کی خدمت میں آئے اور درخواست کی کہ وہ اسلامی تعلیمات پر چند سوالات پیش کرنا چاہتے ہیں۔ خدا کا پہلوان تو مدت سے للکار رہا تھا کہ کوئی آریہ سماجی لیڈر مرد میدان بنے۔ چنانچہ اب جو خود آریہ سماج کی طرف سے ایک تحریری مذہبی مباحثہ کی طرح ڈالی گئی تو حضور نے اسے بسروچشم قبول فرمالیا۔ اور اس دینی مذاکرہ کو غیر جانبدارانہ سطح پر لے جانے کے لئے یہ تجویز کی کہ ماسٹر صاحب ایک نشست میں اسلام پر اعتراضات کریں اور آپ ان کے جوابات دیں۔ اور دوسری نشست میں حضور آریہ سماج کے مسلمات پر سوال کریں گے اور ماسٹر صاحب ان کا جواب دیں گے۔ ماسٹر صاحب نے اس تجویز سے اتفاق ظاہر کیا۔ بحث کے لئے حضرت اقدسؑ کی فرودگاہ تجویز ہوئی۔ اور مباحثہ کی دو نشستوں کے لئے گیارہ مارچ کی شب اور چودہ مارچ کا دن قرار پایا۔ اور دونوں بحثوں سے متعلق یہ بات بھی طے ہوئی کہ بحث کا خاتمہ جواب الجواب کے جواب سے ہو۔ اس سے پہلے نہ ہو چنانچہ گیارہ مارچ ۱۸۸۶ء کی پہلی نشست میں ماسٹر صاحب اسلام پر چھ سوالات کرنے کی تیاری کر کے آئے تھے اور اس کا اظہار بھی انہوں نے کیا مگر ابھی انہوں نے معجزہ شق القمر کے متعلق ہی اپنا پہلا مایہ ناز اعتراض پیش کیا تھا کہ ان کی علمیت کا سارا بھرم کھل گیا اور وہ اپنی ناکامی کا داغ مٹانے کے لئے عین اس وقت جب کہ حضور کی طرف سے جواب الجواب کے جواب کا وقت آیا تو معاہدہ کے خلاف محض رات کی طوالت کے بہانے سے جانے کا قصد کرنے لگے۔ اکثر ہندو حاضرین بالخصوص والی ریاست سوکیت

کے بڑے بیٹے میاں شترو گھن صاحب نے جو اس مجلس میں موجود تھے کئی بار ماسٹر صاحب سے کہا کہ آپ جواب الجواب کا جواب لکھنے دیں ہم لوگ بخوشی بیٹھیں گے ہمیں کسی قسم کی تکلیف نہیں بلکہ ہمیں جواب سننے کا شوق ہے لیکن انہوں نے ایک نہ مانی۔ آخر حضرت اقدس نے فرمایا یہ جواب تحریر ہونے سے رہ نہیں سکتا۔ اگر آپ اس کو اس وقت ٹالنا چاہتے ہیں تو یہ رسالہ کے ساتھ شامل کیا جائیگا۔ اس پر انہوں نے بادل ناخواستہ اس کا شامل رسالہ کیا جانا تسلیم کرلیا۔ لیکن جواب کا اس مجلس میں تحریر ہو کر پیش ہونا چونکہ ان کو ناگوار تھا اس لئے وہ اٹھ کر چل دیئے۔

پہلی نشست کا تو یوں حشر ہوا اب دوسری نشست کی کیفیت سنئے۔ اس دن حضرت اقدس کا حق تھا کہ پہلے اپنے اعتراض پیش فرماتے۔ مگر ماسٹر صاحب نے وقت ضائع کرنے کے لئے پہلی نشست کی بحث سے متعلق ایک فضول جھگڑا شروع کردیا۔ اور یہ چند سطریں لکھ کر اور ان پر اپنے دستخط کرکے جلسہ عام میں ایک بڑے جوش سے کھڑے ہو کر سنائیں کہ "آج پہلے اس کے کہ میں کوئی سوال پیش کروں مرزا صاحب کی پہلے روز کی تقریر میں سے وہ حصہ جو انہوں نے فرمایا کہ ستیارتھ پرکاش میں لکھا ہے کہ روحیں اوس پر پھلتی ہیں اور عورتیں کھاتی ہیں تو آدمی پیدا ہوتے ہیں پیش کرتا ہوں۔ یہ ستیارتھ پرکاش میں کسی جگہ نہیں۔ اگر ہے تو ستیارتھ پرکاش میں دیتا ہوں اس میں سے نکال کر دکھلادیں تاکہ سچ اور جھوٹ کی نرتی لوگ کرلیں"۔ اس کے جواب میں حضور نے کہا کہ پہلے روز کی تقریر اسی روز کے ساتھ ختم ہوگئی۔ آپ کو چاہئے تھا کہ اسی دن یہ مطالبہ پیش کرتے مگر ماسٹر صاحب سراسر مجادلہ کی راہ سے مصر تھے کہ جب تک اس امر کا تصفیہ نہ ہولے دوسری گفتگو نہیں کرسکتے۔ اس پر مولوی الٰہی بخش صاحب وکیل نے بھی انہیں بہت سمجھایا کہ اس موقعہ پر گذشتہ قصوں کو لے بیٹھنا بے جا ہے آج کے دن آج ہی کی بحث ہونی چاہیے۔ آخر جب کافی ردوقدح ہو چکی تو حضرت اقدس نے قضیہ ختم کرکے اصل موضوع کی طرف لانے کے لئے یہ تحریر لکھ دی کہ جب ہم یہ بحث شائع کریں گے تو اس مقام پر ستیارتھ پرکاش کا حوالہ بھی لکھ دیں گے اس حکمت عملی سے یہ جھگڑا رفع دفع ہوا۔ اور اصل کارروائی شروع ہوئی۔

چنانچہ اس کے بعد حضور کی طرف سے آریہ سماج کے اس اصول کے متعلق تحریری اعتراض پیش ہوا کہ آریہ سماج کا یہ عقیدہ کہ پرمیشر نے کوئی روح پیدا نہیں کی اور نہ وہ کسی کو خواہ کوئی کیسا ہی راست باز اور سچا پرستار ہو ابدی نجات بخشے گا۔ خدا تعالیٰ کی توحید اور رحمت دونوں کے صریح منافی ہے جب یہ زبردست اعتراض جلسہ عام میں سنایا گیا تو ماسٹر صاحب پر ایک عجیب حالت طاری ہوئی جس کی کیفیت ماسٹر صاحب ہی کا جی جانتا ہوگا۔ انہیں اس وقت کچھ بھی نہیں سوجھتا تھا کہ اس کا کیا جواب

دیں۔ اسی لئے گھنٹہ سوا گھنٹہ تک یہی عذر پیش کرتے رہے کہ یہ سوال ایک نہیں دو ہیں۔ حضورؑ نے بتلایا کہ حقیقت میں سوال ایک ہی ہے یعنی خدا تعالیٰ کی خالقیت سے انکار کرنا۔ اور میعادی مکتی (نجات) تو اس خراب اصول کا ایک بد اثر ہے۔ جو اس سے الگ نہیں ہو سکتا۔ اس جہت سے سوال کے دونوں ٹکڑے حقیقت میں ایک ہی ہیں کیونکہ جو شخص خدا تعالیٰ کی خالقیت سے منکر ہو گا اس کے لئے ممکن ہی نہیں کہ ہمیشہ کی نجات کا اقرار کر سکے۔ سو انکار خالقیت اور انکار نجات جاودانی باہم لازم ملزوم ہیں۔ پس جو شخص یہ ثابت کرنا چاہے کہ خدا تعالیٰ کے رب العالمین اور خالق نہ ہونے میں کوئی حرج نہیں۔ اس کو یہ ثابت کرنا بھی لازم آجائے گا کہ خدا تعالیٰ کے کامل بندوں کا ہمیشہ جنم مرن کے عذاب میں مبتلا رہنا اور کبھی دائمی نجات نہ پانا یہ بھی کچھ مضائقہ کی بات نہیں۔ غرض بار بار سمجھانے کے بعد ماسٹر صاحب کچھ سمجھے اور جواب لکھنا شروع کیا۔ اور تین گھنٹہ میں سوال کے ایک ٹکڑے کا جواب قلمبند کر کے سنایا اور دوسرے حصہ سوال کے متعلق جو مکتی کے بارے میں تھا یہ جواب دیا کہ اس کا جواب ہم اپنے مکان سے لکھ کر بھیج دیں گے۔ حضور نے ایسا جواب لینے سے انکار کر کے فرمایا کہ آپ نے جو کچھ لکھنا ہے اسی جلسہ میں حاضرین کے روبرو تحریر کریں۔ اگر گھر میں بیٹھ کر لکھنا تھا تو پھر اس مباحثہ کی ضرورت ہی کیا تھی؟ مگر ماسٹر صاحب تو محض دفع الوقتی کے لئے آئے تھے وہ کیونکر مانتے۔ حضور نے جب ان کی یہ ہٹ دھرمی دیکھی تو فرمایا جس قدر آپ نے لکھا ہے وہی ہمیں دے دیں تا اس کا ہم جواب الجواب لکھیں۔ ماسٹر صاحب جو پہلی نشست میں جواب الجواب کے جواب سننے پر دہشت زدہ ہو گئے تھے۔ اب جواب الجواب لکھنے پر بوکھلا گئے اور معذرت کی کہ اب ہماری سماج کا وقت ہے ہم بیٹھ نہیں سکتے۔ ماسٹر صاحب نے ابتداء میں جب بہت سا وقت ادھر ادھر کی باتوں میں ضائع کر کے بہت آہستگی اور دھیما پن سے جواب لکھنا شروع کیا تھا تو حضرت اقدسؑ اسی وقت سمجھ گئے کہ ان کی نیت بخیر نہیں اور اسی لئے حضور نے پہلے ان سے احتیاطاً یہ کہا تھا کہ بہتر یوں ہے کہ جو ورق آپ لکھتے جائیں وہ مجھے دیتے جائیں تا میں اس کا جواب الجواب بھی لکھتا جاؤں۔ ماسٹر صاحب کے ایک ساتھی لالہ لچھمن صاحب نے حضرت اقدسؑ کی بات سن کر کہا کہ میں آپ کی غرض سمجھ گیا لیکن ماسٹر صاحب ایسا کرنا نہیں چاہتے۔ چنانچہ وہی بات ہوئی اور اخیر پر مباحثہ ناتمام چھوڑ کر انہوں نے سماج کا عذر کر دیا جو محض بہانہ تھا۔ اصل موجب تو سراسیمگی اور گھبراہٹ تھی جو اعتراض سنتے ہی ان کے دل و دماغ پر چھا گئی اور وہ کچھ ایسے مبہوت ہو گئے کہ چہرے پر ہوائیاں چھوٹنے لگیں اور ناکارہ عذرات پیش کر کے یہ چاہا کہ جواب دیئے بغیر ہی اٹھ کر چلے جائیں۔ یہی وجہ تھی کہ سامعین بھی مایوس ہو کر منتشر ہو گئے اور بعض یہ کہتے ہوئے اٹھ گئے کہ اب کیا بیٹھیں اب تو بحث ختم ہو گئی۔ یہ رنگ دیکھا تو ماسٹر صاحب نے شرم و ندامت سے کچھ لکھا جس کا

آدھا حصہ تو کاغذ پر اور آدھا ان کے دل میں رہا۔ بہرحال وہ اپنے جواب کو اس صورت میں چھوڑ کر اٹھ کھڑے ہوئے۔ حضور نے ماسٹر صاحب سے اس مرحلہ پر یہ بھی فرمایا کہ اگر آپ اس وقت ٹھہرنا مصلحتاً مناسب نہیں سمجھتے ہیں تو میں دو روز اور اس جگہ ہوں اور اپنا دن رات اسی خدمت میں صرف کر سکتا ہوں لیکن انہوں نے جواب دیا کہ مجھے فرصت نہیں۔ اس جواب پر حضور کو سخت افسوس ہوا اور آپ نے فرمایا کہ آپ نے یہ اچھا نہیں کیا کہ جو کچھ معاہدہ ہو چکا تھا۔ اسے توڑ دیا۔ نہ آپ نے پورا جواب لکھا اور نہ ہمیں اب جواب الجواب لکھنے دیتے ہیں۔ بہرکیف یہ جواب الجواب بھی مجبوراً بطور خود تحریر کر کے رسالے کے ساتھ شامل کر دیا جائے گا۔ یہ بات سنتے ہی ماسٹر صاحب اپنے رفقاء سمیت اٹھ کر چلے گئے اور حاضرین جلسہ پر صاف کھل گیا کہ ماسٹر صاحب کی یہ تمام تر کارروائی سرتاپا گریز اور کنارہ کشی کے لئے ایک بہانہ تھی۔ [1]

اس نشست میں سامعین کی تعداد غیر معمولی طور پر زیادہ تھی۔ صدہا مسلمان اور ہندو اپنا کام چھوڑ کر محض مباحثہ کی کارروائی دیکھنے کے لئے جمع ہو گئے تھے۔ اور صحن مکان حاضرین سے کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔ جن میں شیخ مہر علی صاحب رئیس اعظم ہوشیار پور' ڈاکٹر مصطفیٰ علی صاحب' بابو احمد حسین صاحب ڈپٹی انسپکٹر پولیس ہوشیار پور' مولوی الٰہی بخش صاحب وکیل ہوشیار پور' میاں عبداللہ صاحب حکیم' میاں شہاب الدین صاحب دفعدار' لالہ نرائن داس صاحب وکیل' پنڈت جگن ناتھ صاحب وکیل' لالہ لچھمن سنگھ صاحب ہیڈ ماسٹر لدھیانہ' بابو ہرکشن داس صاحب سیکنڈ ماسٹر' لالہ گنیش داس صاحب وکیل' لالہ سیتارام صاحب مہاجن میاں شتروگھن صاحب' میاں شترنجی صاحب' منشی گلاب سنگھ صاحب سررشتہ دار' مولوی غلام رسول صاحب مدرس' مولوی فتح دین صاحب مدرس خاص طور قابل ذکر ہیں۔

"سرمہ چشم آریہ" کی تصنیف و اشاعت

حضرت اقدسؑ نے یہ مباحثہ چند ماہ بعد ہی ستمبر ۱۸۸۶ء میں "سرمہ چشم آریہ" کے نام سے شائع فرما دیا۔ [2] جس میں آپ نے ستیارتھ پرکاش کا مطلوبہ حوالہ اور اس کے علاوہ وہ جوابات بھی جو مباحثہ میں ناتمام رہ گئے تھے اس خوبصورتی سے شامل کر دیئے کہ کتاب کو ایک تاریخی شاہکار کی حیثیت حاصل ہو گئی۔ حضور نے اس کتاب میں آریہ سماج پر زبردست تنقید کی اور معجزات و خوارق قرآنی' عجائبات عالم' روح کے خواص' کشف قبور' انسان کامل اور قانون قدرت جیسے اہم مسائل پر بھی بڑی لطیف روشنی ڈالی اور بالخصوص بتایا کہ خدائی قانون کا احاطہ جب کسی انسان کے لئے ممکن نہیں تو کسی معجزہ کو قانون قدرت کے منافی کیسے قرار دیا جا سکتا ہے؟ کتاب کا رد لکھنے والے کے لئے

حضور نے پانچ سو روپیہ کا انعامی اشتہار بھی دیا۔ اور لطف یہ کہ اس کے لئے منشی جیون داس صاحب سیکرٹری آریہ سماج کو ثالث تجویز فرمایا کہ اگر وہ قسم کھاکر شہادت دے دیں کہ کتاب کا جواب دے دیا گیا ہے تو محض ان کی شہادت پر حضور یہ انعام دیدیں گے۔ اس انعامی چیلنج پر آریہ سماج نے بالکل چپ سادھ لی۔ لیکھرام نے "نسخہ خبط احمدیہ" کے ذریعہ سے اس کے رد کی جو ناکام کوشش کی وہ اس قابل نہیں کہ اس کا ذکر کیا جائے۔

"سرمہ چشم آریہ" ایسی معرکہ الاراء کتاب کی اشاعت پر اہلحدیث عالم مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی نے اپنے رسالہ "اشاعۃ السنہ" میں ریویو کرتے ہوئے لکھا۔ "یہ کتاب لاجواب مولف "براہین احمدیہ" مرزا غلام احمد رئیس قادیان کی تصنیف ہے۔........ اس میں جناب مصنف کا ایک ممبر آریہ سماج سے مباحثہ شائع ہوا ہے جو معجزہ شق القمر اور تعلیم وید پر بمقام ہوشیار پور ہوا تھا اس مباحثہ میں جناب مصنف نے تاریخی واقعات اور عقلی وجوہات سے معجزہ شق القمر ثابت کیا ہے اور اس کے مقابلہ میں آریہ سماج کی کتاب (وید) اور اس کی تعلیمات وعقائد (تناسخ وغیرہ) کا کافی دلائل سے ابطال کیا ہے .... حمیت و حمایت اسلام تو اس میں ہے کہ ایک ایک مسلمان دس دس بیس بیس نسخہ خرید کر ہندو مسلمانوں میں تقسیم کرے۔ اس میں ایک فائدہ تو یہ ہے کہ اصول اسلام کی خوبی اور اصول مذہب آریہ کی برائی زیادہ شیوع پائے گی اور اس سے آریہ سماج کی ان مخالفانہ کارروائیوں کو جو اسلام کے مقابلہ میں وہ کرتے ہیں روک ہو گی۔

دوسرا فائدہ یہ ہے کہ اس کتاب کی قیمت سے دوسری تصانیف مرزا صاحب (سراج منیر وغیرہ) کے جلد چھپنے اور شائع ہونے کی ایک صورت پیدا ہو گی۔ ہم نے سنا ہے کہ اس وقت تک سراج منیر کا طبع ہونا عدم موجودگی زر کے سبب معرض التوا میں ہے اور اس کے مصارف طبع کے لئے آمد قیمت سرمہ چشم آریہ کا انتظار ہے۔ یہ بات صحیح ہے تو مسلمانوں کی حالت پر کمال افسوس ہے کہ ایک شخص اسلام کی حمایت میں تمام جہان کے اہل مذہب سے مقابلہ کے لئے وقف اور فدا ہو رہا ہے پھر اہل اسلام کا اس کام کی مالی معاونت میں یہ حال ہے۔ شاید ان خام خیالوں کو یہ خیال ہو گا کہ مرزا صاحب اپنے دس ہزار روپیہ کی جائیداد جس کو انہوں نے مخالفین اسلام کو مقابلہ پر انعام دینے کے لئے رکھا ہوا ہے فروخت کر کے صرف کر لیں تو پیچھے کو وہ ان کو مالی مدد دیں گے۔ ان کا واقعی یہی خیال ہے تو ان کا حال اور بھی افسوس کے لائق ہے۔ ۳۴

مشہور عیسائی اخبار نور افشاں (۶۔جنوری ۱۸۸۷ء) نے "سرمہ چشم آریہ" پر ان الفاظ میں تبصرہ لکھا۔ کہ حقیقت تو یہ ہے کہ اس کتاب نے آریہ سماج کو پورے طور پر بے نقاب کرتے ہوئے اسے

پاش پاش کر دیا ہے کتاب کے فیصلہ کن دلائل کا رد کرنا قطعی طور پر ناممکن ہے۔ ۵

"سرمہ چشم آریہ" میں آریہ سماج کے بنیادی اصولوں کی جس طرح دھجیاں اڑائی گئی ہیں اس کی یاد خود ماسٹر مرلی دھر آخر دم تک بھلا نہیں سکے۔ چنانچہ انہوں نے ایک دفعہ حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانی سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے متعلق اس رائے کا اظہار کیا کہ "مرزا صاحب غیر معمولی علم رکھتے ہیں میں نے علمائے اسلام میں وہ چیز نہیں دیکھی جو ان میں ہے"۔ "سرمہ چشم آریہ" سے متعلق جواب دیا۔ "واقعات درست ہیں نتائج اپنے طرز پر مرزا صاحب نے پیدا کر لئے ہیں اور ہر شخص رائے قائم کر سکتا ہے"۔ حضرت عرفانیؓ نے کہا کہ نتائج ان واقعات سے ہی پیدا ہوتے ہیں تو کہا کہ اپنا اپنا خیال ہے۔ آپ نے کہا کہ آپ رد کریں تو کہا ضرورت نہیں۔ ۶

ایک غیر احمدی عالم (مولوی سید ابوالحسن علی ندوی) نے اس عظیم الشان کتاب کے متعلق حال ہی میں اپنی یہ رائے شائع کی ہے کہ۔

"۱۸۸۶ء میں مرزا صاحب نے ہوشیار پور میں مرلی دھر آریہ سماج سے مناظرہ کیا۔ اس مناظرہ کے بارے میں انہوں نے ایک مستقل کتاب لکھی ہے جس کا نام "سرمہ چشم آریہ" ہے یہ کتاب مناظرہ مذاہب و فرق میں ان کی دوسری تصنیف ہے۔

پہلے دن کے مناظرہ کا موضوع بحث "معجزہ شق القمر کا عقلی و نقلی ثبوت" تھا۔ مرزا صاحب نے اپنی اس کتاب میں نہ صرف اس معجزہ بلکہ معجزات انبیاء کی پر زور و مدلل وکالت کی ہے۔ انہوں نے ثابت کیا ہے کہ معجزات و خوارق کا وقوع عقلاً ممکن ہے محدود انسانی عقل اور علم اور محدود انفرادی تجربات کو اس کا حق نہیں کہ وہ ان معجزات و خوارق کا انکار کریں اور اس کائنات کے احاطہ کا دعویٰ کریں وہ بار بار اس حقیقت پر زور دیتے ہیں کہ انسان کا علم محدود و مختصر اور امکان کا دائرہ بہت وسیع ہے ان کا اس پر بھی زور ہے کہ مذاہب و عقائد کے لئے ایمان بالغیب ضروری ہے اور اس میں اور عقل میں کوئی منافات نہیں اس لئے کہ عقل غیر محیط ہے"۔ ۷

حق و باطل کے فیصلہ کی ایک آسان صورت اور دعوت مباہلہ

"سرمہ چشم آریہ" میں حضرت اقدسؑ نے آریوں کو حق و باطل کے فیصلہ کی ایک آسان صورت بتائی کہ وہ کافی غور و فکر کے بعد قرآن مجید سے متعلق دو تین ایسے زبردست اعتراضات بحوالہ آیات قرآنی پیش کریں جو ان کی دانست میں سب سے قوی ہوں پھر آپ اگر ان کا مسکت جواب دینے سے قاصر رہے تو فی اعتراض پچاس روپیہ بطور جرمانہ ادا کر دیں گے لیکن اگر فریق مخالف کے اعتراضات

لغو ثابت ہوئے تو اسے بلا توقف مسلمان ہونا پڑے گا۔

اس آسان طریق فیصلہ کے علاوہ حضرت اقدسؑ نے اتمام حجت کی غرض سے آریہ سماج کے مشہور اور نامور ممبروں بالخصوص لالہ مرلی دھر' لالہ جیون داس اور منشی اندرمن مراد آبادی کو دعوت مباہلہ بھی دی اور فرمایا کہ فیصلہ آسمانی کے انتظار کے لئے ایک برس کی مہلت ہو گی۔ پھر اگر ایک برس گزرنے کے بعد مجھ پر کوئی عذاب اور وبال نازل ہوا یا حریف مقابل پر نازل نہ ہوا تو ان دونوں صورتوں میں پانچ سو روپیہ تاوان ادا کر دیں گے اس دعوت کے ساتھ ہی حضور نے اپنی طرف سے بطور نمونہ مباہلہ کی دعا بھی شائع فرما دی۔ خیال تھا کہ اس فیصلہ کن طریق سے گریز نہیں کیا جائے گا۔ مگر افسوس آریہ سماج نے گذشتہ روایات کے مطابق اس دعوت مباہلہ پر بھی سکوت ہی اختیار کیا۔ البتہ پنڈت لیکھرام نے ۱۸۸۸ء میں اپنی کتاب نسخہ "خبط احمدیہ" میں دعائے مباہلہ کرتے ہوئے لکھا۔ "اے پرمیشر ہم دونوں فریقوں میں سچا فیصلہ کر کیونکہ کاذب صادق کی طرح کبھی تیرے حضور میں عزت نہیں پا سکتا"۔ [۸] اللہ تعالیٰ نے ۶۔ مارچ ۱۸۹۷ء کو وہ فیصلہ کر دکھایا جو لیکھرام نے اپنے منہ مانگا تھا جس سے آریہ سماج کے بطلان اور اسلام کی سچائی پر ابدی مہر لگ گئی (اس کی تفصیل اسی جلد میں آگے آرہی ہے)

سفر انبالہ

اس سال (۱۸۸۶ء کے وسط میں) حضرت اقدس نے انبالہ کا سفر بھی اختیار فرمایا اور قریباً ایک ماہ تک محمد لطیف صاحب کی کوٹھی واقع صدر انبالہ احاطہ ناگ پھنی میں قیام پذیر رہنے کے بعد ۲۵۔ نومبر ۱۸۸۶ء کو قادیان تشریف لائے۔ [۹]

حواشی

۱۔ "سرمہ چشم آریہ" صفحہ ۴-۱۱ و صفحہ ۶۴-۶۶ طبع اول مطبوعہ ریاض ہند پریس امرت سر۔

۲۔ بعض مکتوبات سے معلوم ہوتا ہے کہ کتاب کی تالیف و تصنیف تو حضور نے اپریل ۱۸۸۶ء تک مکمل کرلی تھی مگر طباعت کی متعدد مشکلات کے باعث اس کے چھپنے کا کام ستمبر میں ختم ہوا۔ ان مکتوبات سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ جو آٹھ سو روپیہ جمع تھا وہ سب "سرمہ چشم آریہ" کی طباعت پر صرف ہوگیا۔ (الحکم ۷۔ فروری ۱۹۳۸ء صفحہ ۵)

۳، ۴۔ اشاعۃ السنہ جلد ۹ نمبر ۶ صفحہ ۱۴۵-۱۵۸۔

حکیم ابو تراب عبدالحق صاحب ایڈیٹر اہلسنت امرتسر نے اخبار "اہلسنت" (۲۰۔ فروری و یکم مارچ ۱۹۲۱ء) میں لکھا۔ "حضرت محمد ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے جیسے قرآن مجید خود معجزہ عطا کیا ویسے دیگر معجزات بھی عطا فرمائے تھے جیسے معجزہ شق القمر جس کے متعلق مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کا مناظرہ پنڈت مرلی دھر سے ہوا تھا جس کی تفصیل "سرمہ چشم آریہ" میں موجود ہے اور پنڈت جی لاجواب ہوگئے تھے اور شکست اٹھائی تھی"۔ (بحوالہ الفضل ۱۷۔ مارچ ۱۹۲۱ء صفحہ ۴)

۵۔ بحوالہ "لائف آف احمد" صفحہ ۱۲۱

۶۔ "حیات احمد" جلد دوم نمبر سوم صفحہ ۱۶۲

۷۔ "قادیانیت" صفحہ ۶۲-۶۳ (از مولوی سید ابوالحسن علی ندوی)

۸۔ "خبط احمدیہ" صفحہ ۳۴۴ (بحوالہ حقیقۃ الوحی طبع اول صفحہ ۳۱۹)

۹۔ "مکتوبات احمدیہ" جلد پنجم نمبر سوم صفحہ ۲۰-۲۴

ماموریت کا چھٹا سال

آریہ سماج کا طوفان بے تمیزی اور تصنیف و اشاعت "شحنہ حق"

(۱۸۸۷ء)

آریہ سماج نے "براہین احمدیہ" اور "سرمہ چشم آریہ" کی اشاعت کے بعد حق و صداقت کی تاب نہ لا کر حضرت مسیح موعودؑ کے خلاف ملک میں مخالفت کی ایک آگ لگا دی۔ پنڈت لیکھرام نے "تکذیب براہین احمدیہ" نامی کتاب لکھ کر اس آگ پر تیل کا کام دیا۔ اور دوسرے آریہ سماجیوں نے لاجواب ہو کر نہایت اشتعال انگیز گندے اور گالیوں سے بھرے ہوئے اشتہارات اور رسالوں سے ملک کی فضا مکدر کر دی اور یہاں تک بد اخلاقی پر اتر آئے کہ بار بار گمنام خطوط اور اشتہاروں [۱] کے ذریعہ سے حضور کو قتل کر دینے کی دھمکیاں دینا شروع کر دیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی غیرت نے یہ گوارا نہ کیا کہ آریہ سماج کے یہ خونی عزائم دیکھ کر خاموش رہیں چنانچہ آپ نے اس باطل فرقے کی ان جارحانہ سرگرمیوں کو بے نقاب کرنے 'اسلام کی پاکیزہ تعلیم کے مقابل ویدوں کی ماہیت بتانے اور "تکذیب براہین احمدیہ" پر اصولی رنگ میں کاری ضرب لگانے کے لئے قلم اٹھایا اور چار پانچ گھنٹہ میں "شحنہ حق" ایسی بلند پایہ کتاب تصنیف کر دی جس نے آریہ سماج کے عقائد کا قلع قمع کر دیا۔ حضرت اقدس نے آریہ سماج کی دھمکیوں کا جواب جن ایمان افزا الفاظ میں دیا وہ آپ کے زبردست جوش ایمانی کا پتہ دیتے ہیں آپ نے فرمایا

"یاد رہے کہ ہم حق کے اظہار میں ایسے اعلانوں سے ہرگز نہیں ڈرتے۔ ایک جان کیا اگر ہماری ہزار جان ہو تو یہی خواہش ہے کہ اس راہ میں فدا ہو جائے اور گو ہم جانتے ہیں کہ یہ تحریریں کن حضرات کی ہیں اور کن اندرونی اور بیرونی سازشوں اور مشوروں اور باہم خط و کتابت کے بعد کسی قوی

امید سے کسی اسی جگہ کے یہودا اسکر یوطی یا بگڑے ہوئے سکھ کی دم دہی سے جاری کئے گئے ہیں مگر ہمیں کچھ ضرور نہیں کہ مجازی حکام کو اس کی اطلاع دیں۔ کیونکہ جو کچھ یہ لوگ ہماری نسبت بد ارادے کر رہے ہیں ہمارے حاکم حقیقی کو ان کا علم پہلے ہی سے حاصل ہے۔ ہم متعجب ہیں کہ ان کی ان تیزیوں کا کیا باعث ہے کیا رام سنگھ کے کوکوں کی روح تو ان میں کہیں گھس نہیں آئی۔ اے آریو ہمیں قتل سے تو مت ڈراؤ ہم ان ناکارہ دھمکیوں سے ہرگز ڈرنے والے نہیں۔ جھوٹ کی بیخ کنی ہم ضرور کریں گے اور تمہارے ویدوں کی حقیقت ذرہ ذرہ کر کے کھول دیں گے۔

نمی ترسیم از مردن چنیں خوف از دل افگندیم ۔ کہ ما مردیم زاں روزی کہ دل از غیر بر کندیم
دل و جاں در رہ آں دلستان خود فدا کردیم ۔ اگر جاں ما زما خواہد بصد دل آرزو مندیم [۲]

صبر و شکیب تو ہمارا شعار ہے مگر ناظرین سمجھ سکتے ہیں کہ دیانندی فرقہ کی کس قدر خطرناک پالیسی ہے اور لاجواب ہونے کی حالت میں کیا عمدہ تدبیر سوچ رکھی ہے کہ قتل کی دھمکی دی جائے یوں تو کون شخص ہے کہ ایک دن نہیں مرے گا مگر یہ لوگ خیال نہیں کرتے کہ ایسی دھمکیاں ان لوگوں کے دلوں پر کیا کارگر ہو سکتی ہیں جن کو کتاب الٰہی نے پہلے ہی سے یہ تعلیم دے رکھی ہے قُلْ اِنَّ صَلٰوتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ یعنی مخالفین کو کہدے کہ میں جان کو دوست نہیں رکھتا میری عبادت اور میرا جینا اور میرا مرنا خدا کے لئے ہے وہی حقدار خدا جس نے ہر ایک چیز کو پیدا کیا ہے ہاں یہ دھمکیاں ان دلوں پر کارگر ہو سکتی ہیں کہ جو خدا تعالیٰ کی راہ میں جان دینا نہیں چاہتے کیونکہ اس کی طرح قدیم اور انادی اور غیر مخلوق بنے بیٹھے ہیں اور اس کو اس قابل نہیں سمجھتے۔ [۳] کہ اس حق گزاری کے لائق ہو"۔

"رسالہ قرآنی صداقتوں کا جلوہ گاہ"

آریوں کے رسالہ "سرمہ چشم آریہ کی حقیقت اور فن فریب غلام احمد کی کیفیت" کو دیکھ کر حضرت اقدس ؑ کو خیال ہوا کہ باطل کی سرکوبی کے لئے ایک ماہنامہ جاری کرنا چاہیئے جو ویدوں کے مقابل قرآن مجید کی عظمت و وقعت کا سکہ بٹھا دے حضور نے اس کا نام "قرآنی صداقتوں کا جلوہ گاہ" تجویز فرمایا اور "شحنہ حق" میں جون ۱۸۸۷ء سے اس کی باقاعدہ اشاعت کا اعلان بھی کر دیا لیکن بعد کو یہ تجویز ملتوی کر دی گئی۔

ہجرت کا ارادہ

آریہ سماج کی اس شورش میں چونکہ قادیان کے بعض آریہ سماجی لیکھرام کی شہ پر درپردہ شامل ہو چکے تھے اس لئے حضرت اقدس نے قادیان سے کسی دور کے شہر کی طرف ہجرت کرنے کا قصد کر لیا چنانچہ آپ نے "شحنہ حق" میں ہی لکھا "ہمارا خدا ہر جگہ ہمارے ساتھ ہے۔ حضرت مسیح علیہ السلام کا قول ہے کہ نبی بے عزت نہیں مگر اپنے وطن میں لیکن میں کہتا ہوں کہ نہ صرف نبی بلکہ بجز اپنے وطن کے کوئی راستباز بھی دوسری جگہ ذلت نہیں اٹھاتا۔ اور اللہ جل شانہ فرماتا ہے وَمَنْ یُّھَاجِرْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ یَجِدْ فِی الْاَرْضِ مُرٰاغَمًا کَثِیْرًا وَّسَعَۃً۔ یعنی جو شخص اطاعت الٰہی میں اپنے وطن کو چھوڑے تو خدائے تعالیٰ کی زمین میں ایسے آرام گاہ پائے گا جن میں بلا حرج دینی خدمت بجا لا سکے۔ سوائے ہم وطنو! ہم تمہیں عنقریب الوداع کہنے والے ہیں"۔ [۴]

اس فیصلے کے بعد جب آپ پر مسیح موعود ہونے کا انکشاف کیا گیا تو اگرچہ مخالفت نہایت درجہ منظم شکل اختیار کر گئی اور آپ کو ۱۸۔ ستمبر ۱۸۹۴ء میں "داغ ہجرت" [۵] کا الہام بھی ہوا مگر عملاً ہجرت کی نوبت نہیں آئی اور یہ الہام خلافت ثانیہ میں پورا ہوا جب جماعت کے ایک حصے کو ۱۹۴۷ء کے ملکی فسادات کے باعث پاکستان میں چلا آنا پڑا۔

امریکہ میں آپ کی دعوت نشان نمائی کی بازگشت۔ مسٹر الیگزنڈر رسل وب سے خط و کتابت اور ان کا قبول اسلام

ملک اور بالخصوص قادیان میں تو آپ پر یوں عرصہ حیات تنگ کیا جا رہا تھا کہ آپ ہجرت پر آمادہ ہو چکے تھے۔ مگر فرشتے امریکہ میں سعید روحوں کو آپ کی طرف کھینچ رہے تھے۔ چنانچہ انہی فتنہ سامانیوں کے دوران ریاستہائے متحدہ امریکہ سے عیسائی گروہ کے ایک گرجا کے لاٹ پادری اور امریکہ کے مقبول عام روزنامہ ڈیلی گزٹ کے ایڈیٹر مسٹر الیگزنڈر رسل وب کا حضور کی خدمت میں خط موصول ہوا کہ میں نے اسکاٹ صاحب ہمہ اوستی کے اخبار کے ایک تازہ پرچہ میں آپ کا خط پڑھا جس میں آپ نے ان کو حق دکھانے کی دعوت دی ہے اس لئے مجھ کو اس تحریک کا شوق ہوا۔ میں نے بدھ اور ہندو مت کی بابت بہت کچھ پڑھا ہے اور کسی قدر زردشت اور کنفیوشس کی تعلیمات کا بھی مطالعہ کیا ہے لیکن محمدؐ صاحب کی نسبت بہت کم...... میں راہ راست کی نسبت سخت متردد اور حق کا طلب گار

ہوں اور آپ سے اخلاص رکھتا ہوں۔ ۶ اس مراسلہ پر حضور نے انہیں ۱۷۔ دسمبر ۱۸۸۶ء کو مکتوب لکھا اور پھر باقاعدہ خط و کتابت جاری ہو گئی جس کے نتیجہ میں مسٹر الیگزنڈر روب مسلمان ہو گئے۔ ۷ اور یوں امریکہ کی تاریخ میں اسلام کی تبلیغ و اشاعت کی پہلی مہم کا آغاز ہوا۔

مسٹر وب کے اسلام کا جب ہندوستان میں چرچا ہوا تو بمبئی کے متدین مسلمان اور میمن تاجر حاجی عبداللہ صاحب اشاعت اسلام کے شوق میں ان کے پاس منیلا (فلپائن) پہنچے اور انہیں سفارت کے عہدے سے استعفیٰ دینے پر رضامند کر لیا۔ اور خود واپس آکر ہندوستان کے مشہور مسلم مشنری حضرت مولوی حسن علیؓ بھاگلپوری ۸ کے ذریعہ سے حیدر آباد میں ایک بھاری جلسہ منعقد کر کے چھ ہزار کا چندہ کیا اور روب صاحب کو استعفیٰ دے کر ہندوستان بلوا بھیجا۔ وہاں کیا دیر تھی فوراً استعفاء دیا بمبئی سے اترے حیدر آباد آئے تو انہوں نے مولوی صاحب سے اس خواہش کا اظہار کیا کہ حضرت مرزا صاحب میرے محسن ہیں اور انہی کے طفیل میں مسلمان ہوا ہوں اور ان کی زیارت کرنا چاہتا ہوں۔ اس وقت چونکہ علماء پنجاب کی مخالفت اور عوام کی شورش شروع ہو چکی تھی اس لئے وب صاحب کو مولوی صاحب اور حاجی صاحب نے یہی رائے دی کہ ایک ایسے "بدنام شخص" سے ملاقات کر کے اشاعت اسلام کے کام کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہے۔ چنانچہ وب صاحب لاہور تک آئے جہاں انہیں بعض لوگوں نے حضرت اقدسؑ سے ملاقات کی ترغیب بھی دلائی مگر وہ قادیان میں حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے بغیر ہندوستان کے مختلف شہروں کا دورہ کر کے امریکہ واپس پہنچے اور تبلیغ کا کام شروع کر دیا۔ مگر تبلیغ اسلام تو مامور وقت کے روحانی فیض اور اطاعت کی بدولت ہی ممکن تھی۔ محض مسلمانوں کی مالی اعانت کے بل بوتے پر اس کام میں کیا خیر و برکت ہوتی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ جن لوگوں نے اعانت کا وعدہ کیا تھا انہوں نے صریح بے رخی اختیار کر لی۔ اور مسٹر وب اپنے مشن میں ناکام ہو گئے۔ جس سے ان کے دل پر سخت چوٹ لگی اور حضرت اقدسؑ کی یاد تازہ ہو گئی چنانچہ انہوں نے حضرت مفتی محمد صادقؓ کے نام ایک خط میں حضرت اقدسؑ کی زیارت سے محرومی پر نہایت ندامت اور شرمساری کا اظہار کرتے ہوئے لکھا۔ جب میں ہندوستان گیا تو مجھے یقین تھا کہ مسلم بھائی میری مقدور بھر اعانت کریں گے لیکن جونہی یہاں کے عیسائیوں کی مخالفت کی خبر ہندوستان پہنچی وہاں کے "بے ایمان مسلمان" میرے مخالف ہو گئے۔ اور ہر طرح مجھے تکلیف پہنچانی چاہی۔ میرے ساتھ جو وعدے انہوں نے کئے تھے ان سب کو بھلا دیا۔ لیکن اب میری سمجھ میں آیا ہے کہ ان لوگوں نے ایسا کیوں کیا۔ دراصل بات یہ ہے کہ ان کا مذہبی علم صرف سطحی ہے اگر یہ لوگ میرے ساتھ وفاداری کا تعلق قائم رکھتے۔ تو باوجود میری کوششوں کے یہاں بھی اسلام کی ایک ایسی ہی بگڑی ہوئی شکل قائم ہو جاتی جیسی کہ ان لوگوں میں ہے۔ تاہم یہ

حقیقت ہے کہ اہل امریکہ گو سمجھتے ہیں کہ اسلام عرب میں پیدا ہوا تھا مگر اس کی تعلیم کے لئے ان کی نگاہیں ہندوستان ہی کی طرف اٹھ رہی ہیں

اس کے بعد مسٹر وب جب تک زندہ رہے حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور قادیان سے عقیدت مند رہے اور آخر دم تک سلسلہ مراسلت جاری رکھا۔ انہی کے ذریعہ سے امریکہ کے نو مسلم مسٹر اینڈرسن حضرت مفتی صاحب سے خط و کتابت کر کے ۲۶۔ ستمبر ۱۹۰۴ء کو داخل اسلام ہوئے۔ اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ان کا اسلامی نام احمد تجویز فرمایا[۹] انہیں حضرت اقدسؑ کی وفات کی خبر سن کر سخت صدمہ ہوا اور انہوں نے لکھا۔ "مرزا صاحب نے ایک بڑا کام پورا کیا اور سینکڑوں کے دلوں میں نور صداقت پھیلایا۔ جن تک غالباً صداقت کسی طرح نہ پہنچ سکتی تھی .... لاریب اس شخص کو خدا تعالیٰ نے اس بڑے کام کے واسطے برگزیدہ کیا تھا جو انہوں نے پورا کر دکھایا ہے۔ اور مجھے اس میں شک نہیں کہ وہ فردوس بریں میں اولیاء و انبیاء کی رفاقت سے لطف اندوز ہونگے"۔

"ایسے عظیم الشان اور نیک انسان کی وفات غمگین کرنے والی ہے لیکن چونکہ وہ اپنا کام ختم کر چکے تھے قادر مطلق کی مرضی یہی تھی کہ ان کی دینوی زندگی ختم ہو۔ انہوں نے ایک عظیم الشان کام کیا ہے اس لئے ان کا اجر بھی عظیم الشان ہو گا"۔[۱۰]

حضرت مولانا حسن علیؓ کے بیان کردہ واقعات

ہندوستان کے مشہور مسلم مشنری حضرت مولوی حسن علیؓ نے اپنی کتاب "تائید حق" میں مسٹر محمد الیگزینڈر روب اور امریکہ میں تبلیغ اسلام کے ابتدائی حالات لکھے ہیں جن کا یہاں درج کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے۔ آپ لکھتے ہیں۔ "حاجی عبداللہ عرب ایک میمن تاجر ہیں جو کلکتہ میں تجارت کرتے تھے۔ جب اللہ تعالیٰ نے لاکھ دو لاکھ کی پونجی کا ان کو سامان کر دیا تو ہجرت کر کے مدینہ میں جا بسے۔ وہاں باغوں کے بنانے میں بہت کچھ صرف کیا۔ بہت عمدہ عمدہ باغ تیار تو ہو گئے۔ لیکن عرب کے بدوؤں کے ہاتھوں پھل ملنا مشکل۔ آخر بیچارے پریشانی میں مبتلا ہو گئے۔ جدہ میں آکر ایک مختصر سی پونجی سے تجارت شروع کر دی بمبئی سے تجارتی تعلق ہونے کی وجہ سے ہندوستان میں بھی کبھی کبھی آجاتے ہیں۔ یہ بزرگ ایک نہایت اعلیٰ درجہ کا مومن ہے۔ اللہ نے اس شخص کو مادر زاد ولی بنایا ہے۔ اس کمال و خوبی کا مسلمان میری نظروں سے بہت ہی کم گزرا۔ مثل بچوں کے دل گناہوں سے پاک و صاف۔ خدا پر بہت ہی بڑا توکل۔ ہمت نہایت بلند۔ مسلمانوں کی خیر خواہی کا وہ جوش کہ صحابہؓ یاد آجائیں۔ اے خدا اگر عبداللہ عرب کے سے پانچ سو مسلمانوں کی جماعت بھی تو قائم کر دے تو ابھی مسلمانوں کی دنیا ہی بدل جائے۔ خدا نے اپنے فضل و کرم سے مجھ کو بھی کچھ تھوڑا سا جوش

اہل اسلام کی خیر خواہی کا عنایت فرمایا ہے۔ لیکن جب میں عبداللہ عرب کے جوش پر غور کرتا ہوں تو سر نیچا کر لیتا ہوں مجھ کو عبداللہ عرب کے ساتھ بڑا نیک ظن ہے اور وہ بھی مجھے محبت سے ملتے ہیں مجھ کو عبداللہ عرب کے ساتھ رہنے کا عرصہ تک موقعہ ملا ہے اگر میں ان کی روحانی خوبیوں کو لکھوں تو بہت طول ہو جائے گا۔ اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس آخری زمانہ میں بھی اس قسم کے مسلمان موجود ہیں۔ مکہ معظمہ میں نہر زبیدہ کی اصلاح کے لئے قریب چار لاکھ روپیہ چندہ ایک عبداللہ عرب صاحب کی کوشش سے جمع ہوا تھا۔ بمبئی میں عبداللہ عرب صاحب نے الیگزنڈر رسل وب سفیر امریکہ کے مسلمان ہونے کا حال سنا تو فوراً انگریزی میں خط لکھوا کر وب صاحب کے پاس روانہ کیا۔ وب صاحب نے بھی ویسے ہی گرم جوشی کے ساتھ جواب دیا۔ اور خواہش ظاہر کی کہ اگر آپ کسی طرح منیلا آسکتے ہیں تو امریکہ کے کام میں کچھ صلاح و مشورہ کیا جاتا۔ حاجی عبداللہ عرب صاحب کو حضرت پیر سید اشہد الدین جھنڈیوالے [۱۱] سے بیعت ہے شاہ صاحب کی بڑی عظمت عبداللہ عرب کے دل میں ہے۔ مجھ سے اس قدر تعریف ان کی بیان کی ہے کہ مجھ کو بھی مشتاق بنا دیا ہے کہ ایک بار پیر سید اشہد الدین صاحب کی ملاقات ضرور کروں۔ جب کوئی اہم کام پیش ہوتا ہے تو حاجی عبداللہ عرب صاحب اپنے پیرو مرشد سے صلاح ضروری لے لیتے ہیں۔ چنانچہ انہوں نے اپنے مرشد سے منیلا جانے کے بارے میں استفسار کیا۔ استخارہ کیا گیا شاہ صاحب نے کہا کہ ضرور جاؤ۔ اس سفر میں کچھ خیر ہے عبداللہ عرب صاحب نے مجھ کو خط لکھا کہ تو بھی منیلا چل۔ میں انگریزی نہیں جانتا اور وب صاحب اردو نہیں جانتے ایک مترجم ضروری ہے۔ اور ایک نو مسلم سے ملنا ہے نہ معلوم کہ اس بیچارے کو دین اسلام کے بارے میں کیا کچھ پوچھنے کی حاجت ہو۔ میں اس زمانہ میں کٹک میں تھا۔ کلکتہ میں حاجی صاحب میرا بہت انتظار کرتے رہے۔ مسلمانان کٹک نے مجھ کو جلد رخصت نہ دی آخر وہ ایک یوریشین نو مسلم کو لے کر منیلا چلے گئے۔ اس سفر میں حاجی صاحب کا ہزار روپیہ سے بالا صرف ہوا۔ وب صاحب سے ملاقات ہوئی تو یہ بات طے پائی کہ وب صاحب سفارت کے عہدہ سے استعفیٰ داخل کریں اور اشاعت اسلام کے لئے حاجی عبداللہ عرب صاحب چندہ جمع کریں۔ حاجی صاحب نے ہندوستان واپس آکر مجھ سے ملاقات کی اور میرے ذریعہ سے ایک جلسہ حیدر آباد میں قائم ہوا۔ جس میں چھ ہزار روپیہ چندہ بھی جمع ہوا۔ لیکن میں نے حاجی صاحب سے کہدیا کہ ابھی وب صاحب کو عہدہ سے علیحدہ ہونے کو نہ لکھو جب تک چندہ پورا جمع نہ ہو لے۔ حاجی صاحب نے اپنے جوش میں میری نہ سنی اور بمبئی سے تار دیا کہ سب ٹھیک ہے تم نوکری سے استعفاء داخل کر دو۔ چنانچہ وب صاحب نے ویسا ہی کیا اور ہندوستان آئے۔ میں بمبئی سے ساتھ ہوا۔ بمبئی۔ پونہ۔ حیدر آباد اور مدارس ساتھ رہا۔ حیدر آباد میں وب صاحب نے مجھ سے کہا

کہ جناب مرزا غلام احمد صاحب کا مجھ پر بڑا احسان ہے انہی کی وجہ سے میں مشرف باسلام ہوا۔ میں ان سے ملنا چاہتا ہوں۔ مرزا صاحب کی بدنامی کا جو قصہ میں نے سنا تھا ان کو سنایا۔ وب صاحب نے مرزا صاحب کو ایک خط لکھوایا جس کا جواب آٹھ صفحوں کا انہوں نے لکھا۔ اور مجھ کو لکھا کہ لفظ بلفظ ترجمہ کر کے وب صاحب کو سنا دینا۔ چنانچہ میں نے ایسا ہی کیا۔ وب صاحب نہایت شوق و ادب کے ساتھ حضرت اقدس کا خط سنتے رہے۔ خط میں حضرت اقدس نے اپنے اس دعویٰ کو معہ دلیل کے لکھا تھا پنجاب کے علماء کی مخالفت اور عوام میں شورش کا تذکرہ تھا۔ حضورؑ نے یہ بھی لکھا تھا کہ مجھ کو بھی تم سے (یعنی وب صاحب سے) ملنے کی بڑی خواہش ہے۔ وب صاحب' حاجی عبداللہ عرب اور میری ایک کمیٹی ہوئی کہ کیا کرنا چاہیئے۔ رائے یہی ہوئی کہ مصلحت نہیں ہے کہ ایسے وقت میں کہ ہندوستان میں چندہ جمع کرنا ہے ایک ایسے بدنام شخص سے ملاقات کر کے اشاعت اسلام کے کام میں نقصان پہنچایا جائے اب اس بد فیصلہ پر افسوس آتا ہے وب صاحب لاہور گئے تو اسی خیال سے قادیان نہ گئے لیکن بہت بڑے افسوس کی بات یہ ہے کہ ایک شخص نے وب صاحب سے پوچھا کہ آپ قادیان حضرت مرزا صاحب کے پاس کیوں نہیں جاتے تو انہوں نے یہ گستاخانہ جواب دیا کہ قادیان میں کیا رکھا ہوا ہے۔ لوگوں نے وب صاحب کے اس نامعقول جواب کو حضرت اقدس تک پہنچا بھی دیا غرض ہندوستان کے مشہور شہروں کی سیر کر کے وب صاحب تو امریکہ جا کر اشاعت اسلام کے کام میں سرگرم ہو گئے۔ دو ماہ تک میں وب صاحب کے ساتھ رہا۔ وب صاحب حقیقت میں آدمی معقول ہے اور اسلام کی سچی محبت اس کے دل میں پیدا ہو گئی ہے۔ مجھ سے جہاں تک ہو سکا ان کے معلومات بڑھانے خیالات کج کو درست کرنے اور مسائل ضروری کی تعلیم میں کوشش کی اور شیخ محمد میرا ہی رکھا ہوا نام ہے۔

جیسا کہ میں نے کہا تھا ویسا ہوا۔ ہندوستان کے مسلمانوں نے چندہ کا وعدہ تو کیا لیکن ادا ہوتا ہوا کہیں سے نظر نہیں آتا تھا۔ حاجی عبداللہ عرب صاحب نے بہت کچھ ہاتھ پاؤں مارے لیکن نرود میخ آہنی در سنگ۔ لاکھوں روپیہ خلاف شرع شریف خرچ کرنے میں مسلمان مستعد سرگرم ہی رہے اور اس بہت بڑے کام میں کچھ بھی نہ دیا۔ صرف رنگون اور حیدر آباد دکن سے تو کچھ کیا گیا۔ کل روپے جو میرے خیال میں بھیجے گئے وہ تیس ہزار ہوں گے جس میں حاجی عبداللہ صاحب عرب کا سولہ ہزار ہو گا۔ بیچارہ غریب حاجی اس نیک کام میں پس گیا۔

جب حاجی عبداللہ عرب صاحب چندہ کے فراہم نہ ہونے سے سخت بے چینی میں مبتلا ہوئے۔ تو اپنے پیر کی طرف متوجہ ہوئے اور حضرت سید اشہد الدین صاحب کی خدمت میں جا کر عرض کیا حضرت پیر صاحب نے استخارہ کیا۔ معلوم ہوا کہ انگلستان اور امریکہ میں حضرت مرزا غلام احمد صاحب کے

روحانی تصرفات کی وجہ (سے) اشاعت ہو رہی ہے ان سے دعا منگوانے سے کام ٹھیک ہو گا۔ دوسرے دن حاجی صاحب کو پیر صاحب نے خبر دی اس پر حاجی صاحب نے بیان کیا کہ جناب مرزا غلام احمد صاحب کی علماء پنجاب و ہند نے تکفیر کی ہے ان سے کیونکر اس بارہ میں کہا جائے اس بات کو سن کر شاہ صاحب نے بہت تعجب کیا اور دوبارہ اللہ کی طرف متوجہ ہوئے اور استخارہ کیا خواب میں جناب حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو دیکھا اور حضورؐ نے فرمایا کہ مرزا غلام احمد اس زمانہ میں میرا نائب ہے وہ جو کہے وہ کرو۔ صبح کو اٹھ کر شاہ صاحب نے کہا کہ اب میری حالت یہ ہے کہ میں خود مرزا صاحب کے پاس چلوں گا۔ اور اگر مجھ کو امریکہ جانے کو کہیں تو میں جاؤں گا۔ جب کہ حاجی عبداللہ عرب صاحب نے اور دوسرے صاحبوں نے خواب کا حال سنا اور پیر صاحب کے ارادہ سے واقف ہوئے تو مناسب نہ سمجھا کہ پیر صاحب خود قادیان جائیں سب نے عرض کیا کہ آپ کیوں تکلیف کرتے ہیں آپ کی طرف سے کوئی دوسرے صاحب مرزا صاحب کے پاس جاسکتے ہیں چنانچہ پیر صاحب کے خلیفہ عبداللطیف صاحب اور حاجی عبداللہ عرب صاحب قادیان گئے اور سارا قصہ بیان کر کے خواستگار ہوئے کہ حضرت اقدسؑ اس طرف متوجہ ہوں تا کہ اشاعت اسلام کا کام امریکہ میں عمدگی سے چلنے لگے۔

بیان مذکورہ بالا میں نے خود حاجی عبداللہ عرب صاحب سے سنا ہے اور جیسا کہ میں پہلے لکھ آیا ہوں حاجی صاحب کو میں ایک نہایت ہی اعلیٰ درجہ کا باخدا آدمی سمجھتا ہوں اس لئے اس خبر کو جھوٹ سمجھنے کی کوئی وجہ نہیں ہے جس حالت میں مرزا صاحب ایک بدنام شخص ہو رہے ہیں اور جھنڈے والے پیر صاحب ایک نامی آدمی ہیں عبداللہ عرب صاحب کوئی وجہ نہیں ہے کہ اپنے مرشد کے بارے میں ایک ایسا قصہ تصنیف کریں جس سے ظاہرا ان کا نقصان ہی نقصان ہے حاجی عبداللہ عرب صاحب سے مجھ کو ایک اور عجیب بات معلوم ہوئی کہ قسطنطنیہ میں سید فضل صاحب ایک باکمال بزرگ رہتے ہیں جن کو سلطان روم بہت پیار کرتے ہیں۔ سید فضل صاحب کے بزرگوں میں ایک شیخ گزرے ہیں جو صاحب کشف و کرامات تھے وہ اپنے ملفوظات میں لکھ گئے ہیں کہ آخری زمانہ میں مہدی علیہ السلام تشریف لاویں گے اور مغربی ملکوں میں ایک بہت بڑی قوم گورے رنگ والی حضرت مہدی علیہ السلام کی بڑی معین و مددگار ہو گی۔ اور وہ سب داخل اسلام ہو گی۔ واللہ اعلم بالصواب"۔ [۱۲]

سفر انبالہ

جون ۱۸۸۷ء میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام حضرت ام المومنین (نور اللہ مرقدھا) کی والدہ ماجدہؓ کی شدید بیماری کی خبر سن کر بغرض عیادت انبالہ چھاؤنی تشریف لے گئے۔ [۱۳] قادیان سے انبالہ

جاتے ہوئے حضور اہل و عیال سمیت مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی کے مکان پر ایک رات ٹھہرے تھے اور مولوی صاحب نے حضرت اقدسؑ اور آپ کے اہل بیت کی پر تکلف دعوت بھی کی تھی [۱۴]

تصدیق براہین احمدیہ کی تصنیف

پنڈت لیکھرام کی کتاب "تکذیب براہین احمدیہ" کا ذکر اوپر آچکا ہے چونکہ اس اشتعال انگیز کتاب کی تالیف و اشاعت میں ہندوؤں نے سرگرم حصہ لیا تھا۔ اور ہر طرف مسلمانوں کے خلاف جوش پھیل گیا تھا اس لئے اس کتاب کا تدارک از بس ضروری تھا۔ حضور دوسری خدمات دینیہ میں مصروف تھے جواب کے لئے حضرت اقدس کی نظر انتخاب حضرت مولانا نور الدین پر پڑی۔ چنانچہ حضور نے انہیں اس کی تحریک کرتے ہوئے ۲۶۔ جولائی ۱۸۸۷ء کو لکھا "آج ہمارے مخالف ہمارے مقابلہ پر ایک جان کی طرح ہو رہے ہیں اور اسلام کو صدمہ پہنچانے کے لئے بہت زور لگا رہے ہیں۔ میرے نزدیک آج جو شخص میدان میں آتا ہے اور اعلائے کلمۃ الاسلام کے لئے فکر میں ہے۔ وہ پیغمبروں کا کام کرتا ہے"۔ [۱۵] اس ارشاد پر مولانا نے "تصدیق براہین احمدیہ" ایسی لاجواب کتاب کی تصنیف فرمائی جو ۱۸۹۰ء میں شائع ہوئی۔ [۱۶]

حواشی

۱۔ ۲۷۔ جولائی ۱۸۸۶ء کا ایک اشتہار جو مطبع چشمہ نور افشاں امرتسر میں چھپا اس کا عنوان تھا "بیل نہ کودا کودی گون"۔ ایک رسالہ کا عنوان تھا "سرمہ چشم آریہ کی حقیقت اور فن فریب غلام احمد کی کیفیت" (بحوالہ "شحنہ حق" صفحہ ۲ طبع دوم)

۲۔ (ترجمہ اشعار) ہم موت سے نہیں ڈرتے ہم نے ایسا خوف دل سے نکال دیا ہے ہم تو اسی دن سے مر چکے ہیں جس دن سے ہم نے غیر سے اپنا دل ہٹالیا ہے ہم نے اس پیارے (خدا) کی راہ میں جان و دل فدا کر دیا اگر وہ ہماری جان بھی مانگے تو ہم شوق سے حاضر کر دیں گے۔

۳۔ شحنہ حق صفحہ ۳۔ ۴ حاشیہ (طبع دوم)

۴۔ "شحنہ حق" صفحہ ج

۵۔ تشحیذ الاذہان جون و جولائی ۱۹۰۸ء صفحہ ۱۴۔

۶۔ "شحنہ حق"۔

۷۔ مسٹر محمد الیگزنڈر وب کی مختصر سوانح حیات۔ ۱۸۴۶ء میں امریکہ کے شہر ہڈسن علاقہ نیویارک میں پیدا ہوئے۔ والد ایک مشہور صحافی اور ملکی اخبار کے مدیر تھے اس لئے کالج کی تعلیم کے بعد صحافت ہی کے میدان کا انتخاب کر کے ایک ہفت روزہ اخبار جاری کیا اور جلد ہی قبولیت عامہ کی سند حاصل کی اور مشہور روزنامہ "جوزف مسوری ڈیلی گزٹ" کی ادارت سنبھالنے کی دعوت دی گئی اس کے بعد کئی اور اخبارات ان کے سپرد ہوئے اور پھر وب صاحب کی سیاسی قابلیت اور علمی شہرت ولیاقت کی یہاں تک دھوم مچی کہ حکومت امریکہ نے انہیں فلپائن میں اپنا سفیر مقرر کر دیا۔ ۱۸۷۲ء میں وہ عیسائیت سے برگشتہ ہو گئے اور برسوں لادینی کی حالت میں رہے دنیا کے مختلف مذاہب مثلاً بدھ مت وغیرہ کا مطالعہ کیا مگر کہیں تسلی نہیں ہوئی اسی زمانے میں حضور کا انگریزی اشتہار ملا جب داعی حق کی یہ آواز سنی تو امید کی کرن دیکھ کر حضرت اقدس سے خط و کتابت شروع کر دی اور بالآخر اسلام لے آئے۔ (ماخوذ از رسالہ "تائید حق" صفحہ ۸۳۔ ۸۴ طبع سوم مرتبہ مولانا حسن علیؓ)

۸۔ ولادت ۲۲۔ اکتوبر ۱۸۵۲ء وفات ۱۸۹۶ء۔ ۳۱۳ اصحاب کبار میں آپ کا نام ۹۱ نمبر پر درج ہے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے متعلق ایک دفعہ فرمایا۔ "مولوی حسن علی صاحب بھاگلپوری گریجوایٹ نہ تھے مگر انگریزی کی ان میں اتنی قابلیت تھی کہ ہزاروں آدمی جمع ہو جاتے تھے اور ان کی تقریر سنتے تھے وہ اسی طرح بغیر کسی معاوضہ کی دین کی خدمت کے لئے پھرتے تھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ حضرت مسیح موعودؑ کے لئے بطور شاہد کے تھے"۔ (الفضل ۳۔ جولائی ۱۹۲۲ء صفحہ ۷ کالم نمبر ۱) نیز فرمایا۔ "انہوں نے ایک کتاب "تائید حق" بھی لکھی ہے۔ جو نہایت اعلیٰ درجہ کی کتاب ہے۔ میں نے ایک دفعہ اس کتاب کو پڑھنا شروع کیا۔ تو میں اس وقت تک سویا نہیں جب تک کہ میں نے اس ساری کتاب کو ختم نہ کر لیا۔ مولوی صاحب شروع شروع میں ایمان لائے پھر احمدیت کی تبلیغ کے لئے ملک کے مختلف علاقوں میں پھرتے رہے"۔ (الفضل ۱۱۔ جنوری ۱۹۵۸ء صفحہ ۳ کالم ۴)

پروفیسر آرنلڈ نے اپنی کتاب (The Preaching of Islam) (اشاعت اسلام صفحہ ۲۸۳) میں اخبار "مسلم کرانیکل" (۴۔ اپریل ۱۸۹۶ء) کے حوالہ سے ان کی مختصر سوانح بھی درج کی ہے اور ان کی شاندار تبلیغی خدمات کا تذکرہ کیا ہے۔

۹۔ "ذکر حبیب" صفحہ ۳۸۱ تا ۳۹۰ (از حضرت مفتی محمد صادق صاحبؓ)

۱۰۔ ترجمہ: مکتوب ۳۰۔ اگست و ۳۔ ستمبر ۱۹۰۸ء (بحوالہ "حیات احمد" جلد دوم نمبر ۳ صفحہ ۲۰۷۔ ۲۰۸)

۱۱۔ یہ پیر صاحب ضلع حیدر آباد سندھ تحصیل ہالہ میں رہتے ہیں ان کے لاکھوں لاکھ مرید ہیں اور علاقہ سندھ میں لوگ ان کی بڑی قدر کرتے ہیں ان کی کرامات بزرگی کے سب قائل ہیں۔ منہ

۱۲۔ "تائید حق" صفحہ ۸۴۔ ۸۹ (طبع سوم)

۱۳۔ "لائف آف احمد" صفحہ ۱۲۴

۱۴۔ "سیرۃ المہدی" حصہ دوم صفحہ ۹۵

۱۵۔ "حیات احمد" جلد دوم نمبر سوم ۲۰۹ صفحہ ۲۱۰

۱۶۔ نکودر ضلع جالندھر کے ایک عرائض نویس شہاب الدین غوری نے بھی اس کے جواب میں ایک کتاب "تائید براہین احمدیہ" لکھی جو ۱۸۹۱ء میں قیصری پریس جالندھر سے طبع ہوئی۔ ("لائف آف احمد" صفحہ ۱۲۴)

ماموریت کا ساتواں سال

حضرت اقدس مسیح موعودؑ کے جدی خاندان سے متعلق خدا تعالیٰ کا ایک قہری نشان

(۱۸۸۸ء)

مولوی محمد امام الدین صاحب سے خط و کتابت منٹگمری میں ایک صاحب مولوی محمد امام الدین "فاتح الکتاب المبین" ہوتے تھے جو مسلمانوں میں یہ ملحدانہ عقیدہ پھیلانے میں مصروف رہتے تھے کہ قرآن شریف سے قبل کی آسمانی کتابیں ہنوز قابل عمل ہیں اور قرآن شریف کے نزول سے منسوخ نہیں ہوئیں۔ اس سلسلہ میں انہوں نے بعض اہل اسلام کی تحریک پر حضرت اقدس کی خدمت میں بھی ۲۲۔ اپریل ۱۸۸۸ء کو ایک خط لکھا۔ حضرت اقدسؑ نے اس کے جواب میں ۲۸۔ اپریل ۱۸۸۸ء کو ایک مفصل مکتوب تحریر فرمایا جس میں آپ نے اس فتنہ انگیز خیال کی تردید میں لکھا۔ "میری دانست میں آپ نے ایک ایسا فضول اور بے بنیاد دعویٰ اپنے ذمہ لے لیا ہے جس کا ثبوت آپ کے لئے محال اور ممتنع ہے۔ بینات قرآنی سے آپ کیوں بھاگتے ہیں۔ کیا کبھی قرآن شریف کی تلاوت کا بھی اتفاق نہیں ہوا۔ اللہ جل شانہ فرماتا ہے۔ یَتْلُوْا صُحُفًا مُّطَهَّرَةً فِيهَا كُتُبٌ قَيِّمَةٌ۔ سو جس حالت میں اللہ جل شانہ آپ فرماتا ہے کہ تمام پاک صداقتیں جو پہلی کتابوں میں تھیں اس کتاب میں درج ہیں تو آپ ایسی جامع کتاب کو کیوں نظر تحقیر سے دیکھتے ہیں آپ کے لئے یہ طریق بہتر ہے کہ چند پاک صداقتیں کسی پہلی کتاب کی جو آپ کے گمان میں قرآن شریف میں نہیں پائی جاتیں اس عاجز کے سامنے پیش کریں پھر اگر یہ عاجز قرآن شریف سے وہ صداقتیں دکھلانے میں قاصر رہا تو آپ کا دعویٰ خود بخود ثابت ہو جائیگا کہ ایسی ضروری

اور پاک صداقتیں قرآن شریف میں نہ پائی گئیں۔ ورنہ آپ کو اس غایت درجہ کی بے ادبی سے توبہ کرنی چاہیئے کہ جس کتاب کا نام اللہ جل شانہ' نے جامع الکتاب اور نور مبین رکھا ہے آپ اس کتاب کو ناقص ٹھہراتے ہیں" ۱ اگلے سال ۳۰ ستمبر ۱۸۸۹ء کو حضرت اقدس نے ان کے نام ایک اور مکتوب میں بائبل کی قلعی کھولتے ہوئے لکھا۔ "انجیل اور توریت کی حالت کی نسبت یہ آیت نہایت موزون معلوم ہوتی ہے۔ وَاِثْمُهُمَآ اَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا انہوں نے اپنی قوم کو جن کے ہاتھ میں صدہا سال سے یہ کتابیں ہیں کیا فائدہ پہنچایا ہے۔ جو آپ کو بھی پہنچائیں گی جن کے گندے اور غیر مہذب بیانات کے بڑے فاضل انگریز جان پورٹ ولائل وغیرہ جیسے قائل ہو گئے ہیں آپ نے ان میں کیا دیکھ لیا کہ آپ قائل نہیں ہوتے۔ خدا تعالیٰ رحم کرے"۔ ۲ حضرت اقدسؑ کے ان زبردست دلائل سے مولوی امام الدین صاحب دم بخود رہ گئے۔

آپ کے جدی خاندان کی طرف مخالفین اسلام کی پشت پناہی

آریہ قوم پوری بے حجابی سے آنحضرت ﷺ اسلام اور آپ کے خلاف دشنام طرازی اور گندہ دہنی کا مظاہرہ کر رہی تھی کہ عیسائی پادری سستی شہرت کی خاطر میدان مقابلہ میں اتر آئے۔ حضور نے نشان نمائی کا جو چیلنج دے رکھا تھا چونکہ مسیحی دنیا اس کے جواب سے بالکل عاجز اور بے بس تھی۔ اس لئے وہ آپ کے دعویٰ الہام و کلام پر تنقید کر کے اسلام کی سچائی مخدوش ثابت کرنے کے لئے کسی موزوں موقعہ کی تلاش میں تھی۔ جو مئی ۱۸۸۸ء میں حضور کے نام نہاد خاندان نے پیدا کر دیا۔

جیسا کہ اوپر اشارۃً ذکر آچکا ہے کہ حضرت اقدسؑ کے چچازاد بھائی مرزا نظام الدین' امام الدین اور ان کے لگے بندھے احمد بیگ وغیرہ اسلام کے بدترین مخالف تھے۔ اور رسول اللہ ﷺ کی شان اقدس میں گستاخانہ کلمات بلکہ گندی گالیوں کا استعمال ان لوگوں کا عام شیوہ ہو چکا تھا۔ ہر نوع کی رسوم قبیحہ کے خوگر' عقائد باطلہ کے عاشق اور بدعات شنیعہ میں مستغرق رہنے کو فخر محسوس کرتے تھے اور اسلام کے معاندین کی صف اول میں شامل تھے۔ وہ خدا جس نے صنم کدوں سے کعبے کے پاسبان پیدا کر ڈالے اس نے اس زمانہ میں بھی کفر کے اسی گہوارہ سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو کھڑا کر دیا۔ اور دیگر تمام مذاہب پر اسلام کو ابدی غلبہ بخشنے کے لئے آپ کو خلعت ماموریت سے سرفراز فرمایا۔ جس پر یہ ظالم آتش زیر پا ہو کر آپ کے خلاف پوری قوت سے اٹھ کھڑے ہوئے۔ اور نہ صرف آپ کو ایک مکار اور فریبی قرار دیا۔ بلکہ یہاں تک کہا کہ ہم کسی کلام کرنے والے یا قضاء و قدر کے مالک اور وحی کنندہ خدا کو نہیں جانتے۔ یہ محض ڈھونگ اور مکر و فریب ہے جو شروع سے چلا آیا ہے اور قرآن محمد (

ﷺ) کی تصنیف ہے خدا کا الہام نہیں ہو سکتا۔

ایک روح فرسا واقعہ

یہ بد زبانیاں پورے زوروں پر تھیں کہ ایک شخص حضورؑ کی خدمت میں روتا چلاتا پہنچا۔ حضرت اقدس نے گھبرا کر پوچھا کہ کیا کسی فوت شدہ کی خبر آئی ہے؟ اس نے کہا اس سے بھی بڑھ کر۔ چنانچہ اس نے بتایا کہ میں ان عدوان دین کے پاس تھا کہ ان میں سے ایک بد بخت نے آنحضرت ﷺ کی شان مبارک میں وہ گندے الفاظ استعمال کئے کہ ایسے کلمات کسی کافر سے بھی نہیں سنے گئے۔ یہی نہیں انہوں نے خدا تعالیٰ کی شان اقدس میں بھی قبیح الفاظ کہے اور قرآن مجید کو نہایت بے دردی سے اپنے پاؤں تلے روند کر بے حرمتی کی۔ حضرت اقدس نے اسے فرمایا کہ میں نے پہلے بھی ان کے پاس بیٹھنے سے منع کیا تھا۔ پس خدا سے ڈرو اور توبہ کرو۔ [۲]

نشان نمائی کا مطالبہ

پھر ان کی خدا نا ترسی کی انتہا یہ ہوئی کہ ان کی شوخی اور بد زبانی کا حلقہ پرائیویٹ مجالس سے نکل کر پبلک کے اخبارات تک وسیع ہو گیا۔ چنانچہ جیسا کہ اوپر ذکر آچکا ہے۔ وہ حضرت اقدس کی دعوت نشان نمائی پر ہندوؤں کی پیٹھ ٹھونکتے ہوئے لیکھرام کو خود بلا کر قادیان لائے اور سخت فتنہ کھڑا کیا اور راگست ۱۸۸۸ء میں اخبار "چشمہ نور امرتسر" سے آپ کے خلاف ایک انتہائی دل آزار اور زہریلا خط بھی شائع کیا جس میں انہوں نے خدا کی ہستی کے ثبوت میں نہایت بے باکی کے ساتھ اپنے متعلق نشان کا مطالبہ کرتے ہوئے کہا کہ ہم صرف اسی نشان کو نشان قرار دیں گے جو اللہ تعالیٰ ان کی ذات کے متعلق ظاہر کرے گا۔ یہ خط چونکہ آنحضرت ﷺ اور قرآن مجید کے خلاف گالیوں سے پر تھا۔ اس لئے ہندوستان کے غیر مسلموں بالخصوص عیسائیوں نے اسے خوب اچھالا اور ملک کے طول و عرض میں بڑے وسیع پیمانے پر اس کی اشاعت ہوئی۔

حضرت مسیح موعودؑ کی دعا اور الٰہی خبر

اسلام کے خلاف اپنے رشتہ داروں کی یہ منظم مخالفت دیکھ کر حضور کو شدید تکلیف پہنچی۔ اشتہار کے ایک ایک لفظ سے شرارت ٹپکتی تھی۔ اور مضمون اتنا گندہ تھا کہ آسمان پھٹ جاتا تو بعید نہ تھا اور جسے اسلام کا کوئی ادنیٰ ہمدرد بھی پڑھتا تو قطعاً برداشت نہ کر سکتا۔ پھر آپ جو عظیم ترین عاشق رسول تھے وہ کیونکر برداشت کر سکتے۔ چنانچہ جونہی حضور نے یہ اشتہار دیکھا آپ کی آنکھوں سے بے اختیار آنسو رواں ہو گئے۔ آپ نے دروازہ بند کر لیا اور آہ و بکا کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے حضور سجدہ میں گر گئے اور یہ پر زور دعا کی کہ اے رب! اے رب! اپنے بندے کی نصرت فرما اور اپنے دشمنوں کو ذلیل و رسوا کر دے اے میرے رب میری التجا سن اور اسے قبول فرما یہ کب تک تیرا اور تیرے رسول

ﷺ کا مذاق اڑائیں گے۔ کہاں تک تیری کتاب کی تکذیب کریں گے اور تیرے نبی ﷺ کو گالیاں دیتے رہیں گے۔ اے ازلی ابدی اے مددگار خدا! میں تیری رحمت کا واسطہ دے کر تیرے حضور فریاد کرتا ہوں"۔ ۴

اللہ تعالیٰ نے یہ گریہ وزاری سن کر آپ کو الہاماً بتایا کہ میں نے ان کی بدکرداری اور سرکشی دیکھی ہے میں ان پر طرح طرح کی آفات ڈال کر انہیں آسمان کے نیچے سے نابود کر دوں گا۔ اور تم جلد دیکھو گے کہ میں ان کے ساتھ کیا سلوک کرتا ہوں اور ہم ہر ایک بات پر قادر ہیں۔ میں ان کی عورتیں بیوہ' ان کے بچے یتیم اور ان کے گھر ویران کر ڈالوں گا۔ اور اس طرح وہ اپنی باتوں اور کارروائیوں کا مزہ چکھیں گے۔ لیکن میں انہیں یکایک ہلاک نہیں کروں گا بلکہ تدریجاً پکڑوں گا تا انہیں رجوع اور توبہ کا موقعہ ملے۔ میری لعنت ان پر' ان کے گھروں پر' ان کے چھوٹوں اور بڑوں پر' ان کی عورتوں اور مردوں پر (بلکہ) ان کے گھر میں داخل ہونے والے مہمان پر بھی نازل ہوگی۔ اور ان تمام پر لعنت برسے گی اور صرف انہی لوگوں پر رحم کیا جائے گا جو ایمان لائیں۔ مناسب حال عمل کریں۔ ان سے تعلقات منقطع کرلیں۔ اور ان کی مجالس سے کنارہ کش ہو جائیں"۔ ۵

اس کے بعد سفر ہوشیار پور میں آپ کو محمدی بیگم کی نانی اور مرزا احمد بیگ کی خوشدامن کے متعلق الہام ہوا۔ "رَئَیْتُ هٰذِهِ الْمَرْاَةَ وَاَثَرَ الْبُکَاءِ عَلٰی وَجْهِهَا فَقُلْتُ اَیَّتُهَا الْمَرْاَةُ تُوْبِیْ تُوْبِیْ فَاِنَّ الْبَلَاءَ عَلٰی عَقِبِکِ وَالْمُصِیْبَةُ نَازِلَةٌ عَلَیْکِ یَمُوْتُ وَیَبْقٰی مِنْهُ کِلَابٌ مُتَعَدِّدَةٌ"۔ ۶

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنے خدا کا یہ انذاری پیغام اصولی رنگ میں اپنے رشتہ داروں تک پہنچا دیا۔ لیکن وہ توبہ کرنے کی بجائے اور زیادہ خود سری پر اتر آئے جس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے بتایا گیا کہ ہم انہیں رلانے والے نشانات دکھائیں گے اور ان پر عجیب و غریب ہموم و امراض نازل کریں گے۔ ان کا عرصہ حیات تنگ کر دیں گے وہ پے در پے آفات کا نشانہ بنیں گے اور کوئی انہیں بچانے والا نہیں ہو گا۔ چنانچہ ان کی تباہی کے موعودہ آثار شروع ہو گئے خدا تعالیٰ نے مختلف غموں اور قرضوں کے بوجھ سے ان کی کمریں توڑ دیں۔ موت فوت کے دروازے ان پر کھول دیئے۔ اور وہ قسم قسم کے مصائب میں گھر گئے یہ حالت دیکھ کر بھی یہ بد زبان باز نہ آئے۔ بلکہ ان کے دلوں کی کجی میں اور بھی اضافہ ہو گیا۔ اب آسمانی قضاء کے نزول کا وقت بالکل قریب آگیا اور بظاہر کوئی حالت منتظرہ باقی نہیں تھی مگر خدا تعالیٰ نے جو محض ان کے رجوع اور توبہ کی غرض سے اپنے عذاب میں تاخیر فرمائی۔ اس میں اپنی صفت رحیمیت کے تحت ایک آخری اور مشروط مگر عجیب صورت پیدا کر دی۔

مرزا احمد بیگ کی دختر محمدی بیگم سے متعلق خدائی تحریک

یہ لوگ اسلامی تعلیم کے خلاف اور ہندو تہذیب کے زیر اثر یہ خیال کرتے تھے کہ کسی لڑکی کا اس کے غیر حقیقی (یعنی رشتہ کے) ماموں سے نکاح حرام ہے اور صاف کہتے تھے کہ ہمیں اسلام اور قرآن سے کچھ غرض نہیں۔ [۷] نیز وہ آنحضرت ﷺ سے اپنی پھوپھی زاد بہن زینب کے نکاح پر بھی سخت معترض تھے۔ وہ خدا جس نے تبنیت کی رسم مٹانے کے لئے آنحضرت ﷺ کو یہ حکم دیا تھا کہ وہ زید کی مطلقہ بیوی کو اپنے نکاح میں لائیں۔ اسی طرح یہ رسم مٹانے کے لئے کہ کسی لڑکی کا غیر حقیقی ماموں سے نکاح حرام ہے اس نے آنحضرت ﷺ کے حقیقی خادم حضرت مرزا غلام احمد کو بھی یہ حکم دیا کہ آپ مرزا احمد بیگ سے اس کی بڑی لڑکی محمدی بیگم [۸] کے لئے سلسلہ جنبانی کریں اور اس سے کہہ دیں کہ تمام سلوک و مروت تم سے اسی شرط پر کیا جائے گا۔ اور یہ نکاح تمہارے لئے موجب برکت اور ایک رحمت کا نشان ہو گا اور ان تمام برکتوں اور رحمتوں سے حصہ پاؤ گے جو اشتہار ۲۰۔ فروری ۱۸۸۶ء میں درج ہیں۔ لیکن اگر انحراف کیا۔ تو اس کا دوسری جگہ نکاح نہ لڑکی کے لئے مبارک ثابت ہو گا نہ تمہارے لئے اور اگر تم باز نہیں آؤ گے تو کئی مصیبتیں تمہارے خاندان پر وارد ہوں گی اور آخری مصیبت تیری موت ثابت ہو گی تو نکاح کے تین سال کے اندر اندر مر جائے گا۔ تو غافل ہے مگر تیری موت تیرے قریب ہی منڈلا رہی ہے اسی طرح تیری لڑکی کا خاوند بھی اڑھائی سال کے اندر اندر لقمہ اجل بن جائے گا۔ [۹] اور ان دونوں کی موت کے بعد ہم یہ لڑکی آپ کی طرف واپس لائیں گے۔

دوسری شادی اپنے مخصوص حالات کی وجہ سے آپ کو ناگوار خاطر تھی۔ اور آپ نے ابتداء ہی سے یہ عہد کر رکھا تھا کہ "کیسا ہی موقعہ پیش آوے جب تک اللہ کی طرف سے صریح حکم سے اس کے لئے مجبور نہ کیا جاؤں تب تک کنارہ کش رہوں کیونکہ تعدد ازدواج کے بوجھ اور مکروہات از حد زیادہ ہیں۔ اور اس میں خرابیاں بہت ہیں اور وہی لوگ ان خرابیوں سے بچے رہتے ہیں جن کو اللہ جل شانہ' اپنے ارادہ خاص سے اور اپنی کسی خاص مصلحت سے اور اپنے خاص اعلام و الہام سے اس بار گراں کے اٹھانے کے لئے مامور کرتا ہے۔ تب اس میں بجائے مکروہات کے سراسر برکات ہوتے ہیں"۔ [۱۰]
لیکن اب جو یہ خدائی تحریک ہوئی تو حضور نے محض خدائی حکم کی تعمیل کے لئے مرزا احمد بیگ کو خط لکھا جس میں آپ نے الٰہی حکم پہنچاتے ہوئے لکھا کہ میں یہ مکتوب اپنی طرف سے نہیں بلکہ خدا تعالیٰ کے حکم سے لکھ رہا ہوں اسے محفوظ رکھو کہ یہ صدوق و امین خدا کی طرف سے ہے اللہ تعالیٰ شاہد ہے کہ میں اس بارہ میں سچا ہوں اور جو کچھ میں نے وعدہ کیا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ اور میں نے

از خود نہیں کہا بلکہ خدائے تعالیٰ نے الہام کے ذریعہ سے مجھ سے کہلوایا۔ اور یہ میرے رب کا حکم تھا سو میں نے پورا کر دیا۔ مجھے تیری اور تیری بیٹی کی کوئی ضرورت نہ تھی اور نہ مجھ پر کوئی تنگی ہے اور عورتیں تیری بیٹی کے علاوہ بہت ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ صالحین کا والی ہے۔ پس اگر مدت مقررہ گزر جائے اور سچائی ظاہر نہ ہو۔ (یعنی تمہاری موت دکھ وغیرہ ظاہر نہ ہوں) تو میری گردن میں رسی اور پاؤں میں بیڑیاں ڈالنا اور مجھے وہ دکھ دینا جو کسی کو نہ دیا گیا ہو تم نے خدا تعالیٰ سے نشان طلب کیا تھا۔ پس یہ تمہارے لئے خدا کا نشان ہے۔ [۱۱]

پیشگوئی کا پبلک حیثیت اختیار کرنا

اس مرحلے پر مرزا احمد بیگ اور اس کے دست راست مرزا نظام الدین اور مرزا امام الدین وغیرہ کی مخالفت انتہا تک پہنچ گئی اور مرزا نظام الدین نے حضرت اقدسؑ کا پہلا خط جو محض پرائیویٹ رنگ میں تھا عیسائیوں کے اخبار نور افشاں (۱۰۔ مئی ۱۸۸۸ء) میں شائع کرا دیا جس سے اس پیشگوئی کو ایک پبلک حیثیت حاصل ہو گئی۔ حالانکہ حضرت اقدس نے محض خط پر ہی اکتفاء فرمایا تھا اور آپ کو ان کی دل شکنی کے خیال سے اسے پبلک میں لانے کا خیال تک بھی نہیں تھا۔

"نور افشاں" کا طوفان بے تمیزی اور حضرت اقدسؑ کا جواب

اس خط کا ہاتھ آنا تھا کہ عیسائیوں نے (جو اسلام کے زندہ مذہب ہونے کے متعلق آپ کے چیلنج سے تنگ آکر کسی موقعہ کی تلاش میں تھے) اس کی آڑ میں آنحضرت ﷺ اور آپ کے خلاف ایک طوفان بے تمیزی برپا کر دیا۔ خود ایڈیٹر اخبار "نور افشاں" نے اس پر عجیب طرح کی زبان درازی کی۔ اور ایک صفحہ اخبار کا سخت گوئی اور دشنام دہی میں ہی سیاہ کیا۔ اور تعدد ازدواج کو زنا اور حرامکاری قرار دیا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ۱۰۔ جولائی ۱۸۸۸ء کو اشتہار شائع فرمایا۔ جس میں "نور افشاں" کی بدلگامی پر بائبل کی روشنی میں دندان شکن جواب دیئے اور پیشگوئی کا پس منظر بتاتے ہوئے لکھا کہ یہ پیش گوئی ایسی نہیں کہ جو پہلے پہل اسی وقت ظاہر کی گئی ہے بلکہ مرزا امام الدین، مرزا نظام الدین اور اس جگہ کے تمام آریہ اور نیز لیکھرام پشاوری اور صدہا دوسرے لوگ خوب جانتے ہیں کہ کئی سال ہوئے ہم نے اسی کے متعلق مجملاً ایک پیشگوئی کی تھی یعنی یہ کہ ہماری برادری میں سے ایک شخص احمد بیگ نام فوت ہونے والا ہے۔ اب منصف مزاج آدمی سمجھ سکتا ہے کہ وہ پیشگوئی اس پیشگوئی کا ایک شعبہ تھی یا یوں کہو یہ تفصیل اور وہ اجمال تھی۔ اور اس میں تاریخ اور مدت ظاہر کی گئی اور اس میں تاریخ اور مدت کا کچھ ذکر نہ تھا اور اس میں شرائط کی تصریح کی گئی اور وہ ابھی اجمالی حالت میں تھی۔ سمجھدار آدمی کے لئے یہ کافی ہے کہ پہلی

پیش گوئی اس زمانہ کی ہے کہ جب کہ ہنوز وہ لڑکی نابالغ تھی اور جب کہ یہ پیش گوئی بھی اس شخص کی نسبت ہے جس کی نسبت اب سے پانچ برس پہلے کی گئی تھی۔ یعنی اس زمانہ میں جب کہ اس کی یہ لڑکی آٹھ یا نو برس کی تھی۔ تو اس پر نفسانی افترا کا گمان کرنا اگر حماقت نہیں تو اور کیا ہے۔؟" [۱۲]

نیز فرمایا "ہمیں اس رشتہ کی درخواست کی کچھ ضرورت نہیں تھی۔ سب ضرورتوں کو خدا تعالیٰ نے پورا کر دیا تھا اولاد بھی عطا کی اور ان میں سے وہ لڑکا بھی جو دین کا چراغ ہو گا۔ بلکہ ایک اور لڑکا ہونے کا قریب مدت تک وعدہ دیا۔ جس کا نام محمود احمد ہو گا۔ اور اپنے کاموں میں اولوالعزم نکلے گا پس یہ رشتہ جس کی درخواست کی گئی ہے محض بطور نشان کے ہے تا خدا تعالیٰ اس کنبہ کے منکرین کو اعجوبہ قدرت دکھلاوے اگر وہ قبول کریں تو برکت اور رحمت کے نشان ان پر نازل کرے اور ان بلاؤں کو دفع کر دیوے جو نزدیک چلی آتی ہیں لیکن اگر وہ رد کریں تو ان پر قہری نشان نازل کر کے ان کو متنبہ کرے۔ [۱۳]

تاریخ سے ثابت ہے کہ ماموروں کے جسمانی رشتہ داروں پر بھی اس مامور کی وجہ سے فضل و رحم ہوتا ہے چنانچہ رسول اکرم ﷺ نے جب مختلف خواتین کو اپنے نکاح میں لیا تو ان کے خاندانوں پر یہ رحمت و برکت ہوئی کہ انہیں ہدایت نصیب ہو گئی۔ چنانچہ تاریخ سے ثابت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت صفیہؓ بنت حی بن اخطب (وفات ۵۰ھ) اور قبیلہ بنو مصطلق کے سردار حارث کی بیٹی حضرت جویریہؓ (وفات ۵۰ھ) سے عقد کیا تو ان کے خاندان کے اکثر افراد بلکہ بعض کی پوری قوم حلقہ بگوش اسلام ہو گئی اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح موعودؑ کے خاندان پر بھی اس رنگ میں رحمت و برکت نازل کرنے کا ارادہ فرمایا اور حضرت اقدس نے احمد بیگ کو پہلے خط میں الہام الٰہی کے مطابق صاف صاف خبر دیدی کہ "اگر آپ اپنی دختر کلاں کا رشتہ منظور کریں تو وہ تمام نحوستیں آپ کی اس رشتہ سے دور کر دیگا اور آپ کو آفات سے محفوظ رکھ کر برکت پر برکت دے گا۔ اور اگر رشتہ وقوع میں نہ آیا تو آپ کے لئے دوسری جگہ رشتہ کرنا ہرگز مبارک نہ ہو گا۔ اور اس کا انجام درد اور تکلیف اور موت ہو گی یہ دونوں طرف برکت اور موت کی ایسی ہیں جن کو آزمانے کے بعد میرا صدق اور کذب معلوم ہو سکتا ہے (اب جس طرح چاہو آزمالو)" [۱۴]

مرزا احمد بیگ سے متعلق پیشگوئی

مسلمانوں کی طرف سے پیشگوئی کے ظہور کے لئے دعائیں

چونکہ کفر و اسلام کا ایک بہت بڑا معرکہ تھا۔ اس لئے اس زمانہ میں مسلمان اس پیشگوئی کے ظہور کے لئے دعائیں کرتے تھے چنانچہ (سلسلے کے ایک شدید مخالف قاضی فضل احمد صاحب کی روایت کے

مطابق) حضرت اقدسؑ ۱۷- جولائی ۱۸۹۰ء کے ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں۔ "ہزاروں پادری شرارت سے نہیں بلکہ حماقت سے منتظر ہیں کہ یہ پیشگوئی جھوٹی نکلے تو ہمارا پلہ بھاری ہو۔ لیکن یقیناً خدا تعالیٰ ان کو رسوا کرے گا۔ اور اپنے دین کی مدد کرے گا۔ میں نے لاہور میں جاکر معلوم کیا کہ ہزاروں مسلمان مساجد میں نماز کے بعد اس پیشگوئی کے ظہور کے لئے بصدق دل دعا کرتے ہیں سو یہ ان کی ہمدردی اور محبت ایمانی کا تقاضا ہے"۔ ۱۵

پیشگوئی کے بعض حیرت انگیز پہلو

مرزا احمد بیگ کی وفات سے متعلق تو پہلے ہی اجمالی طور پر خبر موجود تھی۔ مگر قدرت نے جب تفصیلات کی گرہیں کھولیں تو اس میں ضمناً کئی حیرت انگیز پیشگوئیاں نکل آئیں۔ مثلاً اول۔ نکاح سے انحراف ضرور ہوگا۔ دوم۔ نکاح کے وقت تک حضرت اقدس زندہ رہیں گے۔ سوم۔ نکاح کے وقت تک مرزا احمد بیگ بھی زندہ رہے گا۔ چہارم۔ نکاح کے وقت تک محمدی بیگم بھی زندہ رہے گی۔ پنجم۔ نکاح کے بعد مرزا احمد بیگ تین سال کے اندر اندر مرجائے گا۔ ششم۔ اس پیشگوئی کے سلسلے میں صرف ایک شخص کی موت واقع ہوگی۔ ہفتم۔ اغیار اپنی کج نظری کے باعث تمسخر اور استہزاء کریں گے۔ چنانچہ یہ سب پیشگوئیاں اس درجہ خارق عادت رنگ میں پوری ہوئیں کہ عقل محو حیرت ہو جاتی ہے۔

پیشگوئی کا ظہور

پیشگوئی کے مطابق جب تک مرزا احمد بیگ نے نکاح نہیں کیا حضرت اقدس بھی زندہ رہے مرزا احمد بیگ بھی زندہ رہا۔ اور اس کی بیٹی محمدی بیگم بھی زندہ رہی یہ گویا خدائے قادر کی طرف سے تین افراد کی زندگی کی ضمانت تھی جو چار سال تک معجزانہ طور پر صحیح ثابت ہوئی۔ لیکن اس کے بعد جب مرزا احمد بیگ نے ۷- اپریل ۱۸۹۲ء کو اپنی لڑکی محمدی بیگم کا نکاح مرزا سلطان محمد صاحب آف پٹی سے کر دیا تو وہ مرزا احمد بیگ جسے خدا تعالیٰ نے پیشگوئی کے بعد چار سال تک زندہ رکھا تھا۔ نکاح کر دینے کے چھٹے ہی مہینے ۳۰- ستمبر ۱۸۹۲ء کو مطابق پیشگوئی ہلاک ہو گیا۔ مرزا احمد بیگ کا اس دنیا سے گزرنا ہی تھا کہ پورے خاندان میں صف ماتم بچھ گئی۔ اور وہ کہرام مچا کہ الامان! الحفیظ! اور افراد خاندان بلکہ مرزا احمد بیگ کے گاؤں والے بھی سخت دہشت زدہ ہو گئے۔ اور سخت ماتم پڑا حتی کہ عورتوں نے اپنی چیخ پکار میں یہ الفاظ بھی کہہ دیئے۔ کہ "ہائے وہ باتیں سچی نکلیں۔ آج ہمارا دشمن جس نے ہمارے لئے پیشگوئی کی تھی سچا ثابت ہو گیا"۔ ۱۶

یہ اتنا عظیم الشان قہری نشان تھا کہ مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی نے بھی (جو اب اول المکفرین ہونے کی وجہ سے تمام مخالفین ہند کے سرخیل بن چکے تھے) اعتراف کیا کہ اگرچہ یہ پیشگوئی تو پوری ہو گئی مگر یہ الہام نہیں بلکہ علم رمل یا نجوم وغیرہ سے کی گئی۔ ۱۷

غرض پیشگوئی کے مطابق مرزا احمد بیگ کی موت نے ان کے پورے خاندان کو مجسم غم واندوہ بنا دیا ان کے داماد مرزا سلطان محمد صاحب کا سب سے زیادہ متاثر ہونا ایک قدرتی امر تھا کیونکہ جب دو شخصوں کے لئے ہلاکت کی پیشگوئی ہو۔ اور ایک پیشگوئی کی میعاد مقررہ پوری ہونے سے بہت پہلے ہی ہلاک ہو جائے تو دوسرے پر جو گزرے گی اور وہ جتنا بھی متفکر و متردد اور ترساں و لرزاں ہو جائے گا وہ محتاج بیان نہیں۔ چنانچہ مرزا سلطان محمد صاحب نے بھی زاری اور دعا کی اور دل سے یقین کر لیا کہ ان کے خسر مرزا احمد بیگ پیشگوئی کے مطابق فوت ہوئے ہیں۔ [۱۸] نتیجہ یہ ہوا کہ خدا تعالیٰ نے مرزا سلطان محمد صاحب کو موت کی سزا سے بچا لیا۔

علماء کو دعوت مباہلہ

مرزا سلطان محمد صاحب جب تک میعاد مقررہ کے دوران میں زندہ رہے حضرت اقدس کی پیشگوئی کے خلاف کچھ نہیں کہا گیا۔ مگر اس کے بعد جب یہ میعاد ختم ہو گئی اور مرزا سلطان محمد صاحب تائب ہونے کی وجہ سے بچ گئے تو چاروں طرف سے شدید مخالفت اٹھ کھڑی ہوئی۔ حالانکہ صدقہ' دعا اور گریہ وزاری سے بڑے بڑے عذابوں کا (خواہ وہ تقدیر مبرم ہی کا حکم کیوں نہ رکھتے ہوں) ٹل جانا خدا تعالیٰ کی ازلی ابدی سنت سے ثابت ہے اور خصوصاً قرآن مجید اور احادیث اور اکابر امت کا لٹریچر تو اس کی شہادتوں سے بھرا پڑا ہے۔ [۱۹] اور اس پیشگوئی میں تو بار بار توبہ کرنے پر مصائب کے ٹل جانے کا مسلسل تذکرہ تھا۔ [۲۰] لیکن عیسائی' آریہ اور ان کی پشت پناہی میں آپ کے مخالف علماء نے صرف اس وجہ سے کہ مرزا سلطان محمد توبہ کی وجہ سے بچ گیا تھا۔ یہ پراپیگنڈا شروع کر دیا کہ معاذ اللہ پیشگوئی غلط ثابت ہوئی۔ حضرت اقدس نے خدا کے نشان کی یوں تکذیب دیکھی تو آپ نے تین بڑے علماء (شیخ محمد حسین صاحب بٹالوی۔ مولوی عبدالجبار صاحب غزنوی اور مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی) کو انعامی چیلنج دیا کہ وہ ایک جلسہ عام میں الہامی پیشگوئیوں کے عذاب موت کی معین تاریخوں کے ٹل جانے کے متعلق دو گھنٹہ تک کتاب اللہ اور احادیث نبویہ اور کتب سابقہ کی نصوص صریحہ ہم سے سنیں۔ اور پھر اگر اس مجمع میں تین بار حلفاً کہہ دیں کہ اے خدائے قادر ذوالجلال جو جھوٹوں کو سزا دیتا اور سچوں کی حمایت کرتا ہے۔ میں تیری ذات کی قسم کھا کر بیان کرتا ہوں کہ جو کچھ دلائل پیش کئے گئے ہیں وہ سب دلائل باطل ہیں اور تیری یہ ہرگز عادت نہیں کہ وعید میں کسی کی توبہ یا خائف اور ہراساں ہونے سے تاخیر کر دے بلکہ ایسی پیشگوئی سراسر جھوٹ یا شیطانی ہے اور ہرگز تیری طرف سے نہیں۔ اور اے قادر خدا اگر تو جانتا ہے کہ میں نے جھوٹ بولا ہے تو مجھے ذلت اور دکھ کے عذاب سے ہلاک کر۔ اس کے بعد بلاتوقف آپ قسم کھانے والے کو غیر مشروط طور پر دو سو روپیہ نقد انعام دے دیں گے۔ [۲۱]

پرشوکت اعلان

علاوہ ازیں حضور نے تین سال بعد یہ پرشوکت اعلان بھی فرمایا کہ۔ "فیصلہ تو آسان ہے احمد بیگ کے داماد سلطان محمد کو کہو کہ تکذیب کا اشتہار دے پھر اس کے بعد جو میعاد خدا تعالیٰ مقرر کرے۔ اگر اس سے اس کی موت تجاوز کرے تو میں جھوٹا ہوں۔

"اور ضرور ہے کہ یہ وعید کی موت اس سے تھمی رہے جب تک کہ وہ گھڑی آجائے کہ اس کو بیباک کردیوے۔ سو اگر جلدی کرنا ہے تو اٹھو اور اس کو بیباک اور مکذب بناؤ اور اس سے اشتہار دلاؤ اور خدا کی قدرت کا تماشا دیکھو"۔ [22]

اس اعلان پر آریوں نے لیکھرام کے قتل اور عیسائیوں نے آتھم کی موت کے باعث مرزا سلطان محمد صاحب کو بڑی بڑی رقموں کی پیش کش کی تا وہ کسی طرح حضرت اقدس پر نالش کردیں۔ مگر حضور کی سچائی سے متعلق ان میں اتنا زبردست اثر پڑ چکا تھا کہ انہوں نے اس پیش کش کو پائے استحقار سے ٹھکرا دیا۔ [23]

مرزا سلطان محمد صاحب کا اظہار حق

حضرت مسیح موعودؑ کی وفات کے بعد ایک دفعہ مرزا سلطان محمد صاحب نے ۲۱۔ مارچ ۱۹۱۳ء کو ایک تحریر بھی لکھ کردی جس کا عکس جماعت احمدیہ کے لٹریچر [24] میں برسوں سے شائع شدہ ہے۔ اس تحریر میں انہوں نے لکھا۔ کہ "میں جناب مرزا جی صاحب مرحوم کو نیک۔ بزرگ۔ اسلام کا خدمت گزار۔ شریف النفس۔ خدا یاد پہلے بھی اور اب بھی خیال کر رہا ہوں۔ مجھے ان کے مریدوں سے کسی قسم کی مخالفت نہیں ہے بلکہ افسوس کرتا ہوں کہ چند ایک امورات کی وجہ سے ان کی زندگی میں ان کا شرف حاصل نہ کر سکا"۔ ۱۹۲۱ء میں حافظ جمال احمد صاحبؓ (مبلغ ماریشس) ان سے موضع پٹی میں ملے تو انہوں نے حلفیہ بیان دیا۔ کہ انہیں حضرت اقدس کی اس پیشگوئی یا آپ کے دعویٰ کی سچائی پر کسی قسم کا کوئی اعتراض نہیں ہے۔ اس پر حافظ صاحب نے کہا پھر آپ بیعت کیوں نہیں کرتے۔ مرزا سلطان محمد صاحب نے جواب دیا۔ "اس کے وجوہات کچھ اور ہی ہیں جن کا اس وقت ذکر کرنا میں مصلحت کے خلاف سمجھتا ہوں۔ میں بہت چاہتا ہوں کہ ایک دفعہ قادیان جاؤں کیونکہ مجھے حضرت میاں صاحب [25] کی ملاقات کا بہت شوق ہے اور میرا ارادہ ہے کہ ان کی خدمت میں حاضر ہو کر تمام کیفیت بیان کروں۔ پھر چاہے وہ شائع بھی کردیں تو مجھے کوئی اعتراض نہیں ہو گا مگر گولی لگنے کی وجہ سے جو اب مجھے لاٹھیوں پر چلنے کی دقت ہے۔ یہ وہاں جانے میں روک ہو جاتی ہے۔ خیال آتا ہے کہ اس ہیئت کے ساتھ میں کیا جاؤں۔ باقی رہی بیعت کی بات میں قسمیہ کہتا ہوں کہ جو ایمان اور اعتقاد مجھے حضرت مرزا صاحب پر ہے میرا خیال ہے کہ آپ کو بھی جو بیعت کر چکے ہیں۔ اتنا نہیں ہو گا"۔ [26]

محمدی بیگم کی ایک خواب

یہ تو مرزا سلطان محمد صاحب کی بات ہے خود محمدی بیگم کے ایمان کی کیفیت یہ ہے کہ انہوں نے خود بیان کیا کہ جنگ عظیم اول میں جب "فرانس سے ان کو (مرزا سلطان محمد صاحب کو) گولی لگنے کی اطلاع مجھے ملی تو میں سخت پریشان ہوئی۔ اور میرا دل گھبرا گیا۔ اسی تشویش میں مجھے رات کے وقت مرزا صاحب رؤیا میں نظر آئے ہاتھ میں دودھ کا پیالہ ہے اور مجھ سے کہتے ہیں کہ لے محمدی بیگم یہ دودھ پی لے اور تیرے سر کی چادر سلامت ہے تو فکر نہ کر۔ اس سے مجھے اپنے خاوند کی خیریت کے متعلق اطمینان ہو گیا"۔

خاندان مرزا احمد بیگ کے اکثر افراد کی جماعت احمدیہ میں شمولیت

خدا تعالیٰ کے اس عظیم الشان نشان کا اثر صرف مرزا سلطان محمد صاحب اور محمدی بیگم صاحبہ کی عقیدت تک ہی نہیں رہا۔ بلکہ خاندان مرزا احمد بیگ کے اکثر افراد سلسلہ احمدیہ میں داخل ہو گئے۔ چنانچہ مرزا احمد بیگ کی اہلیہ' اس کا بیٹا (مرزا محمد بیگ) اس کی تین بیٹیاں (سردار بیگم' عنایت بیگم' محمودہ بیگم) اس کا پوتا (مرزا محمود بیگ) نواسہ (مرزا محمد اسحاق پسر محمدی بیگم) اور داماد (مرزا محمد احسن) سب حلقہ بگوش احمدیت ہو گئے۔ ان کے علاوہ مرزا نظام الدین کے بیٹے اور بیٹی بلکہ مرزا غلام قادر مرحوم کی اہلیہ محترمہ "تائی صاحبہ" وغیرہ بھی حضرت مسیح موعودؑ کے دعویٰ ماموریت پر ایمان لے آئے۔ (اور جیسا کہ اوپر ذکر ہو چکا) خصوصاً محمدی بیگم کے بیٹے محمد اسحاق صاحب نے جماعت احمدیہ میں شمولیت اختیار کر کے حضرت مسیح موعودؑ کو اپنا روحانی باپ تسلیم کر لیا جو "آسمانی نکاح" کے ظہور میں آنے کا واضح ترین ثبوت ہے۔ [۱۷]

مرزا سلطان محمد صاحب کے بیٹے کا اعلان بیعت

اس سلسلے میں یہاں مرزا محمد اسحاق بیگ صاحب کا وہ بیان درج کرنا ضروری ہے جو انہوں نے ۱۹۳۳ء میں اپنی بیعت کے وقت شائع کیا۔ انہوں نے لکھا۔ "احباب کرام! السلام علیکم و رحمتہ اللہ و برکاتہ'۔ پیشتر اس کے کہ میں اپنا اصل مدعا بیان کروں۔ یہ عرض کر دینا چاہتا ہوں کہ واللہ میں کسی لالچ یا دنیوی غرض یا کسی دباؤ کے ماتحت جماعت احمدیہ میں داخل نہیں ہوا۔ بلکہ خدا تعالیٰ کے فضل کے ماتحت ایک لمبے عرصہ کی تحقیق حق کے بعد اس بات پر ایمان لایا ہوں کہ حضرت مرزا صاحب اپنے ہر دعویٰ میں صادق اور مامور من اللہ ہیں اور اپنے قول و فعل میں ایسے صادق ثابت ہوئے ہیں کہ کسی حق شناس کو اس میں کلام نہیں ہو سکتا۔ آپ کی تمام پیشگوئیاں ٹھیک ٹھیک پوری ہوئیں یہ الگ سوال ہے کہ بعض لوگ تعصب یا نہ سمجھنے کی وجہ سے بعض پیشگوئیوں کو پیش کر کے عوام کو دھوکہ دیتے ہیں کہ وہ پوری نہیں ہوئیں مثلاً ان میں ایک پیشگوئی مرزا احمد بیگ صاحب

وغیرہ کے متعلق ہے اس پیشگوئی کو ہر جگہ پیش کر کے مطالبہ کیا جاتا ہے کہ اس کا پورا ہونا ثابت کرو۔ حالانکہ وہ بھی صفائی کے ساتھ پوری ہو گئی۔ میں اس پیشگوئی کے متعلق ذکر کرنے سے پیشتر یہ بیان کرنا چاہتا ہوں کہ یہ ایک انذاری پیشگوئی تھی اور ایسی انذازی پیشگوئیاں خدا تعالیٰ اپنے نبی کے ذریعہ اس لئے کرایا کرتا ہے کہ جن کے متعلق ہوں ان کی اصلاح ہو جائے۔ چنانچہ قرآن کریم میں خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ وما نرسل بالایات الا تخویفا کہ ہم انبیاء کو نشانات اس لئے دیتے ہیں کہ لوگ ڈر جائیں اس میں اللہ تعالیٰ نے یہ اصل بیان فرمادیا ہے۔ کہ ایسی انذاری پیشگوئیاں لوگوں کی اصلاح کی غرض سے کی جاتی ہیں۔ جب وہ قوم اللہ تعالیٰ سے ڈر جائے اور اپنی صلاحیت کی طرف رجوع کرے تو اللہ تعالیٰ اپنا معلق عذاب بھی ٹال دیتا ہے جیسا کہ حضرت یونس علیہ السلام کی قوم کا واقعہ۔ نیز حضرت موسیٰ کی قوم کی حالت وَلَمَّا وَقَعَ عَلَيْهِمُ الرِّجْزُ (اعراف: ۱۳۵) سے ظاہر ہے۔ اس صورت میں انذاری پیشگوئی کا لفظی طور پر پورا ہونا ضروری نہیں ہوتا۔ یہی نقشہ یہاں نظر آتا ہے۔ کہ جب حضرت مرزا صاحب کی قوم اور رشتہ داروں نے گستاخی کی یہاں تک کہ خدا تعالیٰ کی ہستی سے انکار کیا۔ نبی کریم ﷺ اور قرآن پاک کی ہتک کی اور اشتہار دے دیا کہ ہمیں کوئی نشان دکھلایا جائے تو اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے اپنے مامور کے ذریعہ پیشگوئی فرمائی۔ اس پیشگوئی کے مطابق میرے نانا جان مرزا احمد بیگ صاحب ہلاک ہو گئے اور باقی خاندان ڈر کر اصلاح کی طرف متوجہ ہو گیا جس کا ناقابل تردید ثبوت یہ ہے کہ اکثر نے احمدیت قبول کرلی۔ تو اللہ تعالیٰ نے اپنی صفت غفور و رحیم کے ماتحت قہر کو رحم سے بدل دیا یہاں تک کہ انہوں نے (یعنی مرزا سلطان محمد صاحب نے) (حضرت اقدس) مرزا صاحب سے حسن عقیدت کے متعلق مختلف اوقات پر اپنا اظہار خیال بذریعہ خطوط فرمایا نہ صرف خیال ظاہر فرما دیا بلکہ معاندین سلسلہ کے اکسانے پر انہیں صاف جواب دے دیا۔ مثلاً ہندوؤں عیسائیوں اور مسلمانوں نے ہزاروں روپے کا لالچ دے کر اس بات کی کوشش کی۔ کہ آپ اس امر کا اعلان کر دیں کہ وہ پیشگوئی کی وجہ سے نہیں ڈرے لیکن آپ نے ہرگز ان کی بات نہ مانی۔

احمدیت کے متعلق ان (مراد مرزا سلطان محمد صاحب۔ ناقل) کی حسن عقیدت کا ایک ثبوت یہ بھی ہے کہ جس طرح حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے والد ابو طالب بعض دینوی مشکلات کی وجہ سے نبی کریم ﷺ کی بیعت میں داخل نہیں ہوئے تھے۔ لیکن حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کو بیعت کر لینے سے نہیں روکا تھا۔ اسی طرح جب میں بھی خلیفہ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہ العزیز کی بیعت کر کے احمدیت میں داخل ہوا تو آپ بجائے کسی قسم کی طعن و تشنیع کرنے کے خوش ہوئے۔ اگرچہ میرے والد صاحب کا تاحال احمدیت میں داخل نہ ہونا اس پیشگوئی کے پورے ہونے میں کسی طرح بھی مانع نہیں ہو سکتا تھا

تاہم خدا تعالیٰ نے یہ روک بھی دور کر دی - اور مجھے اللہ تعالیٰ نے سلسلہ احمدیہ میں داخل ہونے کی توفیق عطا فرمائی فالحمد للہ علی ذالک - میں پھر زور دار الفاظ میں اعلان کرتا ہوں کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی یہ پیشگوئی بھی پوری ہو گئی - میں ان لوگوں سے جن کو احمدیت قبول کرنے میں یہ پیش گوئی حائل ہے عرض کرتا ہوں کہ وہ مسیح الزمان پر ایمان لے آئیں - میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں یہ وہی مسیح موعود ہیں جن کی نسبت نبی کریم ﷺ نے پیش گوئی فرمائی تھی - اور ان کا انکار نبی کریم ﷺ کا انکار ہے"۔ [۲۸]

ان تفصیلات سے عیاں ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے اگر ظاہری طور پر اس دنیا میں محمدی بیگم کا نکاح ہو جاتا تو وہ اتنا زبردست نشان نہ ہوتا جتنا زبردست نشان وہ اس دوسری صورت میں ہو گیا کہ اس خاندان کا ایک بڑا حصہ (جو حضرت اقدسؑ کی اسلامی دعوت و تبلیغ کے خلاف مسلسل دس سال تک مخالفت پر ڈٹا رہا تھا - اور آپ کے خلاف ہندوؤں اور عیسائیوں سے ساز باز کرتا رہا تھا) بالآخر خدا تعالیٰ کے اس قہری نشان سے راہ راست پر آگیا اور جو لوگ اپنی مخالفت پر قائم رہے وہ صفحہ ہستی سے مٹا دیئے گئے - آپ کے جدی بھائیوں کی ہر شاخ کاٹی گئی اور آپ کی مبارک نسل اور جماعت خدائی وعدوں کے مطابق دیکھتے ہی دیکھتے دنیا پر ایک تناور درخت کی طرح چھا گئی - جس وقت حضور نے دعویٰ کیا اس وقت آپ کے خاندان میں ستر کے قریب مرد تھے - لیکن اب ان کے سوا جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی جسمانی یا روحانی اولاد ہیں ان ستر میں سے کسی ایک کی بھی اولاد موجود نہیں - [۲۹] پس حقیقت یہ ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ والسلام کی اگر کوئی اور پیش گوئی نہ ہوتی تو فقط یہی ایک نشان اسلام' محمد عربی ﷺ اور آپ کی صداقت کے ثبوت میں کافی تھا - [۳۰]

پادری فتح مسیح کی طرف سے روحانی مقابلہ کی دعوت اور شکست کا اعتراف

مرزا احمد بیگ ہوشیارپوری سے متعلق پیشگوئی کے واقعات پر یکجائی نظر ڈالنے کے بعد اب ہم پھر اصل مضمون کی طرف آتے ہیں - اوپر بتایا جا چکا ہے کہ عیسائی مرزا احمد بیگ کے خط کی اشاعت پر ایک بار پھر میدان مقابلہ میں اترے - یہ مقابلہ صرف خط و کتابت کی اشاعت تک محدود نہیں رہا بلکہ عیسائیوں نے حضور کو نشان نمائی میں مقابلہ کا چیلنج بھی دیا - مگر بالآخر کھلا فرار اختیار کر گئے -

۱۸ مئی ۱۸۸۸ء کا واقعہ ہے کہ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام بشیر اول کے علاج معالجہ کے

سلسلہ میں بٹالہ میں نبی بخش صاحب ذیلدار کے مکان پر فروکش تھے کہ عیسائیوں کی طرف سے ایک پادری فتح مسیح نامی حضور کی فرودگاہ پر آیا۔ اور ایک مجلس میں جس میں پچاس سے کچھ زیادہ مسلمان اور ہندو وغیرہ جمع تھے۔ حضرت اقدس سے مخاطب ہو کر دعویٰ کیا کہ جیسے آپ اس بات کے مدعی ہیں کہ میری اکثر دعائیں جناب الٰہی میں بپایہ قبولیت پہنچ کر ان کی قبولیت سے پیش از وقوع مجھ کو اللہ تعالیٰ بذریعہ اپنے الہام خاص کے اطلاع دیتا ہے اور غیب کی باتوں پر مجھے مطلع کرتا ہے یہی مرتبہ ملہم ہونے کا مجھ کو بھی حاصل ہے اور خدا تعالیٰ مجھ سے بھی ہمکلام ہو کر اور میری دعائیں قبول کر کے پیش از ظہور مجھ کو اطلاع دے دیتا ہے۔ اس لئے میں آپ سے آپ کی پیشگوئیوں میں مقابلہ کرنا چاہتا ہوں۔ جس قدر اور جس طور کی پیشگوئیاں عام جلسہ میں آپ تحریر کر کے پیش کریں گے اسی قسم کی پیشگوئیاں اپنی طرف سے میں بھی پیش کروں گا اور فریقین کی پیشگوئیاں اخبار "نور افشاں" میں شائع کرادوں گا۔ اور پھر خود ہی ۲۱ مئی ۱۸۸۸ء کی تاریخ اس مقابلہ کے لئے مقرر کی۔

حضرت اقدسؑ نے پادری فتح مسیح کی یہ دعوت فوراً منظور فرمائی اور اسی دن بذریعہ اشتہار یہ اعلان شائع فرمادیا کہ ۲۱۔ مئی ۱۸۸۸ء کو پادری فتح مسیح روح القدس کا فیض اور الہامی پیشگوئیاں بالمقابل بتانے کے لئے ہمارے مکان پر آئیں گے پہلے ہم الہامی پیشگوئیاں بقید تاریخ پیش کریں گے اور پھر اس کے مقابل پر ان کے ذمہ ہوگا کہ ایسی ہی الہامی پیشگوئیاں وہ بھی پیش کریں۔ پس جو صاحب اس مقابلہ کو دیکھنا چاہتے ہیں وہ دس بجے تک ہمارے مکان پر پہنچ جائیں۔ پھر اگر میاں فتح مسیح برطبق اپنے وعدہ کے پیر کے دن آموجود ہوئے اور روح القدس کی الہامی طاقت جو اٹھارہ سو برس سے عیسائی جماعت سے بوجہ گمراہی گم ہو چکی ہے تازہ کر دکھائیں اور ان پیشگوئیوں کی سچائی اپنے وقت میں ظہور میں آجائے تو بلاشبہ عیسائیوں کو اپنے مذہب کی صداقت پر ایک حجت ہوگی۔ کیونکہ ایسے عظیم الشان میدان مقابلہ میں خدا تعالیٰ نے ان کی حمایت کی اور مسلمانوں کی نہ کی اور ان کو فتح دی اور مسلمانوں کو فتح نہ دی۔ لیکن اگر ہماری پیشگوئیاں سچی نکلیں اور اسی میدان میں دشمن کو شکست اور ہم کو فتح ہوئی۔ تو اس سے صاف ثابت ہو جائے گا کہ خدا مسلمانوں کے ساتھ ہے

اس بے نظیر مقابلہ کی اہمیت بتانے کے علاوہ آپ نے اسی اشتہار میں صریح الفاظ میں لکھ دیا کہ "چونکہ ہم یقیناً جانتے ہیں کہ عیسائی کلیسیا برکت اور قبولیت اور ایمانداری کے پھلوں سے بالکل خالی ہے اور سارا گذارہ لاف و گزاف اور یاوہ گوئی پر ہے اور تمام برکتیں اسلام سے ہی خاص ہیں اس لئے ہم نے مناسب سمجھا کہ اس لاف و گزاف کی اصلیت ظاہر کرنے کے لئے اور نیز یہ بات پبلک کو دکھانے کے لئے کہ کہاں تک عیسائیوں میں دروغ گوئی اور بے باکی نے رواج پکڑ لیا ہے بالمقابلہ کرامت نمائی

کے لئے اجازت دی جائے۔

تا سیہ روئے شود ہر کہ درو غش باشد

چنانچہ ۲۱۔ مئی ۱۸۸۸ء کو حضرت اقدس کی قیام گاہ پر بٹالہ کے معزز مسلمان اور ہندو رئیس اور عیسائی نہایت ذوق و شوق کے ساتھ بہت بڑی تعداد میں جمع ہوئے۔ تا اسلام اور عیسائیت کے اس فیصلہ کن روحانی مقابلہ کا نظارہ دیکھیں۔ مگر ہوا وہی جو حضرت اقدس نے قبل از وقت بتا دیا تھا۔ فتح مسیح اپنے چند عیسائی دوستوں کے ساتھ دس بجے کے بعد جلسہ میں پہنچے۔ اور اپنے وعدہ کے مطابق پیشگوئیاں پیش کرنے کی بجائے انہوں نے سراسر لاطائل اور بیہودہ باتیں چھیڑ دیں جن کا موضوع سے دور کا بھی تعلق نہیں تھا۔ آخر حاضرین میں سے ایک معزز ہندو نے ان سے کہا کہ یہ جلسہ صرف بالمقابل پیشگوئیاں پیش کرنے کے لئے منعقد ہوا ہے اور یہی آپ کا اقرار ہے اور اسی شوق میں سب لوگ یہاں اکٹھے ہوئے ہیں سو اس وقت الہامی پیشگوئیاں بیان کرنا چاہئے۔ اس کے جواب میں پادری صاحب نے بر سر عام کہا۔ "اصل بات یہ ہے کہ میری طرف سے دعویٰ الہام نہیں ہے اور جو کچھ میرے منہ سے نکلا تھا میں نے یونہی فریق ثانی کے دعوے کے بالمقابل پر ایک دعویٰ کر دیا تھا۔ کیونکہ میں جانتا ہوں کہ ان کا جھوٹا دعویٰ ہے سو ایسے ہی میں نے بھی ایک دعویٰ کر دیا"۔ [۲۱] پادری صاحب کی زبان سے جھوٹ کا یہ کھلا کھلا اعتراف سن کر حاضرین جلسہ نے ان پر سخت لے دے کی۔ خصوصاً رائے بشمبر داس صاحب رئیس بٹالہ، بابو گوردت سنگھ صاحب مختار عدالت اور منشی محمد بخش صاحب مختار عدالت نے انہیں ملزم کیا کہ یہ دروغ گوئی نیک چلنی کے برخلاف تم سے وقوع میں آئی اگر تم فی الحقیقت ملہم نہیں تھے تو خلاف واقعہ ملہم ہونے کا کیوں دعویٰ کیا۔ پادری صاحب اس شرمناک دروغ گوئی اور کذب طرازی پر سخت معتوب ہوئے اور جلسہ برخاست ہو گیا۔

اس روحانی مقابلہ اسلام کی زبردست فتح اور عیسائیت کی شکست بالکل نمایاں ہو گئی۔ فتح مسیح دیسی پادری تھا مگر حضرت اقدس نے یورپین پادری ہربرٹ وائٹ بریخٹ شائن (انچارج بٹالہ مشن) پر خصوصاً اور دوسرے یورپین پادریوں پر عموماً اتمام حجت کے لئے دوسرا اشتہار شائع کیا جس میں روحانی مقابلہ کی زبردست دعوت دی اور اسی غرض سے برابر ایک ماہ تک بٹالہ میں قیام بھی فرمایا۔ [۲۲] پادری فتح مسیح نے جو اپنی زبان سے شکست کا اعتراف کر چکا تھا اپنی شرمندگی پر پردہ ڈالنے کے لئے اخبار "نور افشاں" (۷۔ جون ۱۸۸۸ء) میں یہ افترا کیا کہ میں نے الہام کا دعویٰ نہیں کیا تھا حالانکہ اس نے پادری وائٹ بریخٹ کے نام اپنے ہاتھ سے ایک چٹھی میں صاف لکھا کہ میں نے بالمقابل الہامی ہونے کا دعویٰ کر دیا ہے۔ پادری فتح مسیح نے اب کے نور افشاں میں لکھا کہ ہم اس طور پر تحقیق الہامات کے لئے جلسہ

کر سکتے ہیں کہ ایک جلسہ منعقد ہو کر چار سوال بند کاغذ میں حاضرین جلسہ میں سے کسی کے ہاتھ میں دے دیں گے وہ ہمیں الہاماً بتایا جائے۔ حضرت اقدس نے یہ طریق مقابلہ بھی قبول فرمالیا۔ مگر فرمایا فتح مسیح کہ جس کی طینت میں دروغ ہی دروغ ہے ہرگز قابل التفات نہیں ہے۔ ہاں اگر پادری وائٹ بریخٹ صاحب ایک عام جلسہ میں یہ حلفاً اقرار کریں کہ اگر کسی بند لفافہ کا مضمون جو میری طرف سے پیش ہو دس ہفتہ تک مجھے بتلا دیا جائے تو میں دین مسیحی سے بیزار ہو کر مسلمان ہو جاؤں گا۔ اور اگر ایسا نہ کروں تو ہزار روپیہ جو پہلے سے کسی ثالث منظور کردہ کے پاس جمع کرا دونگا بطور تاوان انجمن حمایت اسلام لاہور میں داخل کیا جائے گا۔ اس تحریری اقرار اور نور افشاں میں اس کی اشاعت کے دس ہفتہ تک ہم نے لفافہ بند کا مضمون بتلا دیا تو ان کا روپیہ ضبط ہو گا اور اگر ہم نہ بتلا سکے تو ہم دعویٰ الہام سے دست بردار ہو جائیں گے اور نیز جو سزا زیادہ سے زیادہ ہمارے لئے تجویز ہو وہ بخوشی خاطر اٹھا لیں گے"۔

۳۳

پادری فتح مسیح تو شملہ بھاگ گیا تھا اور پادری بریخٹ اس مقابلہ کے لئے آمادہ نہ ہو سکے اس طرح عیسائیت کے دیسی اور یورپین پادریوں کی حق پوشی بالکل نمایاں ہو گئی۔ اور اسلام کو ایک بار پھر شاندار فتح نصیب ہوئی۔

سفر پٹیالہ

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام اس روحانی مقابلے کے چند روز بعد وزیر الدولہ مدبر الملک خلیفہ سید محمد حسن خان صاحب وزیر اعظم پٹیالہ کی درخواست پر (جون ۱۸۸۸ء) میں پٹیالہ تشریف لے گئے۔ خلیفہ صاحب موصوف حضرت اقدس کے خاص عقیدت مندوں میں سے تھے۔ جب براہین احمدیہ شائع ہوئی تو وہ دل و جان سے آپ کے گرویدہ ہو گئے اور اس کی اشاعت میں نمایاں حصہ لیا۔ آپ بصد ذوق و شوق براہین پڑھتے دوسروں سے پڑھوا کر سنتے اور گھنٹوں محظوظ ہو کر زبان سے بار بار فرماتے "فی الحقیقت یہ شخص علماء ربانی میں سے ہے"۔

حضرت اقدس کے سفر پٹیالہ کے ایمان افزا حالات جناب مرتضیٰ خان حسن صاحب نے اخبار پیغام صلح ۲۶۔ مئی ۱۹۵۴ء میں شائع کئے تھے جو درج کئے جاتے ہیں۔ لکھتے ہیں "وزیر صاحب کی دعوت پر حضرت اقدس جون ۱۸۸۸ء میں پٹیالہ تشریف لے گئے۔ آپ حضرت کی آمد پر جامے میں پھولے نہ سماتے تھے۔ ریاست میں اعلان کیا کہ ہمارے ایک عالم ربانی تشریف لا رہے ہیں ان کی زیارت کے لئے سب کو آنا چاہیے .... حضرت تشریف لائے تو آپ کا استقبال اس شان و شوکت سے کیا جس طرح

بڑے بڑے راجاؤں اور نوابوں کا کیا جاتا ہے ریاست کے دستور کے مطابق ہاتھی اور گھوڑے لے کر اسٹیشن پر گئے اور ایک شاندار جلوس حضرت اقدس کے استقبال کے لئے مرتب کیا۔ وزیر صاحب فرماتے دنیا کے لوگوں کی عزت تو کی جاتی ہے مگر اصل عزت کے لائق تو یہ لوگ ہیں جو دین کی جائے پناہ ہیں"۔ استقبال کے وقت لوگوں کے ٹھٹھ کے ٹھٹھ جمع تھے۔ لوگ شوق زیارت سے ایک دوسرے پر گرے پڑتے تھے۔ کہتے ہیں کہ اس قدر خلقت کا اژدہام تھا کہ پٹیالہ کی تاریخ میں اس کی نظیر نہیں ملتی مگر حضرت ہیں کہ اس ظاہری شان و شوکت کی طرف آنکھ بھی اٹھا کر نہیں دیکھتے۔ نہ کسی دلچسپی کا اظہار کرتے ہیں نہ کوئی فخر ہے نہ غرور نہ تکبر۔ وہی سادگی وہی منکسرالمزاجی جو جبلت میں خدا نے ودیعت فرمائی تھی اب بھی عیاں ہے آنکھیں حیا سے نیچے جھکی ہیں لب ہائے مبارک پر ہلکا ہلکا تبسم ہے چہرہ پر انوار الٰہی کی بارش ہو رہی ہے۔ گویا ابھی غسل کر کے باہر نکلے ہیں۔ دیکھنے والوں کی نظر آپ پر پڑتی ہے۔ تو سبحان اللہ سبحان اللہ کی صدائیں بلند ہوتی ہیں۔ چاروں طرف سے السلام علیکم! السلام علیکم! کی آواز آتی ہے آپ کمال وقار سے ہر ایک کا جواب دیتے اور دونوں ہاتھوں سے اور کبھی ایک ہاتھ سے مصافحہ کرتے ہیں۔

جتنے دن آپ پٹیالہ میں مقیم رہے زائرین کا تانتا بندھا رہا۔ آپ اپنے مواعظ حسنہ سے طالبان ہدایت کو فیضیاب کرتے رہے۔ مختلف مجالس میں مختلف مسائل کا ذکر ہوتا تھا بالخصوص آریوں اور عیسائیوں کے متعلق اور ان کی خلاف اسلام کارروائیوں کا اکثر ذکر ہوتا تھا۔ انہی دنوں میں آپ قریب کے ایک قصبہ سنور میں بھی تشریف لے گئے جو آپ کے مخلص دوست مشہور و معروف مولوی عبداللہ صاحب سنوری کا مولد و مسکن تھا یہ حضرت کے اخلاق کریمانہ کے تقاضے سے تھا کہ آپ ایک بڑے آدمی کی دعوت پر پٹیالہ گئے تو اپنے ایک غریب دوست کو بھی جس کی دنیوی حیثیت پٹواری سے زیادہ نہ تھی اپنے قدوم میمنت لزوم سے نوازا۔ جو شخص شاہی مہمان ہو اور جس کا اس قدر تزک و احتشام سے استقبال کیا گیا ہو اس کا ایک غریب شخص کے گھر پر چلے جانے میں عار نہ سمجھنا فی الحقیقت اس امر کی دلیل ہے کہ یہ شخص اخلاص کا بے انتہا قدر دان ہے۔ حضرت اقدس کا اصول تھا کہ اپنے مخلص دوستوں کی خواہ وہ دنیوی حیثیت میں کتنے ہی ادنیٰ ہوں بے پناہ عزت اور محبت کرتے تھے۔ آپ فرمایا کرتے تھے۔ ع

قدیمان خود را بیفزائے قدر

حضرت والا مولانا محمد عبداللہ خاں صاحب مرحوم و مغفور ان دنوں پٹیالہ میں ہی تھے چنانچہ سب سے پہلی دفعہ آپ کو اسی جگہ حضرت اقدس سے ملاقات کا شرف حاصل ہوا۔ آپ نے اس ملاقات کا

اپنی خود نوشتہ سوانح حیات میں جو فارسی میں ہے - ذکر فرمایا ہے یہ ۱۳- جون ۱۸۸۸ء کی تحریر ہے حضرت اقدس کی کتاب براہین احمدیہ اور آپ کے چیلنج کا جو اس کتاب میں مخالفین اسلام کے نام مفصل ذکر کرتے ہوئے اخیر میں تحریر فرماتے ہیں - "۱۳- جون ۱۸۸۸ء چوں .قصبہ سنور کہ متصل پٹیالہ است تشریف اوردند مشرف بزیارت گشتم - میانہ قد - گندم گوں - کشادہ پیشانی ریش مخضب بخضاب - عمر قریب چہل سال داشتند - سلام گفتہ مصافحہ کردہ - بشستم خلقے بزیارت ایشاں گرد آمدہ بود - از چہرہ اش آثار بزرگی و جلال الٰہی نمودار .... و ظاہرش باحکام شریعت موافق و استوار و الباطن یعلمہ اللہ حلم و حیا بسے غالب - نماز پیشین در پس ایشاں ادا کردم .... ہر چند کہ استعداد شناختن ایں چنیں مردم ندارم مگر وجود باجود ایشاں بمنزلہ رحمت الٰہی و برائے اسلام و اسلامیان تقویت لامتناہی است از مجدد بودن ایشاں انکار کردن بجز جہل و نادانی چیزے دیگر نیست سلمہ اللہ "- .... غرضکہ یہ سفر بخیر و خوبی طے ہوا .... مہینوں پٹیالہ کے لوگوں میں حضرت کی تشریف آوری کا چرچا ہوتا رہا- ۱۸۹۱ء میں حضرت اقدس کو پھر پٹیالہ جانے کا اتفاق ہوا"- ۲۴

واپسی پر ایک حادثہ سفر پر روانہ ہونے سے قبل حضرت اقدس کو الہام ہوا تھا کہ اس سفر میں کچھ نقصان ہو گا اور کچھ ہم و غم پیش آئیگا- چنانچہ جب حضرت اقدس پٹیالہ سے واپسی پر لدھیانہ آنے لگے تو عصر کا وقت تھا ایک جگہ آپ نے نماز ادا فرمانے کے لئے اپنا چغہ اتار کر وزیر اعظم کے ایک نوکر کو دیا تا وضو کریں- پھر جب نماز سے فارغ ہو کر ٹکٹ لینے کے لئے جیب میں ہاتھ ڈالا تو معلوم ہوا کہ جس رومال میں روپے بندھے ہوئے تھے وہ گر گیا ہے- پھر حضور جب گاڑی پر سوار ہوئے تو راستہ میں ایک سٹیشن دوراہہ پر حضور کے ایک ساتھی کو کسی مسافر انگریز نے محض دھوکہ دہی سے اپنے فائدہ کے لئے کہدیا کہ لدھیانہ آگیا ہے- چنانچہ اس جگہ آپ اور دیگر ساتھی اتر پڑے لیکن جب ریل چل دی تو معلوم ہوا کہ یہ کوئی اور سٹیشن تھا- اس طرح الہام کے دونوں حصے پورے ہو گئے- ۲۵

حواشی

۱۔ "رسالہ خط و کتابت" مطبوعہ ۱۸۹۹ء مطبع عزیزی لاہور۔
۲۔ ایضاً
۳۔ "آئینہ کمالات اسلام" صفحہ ۵۶۸ طبع اول۔
۴۔ "آئینہ کمالات اسلام" صفحہ ۵۶۶۔۵۷۰ (طبع اول)
۵۔ ترجمہ "از آئینہ کمالات اسلام" صفحہ ۵۶۹ طبع اول و اشتہار ۲۰۔ فروری ۱۸۸۶ء۔
۶۔ "تبلیغ رسالت" جلد اول صفحہ ۱۲۰ (حاشیہ) (ترجمہ از مرتب) میں نے اس عورت کو دیکھا کہ گریہ و زاری کے آثار اس کے چہرے پر تھے تب میں نے اس سے کہا کہ اے عورت! توبہ کر۔ توبہ کر۔ کیونکہ بلاء تیری نسل کے سر پر کھڑی ہے اور مصیبت تجھ پر نازل ہونے والی ہے وہ شخص (یعنی مرزا احمد بیگ) مرے گا اور کئی سگ سیرت لوگ پیچھے رہ جائیں گے۔
۷۔ تبلیغ رسالت جلد اول صفحہ ۱۱۹ حاشیہ
۸۔ رشتہ کے لحاظ سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام محمدی بیگم کے غیر حقیقی ماموں ہوتے ہیں۔ کیونکہ وہ حضور کی چچازاد بہن عمر النساء کی لڑکی اور مرزا نظام الدین وغیرہ کی حقیقی بھانجی ہے۔
۹۔ آئینہ کمالات اسلام صفحہ ۵۷۳۔ سرورق کرامات الصادقین
۱۰۔ مکتوب بنام حضرت مولانا نور الدینؓ ۲۰۔ جون ۱۸۸۶ء۔
۱۱۔ "آئینہ کمالات اسلام" صفحہ ۵۷۲ تا ۵۷۴ (طبع اول)
۱۲۔ "تبلیغ رسالت" جلد اول صفحہ ۱۱۸
۱۳۔ "تبلیغ رسالت" جلد اول ۱۱۹۔۱۲۰
۱۴۔ "آئینہ کمالات اسلام" صفحہ ۲۸۰ (طبع اول)
۱۵۔ کتاب "کلمہ فضل رحمانی" صفحہ ۱۲۴۔
۱۶۔ "ضمیمہ انجام آتھم" صفحہ ۵۳" و آئینہ کمالات اسلام" صفحہ ۵۷۵۔۵۷۶
۱۷۔ اشاعۃ السنہ جلد ۵۔
۱۸۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو الفضل ۹، ۱۳۔ جون ۱۹۲۱ء صفحہ ۱۰۔۱۱
۱۹۔ بطور مثال دیکھئے "کنز العمال" جلد ۱ صفحہ ۱۶۷ (مطبوعہ دائرۃ المعارف النظامیہ حیدر آباد ۱۳۱۲ھ۔
۲۰۔ چنانچہ حضرت اقدس تحریر فرماتے ہیں کہ "ماکان الھام فی ھذۃ المقدمہ الا وکان معہ شرط"۔ "انجام آتھم" صفحہ ۲۲۳ مطبوعہ ۱۸۹۷ء) یعنی اس باب میں جو الہام بھی ہوا مشروط تھا۔
۲۱۔ اشتہار ۶۔ ستمبر ۱۸۹۴ء (تبلیغ رسالت جلد سوم صفحہ ۱۲۰۔۱۲۱)
۲۲۔ "انجام آتھم" صفحہ ۳۲ حاشیہ
۲۳۔ الفضل ۱۳، ۹۔ جون ۱۹۲۱ء صفحہ ۱۰ (بیان مرزا سلطان محمد صاحب)
۲۴۔ ملاحظہ ہو رسالہ "تشحیذ الاذہان" مئی ۱۹۱۳ء
۲۵۔ یعنی حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہ العزیز۔
۲۶۔ الفضل ۱۳، ۹۔ جون ۱۹۲۱ء صفحہ ۱۰۔۱۱
۲۷۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں "نبی کی پیشگوئی کو ہمیشہ اس کے خارق عادت مفہوم کی رو سے دیکھنا چاہیے۔ اور اگر کسی خاص پہلو پر پیشگوئی کا ظہور نہ ہو اور کسی دوسرے پہلو پر ظاہر ہو جائے اور اصل امر جو اس پیشگوئی کا خارق عادت ہوتا ہے وہ دوسرے پہلو میں بھی پایا جائے۔ اور واقعہ کے ظہور کے بعد ہر ایک عقلمند کو سمجھ آجائے کہ یہی صحیح معنے پیشگوئی کے ہیں جو واقعہ نے اپنے ظہور سے آپ کھول دیئے ہیں تو اس پیشگوئی کی عظمت اور وقعت میں کچھ بھی فرق نہیں آتا۔ اور اس پر ناحق نکتہ چینی کرنا شرارت اور بے ایمانی اور ہٹ دھرمی ہوتی ہے"۔ (براہین احمدیہ حصہ پنجم (ضمیمہ) صفحہ ۸۹۔۹۰ (طبع اول) اس امر کی ایک

عجیب مثال تیرھویں صدی کے مجدد حضرت سید احمد صاحب بریلوی (۱۷۸۶-۱۸۳۱ء) کی سوانح میں یہ لکھی ہے کہ انہیں الہاماً بتایا گیا کہ "ملک پنجاب ضرور میرے ہاتھ پر فتح ہوگا اور اس فتح سے پہلے مجھ کو موت نہ ہوگی" (تواریخ عجیبہ صفحہ ۱۸۰ بحوالہ "۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی" از مولوی نور احمد فریدی ملتان) لیکن ہوا یہ کہ حضرت سید صاحبؒ بالاکوٹ میں شہید ہو گئے۔ اور پنجاب پر انگریز حکمران ہو گئے صاحب تواریخ عجیبہ مولوی محمد جعفر صاحب تھانیسری اس کی توجیہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ "سلطنت پنجاب متعصب اور ظالم سکھوں کے ہاتھ سے نکل کر ایک ایسی عادل اور آزادانہ مذہب قوم کے ہاتھ میں آگئی جس کو ہم مسلمان اپنے ہاتھ پر فتح ہونا تصور کر سکتے ہیں اور غالباً سید صاحب کے الہام کی صحیح تعبیر یہی ہوگی جو ظہور میں آئی"۔ (بحوالہ "۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی" صفحہ ۱۳) دراصل بات یہ ہے جیسا کہ حضرت مجدد الف ثانی رحمتہ اللہ علیہ (۱۵۶۴-۱۶۲۴) نے بڑی تصریح کے ساتھ اپنے مکتوبات میں لکھا ہے کہ "قضاء معلق دو طرح پر ہے ایک وہ قضاء ہے جس کا معلق ہونا لوح محفوظ میں ظاہر کر دیا جاتا ہے اور فرشتوں کو اس پر اطلاع دے دی جاتی ہے۔ اور دوسری وہ قضا ہے جس کا معلق ہونا صرف خدا تعالیٰ ہی کے پاس ہوتا ہے اور لوح محفوظ میں قضاء مبرم کی حیثیت رکھتی ہے۔ اور قضائے معلق کی اس دوسری قسم میں بھی پہلی قسم کی طرح تبدیلی کا احتمال ہے"۔ (ترجمہ مکتوب ۲۱۷ دفتر اول) بالآخر یہ نکتہ بھی یاد رہے کہ آسمان پر پڑھے جانے والے نکاح کا زمین پر پڑھا جانا ضروری نہیں ہوتا۔ مثلاً آنحضرت ﷺ کا حدیث نبوی کے مطابق مریم بنت عمران۔ کلثوم اخت موسیٰ اور آسیہ زوجہ فرعون سے آسمان پر نکاح پڑھا گیا تھا (فتح البیان جلد ۷ صفحہ ۹۹) لیکن دنیا میں یہ ظہور پذیر نہیں ہوا۔ اسی طرح حضرت مجدد الف ثانیؒ کو الہام ہوا کہ ان کی بیٹی کلثوم حضرت یحیٰ علیہ السلام سے بیاہی گئی ہیں۔ اور وہ چند لمحے بعد فوت ہو گئیں۔ (ملاحظہ ہو "حدیقہ محمودیہ" صفحہ ۱۰۲ مطبوعہ ریاست فرید کوٹ)

۲۸۔ الفضل ۲۶۔ فروری ۱۹۳۳ء صفحہ ۹

۲۹۔ الحکم ۱۴/۷۔ جون ۱۹۴۳ء صفحہ ۱۰

۳۰۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو کتاب "پیشگوئی دربارہ مرزا احمد بیگ" (از جناب قاضی محمد نذیر صاحب فاضل۔ لائلپوری)

۳۱۔ تبلیغ رسالت جلد اول

۳۲۔ اسی دوران میں حضرت اقدس نے عید الفطر کی نماز عید گاہ بٹالہ میں پڑھی اور پادری وائٹ بریخٹ کے متعلق آپ کا ایک اشتہار بھی اس موقعہ پر پڑھا گیا۔ چنانچہ اخبار "ریاض ہند" نے ۱۸۔ جون ۱۸۸۸ء کی اشاعت میں یہ خبر شائع کی "بٹالہ میں اہل اسلام کی عید الفطر..... اس موقعہ پر فخر اسلام جناب مرزا غلام احمد صاحب رئیس قادیان جو بٹالہ میں فروکش تھے اسی عید گاہ میں رونق افروز ہوئے۔ آدمی قریب چار ہزار کے جمع تھے اول جناب حضرت مخدوم مکرم بندہ مولوی محمد قدرت اللہ صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی پر زور تقریر اور پر تاثیر وعظ سے حاضرین کو فیض بخشی فرمائی اور محظوظ کیا۔ اس کے بعد حاجی غلام محمد صاحب نے ایک اشتہار عنوانی "پادری وائٹ بریخٹ کے لئے اتمام حجت اور رفع مسیح کی دروغگوئی" کو بڑی فصاحت سے سنایا"۔

("ریاض ہند" کا یہ فائل خلافت لائبریری صدر انجمن احمدیہ ربوہ میں محفوظ ہے)

۳۳۔ "تبلیغ رسالت" جلد اول صفحہ ۱۰۵ تا ۱۱۱

۳۴۔ (فارسی عبارت کا ترجمہ) حضور جب شہر پٹیالہ سے متصل قصبہ سنور میں تشریف لائے تو مجھے آپ کی زیارت نصیب ہوئی۔ میانہ قد۔ گندم گوں۔ کشادہ پیشانی۔ ڈاڑھی خضاب کی ہوئی عمر چالیس سال کے قریب رکھتے تھے سلام کہہ کر مصافحہ کیا بیٹھ گیا۔ بہت مخلوق آپ کے دیدار کے لئے آئی ہوئی تھی۔ آپ کے چہرے سے بزرگی اور جلال الٰہی کے آثار نمایاں تھے۔ آپ کا ظاہر احکام شریعت کے موافق اور باطن اللہ جانتا ہے۔ حلم و حیا آپ پر بہت غالب تھے۔ نماز ظہر آپ کے پیچھے ادا کی۔ ہرچند کہ ایسے لوگوں کی استعداد شناخت نہیں رکھتا۔ مگر ان کا وجود مبارک بمنزلہ رحمت الٰہی اور اسلام اور مسلمانوں کے لئے غیر محدود قوت کا موجب ہے۔ ان کے مجدد ہونے سے انکار سراسر جہل و نادانی ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کو سلامت رکھے۔

۳۵۔ نزول المسیح صفحہ ۲۳۱/۲۳۲ (طبع اول)

ماموریت کا آٹھواں سال

اشتہار "تکمیل تبلیغ" اور لدھیانہ میں بیعت اولیٰ

(۱۸۸۹ء)

بیعت کے لئے حکم الٰہی جیسا کہ پہلے ذکر آچکا ہے۔ اگرچہ مخلصین کے قلوب میں برسوں سے یہ تحریک جاری تھی کہ حضرت اقدس بیعت لیں۔ مگر حضرت اقدس ہمیشہ یہی جواب دیتے تھے کہ "لَسْتُ بِمَاْمُوْرٍ" (یعنی میں مامور نہیں ہوں) چنانچہ ایک دفعہ آپ نے میر عباس علی صاحب کی معرفت مولوی عبد القادر صاحب کو صاف صاف لکھا کہ "اس عاجز کی فطرت پر توحید اور تفویض الی اللہ غالب ہے اور...... چونکہ بیعت کے بارے میں اب تک خداوند کریم کی طرف سے کچھ علم نہیں۔ اس لئے تکلف کی راہ میں قدم رکھنا جائز نہیں۔ لَعَلَّ اللّٰہَ یُحْدِثُ بَعْدَ ذٰلِکَ اَمْرًا۔ مولوی صاحب اخوت دین کے بڑھانے میں کوشش کریں۔ اور اخلاص اور محبت کے چشمہ صافی سے اس پودا کی پرورش میں مصروف رہیں تو یہی طریق انشاء اللہ بہت مفید ہو گا"۔ [۱]

آخر چھ سات برس بعد ۱۸۸۸ء کی پہلی سہ ماہی میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کو بیعت لینے کا ارشاد ہوا۔ یہ ربانی حکم جن الفاظ میں پہنچا وہ یہ تھے۔ "اِذَا عَزَمْتَ فَتَوَکَّلْ عَلَی اللّٰہِ وَاصْنَعِ الْفُلْکَ بِاَعْیُنِنَا وَوَحْیِنَا۔ اَلَّذِیْنَ یُبَایِعُوْنَکَ اِنَّمَا یُبَایِعُوْنَ اللّٰہَ۔ یَدُ اللّٰہِ فَوْقَ اَیْدِیْھِمْ"۔ [۲] یعنی جب تو عزم کر لے تو اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کر اور ہمارے سامنے اور ہماری وحی کے تحت (نظام جماعت کی) کشتی تیار کر۔ جو لوگ تیرے ہاتھ پر بیعت کریں گے۔ اللہ تعالیٰ کا ہاتھ ان کے ہاتھوں پر ہو گا۔

بیعت کا اعلان حضرت اقدس کی طبیعت اس بات سے کراہت کرتی تھی کہ ہر قسم کے رطب و یابس لوگ اس سلسلہ بیعت میں داخل ہو جائیں۔ اور دل یہ چاہتا تھا کہ اس مبارک سلسلہ میں وہی مبارک لوگ داخل ہوں جنکی فطرت میں وفاداری کا مادہ ہے اور کچے نہیں ہیں۔ اس لئے آپ کو ایک ایسی تقریب کا انتظار رہا۔ کہ جو مخلصوں اور منافقوں میں امتیاز کر دکھلائے۔ سو اللہ جل شانہ نے اپنی کمال حکمت و رحمت سے وہ تقریب اسی سال نومبر ۱۸۸۸ء میں بشیر اول کی وفات

سے پیدا کردی۔ ملک میں آپ کے خلاف ایک شور مخالفت برپا ہوا اور خام خیال بدظن ہو کر الگ ہو گئے لہٰذا آپ کی نگاہ میں یہی موقعہ اس بابرکت سلسلے کی ابتداء کے لئے موزوں قرار پایا۔ اور آپ نے یکم دسمبر ۱۸۸۸ء کو ایک اشتہار کے ذریعہ سے بیعت کا اعلان عام فرما دیا۔

اشتہار "تکمیل تبلیغ و گزارش ضروری"

اس اعلان کے ساتھ جو بیعت سے متعلق پہلا اعلان تھا حضور نے بیعت کے لئے معین رنگ میں کوئی خاص شراط نہیں تحریر کئے تھے۔ مگر ادھر حضرت المصلح الموعود ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز ۱۲۔ جنوری ۱۸۸۹ء کو دس گیارہ بجے شب (بیت الذکر نمبر ۱ کے زیر سقف کمرہ سے متصل مشرقی کمرہ میں) پیدا ہوئے۔ [۲] ادھر آپ نے "تکمیل تبلیغ" کا اشتہار تحریر فرمایا۔ اور اس میں بیعت کی وہ دس شرطیں تجویز فرمائیں جو جماعت میں داخلہ کے لئے بنیادی حیثیت رکھتی ہیں۔ اس طرح جماعت احمدیہ اور پسر موعودؓ کی پیدائش توام ہوئی

یہ دس شرائط بیعت حضرت اقدس کے الفاظ میں یہ ہیں۔

"اول:۔ بیعت کنندہ سچے دل سے عہد اس بات کا کرے کہ آئندہ اس وقت تک کہ قبر میں داخل ہو جائے شرک سے مجتنب رہے گا۔

دوم:۔ یہ کہ جھوٹ اور زنا اور بدنظری اور ہر ایک فسق و فجور اور ظلم اور خیانت اور فساد اور بغاوت کے طریقوں سے بچتا رہے گا اور نفسانی جوشوں کے وقت ان کا مغلوب نہیں ہو گا اگرچہ کیسا ہی جذبہ پیش آوے۔

سوم:۔ یہ کہ بلاناغہ پنجوقتہ نماز موافق حکم خدا اور رسول کے ادا کرتا رہے گا اور حتی الوسع نماز تہجد کے پڑھنے اور اپنے نبی کریمؐ پر درود بھیجنے اور ہر روز اپنے گناہوں کی معافی مانگنے اور استغفار کرنے میں مداومت اختیار کرے گا اور دلی محبت سے خدا تعالیٰ کے احسانوں کو یاد کر کے اس کی حمد اور تعریف کو اپنا ہر روزہ ورد بنائیگا۔

چہارم:۔ یہ کہ عام خلق اللہ کو عموماً اور مسلمانوں کو خصوصاً اپنے نفسانی جوشوں سے کسی نوع کی ناجائز تکلیف نہیں دے گا۔ نہ زبان سے نہ ہاتھ سے نہ کسی اور طرح سے۔

پنجم:۔ یہ کہ ہر حال رنج اور راحت اور عسر اور یسر اور نعمت اور بلا میں خدا تعالیٰ کے ساتھ وفاداری کرے گا اور بہر حالت راضی بقضا ہو گا۔ اور ہر ایک ذلت اور دکھ کے قبول کرنے کے لئے اس کی راہ میں تیار رہے گا۔ اور کسی مصیبت کے وارد ہونے پر اس سے منہ نہیں پھیرے گا۔ بلکہ آگے قدم بڑھائے گا۔

ششم:- یہ کہ اتباع رسم اور متابعت ہوا وہوس سے باز آجائے گا اور قرآن شریف کی حکومت کو بکلی اپنے سرپر قبول کرے گا۔ اور قال اللہ اور قال الرسول کو اپنے ہریک راہ میں دستور العمل قرار دے گا۔

ہفتم:- یہ کہ تکبر اور نخوت کو بکلی چھوڑ دے گا۔ اور فروتنی اور عاجزی اور خوش خلقی اور حلیمی اور مسکینی سے زندگی بسر کرے گا۔

ہشتم:- یہ کہ دین اور دین کی عزت اور ہمدردی اسلام کو اپنی جان اور اپنے مال اور اپنی عزت اور اپنے ہریک عزیز سے زیادہ تر عزیز سمجھے گا۔

نہم:- یہ کہ عام خلق اللہ کی ہمدردی میں محض للہ مشغول رہے گا۔ اور جہاں تک بس چل سکتا ہے اپنی خداداد طاقتوں اور نعمتوں سے بنی نوع کو فائدہ پہنچائے گا۔

دہم:- یہ کہ اس عاجز سے عقد اخوت میں ایسا اعلیٰ درجہ کا ہو گا کہ اس کی نظیر دنیوی رشتوں اور تعلقوں اور تمام خادمانہ حالتوں میں پائی نہ جاتی ہو"۔

حضرت اقدس نے یہ بھی ہدایت فرمائی کہ استخارہ مسنونہ کے بعد بیعت کے لئے حاضر ہوں۔ ۴

لدھیانہ میں ورود

اس اشتہار کے بعد حضرت اقدس قادیان سے لدھیانہ تشریف لے گئے اور حضرت صوفی احمد جان صاحبؓ کے مکان واقع محلہ جدید میں فروکش ہوئے۔

۵ یہاں سے آپ نے ۴۔ مارچ ۱۸۸۹ء کو ایک اور اشتہار میں بیعت کے اغراض و مقاصد پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھا۔ "یہ سلسلہ بیعت محض بمراد فراہمی طائفہ متقین یعنی تقویٰ شعار لوگوں کی جماعت کے جمع کرنے کے لئے ہے۔ تاایسا متقیوں کا ایک بھاری گروہ دنیا پر اپنا نیک اثر ڈالے اور ان کا اتفاق اسلام کے لئے برکت و عظمت و نتائج خیر کا موجب ہو۔ اور وہ ببرکت کلمہ واحدہ پر متفق ہونے کے اسلام کی پاک و مقدس خدمات میں جلد کام آسکیں اور ایک کاہل اور بخیل و بے مصرف مسلمان نہ ہوں اور نہ ان نالائق لوگوں کی طرح جنہوں نے اپنے تفرقہ و نااتفاقی کی وجہ سے اسلام کو سخت نقصان پہنچایا ہے اور اس کے خوبصورت چہرہ کو اپنی فاسقانہ حالتوں سے داغ لگا دیا ہے اور نہ ایسے غافل درویشوں اور گوشہ گزینوں کی طرح جن کو اسلامی ضرورتوں کی کچھ بھی خبر نہیں۔ اور اپنے بھائیوں کی ہمدردی سے کچھ بھی غرض نہیں اور نبی نوع کی بھلائی کے لئے کچھ جوش نہیں بلکہ وہ ایسے قوم کے ہمدرد ہوں کہ غریبوں کی پناہ ہو جائیں۔ یتیموں کے لئے بطور باپوں کے بن جائیں اور اسلامی کاموں کے انجام دینے کے لئے عاشق زار کی طرح فدا ہونے کو تیار ہوں اور تمام تر کوشش اس بات کے لئے کریں کہ ان کی عام برکات دنیا میں پھیلیں اور محبت الٰہی اور ہمدردی بندگان خدا کا پاک چشمہ ہریک دل سے نکل کر اور

ایک جگہ اکٹھا ہو کر ایک دریا کی صورت میں بہتا ہوا نظر آئے......... خدا تعالیٰ نے اس گروہ کو اپنا جلال ظاہر کرنے کے لئے اور اپنی قدرت دکھانے کے لئے پیدا کرنا اور پھر ترقی دینا چاہا ہے تا دنیا میں محبت الٰہی اور توبہ نصوح اور پاکیزگی اور حقیقی نیکی اور امن اور صلاحیت اور بنی نوع کی ہمدردی کو پھیلا دے۔ سو یہ گروہ اس کا ایک خاص گروہ ہو گا اور وہ انہیں آپ اپنی روح سے قوت دے گا اور انہیں گندی زیست سے صاف کرے گا۔ اور ان کی زندگی میں ایک پاک تبدیلی بخشے گا۔ اور وہ جیسا کہ اس نے اپنی پاک پیشگوئیوں میں وعدہ فرمایا ہے اس گروہ کو بہت بڑھائے گا اور ہزار ہا صادقین کو اس میں داخل کرے گا۔ وہ خود اس کی آبپاشی کرے گا اور اس کو نشوونما دے گا۔ یہاں تک کہ ان کی کثرت اور برکت نظروں میں عجیب ہو جائے گی۔ اور وہ اس چراغ کی طرح جو اونچی جگہ رکھا جاتا ہے دنیا کے چاروں طرف اپنی روشنی کو پھیلائیں گے اور اسلامی برکات کے لئے بطور نمونہ کے ٹھہریں گے۔ وہ اس سلسلہ کے کامل متبعین کو ہر یک قسم کی برکت میں دوسرے سلسلہ والوں پر غلبہ دے گا اور ہمیشہ قیامت تک ان میں سے ایسے لوگ پیدا ہوتے رہیں گے جن کو قبولیت اور نصرت دی جائے گی اس رب جلیل نے یہی چاہا ہے وہ قادر ہے جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ ہر یک طاقت اور قدرت اسی کو ہے"۔ [۶]

بیعت کے لئے لدھیانہ پہنچنے کا ارشاد

اسی اشتہار میں آپ نے ہدایت فرمائی کہ بیعت کرنے والے اصحاب ۲۰۔ مارچ کے بعد لدھیانہ پہنچ جائیں۔ [۷]

ہوشیار پور میں شیخ مہر علی صاحب کی ایک تقریب میں شمولیت

انہی دنوں شیخ مہر علی صاحب رئیس ہوشیار پور کے لڑکے کی شادی کی تقریب تھی جس میں شمولیت کے لئے انہوں نے درخواست کر رکھی تھی۔ اس لئے بیعت لینے سے قبل حضرت اقدس کو ایک مرتبہ ہوشیار پور بھی جانا پڑا۔ اس سفر میں منشی عبداللہ صاحب سنوری۔ میر عباس علی صاحب لدھیانوی اور حافظ حامد علی صاحب آپ کے قدیم خادم آپ کے ساتھ تھے۔ شیخ مہر علی صاحب نے یہ انتظام کیا تھا کہ دعوت میں کھانے کے وقت رؤساء کے واسطے الگ کمرہ تھا اور ان کے ساتھیوں اور خدام کے لئے الگ۔ مگر حضرت اقدس کا قاعدہ یہ تھا کہ اپنے خدام کو کمرے میں پہلے داخل کرتے پھر خود داخل ہوتے تھے۔ اور ان کو اپنے دائیں بائیں بٹھاتے تھے۔ ان دنوں وہاں مولوی محمود شاہ صاحب چھچھ ہزاروی کا وعظ ہونے والا تھا حضرت اقدس نے منشی عبداللہ صاحب سنوری کے ہاتھ بیعت کا اشتہار دے کر انہیں کہلا بھیجا کہ آپ اپنے لیکچر کے وقت کسی مناسب موقع پر میرا اشتہار بیعت پڑھ کر سنا دیں۔ اور میں خود بھی آپ کے لیکچر میں آؤں گا۔

انہوں نے وعدہ کر لیا۔ چنانچہ حضرت اقدس اس کے وعظ میں تشریف لے گئے۔ لیکن اس نے وعدہ خلافی کی اور حضور کا اشتہار نہ سنایا بلکہ جس وقت لوگ منتشر ہونے لگے اس وقت سنایا مگر اکثر لوگ منتشر ہو گئے تھے۔ حضرت اقدسؑ کو اس پر بہت رنج ہوا۔ فرمایا ہم اس کے وعدہ کے خیال سے ہی اس کے لیکچر میں آئے تھے کہ ہماری تبلیغ ہو گی۔ ورنہ ہمیں کیا ضرورت تھی۔ اس نے وعدہ خلافی کی ہے۔ خدا کے بندوں کی خفگی رنگ لائے بغیر نہیں رہتی۔ چنانچہ یہ مولوی تھوڑے عرصہ کے اندر ہی چوری کے الزام کے نیچے آکر سخت ذلیل ہوا۔ [8]

۲۳ مارچ ۱۸۸۹ء کو محلہ جدید میں بیعت اولیٰ کا آغاز

حضرت اقدس کے اشتہار پر جموں، خوست، بھیرہ، سیالکوٹ، گورداسپور، گوجرانوالہ، جالندھر، پٹیالہ، مالیر کوٹلہ، انبالہ، کپورتھلہ، اور میرٹھ وغیرہ اضلاع سے متعدد مخلصین لدھیانہ پہنچ گئے۔ بیعت اولیٰ کا آغاز لدھیانہ میں حضرت منشی عبداللہ سنوریؓ کی روایات کے مطابق ۲۰ رجب ۱۳۰۶ھ مطابق ۲۳ مارچ ۱۸۸۹ء [9] کو حضرت صوفی احمد جانؓ کے مکان واقع محلہ جدید میں ہوا۔ وہیں بیعت کے تاریخی ریکارڈ کے لئے ایک رجسٹر تیار ہوا۔ جس کی پیشانی پر یہ لکھا گیا۔ "بیعت توبہ برائے حصول تقویٰ وطہارت"۔ رجسٹر میں ایک نقشہ تھا جس میں نام، ولدیت اور سکونت درج کی جاتی تھی۔ [10]

حضرت اقدسؑ بیعت لینے کے لئے مکان کی ایک کچی کوٹھری [11] میں (جو بعد کو دارالبیعت کے مقدس نام سے موسوم ہوئی) بیٹھ گئے اور دروازے پر حافظ حامد علی صاحبؓ کو مقرر کر دیا اور انہیں ہدایت دی کہ جسے میں کہتا جاؤں اسے کمرہ میں بلاتے جاؤ۔ چنانچہ آپ نے سب سے پہلے حضرت مولانا نورالدین رضی اللہ عنہ کو بلوایا۔ حضرت اقدس نے مولانا کا ہاتھ کلائی پر سے زور کے ساتھ پکڑا اور بڑی لمبی بیعت لی۔ [12] ان دنوں بیعت کے الفاظ یہ تھے۔

"آج میں احمد کے ہاتھ پر اپنے ان تمام گناہوں اور خراب عادتوں سے توبہ کرتا ہوں جن میں میں مبتلا تھا اور سچے دل اور پکے ارادہ سے عہد کرتا ہوں کہ جہاں تک میری طاقت اور میری سمجھ ہے اپنی عمر کے آخری دن تک تمام گناہوں سے بچتا رہوں گا۔ اور دین کو دنیا کے آراموں اور نفس کے لذات پر مقدم رکھوں گا اور ۱۲۔ جنوری کی دس شرطوں پر حتی الوسع کاربند رہوں گا۔ اور اب بھی اپنے گذشتہ گناہوں کی خدا تعالیٰ سے معافی چاہتا ہوں اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ رَبِّی۔ اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ رَبِّی۔ اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ رَبِّی مِنْ کُلِّ ذَنْبٍ وَّاَتُوْبُ اِلَیْهِ اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِیْکَ لَهٗ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ۔ رَبِّ اِنِّیْ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ وَاعْتَرَفْتُ بِذَنْبِیْ فَاغْفِرْ لِیْ ذُنُوْبِیْ فَاِنَّهٗ لَا یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اَنْتَ [13-14]

(خاکہ دار البیعت لدھیانہ)

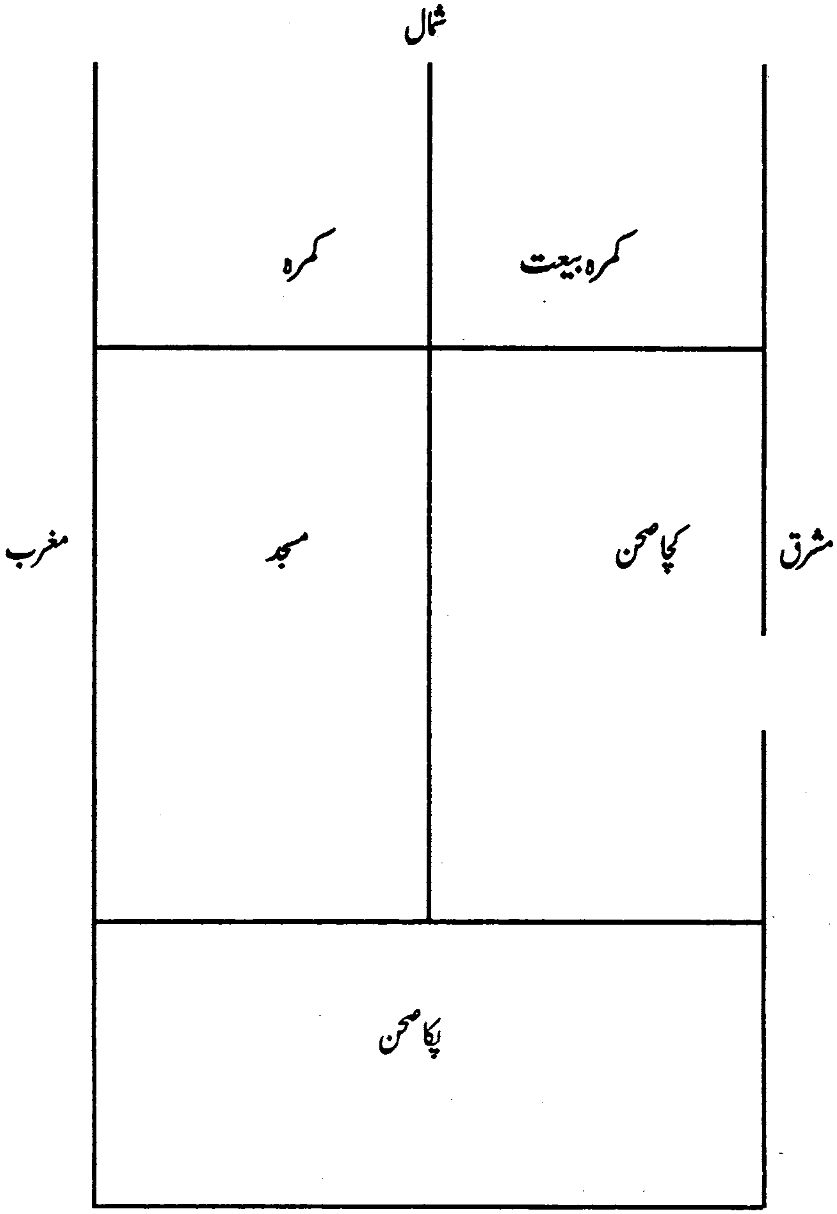

(جنوب) حضرت صوفی احمد جان صاحبؓ کا مکان

حضرت مولانا نور الدین رضی اللہ عنہ کے بعد میر عباس علی صاحب - شیخ محمد حسین صاحب خوشنویس مراد آبادی نیز چوتھے نمبر پر مولوی عبداللہ صاحب سنوری‌ؓ [۱۵] اور پانچویں نمبر پر مولوی عبداللہ صاحب ساکن تنگی علاقہ چارسدہ [۱۶] (صوبہ سرحد) نے بیعت کی - ان کے بعد غالباً منشی اللہ بخش صاحب [۱۷] لدھیانہ کا نام لے کر بلایا اور پھر شیخ حامد علی صاحب سے کہدیا کہ خود ہی ایک ایک آدمی کو بھیجتے جاؤ - اس کے بعد آٹھویں نمبر پر قاضی خواجہ علی صاحب‌ؓ نویں نمبر پر حافظ حامد علی صاحب‌ؓ اور دسویں نمبر پر چوہدری رستم علی صاحب‌ؓ اور پھر (معاً بعد یا کچھ وقفے کے ساتھ) منشی اروڑا خاں صاحب‌ؓ نے بیعت کی - ستائیسویں نمبر پر رحیم بخش صاحب [۱۸] سنوری کی بیعت ہوئی - اس طرح پہلے دن باری باری چالیس [۱۹] افراد نے آپ کے دست مبارک پر بیعت کی -

حضرت منشی ظفر احمد صاحب کا بیان ہے کہ "سبز کاغذ پر جب اشتہار حضور نے جاری کیا - تو میرے پاس بھی چھ سات اشتہار حضور نے بھیجے - منشی اروڑا صاحب‌ؓ فوراً لدھیانہ کو روانہ ہو گئے دوسرے دن محمد خاں صاحب اور میں گئے اور بیعت کرلی - منشی عبدالرحمٰن صاحب تیسرے دن پہنچے کیونکہ انہوں نے استخارہ کیا - اور آواز آئی "عبدالرحمٰن آجا" - ہم سے پہلے اس دن آٹھ نو کس بیعت کر چکے تھے - بیعت حضور اکیلے اکیلے کو بٹھا کر لیتے تھے اشتہار پہنچنے سے دوسرے دن چل کر تیسرے دن صبح ہم نے بیعت کی پہلے منشی اروڑا صاحب نے - پھر میں نے - میں جب بیعت کرنے لگا تو حضور نے فرمایا - کہ آپ کے رفیق کہاں ہیں؟ میں نے عرض کی - منشی اروڑا صاحب نے تو بیعت کرلی ہے اور محمد خاں صاحب نہا رہے ہیں کہ نہا کر بیعت کریں - چنانچہ محمد خاں صاحب نے بیعت کرلی - اس کے ایک دن بعد منشی عبدالرحمٰن صاحب‌ؓ نے بیعت کی - منشی عبدالرحمٰن صاحب - منشی اروڑا صاحب اور محمد خاں‌ؓ صاحب تو بیعت کر کے واپس آگئے کیونکہ یہ تینوں ملازم تھے میں پندرہ بیس روز لدھیانہ ٹھہرا رہا - اور بہت سے لوگ بیعت کرتے رہے - حضور تنہائی میں بیعت لیتے تھے اور کواڑ بھی قدرے بند ہوتے تھے - بیعت کرتے وقت جسم پر ایک لرزہ اور رقت طاری ہو جاتی تھی - اور دعا بعد بیعت بہت لمبی فرماتے تھے -"

[۲۰] پیر سراج الحق صاحب‌ؓ نعمانی - شیخ یعقوب علی صاحب تراب [۲۱] اور مولانا عبدالکریم صاحب‌ؓ سیالکوٹی اس دن لدھیانہ میں موجود تھے - مگر پہلی بیعت میں شامل نہ ہو سکے - پیر سراج الحق صاحب کا منشاء قادیان کی مسجد مبارک میں بیعت کرنے کا تھا جسے حضرت اقدس نے منظور فرمالیا - اور ۲۳ دسمبر ۱۸۸۹ء کو بیعت [۲۲] لی - باقی حضرت مولانا عبدالکریم صاحب‌ؓ [۲۳] اور حضرت شیخ یعقوب علی صاحب‌ؓ تراب [۲۴] نے انہی ایام میں بیعت کرلی تھی - حضرت اقدس‌ؑ نے مولانا نورالدین صاحب کو بلایا اور ران کے ہاتھ میں مولانا عبدالکریم صاحب کا ہاتھ رکھا اور ران ہر دو کو اپنے ہاتھ میں لیا اور پھر مولانا عبدالکریم

صاحب سے بیعت کے الفاظ کہلوائے۔ [۲۵]

ان ایام میں حضرت مولانا عبدالکریم صاحب نیچری خیالات رکھتے تھے۔ لیکن چونکہ وہ بچپن [۲۶] ہی سے حضرت مولانا نورالدین سے راہ و رسم رکھتے تھے اس لئے انہوں نے محض آپ کی نصیحت پر عمل کرتے ہوئے بیعت کرلی۔ بیعت کے بعد اتنا زبردست تغیر ہوا کہ خود ہی فرمایا کرتے تھے۔ "میں نے قرآن بھی پڑھا تھا، مولانا نورالدینؓ کے طفیل سے حدیث کا شوق بھی ہوگیا تھا۔ گھر میں صوفیوں کی کتابیں بھی پڑھ لیا کرتا تھا۔ مگر ایمان میں وہ روشنی وہ نور معرفت میں ترقی نہ تھی۔ جو اب ہے اس لئے میں اپنے دوستوں کو اپنے تجربے کی بناء پر کہتا ہوں کہ یاد رکھو اس خلیفہ اللہ کے دیکھنے کے بدوں صحابہ کا سا زندہ ایمان نہیں مل سکتا۔ اس کے پاس رہنے سے تمہیں معلوم ہوگا کہ وہ کیسے موقع موقع پر خدا کی وحی سناتا ہے اور وہ پوری ہوتی ہے تو روح میں ایک محبت اور اخلاص کا چشمہ پھوٹ پڑتا ہے۔ جو ایمان کے پودے کی آبپاشی کرتا ہے۔" [۲۷]

عورتوں کی بیعت

مردوں کی بیعت کے بعد حضرت گھر میں آئے تو بعض عورتوں نے بھی بیعت کی۔ سب سے پہلے حضرت مولانا نورالدین صاحب کی اہلیہ محترمہ حضرت صغریٰ بیگم [۲۸] نے بیعت کی۔ حضرت ام المومنین ابتداء ہی سے آپ کے سب ہی دعاوی پر ایمان رکھتی تھیں اور شروع ہی سے اپنے آپ کو بیعت میں سمجھتی تھیں اس لئے آپ نے الگ بیعت کی ضرورت نہیں سمجھی۔ [۲۹]

بیعت کے بعد اجتماعی کھانا اور نماز

میاں رحیم بخش صاحب سنوریؓ کا بیان ہے کہ "بیعت کے بعد کھانا تیار ہوا تو حضور نے فرمایا۔ اس مکان میں کھانا کھلاؤ کیونکہ وہ مکان لمبا تھا۔ غرض دستر خوان بچھ گیا اور سب دوستوں کو وہیں کھانا کھلایا گیا کھانے کے وقت ایسا اتفاق ہوا کہ میں حضور کے ساتھ ایک پہلو پر بیٹھا تھا حضور اپنے برتن میں سے کھانا نکال کر میرے برتن میں ڈالتے جاتے تھے۔ اور میں کھانا کھاتا جاتا تھا۔ گاہے حضور بھی کوئی لقمہ نوش فرماتے تھے۔ کھانے کے بعد نماز کی تیاری ہوئی۔ نماز میں بھی ایسا اتفاق پیش آیا کہ میں حضور کے ایک پہلو میں حضور کے ساتھ کھڑا ہوا۔ اب مجھے یاد نہیں رہا کہ اس وقت کون امام تھا"۔ [۳۰]

دوسرے ایام میں بیعت

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام لدھیانہ میں ۱۸۔ اپریل ۱۸۸۹ء تک مقیم رہے۔ [۳۱] ابتداء محلہ جدید میں پھر محلہ اقبال گنج میں تاہم بیعت کا سلسلہ بدستور جاری رہا۔ پہلے بیعت اکیلے اکیلے ہوتی رہی پھر خطوط کے ذریعہ سے پھر مجمع عام میں۔ [۳۲]

بیعت کے بعد نصائح

حضرت اقدس کا اکثر یہ دستور تھا کہ بیعت کرنے والوں کو نصائح فرماتے تھے۔ چند نصائح بطور نمونہ درج ذیل ہیں۔

"اس جماعت میں داخل ہو کر اول زندگی میں تغیر کرنا چاہیے۔ کہ خدا پر ایمان سچا ہو اور وہ ہر مصیبت میں کام آئے۔ پھر اس کے احکام کو نظر خفت سے نہ دیکھا جائے بلکہ ایک ایک حکم کی تعظیم کی جائے اور عملاً اس تعظیم کا ثبوت دیا جائے"۔

"ہمہ وجوہ اسباب پر سرنگوں ہونا اور اسی پر بھروسہ کرنا اور خدا پر توکل چھوڑ دینا یہ شرک ہے اور گویا خدا کی ہستی سے انکار۔ رعایت اسباب اس حد تک کرنی چاہیے۔ کہ شرک لازم نہ آئے۔ ہمارا مذہب یہ ہے کہ ہم رعایت اسباب سے منع نہیں کرتے مگر اس پر بھروسہ کرنے سے منع کرتے ہیں۔ دست در کار دل با یار والی بات ہونی چاہیے"۔

"دیکھو تم لوگوں نے جو بیعت کی ہے اور اس وقت اقرار کیا ہے اس کا زبان سے کہہ دینا تو آسان ہے لیکن نبھانا مشکل ہے۔ کیونکہ شیطان اسی کوشش میں لگا رہتا ہے کہ انسان کو دین سے لاپروا کر دے دنیا اور اس کے فوائد کو تو وہ آسان دکھاتا ہے اور دین کو بہت دور۔ اس طرح دل سخت ہو جاتا ہے اور پچھلا حال پہلے سے بدتر ہو جاتا ہے اگر خدا کو راضی کرنا ہے تو اس گناہ سے بچنے کے اقرار کو نبھانے کے لئے ہمت اور کوشش سے تیار رہو"۔

"فتنہ کی کوئی بات نہ کرو۔ شر نہ پھیلاؤ۔ گالی پر صبر کرو۔ کسی کا مقابلہ نہ کرو جو مقابلہ کرے اس سے بھی سلوک اور نیکی کے ساتھ پیش آؤ۔ شیریں بیانی کا عمدہ نمونہ دکھلاؤ سچے دل سے ہر ایک حکم کی اطاعت کرو کہ خدا راضی ہو جائے۔ اور دشمن بھی جان لے کہ اب بیعت کر کے یہ شخص وہ نہیں رہا جو پہلے تھا۔ مقدمات میں سچی گواہی دو۔ اس سلسلہ میں داخل ہونے والے کو چاہئے کہ پورے دل پوری ہمت اور ساری جان سے راستی کا پابند ہو جائے"۔ [۲۲]

بعض لوگ بیعت کرنے کے بعد حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے سوال کیا کرتے تھے کہ حضور کسی وظیفہ وغیرہ کا ارشاد فرمائیں۔ اس کا جواب اکثر یہ دیا کرتے تھے کہ نماز سنوار کر پڑھا کریں اور نماز میں اپنی زبان میں دعا کیا کریں۔ اور قرآن شریف بہت پڑھا کریں۔ آپ وظائف کے متعلق اکثر فرمایا کرتے تھے کہ استغفار کیا کریں۔ سورہ فاتحہ پڑھا کریں۔ درود شریف لاحول اور سبحان اللہ پر مداومت کریں۔ اور فرماتے تھے کہ بس ہمارے وظائف تو یہی ہیں۔ [۲۳]

رجسٹر بیعت اولیٰ کی مکمل فہرست

رجسٹر بیعت ابتداء حضرت میر محمد اسحاق صاحب رضی اللہ عنہ کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے کاغذات

میں سے ملا تھا جو انہوں نے صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب کو دے دیا اور حضرت صاحبزادہ صاحب نے اس کی عظیم الشان اہمیت کے پیش نظر اسے خلافت لائبریری ربوہ میں منتقل فرما دیا ہے۔ اس قیمتی دستاویز کا پہلا ورق ضائع ہو چکا ہے جس کی وجہ سے ابتدائی آٹھ ناموں کا پتہ نہیں چل سکا۔ ذیل میں اس کی مکمل فہرست درج کی جاتی ہے اس فہرست میں مبائعین کی ترتیب مدنظر نہیں رکھی گئی جس کی وجہ یہ ہے کہ اس وقت دستخطی پرچیاں کسی ترتیب سے نہیں رکھی جاتی تھیں۔ [35] یہ بھی یاد رہے کہ ۲۱۔ مارچ ۱۸۸۹ء کو ۱۸۔ رجب ۱۳۰۶ھ کی قمری تاریخ تھی۔

نمبر شمار	تاریخ ہجری	تاریخ عیسوی	نام مع ولدیت	وطن	موجودہ سکونت	پیشہ وغیرہ	کیفیت
۹	۱۹ رجب ۱۳۰۶ھ	۲۱ مارچ ۱۸۸۹ء (مرتب)	حافظ حامد علی ولد فتح محمد	تھہ غلام نبی ضلع گورداسپور	قادیان	کاشت	
۱۰	"		منشی رستم علی ولد شہاب خاں	موضع مدار ضلع جالندھر تحصیل جالندھر	کانگڑہ	ملازمت پولیس	علاقہ قیصری ڈپٹی انسپکٹر پولیس کانگڑہ
۱۱	"	"	عبداللہ ولد کرم بخش	سنور۔ محلہ تنبواں۔ ریاست پٹیالہ	کوٹ گڑھ تھانہ گھمانوں تحصیل سرہند ریاست پٹیالہ	ملازمت پٹواری ریاست پٹیالہ	بعد محمد حسین صاحب نمبر۴
۱۲	"	"	میر عنایت علی ولد میر ولایت علی	لدھیانہ محلہ صوفیاں		ملازمت	
۱۳	"	"	شہاب دین ولد متاب دین	تھہ غلام نبی ضلع گورداسپور	جموں	ملازمت	
۱۴	"	"	شیخ نور الدین ولد شیخ جان محمد	قصبہ نبت ضلع مظفرنگر	مالیر کوٹلہ ریاست کوٹلہ	ملازمت ریاست کوٹلہ	
۱۵	"	"	طالع محمد خاں ولد عمر بخش خاں	مالیر کوٹلہ		"	
۱۶	"	"	عبدالحق خلف عبدالسمیع	لدھیانہ محلہ رنگریزاں		پیشہ نوکری	
۱۷	"	"	محمد یوسف ولد کریم بخش	سنور محلہ تنبواں ریاست پٹیالہ		ملازمت مدرسی ریاست پٹیالہ	
۱۸	"	"	محمد بخش ولد عبداللہ	لدھیانہ محلہ ہیڑیاں		کتب فروشی	
۱۹	"	"	چانن شاہ ولد گلاب شاہ	اکبرپور ضلع مالیر کوٹلہ		کاشت	
۲۰	"	"	میراں بخش ولد بہادر خان	کھیرو ریاست پٹیالہ تحصیل امرگڑھ		نمبردار	
۲۱	"	"	علی محمد ولد احمد شاہ	""""""		قضاء	
۲۲	"	"	رام سنگھ ولد ندھا	کوٹلہ مالیر		مختار کاری	
۲۳	"	"	نبی بخش ولد رانجھ	کھیرو علاقہ شیرپور [36]		کاشت	
۲۴	"	"	علی محمد ولد گلاب خان	کھیرو علاقہ پٹیالہ ڈاکخانہ شیرپور		کاشت	
۲۵	"	"	مولوی فتح علی ولد فضل الدین	موضع داناوالی تحصیل سیالکوٹ	موضع خیری ریاست جموں جاگیر راجہ امر سنگھ	متوکل	

٢٦	"	"	روڑا ولد جیون	کپور تھلہ محلہ قصاباں		نقشہ نویسی	جوڈیشل عدالت کپور تھلہ
٢٧	"	"	رحیم بخش ولد کریم بخش	سنور محلہ خوشابہاں ریاست پٹیالہ		ملازمت	
٢٨	"	"	حشمت اللہ ولد فیض بخش	سنور - ریاست پٹیالہ محلہ ملانہ		ملازمت مدرس	ریاست پٹیالہ
٢٩	"	"	محمد بخش ولد عبدالرحیم	سیالکوٹ خاص		دوکانداری	بزازی وغیرہ
٣٠	"	"	علی محمد ولد اللہ بخش	سنور محلہ مجاوراں		ملازمت زنبورچی	
	"	"	عرف عبدالصمد	ریاست پٹیالہ	ریاست پٹیالہ	ریاست پٹیالہ	"
٣١	"	"	ابراہیم ولد منشی اللہ بخش	سنور محلہ تنبواں ریاست پٹیالہ		ملازمت	مدرس ریاست پٹیالہ
٣٢	"	"	محمد ابراہیم ولد منشی کریم بخش	" "		ملازمت پٹواری	ریاست پٹیالہ
٣٣	"	"	ولی محمد ولد عبداللہ	پٹیالہ محلہ ڈ کب بازار		متوکل مستغنی	
٣٤	"	"	احمد حسن خلف محمد اکبر	پٹیالہ بارہ دری خورد		ملازمت ریاست پٹیالہ	محرر کوٹھہ گنج
٣٥	"	"	خلیفہ محمد عیسیٰ ولد میاں جی فضل علی	سنور ریاست پٹیالہ محلہ ملانہ		ملازمت ریاست پٹیالہ	محرر پلٹن
٣٦	"	"	جان محمد ولد رولدو	پٹیالہ بارہ دری خورد		ملازم نڈیل [٢٧]	سپاہی پلٹن
٣٧	"	"	خدا بخش ولد درگاہی	پٹیالہ قریب دروازہ شیرانوالہ		باغبان	
٣٨	"	"	مرزا سعادت بیگ ولد مرزا رستم بیگ	سامانہ علاقہ پٹیالہ محلہ اندر کوٹ عرف امام گڑھ		ملازمت	
٣٩	"	"	مرزا محمد یوسف بیگ ولد ولد مرزا رستم بیگ	""""		تجارت	
٤٠	"	"	مرزا محمد ابراہیم بیگ ولد مرزا یوسف بیگ	""""		"	
٤١	"	"	محمد حفیظ بیگ ولد منور بیگ	""""		"	
٤٢	"	"	اللہ دین ولد کریم بخش	بھیرہ ضلع شاہ پور	چھاؤنی ضلع شاہ پور	عرض نویسی	صدر شاہ پور
٤٣	"	"	عبدالکریم [٢٨] ولد محمد سلطان	سیالکوٹ		مدرس	بورڈ سکول
٤٤	"	"	سید عبدالرزاق ولد علی محمد	کریام تھانہ راہوں ضلع جالندھر	کڑیانہ تھانہ پھلور	متوکل	
	"	"					
٤٥	"	"	مسماۃ متاں زوجہ علی بخش	جمنپٹ ضلع لدھیانہ	جمنپٹ	زمینداری	
٤٦	"	"	فرزند حسین ولد علی نواز	"""" ماچھی واڑہ	لدھیانہ	ملازمت	
٤٧	٢٠رجب بروز جمعہ ١٣٠٦ھ	٢٢مارچ ١٨٨٩ء	اللہ دین ولد جیوے خاں	لدھیانہ محلہ گگریزاں	"	"	
٤٨	"	"	ماہیا ولد پیر بخش	نوٹ گڑھ ریاست پٹیالہ		زمینداری	
	"	"		تعلقہ کھانوں	نوٹ گڑھ		
٤٩	"	"	قادر بخش ولد بابا	رتن گڑھ تھانہ سانیوال ضلع لدھیانہ	رتن گڑھ	زمینداری	
٥٠	"	"	بیگا ولد ساوو	گمڑلیس پور تحصیل	گمڑلیس پور	"	

				روپڑ ضلع انبالہ			
۵۱	"	"	امیر الدین ولد فضل الدین	جسووال تھانہ ماچھیواڑہ	جسووال	خیاطی	
	"	"		ضلع لدھیانہ		زمینداری	
۵۲	"	"	حافظ نور احمد ولد قادر بخش	لدھیانہ محلہ موچھ پورہ	لودھیانہ	تجارت	
۵۳	"	"	ضیاء الدین ولد قاضی غلام احمد ؓ	کوٹ قاضی محمد جان تحصیل وزیر آباد ضلع گوجرانوالہ	کوٹ قاضی محمد جان	معلم امام مسجد	
۵۴	"	"	محمد تقی ولد محمد یوسف	سنور ریاست پٹیالہ	سنور محلہ تنبواں عمر ۱۰سال		
۵۵	"	"	محمد مصطفےٰ ولد محمد ابراہیم	"	" عمر ۱۲سالہ		
۵۶	۲۱-رجب روز شنبہ	۲۳مارچ ۱۸۹ء	محمد خلیل ولد محمد سلطان	لدھیانہ محلہ اقبال گنج	برج لٹاں محلہ اقبال گنج	پٹوارگری و میر محلہ	
۵۷	"	"	ظفر احمد ولد محمد ابراہیم	بوڑھانہ ضلع مظفر نگر	کپور تھلہ	اپیل نویسی محکمہ مجسٹریٹی	کپور تھلہ
۵۸	"	"	محمد خاں ولد دلاور خاں	ریاست رام پور	کپور تھلہ محلہ شیر گڑھ	اہلمد فوجداری	محکمہ اسٹنٹ مجسٹریٹ کپور تھلہ
۵۹	"	"	عبد الرحمٰن ؓ ولد حبیب اللہ	سراوہ تحصیل ہاپوڑ ضلع میرٹھ	کپور تھلہ	اہلمد محکمہ جرنیلی	ریاست کپور تھلہ
۶۰	"	"	حاجی عبد الرحیم		چھاؤنی انبالہ صدر	تجارت	قطع تعلقہ ولی مدبرا
۶۱	"	بروز مذکور	اسمٰعیل ولد صدر الدین	موضع چمار تھانہ راجپورہ		زمینداری	
۶۲	"	"	عبد الکریم ولد امیر علی	"		"	
۶۳	۲۲-رجب	۲۴-مارچ ۱۸۹ء یکشنبہ	مرزا احمد بیگ اور مرزا کریم بیگ	سنانہ ضلع بلند شہر	روڑکی ضلع سہارنپور	ملازمت	ماسٹر کالج روڑکی
۶۴	"	"	مرزا خدا بخش ؓ ولد مرزا محمد ؓ	ضلع جھنگ محلہ باغوالہ دروازہ کھیو والہ	ضلع لاہور	ملازمت	مترجم چیف کورٹ پنجاب لاہور
۶۵	"	یکشنبہ "	محمد ابراہیم ولد محمد خاں	دہلی بازار الف خاں کٹڑہ شیخ چاند		پشمینہ دار	
۶۶	"	"	مظہر حق ولد صوبہ شاہ	موضع آلووال تحصیل و ضلع لودہانہ		زمینداری	
۶۷	"	یکشنبہ "	عبد القادر ولد ؓ ماموں خاں	موضع چنکن تحصیل لودیانہ	موضع جمال پور تحصیل لودیانہ	مدرسی	
۶۸	"	"	فتح دین ولد گامی	موضع برج ہری سنگھ تحصیل جگراواں	""""	""""	
۶۹	۲۳ رجب	۲۵مارچ روز شنبہ ۱۸۸۹ء	ہمشیرہ صاحبزادہ افتخار احمد یعنی زوجہ حکیم نور الدین صاحب	بھیرہ ضلع شاہ پور	جموں		
۷۰	"	"	سید سردار علی ولد تراب علی	کڑیانہ ضلع جالندھر تحصیل پھلور	لودیانہ	ملازمت	محرر چونگی محلہ صوفیاں
۷۱	"	"	غلام محمد ولد روشن	موضع جمالپور رکھے والا	تحصیل لودیانہ	زمینداری	

۷۲	"	"	عبدالحق ولد عمرا	"		"
۷۳	"	"	اللہ دین ولد عمرالدین	لاہور کٹڑہ ولی شاہ درخانہ پیر بخش	شملہ	کمپازیٹر گورنمنٹ سنٹرل پریس کیمپ شملہ کاپی نویس
۷۴	۲۴ رجب	سہ شنبہ ۲۶ مارچ ۱۸۸۹ء	عبدالحمید ولد ستار خاں	لل ریاست پٹیالہ	لودیانہ محلہ [۲۲]...	کاپی نویس
۷۵	۲۵ رجب روز پنجشنبہ	۲۸ مارچ ۱۸۸۹ء	ابوالخیر عبداللہ [۲۵] ولد ابوعبداللہ احمد	ٹکلے پروزائے پتہ ہشت نگر ضلع پشاور		وعظ و تعلیم قرآنی
۷۶	روز جمعہ	۲۹ مارچ	آمنا زوجہ حاکم ولد [۲۶]...	عمرت ضلع و تحصیل لودیانہ		
۷۷	روز دوشنبہ	یکم اپریل ۱۸۸۹ء	اسمٰعیل ولد سردارا	موضع ہنگن تحصیل لودیانہ		زراعت
۷۸	یکشنبہ	۷ اپریل ۱۸۸۹ء	مولوی محمد تفضل حسین صاحب علی گڑھ ولد مولوی الطاف حسین صاحب مرحوم۔ رئیس اوٹاوہ سرشتہ دار کلکٹر	اوٹاوہ	علی گڑھ	سرشتہ دار کلکٹری علی گڑھ
۷۹	چہار شنبہ	۱۱- اپریل	محمد ابوالقاسم ولد قاضی احمد حسین	اوٹاوہ محلہ بیرون ٹولہ		زمینداری
۸۰	ایضاً	ایضاً	منشی صادق حسین ولد حکیم وارث علی	ایضاً		مختاری
۸۱	جمعہ	۱۲- ایضاً	مولوی قادر بخش صاحب ولد شیخ محب اللہ	ایضاً محلہ چوکٹ کوآن		معلمی
۸۲	ایضاً	ایضاً	محمد جان ولد قاسم جان	ایضاً محلہ ایضاً		عرضی نویسی متعلق اٹاوہ
۸۳	ایضاً	ایضاً	.....علی ولد بشارت	ایضاً		تجارت
	ایضاً	ایضاً	امیر علی ولد میر علی	ایضاً		تجارت
۸۵	ایضاً	ایضاً	منشی محمد اکرام حسین ولد شیخ محمد فضل صاحب	ایضاً محلہ نورنگ آباد	علی گڑھ	ملازمت محرر کلکڑی
۸۶	چہار شنبہ	۱۷- اپریل	مولوی نور محمد ولد مولوی عبداللہ	موضع مانگٹ	ضلع لودھیانہ	زمینداری
۸۷ت	"	۲۳- اپریل	مولوی سید محمد احسن ولد سید مراد علی	امروہہ ضلع مراد آباد محلہ شاہ علی سرائے	بھوپال دارالریاست	مہتمم مصارف ریاست بھوپال
۸۸ت	"	"	عبدالسبحان ولد عبدالغفار کشمیری محلہ سادھواں	ساکن لاہور محلہ سادھواں	ملازم ریلوے پریس...لاہور	ملازمت
۸۹ت	"	"	فتح بخش ولد فیض بخش قوم قریشی	لاہور موچی دروازہ	"	ملازم ریلوے پریس لاہور میں کمپازیٹر
۹۰	یکشنبہ	۲۹- اپریل ۱۸۸۹ء	بابو حکیم دین ولد منشی امام دین	پٹی ضلع لاہور	مختار امرتسر	ملازمت
۹۱	چہار شنبہ	یکم مئی ۱۸۸۹ء	مولوی خدا بخش صاحب ولد میاں صوفی جیوں ساکن بستی شیخ ضلع جالندھر	بستی شیخ ضلع جالندھر	مولوی	متوکل
۹۲	یکشنبہ	۴ مئی ۱۸۸۹ء	مولوی محمد عبداللہ صاحب فخری	کاہندلہ ضلع مظفر نگر	تدریس	ملازمت

			ولد میاں بہرام علی صاحب ساکن کاہنڈلہ ضلع مظفر نگر ہندوستان			
۹۳	پنجشنبہ	مئی ۱۸۸۹ء	منشی محمد جلال الدین صاحب میرمنشی رجمنٹ نمبر ۱۲ مقیم چھاؤنی ملتان	موضع بلانی تحصیل کھاریاں ضلع گجرات پنجاب	نوکری	ملازمت
۹۴	جمعہ	۲۴ مئی ۱۸۸۹ء	مولوی محمد یعقوب ولد حافظ محمد سعید خان صاحب	اصل سکونت موضع برتھ کائنہ نواح سہارنپور حال سکونت بطور مستقل بعد ترک وطن بمقام ڈیرہ دون محلہ دھامانوالہ		امامت مسجد ڈیرہ دون محلہ دھامانوالہ ومعلّمی
۹۵	"	"	پیرجی خدا بخش صاحب ولد میاں محمد رمضان ساکن نجیب آباد ضلع بجنور حال سکونت مستقل بمقام ڈیرہ دون	اصل سکونت نجیب آباد ضلع بجنور حال سکونت از عرصہ دراز بطور مستقل بمقام ڈیرہ دون محلہ دھامانوالہ		سوداگری محلہ دھامانوالہ
۹۶	سہ شنبہ	۲۸۔ مئی ۱۸۸۹ء	کریم بخش پٹواری ساکن قصبہ سنور	اصل سکونت قصبہ سنور حال متعینہ پیائش موضع شاہپور خورد	پیشہ پٹواری	
۹۷		۲۹ مئی ۱۸۸۹ء	مولوی نجف علی طالب علم بی اے کلاس گورنمنٹ کالج ولد مولوی محمد وسوندی ساکن موضع جلال پور جٹاں ضلع گجرات حال وارد لاہور	اصل سکونت بمقام جلال پور جٹاں ضلع گجرات میں ہے اور اب لاہور میں بی اے کلاس کے طالب علم ہیں۔	طالب علم گورنمنٹ کالج	
۹۸		۱۴۔ جون ۱۸۸۹ء	میاں جان محمد ولد میاں ساگر قادیان	قادیان ضلع گورداسپور	امام مسجد کلاں	
۹۹		۲۰۔ جون ۱۸۸۹ء	میاں سید عبد اللہ ولد معظم شاہ ساکن لوکھر ضلع گوجرانوالہ	ضلع گوجرانوالہ	زمینداری	
۱۰۰		"	سید.... شاہ ولد فضل شاہ ساکن لوکھر ضلع گوجرانوالہ	"	زمینداری	
۱۰۱		۲۵۔ جون	میاں عبد العزیز خاں ٹانک ولد میاں عابد خاں ساکن نپے کھر علاقہ ضلع بنارس حال سکونت سیالکوٹ	سیالکوٹ چھاؤنی پلٹن نمبر ۲۴ کمپنی ۴	ملازمت سیالکوٹ چھاؤنی یعنی ٹانک پلٹن نمبر ۲۴ کمپنی ۴	
۱۰۲		۲۸ جون ۱۸۸۹ء	منشی عبد العزیز معروف نبی بخش ولد میاں محمد بخش ساکن بٹالہ ہاتھی دروازہ	بٹالہ ضلع گورداسپورہ ہاتھی دروازہ	زمینداری	
۱۰۳		"	فاطمہ اہلیہ حکیم فضل دین صاحب بھیرہ ضلع شاہپور	بھیرہ ضلع شاہپور	زمینداری	
۱۰۴		۱۴۔ جولائی ۱۸۸۹ء	منشی محمد اسحاق صاحب ملازم ریاست بھوپال	بھوپال دار الریاست	ملازم ریاست بھوپال	

۱۰۵	۲۵ جولائی	۲۵ جولائی ۱۸۸۹ء	حشمت علی خان متوطن خان سامانہ علاقہ ریاست پٹیالہ تحصیلدار سرہند علاقہ پٹیالہ	سامانہ علاقہ ریاست پٹیالہ	نوکری	
۱۰۶	۴۔ اگست	۴۔ اگست ۱۸۸۹ء روز یکشنبہ	عبدالحکیم خان ولد وزیر خاں ساکن سامانہ علاقہ ریاست پٹیالہ حال سکونت بطور عارضی لاہور	سامانہ	نوکری حال طالب علم اسسٹنٹ سرجن کلاس میڈیکل کالج لاہور	
۱۰۷			نجم الدین ولد احمد یار ساکن بھیرہ برادری جدی مولوی حکیم نوردین صاحب	بھیرہ ضلع شاہپور	نوکری	
۱۰۸			چراغ علی ولد عطا محمد قوم ککے زئی	تہ غلام نبی ضلع گورداسپورہ	زمینداری	
۱۰۹	۱۸۸۹ء ۱۷۔ اگست یوم شنبہ		منشی غلام طاہر ولد فتح علی ساکن سنور محلہ پٹھانوں کا علاقہ ریاست پٹیالہ	سنور علاقہ ریاست پٹیالہ	نوکری	
۱۱۰	۱۸۸۹ء ۱۹۔ اگست		مسمات حسین بے عرف حسنے زوجہ نظام علی خان ناظم مرحوم ہمشیرہ کلاں مرزا محمد یوسف بیگ ساکن سامانہ علاقہ ریاست پٹیالہ	سامانہ علاقہ ریاست پٹیالہ		
۱۱۱			مسمات حسن بی عرف حسنے زوجہ حشمت علی خاں تحصیلدار ہمشیرہ ثانی مرزا محمد یوسف بیگ سامانہ علاقہ ریاست پٹیالہ			
۱۱۲			مسمات فیض بے عرف فیضے زوجہ شجاعت بیگ ہمشیرہ خورد مرزا محمد یوسف بیگ سامانہ پٹیالہ	"		
۱۱۳	"		مسمات افضل النساء دختر شجاعت یعنی ہمشیرہ زادی مرزا یوسف بیگ سامانہ علاقہ ریاست پٹیالہ	" سامانہ علاقہ ریاست پٹیالہ		
۱۱۴	"		مسمات حلیمہ دختر شجاعت بیگ یعنی ہمشیرہ زادی مرزا یوسف بیگ سامانہ علاقہ پٹیالہ	"		
۱۱۵			مسمات سکینہ دختر شجاعت بیگ یعنی ہمشیرہ زادی مرزا یوسف بیگ سامانہ علاقہ ریاست پٹیالہ	" "		
۱۱۶			مسمات حمیدہ دختر مرزا شجاعت بیگ یعنی برادر زادی مرزا یوسف بیگ	"		
۱۱۷			مسمات عنایت بی زوجہ مرزا محمد یوسف بیگ سامانہ علاقہ ریاست پٹیالہ	" "		
۱۱۸			مسمات سردار بی دختر الف بیگ مرحوم خوش دامن مرزا محمد یوسف بیگ		"	

۱۱۹		مسمات صغریٰ بیگم دختر مرزا عظیم بیگ برادر حقیقی مرزا محمد یوسف بیگ	"	
۱۲۰		مسمات کریم زوجہ مرزا اشرف بیگ مرحوم برادر حقیقی مرزا محمد یوسف بیگ مرحوم	"	
۱۲۱	اگست ۱۸۸۹ء	برکت علی ولد احمد علی قوم گگے زی ساکن فیض اللہ چک ضلع گورداسپور	فیض اللہ چک ضلع گورداسپور	....
۱۲۲	۲۷ ذوالحجہ ۱۳۰۶ھ	قاضی عبدالقادر خان 'خان بہادر خلف الصدق قاضی فضل قادر خان الملقب قائم خاں ابن اعلم العلماء قاضی محمد حسن خان الملقب نجان العلماء خاں رئیس شہر پشاور پنشنر گورنمنٹ سابق وزیر افغانستان ذات افغان یوسف زری امال زری قوم قاضی خیلاں	پشاور خاص محلہ باقر شاہ	پنشنر
۱۲۳	۷۔ محرم الحرام ۱۳۰۷ھ	فیاض علی ولد رسول بخش قوم قریشی ساکن سراوہ ضلع میرٹھ محلہ قریشیاں حال ملازم یعنی محرر فوج ریاست کپورتھلہ	سراوہ ضلع میرٹھ حال ملازم یعنی محرر فوج ریاست پٹیالہ	نوکری یعنی محرری فوج ریاست کپورتھلہ
۱۲۴	۷۔ ستمبر ۱۸۸۹ء دہم محرم ۱۳۰۷ھ	مولوی شیر محمد ولد میاں غلام مصطفیٰ زمیندار ساکن موضع ہجن تحصیل بھیرہ ضلع شاہ پور	موضع ہجن تحصیل بھیرہ ضلع شاہ پور	طبابت و زمینداری
۱۲۵	۱۲ محرم ۱۳۰۷ھ	سلیمان ولد شیر علی ساکن ایوکے ضلع منٹگمری تحصیل گوگیرہ موضع ایوکے	تحصیل گوگیرہ ضلع منٹگمری	زمینداری
۱۲۶	۱۲ محرم ۱۳۰۷ھ	مولوی عنایت اللہ گگے زئی ولد میاں نور الٰہی ساکن نوشہرہ تحصیل پسرور	نوکری و طالب علم نوشہرہ تحصیل پسرور	نوکری
		ضلع سیالکوٹ سکونت عارضی امرتسر بصحبت مولوی احمد اللہ صاحب	ضلع سیالکوٹ سکونت عارضی امرتسر بصحبت مولوی احمد اللہ صاحب	
۱۲۷	۱۵۔ ستمبر ۱۸۸۹ء	چوہدری اللہ بخش ولد... ساکن لیل خاص تحصیل گورداسپورہ	لیل تحصیل گورداسپور	زمینداری
۱۲۸	"	عبداللہ ولد ونیس ساکن لیل تحصیل گورداسپورہ	"	"
۱۲۹	"	مہر دین ولد کرم الٰہی قوم آرائیں زمیندار ساکن لیل تحصیل گورداسپورہ	"	"
۱۳۰	"	محمد دین ولد الٰہی بخش قوم آرائیں ساکن لیل تحصیل و ضلع گورداسپورہ	"	"
۱۳۱	"	حاکم ولد کرم الٰہی قوم ارائیں ساکن لیل تحصیل و ضلع گورداسپورہ	"	"
۱۳۲	"	فرزند علی ولد مہر علی قوم قریشی ساکن لیل تحصیل و ضلع گورداسپورہ	"	زمینداری
۱۳۳	"	رحیم بخش ولد سوداگر قوم آرائیں ساکن لیل تحصیل و ضلع گورداسپورہ	"	زمینداری
۱۳۴	"	سزاوار ولد گھنیا قوم ارائیں ساکن شاہ پور تحصیل و تالہ ضلع گورداسپورہ	"	زمینداری
۱۳۵	"	گوہر ولد محمد بخش قوم زمیندار ساکن ڈڈواں ضلع و تحصیل گورداسپورہ	"	"
۱۳۶	"	قطب الدین ولد وزیر دین ساکن بدبیجہ تحصیل و ضلع گورداسپور قوم کشمیری		درزی گری بمقام دھاری وال
۱۳۷	"	امام بخش ولد منگا قوم درزی ساکن دودہ...... حال ڈڈواں تحصیل و ضلع گورداسپورہ	"	درزی گری و.....
۱۳۸	"	نعمت اللہ ولد عبادت علی شاہ قوم سید ساکن ڈڈواں تحصیل و ضلع گورداسپورہ		زمینداری
۱۳۹	"	مہر اللہ ولد سیدا قوم حجام ساکن ڈڈواں تحصیل و ضلع گورداسپورہ	"	زمینداری
۱۴۰	"	فضل دین ولد محمد بخش قوم درزی ساکن ڈڈواں تحصیل و ضلع گورداسپورہ	"	"
۱۴۱	"	حکم دین ولد نتھو قوم ارائیں ساکن رِوال تحصیل و تالہ ضلع گورداسپورہ	"	درزی گری و گری
۱۴۲	"	برکت علی ولد فضل شاہ قوم سید ساکن ڈڈواں تحصیل و ضلع گورداسپورہ	"	درزی گری در کارخانہ ہٹلی گھر

۱۴۳	"	عبداللہ ولد نور محمد ساکن سولاں تحصیل و ضلع گورداسپورہ کشمیری	"	پیشہ کشمیریاں
۱۴۴	۱۹۔ستمبر ۱۸۸۹ء	میر عطا محمد ولد میر سلطان محمد قوم سید ساکن لودھیانہ محلہ صوفیاں حال ملازم ریل یعنی گارڈ متعینہ سرہند	نوکری	
۱۴۵	۱۹۔ستمبر ۱۸۸۹ء	قاضی غلام مرتضیٰ صاحب ولد قاضی محمد روشن دین صاحب اصل متوطن احمد پور ضلع جھنگ حال ساکن قریہ دین پور قریب مظفرگڑھ پنجاب	اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر مظفرگڑھ	
۱۴۶	۲۱۔ستمبر ۱۸۸۹ء	میاں حافظ نور محمد ولد شیخ مراد علی ککے زئی ساکن فیض اللہ چک ضلع گورداسپورہ ڈاکخانہ کالونوان	زمینداری	
۱۴۷	۱۸۔نومبر ۱۸۸۹ء	حافظ امین الدین عرف حافظ ماناساکن قادیان......		
۱۴۸	۲۲۔نومبر ۱۸۸۹ء بروز جمعہ	میاں عبداللہ ولد مراد ساکن ٹھٹھہ شیرکا زیریں ضلع منٹگمری تھانہ چوچک قوم کھرل تھانہ چوچک "	اصل پتہ میاں عبداللہ بمقام سیدوالا ضلع منٹگمری زمینداری معرفت مولوی جمال الدین عبداللہ میاں عبداللہ اس وقت ۵ دسمبر ۱۸۹۱ء کو قادیان میں آیا ہوا ہے	
۱۴۹	۲۳۔نومبر ۱۸۸۹ء بروز جمعہ	میاں جمال الدین ولد محمد صدیق قوم وائیں عرف کشمیری موضع سیکھواں ضلع تحصیل گورداسپور بقلم خود	پشمینابافی	
۱۵۰	ایضاً	امام الدین ولد محمد صدیق قوم وائیں عرف کشمیری موضع سیکھواں ضلع تحصیل گورداسپورہ بقلم خود امام دین	شال بافی	
۱۵۱	ایضاً	امام الدین ولد محمد صدیق قوم وائیں عرف کشمیری موضع سیکھواں ضلع تحصیل گورداسپورہ بقلم خود امام دین		شال بافی
۱۵۲	۲۲۔دسمبر ۱۸۸۹ء	جانی ولد نبی بخش سکونت خاص کپورتھلہ ملازم توپ خانہ مشہور مستری جانی		مشہور مستری جانی
۱۵۳	۲۳۔دسمبر ۱۸۸۹	صاحبزادہ سراج الحق صاحب خلف شاہ حبیب الرحمٰن صاحب متوطن سرساوہ متوکل سرساوہ ضلع سہانپور		از اولاد حضرت مخدوم بہاؤالدین سندہالوی نبیرہ قطب الاقطاب شیخ جمال الدین احمد و حضرت امام المسلمین نعمان ابو حنیفہ کوفی رحمتہ اللہ علیہم
۱۵۴	۲۶۔دسمبر ۱۸۸۹ء	مولوی عبدالرحمٰن خلف مزمل علی شاہ صاحب قوم سید ساکن موضع دولودلی ضلع سیالکوٹ تحصیل ڈسکہ		پیشہ تجارت و تعلیم
۱۵۵	"	مولوی احمد دین خلف مولوی کریم بخش صاحب متوطن سیالکوٹ محلہ میانہ پورہ [۲۷]		پیشہ تدریس
۱۵۶	۲۸۔دسمبر ۱۸۸۹ء	منشی فضل حسین ولد منشی غلام محی الدین اصل متوطن علی گڑھ حال سکونت مستقل کپورتھلہ		اہلمدتوپخانہ ریاست کپورتھلہ
۱۵۷	یکم جنوری ۱۸۹۰ء	میاں نور محمد ولد صدیق ساکن موضع نندی مرگ علاقہ کشمیر ریاست جموں۔		پیشہ زمینداری
۱۵۸	۱۴۔جنوری ۹۰ء	شیخ فتح محمد ولد شیخ امیر بخش ساکن سیالکوٹ حال وارد جموں		جوان طالب علم پیشہ نوکری
۱۵۹	"	مربوڑھا ولد دارا ساکن ننگل باغباناں......		زمینداری
۱۶۰	۱۵۔جنوری ۱۸۹۰ء	عبدالحق ولد مولوی غلام احمد صاحب ساکن ولاور ضلع گوجرانوالہ تحصیل وزیر آباد		طالب علم نوعمر
۱۶۱	۱۸۔جنوری ۱۸۹۰ء	میاں علی گوہر ولد جہانگیر خان افغان عرف ہنگہ ساکن شہر جالندھر کوٹ ہنگیاں		سب پوسٹ ماسٹر ڈاکخانہ کپورتھلہ کپورتھلہ
۱۶۲	یکم جمادی الثانی ہجری	سید محمد عسکری خان ابن سید محمد ماہ رئیس کڑا ضلع الہ آباد		سابق اکسٹرا اسسٹنٹ و مدار المہام

	۱۳۰۷ھ		ریاست بھوپال حال پنشنر گورنمنٹ
۱۶۳	۱۳ جمادی الثانی ۱۳۰۷ھ ۴-فروری ۱۸۹۰ء	مولوی الٰہی بخش ولد میاں محمد ساکن شاہ پور گورایہ حال سکونت لیل ضلع گورداسپور	پیشہ طبابت گورایہ
۱۶۴	"	ابراہیم ولد عبداللہ ساکن لیل ضلع گورداسپور	امامت مسجد
۱۶۵	"	میراں بخش ولد عمر بخش ساکن کلانور	پیشہ درزی
۱۶۶	۵-فروری ۱۸۹۰ء	محمد دین ولد حسن محمد ساکن بدو کے ضلع گوجرانوالہ	پیشہ زمینداری
۱۶۷	۱۴-فروری ۹۰ء	شیخ احمد ولد فیض علی ملازم ریاست کپورتھلہ	ملازمت
۱۶۸	۱۴-فروری ۹۰ء	سید عبدالکریم ولد سید عبدالواحد ساکن رانگوٹ تحصیل جگراؤں ضلع لودہیانہ	نوکر ریاست کپورتھلہ
۱۶۹	"	خیراتے ولد بڈھا قوم جٹ ملازم فراش خانہ بعہدہ نائب جمعدار کپورتھلہ	نائب جمعدار
۱۷۰	۲۱-فروری ۱۸۹۰ء	عبدالمجید خان ولد غلام محی الدین خان سکونت اورنگ آباد تحصیل جگادہری نمبردار	نمبردار
۱۷۱	۲۸-فروری ۱۸۹۰ء	نتھو ولد دیدار بخش سکونت سامانہ علاقہ ریاست پٹیالہ	درزی گری
۱۷۲	"	محمود علی خان ولد محمد موسیٰ خان از خاندان نوابان جھجر سکونت لودہیانہ	کلارک اسٹیشن ریل راولپنڈی
۱۷۳		عنایت اللہ ولد سکندر خان ساکن بھتہ موجود ضلع سیالکوٹ تحصیل رعیہ	زمینداری و ملازمت
۱۷۴		محمد کرم الٰہی ولد شیخ الٰہ بخش سکونت خاص پٹیالہ	ملازمت یعنی ریکارڈ کلارک راجپورہ اسٹیشن ڈاک بنگلہ سرکار
۱۷۵		امام علی ولد شیخ عبدالسمیع پیر مرد والد شیخ عبدالحق بیعت.... ساکن لودھیانہ حال کوٹلہ مالیر	وظیفہ از بیگمات کوٹلہ
۱۷۶		عبدالرحمٰن ولد دیدار بخش ساکن سنور علاقہ ریاست پٹیالہ برادر میاں عبداللہ سنوری - ۳ مارچ ۹۰ء	زمینداری و ملازمت
۱۷۷		سید عبدالہادی خلف سید شاہ نواز صاحب ساکن اچھواڑہ ضلع لودیانہ تحصیل سمبرالہ ۴-مارچ ۹۰ء بروز سہ شنبہ	سب اوورسیئر ملٹری پولیس بلیلی علاقہ کوئٹہ ملک بلوچستان
۱۷۸		نور محمد ولد رکھا نمبردار غوث گڑھ تحصیل سرہند تھانہ کھماتون ریاست پٹیالہ ۴ مارچ ۹۰ء	نمبرداری و زراعت
۱۷۹		حسن خان ولد شیر خان ساکن سامانہ قوم راجپوت علاقہ ریاست پٹیالہ	کانسٹیبل پولیس دہلی
۱۸۰		سردار خان ولد دلاور خان سکونت کپورتھلہ برادر محمد خاں	ملازمت فوج ریاست کپورتھلہ دفعدار رسالہ
۱۸۱	۱۰-مارچ ۱۸۹۰ء	شیخ نبی بخش ولد شیخ کریم بخش ساکن فیض اللہ چک ضلع گورداسپور	پیشہ ملازمت بالفعل چوکیدار پہرہ
۱۸۲	۶-اپریل ۱۸۹۰ء	مولوی محی الدین ولد حافظ بہاء الدین ساکن موضع بھوپر تحصیل چکوال تھانہ ڈومن ضلع جہلم حال بخدمت مولوی حکیم نوردین صاحب بارادہ استفادہ مطب	پیشہ طبابت
۱۸۳	۸-اپریل ۱۸۹۰ء	عبداللہ ولد فضل دین ساکن نوشہرہ تحصیل پسرور ضلع سیالکوٹ	قضا نوشہرہ
۱۸۴	"	محمد دین ولد مراد علی ساکن نوشہرہ ضلع سیالکوٹ تحصیل پسرور	زمینداری
۱۸۵	۱۰-اپریل ۱۸۹۰ء	مولوی شیخ احمد حسن بن مولوی حافظ رحمت اللہ ساکن چھاؤنی نصیر آباد راجپوتانہ ضلع اجمیر	نقل نویس عدالت دیوانی نصیر آباد و مہتمم مدرسہ حقانی و سیکرٹری انجمن اہل حدیث نصیر آباد

۱۸۶	۱۰- اپریل ۱۸۹۰ء	مسمات حبیب نور بنت عبداللہ خان زوجہ مولوی شیخ احمد حسن معہ اطفال ہفت نفر دیگر	زوجہ شیخ مولوی احمد حسن احمد حسن معہ اطفال ہفت نفر دیگر
۱۸۷	۱۳- اپریل ۱۸۹۰ء	حسین شاہ ولد گلاب شاہ ساکن موضع ٹوکھر تحصیل و ضلع گجرانوالہ تھانہ قلعہ دیدار سنگھ	
۱۸۸	۱۳- اپریل ۱۸۹۰ء	شہاب الدین ولد خان محمد ساکن موضع شیخوپور ضلع گجرانوالہ تحصیل حافظ آباد	
۱۸۹	۲۵- اپریل ۱۸۹۰ عبدالکریم خان ولد وزیر خان باشندہ قصبہ بسے علاقہ ریاست پٹیالہ	عبدالکریم خان ولد وزیر خان باشندہ قصبہ بسے علاقہ ریاست پٹیالہ	پیشہ ملازمت
۱۹۰	۲۶- اپریل ۱۸۹۰ء	مولوی غلام جیلانی ولد میاں غوث علی ساکن نوہون تحصیل روپڑ ضلع انبالہ سکونت عارضی کرونوہہ	پیشہ مدرسی مکاں کرونوہہ علاقہ ریاست پٹیالہ
۱۹۱	۱۷- مئی ۱۸۹۰ء	میاں انوار الحق ولد میاں جان عالم ساکن میرٹھ قریب کوتوالی	پیشہ ملازمت وغیرہ
۱۹۲	۱۷- مئی ۱۸۹۰ء	غلام حسن ولد جہانخان سکونت اصلی میانوالی ضلع بنوں سکونت عارضی پشاور المشہور مولوی غلام حسن	پیشہ ملازمت حال مدرس گورنمنٹ اسکول پشاور یعنی میونسپل بورڈ سکول پشاور
۱۹۳	۱۷- مئی ۱۸۹۰ء در لاہور ۹ مئی ۱۸۹۰ء یعنی بمقام لاہور بیعت کی تھی بروقت تقریب بیماری ایں عاجز	مولوی حکیم غلام احمد ابن محمد خان ساکن ضلع شاہپور ڈاک خانہ نوشہرہ خاص سکونت مقام کھیکے ضلع شاہ پور	پیشہ طبابت وغیرہ
۱۹۴	۱۹- مئی ۱۸۹۰ء	محمد دین ولد پٹھانا ساکن موضع برجی لون ضلع جھنگ تحصیل چنیوٹ	پیشہ زمینداری
۱۹۵	۲۵- مئی ۱۸۹۰ء	حافظ جمال الدین ولد میاں نور محمد ساکن ننگل باغباناں	پیشہ توکل علی اللہ
۱۹۶	۴- جون ۱۸۹۰ء	منشی احمد شاہ ولد میاں نبی بخش ساکن نور پور ضلع کانگڑہ مترجم انگریزی کمشنری ضلع جالندھر	پیشہ ملازمت یعنی مترجم کمشنری ضلع جالندھر
۱۹۷	۱۳- جولائی ۱۸۹۰ء	برکت علی شاہ ولد عمری شاہ ساکن غوث گڑھ تحصیل سرہند تھانہ کھانوں ریاست پٹیالہ	پیشہ توکل علی اللہ
۱۹۸	"	غلام قادر ولد منگتا نمبردار ساکن نوگانوہ تحصیل سرہند تھانہ کھانوں ریاست پٹیالہ	زراعت
۱۹۹	۲۵- جولائی ۱۸۹۰	کرم الٰہی ولد مادا ساکن موضع غوث گڑھ تھانہ کھانوں تحصیل سرہند ریاست پٹیالہ	پیشہ زراعت
۲۰۰	"	کرم الٰہی ثانی ولد فتح محمد ساکن غوث گڑھ تھانہ کھانون تحصیل سرہند ریاست پٹیالہ	پیشہ زمینداری
۲۰۱	"	عطاء الٰہی ولد فتح محمد ساکن غوث گڑھ تھانہ کھانوں تحصیل سرہند ریاست پٹیالہ	
۲۰۲	"	محمدی ولد مامون ساکن غوث گڑھ تھانہ کھانون تحصیل سرہند ریاست پٹیالہ	پیشہ زمینداری
۲۰۳	۲۵- جولائی ۱۸۹۰	نور محمد ولد ہوشناک نمبردار ساکن غوث گڑھ تھانہ کھانوں تحصیل سرہند ریاست پٹیالہ | غوث گڑھ ریاست پٹیالہ تھانہ کھانوں تحصیل سرہند	نمبرداری و زمینداری

۲۰۴	"	شہزادہ ولد عظیم بخش	غوث گڑھ تھانہ سمانوں تحصیل سرہند ریاست پٹیالہ	زمینداری وزارعت
۲۰۵	۴-ستمبر ۱۸۹۰ء	میاں نور احمد اصل باشندہ چنیوٹ ضلع جھنگ حال دوکاندار در شہر کلکتہ محلہ کولوٹولہ کوٹھی نمبر ۳۳ ولد حاجی قاسم الدین	اصل باشندہ چنیوٹ ضلع جھنگ حال کلکتہ محلہ کولوٹولہ کوٹھی نمبر ۳۳	دوکانداری
۲۰۶	۲۰-ستمبر ۱۸۹۰	حافظ محمد داؤد برادرزادہ شیخ نوردین صاحب تحصیلدار کوٹلہ مالیر حال سکونت کوٹلہ		پیشہ طبابت در کوٹلہ مالیر
۲۰۷	۵-اکتوبر ۱۸۹۰ء	قاضی احمد شاہ صاحب ولد میاں محمد عبدالباقی ساکن منصور پور علاقہ ریاست پٹیالہ سررشتہ دار نظامت راجپورہ		پیشہ ملازمت
۲۰۸	۱۰-اکتوبر ۱۸۹۰ء	حافظ محمد یوسف صاحب ولد حافظ محمد داؤد برادر شیخ نوردین سکونت حال مالیر کوٹلہ		پیشہ توکل
۲۰۹	۱۴-اکتوبر ۱۸۹۰	خیرالدین خان ولد زبردست خان قوم افغان ساکن کوٹلہ مالیر سوار ترپ ششم متعینہ فیروزپور		پیشہ سوار ترپ ششم فیروزپور
۲۱۰	۱۹-نومبر ۱۸۹۰ء	خان صاحب محمد علی خان ولد نواب غلام محمد خان قوم پٹھان شیروانی رئیس مالیر کوٹلہ	مالیر کوٹلہ ماتحت ضلع لودیانہ	ریاست وجاگیرداری
۲۱۱	۱۴-دسمبر ۱۸۹۰ء	شیخ عبدالرحمان نو مسلم ولد سوندی رام ساکن دہلی عمر پانزدہ سال	دہلی	طالب العلم
۲۱۲	۲۸-دسمبر ۱۸۹۰ء	قاضی عبدالرحمٰن صاحب ولد قاضی عبدالکریم صاحب ساکن پشاور محلہ باقرشاہ کلارک دفتر	ساکن پشاور محلہ باقرشاہ	
۲۱۳	۲۹-دسمبر ۱۸۹۰ء	سید حامد شاہ ولد سید حسام الدین صاحب ساکن سیالکوٹ خاص	سیالکوٹ خاص	اہلمد سیالکوٹ
۲۱۴	۲-جنوری ۱۸۹۰ء	سید فضل شاہ ولد محمد شاہ ساکن لاہور در اول سکونت علاقہ جموں	لاہور	ملازمت
۲۱۵	۱۲-جنوری ۱۸۹۱ء	میاں محمد علی ولد میاں فتح دین ساکن وزیرآباد ضعیف عمر ۵۶ سال سکونت عارضی جموں کام ٹھیکہ داری	وزیرآباد ضلع گوجرانوالہ	
۲۱۶	"	مہر علی ولد رحیم بخش قوم ککے زئی ساکن تتہ غلام نبی		تتہ غلام نبی ضلع گورداسپورہ
۲۱۷	۳۱-جنوری ۱۸۹۱ء	مفتی محمد صادق ولد مفتی عنایت اللہ ساکن خاص بھیرہ ضلع شاہپور		بھیرہ
۲۱۸	"	خان غلام قاسم محمد بخش ساکن بہار پور ضلع ڈیرہ اسماعیل خاں ڈاکخانہ بہار پور		
۲۱۹	....مارچ ۱۸۹۱ء	منشی حبیب الرحمٰن برادرزادہ حافظ حاجی ولی اللہ صاحب اصل سکونت سراوہ ضلع برگنہ وار دحال کپورتھلہ		حال خانہ نشینی مگر پیشہ ملازمت
۲۲۰	"	میاں روشن دین ولد غلامی ساکن کپورتھلہ		خانہ نشین پیشہ ملازمت
۲۲۱	محبوب عالم درویش نو عمر ہشتدہ سالہ	محبوب عالم درویش عمر ہشتدہ سال ولد بڈھن شاہ ساکن کپورتھلہ		خانہ نشین
۲۲۱	۲۷-مارچ ۱۸۹۱ء	منشی غلام قادر فصیح ولد میاں عبداللہ حاجی ساکن سیالکوٹ		پروپرائیٹرو اڈیٹر اخبار پنجاب گزٹ سیالکوٹ
۲۲۲	"	میر محمود شاہ ولد میر حسام الدین صاحب ساکن سیالکوٹ		نقل نویس دفتر صاحب ڈپٹی کمشنر سیالکوٹ
۲۲۳	۱۶-اپریل ۱۸۹۱ء	علی بخش ولد سوہا ساکن چک علاقہ ریاست پٹیالہ		زمیندار معرفت میاں عبداللہ
۲۲۴	۶-مئی ۱۸۹۱ء	مولوی محمود حسن خان صاحب ولد وزیر محمد خاں ساکن کمہدیاسے علاقہ دہلی حال مدرس موضع بھناتوالی علاقہ پٹیالہ		مدرس
۲۲۵	۲۰-مئی ۱۸۹۱ء	مولوی حکیم سید محی الدین عرب الاصل ولد سید محمد حسین صاحب ریاست میسور		سکونت خاص شکور علاقہ ریاست میسور رہائی سکول فارسی اردو منشی
۲۲۶	۲۸-مئی ۱۸۹۱ء	مولوی مبارک علی ولد استاذی مولوی مولوی فضل احمد صاحب مرحوم و مغفور		سکونت غوث گڑھ معرفت

		زمیندار ضلع پٹیالہ	میاں عبداللہ سنور
۲۲۷	"	الٰہی بخش عمر چاردہ سالہ ولد کرم بخش ساکن غوث گڑھ قوم زمیندار ضلع پٹیالہ	سکونت غوث گڑھ معرفت میاں عبداللہ سنور
۲۲۸	"	رحمت اللہ طفل عمر چاردہ سالہ ولد احمد غوث گڑھ علاقہ ریاست پٹیالہ	سکونت غوث گڑھ معرفت میاں عبداللہ
۲۲۹	۲۹- مئی ۱۸۹۱ء	منشی رحمت اللہ ولد شیخ عبدالکریم قوم قانونگوئی ساکن	سکونت گجرات بمقام لودھیانہ
		گجرات عمر..... سال ممبر میونسپل کمیٹی	بیعت
۲۳۰	"	مولوی غلام نبی ساکن خوشاب ضلع بھیرہ	خوشاب ضلع بھیرہ حال مقیم سیالکوٹ
۲۳۱	"	سید امیر علی داماد حکیم حسام الدین صاحب سیالکوٹی نام اصل	حال مقیم سیالکوٹ
		علاالدین عرف امیر علی شاہ ولد سید ہدایت شاہ قوم سید.....	ملازم پولیس سارجنٹ
		سکنہ اصل تالومی تحصیل پسرور ضلع سیالکوٹ	درجہ سوئم
۱۳۲	۴- جون ۱۸۹۱ء	مولوی محمد حسین ولد روڑا ساکن پھاگوارائیں ریاست	سکونت موضع پھاگوارائیں تحصیل
۱۲۸		کپورتھلہ عمر... سال لاغر اندام - سیاہی مائل رنگت	سلطان پور علاقہ ریاست کپورتھلہ
۱۳۳	۱۵- جون ۱۸۹۱ء	میر ناصر نواب دہلوی خسر ایں عاجز نقشہ نویس دفتر نہر	سکونت دہلی پیشہ نوکری
۱۳۴	"	مولوی تاج محمد ولد نجم الدین اصل سکونت موضع سید ہانڈی	
		ریاست پنجہ متعلق ریاست کشمیر معہ برادران	
		نور دین سید محمد بالفعل سکونت موضع پوکری تحصیل لودھیانہ	پیشہ وعظ و مولویت
		ساہنہ وال ضلع لودیانہ	
۱۳۵	۲۸- جون ۱۸۹۱ء	میاں عطاء الرحمٰن ولد عبدالرحمن ساکن دہلی محلہ چتلادروازہ	پیشہ عطاری لودھیانہ میں دہلی
		متصل مدرسہ علی جان پیشہ عطاری	سے آکر مرید ہوئے
۱۳۶	۲۸- جون	مولوی محمد الدین ولد غلام حیدر قوم علاء ساکن سندانوالہ حال سیالکوٹ کوچہ حکماں	طالب العلم
۱۳۷	"	میاں نور محمد ولد ولی محمد ساکن حانسی معرفت صاحبزادہ سراج الحق صاحب	لودہیانہ میں آکر بیعت کی اور صاحبزادہ
		صاحبزادہ سراج الحق صاحب ساتھ تھے	
۱۳۸	۹- جولائی ۱۸۹۱ء	سید خصیلت علی ولد سید ہدایت علی ساکن موضع مالومی تحصیل پسرور	"
		ضلع سیالکوٹ ڈپٹی انسپکٹر پولیس ضلع گجرات پنجاب	
۱۳۹	"	منشی غلام محمد ولد فضل الدین ساکن سیالکوٹ محلہ حکیم حسان الدین	
۱۴۰	"	صاحبزادہ افتخار احمد صاحب خلف منشی حاجی احمد جان صاحب	"
۱۴۱	۱۰- جولائی ۱۸۹۱ء	شیخ محمد بن شیخ احمد مکی من حارہ شعب عامر	مکی من حارہ شعب عامر حال نزیل جموں
۱۴۲	۱۲- جولائی ۱۸۹۱ء	علی بخش ولد موتی قوم راول ساکن پھرادرہ تحصیل	"
		پھگوارہ ضلع جالندھر پیر مرد ضعیف العمر	
۱۴۳	۱۳- جولائی ۱۸۹۱ء	محمد حسین ولد الٰہی بخش پوتہ میاں محمد چٹو ساکن لاہور	
		جوان عمر بائیس سال	پیشہ دوکانداری
۱۴۴	۱۶- جولائی ۱۸۹۱ء	میاں معراج الدین وارث میاں محمد سلطان ساکن لاہور	پیشہ تجارت لاہور کے ایک معزز خاندان کا
		لنگے منڈی ولد میاں الٰہی بخش	ممبر ہے
۱۴۶	"	شیخ عبدالرحمٰن ولد شیخ رمضان ساکن لاہور	"
۱۴۷	یکم اگست ۱۸۹۱ء	عبدالکریم ولد موتی بخش ساکن سیالکوٹ	ملازمت
۱۴۸	"	موتی بخش ولد توپی شاہ ساکن لودھیانہ	مدرس لودیانہ
۱۴۹	۲- اگست ۱۸۹۱ء	کرم الٰہی ولد حسو ساکن لودھیانہ	کرم الٰہی ولد حسو ساکن لدھیانہ قوم آرائیں
			ملازم پولیس
۱۵۰	"	فتح محمد ولد ملک شاہ نومسلم ساکن پندوری..... ضلع ہوشیار پور	حکیم فتح محمد ولد ملک شاہ نومسلم ساکن
			پندوری..... ضلع ہوشیار پور پیشہ حکمت
۱۵۱	۲۲- اگست ۱۸۹۱ء	بڈھے خان ولد محمد بخش ساکن بیری ضلع گورداسپورہ	" زمینداری

۱۵۲	۳۰-اگست ۱۸۹۱ء	مولوی رحیم اللہ ولد مولوی حبیب اللہ قوم راجپوت ساکن لاہور محلہ لنگی منڈی	پیشہ وعظ
۱۵۳	"	اسماعیل ولد ہیرا ساکن ناندا	اسماعیل ولد ہیرا ساکن ناندا قوم جٹ تحصیل سرالہ ضلع لودہیانہ قوم جٹ لڑکا تو عمر ۔عمر عرصہ سال
۱۵۴	۹-ستمبر ۱۸۹۱	اسماعیل ولد محمد یار خیاط ساکن سیالکوٹ محلہ وہاب کشمیری حال وارد چھاؤنی جالندھر پلٹن نمبر ۲ ....ملازم سالک رام عمر....سالہ	
۱۵۵	۱۲-ستمبر ۱۸۹۱ء	نظام الدین ولد حکم ساکن بھاگوا آرائیں تحصیل سلطان پور ریاست کپورتھلہ پیشہ زمینداری	
۱۵۶	"	عبدالکریم عرف گلو ولد پولستا ساکن مالیر کوٹلہ پیشہ سقہ	
۱۵۷	"	شمشیر خان عرف اللہ دتہ ولد اعظم خان ساکن سیالکوٹ پیشہ ملازمت	
۱۵۸	۱۷-ستمبر ۱۸۹۱ء	حکیم الہ بخش ولد میاں امام بخش ساکن کوٹلہ مالیر ریاست مرزا خدا بخش صاحب کے ہمراہ آکر بیعت کی	
۱۵۹	۲۳-ستمبر ۱۸۹۱ء	محمد اکبر خان ولد ملک محمد خان ساکن سنور پیشہ ملازمت	
۱۶۰	"	محمد حسن خان ولد محمد عمر خان ساکن سنور "	
۱۶۱	"	مولوی مردان علی ساکن حیدر آباد دکن مہتمم دفتر محاسب سرکار نظام حیدر آباد	
۱۶۲	۲۵ ستمبر ۱۸۹۱ء	میاں کریم بخش ولد غلام رسول ساکن جمال پور قوم ارائیں پیشہ زمینداری	
۱۶۳	"	میاں قادر بخش ولد عظمت علی ساکن لودیانہ پیشہ ملازمت عمر جواں	
۱۶۴	۲۲-اکتوبر ۱۸۹۱ء	برکت علی ولد محمد طالب کاشمیری اصل سکونت ہریانہ ضلع ہوشیار پور حال ملازم ہومیو پیتھی شفاخانہ دہلی	
۱۶۵	"	مولوی محمد خلیل ولد لکھے خان ساکن لاہور	
۱۶۶	۱۵-نومبر ۱۸۹۱ء	شیخ رحیم بخش ولد شیخ احمد جان صاحب ایم اے مدرس اسکول لاہور اصل باشندہ جالندھر امتحان دادہ ایم اے	
۱۶۷	۱۹-نومبر ۱۸۹۱	علی محمد ولد شاہ محمد ساکن کانہ کوٹہ ضلع گورداسپورہ	
۱۶۸	۳-دسمبر ۱۸۹۱ء	حسین شاہ ولد حاکم علی شاہ قوم سید سکنہ کٹھیالہ تحصیل بٹالہ سارجنٹ پولس گورداسپورہ	
۱۶۹	۶-دسمبر ۱۸۹۱ء	عبدالعزیز ولد محمد یعقوب نوجوان انگریزی خواں عمر.....بیس سال اصل ساکن انبالہ حال وارد کپورتھلہ	
۱۷۰	۱۳-دسمبر ۱۸۹۱ء	میاں عبدالرحمان نومسلم ساکن بوزدمہ متصل قادیان	
۱۷۱	دسمبر ۱۸۹۱ء	حکیم محمد اشرف ولد شیخ محمد علی مرحوم ذات ہاشمی خطیب بٹالہ پیشہ طبابت	
۱۷۲	"	میاں قطب الدین ولد شیر محمد مرحوم قوم افغان ساکن امرتسر پیشہ مس گری	
۱۷۳	"	مصطفیٰ شاہ ولد عبداللہ شاہ ذات سید موضع چھنی ضلع بھمبر ریاست کاشمیر	
۱۷۴	۲۷-دسمبر ۱۸۹۱ء	حافظ فضل احمد ولد میاں نور احمد ساکن گجرات پنجاب حال وارد ملازم دفتر اگزیمنر ریلوے محلہ بیٹھیاں دروازہ بھاٹی۔	
۱۷۵	"	نبی بخش ولد عبداللہ ساکن راولپنڈی حال ملازم دفتر اگزیمنر صاحب بہادر ریلوے لاہور	
۱۷۶	"	شیخ عبدالرحمٰن بی۔اے برادر شیخ رحمت اللہ صاحب جو پہلے اس سے سلسلہ بیعت میں داخل ہیں۔ساکن گجرات حال وارد لاہور	
۱۷۷	"	نعمت علی ولد محمد علی ہاشمی عباسی خطیب بٹالہ ضلع گورداسپور	
۱۷۸	"	حافظ محمد اکبر ولد محمد صدیق قوم کشمیری ساکن حال لاہور پیشہ امامت مسجد	
۱۷۹	"	غلام محمد ولد میاں دین محمد امام مسجد محلہ کڑ دولی شاہ.....۲۹ لاہور بخانہ منشی کرم الٰہی	
۱۸۰	۲۷-دسمبر ۹۱ء	خلیفہ نور الدین ولد میاں عبداللہ مشہور میاں موجدین ساکن جموں تاجر کتب	
۱۸۱	"	مستری محمد عمر ولد ساکن جلال پور جٹاں ضلع گجرات حال ملازم جموں	

۱۸۲	"	شیخ محمد جان ولد محمد بخش سکنہ وزیر آباد ملازم محل چوب راجہ امر سنگھ صاحب
۱۸۳	"	قاضی محمد اکبر ولد قاضی سلطان بخش ساکن کٹھوبہ حال ساکن جموں
۱۸۴	"	فضل الرحمٰن ولد مفتی شیخ عبداللہ ساکن بھیرہ حال جموں بخانہ مولوی نور الدین صاحب
۱۸۵	"	احمد اللہ ولد مولوی سلطان احمد صاحب مرحوم ساکن بھیرہ حال ملازم محکمہ پرمٹ در جموں
۱۸۶	"	دوست محمد ولد حکیم غلام احمد ساکن بھیرہ ضلع شاہپور حال وارد جموں ملازم محکمہ پولیس جموں
۱۸۷	۲۔جنوری ۱۸۹۲	خلیفہ رشید الدین ولد خلیفہ حمید الدین لاہور موچی دروازہ طالب علم میڈیکل کالج
۱۸۸	۶۔جنوری ۱۸۹۲	سید عنایت علی شاہ والد حکیم سید کرم علی شاہ مرحوم ساکن لاہور لوہاری منڈی کوچہ پیر پھولا
۱۸۹	"	سید تفضل حسین ولد سید نیاز علی شاہ مرحوم سکنہ مرحوم سوتر منڈی
۱۹۰	"	سید محمد ناظر حسین ناظم اڈیٹر ناظم الہند سفیر گورنمنٹ لاہور ولد سید ولایت حسین خان ساکن باہرہ [illegible] سادات وارد حال لاہور انار کلی تکیہ الٰہی والا
۱۹۱	۹۔جنوری ۱۸۹۲	میاں سردار خان ولد مولوی غلام احمد صاحب برادر زادہ مولوی حکیم نور الدین صاحب ساکن لون میانی
۱۹۲	۱۰۔جنوری ۱۸۹۲ء	عبدالعزیز طفیل پانزدہ سالہ ولد میاں چراغ دین وارث میاں سلطان مرحوم ٹھیکیدار سکونت لاہور محلہ لنگی منڈی متصل تالاب حویلی میاں الٰہی بخش
۱۹۳	۱۲۔جنوری ۱۸۹۲	سید حسن شاہ ولد سید غلام فرید سکونت سابق داور ضلع...... سکونت حال موضع قادر آباد تھانہ کتھونگل ضلع و تحصیل امرتسر
۱۹۴	"	میاں قادر بخش ولد میاں محمد بخش ساکن قادر آباد تھانہ کتھونگل تحصیل و ضلع امرتسر
۱۹۵	۱۳۔جنوری ۱۸۹۲ء	سردار ویٹ خان ولد مسٹر جان ویٹ قوم انگریز ساکن ویٹ فیلڈ حاطہ مدارس حال مقیم کرنول ڈسٹرکٹ منصف کرنول ضلع کرنول۔حاطہ مدارس
۱۹۶	۱۸۔جنوری ۱۸۹۲ء	خیر دین ولد سوہنے خان قوم راجپوت ساکن کٹھیالہ تحصیل بٹالہ ضلع گورداسپورہ
۱۹۷	۲۰۔جنوری ۱۸۹۲ء	غلام محمد بن خدا بخش متوطن بھیرہ ضلع شاہپور
۱۹۸	"	غلام قادر ولد بوتا ساکن تحصیل زیرہ ضلع فیروزپور مقام کٹھہ بادشاہ والہ
۱۹۹	"	مولوی محمد صادق ولد مولوی محمد عبداللہ ساکن موضع سرگال تحصیل و ڈاک خانہ شکر گڑھ ضلع گورداسپورہ فارسی مدرس ہائی سکول جموں
۲۰۰	"	فضل بیگ پسر کریم بیگ ساکن موضع کبیرپور مغلاں تحصیل ہوشیارپور ڈاک خانہ ہریانہ
۲۰۱	"	مرزا محمد علی ولد مرزا حسین بیگ ساکن پٹی ضلع لاہور تحصیل قصور
۲۰۲	۲۵۔جنوری ۱۸۹۲ء	الٰہ بخش ولد محمد بخش قوم...... ساکن خاص لاہور رشتہ دار میاں محمد چٹو
۲۰۳	"	محمد خان ولد قاسم خان ساکن فیروزپور ضلع گوجرانوالہ
۲۰۴	"	بوٹے خاں ولد شرف دیں ساکن فیروزپور ضلع گوجرانوالہ
۲۰۵	"	محمد یعقوب ولد رحمت علی شاہ ساکن رائے کوٹ ضلع لودھیانہ تحصیل جگرانوالہ
۲۰۶	۲۹۔جنوری ۱۸۹۲ء	احمد دین ولد شیر محمد قوم جنجوعہ ساکن ہیلوالہ تحصیل گوجرانوالہ حال ملازم لالہ برکت رام وکیل چیف کورٹ
۲۰۷	"	محمد الدین ولد فضل دین قوم بھٹی ساکن اروپ تحصیل گوجرانوالہ حال محرر معائنہ محکمہ بندوبست تحصیل گوجرانوالہ
۲۰۸	"	امیر بخش ولد حسین بخش ذات راجپوت سکنہ گڑھ شنکر ضلع ہوشیارپور۔بیعت بذریعہ کارڈ
۲۰۸	کیم فروری ۱۸۹۲ء	شیخ نور احمد مہتمم مطبع ریاض ہند ولد شیخ بہادر علی ساکن حال امرتسر
[illegible]		
۲۰۹	"	نور احمد ولد محمد سلطان ساکن امرتسر متصل دروازہ پیشہ مس گری
۲۱۰	"	فضل دین ولد علی محمد قوم زرگر سکنہ سیالکوٹ
۲۱۱	کیم فروری ۱۸۹۲ء	غلام محمد ولد میاں جمعہ مرحوم ذات قصاب ساکن بھیرہ
۲۱۲	"	شیخ نیاز احمد ولد شیخ غلام قادر سوداگر وزیر آباد ضلع گوجرانوالہ

۲۱۳	"	شیخ محمد دین ولد جیون قوم قریشی کنسٹبل ملازم پولس ساکن سیالکوٹ
۲۱۴	"	شیخ مولا بخش ولد نبی بخش بوٹ فروش ساکن سیالکوٹ
۲۱۵	"	شیخ الہ بخش سوداگر ساکن صدر بازار چھاؤنی سیالکوٹ
۲۱۶	"	محمد صدیق ولد شیخ فضل کریم.....نائب تحصیلدار
۲۱۷	"	ایوب بیگ ولد مرزا نیاز بیگ طالب علم جماعت چہارم انٹرس مدرسۃ العلوم لاہور سکنہ کلانور ضلع گورداسپور عمر پانزدہ سال
۲۱۸	"	شادی خان ولد جیون خان مرحوم ساکن سیالکوٹ ملازم راجہ امر سنگھ جموں
۲۱۹	"	نور احمد ولد غلام غوث ساکن شہر جالندھر راستہ محلہ پھگوارہ
۲۲۰	۵- فروری ۱۸۹۲ء	یعقوب بیگ ولد مرزا نیاز بیگ طالب علم مدرسۃ العلوم لاہور برادر کلاں ایوب بیگ
۲۲۱	"	محمد بخش ولد میاں قطب الدین قوم کشمیری سکنہ موضع کڑیانوالہ ڈاک خانہ خاص موضع مذکور تحصیل و ضلع گجرات پنجاب حال وارد ملک بلوچستان مقام پھر...... جیلہ کدری معرفت...... صاحب انجینر
۲۲۲	"	نیاز احمد ولد شہاب الدین پال سکونت نوشہرہ ریاست جموں عارضی طور پر وزیر آباد
۲۲۳	"	غلام نبی ولد شیخ نیاز علی قوم ککے زئی ساکن نوشہرہ تحصیل پسرور ضلع سیالکوٹ
۲۲۴	"	اللہ رکھا ولد امیر بخش قوم سلہریا ساکن نوشہرہ تحصیل پسرور ضلع سیالکوٹ
۲۲۵	"	جیون جان ولد خیر الدین ساکن لاہور
۲۲۶	"	مولا بخش میاں چٹو ساکن لاہور
۲۲۷	۷- فروری ۱۸۹۲ء	منشی تاج الدین ولد منشی چراغ الدین سکنہ لاہور اکونٹ محکمہ ریلوے
۲۲۸	"	مولا بخش ولد سلطان بخش کلرک ایگزامیز آف اکونٹ شمالی مغربی ریلوے لاہور
۲۲۹	"	یعقوب علی ولد محمد علی متعلم مڈل سکول لاہور سکنہ عاشنہ کلاں ضلع جالندھر تحصیل نواشہر تھانہ راہوں
۲۳۰	"	فتح محمد ولد امام الدین خان راجپوت سکنہ موضع ضلع و تحصیل لودیانہ تھانہ وپرگنہ واگہہ حال لاہور
۲۳۱		عنایت اللہ فرزند مرزا لطف اللہ صاحب مرحوم ملازم دفتر اکاؤنٹ جنرل پنجاب
۲۳۲		شہاب الدین ولد امام الدین ساکن موضع......ڈاک خانہ ڈسکہ ضلع سیالکوٹ
۲۳۳	"	امام دین ولد رمضان قوم علماء ساکن موضع...... تحصیل وڈاک خانہ ڈسکہ ضلع سیالکوٹ
۲۳۴		امام الدین ولد امیر ساکن موضع ماناں والا ضلع و تحصیل گجرانوالہ قوم ماچھی وارد لاہور محلہ ستان دروازہ بھاٹی
۲۳۵		مولوی محمد عالم الدین ولد حاجی ولد احمد یار ساکن بھیرہ ضلع شاہ پور قوم قریشی محلہ عبد الرب مرحوم
۲۳۶		فیروزہ بیگم زوجہ سید حامد شاہ سیالکوٹ
۲۳۷	"	محمودہ بیگم زوجہ امیر علی شاہ سیالکوٹ
۲۳۸		زینب بی بی زوجہ مولوی عبد الکریم سیالکوٹ
۲۳۹		حشمت بی بی والدہ مولوی عبد الکریم "
۲۴۰		نذیر بیگم دختر حامد شاہ
۲۴۱		محمد بی بی زوجہ شاہ محمد مرحوم
۲۴۲		صغرا بیگم زوجہ محمود شاہ سید ابن حکیم حسام الدین صاحب حکیم
۲۴۳		احمد بی بی زوجہ احمد شاہ مرحوم سید سیالکوٹ
۲۴۵		احمد بی بی دختر محمد بخش عم مولوی عبد الکریم سیالکوٹ
۲۴۶		مہتاب بی بی زوجہ سید عمر شاہ سیالکوٹ
۲۴۷		عزیز الدین ولد گلاب حکیم ساکن پسرور
۲۴۸	۱۲- فروری ۱۸۹۲ء	امیر بخش ولد صوبا قوم سلہریا سکنہ نوشہرہ تحصیل پسرور ضلع سیالکوٹ

۲۴۹	"	میراں بخش ولد کرم الٰہی قوم ککے زئی نوشہرو تحصیل و ضلع سیالکوٹ
۲۵۰	"	غلام محمد ولد الٰہی بخش ساکن نوشہرو تحصیل و ضلع سیالکوٹ
۲۵۱	"	عبدالرسول ولد عباد اللہ قوم اعوان ساکن ملک وال تحصیل تھانہ تلاگنگ ضلع جہلم ساکن جموں معلم مدرسہ سرکاری
۲۵۲	"	منظور محمد برادر صاحبزادہ افتخار احمد ولد منشی احمد جان صاحب مرحوم اہلمد دفتر خان بہادر صاحب ممبر کونسل
۲۵۳	"	محمد اسماعیل ولد مرزا بڈھا بیگ ساکن قادیان
۲۵۴	"	تصدق حسین ولد غلام نبی قوم رانجھا ساکن نور خان والہ تحصیل بھیرہ ضلع شاہ پور تھانہ چک راداس
۲۵۵	"	محمد شفیع ولد محمد الدین قوم علماء ساکن ڈوگرانوالہ تحصیل ضلع و علاقہ گوجرانوالہ
۲۵۶	"	غلام الدین ولد میاں غلام علی قوم اعوان سکنہ رنگ پور تحصیل و ضلع مظفر گڑھ پنجاب
۲۵۷	"	امیر الدین ولد میاں امام الدین ٹھیکیدار ساکن گجرات
۲۵۸	"	امیر الدین ولد نور الدین ساکن گجرات محلہ خوجانوالہ
۲۵۹	"	لعل محمد ولد میاں جانی خان ساکن گجرات محلہ خوجانوالہ
۲۶۰	"	چوہدری عبداللہ خان ولد چوہدری مولاداد ذات جوڑہ ساکن گجرات
۲۶۱	"	غلام محمد ولد رجب علی قوم کشمیری سیکرٹری انجمن حمایت اسلام جاکے تحصیل ڈسکہ ضلع سیالکوٹ
۲۶۲	"	چراغ الدین ولد احمد دین قوم گجر مشہور علاء ساکن...... علاقہ ریاست جموں
۲۶۳	"	احمد دین ولد حکیم غلام حیدر قوم قریشی سندہانوالیہ حال وارد سیالکوٹ ملازم محکمہ بندوبست بعہدہ نائب نقشہ نگار
۲۶۴	۶۔ فروری ۱۸۹۲ء	منشی تاج الدین ملازم دفتر اگزیمنار نارتھ ویسٹرن ریلوے لاہور ۶۔ فروری ۱۸۹۲ء بمقام لاہور
۲۶۵	۱۸ فروری ۱۸۹۲ء	نجم الدین و غلام جیلانی پسران محمد بخش مرحوم قوم شیخ المعروف علی ساکن کورووال رکھ سروال تحصیل و ضلع سیالکوٹ۔
۲۶۶	"	غلام محمد ولد میاں محمد علی ساکن گجرات محلہ قانون گویاں
۲۶۷	"	مولوی احمد الدین ولد محمد حیات موضع منارہ ضلع جہلم تحصیل پنڈ دادن خان
۲۶۸	"	قطب الدین ولد شرف الدین موضع کولہ متصل چھاؤنی جہلم
۲۶۹	"	عبداللہ ولد نظام الدین ساکن ملکھانوالہ ضلع سیالکوٹ تحصیل ڈسکہ
۲۷۰	۲۰۔ فروری ۹۲ء	مولوی محمد شریف ولد سید مصطفیٰ صاحب سکونت پسرور ضلع سیالکوٹ
۲۷۱	"	چراغ دین ولد قطب الدین معمار سکونت پسرور ضلع سیالکوٹ
۲۷۲	"	فضل دین ولد الست خاں سکنہ نارنگ تحصیل ظفروال ضلع سیالکوٹ
۲۷۳	"	الٰہی بخش ولد فضل سکونت الر تحصیل پسرور ضلع سیالکوٹ
۲۷۴	"	فضل دین ولد ہدایت کشمیری ساکن سیالکوٹ
۲۷۵	"	غلام مرتضیٰ ولد پیر شاہ قوم سید ساکن موضع سوہدرے تحصل سیالکوٹ
۲۷۶	"	شیخ لدھا ولد اللہ جوایا شیخ خوجہ ساکن پورہ ہیراں منبر کتے ضلع سیالکوٹ
۲۷۷	"	نبی بخش ولد ہدایت اللہ اوان ساکن صاٹراج تحصیل ظفروال ضلع سیالکوٹ حال سارجنٹ سوم پولس سیالکوٹ
۲۷۸	"	احمد دین پسر شادی خان قوم ککے زئی ساکن میانی ضلع شاہ پور
۲۷۹	"	احمد علی شاہ ولد ہدایت شاہ سید ساکن موضع الوسی تحصیل پسرور ضلع سیالکوٹ
۲۸۰	"	کرم بخش ولد اکبر قوم کشمیری رنگ ساز ساکن سیالکوٹ متصل محلہ حکیم حسام الدین
۲۸۱	"	مظفر الدین ولد محمد غوث سکونت خاص لاہور اگزیمز آفس معرفت عبدالحق تاجر کتب لاہور
۲۸۲	"	حافظ محمد گوہر ولد عبداللہ ساکن پسرور ضلع سیالکوٹ
۲۸۳	"	امام الدین ولد محمد سلطان ساکن پسرور ضلع سیالکوٹ

۲۸۴	"	سید محمد ولد شیخ نظام الدین حاجی پورہ علاقہ سیالکوٹ
۲۸۵	"	حاکم دین ولد کرم داد ساکن ٹھکانوالہ ضلع سیالکوٹ
۲۸۶	"	محمد حیات ولد خیر الدین ساکن گڈی آواں ضلع گوجرانوالہ حال ملازم پولیس سیالکوٹ
۲۸۷	"	سید احمد شاہ ولد میر بادشاہ ساکن پشاور خاص بازار قصہ خوانی درگاہ میاں محمد شاہ
۲۸۸	"	سراج الدین ولد اللہ دین ساکن کوٹ قاضی ضلع گوجرانوالہ
۲۸۹	"	امیر علی شاہ ولد سید امام شاہ ساکن موضع سیداں والی ضلع سیالکوٹ
۲۹۰	"	نواب شاہ ولد سید شاہ محمد ساکن سیالکوٹ
۲۹۱	"	محمد اسماعیل ولد جمن ساکن ۰۰۰۰والہ تحصیل ڈسکہ ضلع سیالکوٹ
۲۹۲	"	نبی بخش ولد بہادر ساکن رنگپورہ تحصیل ضلع سیالکوٹ سارجنٹ پولس سیالکوٹ
۲۹۳	"	حافظ گوہر ساکن پسرور
۲۹۴	"	محمد شفیع ولد فقیر اللہ ساکن سیالکوٹ محلہ چوڑانوالہ
۲۹۵	۲۱۔ فروری ۱۸۹۲ء بمقام کپورتھلہ	محمد امیر خان ولد جوہر خاں ساکن ہنور ریاست پٹیالہ مقیم سہارنپور
۲۹۶		زین العابدین ولد غلام حسین خان پور ریاست پٹیالہ ڈاک خانہ سرہند
۲۹۷		علی احمد ولد حافظ محمد زبیر ساکن رائے پور ریاست نابھہ تھانہ الموہ
۲۹۸		مرزا رحمت اللہ ولد مرزا خدا بخش ساکن لودہیانہ
۲۹۹		نظام الدین ولد پیر محمد ساکن کپورتھلہ قوم راجپوت پیشہ بانڈہ
۳۰۰		عبد اللہ ولد نظام الدین قوم راجپوت سکنہ کپورتھلہ پیشہ بانڈہ
۳۰۱	"	عبد الرحمٰن ولد.... قوم بانڈہ ساکن کپورتھلہ
۳۰۲	"	حافظ تابا ولد تھبا قوم روغن گر ساکن کپورتھلہ
۳۰۳	"	حافظ فتح الدین ولد..... ذات ارائیں ساکن شیرپور تاپانوالہ ضلع فیروزپور حال وارد کپورتھلہ
۳۰۴	"	بیوی کلاں منشی فیاض علی صاحب کپورتھلہ
۳۰۵	"	بیوی خورد منشی فیاض علی صاحب "
۳۰۶	"	ہمشیرہ منشی فیاض علی صاحب
۳۰۷	"	بیوی میاں محمد خان صاحب ملازم ریاست کپورتھلہ
۳۰۸	"	بیوی میاں سردار خاں صاحب ملازم ریاست کپورتھلہ
۳۰۹	"	والدہ میاں محمد خاں صاحب ملازم ریاست کپورتھلہ
۳۱۰	"	حکیم مہتاب علی صاحب ولد خیر شاہ سید ساکن جالندھر حال ملازم ریاست کپورتھلہ
۳۱۱	"	عبد الرحمٰن ولد غلام قادر جٹ ساکن پنڈوری کھنگورایاں تحصیل و ضلع ہوشیارپور
۳۱۲	"	حافظ امام الدین ولد ابراہیم قوم ارائیں ساکن کپورتھلہ امام مسجد حاجی صاحب
۳۱۳	"	منشی محمد امیر منشی کچہری اول تعلق دار ضلع ورنگل ریاست نظام دکن
۳۱۴	۵۔ مارچ ۱۸۹۲ء	گلاب خاں ولد میراں بخش نقشہ نویس...... ساکن سیالکوٹ پورن دروازہ
۳۱۵	۸۔ مارچ ۱۸۹۲ء	عبد المجید ولد محمد خان قوم افغان ساکن کپورتھلہ
۳۱۶	"	سید محمد سعید ولد سید محمد ابراہیم مرحوم ساکن دہلی از اقارب قریبہ میر ناصر نواب صاحب برادر اہلیہ ایں عاجز
۳۱۷	"	حسن محمد ولد محمد بخش قوم تمیم ساکن بن تحصیل بھیرہ ضلع شاہ پور
۳۱۸	۸۔ مارچ ۱۸۹۲ء	حاجی شاہزادہ عبد المجید ولد عبد الواحد قوم شاہزادہ ساکن لودہیانہ محلہ اقبال گنج
۳۱۹	"	امیر بخش ولد حیدر بخش ذات راجپوت سکنہ گڑھ شنکر ضلع ہوشیارپور
۳۲۰	"	نور احمد ولد حاجی قائم الدین اصل سکونت چنیوٹ ضلع جھنگ سکونت عارضی مدارس

۳۲۱	"	دین محمد محال وار نزول علاقہ جسروٹ ریاست...... ضلع گورداسپورہ
۳۲۲	"	احمد دین منشی لالہ برکت رام وکیل چیف کورٹ مقام گوجرانوالہ
۳۲۳	۲۷- فروری ۱۸۹۲ء	بوعلی بخش ولد بوجی خان ساکن کپورتھلہ پیشہ نوکری منشی حبیب الرحمان صاحب
۳۲۴	"	فتح دین خاں ولد...... پیشہ چپڑاسی کپورتھلہ ساکن کپورتھلہ
۳۲۵	۲۳- مارچ ۱۸۹۲ء	مہتاب علی ولد کریم بخش ساکن بستی عبران متعلق جالندھر مستقل سکونت موضع اگی ضلع جالندھر تحصیل نکودر سانپور محلہ میرکورٹ بر مکان مرزا عزیز بیگ وکیل
۳۲۶	۱۳- اپریل ۱۸۹۲ء	مظہرالحق ولد زین العابدین سکونت ماجری ضلع انبالہ تحصیل سرہند
۳۲۷	"	امام الدین ولد خدا بخش ساکن رائی ضلع پٹیالہ و تحصیل پٹیالہ پیشہ معماری
۳۲۸	۱۲- اپریل ۱۸۹۲ء	ملکہ جان زوجہ صاحبزادہ افتخار احمد صاحب لدھیانہ ساس محمود احمد صاحب
۳۲۹	۲۲- اپریل ۱۸۹۲ء	عبدالعزیز سابق فارسٹر جنگلات پنجاب ساکن شہر سیالکوٹ محلہ خیمہ دوزاں متصل مسجد حیات لدھر
۳۳۰	۲۶- اپریل ۱۸۹۲ء	سردار خان ساکن رانی پور ضلع غازی پور حال منی پور بذریعہ خط مولوی غلام امام عزیز الواعظین ملازم...... صاحب منی پور
۳۳۱	"	قاسم خان ساکن موضع باری ضلع غازی پور حال منی پور ملازم...... صاحب منی پور
۳۳۲	"	بہادر خان ساکن...... ساکن غازی پور "
		عبدالرحیم عرف ملاجی ساکن بازہ راولپنڈی وارد منی پور
۳۳۳	۵- مئی ۱۸۹۲ء بعد فسخ دوبارہ بیعت	پیرجی خدا بخش ولد میاں محمد رمضان اصل باشندہ نجیب آباد ضلع بجنور حال ساکن ڈیرہ دون سوداگر - سن رسیدہ آدمی اہل حدیث ہیں
۳۳۴	"	مولوی محمد یعقوب خاں مدہوش ولد حافظ محمد سعید خان اصل باشندہ موضع ضلع سہارنپور ساکن ڈیرہ دون رفیق پیرجی خدا بخش
۳۳۵	۷- مئی ۱۸۹۲ء	غلام قادر ولد الٰہ بخش ساکن سنور پٹواری......
۳۳۶	۲۰- مئی ۱۸۹۲ء	فتح دین ولد الٰہ بخش سکونت خاص بھیرہ محلہ مذکر تو عمر جھمر......۱۸ سال طالب علم انگریزی وغیرہ جب ہم ۱۵- مئی ۹۲ء کو لدھیانہ سے آئے یہ شخص امرتسر ملا اور پھر قادیان ہمراہ آیا اور بیعت کی
۳۳۷	۷- جون ۱۸۹۲ء	مولوی غلام امام عزیز الواعظین ابن شاہ محمد بن محمود شاہ ساکن جہانپوری حال منی پور ملازم صاحب
۳۳۸	"	عبدالرحیم عرف ملاجی سکنہ راولپنڈی حال منی پور
۳۳۹	"	رحمت خان ساکن باری ضلع غازی پور حال منی پور
۳۴۰	"	عبدالرحیم ساکن انبالہ حال منی پور
۳۴۱	"	علی مردان خاں ساکن الٰہ آباد حال منی پور
۳۴۲	"	رمضان ساکن پٹنہ - حال منی پور
۳۴۳	"	قربان علی ساکن حال منی پور
۳۴۴	"	بلے شاہ ساکن سیالکوٹ حال منی پور
۳۴۵	"	شیخ عبداللہ ساکن نجیب آباد حال منی پور
۳۴۶	"	کرامت اللہ ساکن شاہ گنج حال منی پور
۳۴۷	"	امام بخش ساکن شاہ جہان پور حال منی پور معرفت مولوی غلام امام صاحب
		نبی بخش ولد مولا بخش ساکن شاہ جہان پور حال ناگا پھل
		رفیع الدین ساکن گولا گھاٹ حال منی پور
۳۴۸	"	دولت خان ولد فتح محمد خان ساکن بگھورہ مشہور بگوریاں تحصیل نواشہر ضلع جالندھر
۳۴۹	"	رحمت خان ولد بہادر خان ساکن ایضاً
۳۵۰	۲۷- جون ۱۸۹۲ء	حشمت خان ولد فتح محمد خان ساکن بگھورہ مشہور بگوریاں برادر حقیقی دولت خان طالب علم... در کپورتھلہ

۵۲

۳۴۱	۱۰- جولائی ۱۸۹۲ء	کرم داد خان ولد علم دین ساکن دھنگ ضلع گجرات تحصیل کھاریاں
۳۴۲	"	مرزا کریم بیگ ولد ستار بیگ ساکن کبیر پور مغلاں ریاست کپور تھلہ تحصیل ہو نگا پنشن یافتہ
۳۴۳	۱۲- جولائی ۱۸۹۲ء	محمد خان ولد داد خان لڑکا نو عمر ساکن کپور تھلہ محلہ شیر گڑھ
	"	غلام محمد ولد نور محمد ساکن سابہوال تحصیل سلطان پور ریاست کپور تھلہ
۳۴۴	۱۷- جولائی ۱۸۹۲ء	منشی محمد اسماعیل نقشہ نویس و فوٹو گرافر صدر بازار کیمپ انبالہ رشتہ دار منشی عبد العزیز
۳۴۵	۲۰- جولائی ۱۸۹۲	مولوی برہان الدین صاحب ولد مولوی یاسین صاحب جہلم شہر امام مسجد
۳۴۶	"	شیخ نظام الدین ولد محمد ہاشم سابق دکاندار شہر جہلم
۳۴۷	"	شیخ قمر الدین ولد حیات بخش سابق دکاندار جہلم
۳۴۸	۱۳- اگست ۱۸۹۲	میاں عبد المجید ولد میاں ابراہیم برادر زادہ مولوی برہان الدین صاحب ساکن جہلم
۳۴۹	۱۴- اگست ۱۸۹۲	مولوی منشی صفدر علی صاحب ولد محی الدین صاحب ساکن..... ضلع میدک علاقہ ملک سرکار نظام
۳۵۰	۱۴- اگست ۱۸۹۲	منشی عنایت اللہ نائب مدرس پنڈی بھٹیاں ضلع گوجرانوالہ یہ شخص حسب تحریر ۷- ستمبر ۱۸۹۲ء اپنے اعتقاد سے پھر گیا ہے انہوں نے ۲/ آنے ماہوار چندہ مقرر کیا ہے۔
۳۵۱	۸- ستمبر ۱۸۹۲	ڈاکٹر فیض احمد ویکسی نیٹر ضلع جہلم ساکن لنگیاوالی ضلع گوجرانوالہ
۳۵۲	"	منشی گلاب الدین مدرس مدرسہ زنانہ رہتاس ضلع جہلم۔ انہوں نے ۲/ ماہواری چندہ بھی مقرر کیا ہے۔
۳۵۳	"	سید محمد جمال الدین صاحب محکمہ کلکٹری ضلع ورنگل ریاست حیدر آباد نظام۔ بذریعہ خط
۳۵۴	"	مولوی فضل الدین ولد حافظ..... عبد اللہ قوم گوجر ساکن کھاریاں تحصیل ایضاً ضلع گجرات خود آکر بیعت کی۔
۳۵۵	۲۴- ستمبر ۱۸۹۲	مولوی حافظ احمد الدین ولد حافظ فضل الدین ساکن موضع چک اسکندر متصل دھوریہ تحصیل کھاریاں ضلع گجرات پیشہ زمینداری
۳۵۶	۸- اکتوبر ۱۸۹۲	مسمی اللہ دتا ساکن رہتاس ضلع جہلم معرفت منشی گلاب دین مدرس
۳۵۷	۹- اکتوبر ۱۸۹۲	مسمی غلام حسین ساکن رہتاس ضلع جہلم معرفت منشی گلاب دین مدرس
۳۵۱	۸- نومبر ۱۸۹۲	حافظ محمد ولد کمال ساکن پشاور ہشت نگری دروازہ کوٹلہ فیل باناں
۵۳		
۳۵۲	"	عبد اللہ ولد حافظ محمد ساکن شہر و محلہ "
۳۵۳	۲۸- نومبر ۱۸۹۲	یونس برادر زادہ حافظ جمال الدین مرحوم بالفعل ساکن فنگل
۳۵۴	"	مسمی فضل دین ولد قطب الدین موضع..... تھانہ فتح گڑھ چوڑیاں تحصیل بٹالہ ضلع گورداسپور

بیعت اولیٰ کی تاریخ اور اس کے رجسٹر کے بارہ میں جدید تحقیق

رسالہ الفرقان ربوہ مئی ۱۹۷۱ء

(صفحہ ۱۷-۳۱) میں بیعت اولیٰ کی تاریخ اور اس کے رجسٹر سے متعلق مولف کتاب ھذا کا حسب ذیل نوٹ شائع ہوا: "سلسلہ احمدیہ میں لدھیانہ کی بیعت اولیٰ کو جو تاریخی اہمیت حاصل ہے وہ کسی احمدی سے قطعاً پوشیدہ نہیں۔ اور یہ مسلمہ امر ہے کہ یہ اہم واقعہ (جس نے آئندہ چل کر مذہبی دنیا پر ایک ہمہ گیر اور انقلاب انگیز اثر ڈالا) مارچ ۱۸۸۹ء میں پیش آیا جبکہ حاجی الحرمین الشریفین حضرت حکیم الامت مولانا حکیم مولوی نورالدین صاحب بھیروی رضی اللہ عنہ نے حضرت بانی جماعت احمدیہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دست مبارک پر سب سے پہلے بیعت کا شرف حاصل کیا۔ علاوہ ازیں اس پر بھی اتفاق رائے ہے کہ اس آسمانی اور بابرکت تقریب کے پہلے روز چالیس قدوسیوں کا پاک نہاد، صاف باطن اور خوش نصیب قافلہ بیعت امام الزمان کر کے داخل سلسلہ ہوا تھا۔ مگر اس بیعت اولیٰ کا آغاز شمسی و

قمری اعتبار سے کس معین تاریخ کو ہوا؟؟ یہ مسئلہ جماعت احمدیہ کے علمی حلقوں میں ابھی تک زیر تحقیق چلا آرہا ہے اور ایک معرکۃ الاراء موضوع بنا ہوا ہے۔

میرے نزدیک اس خالص علمی مسئلہ میں تحقیق و تفحص کے ذریعہ سے کسی نتیجہ خیز اور صحیح منزل کو پانے کے لئے مندرجہ ذیل حقائق بہترین مشعل راہ اور روشنی کا مینار ہیں۔

اول : حضرت مسیح موعود و مہدی مسعود علیہ الصلوۃ والسلام نے ایک طرف اپنے اشتہار ۴۔ مارچ ۱۸۸۹ء میں بیعت پر مستعد اصحاب کے لئے یہ اعلان عام فرمایا:۔

"تاریخ ہذا سے جو ۴۔ مارچ ۱۸۸۹ء ہے ۲۵۔ مارچ تک یہ عاجز لودیانہ محلہ جدید میں مقیم ہے اس عرصہ میں اگر کوئی صاحب آنا چاہیں تو لودیانہ میں ۲۰ تاریخ کے بعد آجاویں"۔

(تبلیغ رسالت جلد اول صفحہ ۱۵۰ حاشیہ مرتبہ حضرت میر قاسم علی صاحبؓ)

دوسری طرف حضور انورؑ نے حکیم الامت حضرت مولانا حکیم نور الدین رضی اللہ عنہ کو یہ خصوصی ہدایت فرمائی کہ:۔

"بجائے بیس کے بائیس کو آپ تشریف لاویں........ یہ عاجز ارادہ رکھتا ہے کہ ۱۵۔ مارچ ۱۸۸۹ء کو دو تین روز کے لئے ہوشیار پور جاوے اور ۱۹۔ مارچ یا ۲۰۔ مارچ کو بہرحال واپس آجاؤں گا"۔

(مکتوبات احمدیہ جلد پنجم نمبر ۲ صفحہ ۶۲ مرتبہ حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانی مدیر الحکم)

اس ارشاد سے ظاہر ہے کہ حضرت اقدس علیہ السلام کا منشاء مبارک بائیس مارچ کے بعد سلسلہ بیعت کے آغاز کا تھا ورنہ حضور علیہ السلام حضرت مولوی صاحبؓ کو جو ان دنوں جموں میں قیام فرما تھے جموں سے بائیس مارچ کو پہنچنے کا حکم نہ دیتے بلکہ بائیس مارچ سے پہلے وارد لدھیانہ ہونے کی تاکید فرماتے خصوصاً اس لئے بھی کہ حضرت مولوی صاحبؓ نے ایک عرصہ سے حضورؑ کی خدمت میں عرض کر رکھا تھا کہ جب حضور کو جناب الٰہی سے بیعت کا اذن ہو تو سب سے پہلے بیعت آپ کی لی جائے اور حضورؑ اس درخواست و ازراہ شفقت قبول فرما چکے تھے۔

دوم۔ حضرت مولانا عبداللہ صاحب سنوری رضی اللہ عنہ سیدنا المسیح الموعود علیہ السلام نے نہایت جلیل القدر اور مشہور صحابی' سرخ چھینٹوں کے کشفی نشان کے حامل' براہین احمدیہ کی طباعت میں مخلص معاون اور مشہور سفر ہوشیار پور ۱۸۸۶ء میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے خصوصی خادم تھے۔ حضورؑ نے اپنے قلم مبارک سے ازالہ اوہام میں ان کے لئے بہت تعریفی کلمات لکھے ہیں۔ حضورؑ نے تحریر فرمایا ہے "یہ جوان صالح اپنی فطرتی مناسبت کی وجہ سے میری طرف کھینچا گیا ہے۔ میں یقین رکھتا ہوں کہ وہ ان وفادار دوستوں میں سے ہے جن پر کوئی ابتلاء جنبش نہیں لاسکتا وہ متفرق وقتوں میں دو دو

تین تین ماہ تک بلکہ زیادہ بھی میری صحبت میں رہا...... یہ نوجوان در حقیقت اللہ اور رسولؐ کی محبت میں ایک خاص جوش رکھتا ہے۔ الغرض میاں عبداللہ نہایت عمدہ آدمی اور میرے منتخب محبوں میں سے ہے"۔ (ازالہ اوہام طبع اول صفحہ ۷۹۶)

حضرت مولوی عبداللہ صاحب سنوریؓ کی یہ خصوصیت ہے کہ آپ نے بیعت اولیٰ میں چوتھے نمبر پر بیعت کی اور جیسا کہ آپؓ فرمایا کرتے تھے جہاں دوسرے مبائعین کو حضورؑ کے حکم سے شیخ حامد علی صاحبؓ نے کمرہ بیعت میں جانے کی آواز دی وہاں حضور انورؑ نے خود آپ کو نام لے کر بلایا تھا۔ (الفضل ۲۱۔ اکتوبر ۱۹۲۷ء)

اس شان کے خدا نما بزرگ اور مسیح محمدیؑ کے منتخب محب کا واضح اور قطعی بیان یہ ہے کہ:۔

"پہلے دن جب آپؑ نے بیعت لی تو وہ تاریخ ۲۰۔ رجب ۱۳۰۶ھ مطابق ۲۳۔ مارچ ۱۸۸۹ء تھی"۔ (سیرت المہدی حصہ اول طبع دوم صفحہ ۷۷ مرتبہ حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ۔ طبع اول ۱۰۔ دسمبر ۱۹۲۳ء۔ طبع ثانی ۱۴۔ نومبر ۱۹۳۵ء)

سوم۔ حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانیؓ تراب (عرفانی) کا نام نامی کسی تعارف کا محتاج نہیں۔ آپ کا مقام سلسلہ احمدیہ کے پہلے صحافی اور پہلے مورخ کے لحاظ سے نہایت بلند ہے۔ حضرت عرفانی رضی اللہ عنہ گو پہلے دن بیعت سے مشرف نہیں ہوئے تھے مگر وہ ان ایام میں لدھیانہ میں تھے اور انہیں دنوں داخل بیعت ہو گئے تھے۔ حضرت شیخ صاحب موصوفؓ بھی حضرت مولانا عبداللہ سنوریؓ کی تائید میں یہ نظریہ رکھتے تھے کہ بیعت کا اصل دن ۲۰۔ رجب ۱۳۰۶ مطابق ۲۳۔ مارچ ۱۸۸۹ء ہی ہے۔ (حیات احمد جلد سوم صفحہ ۲۸)

چہارم۔ حضرت سیدنا المصلح الموعود رضی اللہ عنہ کی قطعی رائے تھی کہ بیعت اولیٰ ۲۳۔ مارچ ۱۸۸۹ء کو ہوئی تھی بلکہ حضورؓ نے صرف اسی بناء پر ۲۳۔ مارچ ۱۹۴۴ء کا دن جلسہ مصلح موعود لدھیانہ کے لئے مقرر فرمایا اور پھر اس میں بنفس نفیس شرکت کی اور اپنے روح پرور خطاب کی ابتداء ہی ان مبارک کلمات سے فرمائی کہ:۔

"اس شہر لدھیانہ میں ۲۳۔ مارچ ۱۸۸۹ء کو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام...... نے بیعت لی تھی"۔ (الفضل ۱۸۔ فروری ۱۹۵۹ء)

پنجم۔ حضرت مرزا شریف احمد صاحبؓ کا مسلک بھی اس کے مطابق تھا۔ چنانچہ آپ تحریر فرماتے ہیں:۔

"سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے لدھیانہ کے مقام پر سب سے پہلی بیعت ۲۳۔ مارچ ۱۸۸۹ء کو لی تھی اور جماعت احمدیہ کا قیام معرض وجود میں آیا تھا"۔

(الفضل ۱۸- مارچ ۱۹۵۹ء صفحہ ۲)

ششم - دارالبیعت لدھیانہ میں ۱۹۱۶ء سے ۱۹۴۷ء تک جو کتبہ بطور یادگار نصب رہا اس پر بھی ۲۳- مارچ ۱۸۸۹ء ہی کی تاریخ ثبت تھی- (ریویو آف ریلیجنز اردو جون 'جولائی ۱۹۴۳ء صفحہ ۲۶ تا ۳۹)

ہفتم - سیدنا حضرت مصلح موعودؓ کے زمانہ خلافت کے آخری دور میں "یوم مسیح موعود" کی بنیاد پڑی اور ساتھ ہی حضور پرنور کی اجازت و استصواب کے بعد مرکز احمدیت سے مسلسل اعلان کیا گیا کہ بیعت اولیٰ کی تاریخ ۲۳- مارچ ۱۸۸۹ء ہے- (الفضل ۴- امان / مارچ ۱۳۲۷ ہش / ۱۹۵۸ء صفحہ ۱)

ہشتم - حضرت مولانا عبدالرحیم صاحب درد ایم- اے (سلسلہ احمدیہ کے نامور مولف و محقق کی قطعی رائے بھی اسی تاریخ کے حق میں تھی- چنانچہ آپ اپنی کتاب "لائف آف احمد" میں تحریر فرماتے ہیں:-

THE FORMAL INITIATION BEGAN ON MARCH 23RD, 1889 (20 RAJAB, 1306. A.H.)

(صفحہ ۱۵۴ مطبوعہ ۱۹۴۹ء مطابق ۱۳۲۸ ہش)

نہم - خالد احمدیت مولانا ابوالعطاء صاحب فاضل نے یوم جمہوریہ پاکستان کے موقعہ پر ۲۳- مارچ ۱۹۵۷ء کو ایک مضمون سپرد قلم کیا جس میں نہ صرف محولہ بالا تاریخ بیعت کی مکمل تائید کی بلکہ یہ نہایت ایمان افروز اور لطیف نکتہ بھی بیان فرمایا کہ:-

"ہم عقیدہ رکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے علم کے بغیر کوئی پتہ بھی ہل نہیں سکتا- پس اس لحاظ سے کوئی واقعہ اتفاقی نہیں ہے- بلکہ ہر کام' حادثہ اور ہر سانحہ اللہ تعالیٰ کے علم اور عظیم حکمت کے ماتحت وقوع پذیر ہوتا ہے- الٰہی تصرفات میں سے یہ عجیب تصرف ہے کہ ۲۳- مارچ کو ہی اس زمانہ کے مامور نے روحانی جماعت کا عملی طور پر سنگ بنیاد رکھا اور اسی تاریخ ۵۷ کو مادی دنیا میں ارض مقدسہ (پاکستان) بننے پر اس کے جمہوریہ اسلامیہ قرار پانے کا اعلان کیا جاتا ہے- بہرحال جماعت احمدیہ کے لئے ۲۳- مارچ کی تاریخ نہایت ہی اہم اور خوشی کی تاریخ ہے"- (الفضل ۲۸- مارچ ۱۹۵۷ء صفحہ ۵ کالم ۴)

سیدنا المصلح الموعودؓ کی ہدایت خاص' حضرت مولوی عبداللہ صاحب سنوریؓ کے چشم دید بیان' حضرت عرفانیؓ کے تائیدی نظریہ' حضرت مصلح موعودؓ کے واضح فرمان' حضرت مرزا شریف احمد صاحبؓ' حضرت مولانا عبدالرحیم صاحب درد اور مولانا ابوالعطاء صاحب کی حتمی رائے' دارالبیعت کے یادگاری کتبہ اور جماعت احمدیہ کے اجماعی مسلک سے سوائے اس کے اور کوئی نتیجہ برآمد نہیں ہو سکتا کہ ۲۰- رجب ۱۳۰۶ھ مطابق ۲۳ مارچ ۱۸۸۹ء ہی کو جماعت احمدیہ کا قیام عمل میں آیا تھا-

اب تصویر کا دوسرا رخ ملاحظہ ہو- یعنی ان محرکات و عوامل کا تجزیہ کیجئے جو اس صاف اور دو ٹوک

نتیجہ پر اثر انداز ہو سکتے ہیں اور ہوتے ہیں- اس تعلق میں بنیادی طور پر صرف دو امور پیش کئے جا سکتے ہیں-

۱- قدیم رجسٹر بیعت میں مندرجہ تاریخ-

۲- حضرت مولوی عبداللہ صاحب سنوری ؓ کی بیان رمودہ قمری و شمسی تاریخوں میں عدم موافقت- اول الذکر سے بظاہر اس خیال کو بہت تقویت حاصل ہوتی ہے کہ سلسلہ بیعت دراصل ۲۱- مارچ ۱۸۸۹ء سے جاری ہو چکا تھا اور قادیان 'کانگڑہ 'غوث گڑھ 'جموں 'مالیر کوٹلہ 'شاہ پور 'کڑیانہ 'جھنپٹ اور لدھیانہ وغیرہ کے چھیالیس بزرگ بیعت ہو چکے تھے-

ثانی الذکر امر یہ بھاری شبہ ڈالتا ہے کہ بیعت اولیٰ کی ابتداء ۲۱ یا ۲۳ مارچ ۱۸۸۹ء کی بجائے ۲۲- مارچ کو ہوئی تھی کیونکہ مصری فاضل محمد مختار پاشا کی تقویم "اَلتَّوْفِیْقَاتُ الْاِلٰھَامِیَّۃِ" سے ثابت ہوتا ہے کہ ۲۰- رجب ۱۳۰۶ھ کو ۲۲- مارچ ۱۸۹۹ء کا دن تھا- ۵۵

قدیم رجسٹر جو تاریخ احمدیت کی ایک مقدس دستاویز اور بیعت اولیٰ کے دور کی نہایت بیش قیمت یادگار ہے آج تک خلافت لائبریری ربوہ میں محفوظ ہے- یہ رجسٹر حضرت اقدس مسیح موعود کے حکم سے تیار کیا گیا تھا اور اس کا نام "بیعت توبہ برائے حصول تقویٰ و طہارت" تجویز فرمایا گیا- اس رجسٹر کی تحریر مختلف ہاتھوں میں رہی- بعض نام حضرت اقدس علیہ السلام نے اپنے قلم سے لکھے بعض حضرت مولانا نور الدین ؓ اور دوسرے بزرگوں نے- اس رجسٹر کا پہلا ورق چونکہ ضائع ہو چکا ہے اس لئے اس کے ابتدائی ناموں کا پتہ نہیں چلتا- اپریل ۱۹۳۹ء میں قمر الانبیاء حضرت مرزا بشیر احمد صاحب ؓ نے پہلی بار اس کے ابتدائی ۶۲ اندراجات اپنی کتاب سیرۃ المہدی حصہ سوم میں شائع فرمائے تو اس کے پہلے آٹھ نام بعض زبانی اور مستند روایات سے قیاساً درج کرکے اس کے پہلے نمبر پر ۱۹- رجب ۱۳۰۶ھ اور ۲۱- مارچ ۱۸۸۹ء کی تاریخوں کا اس لئے اضافہ فرما دیا کہ رجسٹر میں سینتالیسویں نمبر پر پہلی تاریخ جو بطور یادداشت درج تھی وہ ۲۰- رجب ۱۳۰۶ھ اور ۲۲- مارچ ۱۸۸۹ء تھی-

سیرت المہدی حصہ سوم کی اس فہرست سے یہ تاثر پیدا ہوتا ہے کہ ۱۹- رجب ۱۳۰۶ھ مطابق ۲۱- مارچ ۱۸۸۹ء ہی کو یوم البیعت تسلیم کیا جانا چاہئے جیسا کہ حال ہی میں بیرون پاکستان کے ایک فاضل دوست نے راقم الحروف کے نام اپنے ایک تازہ مکتوب میں لکھا ہے اور زور دیا ہے کہ رجسٹر کی اندرونی شہادت کو کیوں قبول نہیں کیا جاتا؟

بلاشبہ یہ قدیم رجسٹر بیعت ایک مستند 'وقیع' قابل استناد اور ثقہ شہادت سابقون الاولون کے اسماء مبارکہ کی ہے اور کوئی احمدی محقق خواہ وہ کتنی عظیم علمی شخصیت کا حامل ہو اور تاریخ نویسی اور وقائع

نگاری میں سند عام کا درجہ حاصل کرلے اس سے بے نیاز ہونے کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔ بایں ہمہ قابل غور و فکر پہلو یہ ہے کہ یہ شہادت کس نوعیت کی ہے؟ اگر یہ شہادت اس بات کی ہے کہ سلسلہ احمدیہ سے وابستہ ہونے والے قدیم ترین فدائیوں کے نام اور کوائف کیا تھے تو یہ سو فیصد درست ہے اور اگر شہادت سے مراد یہ ہے کہ اس سے بیعت کرنے والوں کی ٹھیک ٹھیک عملی ترتیب اور صحیح صحیح تاریخ کی نشاندہی ہوتی ہے تو قمرالانبیاء حضرت مرزا بشیر احمد صاحب اور حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانی رضی اللہ عنہما جیسے اکابر محققین احمدیت کی رائے میں بھی اس کا جواب یکسر نفی میں ہے حتیٰ کہ سرے سے اس بات کا بھی کوئی ثبوت نہیں ملتا کہ اس میں مندرجہ تواریخ ہجری و شمسی عین بیعت کے وقت لکھی گئی تھیں۔ چنانچہ حضرت مرزا بشیر احمد صاحب سیرۃ المہدی حصہ سوم میں فرماتے ہیں۔

"بیعت کنندگان کے رجسٹر سے جو مجھے مکرم میر محمد اسحاق صاحبؓ کے ذریعہ دستیاب ہوا ہے یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ آیا بیعت کے وقت ہی اس رجسٹر میں فوراً اندراج کرلیا جاتا تھا یا کہ بیعت کے بعد چند اسماء اکٹھے درج کرلئے جاتے تھے۔ موخر الذکر صورت میں اس بات کا امکان ہے کہ بوقت اندراج اصل ترتیب سے کسی قدر اختلاف ہو جاتا ہے۔ بلکہ بعض اندراجات سے شبہ ہوتا ہے کہ بعض اوقات ایسا ہو جاتا تھا کیونکہ بعض صورتوں میں زبانی روایات اور اندراج میں کافی اختلاف ہے"۔ (صفحہ ۴۱)

حضرت قمرالانبیاء رضی اللہ عنہ (نور اللہ مرقدہ) نے مندرجہ بالا تحریر میں جس "کافی اختلاف" کی طرف سے نہایت اجمالی مگر بلیغ رنگ میں اشارہ فرمایا ہے اس کی بعض نہایت واضح مثالیں بیان کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے۔

۱۔ حضرت ام المومنین رضی اللہ عنہا، حضرت سیدنا المصلح الموعودؓ، حضرت مرزا بشیر احمد صاحب اور حضرت مفتی محمد صادق صاحبؓ اور دوسرے اکابر سلسلہ اس رائے پر متفق ہیں کہ پہلے دن چالیس بزرگوں نے بیعت کی تھی۔ (سیرت المہدی حصہ اول صفحہ ۱۸، سیرت مسیح موعودؑ از حضرت مصلح موعودؓ۔ سلسلہ احمدیہ صفحہ ۲۹ از حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ۔ ذکر حبیب صفحہ ۹ مولفہ حضرت مفتی محمد صادق صاحبؓ بھیروی) اس مسلمہ حقیقت کے باوجود رجسٹر بیعت کے ابتدائی اوراق میں چالیس کی بجائے چھیالیس کے نام لکھے ہیں۔

۲۔ رجسٹر بیعت میں تینتالیسویں نمبر پر حضرت مولانا عبدالکریم صاحب سیالکوٹی رضی اللہ عنہ کا اسم گرامی و نام نامی درج ہے حالانکہ حضرت مرزا بشیر احمد صاحب نے بھی (بروایت حضرت مولانا عبداللہ صاحب سنوریؓ) لکھا ہے کہ "بیعت اولیٰ کے دن مولوی عبدالکریم صاحب بھی وہیں موجود تھے مگر بیعت نہیں کی"۔ (سیرت المہدی حصہ اول طبع دوم صفحہ ۷۸)

۳۔ دنیائے احمدیت کے نہایت ممتاز، مخلص اور فدائی بزرگ اور حضرت مسیح موعودؑ کے عاشق صادق حضرت منشی ظفر احمد صاحب کپور تھلوی کی سوانح اور روایات سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ جب حضرت اقدس علیہ السلام نے بیعت کے لئے اشتہار دیا تو اگرچہ حضرت منشی روڑا خان صاحبؓ اشتہار بیعت ملتے ہی لدھیانہ روانہ ہوگئے تھے اور حضرت منشی ظفر احمد صاحبؓ اور حضرت میاں محمد خان صاحب کپور تھلوی دوسرے دن چل کر تیسرے دن صبح لدھیانہ پہنچے مگر کپور تھلہ کی ان تینوں بلند پایہ شخصیتوں نے بیعت اولیٰ کے پہلے روز ہی بیعت کر لی تھی۔ پہلے حضرت منشی روڑا خان صاحبؓ بیعت ہوئے۔ پھر حضرت منشی ظفر احمد صاحبؓ اور بعد ازاں حضرت محمد خان صاحبؓ۔ (اصحاب احمد جلد چہارم طبع اول صفحہ ۹۱) مگر اس واقعہ کے برعکس رجسٹر بیعت میں ۲۰۔ مارچ کی تاریخ کے تحت ہمیں صرف حضرت منشی روڑا خان صاحب کا نام ملتا ہے اور بقیہ دو عشاق مسیح موعودؑ کے مبارک اسماء ۲۳۔ مارچ میں درج کئے گئے ہیں۔

سوال پیدا ہوتا ہے کہ ان عالی مقام، مجسم اخلاص اور سراپا فدائیت وجودوں اور شمع مسیح کے زندہ جاوید اور بے مثال پروانوں کی واقعاتی شہادتوں اور رجسٹر بیعت کے اس حیرت انگیز اور بالکل کھلے کھلے تفاوت و اختلاف کی آخر وجہ کیا ہے؟ اور کیا ان میں مطابقت کی کوئی صورت ممکن نہیں؟

یہ ناچیز جواباً عرض کرتا ہے کہ اگر گہری تحقیق سے کام لیا جائے تو یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچتی ہے کہ رجسٹر بیعت کے اندراجات کی اصل اور بنیادی ترتیب بیعت اولیٰ کے مبائعین کی عملی بیعت کے اعتبار سے نہیں! بلکہ قبل از وقت بیعت کی اطلاع دینے والوں یا بیعت کی خاطر حضرت اقدسؑ کی خدمت میں لدھیانہ پہنچ جانے والوں کے اعتبار سے ہے۔ یہ محض قیاسی یا اجتہادی امر نہیں بلکہ اس کا سراغ براہ راست سیدنا المسیح الموعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس اشتہار سے بخوبی ملتا ہے جو حضورؑ نے بیعت اولیٰ سے قبل شائع فرمایا اور جس میں رجسٹر بیعت کی غرض و غایت پر بھی روشنی ڈالی گئی تھی۔

چنانچہ حضرت اقدس علیہ السلام نے اشتہار مارچ ۱۸۸۹ء میں بیعت کے لئے مستعد اصحاب کو مخاطب کرتے ہوئے تحریر فرمایا۔

"اے اخوان مومنین (اَیَّدَکُمُ اللّٰہُ بِرُوْحٍ مِّنْہُ) آپ سب صاحبوں پر جو اس عاجز سے خالصاً . طلب اللہ بیعت کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں واضح ہو کہ بالقاء رب کریم و جلیل (جس کا ارادہ ہے کہ مسلمانوں کو انواع و اقسام کے اختلاف اور غل اور حقد اور نزاع اور فساد اور کینہ اور بغض سے جس نے ان کو بے برکت و نکما کر دیا ہے نجات دے کر فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِہٖ اِخْوَانًا کا مصداق بنا

دے) مجھے معلوم ہوا ہے کہ بعض فوائد و منافع بیعت کہ جو آپ لوگوں کے لئے مقدر ہیں اس انتظام پر موقوف ہیں کہ آپ سب صاحبوں کے اسماء مبارکہ ایک کتاب میں بقید ولدیت و سکونت مستقل و عارضی اور کسی قدر کیفیت کے (اگر ممکن ہو) اندراج پاویں اور پھر جب وہ اسماء مندرجہ کسی تعداد موزوں تک پہنچ جائیں تو ان سب ناموں کی ایک فہرست تیار کر کے اور چھپوا کر ایک ایک کاپی اس کی تمام بیعت کرنے والوں کی خدمت میں بھیجی جائے اور پھر جب دوسرے [۵۶] وقت میں نئی بیعت کرنے والوں کا ایک معتدبہ گروہ ہو جائے تو ایسا ہی ان کے اسماء کی بھی فہرست تیار کر کے تمام مبائعین یعنے داخلین بیعت میں شائع کی جائے اور ایسا ہی ہوتا رہے۔ جب تک ارادہ الٰہی اپنے اندازہ مقدرہ تک پہنچ جائے...... مگر چونکہ یہ کارروائی بجز اس کے باسانی و صحت انجام پذیر نہیں ہو سکتی کہ خود مبائعین اپنے ہاتھ سے خوشخط قلم سے لکھ کر اپنا تمام پتہ و نشان بتفصیل مندرجہ بالا بھیج دیں اس لئے ہر صاحب کو جو صدق دل اور خلوص تام سے بیعت کرنے کے لئے مستعد ہیں تکلیف دی جاتی ہے کہ وہ بتحریر خاص اپنے پورے پورے نام و ولدیت و سکونت مستقل و عارضی وغیرہ سے اطلاع بخشیں یا اپنے حاضر ہونے کے وقت یہ تمام امور درج کرا دیں"۔ (تبلیغ رسالت جلد اول صفحہ ۱۵۲)

حضور انور کے محولہ بالا الفاظ سے ایک گم شدہ کڑی پر اطلاع ملتی ہے اور یہ صداقت نمایاں ہو کر ابھر آتی ہے کہ رجسٹر بیعت میں ناموں کا اندراج بیعت اولیٰ کے انعقاد سے بھی قبل شروع کیا جا چکا تھا لہٰذا یہ سمجھنا کہ اس رجسٹر میں عین بیعت اولیٰ کے وقت یا اس کے دوران یا معاًبعد اندراج ہوا یا اس میں درج شدہ تاریخ لازماً بیعت کی تاریخ ہو گی (جہاں تک بیعت اولیٰ کے پہلے دن کا تعلق ہے) یقیناً صحیح نہیں ہو سکتا ہاں استثنائی طور پر یہ ضرور ممکن ہے کہ کسی بزرگ کی لدھیانہ پہنچنے' بیعت سے مشرف ہونے اور رجسٹر میں اس کے اندراج کی تاریخ ایک ہی ہو مگر یہ ایک اتفاقی چیز ہے جس کو بہرکیف کلیہ کا درجہ نہیں دیا جا سکتا۔

اس وضاحت سے یہ عقدہ لانیحل اور سربستہ راز بھی خود بخود منکشف ہو جاتا ہے کہ رجسٹر بیعت میں

- پہلے دن کی تاریخ میں بیعت کرنے والے چالیس بزرگوں کی بجائے چھیالیس بزرگوں کا کیوں ذکر ہے؟
- اور جب حضرت مولانا عبدالکریم صاحبؓ سیالکوٹی نے پہلے دن بیعت ہی نہیں کی تو پہلی تاریخ میں ان کا نام کیسے درج ہو گیا؟
- اسی طرح جب کپور تھلہ کے تینوں بزرگوں نے پہلے ہی دن بیعت کا اکٹھا شرف حاصل کیا تھا تو

ان کے نام مبارک ۲۱ اور ۲۳ - مارچ کی دو الگ الگ تاریخوں میں کیوں لکھے گئے؟

یہ اور اس نوعیت کی سب الجھنیں ' دشواریاں اور پیچیدگیاں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے مندرجہ بالا وضاحتی اشتہار کی برکت سے بیک جنبش قلم ختم ہو جاتی ہیں اور گویا دن چڑھ جاتا ہے اور اب ہم اس کی بدولت یقین کی فولادی چٹان پر کھڑے ہو کر بلا تامل بتا سکتے ہیں کہ رجسٹر بیعت کے ابتدائی اوراق تو محض یہ راہ نمائی کرتے ہیں کہ کون کون سے بزرگوں نے بیعت پر آمادگی کی اطلاع دی یا بیعت کی خاطر بیعت اولیٰ کے انعقاد سے قبل لدھیانہ تشریف لے آئے۔ یہی اور صرف یہی وجہ ہے کہ ۲۲۔ مارچ سے قبل حضرت مولوی عبد الکریم صاحب سمیت لدھیانہ آنے والے چھیالیس بزرگوں کے نام مبارک ریکارڈ کئے گئے۔ بعینہ اسی حکمت سے حضرت منشی روڑا خان صاحبؓ کا نام ان کے ورود لدھیانہ کے بعد ۲۱۔ مارچ کو اور حضرت منشی ظفر احمد صاحبؓ اور حضرت محمد خان صاحبؓ کے اسماء مبارکہ کا نام ۲۳۔ مارچ کو درج رجسٹر کیا گیا۔

اس وضاحت سے ضمناً یہ بھی ثبوت ملتا ہے کہ حضرت منشی ظفر احمد صاحب رضی اللہ عنہ نے اپنے بیان کے مطابق چونکہ لدھیانہ پہنچتے ہی بیعت اولیٰ کے پہلے روز دوسرے مخلصین کپور تھلہ کے ساتھ بیعت کی تھی اس لئے ۲۳۔ مارچ ۱۸۸۹ء کی جو تاریخ ان کے نام کے ساتھ مندرج ہے حتمی طور پر وہی تاریخ بیعت اولیٰ کے آغاز کی ہے۔

الخضر!! رجسٹر بیعت کے ابتدائی اوراق کی فہرست ہرگز ہرگز مبائعین کی واقعاتی ترتیب و تاریخ کے مطابق تیار اور مرتب نہیں ہوئی لہٰذا ۱۹۔ رجب ۱۳۰۶ھ مطابق ۲۱۔ مارچ ۱۸۸۹ء کو بیعت اولیٰ کا دن قرار دینے کا کوئی جواز نہیں۔

اب تحقیق طلب صرف یہ دوسرا امر رہ جاتا ہے کہ حضرت مولانا عبد اللہ صاحب سنوری رضی اللہ عنہ نے بیعت اولیٰ کی قمری تاریخ ۲۰۔ رجب ۱۳۰۶ھ اور شمسی تاریخ ۲۳۔ مارچ ۱۸۸۹ء متعین کی ہے حالانکہ "التوفیقات الالھامیه" کی رو سے ۲۰۔ رجب ۱۳۰۶ھ کو ۲۲۔ مارچ ۱۸۸۹ء کا دن بنتا ہے۔ اس صورت میں آیا قمری تاریخ کو درست سمجھا جائے یا شمسی تاریخ پر اعتماد کیا جائے؟؟

اس ضمن میں یہ عاجز محض خدا کے فضل و کرم سے علی وجہ البصیرت اس رائے پر قائم ہے کہ حضرت مولانا سنوری رحمتہ اللہ علیہ کی دونوں بیان فرمودہ تاریخیں ہی صحیح ہیں اور اگر کوئی "سہو" یا "غلطی" ہے تو وہ مصری تقویم "التوفیقات الالھامیه" کی ہے جس میں ۱۳۰۶ھ کے جمادی الثانی کو انتیس دن کا شمار کر کے یکم رجب ۱۳۰۶ھ کو ۳۔ مارچ ۱۸۸۹ء سے شروع کیا گیا ہے جو واقعہ کے خلاف ہے۔ حق یہ ہے کہ اس سال جمادی الثانی انتیس کی بجائے تیس کا تھا اور یکم رجب ۱۳۰۶ھ کو ۴۔ مارچ

۱۸۸۹ء کی اور ۲۰- رجب ۱۳۰۶ھ کو ۲۳- مارچ ۱۸۸۹ء کی تاریخ تھی جیسا کہ حضرت میاں معراج دین صاحب عمر رضی اللہ عنہ ۵۷ کی مشہور و معروف "ایک سو پچیس برس کی جنتری" سے ثابت ہے - یہ جنتری حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے عہد مبارک میں یکم ستمبر ۱۹۰۶ء کو اشاعت پذیر ہوئی تھی اس جنتری کے صفحہ ۲۱۷ پر مارچ ۱۸۸۹ء کا عیسوی' ہجری' فصلی اور بکری کیلنڈر حسب ذیل صورت میں درج ہے:-

۱۸۸۹ء - ۱۳۰۶ھ - ۱۹۲۶ف - سمت ۱۹۴۵ء

یوم	مارچ	جمادی الثانی / رجب	پھاگن فصلی	پھاگن سمت
جمعہ	۱	۲۸	۱۴	۱۵ بدی
شنبہ	۲	۲۹	۱۵	سدی
یک شنبہ	۳	۳۰	۱۶	۲
دو شنبہ	۴	رجب	۱۷	۳
سہ شنبہ	۵	۲	۱۸	۴
چہار شنبہ	۶	۳	۱۹	۵
پنجشنبہ	۷	۴	۲۰	۶
جمعہ	۸	۵	۲۱	۶
شنبہ	۹	۶	۲۲	۷
یک شنبہ	۱۰	۷	۲۳	۸
دو شنبہ	۱۱	۸	۲۴	۹
سہ شنبہ	۱۲	۹	۲۵	۱۰
چہار شنبہ	۱۳	۱۰	۲۶	۱۱

پنجشنبہ	۱۴	۱۱	۲۷	۱۲
جمعہ	۱۵	۱۲	۲۸	۱۳
شنبہ	۱۶	۱۳	۲۹	۱۴
یک شنبہ	۱۷	۱۴	۳۰	۱۵
دو شنبہ	۱۸	۱۵	چیت	بدی چیت
سہ شنبہ	۱۹	۱۶	۲	۲
چہار شنبہ	۲۰	۱۷	۳	۳
پنجشنبہ	۲۱	۱۸	۴	۴
جمعہ	۲۲	۱۹	۵	۶
شنبہ	۲۳	۲۰	۶	۷
یک شنبہ	۲۴	۲۱	۷	۸
دو شنبہ	۲۵	۲۲	۸	۹
سہ شنبہ	۲۶	۲۳	۹	۱۰
چہار شنبہ	۲۷	۲۴	۱۰	۱۱
پنجشنبہ	۲۸	۲۵	۱۱	۱۲
جمعہ	۲۹	۲۶	۱۲	۱۳
شنبہ	۳۰	۲۷	۱۳	۱۴
یک شنبہ	۳۱	۲۸	۱۴	۱۵

مندرجہ بالا کیلنڈر کی رو سے صاف کھل جاتا ہے کہ ۲۳۔ مارچ ۱۸۸۹ء کو یقیناً ۲۰۔ رجب ۱۳۰۶ھ

کی تاریخ تھی- پس حضرت مولانا عبد اللہؓ سنوری کی قمری و شمسی تاریخوں میں مکمل موافقت پائی جاتی ہے اور کسی قسم کا کوئی تضاد نہیں- بنا بریں "اختلاف و تضاد" کے مفروضہ پر ۲۲- مارچ ۱۸۸۹ء کو یوم البیعت تجویز کئے جانے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔

چنانچہ قمرالانبیاء صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب ؓ اپنے ایک حقیقت افروز نوٹ میں تحریر فرماتے ہیں:-

"میاں عبد اللہ صاحب سنوریؓ نے پہلے دن کی بیعت کی تاریخ ۲۰- رجب ۱۳۰۶ھ مطابق ۲۳- مارچ (۱۸۸۹ء) بیان کی ہے مگر رجسٹر بیعت کنندگان سے پہلے دن کی بیعت ۱۹- رجب اور ۲۱- مارچ ظاہر ہوتی ہے- یعنی نہ صرف تاریخ مختلف ہے بلکہ قمری اور شمسی تاریخوں میں مقابلہ بھی غلط ہو جاتا ہے- اس اختلاف کی وجہ سے میں نے گزشتہ جنتری کو دیکھا تو وہاں سے مطابق زبانی روایت ۲۰- رجب کو ۲۳- مارچ ثابت ہوتی ہے- پس یا تو رجسٹر کا اندراج چند دن بعد میں ہونے کی وجہ سے غلط ہو گیا ہے اور یا اس میں چاند کی رویت جنتری کے اندراج سے مختلف ہوئی ہوگی"- (سیرت المہدی حصہ سوم صفحہ ۴ مطبوعہ ۳- فروری ۱۹۳۹ء) حضرت میاں صاحب ؓ کا یہ ناطق فیصلہ (کہ جنتری کی رو سے ۲۰- رجب کو ۲۳- مارچ کی تاریخ ثابت ہوتی ہے) اپنی پشت پر حقیقتوں اور صداقتوں کی ایک زبردست طاقت رکھتا ہے- چنانچہ اگر ۱۸۸۹ء کے جرائد کا مطالعہ کیا جائے تو ان سے بھی اس فیصلہ کی مزید توثیق ہوتی ہے- مثلاً اس وقت میرے سامنے امرتسر کے ہفت روزہ "ریاض ہند" کا فائل ہے- اس اخبار کے مالک و مہتمم حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کے مخلص و قدیم صحابی حضرت شیخ نور احمد صاحبؓ تھے جن کے "مطبع ریاض ہند میں نہ صرف حضرت مسیح موعودؑ کی شہرہ آفاق کتاب "براہین احمدیہ کے تین حصے چھپے بلکہ دعویٰ ماموریت و مسیحیت کے بعد کی بہت سی کتابیں اور اشتہارات بھی زیور طبع سے آراستہ ہوئے اور یہ سلسلہ نہایت باقاعدگی کے ساتھ ۱۸۹۵ء میں "ضیاء الاسلام پریس" قادیان کی تنصیب تک جاری رہا- حضرت شیخ صاحبؓ کے اخبار "ریاض ہند" کو برصغیر کی صحافت میں یہ امتیاز حاصل ہے کہ یہی وہ اخبار تھا جس میں ۲۰- فروری ۱۸۸۶ء کا مشہور عالم اشتہار شائع ہوا- اسی میں جماعت احمدیہ کے سنگ بنیاد سے بھی برسوں قبل حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تقریروں اور سفروں وغیرہ کی اکثر خبریں شائع ہوا کرتی تھیں اور جہاں تک موجودہ تحقیق کا تعلق ہے "ریاض ہند" واحد اخبار ہے جس میں حضرت سیدنا المصلح الموعودؓ کی ولادت باسعادت کی خبر شائع ہوئی- [۵۸] یہ اخبار اپنے سرورق پر ہمیشہ قمری اور شمسی تاریخوں کے اندراج کا خاص التزام کیا کرتا تھا- ماہ مارچ ۱۸۸۹ء میں اس اخبار کے چار نمبر شائع ہوئے- جن پر بالترتیب حسب ذیل تاریخیں موجود ہیں:-

۴۔مارچ ۱۸۸۹ء یکم رجب المرجب ۱۳۰۶ھ یوم دوشنبہ

۱۱۔مارچ ۱۸۸۹ء مطابق ۸۔رجب المرجب ۱۳۰۶ھ یوم دوشنبہ

۱۸۔مارچ ۱۸۸۹ء مطابق ۱۵۔رجب المرجب ۱۳۰۶ھ یوم دوشنبہ

۲۵۔مارچ ۱۸۸۹ء مطابق ۲۲۔رجب المرجب ۱۳۰۶ھ یوم دوشنبہ

محولہ بالا نقشہ سے جو اخبار "ریاض ہند" کے چار پرچوں سے مرتب کیا گیا ہے اس نظریہ پر مہر تصدیق ثبت ہو جاتی ہے کہ "التوفیقات الالهامیہ" میں یکم رجب ۱۳۰۶ھ کو جو ۳۔مارچ ۱۸۸۹ء کا دن شمار کیا گیا ہے وہ ہرگز درست نہیں۔ بلکہ اس کے برخلاف یہ ۴۔مارچ ۱۸۸۹ء کا دن تھا اور ظاہر ہے کہ اس حساب کے مطابق ۲۰۔رجب ۱۳۰۶ھ کو شمسی تاریخ ۲۳۔مارچ ہی تھی جیسا کہ حضرت مولانا عبداللہ صاحب سنوری رضی اللہ عنہ کی روایت ہے۔

خلاصہ تحقیق الغرض جس نقطہ نگاہ اور زاویہ خیال سے بھی دیکھا جائے اندرونی اور بیرونی علمی اور واقعاتی شہادتوں اور عقلی و نقلی دلائل و براہین کی روشنی میں یہ حقیقت نیر النہار کی طرح ایک قطعی اور فیصلہ کن صورت اختیار کر جاتی ہے کہ بیعت اولیٰ لدھیانہ کی اصل اور صحیح تاریخ ۲۰۔رجب ۱۳۰۶ھ مطابق ۲۳۔مارچ ۱۸۸۹ء ہے اور یقیناً یہی دن سلسلہ احمدیہ جیسی مقدس اور عالمی تحریک کی جماعتی زندگی کا پہلا اور مبارک دن ہے جو رہتی دنیا تک یوم الفرقان کی حیثیت سے یادگار رہے گا اور فرمان ایزدی "ذَكِّرْهُم بِأَيَّامِ اللَّهِ" کا مصداق و مورد سمجھا جائے گا اور سلسلہ بیعت سے بھی قبل کی یہ خدائی پیشگوئی ہر زمانہ میں پوری شان و شوکت سے پوری ہوتی رہے گی کہ:۔

"اس گروہ کو بہت بڑھائے گا اور ہزارہا صادقین کو اس میں داخل کرے گا۔ وہ خود اس کی آبپاشی کرے گا اور اس کو نشوونما دے گا یہاں تک کہ ان کی کثرت اور برکت نظروں میں عجیب ہو جائے گی اور وہ اس چراغ کی طرح جو اونچی جگہ رکھا جاتا ہے دنیا کی چاروں طرف اپنی روشنی کو پھیلائیں گے اور اسلامی برکات کے لئے بطور نمونہ ٹھہریں گے"۔

(اشتہار ۴۔مارچ ۱۸۸۹ء مشمولہ تبلیغ رسالت جلد اول صفحہ ۱۵۵)

قیام لدھیانہ کے دو واقعات

قیام لدھیانہ کے دوران دو واقعات کا تذکرہ ضروری ہے۔

پہلا واقعہ:۔ حضرت منشی ظفر احمد صاحب کا بیان ہے کہ "بیعت کے بعد جب میں لدھیانہ ٹھہرا ہوا تھا تو ایک صوفی طبع شخص نے چند سوالات کے بعد حضرت صاحب سے دریافت کیا کہ آیا آپ

آنحضرت ﷺ کی زیارت بھی کرا سکتے ہیں؟ آپ نے جواب دیا کہ اس کے لئے مناسب شرط ہے اور میری طرف منہ کر کے فرمایا کہ یا جس پر خدا کا فضل ہو جائے۔ اسی رات میں نے آنحضرت ﷺ کو خواب میں دیکھا"۔ ۵۹

دوسرا واقعہ:۔ دوسرا واقعہ یہ ہے کہ ایک سائل آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ میرا ایک عزیز فوت ہو گیا ہے اور میرے پاس کفن دفن کے لئے کچھ انتظام نہیں ہے اور اس نے کچھ سکے چاندی اور تانبے کے رکھے ہوئے تھے یہ دکھانے کے لئے کہ کسی قدر چندہ ہوا ہے اور ابھی اور ضرورت ہے۔ حضرت اقدس نے قاضی خواجہ علی صاحب سے فرمایا کہ "قاضی صاحب ان کے ساتھ جا کر کفن کا انتظام کر دو"۔ حضرت اقدس کی اس قسم کی عادت مبارک نہیں تھی بلکہ عام طور پر جو مناسب سمجھتے نہایت درجہ فیاضی سے دے دیتے۔ اس ارشاد سے خدام کو تعجب ہوا۔ حضرت قاضی صاحب نے بھی یہ نہیں پوچھا کہ کیا دے دوں۔ بلکہ وہ ساتھ ہی ہو گئے۔ سائل قاضی صاحب کو لے کر رخصت ہوا۔

تھوڑی دیر بعد حضرت قاضی صاحب مسکراتے ہوئے واپس آئے اور کہا حضورؑ وہ تو بڑا دھوکہ باز تھا راستہ میں جا کر اس نے میری بڑی منت خوشامد کی کہ خدا کے واسطے آپ نہ جاویں جو کچھ دینا ہے دے دیں۔ میں نے کہا کہ مجھے تو خود جانے کا حکم ہے جو کچھ تمہارے پاس ہے یہ مجھے دو جو کچھ خرچ آئے گا میں کروں گا۔ آخر جب اس نے دیکھا کہ میں ٹلتا ہی نہیں تو اس نے ہاتھ جوڑ کر ندامت کے ساتھ کہا کہ نہ کوئی مرا ہے اور نہ کوئی کفن دفن کی ضرورت ہے۔ یہ میرا پیشہ ہے۔ اب میری پردہ دری نہ کرو۔ تم واپس جاؤ۔ میں اب یہ کام نہیں کرونگا"۔ ۶۰

سفر علی گڑھ

علی گڑھ میں ایک بزرگ سید محمد تفضل حسین [۶۱] صاحب تحصیلدار رہتے تھے۔ جنہیں زمانہ "براہین احمدیہ" سے حضرت اقدس کے ساتھ عقیدت تھی۔ وہ کئی مرتبہ حضرت اقدس کی خدمت میں علی گڑھ میں تشریف لانے کی درخواست کر چکے تھے۔ جسے حضور نے قبول فرمایا۔ اور آپ اپریل ۱۸۸۹ء میں لدھیانہ سے علی گڑھ تشریف لے گئے۔ اس سفر میں حضور کے ہمراہ آپ کے خدام میں سے حضرت مولوی عبداللہ صاحب سنوری۔ میر عباس علی صاحب اور حافظ حامد علی صاحب تھے حضرت اقدس سید محمد تفضل حسین صاحب تحصیلدار کے ہاں ٹھہرے جو ان دنوں دفتر ضلع میں سپرنٹنڈنٹ تھے علی گڑھ میں ان دنوں ایک مولوی صاحب محمد اسمٰعیل نامی رہتے تھے انہوں نے حضرت اقدس کی خدمت میں نہایت انکسار سے وعظ کے لئے درخواست کی اور کہا کہ لوگ مدت سے آپ کے مشتاق ہیں بہتر ہے کہ سب لوگ ایک مکان میں جمع ہوں اور آپ کچھ وعظ فرمائیں۔ حضرت اقدس ضعف دماغ کے باعث جس کا قادیان میں بھی کچھ مدت پہلے دورہ ہو چکا تھا اس لائق نہیں تھے کہ زیادہ گفتگو اور کوئی دماغی محنت کا کام کر سکتے۔ مگر چونکہ آپ کو ہمیشہ یہی عشق اور یہی دلی خواہش رہتی تھی کہ حق بات لوگوں پر ظاہر فرمائیں کہ اسلام کیا چیز ہے اور اب لوگ اسے کیا سمجھ رہے ہیں اس لئے حضور نے لیکچر منظور فرمالیا۔ کہ انشاء اللہ اسلام کی حقیقت بیان کی جائے گی چنانچہ اشتہار بھی شائع کر دیا گیا اور سب تیاری مکمل ہو گئی۔ لیکچر کا وقت قریب آیا تو آپ الہاماً وعظ سے روک دیئے گئے اور آپ نے لیکچر دینے کا ارادہ ترک کر دیا۔ سید تفضل حسین صاحب نے عرض کیا کہ حضور اب تو سب کچھ ہو چکا ہے بڑی بدنامی ہو گی۔ حضور نے فرمایا خواہ کچھ ہو ہم خدا کے حکم کے مطابق کریں گے۔ پھر اور لوگوں نے بھی حضور سے بڑے اصرار سے عرض کیا۔ مگر حضرت اقدسؑ نے فرمایا۔ یہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ میں خدا کا حکم چھوڑ دوں۔ اس کے حکم کے مقابل میں مجھے کسی ذلت کی پروا نہیں۔

مولوی محمد اسمٰعیل صاحب نے اس معذرت کی آڑ لے کر جمعہ کے بعد حضرت اقدس کے خلاف نہایت زہریلی اور کذب و افتراء سے پر تقریر کی اور کہا میں نے ان سے کہا کہ کل جمعہ ہے وعظ فرمایئے اس کا انہوں نے وعدہ بھی کیا مگر صبح کو رقعہ آیا کہ میں بذریعہ الہام وعظ کرنے سے منع کیا گیا ہوں۔ میرا خیال ہے کہ بہ سبب عجز بیانی و خوف امتحانی انکار کر دیا۔ یہ شخص محض نالائق ہے علمی لیاقت نہیں رکھتا۔ میں نے الہام کے بارے میں چند سوال کئے کسی قدر بے معنی جواب دے کر سکوت اختیار کیا۔ ہرگز یقین نہیں ہو سکتا کہ ایسی عمدہ تصانیف کے یہی حضرت مصنف ہیں۔ سید احمد صاحب عرب جن کو میں ثقہ جانتا

ہوں وہ مجھ سے بیان کرتے تھے کہ میں دو ماہ تک ان کے پاس ان کے معتقدین خاص کے زمرہ میں رہا۔ اور وقتاً فوقتاً بنظر تجسس و امتحان ہر ایک وقت خاص طور پر حاضر رہ کر جانچا تو معلوم ہوا کہ در حقیقت ان کے پاس آلات نجوم موجود ہیں وہ ان سے کام لیتے ہیں۔ مجھے فقرات الہام پر غور کرنے سے ہرگز یقین نہیں آتا کہ وہ الہام ہیں۔ مدعی ہونا کرامات کے خلاف ہے اور یہ کہنا کہ جس کو انکار ہو تو وہ آکر دیکھے یہ دعاوی باطلہ ہیں۔ میں ملاقات کرنے سے بالکل بے عقیدہ ہو گیا ہوں میری رائے میں جو موحد ان سے ملاقات کرے گا ان کا معتقد نہ رہے گا۔ نماز ان کی اخیر وقت ہوتی ہے۔ جماعت کے پابند نہیں وغیرہ وغیرہ۔ ۶۲

یہ تقریر اس نے چھاپ کر شائع بھی کر دی۔ اور حضرت اقدس نے اپنی تصنیف "فتح اسلام" میں اس کے ایک ایک الزام کا دندان شکن جواب دیتے ہوئے اسے "آلات نجوم" کے متعلق بہتان طرازی پر دعوت مباہلہ دی۔ جس پر اس نے ایک کتاب لکھی اور اس میں آپ کے خلاف بد دعا کی۔ مگر ابھی یہ کتاب ختم بھی نہ ہوئی تھی کہ وہ دار فانی سے کوچ کر گیا۔ ۶۳

علی گڑھ میں ایک تحصیلدار نے جو سید محمد تفضل حسین صاحب کے واقف تھے۔ حضرت اقدس کی دعوت کی اور شہر کے دوسرے معززین کو بھی مدعو کیا۔ حضور تشریف لے گئے اور میاں عبداللہ صاحب سنوری، میر عباس علی صاحب اور شیخ حامد علی صاحب کو اپنے دائیں بائیں بٹھایا۔ تحصیلدار صاحب نے کھانے کے لئے چوکیوں یعنی چھوٹے چھوٹے تخت پوشوں کا انتظام کیا تھا جن پر کھانا رکھا گیا۔ اور لوگ ان کے ارد گرد بیٹھ گئے۔ چوکیوں پر شیشے کے گلاسوں میں گلدستے رکھے ہوئے تھے جب کھانا شروع ہوا تو میر عباس علی صاحب نے کھانے کی طرف ہاتھ نہیں بڑھایا بلکہ خاموش بیٹھے رہے حضرت صاحب نے ان سے دریافت فرمایا آپ کیوں نہیں کھاتے؟ انہوں نے کہا یہ نیچریوں کے طریق کا کھانا ہے حضرت صاحب نے کہا نہیں اس میں کوئی حرج نہیں یہ خلاف شرع نہیں ہے میر صاحب نے کہا حضور آپ کھائیں میں نہیں کھاتا۔ غرض میر عباس علی صاحب نے کھانا نہیں کھایا حضرت منشی عبداللہ صاحب سنوریؓ یہ واقعہ بیان کرتے ہوئے فرماتے تھے کہ جب میر عباس علی صاحب مرتد ہوئے تو یہ مجھے بات یاد آگئی کہ وہ دراصل اسی وقت سے کٹ چکے تھے۔ ۶۴

حضرت اقدس علی گڑھ میں قریباً ایک ہفتہ قیام فرما رہے اور پھر لدھیانہ واپس آگئے اور دوسرے ہفتے کے شروع ہی میں قادیان تشریف لے آئے۔ ۶۵

ایک عیسائی کے تین سوالوں کے جوابات

مئی یا جون ۱۸۸۹ء میں ایک عیسائی عبداللہ جیمز نے انجمن حمایت اسلام لاہور [۶۶] کے پاس تین سوالات بغرض جواب بھیجے۔ انجمن نے ان کے جواب کے لئے حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور حضرت مولانا نور الدینؓ دونوں سے درخواست کی۔ ہرچند کہ حضرت اقدس کو فرصت نہ تھی اور طبیعت بھی اچھی نہیں تھی محض عشق رسول کے جوش سے ان سوالوں کا جواب تحریر فرمایا۔

انجمن نے ان جوابات کو "ایک عیسائی کے تین سولواں کے جواب" کے عنوان سے شائع کر دیا۔ [۶۷] حضرت اقدس کا یہ معرکتہ الاراء اور لطیف جواب حضرت شیخ یعقوب علی صاحب نے مکتوبات احمدیہ جلد سوم (صفحہ ۳۴-۷۹) میں درج کر دیا ہے۔ جو تثلیث پرستی کے خلاف ایک کامیاب ہتھیار کی حیثیت رکھتا ہے اس میں ایک جگہ فرماتے ہیں۔ "قرآن شریف صحیفہ فطرت کے تمام علوم اور اس کی صداقتوں کو یاد دلاتا ہے اور اس کے اسرار غامضہ کو کھولتا ہے اور کوئی نئے امور برخلاف اس کے پیش نہیں کرتا بلکہ درحقیقت اسی کے معارف دقیقہ ظاہر کرتا ہے۔ برخلاف اس کے عیسائیوں کی تعلیم جس کا انجیل پر حوالہ دیا جاتا ہے ایک نیا خدا پیش کر رہی ہے جس کی خودکشی پر دنیا کی گناہ اور عذاب سے نجات موقوف اور اس کے دکھ اٹھانے پر خلقت کا آرام موقوف اور اس کے بے عزت اور ذلیل ہونے پر خلقت کی عزت موقوف خیال کی گئی ہے پھر بیان کیا گیا ہے کہ وہ ایک ایسا عجیب خدا ہے کہ ایک حصہ اس کی عمر کا تو منزہ عن الجسم و عن عیوب الجسم میں گزرا ہے اور دوسرا حصہ عمر کا (کسی نہ معلوم بدبختی کی وجہ سے) ہمیشہ کے تجسم اور تحیز کی قید میں اسیر ہو گیا اور گوشت پوست استخوان وغیرہ سب کے سب اس کی روح کے لئے لازمی ہو گئے اور اس تجسم کی وجہ کہ اب ہمیشہ اس کے ساتھ رہیگا۔ انواع واقسام کے اس کو دکھ اٹھانے پڑے۔ آخر دکھوں کے غلبہ سے مر گیا۔ اور پھر زندہ ہوا اور اسی جسم نے پھر آکر اس کو پکڑ لیا اور ابدی طور پر اس کو اب پکڑے رہے گا۔ کبھی مخلصی نہیں ہو گی۔ اب دیکھو کہ کیا کوئی فطرت صحیحہ اس اعتقاد کو قبول کر سکتی ہے؟ کیا کوئی پاک کانشنس اس کی شہادت دے سکتا ہے"۔ [۶۸]

۱۸۸۹ء کے بعض دیگر صحابہ

لدھیانہ میں بیعت اولیٰ کے موقعہ پر جن خوش نصیب بزرگوں نے بیعت کی رجسٹر بیعت سے ان کی فہرست اوپر درج ہو چکی ہے۔ جیسا کہ رجسٹر بیعت اولیٰ سے ثابت ہے ۱۸۸۹ء کے دوران بعد میں بھی

متعدد اصحاب شامل جماعت ہوئے جن میں حسب ذیل بلند پایہ بزرگ بھی تھے۔

حضرت مولوی محمد تفضل حسین صاحب علی گڑھ۔ [۶۹] حضرت منشی صادق حسین صاحب مختار اٹاوی [۷۰] حضرت مولانا سید محمد احسن [۷۱] صاحبؓ امروہی مہتمم مصارف ریاست بھوپال۔ بابو محکم دین صاحبؓ پٹی۔ [۷۲] حضرت منشی محمد جلال الدین صاحب بلانوی۔ [۷۳] حضرت مولوی شیر محمد صاحب موضع ہجن [۷۴] ضلع شاہ پور۔ حضرت حافظ نور محمد صاحبؓ فیض اللہ چک۔ [۷۵] حضرت حافظ معین الدین صاحبؓ۔ [۷۶] حضرت میاں جمال الدین صاحب سیکھوانی [۷۷] حضرت میاں امام الدین صاحبؓ سیکھوانی۔ [۷۸] حضرت میاں خیر الدین صاحب سیکھوانی۔ [۷۹]

حواشی

۱۔ "حیات احمد" جلد دوم نمبر دوم صفحہ ۱۲۔۱۳

۲۔ اشتہار یکم دسمبر ۱۸۸۸ء صفحہ ۲ ("تبلیغ رسالت" جلد اول صفحہ ۱۴۵)

۳۔ "سیرت المہدی" جلد دوم صفحہ ۵۰ و ضمیمہ "اصحاب احمد" جلد اول۔

۴۔ اشتہار "تکمیل تبلیغ" ۱۲۔ جنوری ۱۸۸۹ء "و تبلیغ رسالت" جلد اول صفحہ ۱۴۶۔۱۵۰

۵۔ "حیات احمد" جلد سوم حصہ اول صفحہ ا

۶، ۷۔ "تبلیغ رسالت" جلد اول صفحہ ۱۵۰۔۱۵۵

۸۔ "سیرت المہدی" حصہ اول صفحہ ۷۶۔۷۷ روایت نمبر ۹۲ (طبع ثانی ۱۹۳۵ء)

۹۔ سیرت المہدی حصہ اول صفحہ ۷۷ طبع دوم' یہاں یہ بتانا ضروری ہے کہ رجسٹر بیعت کے لحاظ سے بیعت کے پہلے دن کی تاریخ ۲۱۔ مارچ قرار پاتی ہے جو کسی طرح صحیح نہیں قرار دی جاسکتی کیونکہ جیسا کہ راقم الحروف نے رسالہ الفرقان ربوہ مئی ۱۹۷۱ء کے مفصل مقالہ میں ثابت کیا ہے۔ رجسٹر بیعت میں ناموں کا اندراج بیعت کے انعقاد سے قبل ہی شروع کیا جاچکا تھا اور اس کے ابتدائی اوراق صرف یہ بتاتے ہیں کہ بیعت پر آمادگی کی اطلاع دینے والے بزرگ یا قبل از وقت لدھیانہ پہنچنے والے بزرگ کون کون سے تھے؟ اس سے یہ ہرگز نتیجہ نہیں نکلتا کہ بیعت اولیٰ کا آغاز ۲۱۔ مارچ کو ہوا۔ اسی طرح ۲۲۔ مارچ کو بھی بیعت کا آغاز قرین قیاس نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ انہیں دنوں حضرت مسیح موعودؑ نے حضرت مولانا نورالدینؓ کو ہدایت فرمائی تھی کہ "بجائے بیس کے بائیس مارچ کو آپ تشریف لاویں۔ یعنی یوم یکشنبہ میں" (الحکم ۳۱۔ مئی ۱۹۰۳ء صفحہ ۴ کالم نمبر ۲۔ البدر ۱۲۔ جون ۱۹۰۳ء صفحہ ۱۶۲ کالم نمبر ۳) لہٰذا حضرت مولانا نورالدینؓ کو جب ۲۲۔ مارچ کو لدھیانہ پہنچنے کا ارشاد ثابت ہوا تو اس روز کی بجائے اس سے اگلے دن ۲۳۔ مارچ ہی یوم بیعت قرار پاتا ہے اور یہی وہ تاریخ ہے جو حضرت منشی عبداللہ صاحب سنوریؓ نے بیان کی ہے اور یہی ۱۹۱۶ء سے دارالبیعت لدھیانہ کے کتبے پر ثبت ہے۔ (ریویو آف ریلیجنز اردو جون جولائی ۱۹۴۳ء) علاوہ ازیں اسی بناء پر حضرت مصلح موعودؓ نے ۲۳۔ مارچ ۱۹۴۴ء کو لدھیانہ کا جلسہ مصلح موعودؓ مقرر فرمایا (الفضل ۱۸۔ فروری ۱۹۵۹ء) حضرت مرزا بشیر احمد صاحب فرماتے ہیں "میں نے گزشتہ جنتری کو دیکھا تو وہاں سے مطابق زبانی روایت ۲۰۔ رجب کو ۲۳۔ مارچ ثابت ہوتی ہے" (سیرت المہدی حصہ سوم صفحہ ۴)

۱۰۔ الحکم ۱۴۔ فروری ۱۹۳۵ء صفحہ ۴ تبلیغ رسالت جلد اول صفحہ ۱۵۱۔۱۵۲

۱۱۔ یہ کوٹھری دراصل حضرت صوفی احمد جانؓ کا جاری کردہ لنگر خانہ تھا۔ جسے دارالبیعت کا شرف حاصل ہوا۔ حضرت صوفی صاحبؓ کے صاحبزادوں نے کچھ عرصہ بعد رہائشی مکان فروخت کر دیا۔ اور دارالبیعت صدر انجمن کے نام ہبہ کر دیا۔ صدر انجمن نے اس کا انتظام مقامی جماعت کے سپرد کر دیا۔ ۱۹۱۶ء میں اس کی پہلی شکل میں کچھ تبدیلی کر کے جانب شمال ایک لمبا اور پختہ اور ہوادار کمرہ تیار کروایا گیا۔ جس کی شمالی دیوار کی بیرونی سطح پر دارالبیعت کا نام اور تاریخ بیعت کا کتبہ ثبت کیا گیا اور صحن میں پختہ اینٹوں کا کوئی بالشت بھر اونچا چبوترہ اور ایک محراب بنا کر نماز کے لئے مخصوص کر دیا گیا۔ دسمبر ۱۹۳۹ء میں نمازگاہ پر ایک چھوٹی سی خوبصورت مسجد کی تعمیر ہوئی۔ بجلی کے قمقمے آویزاں کئے گئے۔ صحن میں نلکہ نصب ہوا اور غسل خانہ' جائے ضرور تیار کی گئی۔ ایک لمبے کمرے کو دو میں تبدیل کر کے مشرقی کمرہ میں احمدیہ لائبریری قائم کی گئی۔ اس کمرے کی مشرقی دیوار کے جنوبی کونے کے پہلو میں وہ مقدس جگہ ہے جہاں حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے بیٹھ کر پہلی بیعت لی تھی۔ اور جماعت کا قیام عمل میں آیا تھا۔ (ریویو آف ریلیجنز اردو جون جولائی ۱۹۴۳ء صفحہ ۲۶۔۳۹) ۱۹۴۷ء کے ملکی فسادات میں یہ تاریخی یادگار ہندوستان میں رہ گئی

۱۲۔ بدر ۱۰۔ اکتوبر ۱۹۱۲ء ("کلام امیر" صفحہ ۲۵)

۱۳۔ "سیرۃ المہدی" حصہ اول صفحہ ۷۷۔۷۸ (طبع ثانی ۱۹۳۵) و مکتوبات مسیح موعودؑ بنام مولوی عبداللہ صاحب سنوریؓ دسمبر ۱۹۲۱ء صفحہ ۴۶

۱۴- "مجدد اعظم" حصہ اول (صفحہ ۲۱۸-۲۱۹) میں حضرت خلیفہ اولؓ کی بیعت کے متعلق دو سماعی روایات درج ہیں جن میں سے پہلی حضرت خلیفہ اولؓ کے مطبوعہ ملفوظات میں نہیں مل سکی۔ اسلئے کچھ کہا نہیں جاسکتا کہ کہاں تک درست ہے البتہ دوسری روایت "مرقاۃ الیقین" (طبع اول) صفحہ ۱۴۸ پر درج ہے مگر وہ بیعت اولیٰ کے موقعہ کی نہیں قادیان میں آپ کی پہلی بار آمد سے متعلق ہے جیسا کہ حضرت خلیفہ اولؓ کے ان الفاظ سے عیاں ہے کہ "جب میں قادیان سے یہ حکم لے کر اپنے وطن پہنچا" یہی نہیں بلکہ حضرت خلیفہ اولؓ نے الحکم ۲۲- اپریل ۱۹۰۸ء صفحہ ۲-۳ میں صاف طور پر یہ "حکم" حضرت کی پہلی ملاقات سے وابستہ قرار دیا ہے پس اسے بیعت اولیٰ کی طرف منسوب کرنا صحیح نہیں۔

۱۵- بروایت حضرت منشی عبداللہ صاحب سنوریؓ سیرۃ المہدی حصہ اول صفحہ ۷۷ طبع ثانی

۱۶- "حیات احمد" جلد سوم صفحہ ۷۲ و الحکم ۲۱- مئی ۱۹۲۴ء صفحہ ۳۶

۱۷- "سیرت المہدی" حصہ سوم صفحہ ۹

۱۸- الحکم ۲۸ مارچ ۱۹۳۵ء صفحہ ۴ (وفات ۷-۲- نومبر ۱۹۳۹ء)

۱۹- حضرت ام المومنینؓ، حضرت مفتی محمد صادق صاحبؓ اور حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب کی تحقیق کے مطابق چالیس افراد ہی نے بیعت کی تھی (ملاحظہ ہو "سیرت المہدی؟" حصہ اول صفحہ ۱۸ "ذکر حبیب" صفحہ ۹ "سلسلہ احمدیہ" صفحہ ۲۹) (دوسرے ایام کے متعلق) حضرت منشی ظفر احمد صاحب بیان فرمایا کرتے تھے کہ ایک دن میں بیس پچیس افراد کے قریب بیعت کرتے تھے (ریویو آف ریلیجنز اردو جنوری ۱۹۴۲ء صفحہ ۱۳)

۲۰- "ریویو آف ریلیجنز" اردو (جنوری ۱۹۴۲ء صفحہ ۱۳)

۲۱- حضرت شیخ صاحبؓ ان دنوں تراب کہلاتے تھے مگر بعد کو عرفانی سے موسوم ہوئے۔

۲۲- "سیرت المہدی" جلد دوم صفحہ ۵ و "حیات احمد" جلد سوم حصہ اول صفحہ ۲۱۔

۲۳- ذکر حبیب صفحہ ۹

۲۴- "حیات احمد" جلد سوم صفحہ ۲۳۔

۲۵- "ذکر حبیب" صفحہ ۹

۲۶- مرقاۃ الیقین صفحہ ۲۲۳ (مؤلفہ اکبر شاہ خان نجیب آبادی)

۲۷- الحکم ۱۴- فروری ۱۹۳۶ صفحہ ۷

۲۸- حضرت صوفی احمد جانؓ کی دختر تھیں حضرت مولانا نور الدینؓ کی زوجیت کے لئے خود حضرت مسیح موعودؑ نے ان کا انتخاب فرمایا تھا غالباً ۱۸۸۸ء میں وہ حضرت مولانا کے نکاح میں آئیں حضرت اقدس بنفس نفیس برات میں شامل ہوئے تھے۔ ۷- اگست ۱۹۵۵ء کو ۸۳ برس کی عمر میں انتقال فرمایا آخری آرامگاہ بہشتی مقبرہ ربوہ میں ہے۔ (الفضل ۹- اگست ۱۹۵۵ء)

۲۹- "سیرت المہدی" حصہ اول طبع اول صفحہ ۱۸-۱۹

۳۰- الحکم ۲۸- مارچ ۱۹۳۵ء صفحہ ۴

۳۱- "لائف آف احمد" صفحہ ۱۵۳

۳۲- الحکم ۱۴- فروری ۱۹۳۵ء صفحہ ۵

۳۳- "ذکر حبیب" صفحہ ۴۳۶ تا ۴۳۹

۳۴- "سیرت المہدی" جلد سوم صفحہ ۱۴ (بروایت حضرت میر محمد اسمٰعیل صاحبؓ صاحب)

۳۵- "حیات احمد" جلد سوم حصہ اول صفحہ ۲۳- اس رجسٹر کی تیاری کے متعلق حضرت اقدسؑ نے پہلی مرتبہ ۴- مارچ ۱۸۸۹ء کو بذریعہ اشتہار اعلان فرمایا اور ہدایت دی کہ "خود مبائعین اپنے ہاتھ سے خوشخط قلم سے لکھ کر اپنا نام پتہ و نشان بتفصیل مندرجہ بالا بھیج دیں۔۔۔۔۔ یا اپنے حاضر ہونے کے وقت یہ تمام امور درج کرا دیں"۔ ("تبلیغ رسالت" جلد اول صفحہ ۱۵۲)

۳۶- پڑھا نہیں گیا (مرتب)

۳۷- لفظ پڑھا نہیں گیا۔

۳۸- حضرت مولانا عبد الکریمؓ سیالکوٹی مراد ہیں۔ اس نام کا اندراج حضرت مولوی نور الدینؓ کے قلم کا معلوم ہوتا ہے۔
۳۹- سابق مبلغ انگلستان حضرت قاضی محمد عبد اللہ صاحب کے والد۔ آپ کی وفات پر (جو ۵۔ مئی ۱۹۰۴ء کو ہوئی) حضرت اقدسؑ نے فرمایا۔ "بہت عمدہ آدمی تھے۔ قریباً بیس سال سے محبت رکھتے تھے"۔ (بدر ۱۶-۸ مئی ۱۹۰۴ء۔ الحکم ۱۴-۷ اپریل ۱۹۴۳ء)
۴۰- وفات ۲۶۔ جنوری ۱۹۴۷ء
۴۱- مصنف "عسل مصفیٰ" (مرتب)
۴۲- پڑھا نہیں گیا (مرتب)
۴۳- وفات ۲۶۔ اپریل ۱۹۳۲ء (مرتب)
۴۴- پڑھا نہیں گیا۔
۴۵- آپ پہلے احمدی تھے جنہیں حضرت اقدس مسیح موعودؑ نے ۲۹۔ اپریل ۱۸۸۹ء کو دوسروں سے بیعت لینے کی تحریری اجازت دی تھی (مکتوبات احمدیہ جلد پنجم صفحہ ۱۲۲)
۴۶- پڑھا نہیں گیا (مرتب)
۴۷- اس نام پر لکیر ڈال دی گئی ہے۔
۴۸- نقل مطابق اصل
۴۹- غالباً چھرہ
۵۰- نقل مطابق اصل
۵۱- نقل مطابق اصل
۵۲- نقل بمطابق اصل
۵۳- نقل مطابق اصل
۵۴- خدا کی قادرانہ تجلیات کا یہ بھی عجیب نظارہ ہے کہ قرارداد پاکستان ۲۳۔ مارچ ۱۹۴۰ء ہی کو پاس کی گئی تھی۔ (فتبارک اللہ احسن الخالقین)
۵۵- جماعت احمدیہ میں اس پہلو کی طرف غالب رجحان ۱۹۶۳ء کے آخر میں پیدا ہوا جبکہ سیدی قمر الانبیاء حضرت مرزا بشیر احمد صاحب رضی اللہ عنہ نے مجلس مشاورت میں ارشاد فرمایا۔ مزید تحقیق کے نتیجہ میں یہ بات ظاہر ہوئی ہے کہ دراصل بیعت اولیٰ ۲۳۔ مارچ کو نہیں بلکہ ۲۲۔ مارچ کو ہوئی اور چاند کے حساب سے وہ ۲۰۔ رجب کا دن تھا۔ (رپورٹ مجلس مشاورت ۱۳۴۲ہش / ۱۹۶۳ء صفحہ ۱۱۸)
۵۶- نقل مطابق اصل (ناقل)
۵۷- بیعت ۱۸۹۱ء۔ وفات ۲۸۔ جولائی ۱۹۴۰ء۔
۵۸- اخبار ریاض ہند نے اپنی ۱۲۔ جنوری ۱۸۸۹ء کی اشاعت میں صفحہ ۱ پر لکھا۔ بڑی خوشی کی بات ہے کہ مرزا غلام احمد صاحب کے گھر ۱۲۔ جنوری کو لڑکا پیدا ہوا۔ خدا کرے یہی عمر پانے والا موعود ہے۔
۵۹- "ریویو آف ریلیجز" جنوری ۱۹۴۲ء صفحہ ۱۳-۱۴
۶۰- "حیات احمد" جلد سوم صفحہ ۳۶-۳۷ حاشیہ۔
۶۱- حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے آپ کے متعلق "ازالہ اوہام" صفحہ ۸۱۹-۸۲۰ (طبع اول) میں لکھا ہے۔ "مولوی صاحب موصوف ایک بزرگ عارف باللہ کے خلف رشید ہیں اور پدری نور اپنے اندر مخفی رکھتے ہیں۔......یہ عاجز جب علی گڑھ میں گیا تھا تو دراصل مولوی صاحب ہی میرے جانے کا باعث ہوئے تھے اور اس قدر انہوں نے خدمت کی کہ میں اس کا شکریہ نہیں ادا کر سکتا"۔
۶۲- "فتح اسلام"
۶۳- "حیات احمد" جلد سوم حصہ اول صفحہ ۲۹-۳۵

۶۴۔ "سیرت المہدی" حصہ اول (طبع دوم) صفحہ ۷۸۔۷۹

۶۵۔ "حیات احمد" جلد سوم حصہ اول صفحہ ۳۶

۶۶۔ مغربی پاکستان کا مشہور تعلیمی و تربیتی اسلامی ادارہ جس کی بنیاد ۲۴۔ ستمبر ۱۸۸۴ء کو قاضی خلیفہ حمید الدین صاحب کی قیادت میں بعض مخلص مسلمانوں نے رکھی تھی

۶۷۔ "حیات احمد" جلد سوم حصہ اول صفحہ ۴۱۔۴۲ ان جوابات کا انگریزی ترجمہ وکالت تبشیر کی طرف سے جون ۱۹۷۲ء میں چھپ چکا ہے۔ انجمن حمایت اسلام کی درخواست پر حضرت مولانا نور الدین خلیفۃ المسیح اول نے بھی ان سوالوں کے جواب سپرد قلم فرمائے جو وہ بھی انجمن نے شائع کر دیئے۔ مکمل متن کے لئے ملاحظہ ہو ریویو آف ریلیجنز اردو اگست ۱۹۲۲ء

۶۸۔ "مکتوبات احمدیہ" جلد سوم صفحہ ۷۰

۶۹۔ تاریخ بیعت ۷۔ اپریل ۱۸۸۹ء۔ ۳۱۳ اصحاب کبار میں آپ کا نام ۷ا نمبر پر ہے

۷۰۔ تاریخ بیعت ۱۱۔ اپریل ۱۸۸۹ء اصحاب کبار کی فہرست میں ۱۳۸ نمبر پر آپ کا نام ہے

۷۱۔ تاریخ بیعت ۲۳۔ اپریل ۱۸۸۹ء آپ کے متعلق حضرت اقدس کو الہام ہوا تھا۔

از پئے آں محمد احسن را

تارک روزگار مے بینم

(حقیقۃ الوحی طبع اول صفحہ ۳۳۳)

عمر کے آخری دور میں جب ان کے قویٰ مضمحل ہو چکے تھے وہ احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور سے وابستہ ہونے پر مجبور کر دیئے گئے تھے بایں ہمہ انہیں حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ سے الفت و محبت تھی اور وہ حضرت کی خدمت میں اکثر خطوط لکھتے اور وفات کے قریب حضور کو بار بار یاد کرتے تھے بلکہ انہوں نے حضرت خلیفہ ثانی ایدہ اللہ سے درخواست بھی کی کہ کوئی آدمی بھیجا جائے حضور نے قادیان میں ان کی نماز جنازہ پڑھائی اور فرمایا۔ "ایسی حالت میں جب کہ وہ دوسروں کے سہارے زندگی گزارتے تھے انہوں نے جو کمزوری دکھائی وہ قابل معافی .... ہے وہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام کے پرانے صحابی تھے گو بعد میں ان کو ہمارے ساتھ اختلاف ہو گیا مگر جو عقیدت اور اخلاص ان کو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ السلام سے تھا وہ اپنے رنگ میں خاص تھا" (الفضل ۳۔ اگست ۱۹۲۶ء) ۱۵۔ جولائی ۱۹۲۶ء کو انتقال ہوا (پیغام صلح ۲۱۔ جولائی ۱۹۲۶ء صفحہ ۳) امروہہ میں مدفون ہیں

۷۲۔ تاریخ بیعت ۲۹۔ اپریل ۱۸۸۹ء

۷۳۔ بیعت مئی ۱۸۸۹ء۔ ۳۱۳ صحابہ کبار میں پہلا نام آپ ہی کا ہے ۱۹۰۲ء میں وصال ہوا۔ حضرت اقدس مسیح موعودؑ نے آپ کے متعلق فرمایا "ہمارے یکتا اور بے نظیر دوست تھے"۔ (الحکم ۷۔ اپریل ۱۹۳۹ء)

۷۴۔ تاریخ بیعت ۷۔ ستمبر ۱۸۸۹ء۔ اصحاب کبار میں آپ کا نام ۲۱۹ نمبر پر درج ہے۔

۷۵۔ تاریخ بیعت ۲۱۔ ستمبر ۱۸۸۹ء۔

۷۶۔ تاریخ بیعت ۱۸۔ نومبر ۱۸۸۹ء۔

۷۷۔ (تاریخ بیعت ۲۲۔ نومبر ۱۸۸۹ء)

۷۸۔ ایضاً

۷۹۔ ایضاً

ماموریت کا نواں اور دسواں سال

"فتح اسلام" اور "توضیح مرام" کی تصنیف و اشاعت اور دعویٰ مسیحیت

۱۸۹۰-۱۸۹۱

شدید علالت ۱۸۹۰ء میں حضرت اقدس علیہ السلام کئی ماہ تک شدید بیمار رہے حتیٰ کہ بظاہر زندگی کی امید منقطع ہو گئی- بیماری کا یہ حملہ مارچ ۱۸۹۰ء کے آخری ہفتہ میں ہوا- مئی میں آپ ڈاکٹری علاج کے لئے لاہور تشریف لائے اور اپنے فرزند اکبر مرزا سلطان احمد صاحب نائب تحصیلدار کے مکان پر ٹھہرے اور مشہور ناولسٹ مسٹر احمد حسین کے والد ڈاکٹر محمد حسین صاحب کے زیر علاج رہے-

آپ کی طبیعت ایک مرض دوری کے باعث اکثر بیمار رہتی تھی اور ضعف تشویشناک حد تک بڑھ گیا تھا شروع جولائی میں آپ تبدیلی آب و ہوا کے لئے عازم لدھیانہ ہوئے اور محلہ اقبال گنج میں برمکان شہزادہ حیدر فروکش ہوئے- یہ ساری تفصیلات حضور انور کے ان خطوط سے ملتی ہیں جو انہی دنوں آپ نے اپنے مخلص مرید حضرت چوہدری رستم علی صاحب مدار ضلع جالندھر کے نام تحریر فرمائے اور جو "مکتوبات احمدیہ" جلد پنجم نمبر ۳ صفحہ ۱۰۶ تا ۱۰۹ میں شائع شدہ ہیں-

۱۸۹۰ء کے آخر میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ عظیم الشان انکشاف ہوا کہ حضرت مسیح ناصریؑ جن کو مسلمانوں نے آسمان پر زندہ سمجھ رکھا ہے اور جن کے متعلق وہ یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ آخری زمانہ میں وہ اپنے خاکی جسم کے ساتھ دوبارہ دنیا میں واپس تشریف لائیں گے' وفات پا چکے ہیں اور ان کے مثیل کی شکل میں آپ کو دنیا کی ہدایت اور اسلام کی اشاعت کے لئے مبعوث فرمایا گیا ہے- اس انکشاف پر آپ نے "فتح اسلام" اور پھر "توضیح مرام" کے نام سے دو کتابیں شائع فرمائیں جن میں اپنے دعویٰ مسیحیت کا اعلان فرمایا- اور لکھا کہ حضرت مسیح ابن مریم علیہ

السلام کی زندگی اور ان کی بجسد عنصری واپسی کا عقیدہ جو عام مسلمانوں میں پھیل گیا ہے اسلامی کتب میں اس کا نام ونشان بھی نہیں۔ یہ محض غلط فہمی کا نتیجہ ہے جس کے ساتھ کئی بے جا حاشے لگا دیئے ہیں اور بے اصل موضوعات سے اس کو رونق دی گئی ہے حدیث سے صاف ظاہر ہے کہ آنے والا مسیح اسی امت میں سے ہوگا۔ بلکہ آنحضرت ﷺ نے تو مسیح اول اور مسیح ثانی میں مابہ الامتیاز قائم کرنے کے لئے دونوں مسیحوں کا جدا جدا حلیہ بیان فرمایا ہے۔ جو اس امر کا قطعی اور یقینی ثبوت ہے کہ مسیح اول اور ہے اور مسیح ثانی اور نیز مسیح ثانی کو ابن مریم کے نام سے پکارنا ایک لطیف استعارہ ہے ورنہ وہ درحقیقت امت محمدیہ میں سے ایک امام ہوگا۔ [۱]

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام نے "فتح اسلام" کی کتابت کے سلسلہ میں شیخ نور احمد صاحب مالک ریاض ہند پریس ہال بازار امرت سر کو تحریر فرمایا کہ ایک کاتب ہمارے پاس بھیج دیں ایک چھوٹا سا رسالہ لکھوانا ہے ان دنوں شیخ محمد حسین صاحب مراد آبادی مرحوم ان کے ہاں کام کرتے تھے۔ شیخ نور احمد صاحب [۲] نے انہی کو بھیج دیا اور حضرت اقدس نے ان سے "فتح اسلام" کا رسالہ لکھوایا۔ شیخ محمد حسین صاحبؓ مرحوم کتاب کی کاپیاں لے کر امرت سر واپس آئے اور شیخ نور احمد صاحبؓ سے کہا کہ حضرت اقدس نے اس کو چھاپنے کے لئے آپ کے پاس بھیجا ہے ان کا خیال تھا کہ نہ معلوم یہ رسالہ چھاپیں یا نہ چھاپیں۔ کیونکہ سلطنت بھی عیسائی ہے اور پادری حضرت مسیح کو خدا اور خدا کا بیٹا کہنے والے موجود ہیں ایسا نہ ہو کہ حکومت کی طرف سے کوئی بازپرس یا عتاب ہو یا یہ رسالہ ہی ضبط ہو جائے۔ اور پریس والے اور کاتب بھی گرفتار ہوں۔ یا کسی اور مصیبت کا سامنا ہو۔ شیخ نور احمد صاحبؓ نے اسے دیکھ کر کہا کہ میں اس کو ضرور چھاپوں گا۔ چنانچہ انہوں نے یہ دو رسالے بڑی عقیدت مندی کے ساتھ اپنے مطبع میں چھاپے اور قادیان پہنچا دیئے۔ [۳]

مخالفت کا طوفان

رسالہ "فتح اسلام" ابھی امرتسر میں چھپ ہی رہا تھا کہ مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی اتفاقاً امرتسر پہنچے اور انہوں نے اس رسالہ کے پروف مطبع ریاض ہند سے منگوا کر دیکھے۔ [۴] اور دیکھتے ہی آگ بگولا ہو گئے۔ انہیں غصہ اس بات پر تھا کہ مجھ سے اپنے دعویٰ سے متعلق آپ نے مشورہ کیوں نہیں کیا۔ چنانچہ انہی دنوں جب ایک شخص نے انہیں بتایا کہ حضور ایک ایسی کتاب لکھ رہے ہیں جس میں وفات مسیح کا ذکر ہے تو وہ کہنے لگے کہ انہوں نے ہم سے تو کوئی ذکر نہیں کیا۔ [۵] بہرحال "فتح اسلام" میں آپ کا دعویٰ مسیحیت پڑھتے ہی ان کی عقیدت کا گذشتہ رنگ اڑ گیا۔ اور انہوں نے لکھا کہ اس

رسالہ کے دیکھنے اور سننے سے میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ آپ نے اس میں یہ دعویٰ کیا ہے کہ مسیح موعود (جن کے قیامت سے پہلے آنے کا خدا تعالیٰ نے اپنے کلام مجید میں اشارۃً اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی کلام مبارک میں جو صحاح احادیث میں موجود ہے صراحتہ وعدہ دیا ہے وہ) آپ ہی ہیں۔ اگر آپ کا یہی دعویٰ ہے تو آپ صرف "ہاں" تحریر فرمادیں زیادہ توضیح کی تکلیف نہ اٹھادیں اور اگر اس دعویٰ سے کچھ اور مراد ہے تو اس کی توضیح کریں۔ [۶] حضرت اقدس نے ۵۔ فروری ۱۸۹۱ء کو لکھا کہ آپ کے استفسار کے جواب میں میں صرف "ہاں" کافی سمجھتا ہوں۔ [۷] اس جواب پر مولوی صاحب آپے سے باہر ہو گئے اور آپ سے طویل سلسلہ مراسلت شروع کر دیا (جس کی نقل انہوں نے اپنے رسالہ اشاعۃ السنہ جلد ۱۲ نمبر ۱۲ میں شائع کر دی) بٹالوی صاحب نے لکھا کہ آپ اگر اس دعویٰ میں حضرت خضر کی طرح معذور ہیں تو میں اس کے انکار میں حضرت موسیٰ کی طرح مجبور ہوں۔ حضرت اقدسؑ نے "فتح اسلام" اور "توضیح مرام" کا ایک ایک نسخہ انہیں بھجواتے ہوئے لکھا کہ "مجھے اس سے کچھ غم اور رنج نہیں کہ آپ جیسے دوست مخالفت پر آمادہ ہوں...... کل میں نے اپنے بازو پر یہ لفظ اپنے تئیں لکھتے ہوئے دیکھا کہ میں اکیلا ہوں۔ اور خدا میرے ساتھ ہے۔ اور اس کے ساتھ مجھے الہام ہوا ان معی ربی سیھدین۔ سو میں جانتا ہوں کہ خداوند تعالیٰ اپنی طرف سے کوئی حجت ظاہر کر دے گا۔ میں آپ کے لئے دعا کروں گا مگر ضرور ہے کہ جو آپ کے لئے مقدر ہے وہ سب آپ کے ہاتھ سے پورا ہو جائے"۔

مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی کو فتح اسلام اور توضیح مرام کے نسخے پہنچے تو انہوں نے اپنے دلی بغض و عناد کا برملا اظہار کرتے ہوئے اپنے اس فیصلے کا اعلان کر دیا کہ "(اشاعۃ السنہ) کا فرض اور اس کے ذمہ یہ ایک قرض تھا کہ اس نے جیسا اس کو (یعنی سیدنا حضرت مسیح موعودؑ کو ناقل) دعاوی قدیمہ کی نظر سے آسمان پر چڑھایا تھا ویسا ہی ان دعاوی جدیدہ کی نظر سے اس کو زمین پر گرا دے"۔ [۸] نیز مسلمانان ہند کو اشتعال دلانے کے لئے لکھا کہ فتنہ قادیانی ابھی فتنہ ہے کوئی دن میں قیامت ہو گا۔ اس کے نتیجہ میں مسلمانوں کے مذہب و امن میں زبردست انقلاب واقع ہونے کا اندیشہ ہے اسی لئے اشاعۃ السنہ کا رسالہ اس کی سرکوبی کے لئے مخصوص کر دیا گیا ہے۔ [۹]

مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی کا یہ اعلان منظر عام پر آنا تھا کہ ملک بھر میں مخالفت کا طوفان بے تمیزی اٹھ کھڑا ہوا۔ شیخ نور احمد صاحبؓ کا (جن کے مطبع ریاض ہند امرتسر میں ابتدائی کتابچے شائع ہوئے) بیان ہے کہ لوگ میرے مطبع میں آتے اور کہتے کہ تم کو کیا ہو گیا تم نے یہ کتاب کیوں چھاپی؟ عیسیٰ علیہ السلام تو آسمان پر زندہ موجود ہیں اور آخری زمانہ میں دمشق کے مشرقی سفید منارہ پر اتریں

گے اور یہ ہندوستان ہے۔ [۱۰] مرزا صاحب کیسے مسیح موعود ہو سکتے ہیں تم نے مسلمانوں کے خلاف مرزا صاحب کو کیوں مسیح موعود مان لیا۔ علماء اور ان کے زیر اثر سب لوگ مجھ پر ناراض ہوئے۔ اور کہا کہ یہ محض ایک گاؤں کا رہنے والا اور بے علم ہے۔ کسی مدرسہ کا تعلیم یافتہ نہیں اور نہ کسی عربی تعلیم گاہ کا دستار بند ہے۔ امرتسر والوں نے انہیں بہت پریشان کیا لیکن انہوں نے ان کی کچھ پروانہ کی۔ سارا دن یہ لوگ ان کا مطبع اور مکان گھیرے رکھتے اور بھانت بھانت کی بولیاں بولتے تھے۔ [۱۱]

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے خلاف فتویٰ تکفیر

مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی نے حق کی آواز دبانے کا فیصلہ کر کے ہر لحہ حضرت مسیح موعودؑ کی مخالفت میں وقف کر دیا اور اپنی مہم کو کامیاب بنانے کے لئے اسی پرانے حربے کو آزمانے کی ٹھانی جو ہر مامور اور امام ربانی کے وقت استعمال ہوتا آرہا ہے یعنی انہوں نے اول المکفرین بن کر ہندوستان کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک ایک طوفانی دورہ کیا اور "فتح اسلام" اور "توضیح مرام" کی بعض عبارتوں میں قطع و برید کا سہارا لے کر ایک استفتاء تیار کیا۔ علماء سے آپ کے کفر و ارتداد کے فتوے حاصل کئے اور پھر اسے اپنے رسالہ اشاعۃ السنہ جلد ۱۳ نمبر ۱۲ میں شائع کر دیا۔

مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی نے اپنی ان معاندانہ سرگرمیوں کے متعلق انہی دنوں خود لکھا تھا کہ "جون ۱۸۹۱ء سے مارچ ۱۸۹۲ء تک جو اشاعۃ السنہ کا کوئی پرچہ نہیں نکلا تو کیا اس سے وہ غیر حاضر اور اپنے منصبی فرض اور قوم کی خدمت ادا کرنے میں قاصر متصور ہو سکتا ہے۔ نہیں ہرگز نہیں۔ اس عرصہ میں جو خدمت قلمے۔ قدمے اور درمے اس نے کی ہے وہ اپنے زمانہ خدمت چودہ سال میں کبھی نہیں کی۔ جون ۱۸۹۱ء میں وہ نمبر ۱ '۲ '۳ جلد ۱۳ میں کیفیت گریز و فرار کادیانی اور اس کے فرضی حواری حکیم نور الدین جمونی کی رپورٹ کر کے پھر جولائی ۱۸۹۱ء سے اس اسلام و مسلمانوں کے دوست نما دشمن عقائد قدیمہ اسلامی کے رہزن و بیخ کن (کادیانی) کے تعاقب میں رہا اور بمشکل و لطائف الحیل جولائی ۱۸۹۱ء بمقام لدھیانہ اس کو جا پکڑا اور بارہ دن تک خوب رگیدا اور جھاڑا اور ۳۱۔ جولائی ۱۸۹۱ء کو ذلت کی شکست دے کر بھگا دیا۔ پھر ہندوستان پہنچ کر اس کے عقائد و مقالات کی نسبت ایک استفسار مرتب کیا اور ایک لمبا سفر اختیار کر کے مختلف بلاد ہندوستان کے علماء و فضلاء کا فتویٰ اس کے حق میں حاصل کیا اور خاص و عوام ہندوستان و پنجاب کو اس فتویٰ اور اپنے زبانی بیانات اور مواعظ کے ذریعہ سے اس کے عقائد باطلہ پر آگاہ کر کے اس سے بچنے کے لئے ہوشیار کر دیا۔ پھر جب ماہ اکتوبر ۱۸۹۱ء میں قادیانی نے دہلی پہنچ کر سر اٹھایا۔ اور وہاں کے اکابر کے مقابلہ میں جو اس کو مخاطب کرنے کے لائق نہ

سمجھتے تھے ھل من مبارز کا نعرہ بلند کیا تو یہ خادم دہلی پہنچا اور وہاں اس کو پچھاڑا پھر جب وہ لاہور و سیالکوٹ پہنچا تو وہاں اس کا پیچھا کیا اور مباحثہ سے صاف صریح انکار کرا کے بھگا دیا"۔ [۱۲]

ان الفاظ سے جہاں بٹالوی صاحب کی ان سرگرمیوں پر روشنی پڑتی ہے جو ابتداء میں انہوں نے شمع صداقت بجھانے کے لئے اختیار کیں وہاں فتویٰ کفر سے متعلق ان کے وسیع پیمانے پر ملکی دورہ کا بھی پتہ چلتا ہے۔ یہ فتویٰ کم و بیش ڈیڑھ سو صفحات پر مشتمل تھا۔ اور اس میں دلی' آگرہ' حیدر آباد دکن' بنگال' کانپور' علی گڑھ' بنارس' اعظم گڑھ' آرہ' غازی پور' ترہٹ' بھوپال ولدھیانہ' امرتسر' سوجانپور' لاہور' بٹالہ' پٹیالہ' لکھو کے ضلع فیروز پور' پشاور' سوات' راولپنڈی' ہزارہ' جہلم' گجرات' سیالکوٹ' وزیر آباد' سوہدرہ' کپور تھلہ' گنگوہ' دیوبند' سہارنپور' لکھنؤ' مراد آباد' پٹنہ' کان پور غرضکہ (متحدہ) ہندوستان کے تمام اہم مقامات کے علماء کے فتاویٰ درج تھے۔ [۱۳]

مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی نے اس فتوے کی اشاعت میں ناروا ہتھکنڈے استعمال کر کے بعض خدا ترس علماء کا نام بھی از خود لکھ دیا۔ حالانکہ انہوں نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے خلاف قطعاً فتویٰ نہیں دیا تھا۔ مثلاً حافظ عظیم بخش صاحب [۱۴] پٹیالہ جن کا نام مولوی محمد حسین صاحب نے خود ہی شامل فتویٰ کر لیا اور حافظ صاحبؓ کے احتجاج کے باوجود اسے اپنے فتویٰ سے خارج نہیں کیا۔ حافظ صاحبؓ نے ۲۴۔ مئی ۱۸۹۲ء کو حضرت اقدسؑ کی خدمت میں اصل واقعہ لکھ دیا اور ایک فارسی نظم بھی بھجوائی جس میں نہایت عمدہ پیرایہ میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے اخلاص و ارادت کا اظہار کیا گیا جسے حضورؑ نے اپنی کتاب "نشان آسمانی" میں شائع کر دیا۔ مولوی محمد حسین صاحب نے یہی چال حافظ صاحبؓ کے استاد مولوی محمد عبد اللہ خاں [۱۵] پروفیسر عربی مہندر کالج پٹیالہ سے متعلق چلی تھی۔ اس لئے انہیں بھی اس کی تردید میں اشتہار دینا پڑا۔ اس سے بڑھ کر مولوی فیض احمد صاحب جہلمی کا واقعہ ہے کہ گو ابتداء میں تو انہوں نے فتویٰ دیا تھا مگر ازالہ اوہام کی اشاعت پر تائب ہو کر انہوں نے بٹالوی صاحب سے اپنا فتویٰ واپس طلب کیا لیکن بٹالوی صاحب نہ مانے۔ اور ان کا پہلا فتویٰ جس سے وہ رجوع کر چکے تھے شائع کر کے دم لیا۔ [۱۶]

فتویٰ دینے والے علماء میں حضرت مولوی برہان الدین صاحب جہلمی بھی شامل تھے مگر انہوں نے فتویٰ کو محدود اور مشروط اور محتاط رنگ میں پیش کر کے لکھا کہ "نہ مطلقاً بلکہ مقیداً لکھا جاتا ہے کہ اگر مرزا ایسے اعتقادات کا معتقد و مدعی ہے جو سوال میں درج ہیں تو بے شک وہ انہیں فتاویٰ کا مستوجب و مستحق ہے جو علماء ربانیین نے اس کے حق میں لگائے ہیں۔ اور عیاذاً باللہ کہ کسی کے حق میں تقلیداً اور سمعاً کوئی فتویٰ دوں اور لکھوں"۔ اسی فروتنی انکسار اور خدا ترسی کا نتیجہ تھا کہ جب بعد کو انہوں نے

حضرت مسیح موعودؑ کی اصل کتابیں "فتح اسلام" "توضیح مرام" اور "ازالہ اوہام" وغیرہ دیکھیں تو آپ پر حق کھل گیا۔ اور آپ اگلے ہی سال حضرت امام الزمان کے قدموں میں آگئے۔

مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے کفر کی جو قرارداد جرم تیار کی اس کا ایک دلچسپ مگر عبرت انگیز پہلو یہ تھا کہ انہوں نے ایک طرف تو یہ لکھا کہ مرزا صاحب اپنے تئیں محدث لکھتے ہیں۔ حالانکہ حدیث شریف میں بڑی صراحت کے ساتھ یہ لکھا ہے کہ مسیح موعود قطعی طور پر نبی اللہ ہو گا [۱۷] اور دوسری طرف یہ لکھا کہ نصوص کے لحاظ سے جو شخص آنحضرت ﷺ کے بعد دعویٰ نبوت کرے (چاہے محدث ہی کیوں نہ کہلاتا ہو) وہ دجال و کذاب ہے۔ [۱۸]

مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی اور ان کے ہم نوا علماء نے فتویٰ تکفیر کے بعد مخالفت کا کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا۔ مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی نے ابتداء میں قادیان کی ناکہ بندی کے لئے بٹالہ اسٹیشن سے قادیان والی نہر تک اپنے ایجنٹوں کا گویا ایک جال بچھا رکھا تھا۔ جو اسٹیشن سے اترتے ہی قادیان جانے والوں کو روکتے تھے۔ ان ایجنٹوں نے ایک کیمپ سا لگا رکھا تھا جہاں جانے والوں کے لئے حقہ کا انتظام ہوتا تھا۔ [۱۹] چنانچہ بعض صحابہ کا بیان ہے کہ شروع شروع میں جب ہم قادیان جایا کرتے تھے تو بٹالہ کے اسٹیشن اور قادیان کی سڑک پر میل میل کے فاصلے سے مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی آدمی بٹھا دیا کرتے تھے۔ ہر شخص کے ہاتھ میں ایک بڑا رجسٹر ہوا کرتا تھا جس پر جانے والوں کے نام اور جانے کی غرض درج کی جاتی تھی۔ کبھی کبھی مولوی محمد حسین صاحب خود بھی یہ "خدمت" انجام دیتے تھے اور قادیان جانے والوں سے پوچھا کرتے تھے کہ تم کیوں اور کس لئے جاتے ہو؟ جب لوگ کہتے کہ حضرت مرزا صاحب کو ملنے کے لئے جاتے ہیں تو وہ ہر ممکن کوشش سے روکا کرتے اور واپس جانے کے لئے کہتے۔ کئی آدمی انہوں نے واپس بھی کئے۔ اس زمانہ میں عوام مولوی محمد حسین صاحب کی وجہ سے بھی جانے سے ڈرتے تھے۔ نیز وہ سمجھتے تھے کہ یہ رجسٹر جو رکھے جاتے ہیں گورنمنٹ کے حکم سے رکھے جاتے ہیں۔ اور ہمارے خلاف ضرور کوئی کارروائی کی جائے گی۔ [۲۰]

قتل کرنے کی سازش

بیرونی کوششوں کی ناکامی دیکھ کر مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی نے سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو قتل کرانے کی بھی متعدد بار سازش کی چنانچہ مولوی عمرالدین صاحب شملوی کی شہادت ہے کہ ایک دفعہ مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی اور حافظ عبدالرحمٰن صاحب سیاح امرتسری آپس میں باتیں کر رہے تھے کہ مرزا صاحب کو چپ کرانے کی کیا تجویز ہو۔ حافظ عبدالرحمٰن صاحب نے کہا میں بتاتا ہوں۔ مرزا صاحب اعلان کر چکے ہیں کہ میں مباحثہ نہیں کروں گا۔ اب انہیں مباحثہ کا چیلنج دیدو۔ اگر تو وہ تیار ہو گئے تو انہیں کا قول یاد دلا کر نادم

کیا جائے۔ کہ ہم پبلک کو صرف یہ دکھانا چاہتے تھے کہ آپ کو اپنے قول کا پاس نہیں۔ اور اگر مباحثہ سے انکار کیا تو ہم یہ اعلان کر دیں گے کہ دیکھو ہمارے مقابل پر آنے کا حوصلہ نہیں۔ مولوی عمرالدین صاحب نے کہا مجھے کہو تو میں انہیں جا کر مار آتا ہوں جھگڑا ہی ختم ہو جائے۔ اس پر وہ کہنے لگے تمہیں کیا معلوم ہم یہ سب تدبیریں کر چکے ہیں کوئی سبب ہی نہیں بنتا یہ سنتے ہی مولوی عمرالدین صاحب کے دل میں حضور کی صداقت کا یقین ہو گیا۔ [۲۱] مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی نے اپنی اس حسرت کا دوبارہ اظہار کر کے اور عیسائی حکومت کو آپ کے قتل پر اکسا کر ۱۸۹۷ء میں لکھا۔ "حکومت و سلطنت اسلامی ہوتی تو ہم اس کا جواب آپ کو دیتے۔ اسی وقت آپ کا سر کاٹ کر آپ کو مردار کرتے۔ سچے نبی کو گالیاں دینا مسلمانوں کے نزدیک ایک ایسا کفر و ارتداد ہے۔ جس کا جواب بجز قتل اور کوئی نہیں۔ مگر کیا کریں مجبور ہیں۔ سلطنت غیر اسلامی ہے اس کے ماتحت رہ کر ہم اس فعل کے مجاز نہیں اور سلطنت کو جو (عیسائی کہلاتی ہے) اس امر کی پروا نہیں ہے۔ رہے پادری جو مذہب ہی کی خدمت و حمایت کے صدقہ و طفیل سے ٹکڑا کھاتے ہیں سو (وہ) بھی اپنی تنخواہ سے کام رکھتے ہیں حمیت و غیرت مذہب کو خیرباد کہہ چکے ہیں۔ اب آپ شوق سے جس قدر چاہیں حضرت مسیحؑ کو یا کسی اور نبی کو گالیاں دیں کوئی پوچھنے اور پکڑنے والا نہیں ہے"۔ [۲۲]

بہرحال مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی نے حضرت مسیح موعودؑ کے خلاف فتنہ تکفیر کھڑا کر کے آپ کو مٹانے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگا دیا۔ اور اس طرح صلحاء امت کی یہ پیشگوئی پوری ہو گئی کہ مسیح موعودؑ پر علماء کفر کا فتویٰ لگائیں گے [۲۳] اور ایسا ہونا اس لئے بھی ضروری تھا کہ امت کا بیشتر حصہ صراط مستقیم سے ادھر ادھر ہو چکا تھا۔ چنانچہ عراق کے ایک عالم شیخ محمد رضا شیبی [۲۴] فرماتے ہیں ۔

أَلَا لَيْتَ شِعْرِيْ مَا تَرٰى رُوْحُ أَحْمَدَ ... إِذَا طَالَعَتْنَا مِنْ عَلٍ أَوْ أَطَلَّتِ
وَأَكْبَرُ ظَنِّيْ لَوْ أَتَانَا مُحَمَّدٌ ﷺ ... لَلَاقَى الَّذِيْ لَاقَاهُ مِنْ أَهْلِ مَكَّةِ
عَدَلْنَا عَنِ النُّوْرِ الَّذِيْ جَاءَ نَا بِهٖ ... كَمَا عَدَلَتْ عَنْهُ قُرَيْشٌ فَضَلَّتِ
إِذَنْ لَقَضٰى لَا مَنْهَجَ النَّاسِ مَنْهَجِيْ ... وَلَا مِلَّةُ الْقَوْمِ إِلَّا وَاٰخِرُ مِلَّتِيْ [۲۵]

(ترجمہ) اگر احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی روح عالم بالا پر ہمارے حالات سے واقف ہو جائے یا ہمیں جھانکے اور دیکھ پائے تو معلوم نہیں ہمارے متعلق کیا رائے قائم کرے۔ میرا ظن غالب ہے کہ محمد ﷺ آج ہمارے پاس تشریف لے آئیں تو آپ کو آج بھی اس قوم کے ہاتھوں اسی قسم کے مصائب اور انکار حق سے دوچار ہونا پڑے گا۔ جس طرح اہل مکہ کے ہاتھوں دوچار ہوئے (کیونکہ) ہم اس نور حق سے جسے آپ لے کر مبعوث ہوئے تھے اسی طرح روگردانی کر چکے ہیں جس طرح قریش

نے اس سے منہ پھیرا تھا اور گمراہی کے گڑھے میں جا پڑے تھے۔ پیغمبر خدا ﷺ ہماری زبوں حالی اور راہ حق سے بیزاری دیکھ کر یقیناً یہ فیصلہ کریں گے کہ لوگ جس راستے پر چل رہے ہیں یہ میرا بتایا ہوا رستہ نہیں ہے اور آخری زمانہ کے لوگوں نے جس مذہب کا طوق ڈال رکھا ہے وہ میرا مذہب ہرگز نہیں ہے۔

مسلمانانِ ہند[۲۸] کے روشن خیال عناصر کا ردعمل

مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی اور دیگر علماء ظواہر کے فتویٰ تکفیر نے جماعتہ المسلمین میں زبردست ہیجان پیدا کر دیا تھا مگر مسلمانوں کے روشن خیال اور سنجیدہ عناصر اکثر و بیشتر اس ہنگامہ آرائی میں غیر جانبدار رہے۔ یہی نہیں بعض مشہور مسلم زعماء نے تو اختلاف عقیدہ کے باوجود عمر بھر حضور اور حضور کی جماعت کی خدمات کو سراہا۔ اس غیر جانبدار طبقہ میں ملک کے چوٹی کے ادیب' صحافی' شعراء' سیاسی اور مذہبی لیڈر وغیرہ شامل تھے اس ضمن میں چند قابل ذکر شخصیتوں کے نام یہ ہیں۔ خواجہ الطاف حسین حالی پانی پتی (۱۸۳۷-۱۹۱۴) اکبر حسین رضوی اکبر الہ آبادی (۱۸۴۶-۱۹۲۱) سید علی محمد شاد عظیم آبادی (۱۸۴۶-۱۹۲۷) سید ریاض احمد ریاض خیر آبادی (۱۸۵۳-۱۹۳۴) سر سید احمد خاں بانی علی گڑھ کالج (۱۸۱۷-۱۸۹۸) مولانا عبد الباری صاحب فرنگی محل (۱۸۷۹-۱۹۲۶) مولانا سید امتیاز علی صاحب امتیاز (۱۸۶۰-۱۹۳۵) منشی محمد دین صاحب فوق (ولادت ۱۸۷۷ء) حکیم مولوی عبد الکریم صاحب برہم گورکھپوری (۱۸۶۷-۱۹۲۹) مولوی سراج الدین صاحب والد مولوی ظفر علی خان ایڈیٹر اخبار "زمیندار" (متوفی ۱۹۰۹ء) محسن الملک نواب مہدی علی خاں (۱۸۳۷-۱۹۰۷) مولانا محمد علی جوہر (۱۸۷۸-۱۹۳۱) مولانا شوکت علی (۱۸۷۳-۱۹۳۸) مولانا شبلی نعمانی (۱۸۵۷-۱۹۱۴) نواب وقار الملک سید مشتاق حسین (۱۸۳۹-۱۹۱۷) مولوی عبد الحلیم شرر (۱۸۶۹-۱۹۲۱)

یہ محض دعویٰ ہی نہیں بلکہ ادبی اور مذہبی لٹریچر میں اس کے متعدد شواہد موجود ہیں۔ چنانچہ خواجہ الطاف حسین حالی جو عمر بھر صلح پسندی اور اسلامی رواداری میں سرسید مرحوم کے نقش قدم پر گامزن رہے "حیات جاوید" جلد دوم صفحہ ۴۳۷ پر سرسید کے متعلق لکھتے ہیں۔ "ایک شخص نے مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کی نسبت .... ایک طول طویل خط سرسید کو لکھا۔ اس کے جواب میں وہ لکھتے ہیں .... نادان ہیں وہ جو ان سے جھگڑا کرتے ہیں ...... ایک اور شخص نے مرزا صاحب کے خیالات کی مخالفت میں کچھ لکھنے کا ارادہ سرسید سے ظاہر کیا اس کے جواب میں وہ لکھتے ہیں آپ جو رسالہ نسبت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی لکھنا چاہتے ہیں کیا آپ کو کچھ مالیخولیا ہو گیا ہے اس لغو حرکت سے کچھ فائدہ نہیں"۔ جناب اکبر الہ آبادی نے ایک مرتبہ اپنی محبت و الفت کا ثبوت دیتے ہوئے صاف لفظوں

میں کہا۔ "اگر آج میں مرزا صاحب کو پاتا تو قبول کرتا۔ خدا کی قسم میں ان کو مانتا ہوں اور یہی میری بیعت ہے۔ نیز کہا۔ مرزا صاحب اگر خود نبی ہو کر چلے جاتے تو مجھ کو افسوس ہوتا۔ وہ تو ہر ایک کو امید دلا گئے ہیں کہ وہ مسیح بن سکتا ہے اور یہ جوش ایسا ہے کہ میرا جی چاہتا ہے کہ اپنا مکان عشرت منزل چھوڑ دوں مجھ کو مرزا صاحب کی تحریر سے یقین ہو گیا کہ مسیحؑ مر گئے اور مہدی کا کوئی وجود نہیں"۔ ان کا یہ بیان ان کی زندگی میں ہی۔ اخبار "الفضل" ۲۸۔ اکتوبر ۱۹۱۶ء میں شائع ہوا تھا۔ سید ممتاز علی صاحب اور مولوی سراج الدین صاحب آف زمیندار نے حضرت مسیح موعود کے وصال پر جو شذرہ لکھا وہ ان کے خیالات کا آئینہ دار ہے۔ نواب محسن الملک کا ایک مکتوب اسی کتاب میں درج ہے جس میں انہوں نے حضرت اقدس کی اسلامی خدمات کو خراج تحسین ادا کیا ہے۔ مولانا محمد علی جوہر اور حکیم عبد الکریم برہم تحریک احمدیت کے متعلق جو جذبات رکھتے تھے ان کا اظہار انہوں نے بالترتیب اخبار "ہمدرد" اور "مشرق" کے ذریعہ سے کیا (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو کتاب "جماعت احمدیہ کی اسلامی خدمات" مولفہ حضرت چوہدری فتح محمد صاحب سیال ایم۔ اے) اسی طرح مولانا شبلی نے اس رائے کا اظہار کیا۔ "میں نے کوشش کی کہ انگریزی خوان عربی پڑھیں دیندار ہوں مگر میں ناکام رہا یہ کامیابی مرزا صاحب کو حاصل ہوئی"۔ (الفضل ۱۱۔ مارچ ۱۹۱۷ء) مولانا عبد الحلیم صاحب شرر فرماتے ہیں "احمدی مسلک شریعت محمدیہ کو اسی قوت اور شان سے قائم رکھ کر اس کی مزید تبلیغ و اشاعت کرتا ہے۔ خلاصہ یہ کہ بابیت اسلام کے مٹانے کو آئی ہے اور احمدیت اسلام کو قوت دینے کے لئے۔ اور اسی کی برکت ہے کہ باوجود چند اختلافات کے احمدی اسلام کی سچی اور پرجوش خدمت ادا کرتے ہیں۔ جو دوسرے مسلمان نہیں کرتے"۔ (رسالہ دل گداز بابت ماہ جون ۱۹۰۶ء)

سفر لدھیانہ

دعویٰ مسیحیت کے بعد حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے خدا کا پیغام پہنچانے اور بالخصوص مسلمانوں پر اتمام حجت کی غرض سے لدھیانہ' امرتسر' دلی' پٹیالہ' لاہور' سیالکوٹ' جالندھر اور کپورتھلہ کے سفر اختیار فرمائے۔ جن سے آپ کی دعوت کا ملک میں خوب چرچا ہو گیا۔

اس تعلق میں آپ کا سب سے پہلا سفر لدھیانہ کا ہے جو حضورؑ نے ۳۔ مارچ ۱۸۹۱ء کو اختیار کیا۔ [۲۷] لدھیانہ میں آپ نے محلہ اقبال گنج مکان شہزادہ غلام حیدر میں قیام فرمایا۔ حضرت اقدسؑ کے ساتھ حضرت حافظ حامد علی صاحب اور پیراں دتا تھے۔ [۲۸] حضرت اقدس بیمار تھے۔ اس لئے حضورؑ نے یہاں خطوط کے جوابات کے لئے منشی عبد اللہ صاحب سنوری کو بلا بھیجا۔ [۲۹] اور خود بیماری کے باوجود پیغام

آسمانی پہنچانے میں مصروف ہو گئے۔ لدھیانہ کے علماء (مولوی محمد صاحب اور مولوی عبدالعزیز صاحب وغیرہ) جو "براہین احمدیہ" کی اشاعت کے زمانے سے مخالفت کرتے چلے آ رہے تھے اب اس دعوے پر پہلے سے بھی زیادہ مشتعل ہو گئے اور انہوں نے آپ کے ورود لدھیانہ پر آپ کے خلاف مخالفت کی آگ لگا دی۔ ان کے حوصلے یہاں تک بڑھے کہ وہ مسلمانوں کو آپ کے قتل پر کھلم کھلا اکساتے۔ ایک دفعہ ایک واعظ نے بازار میں کھڑے ہو کر بڑے جوش سے کہا کہ مرزا کافر ہے اور اس کے ذریعہ سے مسلمانوں کو سخت نقصان پہنچ رہا ہے۔ جو کوئی اس کو قتل کر ڈالے گا وہ بہت بڑا ثواب حاصل کرے گا۔ اور سیدھا بہشت کو جائیگا۔ ایک گنوار جو ہاتھ میں ایک لٹھ لئے کھڑا اس کی تقریر سن رہا تھا اس وعظ سے بہت متاثر ہوا اور چپکے سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا مکان پوچھتا ہوا آپ کی قیام گاہ پر پہنچ گیا۔ وہاں کوئی دربان نہیں ہوتا تھا ہر ایک شخص جس کا جی چاہتا اندر چلا آتا اتفاق سے حضرت اقدسؑ اس وقت دیوان خانے میں بیٹھے تقریر فرما رہے تھے اور چند آدمی جن میں کچھ ارادت مند اور کچھ غیر از جماعت تھے ارد گرد بیٹھے حضور کی باتیں سن رہے تھے۔ وہ گنوار بھی اپنا لٹھ کاندھے پر رکھے ہوئے کمرہ میں داخل ہوا۔ اور دیوار کے ساتھ کھڑا ہو کر آپ پر قاتلانہ حملہ کے لئے مناسب موقعہ کا انتظار کرنے لگا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس کی طرف کچھ توجہ نہ کی اور اپنی تقریر جاری رکھی وہ بھی سننے لگا۔ چند منٹ کے بعد اس کے دل پر اس تقریر کا کچھ ایسا اثر ہوا کہ لٹھ اس کے کندھے سے اتر کر زمین پر آ گیا اور وہ مزید تقریر سننے کے لئے بیٹھ گیا اور سنتا رہا۔ یہاں تک کہ حضور نے یہ سلسلہ گفتگو بند کر دیا۔ مجلس میں سے کسی شخص نے عرض کیا کہ حضور آپ کا دعویٰ میری سمجھ میں آ گیا ہے۔ اور میں حضور کو سچا سمجھتا ہوں اور آپ کے مریدوں میں داخل ہونا چاہتا ہوں۔ اس پر وہ گنوار بھی آگے بڑھ کر بولا کہ میں ایک واعظ سے اثر پا کر اس ارادہ سے اس وقت یہاں آیا تھا کہ آپ کو قتل کر ڈالوں اور جیسا کہ واعظ صاحب نے کہا ہے سیدھا بہشت کو پہنچ جاؤں۔ مگر آپ کی تقریر کے فقرات مجھ کو پسند آئے۔ اور میں زیادہ سننے کے واسطے ٹھہر گیا۔ اور آپ کی باتیں سننے کے بعد مجھے یہ یقین ہو گیا ہے کہ مولوی صاحب کا وعظ بالکل بے جا دشمنی سے بھرا ہوا تھا۔ آپ بے شک سچے ہیں اور میں بھی آپ کے مریدوں میں داخل ہونا چاہتا ہوں۔ حضرت اقدسؑ نے اس کی بیعت قبول فرمائی۔ اس وقت بیعت ایک علیحدہ کمرہ میں ہر ایک کی الگ الگ ہوتی تھی۔ [۲۰]

لدھیانہ کے مخالف علماء میں سے مولوی سعد اللہ نو مسلم پیش پیش تھا۔ ہر روز کبھی دوسرے روز ایک اشتہار مخالفت میں گالیوں سے بھرا ہوا شائع کرتا تھا جس میں کبھی چوری کا الزام ہوتا اور کبھی بغاوت کا۔ اسی طرح اور کئی مخالف حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے پاس آتے اور بات بات میں جھگڑا

کرتے اور الجھتے رہے۔ بعض امتحان اور آزمائش کے لئے اور بعض صرف دیکھنے کے لئے آتے تھے۔
ایک روز مخالفوں نے پانچ آدمیوں کو بہکا کر بھیجا اور کہا کہ اس مکان میں ایک شخص ہے جو تمام نبیوں کو گالیاں دیتا ہے اور قرآن اور رسول کو نہیں مانتا۔ وہ لوگ سخت غضب میں بھرے ہوئے یکدم مکان میں چلے آئے۔ اس وقت ایک احمدی حضرت اقدسؑ سے ایک آیت کے معنے دریافت کر رہا تھا۔ حضور نے ایسی تفسیر فرمائی کہ وہ لوگ بہت دیر تک چپ بیٹھے رہے۔ جب حضور خاموش ہوئے تو انہوں نے حضرت اقدس علیہ السلام سے مصافحہ کیا اور آپ کے دست مبارک کو بوسہ دیا اور عرض کیا کہ لوگوں نے ہمیں دھوکہ دیا جو آپ کو کافر کہتے ہیں وہ خود کافر ہیں اور اگر آپ مسلمان نہیں تو کوئی بھی مسلمان نہیں۔ وہ لوگ باہر آئے۔ تو لوگوں نے کہا کہ مرزا جادوگر ہے جو اس کے پاس جاتا ہے وہ اسی کا ہو رہتا ہے اس کے پاس کوئی نہ جائے۔ [۲۱]

نواب علی محمد خان صاحب لدھیانوی کی وفات

واقعات لدھیانہ میں سے ایک اہم واقعہ حضرت نواب علی محمد خان صاحب لدھیانوی کی وفات ہے۔ نواب صاحب موصوف حکمت تصوف اور علوم شرعیہ میں ید طولیٰ رکھتے تھے۔ اہل اللہ کے بڑے معتقد اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عاشق جانباز تھے۔ ہر وقت درود شریف پڑھتے رہتے۔ انہیں حضرت اقدس علیہ السلام سے اعلیٰ درجہ کا عشق تھا اور اکثر کہا کرتے تھے کہ جو بات میں نے حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانیؑ میں دیکھی وہ کسی میں نہیں دیکھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اگر کوئی شخص ہے تو یہی ہے اس کی تحریر میں نور' اس کے کلام میں نور' اور اس کے چہرہ میں نور ہے۔

حضرت اقدس علیہ السلام بھی کبھی کبھی نواب صاحب سے ملنے جایا کرتے تھے اور نواب صاحب بھی آپ سے ملنے کے لئے اکثر آیا کرتے تھے نواب صاحب کے انتقال کے وقت حضرت اقدس علیہ السلام لدھیانہ میں تشریف رکھتے تھے بوقت انتقال نواب صاحب نے دعا کے لئے ایک آدمی حضرت اقدسؑ کی خدمت میں بھیجا اور جوں جوں آخری وقت آتا جاتا تھا آدھ آدھ گھنٹہ اور دس دس منٹ کے بعد آدمی بھیجتے رہے اور کہتے رہے کہ میں بڑا خوش ہوں کہ حضور اس وقت لدھیانہ تشریف رکھتے ہیں اور مجھے دعا کرانے کا موقعہ ملا۔ جب حالت نزع طاری ہوئی تو وصیت کی کہ میرے جنازہ کی نماز حضرت مرزا صاحب پڑھائیں تا کہ میری نجات ہو نواب صاحب مرحوم کا انتقال ہو گیا تو لدھیانوی علماء نے نواب صاحب کے اقرباء کو جو ان کے زیر اثر تھے کہلا بھیجا کہ اگر مرزا صاحب جنازہ پر آئے تو ہم اور کوئی مسلمان جنازہ پر نہ آئیں گے اور تم پر کفر کا فتویٰ لگ جائے گا۔ اور جو آئندہ ان میں سے

مرے گا اس کی نماز جنازہ کوئی نہیں پڑھے گا۔ نواب صاحب کے اقرباء ان کی اس بات سے ڈر گئے اس لئے حضرت اقدسؑ نے ان کے جنازہ کی نماز اپنے مکان پر ہی ادا فرمائی اور نواب صاحب مرحوم کے لئے مغفرت و رحمت کی بہت بہت دعا کی۔ [۲۲]

انگریزی حکومت کے زوال سے متعلق الہام

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو (شہزادہ عبدالمجید صاحبؓ کی روایت کے مطابق) قیام لدھیانہ میں انگریزی حکومت کے زوال سے متعلق بھی خبر دی گئی اور الہام ہوا کہ۔

سلطنت برطانیہ تا ہشت سال بعد ازاں ایام ضعف و اختلال [۲۳]

یعنی برطانیہ کی شان و شوکت کا زمانہ آٹھ سال تک ہے اس کے بعد ضعف و انحطاط کے آثار پیدا ہو جائیں گے۔

پیر سراج الحق صاحب نے اس الہام کے متعلق حضرت اقدسؑ سے عرض کیا کہ اس میں روحانی اور مذہبی طاقت کا ذکر معلوم ہوتا ہے۔ یعنی آٹھ سال کے بعد سلطنت برطانیہ کی مذہبی طاقت یعنی عیسائیت میں ضعف رونما ہو جائے گا اور سچے مذہب یعنی اسلام اور احمدیت کا غلبہ شروع ہو جائے گا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا جو ہوگا وہ ہو رہے گا ہم پیش از وقت کچھ نہیں کہہ سکتے۔ [۲۴]

پادریوں کو دعوت مذاکرہ

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ۲۰۔ مئی ۱۸۹۱ء کو پادریوں کے مقابل اشتہار دیا کہ خدا تعالیٰ نے مجھ پر انکشاف فرمایا ہے کہ حضرت مسیح ابن مریم علیہ السلام فوت ہو چکے ہیں اور اس قدر ثبوت میرے پاس ہیں کہ کسی منصف کو ماننے بغیر چارہ نہیں۔ اس اشتہار میں آپ نے پادری صاحبان کو تبادلہ خیالات کی دعوت دی۔ مگر کوئی پادری آپؑ کے مقابلہ میں نہ آیا۔ [۲۵]

سفر امرتسر اور لدھیانہ میں دوبارہ ورود

حضرت اقدسؑ اوائل جولائی ۱۸۹۱ء میں بعض احباب اور امرتسر کے رؤساء کی خواہش پر چند دن کے لئے لدھیانہ سے امرتسر تشریف لے گئے۔ وہاں اہلحدیث کے دو فریق ہو چکے تھے ایک فریق مولوی احمد اللہ صاحب کا تھا اور دوسرا غزنویوں کا۔ مولوی احمد اللہ صاحب بڑے شریف الطبع انسان تھے۔ غزنوی گروہ چاہتا تھا کہ مولوی صاحب حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر کفر کا فتویٰ لگائیں مگر وہ گریز کرتے تھے جس پر مولوی صاحب مسجد سے نکال دئے گئے اور ان کے معتقدین انہیں اپنی دوسری مسجد میں لے آئے۔ اس سفر میں حضرت اقدس نے مولوی احمد اللہ صاحب کو اپنے دعویٰ سے متعلق ۷۔ جولائی ۱۸۹۱ء کو تحریری مباحثہ کی دعوت دی مگر انہوں نے آمادگی کا اظہار نہ کیا اور گو انہوں نے

بیعت نہیں کی مگر ان کی اس خاموشی کو دیکھ کر مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی کے ساتھیوں نے انہیں "مرزائی" مشہور کر رکھا تھا۔ ان کے بعض معتقدین جن میں مولوی محمد اسمٰعیل صاحب، میاں نبی بخش صاحب، مولوی عنایت اللہ صاحب، اور میاں چراغ الدین صاحب شامل تھے۔ بالآخر سلسلہ احمدیہ میں شامل ہو گئے۔ [۲۶]

حضرت اقدسؑ امرتسر میں مختصر قیام کے بعد واپس لدھیانہ تشریف لے گئے۔

حواشی

۱- "توضیح مرام" صفحہ ۱۱-۱۲

۲- خود حضرت اقدسؑ نے "فتح اسلام" میں ان کے متعلق تحریر فرمایا کہ "اس وقت مراد آباد سے قادیان میں آ کر اس مضمون کی کاپی محض للہ لکھ رہے ہیں۔ شیخ صاحب ممدوح کا صاف سینہ مجھے ایسا نظر آتا ہے جیسا آئینہ وہ مجھ سے محض للہ غایت درجہ کا خلوص و محبت رکھتے ہیں۔ ان کا دل حب للہ سے پر ہے۔ اور نہایت عجب مادہ کے آدمی ہیں میں انہیں مراد آباد کے لئے ایک شمع منور سمجھتا ہوں"۔

۳- رسالہ نور احمد نمبر۱ مرتبہ حضرت شیخ نور احمد صاحب طبع دوم صفحہ ۵-۶ و صفحہ ۱۲

۴- رسالہ اشاعۃ السنہ۔ جلد ۱۲ نمبر ۱۲ صفحہ ۳۵۴

۵- الحکم ۱۴/۷- جون ۱۹۴۳ء صفحہ ۱۳ (روایت حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ)

۶- رسالہ اشاعۃ السنہ جلد ۱۲ نمبر ۱۲ صفحہ ۳۵۴ و ۳۵۶

۷- ایضاً و مکتوبات احمدیہ جلد چہارم صفحہ ۲

۸، ۹- اشاعۃ السنہ جلد ۱۳ نمبر ۱ صفحہ ۲-۴

۱۰- مولوی سید حسین احمد صاحب مدنی صدر جمعیۃ العلماء ہند نے برصغیر ہندو پاکستان کے فضائل کے متعلق ایک کتابچہ میں گذشتہ آثار و روایات کی روشنی میں ثابت کیا ہے کہ "یہ سرزمین آفتاب نبوت کا پہلا مشرق بنی اور اسی خطہ میں پہلے خلیفۃ اللہ حضرت آدمؑ کا ظہور ہوا تھا اور چونکہ حضرت آدمؑ انسانوں کے ابو الانبیاء تھے اس لئے جملہ انبیاء علیہم السلام اور تمام انسانوں کے روحانی اور مادی اصل و اصول کا خمیر ہندوستان ہی سے بنایا گیا"۔ بلکہ یہاں تک لکھا ہے کہ ہر نبی سے آئندہ نبی پر ایمان لانے کا میثاق بھی اس ارض مقدس میں لیا گیا تھا۔ (ملاحظہ ہو رسالہ "ہمارا ہندوستان اور اس کے فضائل" شائع کردہ ناظم دفتر جمعیۃ علماء ہند گلی قاسم جان دہلی۔) اگر یہ تصریحات حقیقت پر مبنی ہیں تو مسیح موعودؑ کا اسی خطے میں مبعوث ہونا ضروری تھا۔ خصوصاً جبکہ رسول کریم ﷺ نے مہدی کو سلطان مشرق قرار دیتے ہوئے ان کے انصار کو ہندی بتایا ہے (ابن ماجہ و نسائی)

۱۱- رسالہ "نور احمد" نمبر ۱ صفحہ ۹:-

۱۲- "اشاعۃ السنہ" جلد ۱۴ نمبر ۱ صفحہ ۲

۱۳- فتویٰ کفر کے بارے میں علماء ربانی کا کیا طریق عمل رہا ہے اس کے متعلق بطور مثال حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ بانی مدرسہ دیوبند کا ایک واقعہ قابل ذکر ہے خان بہادر ڈاکٹر شیخ عبداللہ صاحب ایڈووکیٹ علی گڑھ "سرسید کا مذہب" کے عنوان سے لکھتے ہیں۔ "مولویوں نے ان (سرسید۔ ناقل) کے خلاف طوفان برپا کر دیا۔ کفر کے فتوے دیئے دلخراش مضامین لکھے، سرسید کے چھوٹے سے فوٹو پر گز بھر کی ڈاڑھی لگا کر اس کے اوپر لکھا "شیطان الرجیم"۔ لیکن بڑے بڑے جید علماء نے کفر کے فتووں پر دستخط نہیں کئے۔ حضرت مولانا محمد قاسم رحمۃ اللہ علیہ بانی مدرسہ دیوبند سے علماء نے کہا کہ سرسید کے خلاف کفر کے فتوے پر آپ بھی دستخط کر دیجئے۔ انہوں نے فرمایا کہ میں تحقیقات کر لوں کہ آیا وہ کافر ہیں یا نہیں۔ چنانچہ مولانا محمد قاسم مرحوم و مغفور نے تین سوالات لکھ کر سرسید کے پاس بھیجے وہ مع جوابات کے ذیل میں درج کئے جاتے ہیں (۱) سوال خدا پر آپ کا کیا عقیدہ ہے؟ جواب خداوند تعالیٰ ازلی ابدی مالک و صانع تمام کائنات کا ہے (۲) سوال محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق آپ کا کیا عقیدہ ہے؟ جواب: بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر (۳) سوال قیامت کے متعلق آپ کا کیا عقیدہ ہے؟ جواب: قیامت برحق ہے۔ اس کے بعد مولانا محمد قاسم رحمۃ اللہ علیہ نے ان لوگوں سے کہا کہ تم اس شخص کے خلاف دستخط کرانا چاہتے ہو جو پکا مسلمان ہے"۔

(رسالہ "البصیر" (چنیوٹ) جلد ۲ شمارہ نمبر ۱-۲)

۱۴- تاریخ وفات فروری ۱۹۰۶ء (از جنتری بابو منظور الٰہی صاحب ۱۹۲۱ء) مفصل حالات کے لئے ملاحظہ ہو اخبار "پیغام صلح" لاہور

جنوری و فروری ۱۹۵۹ء

۱۵۔ والد بزرگوار مولوی مرتضیٰ حسن خاں صاحب (غیر مبائع) آپ کا اشتہار بھی "نشان آسمانی" میں موجود ہے۔

۱۶۔ یہ تفصیلات حضرت مولوی برہان الدین صاحب جہلمی کے قلم سے اشاعۃ السنہ جلد ۱۴ کے حاشیہ صفحہ ۳۶۳ پر درج ہیں۔

۱۷۔ اشاعۃ السنہ جلد ۱۴ نمبر ۱۔۴ صفحہ ۱۶۴۔۱۶۵

۱۸۔ ایضاً صفحہ ۱۸۰

۱۹۔ رجسٹر "روایات صحابہ" غیر مطبوعہ جلد ۱۰ صفحہ ۴۲ روایات ڈاکٹر علم دین صاحب ساکن کڑیانوالہ ضلع گجرات

۲۰۔ "روایات صحابہ" غیر مطبوعہ جلد ۹ صفحہ ۲۵۶۔۲۵۷

۲۱۔ الفضل ۱۷۔ جنوری ۱۹۲۱ء صفحہ ۵

۲۲۔ اشاعۃ السنہ جلد ۱۸ نمبر ۳ صفحہ ۹۵۔۹۶

۲۳۔ حضرت محی الدین ابن عربی فرماتے ہیں اذا خرج ھذا الامام المھدی فلیس لہ عدو مبین الا الفقھاء خاصۃ (فتوحات مکیہ جلد سوم صفحہ ۳۷۴) یعنی جب امام مہدی آئیگا۔ تو علماء زمانہ سے بڑھ کر ان کا کوئی شدید دشمن نہیں ہو گا۔ اسی طرح حضرت مجدد الف ثانیؒ نے لکھا ہے۔ "علماء ظواہر مجتہدات او علی نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام از کمال وقت و غموض ماخذ انکار نمایند و مخالف کتاب و سنت دانند"۔ (مکتوبات جلد دوم صفحہ ۱۰۷ مکتوب نمبر ۵۴) یعنی علماء ظواہر مسیح موعودؑ کے اجتہادات کا انکار کر کے ان کو قرآن و سنت کے خلاف قرار دیں گے کیونکہ ان کے اجتہادات کے ماخذ نہایت لطیف و دقیق ہوں گے۔

۲۴۔ ولادت ۱۳۰۶ھ / ۱۸۸۹ء وفات ۱۳۸۵ھ / ۱۹۶۵ء (رسالہ العربی الکویت فروری ۱۹۷۲ء صفحہ ۷۴ تا ۸۱)

۲۵۔ دیوان الشیبی صفحہ ۱۰۷ ناشر مطبعۃ لجنۃ التالیف والترجمہ والنشر ۱۹۴۰ء / ۱۳۵۹ھ۔

۲۶۔ مشہور اہلحدیث عالم جناب نواب محمد صدیق الحسن خان صاحب تحریر کرتے ہیں کہ "علماء وقت کہ خوگر تقلید فقہاء و اقتداء مشائخ و آباء خود باشند گویند ایں مرد خانہ برانداز دین و ملت است و بمخالفت برخیزند و حسب عادت خود حکم بتکفیر و تضلیل وے کنند"۔ (حجج الکرامہ مطبوعہ بھوپال صفحہ ۳۶۳) یعنی علماء وقت جو فقہاء اور مشائخ و اباء کی تقلید و اقتداء کے خوگر ہیں (حضرت مہدی کے متعلق) کہیں گے کہ یہ شخص ہمارے دین و ملت کو برباد کر دینا چاہتے ہیں وہ مخالفت کے لئے اٹھ کھڑے ہونگے اور حسب عادت اس کی تضلیل و تکفیر کا فتویٰ دیں گے۔

۲۷۔ یہ تاریخ اشاعۃ السنہ جلد ۱۲ نمبر ۱۲ صفحہ ۳۶۸ (حاشیہ) سے ماخوذ ہے۔

۲۸۔ ذکر حبیبؑ (مرتبہ حضرت مفتی محمد صادق صاحبؓ صفحہ ۱۳)

۲۹۔ مکتوبات مسیح موعود (بنام منشی عبد اللہ صاحب سنوری صفحہ ۲۳ اس زمانہ میں حضرت اقدس کے شدت ضعف کا یہ عالم تھا کہ مولانا مولوی سید محمد سرور شاہ صاحب بیعت سے قبل حضور کی خدمت میں پہلی بار حاضر ہوئے تو یہ تاثر لے کے باہر آئے کہ "لوگوں نے یونہی مخالفت کا شور مچا رکھا ہے مرزا صاحب تو صرف چند دن کے مہمان ہیں"۔ (سیرت المہدی حصہ اول صفحہ ۲۷۹۔ ۲۸۰)

۳۰۔ "ذکر حبیب" مرتبہ حضرت مفتی محمد صادق صاحبؓ صفحہ ۱۴۔

۳۱۔ "تذکرۃ المہدی" جلد اول صفحہ ۱۵۲۔ ۱۵۳ (مرتبہ حضرت پیر سراج الحق صاحب نعمانیؓ) سیدنا حضرت مسیح موعود سعد اللہ لدھیانوی کی نسبت تحریر فرماتے ہیں کہ "مجھے ہرگز امید نہیں کہ ابو جہل نے آنحضرت ﷺ کی نسبت وہ بدزبانی کی ہو بلکہ میں یقیناً کہتا ہوں کہ جس قدر خدا کے نبی دنیا میں آئے ان سب کے مقابل پر کوئی ایسا گندہ زبان دشمن ثابت نہیں ہوتا جیسا کہ سعد اللہ تھا۔ الخ۔ (حقیقۃ الوحی طبع اول صفحہ ۲۰ تتمہ) اس کی ناپاک گالیوں کا نمونہ دیکھنے کے لئے اس کی منظوم کتاب "انہزام قادیانی" کا مطالعہ کافی ہے یہ کتاب ۱۳۱۰ھ میں انڈین آرمی پریس لدھیانہ سے شائع ہوئی تھی۔

۳۲۔ "تذکرۃ المہدی" جلد اول صفحہ ۱۰۴ تا ۱۰۸

۳۳۔ حضرت منشی عبد اللہ صاحب سنوری کے بیان کے مطابق یہ الہام اس زمانہ سے بہت قبل آپ کو ہو چکا تھا مگر شہزادہ عبد المجید صاحب اسے قیام لدھیانہ کے زمانہ کا بتاتے ہیں (سیرت المہدی حصہ اول روایت نمبر ۹۶)

۳۴۔ حضرت منشی عبداللہ صاحب سنوری نے اپنی روایت میں ہشت کی بجائے ہفت کا لفظ بتایا ہے جو سہو ہے کیونکہ انہوں نے خود اسی روایت میں لکھا ہے کہ حافظ حامد علی صاحب نے یہ الہام مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی کو بتا دیا تھا جسے انہوں نے مخالف ہوتے ہی اپنے رسالہ میں شائع کر دیا۔ چنانچہ بٹالوی صاحب نے پہلی مرتبہ اپنے رسالہ اشاعۃ السنہ جلد ۱۳ نمبر ۳-۱ صفحہ ۳ پر اس کی طرف ہشت سالہ میعاد کے الفاظ سے اشارہ کیا ہے جس سے معلوم ہوا کہ الہام میں ہشت کا لفظ ہی ہے (سیرت المہدی حصہ دوم صفحہ ۹)

۳۵۔ "تبلیغ رسالت" جلد دوم صفحہ ۱۲-۱۴

۳۶۔ "حیات احمد" جلد سوم حصہ اول صفحہ ۹۹-۱۰۰

علماء وقت کو تحریری مباحثہ کی دعوت

حضرت اقدسؑ کا یہ سفر چونکہ اتمام حجت کی غرض سے تھا اس لئے حضورؑ نے لدھیانہ سے ۲۶- مارچ ۱۸۹۱ء کو ایک اشتہار کے ذریعہ تمام مشہور علماء بالخصوص مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی' مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی (۱۸۲۸ - ۱۹۰۵) مولوی عبدالجبار صاحب غزنوی (۱۸۵۲ - ۱۹۱۳) مولوی عبدالرحمٰن صاحب لکھو کے والے' مولوی شیخ عبداللہ صاحب تبتی۔ مولوی عبدالعزیز صاحب لدھیانوی اور مولوی غلام دستگیر صاحب قصوری کو تحریری مباحثہ کا چیلنج دیا اور لکھا کہ میرا دعویٰ ہرگز قال اللہ اور قال الرسول کے خلاف نہیں اگر آپ حضرات مقام و تاریخ مقرر کر کے ایک عام جلسہ میں مجھ سے تحریری بحث نہیں کریں گے تو آپ خدا تعالیٰ اور اس کے راست باز بندوں کی نظر میں مخالف ٹھہریں گے۔ [1]

حضرت اقدسؑ کے اس اشتہار پر لدھیانہ کے مولوی دبک گئے اور بحث کے لئے آمادہ نہ ہوئے مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی کے ایک مرید اور دست و بازو مولوی شاہ دین صاحب تھے انہوں نے اپنے پیرو مرشد (مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی) کو لکھا کہ میں مرزا صاحب سے مباحثہ کروں تو کس طرح کروں اور کس مسئلہ میں کروں۔ جواب آیا کہ مرزا صاحب سے بحث کرنا تمہارا کام نہیں اول تو ٹال دینا اور جو بات نہ ٹلے اور مباحثہ ہو ہی جائے تو وفات و حیات مسیح علیہ السلام میں ہرگز بحث نہ کرنا۔ اس میں تمہارا یا کسی کا ہاتھ نہیں پڑے گا۔ ہاں نزول میں بحث کر لینا اس مسئلہ میں ہماری کچھ جیت ہو سکتی ہے۔ چنانچہ مولوی شاہ دین کو جب بحث کے لئے اصرار سے کہا جانے لگا تو انہوں نے یہ کہہ کر ٹال دیا کہ مرزا صاحب بے علم ہیں۔ میری شان سے بعید ہے کہ ایک بے علم آدمی سے بحث کروں۔

لدھیانہ میں ایک اور مولوی مشتاق احمد صاحب انیٹھوی تھے جنہیں اپنی حدیث دانی پر بڑا ناز تھا یہ صاحب گنگوہ پہنچے ان کو بھی وہاں سے وہی جواب ملا جو مولوی شاہ دین کو ملا تھا' لدھیانہ ' دیو بند' سہارنپور' گنگوہ میں اس بارہ میں خفیہ مشورے ہوئے کہ کیا کرنا چاہیے لیکن مباحثہ کے لئے کوئی آمادہ نہ

ہوا۔

مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی کا مباحثہ تحریری سے انکار

اسی دوران میں پیر سراج الحق صاحب نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے عرض کیا کہ سب لوگوں کی نظر مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی کی طرف لگ رہی ہے اگر حکم ہو تو مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی کو لکھوں کہ وہ مباحثہ کے لئے آمادہ ہوں۔ فرمایا اگر تمہارے لکھنے سے آمادہ ہوں تو ضرور لکھ دو۔ چنانچہ انہوں نے اس بارہ میں ایک خط لکھ کر گنگوہ بھجوادیا۔

مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی اور پیر صاحب موصوف ہمزلف بھی تھے اور ویسے بھی ان سے تعلقات رکھتے تھے لیکن جوں ہی ان کو یہ خط پہنچا مولوی صاحب اور ان کے معتقدوں اور شاگردوں نے ایک شور برپا کردیا۔ مولوی رشید احمد صاحب نے اس خط کے جواب میں لکھا کہ میں بحث کو مرزا صاحب سے منظور کرتا ہوں لیکن تقریری اور صرف زبانی۔ تحریری مجھ کو ہرگز ہرگز منظور نہیں ہے اور عام جلسہ میں بحث ہوگی اور وفات و حیات مسیح میں کہ یہ فرع ہے بحث نہیں ہوگی بلکہ بحث نزول مسیحؑ میں ہوگی جو اصل ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے خط دیکھ کر پیر صاحب کو ارشاد فرمایا کہ آپ اس کے جواب میں یہ لکھ دیں کہ بحث تحریری ہونی چاہیے۔ تا حاضرین کے علاوہ غائبین کو بھی پورا پورا حال معلوم ہو جائے۔ اسی طرح فرمایا کہ وفات و حیات فرع کس طرح ہوئی اصل مسئلہ تو وفات و حیات مسیح ہی ہے اگر حیات مسیح ثابت ہوگئی تو نزول بھی ثابت ہوگیا اور جو وفات ثابت ہوگئی تو مسیحؑ کا بجسد عنصری نزول خود بخود باطل ہوگیا۔ ہمارے دعویٰ کی بنیاد ہی وفات مسیح پر ہے اگر مسیحؑ کی زندگی ثابت ہو جائے۔ تو ہمارے دعوے میں کلام کرنا فضول ہے۔

مولوی رشید احمد صاحب نے اس خط کے جواب میں لکھا کہ افسوس ہے مرزا صاحب اصل کو فرع اور فرع کو اصل قرار دیتے ہیں۔ بہر حال تقریری کی بجائے تحریری مباحثہ میں نہیں کرتا۔

دو سجادہ نشینوں کو دعوت

یہاں سے مایوس ہو کر پیر سراج الحق صاحب نعمانیؓ نے دو مشہور سجادہ نشینوں (میاں اللہ بخش صاحب تونسوی سنگھڑی اور شاہ نظام الدین صاحب بریلوی نیازی) کی طرف توجہ کی اور انہیں حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے علمی یا روحانی طریق سے مقابلہ کرنے کی دعوت دی۔ یہ دعوت نامہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے پسند فرمایا اور اپنے دستخط کر کے یہ تحریر فرمایا کہ میں روحانی باطنی اور علمی مقابلہ کے لئے تیار ہوں اور جو کچھ

صاجزادہ صاحب نے لکھا ہے درست ہے اور میں مسیح موعود اور امام مہدی معہود ہوں۔ مسیح بے شک فوت ہو چکے ہیں وہ اب نہیں آئیں گے۔ چونکہ آپ گدی نشین' سجادہ نشین' صوفی اور پیر ہیں اس معاملہ میں خواہ تحریری خواہ باطنی قوت قلبی یا دعا سے مقابلہ کریں تا حق ظاہر ہو اور باطل مٹ جاوے

سنگھڑ سے تو اس خط کا کوئی جواب موصول نہ ہوا البتہ بریلی سے شاہ نظام الدین صاحب نے معذرت کرتے ہوئے لکھا کہ "فقیر میں اتنی قوت نہیں ہے کہ جو مقابلہ کر سکے یا اس باطنی و روحانی طور سے مقابل پر کھڑا ہو سکے۔ یہ کام تو مولویوں اور علماء کا ہے آپ بھی تو صوفی اور درویش اور چار قطب ہانسوی اور امام اعظم رحمتہ اللہ علیہم اجمعین کے پوتے ہیں ہمیں آپ پر حسن ظن ہے۔ اور جیسا کچھ اللہ تعالیٰ کو منظور ہو گا۔ وہ ہو رہے گا۔ مجھے آپ معاف فرمائیں"۔ [۱۳]

مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی کو تقریری مباحثہ کی دعوت اور ان کا انکار

حضرت اقدسؑ نے یہ خط پڑھ کر فرمایا۔ تونسوی منکبر کو دیکھو کہ جواب تک نہیں دیا۔ مگر یہ کیسے منکسر المزاج ہیں۔ نیز حضور نے پیر سراج الحق صاحب سے فرمایا کہ مولوی رشید احمد صاحب کو لکھ دیا جائے کہ اچھا ہم بطریق تنزل تقریری مباحثہ منظور کرتے ہیں مگر اس شرط سے کہ آپ تقریر کرتے جائیں اور دوسرا شخص آپ کی تقریر لکھتا جائے اور جب تک ایک کی تقریر ختم نہ ہو۔ دوسرا فریق یا کوئی اور دوران تقریر میں نہ بولے۔ پھر دونوں تقریریں شائع ہو جائیں لیکن بحث لاہور میں ہو۔ کیونکہ لاہور علوم و فنون کا مرکز ہے۔ پیر صاحب نے حضرت اقدسؑ کا یہ پیغام مولوی صاحب کو بھیج دیا۔ وہاں سے جواب آیا کہ تقریر صرف زبانی ہو گی۔ لکھنے یا کوئی جملہ نوٹ کرنے کی کسی کو اجازت نہ ہو گی۔ اور حاضرین میں سے جس کے جی میں جو آئے گا وہ رفع اعتراض و شک کے لئے بولے گا۔ میں لاہور نہیں جاتا۔ مرزا صاحب بھی سہارنپور آجائیں اور میں بھی سہارنپور آجاؤں گا۔ حضرت اقدسؑ نے فرمایا۔ سہارنپور میں مباحثہ کا ہونا مناسب نہیں ہے سہارنپور والوں میں فیصلہ کرنے یا حق و باطل کی سمجھ نہیں ہے۔ لاہور آج دار العلوم اور مخزن علم ہے اور ہر ایک ملک اور شہر کے لوگ اور ہر مذہب و ملت کے اشخاص وہاں موجود ہیں۔ آپ لاہور چلیں میں بھی لاہور چلا جاتا ہوں اور آپ کا خرچ آمد و رفت اور قیام لاہور ایام بحث تک اور مکان کا کرایہ اور خرچ میرے ذمہ ہو گا یہ مضمون پیر صاحب نے حضرت اقدس علیہ السلام کے دستخط سے گنگوہ بھیج دیا۔ مولوی رشید احمد صاحب نے اس خط کے جواب میں پھر یہی لکھا کہ میں لاہور نہیں جاتا صرف سہارنپور تک آسکتا ہوں۔ اور تحریری بحث مجھے منظور نہیں اور تقریر بھی کسی دوسرے شخص کو لکھنے کی اجازت نہیں دے سکتا۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے یہ خط پڑھ کر ارشاد فرمایا کہ صاجزادہ صاحب ان کو یہ لکھ دو کہ ہم مباحثہ کے لئے سہارنپور ہی آجائیں گے آپ سرکاری انتظام کر لیں میں تاریخ مقرر پر آجاؤں گا۔ اور ایک اشتہار اس مباحثہ کے لئے شائع کر دیا جائے گا تا لاہور وغیرہ مقامات سے صاحب علم اور مباحثہ سے دلچسپی رکھنے والے اصحاب سہارنپور آجائیں۔ رہا تقریری اور تحریری مباحثہ وہ اس وقت پر رکھیں تو بہتر ہے جیسی حاضرین جلسہ کی رائے ہوگی۔ کثرت رائے پر ہم اور آپ کاربند ہو جائیں گے۔

بہر حال آپ مباحثہ ضرور کریں کہ لوگوں کی نظریں آپ کی طرف لگ رہی ہیں۔ مولوی رشید احمد صاحب نے اس دعوت کا صرف یہ جواب دیا کہ انتظام کا میں ذمہ دار نہیں ہو سکتا۔ اور پھر بار بار یاددہانی کے باوجود چپ سادھ لی۔ [۲۴]

سعید روحوں کی خدائی جماعت میں شمولیت

لدھیانہ ان دنوں مخالفت کا مرکز بنا ہوا تھا مگر اس آتشین فضاء میں بھی خدا کے فرشتے سعید روحوں کو کھینچ کھینچ کر خدا کے مامور کی جماعت میں لا رہے تھے۔ لاہور سے ایک عالم مولوی رحیم اللہ صاحب آئے اور آتے ہی انہوں نے حضور کی بیعت کر لی۔ [۲۵] ان سے قبل مولوی غلام نبی صاحب ساکن خوشاب لدھیانہ میں آئے اور آتے ہی حضرت اقدسؑ کی مخالفت میں تقریریں کرنے لگے۔ شہر میں ان کے لیکچروں کی دھوم مچ گئی اور ہر جگہ ان کے علم و فضل کا چرچا ہونے لگا ایک روز اتفاق سے مولوی صاحب کا وعظ اسی محلہ میں تھا جس میں حضور تشریف فرما تھے وعظ اتنا زبردست تھا کہ تحسین و آفرین کے نعرے بلند ہونے لگے۔ اور مرحبا کا شور چاروں طرف سے اٹھا۔ اس وعظ میں لدھیانہ کے تمام مولوی موجود تھے۔ اور ان کے حسن بیان اور علم کی بار بار داد دیتے تھے۔ حضرت اقدس علیہ السلام زنانہ میں تھے اور کتاب ازالہ اوہام کا مسودہ تیار کر رہے تھے۔ مولوی صاحب وعظ کہہ کر اور پوری مخالفت کا زور لگا کر چلے اور ساتھ ساتھ ایک جم غفیر اور مولوی صاحبان تھے اور ادھر سے حضرت اقدس علیہ السلام زنانہ مکان سے باہر مردانہ مکان میں جانے کے لئے نکلے تو مولوی صاحب سے مڈبھیڑ ہو گئی اور خود حضرت اقدس علیہ السلام نے السلام علیکم کہہ کر مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھایا اور مولوی صاحب نے جواب میں وعلیکم السلام کہہ کر مصافحہ کیا۔ ہاتھ ملاتے ہی مولوی صاحب ایسے از خود رفتہ ہوئے کہ حضرت اقدس علیہ السلام کے ہاتھ میں ہاتھ دیئے ہوئے آپ کے ساتھ سیدھے مردانہ میں چلے آئے اور حضرتؑ کے سامنے دو زانو بیٹھ گئے۔ باہر تمام لوگ حیرت میں کھڑے تھے۔ علماء نے عوام کو جو مختلف چہ میگوئیاں کر رہے تھے یقین دلایا کہ مولوی صاحب مرزا کی خبر لینے گئے ہیں وہاں انہیں نیچا

دکھا کر آئیں گے لیکن ارادہ الٰہی میں کچھ اور ہی مقدر تھا۔ جب مولوی غلام نبی صاحب اندر گئے تو مولوی صاحب نے پوچھا۔ حضور آپ نے وفات مسیحؑ کا مسئلہ کہاں سے لیا ہے؟

حضرت اقدس! قرآن شریف' حدیث شریف اور علماء ربانی کے اقوال سے۔

مولوی صاحب! کوئی آیت قرآن مجید میں وفات مسیحؑ کے بارے میں ہو تو بتلائیے۔

حضرت اقدس نے قرآن شریف کے دو مقام پر کاغذ کا نشان رکھ کر مولوی صاحب کے ہاتھ میں دیا۔ ایک مقام تو سورہ آل عمران ع ۶ اور دوسرا سورہ مائدہ کے آخری رکوع کا تھا۔ پہلے میں آیت یٰعیسیٰ اِنِّیْ مُتَوَفِّیْکَ اور دوسرے میں آیت فَلَمَّا تَوَفَّیْتَنِیْ تھی۔ مولوی صاحب دونوں آیات دیکھ کر حیران و ششدر رہ گئے اور کہنے لگے یُوَفِّیْ اُجُوْرَھُمْ بھی تو قرآن شریف میں ہے اس کے کیا معنے ہوں گے؟

حضور اقدسؑ نے فرمایا۔ یہ اور باب سے ہے اور وہ اور باب سے۔ مولوی صاحب دو چار منٹ حیران ہو گئے اور سوچ کر کہنے لگے۔ معاف فرمائیے میری غلطی تھی۔ جو کچھ آپ نے فرمایا صحیح ہے قرآن مجید آپ کے ساتھ ہے۔

حضرت اقدسؑ فرمانے لگے جب قرآن مجید ہمارے ساتھ ہے تو آپ کس کے ساتھ ہیں؟ مولوی صاحب یہ سن کر رو پڑے یہاں تک کہ ان کی ہچکی بندھ گئی اور عرض کیا یہ خطاکار گنہگار بھی حضور کے ساتھ ہے اس کے بعد مولوی صاحب پھر روتے رہے اور سامنے مودب بیٹھے رہے۔ [۷]

اندر تو مولوی صاحب کے خیالات میں یہ انقلاب واقع ہوا اور باہر کئی ہزار آدمی کھڑا اس انتظار میں خوش ہو ہو کر تالیاں بجا رہا تھا کہ آج مرزا قابو آیا۔ آج مرزا کو توبہ کرنی پڑے گی۔ بہرکیف جب بہت دیر ہو گئی تو لوگ آوازیں دینے لگے کہ جناب مولوی صاحب باہر تشریف لائیے۔ مولوی صاحب نے ان کی ایک بات کا بھی جواب نہ دیا جب شور زیادہ بلند ہوا تو مولوی صاحب نے کہلا بھیجا کہ تم جاؤ میں نے حق دیکھ لیا اور پا لیا۔ اب میرا تم سے کچھ کام نہیں ہے اگر تم اپنا ایمان سلامت رکھنا چاہتے ہو تو آجاؤ اور اس امام کو مان لو۔ میں اس امام صادق سے کس طرح الگ ہو سکتا ہوں۔ جو اللہ تعالیٰ کا مامور اور آنحضرتؐ کا موعود ہے۔ جس کو آنحضرتؐ نے سلام بھیجا۔ مولوی صاحب اس حدیث کے الفاظ پڑھ کر حضرت اقدس علیہ السلام کی طرف متوجہ ہوئے اور آپؑ کے سامنے یہ حدیث شریف دوبارہ بڑے زور سے پڑھی اور عرض کیا کہ میں اس وقت بموجب حکم آنحضرتؐ کا سلام پہنچاتا ہوں۔ حضرت اقدس علیہ السلام نے اس وقت ایک عجیب لہجہ اور عجیب آواز سے وعلیکم السلام فرمایا کہ مولوی صاحب مرغ بسمل کی طرح تڑپنے لگے۔ اس وقت حضرت اقدس علیہ السلام کے چہرہ مبارک کا اور ہی

نقشہ تھا اور حاضرین و سامعین پر بھی ایک عجیب وجد و سرور کی کیفیت طاری تھی۔

باہر مجمع کو مولوی صاحب کا جب یہ پیغام پہنچا کہ میں نے حق پالیا ہے تو سب کی زبان سے کافر کافر کا شور بلند ہوا اور گالیوں کی بوچھاڑ پڑنے لگی اور سب لوگ منتشر ہو گئے۔

اس کے بعد علماء کی طرف سے مولوی غلام نبی صاحب کے پاس مباحثہ کے پیغام آنے لگے مولوی صاحب موصوف نے مباحثہ منظور کیا۔ لیکن مباحثہ کے لئے کوئی نہ آیا مولوی غلام نبی صاحب نے اشتہار مباحثہ بھی شائع کیا کہ میں تیار ہوں۔ جس کو علم کا دعویٰ ہو وہ مجھ سے بحث کرے اس کے بعد مولوی غلام نبی صاحبؓ نے یہ اشتہار دیا کہ جو شخص حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی (جسمانی) زندگی کے ثبوت میں قرآن شریف کی آیت صریح اور حدیث صحیح پیش کرے تو ہر آیت اور ہر حدیث پر دس روپے انعام دوں گا۔ اور روپے پہلے بنک میں جمع کرا دیئے جائیں گے یہ اشتہار دیکھ کر بھی کسی کو مرد میدان بننے کی جرات نہ ہو سکی۔ اب تو مولوی غلام نبی صاحب بس حضرت اقدس علیہ السلام کے ہی ہو رہے اور ان کا ایسا بحر کھلا کہ جو کوئی مولوی یا کوئی شخص آتا اس سے بات کرنے اور مباحثہ کرنے کے لئے آمادہ ہو جاتے اور حضرت اقدسؑ کا چہرہ ہی دیکھتے رہتے اور خوشی کے مارے پھولے نہ سماتے۔

مولوی صاحبؓ کہیں ملازم تھے وہاں سے خط آیا کہ جلد آؤ ورنہ ملازمت جاتی رہے گی اور نام کٹ جائے گا۔ مولوی صاحب نے ملازمت کی کچھ بھی پروا نہ کی اور کہا کہ میں نے دین کو دنیا پر مقدم کرنے کی بیعت میں شرط کی ہے۔ مجھے نوکری کی کوئی پروا نہیں ہے۔ ایک روز یہ ذکر آگیا تو حضرت اقدس علیہ السلام نے فرمایا کہ خود ملازمت کو چھوڑنا نہیں چاہیے۔ اس میں اللہ تعالیٰ کی ناشکری ہے۔ ہاں خود بخود ہی اللہ تعالیٰ اپنی کسی خاص مصلحت سے علیحدہ کر دے تو اور بات ہے ملازمت پر چلے جانا چاہیے۔ پھر رخصت لے کر آجانا۔ حضرت اقدس علیہ السلام کا یہ ارشاد سنکر مولوی صاحب مجبوراً چلنے کو تیار ہو گئے اور دوبارہ بیعت کی تجدید کی۔ جب وہ رخصت ہو کر چلنے لگے تو حضرت اقدس علیہ السلام نے فرمایا کہ مولوی صاحب کا دل جانے کو نہیں چاہتا دیکھو دین کو دنیا پر مقدم کرنے کے یہ معنے ہیں۔ مولوی صاحب چل دیئے۔ مگر کچھ دیر بعد دیکھا تو وہ ہنستے ہوئے اور خوشی خوشی بغل میں گٹھری دبائے واپس چلے آتے ہیں۔ سب حیران ہوئے۔ اور حضرت اقدسؑ بھی مسکرائے۔ مولوی صاحب نے بتایا میرے جاتے جاتے ریل چل دی۔ بعض لوگوں نے کہا بھی کہ سٹیشن پر ٹھہرو دوسرے وقت چلے جانا۔ میں نے کہا جتنی دیر اسٹیشن پر لگے اتنی دیر حضور کی صحبت میں رہوں تو بہتر ہے اسٹیشن پر ٹھہرنے سے کیا فائدہ؟

حضرت اقدس علیہ السلام نے فرمایا۔ جزاک اللہ یہ خیال بہت اچھا ہے اللہ تعالیٰ کسی کے اجر کو

ضائع نہیں کرتا۔ وہ اپنے بندوں کے حال سے خوب واقف ہے اس میں کچھ حکمت الٰہی ہے یہ باتیں ہو ہی رہی تھیں کہ دوسرا خط آیا کہ تم اپنی ملازمت پر حاضر ہو جاؤ اور اگر کسی وجہ سے نہ آسکو تو رخصت کی ایک درخواست بھیج دو تا رخصت مل جائے۔ اور میں کوشش کر کے رخصت دلوا دوں گا۔

حضرت اقدس علیہ السلام نے فرمایا ریل کے نہ ملنے میں یہ حکمت الٰہی تھی۔ اب رخصت کی درخواست بھیج دو۔ مولوی صاحب نے حسب الارشاد ایک درخواست بھیج دی اور وہ بھی منظور ہو گئی۔ مولوی صاحب کو بہت روز حضرت کی خدمت میں رہنے اور فیض صحبت اٹھانیکا موقع میسر آگیا۔ ۸

مباحثہ "الحق" لدھیانہ

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی دعوت مباحثہ پر اور کوئی سامنے نہ آیا لیکن مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی کو اپنے علم پر بہت گھمنڈ تھا اور وہ ابتداء ہی سے حضرت اقدس کو مغلوب کرنے کا فیصلہ کر کے حضور سے خط و کتابت کرنے کے علاوہ حضرت مولانا نور الدین صاحب ۹ سے بھی نوک جھونک جاری رکھے ہوئے تھے۔ اسی ترنگ میں وہ شملہ سے لدھیانہ پہنچے اور آتے ہی شہر میں یہ شور مچا دیا کہ مرزا صاحب کو چاہیے کہ وہ مجھ سے مباحثہ کر لیں۔ حضرت اقدسؑ تو مباحثہ کے لئے پہلے ہی تیار تھے رات کے وقت مولوی رحیم اللہ صاحب لاہوری اور مولوی نظام الدین صاحب حضرت اقدسؑ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انہوں نے عرض کیا کہ ہمارا مشورہ یہ ہے کہ مولوی محمد حسین صاحب سے مباحثہ نہ کیا جائے کیونکہ وہ سخت بد زبان ہے۔ مگر آپ نے فرمایا بحث ہونے دو اس کی علمیت کی پوری حقیقت کھول دی جائے گی اور وہ جان جائے گا کہ بحث اس کا نام ہے۔ پھر مولوی عبد اللہ صاحب نے عرض کیا کہ بحث کس مسئلہ میں ہو گی فرمایا وفات مسیح میں بحث ہو گی۔ اور یہی اصل ہے انہوں نے عرض کیا کہ سنا ہے وہ یہ مسئلہ نہیں چھیڑیں گے وہ تو نزول مسیح کے مسئلہ میں گفتگو کریں گے۔ آپؑ نے فرمایا۔ نزول مسیح کی بحث سے کیا تعلق۔ نزول مسیح تو ہم خود مانتے ہیں۔ اگر نزول مسیحؑ ہم نہ مانتے تو ہمارا دعویٰ مسیح موعود ہونے کا کب چل سکتا تھا۔ اصل مسئلہ جس پر بنیادی طور پر بحث ضروری ہے وہ تو وفات و حیات مسیح کا ہی مسئلہ ہے۔

مولوی نظام الدین صاحب کی بیعت کا واقعہ

دوسرے روز صبح آٹھ نو بجے مولوی نظام الدین صاحب مولوی محمد حسین صاحب اور دو تین اور اشخاص کی مولوی محمد حسین صاحب کے مکان پر آپس میں گفتگو ہوئی۔ مولوی نظام الدین صاحب نے کہا کہ حضرت مسیحؑ کی زندگی پر بھی قرآن شریف میں کوئی آیت ہے۔

مولوی صاحب نے کہا کہ بیس آیتیں قرآن شریف میں موجود ہیں- مولوی نظام الدین صاحب فوراً حضرت اقدسؑ کی مجلس میں حاضر ہوئے اور کہا کہ آپ کے پاس کیا اس بات کی کوئی دلیل ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام وفات پا گئے ہیں- حضرت اقدسؑ نے فرمایا کہ قرآن شریف ہے مولوی نظام الدین صاحب نے کہا کہ اگر قرآن شریف میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زندہ ہونے کی کوئی آیت موجود ہو تو آپ مان لیں گے؟ حضرت اقدس علیہ السلام نے فرمایا- ہاں ہم مان لیں گے- مولوی صاحب نے کہا میں ایک دو نہیں بیس آیتیں قرآن شریف کی حضرت عیسیٰ کی زندگی پر لے آؤں گا- حضرت اقدس علیہ السلام نے فرمایا- بیس کیا اگر آپ ایک ہی آیت لے آئیں گے تو میں قبول کر لوں گا- ساتھ ہی فرمایا- مولوی صاحب یاد رہے آپ کو یا کسی اور کو ایک آیت بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زندگی کی نہیں ملے گی- مولوی نظام الدین صاحب نے کہا آپ اپنی بات پر پکّے رہیں- میں بیس آیتیں ابھی لائے دیتا ہوں- چنانچہ وہ مولویوں کے پاس پہنچے اور کہا میں مرزا صاحب کو ہرا آیا ہوں- مولوی صاحبان یہ بات سن کر بہت خوش ہوئے اور کہا مولوی صاحب مرزا صاحب کو کس طرح ہرا آئے؟ مولوی نظام الدین صاحب نے کہا کہ میں حیات مسیحؑ کے ثبوت میں بیس آیتوں کا وعدہ کر آیا ہوں- اب مجھے بیس آیتیں قرآن شریف سے نکال دیں مولوی محمد حسین صاحب بولے کہ آپ نے یہ کیوں نہیں کہا کہ ہم احادیث سے حیات مسیحؑ کا ثبوت پیش کر دیتے ہیں انہوں نے کہا ایسا کہنے کی کیا ضرورت تھی- کیونکہ مقدم قرآن شریف ہے مولوی محمد حسین صاحب نے کھڑے ہو کر اور گھبرا کر عمامہ سر سے پھینک دیا اور کہا کہ تو مرزا کو ہرا کے نہیں آیا ہمیں ہرا آیا اور ہمیں شرمندہ کیا- میں مدت سے مرزا کو حدیث کی طرف لا رہا ہوں اور وہ قرآن شریف کی طرف مجھے کھینچتا ہے- قرآن شریف میں اگر کوئی آیت مسیح کی زندگی کے متعلق ہوتی تو ہم کبھی کی پیش کر دیتے- ہم تو حدیثوں پر زور دے رہے ہیں- [۱۰] تب مولوی نظام الدین صاحب کی آنکھیں کھل گئیں اور انہوں نے کہا کہ جب قرآن شریف تمہارے ساتھ نہیں تو اتنا دعویٰ تم نے کیوں کیا تھا- اور کیوں بیس آیتوں کے دینے کا مجھ سے وعدہ کیا تھا- اب میں کیا منہ لے کے مرزا صاحب کے پاس جاؤں گا- اگر قرآن شریف تمہارے ساتھ نہیں مرزا صاحب کے ساتھ ہے تو میں بھی مرزا صاحب کے ساتھ ہوں تمہارے ساتھ نہیں- چنانچہ مولوی نظام الدین صاحب وہاں سے چلے اور حضرت اقدسؑ کی خدمت میں آ کر اور شرمندہ سے ہو کر بیٹھ گئے- حضرت اقدسؑ نے فرمایا- مولوی صاحب آیتیں لے آئے؟ مولوی نظام الدین صاحب نے دو چار مرتبہ دریافت کرنے پر رو کر عرض کیا کہ حضور وہاں تو یہ معاملہ گزرا اب تو جدھر قرآن شریف ہے ادھر ہی میں ہوں- اور یہ کہہ کر انہوں نے بیعت کر لی- [۱۱]

مباحثے کا آغاز ان حالات میں حضرت اقدس کا مولوی محمد حسین صاحب سے مباحثہ شروع ہوا۔ یہ مناظرہ تحریری تھا اور ۲۰ سے ۲۹ جولائی ۱۸۹۱ء تک یعنی دس روز جاری رہا۔

مباحثہ میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام بخاری شریف رکھ لیتے اور قلم برداشتہ لکھتے جاتے جب مضمون تیار ہو جاتا تو پڑھ کر سنا دیا جاتا۔ مگر ادھر بڑی مشکل سے مضمون تیار کیا جاتا۔ اور بڑی دقت سے مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی اپنا مضمون تیار کر کے سناتے۔

یہ مباحثہ پہلے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے مکان پر ہوتا تھا لیکن بعد کو مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی نے حضرت اقدس سے کہا کہ ہم آپ کے مکان پر آتے ہیں آپ ہمارے مکان پر نہیں آتے۔ چنانچہ حضرت اقدس علیہ السلام مولوی محمد حسن صاحب رئیس آنریری مجسٹریٹ کے مکان پر (جہاں بٹالوی صاحب ٹھہرے ہوئے تھے) تشریف لے جانے لگے۔ حضرت اقدس کی سواری کے لئے ایک صاحب منشی میراں بخش صاحب اکونٹنٹ محکمہ نہر نے اپنی ٹم ٹم پیش کی لیکن حضور نے فرمایا۔ ہم پیدل ہی جائیں گے۔۔ جس راستہ سے حضور گزرتے ہندو بھی تعظیم کے لئے کھڑے ہو جاتے کہ کس قدر نورانی چہرہ ہے۔ مسلمان کیوں ان کے مخالف ہو گئے ہیں۔ [۱۲]

ایک معجزہ (حضرت پیر سراج الحق صاحب کی روایت کے مطابق) اس مباحثہ کے دوران میں مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی نے بخاری کا ایک حوالہ طلب کیا۔ اس وقت وہ حوالہ حضرت اقدس کو یاد نہیں تھا۔ اور نہ آپ کے خادموں میں سے کسی اور کو یاد تھا۔ مگر حضرت اقدس نے بخاری شریف کا نسخہ منگایا اور اس کی ورق گردانی شروع کر دی اور جلد جلد اس کا ایک ایک ورق الٹنے لگے اور آخر ایک جگہ پہنچ کر آپ ٹھہر گئے اور فرمایا۔ لو یہ دیکھ لو۔ دیکھنے والے سب حیران تھے کہ یہ کیا ماجرا ہے کسی نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے پوچھا تو آپ نے فرمایا کہ جب میں نے کتاب ہاتھ میں لے کر ورق الٹانے شروع کئے تو مجھے کتاب کے صفحات ایسے نظر آتے تھے کہ گویا وہ خالی ہیں اور ان پر کچھ نہیں لکھا۔ اس لئے میں ان کو جلد جلد الٹاتا گیا آخر مجھے ایک صفحہ ملا جس پر کچھ لکھا ہوا تھا۔ اور مجھے یقین ہو گیا کہ یہ وہی حوالہ ہے جس کی مجھے ضرورت ہے گویا اللہ تعالیٰ نے ایسا معجزانہ تصرف فرمایا کہ اس جگہ کے سوا جہاں حوالہ درج تھا باقی تمام اوراق آپ کو خالی نظر آئے۔ [۱۳]

حضرت شیخ یعقوب عرفانی کا بیان ہے کہ یہ واقعہ لدھیانہ کا نہیں لاہور کا ہے مولوی عبدالحکیم صاحب کلانوری سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی محدثیت اور نبوت پر بحث ہوئی تھی۔ حضرت مسیح موعود نے محدثیت کی حقیقت بیان کرتے ہوئے بخاری کی ایک حدیث [۱۴] کا حوالہ دیا۔ مولوی عبدالحکیم صاحب کے مددگاروں میں سے مولوی احمد علی صاحب نے حوالہ کا مطالبہ کیا بلکہ بخاری خود

بھیج دی۔ مولوی محمد احسن صاحب امروہی نے حوالہ نکالنے کی کوشش کی مگر نہ نکلا۔ آخر حضرت مسیح موعودؑ نے خدائی تصرف کے نتیجہ میں خود نکال کر پیش فرمادیا جسے دیکھ کر فریق مخالف پر ایک موت وارد ہوگئی اور مولوی عبدالحکیم صاحب نے اس پر مباحثہ ختم کر دیا۔ ۱۵ یہ واقعہ خواہ لدھیانہ میں ہوا ہو یا لاہور میں بہرکیف دونوں جگہ یہ ایک نشان تھا۔ جو خدا تعالیٰ کا اپنے بندے کے لئے ظاہر ہوا۔

یہ مباحثہ انہی دنوں حضرت مولانا عبدالکریم صاحب نے ایک محققانہ دیباچہ کے ساتھ سیالکوٹ سے شائع کر دیا تھا جو "الحق" لدھیانہ کے نام سے مشہور ہے۔

پیر سراج الحق صاحب کے بیان کردہ مباحثہ کے تفصیلی کوائف

اس مباحثہ میں حضرت اقدس کے مضمون کو نقل کرنے کی خدمت حضرت پیر سراج الحق صاحب نعمانی کے سپرد تھی۔ حضرت پیر صاحب نے اپنی کتاب تذکرۃ المہدی (حصہ اول) میں جہاں سفر لدھیانہ کے تفصیلی حالات بیان کئے ہیں وہاں مباحثہ کے مفصل حالات بھی لکھے ہیں جو قابل ذکر ہیں چنانچہ آپ لکھتے ہیں مولوی محمد حسین صاحب سے مباحثہ قرار پایا اور مباحثہ کا دن مقرر ہوا۔ مباحثہ کے لئے مولوی محمد حسین صاحب حضرت اقدس علیہ السلام کے مکان پر آئے اور ساتھ پانچ سات اور شخص بھی آئے اور ایک سوال لکھ کر حضرت اقدس علیہ السلام کے آگے رکھ دیا حضرت اقدس علیہ السلام نے اس کا جواب لکھ دیا۔ اور مجھ سے فرمایا کہ کئی قلم بنا کر میرے پاس رکھ دو اور جو ہم لکھتے جائیں اس کی نقل کرتے جاؤ چنانچہ میں نقل کرنے لگا اور آپ لکھنے لگے جب سوال و جواب اس دن کے لکھ لئے گئے تو مولوی محمد حسین صاحب نے خلاف عہد زبانی وعظ شروع کر دیا اور بیان کیا کہ مرزا صاحب کا جو یہ عقیدہ ہے کہ قرآن شریف حدیث پر مقدم ہے یہ عقیدہ صحیح نہیں ہے بلکہ عقیدہ یہ چاہیے کہ حدیث قرآن شریف پر مقدم ہے۔ کیونکہ قرآن شریف کے متعلق مسائل کو حدیث کھولتی ہے پس وہی فیصلہ کن ہے۔ خلاصہ مولوی صاحب کی تقریر کا یہی تھا۔ پھر حضرت اقدس علیہ السلام نے فرمایا کہ پہلے چونکہ یہ معاہدہ ہو چکا تھا کہ زبانی تقریر کوئی نہ کرے اور مولوی صاحب نے اس معاہدہ کے خلاف تقریر کی ہے سو اب میرا بھی حق ہے کہ میں بھی کچھ زبانی تقریر کروں۔ پھر حضرت اقدس علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا کہ مولوی صاحب کا یہ عقیدہ کسی طرح بھی صحیح اور درست نہیں ہے کہ حدیث قرآن شریف پر مقدم ہے۔ قرآن شریف وحی متلو ہے اور تمام کلام مجید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں جمع ہو چکا تھا۔ اور حدیث کے جمع کرنے کا ایسا انتظام نہیں تھا۔ اور نہ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں لکھی گئی تھی۔ پس وہ مرتبہ اور درجہ جو قرآن شریف کو حاصل ہے وہ حدیث کو نہیں ہے۔ کیونکہ یہ روایت در روایت پہنچی

ہے:۔

اس بیان اور تقریر پر نیز اس تحریری پرچہ پر جو حضرت اقدس علیہ السلام سناتے تھے چاروں طرف سے واہ واہ کے اور سبحان اللہ کے نعرے بلند ہوتے تھے۔ بلکہ سعد اللہ اور مولوی محمد حسین صاحب کے سوا ان کی طرف کے لوگ بھی بے اختیار سبحان اللہ کہہ اٹھتے تھے۔ مولوی صاحب اس پر خفا ہوتے اور کہتے کہ لوگو تم سننے کو آئے ہو یا واہ وا سبحان اللہ کہنے کو آئے ہو۔ اس مباحثہ میں حضرت اقدس علیہ السلام نے حدیث اور قرآن شریف کے مقام پر سیر کن بحث کی ہے اور آئندہ کے لئے تمام بحثوں کا خاتمہ کر دیا ہے۔ چھ سات روز تک یہ مباحثہ حضرت اقدس علیہ السلام کے مکان پر ہوا۔ اب مولوی صاحب نے رنگ بدلا۔ اور کہا کہ اتنے روز تو آپ کے مکان پر مباحثہ رہا اب میری فرودگاہ (یعنی مولوی محمد حسن صاحب کے مکان) پر مباحثہ ہونا چاہئے۔ حضرت اقدس علیہ السلام نے یہ بھی منظور فرمالیا۔ اور باقی دنوں تک مولوی محمد حسن صاحب کے مکان پر مباحثہ رہا جب حضرت اقدس علیہ السلام وہاں تشریف لے جاتے تو میں حاضر ہو جاتا ورنہ مجھے بلوا لیتے۔ اس مباحثے میں مولوی محمد حسین صاحب نے بہت چالاکیاں کیں بلکہ ایک پرچہ بھی اڑا لیا جس کا مباحثے میں حوالہ دیا گیا ہے دس روز تک یہ مباحثہ رہا۔ آخر باہر سے خطوط آنے لگے اور لدھیانہ کے لوگوں نے بھی شور کیا۔ کہ اصل بحث تو وفات و حیات مسیحؑ پر ہونی چاہیے۔ حضرت اقدس علیہ السلام نے بھی بار بار فرمایا کہ مباحثہ تو وفات و حیات مسیحؑ میں ہونا ضروری ہے تاکہ سب مسائل کا یکدم فیصلہ ہو جاوے مگر مولوی صاحب اس مسئلہ کی طرف نہ آئے جب آخری روز مباحثہ کا آیا تو عیسائیوں مسلمانوں اور ہندوؤں کا بہت ہجوم ہو گیا۔ میں نواب علی محمد خاں آف جھجر کی کوٹھی پر تھا اور روانگی کا ارادہ کر رہا تھا حضرت اقدسؑ مولوی عبدالکریم صاحب اور منشی غلام قادر صاحب فصیح اور قاضی خواجہ علی صاحب اور الہ دین صاحب واعظ وغیرہ کے ہمراہ مولوی محمد حسن صاحب کے مکان پر تشریف لے گئے اور میرے پاس مولوی نظام الدین صاحب مرحوم اور مولوی عبداللہ صاحب مجتہد مرحوم کو بھیجا کہ جلد صاجزادہ سراج الحق صاحب کو لے آؤ۔ چونکہ مضمون میرے پاس تھا۔ اور میں نے رات بھر میں مضمون کی نقل کر لی تھی۔ اس واسطے اور بھی حضرت اقدسؑ کو میرا انتظار ہوا۔

جب میں آیا تو دروازہ بند پایا۔ دروازہ پر سینکڑوں آدمی تھے بمشکل تمام دروازہ مولوی نظام الدین صاحب مرحوم نے کھلوایا۔ میرے ساتھ سب آدمی اندر گھس گئے اور مولوی محمد حسن صاحب اور مولوی محمد حسین صاحب کا چہرہ زرد ہو گیا۔ مجھ سے مولوی محمد حسن صاحب نے کہا۔ کہ تم کیوں آ گئے؟ میں نے کہا ہم کیسے نہ آویں۔ کاتب مباحثہ میں ہوں۔ حضرت اقدس علیہ السلام نے

مضمون سنانے سے پہلے فرمایا - کہ مولوی صاحب اب یہ مباحثہ طول پکڑ گیا ہے - اس کی اب کوئی ضرورت نہیں - وفات و حیات مسیح علیہ السلام میں بحث ہونی مناسب ہے مگر مولوی صاحب کب ماننے والے تھے - جب حضرت اقدس علیہ السلام نے پرچہ سنانا شروع کیا تو مولوی صاحب کا چہرہ سیاہ پڑ گیا اور ایسی گھبراہٹ ہوئی اور اس قدر حواس باختہ ہوئے کہ نوٹ کرنے کے لئے جب قلم اٹھایا تو زمین پر قلم مارنے لگے دوات جوں کی توں رکھی رہ گئی اور قلم چند بار زمین پر مارنے سے ٹوٹ گیا اور جب یہ حدیث آئی کہ رسول اللہ ؐ نے فرمایا ہے کہ جو حدیث معارض قرآن ہو وہ چھوڑ دی جائے - اور قرآن کو لے لیا جائے تو اس پر مولوی محمد حسین صاحب کو نہایت غصہ آیا اور کہا یہ حدیث بخاری میں نہیں ہے - اور جو یہ حدیث بخاری میں ہو تو میری دونوں بیویوں پر طلاق ہے اس طلاق کے لفظ سے تمام لوگ ہنس پڑے اور مولوی صاحب کو مارے شرم کے اور کچھ نہ بن پڑا - اور بعد کو کئی روز تک لوگوں سے مولوی صاحب کہتے رہے کہ نہیں نہیں میری دونوں بیویوں پر طلاق نہیں پڑی - اور نہ میں نے طلاق کا نام لیا ہے - پہلے تو چند لوگوں کو اس کی خبر تھی لیکن اب مولوی صاحب ہی نے ہزاروں کو اس کی اطلاع کر دی [۱۶]

غرضکہ مولوی صاحب کو اس مباحثہ میں ہر لحاظ سے شکست ہوئی - مگر مولوی صاحب کی دیدہ دلیری کہ اپنی خفت مٹانے کے لئے انہوں نے یکم اگست ۱۸۹۱ء کو ایک لمبا چوڑا اشتہار شائع کیا جو ہر قسم کے مفتریات کا مجموعہ تھا - [۱۷]

کئی ماہ بعد جبکہ یہ مباحثہ شائع ہو چکا تھا - دلی میں ایک جلسہ منعقدہ ہوا - جس میں بہت سے علماء نے مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی پر زبردست تنقید کی کہ تم نے جو مرزا صاحب سے لدھیانہ میں مباحثہ کیا ہے اس میں تم نے کیا کیا اور کیا کر کے دکھایا اصل بحث تو کچھ بھی نہ ہوئی بٹالوی صاحب نے جواب دیا کہ اصل بحث کس طرح کرتا - اس کا پتہ ہی نہیں - قرآن شریف میں مسیحؑ کی حیات یا رفع الی السماء کا کوئی ذکر نہیں - حدیثوں سے صرف نزول ثابت ہوتا ہے میں مرزا صاحب کو حدیثوں پر لاتا تھا اور وہ مجھے قرآن کی طرف لے جاتے تھے - پھر ان علماء نے کہا کہ مرزا صاحب نے تو بحث چھاپ دی تم نے اب تک کیوں نہ چھاپی - بٹالوی صاحب نے کہا اشاعۃ السنہ میں چھاپوں گا - انہوں نے کہا اس بحث کو الگ رسالہ کی شکل میں مکمل کر کے چھپوانا تھا - اس طرح علماء نے انہیں بہت شرمندہ کیا - [۱۸]

میر عباس علی صاحب کا ارتداد

میر عباس علی صاحب بظاہر تو ابھی تک حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ساتھ ہی نظر آتے تھے مگر حقیقت یہ ہے کہ حضرت اقدس سے ان کی عقیدت سفر علی گڑھ کے دوران ہی میں روبہ تنزل ہو چکی تھی - اور وہ

لمحہ بہ لمحہ حضورؑ سے دور ہوتے جا رہے تھے- مباحثہ لدھیانہ کے دنوں میں مولوی محمد حسین صاحب کا جو پرچہ نقل کے بعد منگوایا جاتا تھا وہ لینے کے لئے میر صاحب ہی جاتے تھے اور بد قسمتی سے اس آمد و رفت نے ان کی رہی سہی عقیدت بھی ختم کر دی- بات یہ ہوئی کہ مولوی محمد حسین صاحب اور مولوی محمد حسن صاحب انہیں پھانسنے کے لئے بڑی خاطر تواضع کرتے اور جب جاتے تو سرو قد تعظیم کے لئے کھڑے ہو جاتے اور کہتے میر عباس علی صاحب تم تو سید ہو آل رسول ہو تمہارا تو وہ مرتبہ ہے کہ لوگ تم سے بیعت ہوں مگر افسوس تم مرزا کے مرید ہو گئے امام مہدی تو سیدوں میں سے ہو گا یہ مغل کہاں سے بن گیا یہ دونوں مولوی میر عباس علی صاحب کے ہاتھ چومتے اور دو ایک روپیہ نذرانہ بھی دیتے اور کہتے کہ تمہاری شان تو وہ ہے کہ تم درود میں شریک ہو مگر افسوس تم کس کے مرید ہو گئے میر عباس علی صاحب تو پہلے ہی منافقت آمیز رویہ اختیار کئے ہوئے تھے- اب جوان حیلہ گروں کی یہ ارادتمندی دیکھی تو باچھیں کھل گئیں- اعتقاد متزلزل ہو گیا اور ایمان کی دولت یکسر کھو بیٹھے- ایک روز وہ حضور کی خدمت میں آئے اور کہنے لگے کہ آپ نے ایسا دعویٰ کیا ہے کہ جس کی وجہ سے ہم کو شرمندہ ہونا پڑتا ہے حضرت اقدسؑ نے فرمایا- کہ میر صاحب میں نے جھوٹا دعویٰ نہیں کیا- اللہ تعالیٰ میری بات پر گواہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے مجھ کو مسیح موعود اور مہدی معہود کہا اور بنایا ہے اور میں اللہ تعالیٰ کو حاضر ناظر جان کر اور قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں خدا کی طرف سے ہوں اور سچا ہوں- کیا اتنے روز سے تم نے میرا کوئی جھوٹ سنا یا مجھ کو جھوٹ بولتے دیکھا یا میں نے کوئی افتراء کیا یا منصوبہ باندھا- میں مسیح موعود اور مہدی موعود ہوں- یہ تقریر سن کر حضرت مولانا نور الدینؓ پر ایسا اثر ہوا کہ ان پر وجد طاری ہو گیا- لیکن میر صاحب پر کوئی اثر نہ ہوا- [۱۹]

میر صاحب اس کے بعد روز بروز معاندانہ سرگرمیوں میں بڑھتے گئے یہاں تک کہ اسی سال ۱۲- دسمبر ۱۸۹۱ء کو انہوں نے ایک مخالفانہ اشتہار بھی شائع کیا جو ترک ادب اور تحقیر کے الفاظ سے بھرا ہوا تھا- حضرت مسیح موعودؑ نے آسمانی فیصلہ میں اس اشتہار کا گو جواب دیا مگر ان کے زمانہ عقیدت و اخلاص کو نظر انداز نہیں ہونے دیا- بلکہ اپنی جماعت کو ہدایت فرمائی کہ وہ ان کے حق میں دعا کریں اور میں بھی دعا کروں گا- نیز فرمایا- "یہ انسان کے تغیرات کا ایک نمونہ ہے کہ وہ شخص جس کے دل پر ہر وقت عظمت اور ہیبت سچی ارادت کی طاری رہتی تھی اور اپنے خطوط میں اس عاجز کی نسبت خلیفتہ اللہ فی الارض لکھا کرتا تھا- آج اس کی کیا حالت ہے پس خدا تعالیٰ سے ڈرو اور دعا کرتے رہو کہ وہ محض اپنے فضل سے تمہارے دلوں کو حق پر قائم رکھے اور لغزش سے بچاوے"-........ نیز فرمایا "مجھے اگرچہ میر عباس علی صاحب کی لغزش سے بہت رنج ہوا- لیکن پھر میں دیکھتا ہوں کہ جب کہ میں حضرت مسیح

علیہ السلام کے نمونہ پر آیا ہوں تو یہ بھی ضرور تھا کہ میرے بعض مدعیان اخلاص کے واقعات میں بھی وہ نمونہ ظاہر ہوتا...... یہ بات ظاہر ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام کے بعض خاص دوست جو ان کے ہم نوالہ وہم پیالہ تھے۔ جن کی تعریف میں وحی الٰہی بھی نازل ہو گئی تھی۔ آخر مسیحؑ سے منحرف ہو گئے تھے"۔ [۲۰]

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا سفر امرتسر اور لدھیانہ میں دوبارہ تشریف آوری

مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی نے شکست کھانے کے بعد اپنی ندامت چھپانے کے لئے لدھیانہ میں ایک شورش سی برپا کر دی۔ لدھیانہ کے ڈپٹی کمشنر صاحب کو اندیشہ ہوا کہ کہیں فساد نہ ہو جائے اس لئے ان کو لدھیانہ سے رخصت کر دینے کا حکم دیدیا۔ اس کام کے لئے ڈپٹی کمشنر صاحب نے ڈپٹی دلاور علی اور کریم بخش تھانہ دار کو مقرر کیا۔ ان لوگوں نے مولوی محمد حسین صاحب کو ڈپٹی کمشنر کا حکم سنایا اور وہ لدھیانہ سے چل دیئے۔ پھر وہ حضرت اقدسؑ کی طرف آئے اور سڑک پر کھڑے ہو کر اندر آنے کی اجازت چاہی حضرت اقدسؑ نے ان کو اجازت دے دی۔ اور اندر بلا لیا۔ وہ ڈپٹی کمشنر کا یہ پیغام لائے تھے کہ لدھیانہ میں فساد کا اندیشہ ہے بہتر ہے کہ آپ کچھ عرصہ کے لئے یہاں سے تشریف لے جائیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا کہ اب یہاں ہمارا کوئی کام نہیں ہے ہم جانے کو تیار ہیں لیکن سر دست ہم سفر نہیں کر سکتے کیونکہ بچوں کی طبیعت اچھی نہیں ہے انہوں نے کہا کہ خیر کوئی بات نہیں، ہم ڈپٹی کمشنر سے کہہ دیں گے اور ہمیں آپ کی ملاقات کا بہت شوق تھا سو شکر ہے کہ اس بہانہ سے زیارت ہو گئی۔ اس کے بعد حضرت صاحب اندرون خانہ تشریف لے گئے اور ایک چٹھی ڈپٹی کمشنر کے نام لکھ کر لائے۔ جس میں اپنے خاندانی حالات اور اپنی تعلیم وغیرہ کا ذکر فرمایا۔ اور بعض خاندانی خطوط کی نقول بھی منسلک فرما دیں۔

چٹھی کا انگریزی ترجمہ منشی غلام قادر صاحب فصیح نے کیا۔ [۲۱] دراصل ڈپٹی دلاور علی کو ڈپٹی کمشنر کا حکم سمجھنے میں غلطی ہو گئی تھی۔ ڈپٹی کمشنر صاحب کا منشاء صرف مولوی محمد حسین صاحب کے اخراج کا تھا۔ تاہم یہ چٹھی ارسال کرنے کے بعد حضرت اقدسؑ احتیاطاً لدھیانہ سے امرتسر تشریف لے آئے۔

اس سفر میں حضورؑ نے مفتی محمد صادق صاحب کو بھی ساتھ چلنے کی ہدایت کی۔ صبح کے وقت گاڑی

امرتسر کے سٹیشن پر پہنچی۔ شیخ نور احمد صاحبؓ مالک مطبع ریاض ہند سٹیشن پر موجود تھے انہوں نے فوراً ایک مکان کا انتظام کیا جو ہال بازار کے قریب غربی جانب کے راستوں میں سے ایک راستہ پر تھا۔ اور کنھیا لعل کے تھیٹر کے قریب ایک گلی میں چھوٹا سا مکان تھا۔ اوپر کے کمرے میں حضرت اقدس کے اہل بیت فروکش ہوئے اور خود حضور اپنے تین چار خادموں کے ساتھ نیچے ٹھہرے۔ امرتسر میں آپ کی آمد کا شہرہ ہو گیا۔ اور لوگ آپ کی زیارت کے لئے آنے لگے۔ امرتسر کے کسی معزز دوست نے حضرت مسیح موعودؑ اور آپ کے خدام کی دعوت بھی کی جس میں مولوی احمد اللہ صاحب بھی مدعو تھے۔ دعوت کی تقریب پر مولوی احمد اللہ صاحب نے حضرت اقدسؑ کے سامنے یہی مسئلہ پیش کیا کہ آپ کی بعض تحریروں سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آپ نبوت کا دعویٰ کرتے ہیں اس لئے لوگوں کو ٹھوکر لگتی ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس کی تشریح فرمائی کہ میری مراد نبوت سے کیا ہے جس پر مولوی صاحب نے عرض کیا اچھا آپ تحریر کر دیں کہ آپ کی تحریرات میں جہاں کہیں نبوت کا لفظ ہے وہ ایسا نہیں کہ جو ختم نبوت کے منافی ہو اور اس سے مراد محدثیت ہے۔ حضرت اقدسؑ نے فرمایا۔ کہ میں لکھے دیتا ہوں۔ چنانچہ اس وقت حضور نے ایک تحریر لکھ کر مولوی صاحب کو دے دی۔ جو انہوں نے اپنے پاس رکھ لی تا ان لوگوں کو دکھائیں جو اس وجہ سے حضرت اقدسؑ پر کفر کا فتویٰ لگاتے تھے۔ [۲۲]

مولوی احمد اللہ صاحب نے حضرت اقدسؑ سے یہ بھی دریافت کیا تھا کہ اہلحدیث آپ کا یہ شعر پیش کر کے آپ پر شرک کا الزام لگاتے ہیں کہ ؎

شان احمد را کہ داند جز خداوند کریم
آنچناں از خود جدا شد کز میاں افتاد میم

اس کا کیا مطلب ہے؟ حضرت اقدسؑ نے جواب دیا چونکہ آنحضرتؐ اللہ تعالیٰ کے مظہر اتم ہیں اس لئے جس طرح اللہ تعالیٰ خالق ہونے کے اعتبار سے "احد" ہے اسی طرح رسول کریم ﷺ اس کا مظہر اتم ہونے کے باعث تمام مخلوقات میں "احد" ہیں۔ [۲۳]

انہی دنوں ایک دفعہ بعض شریر لوگوں نے حضرت اقدسؑ کے مکان پر حملہ کر کے بالاخانہ پر چڑھنا چاہا۔ مگر آپؑ کے چند خدام نے بڑی ہمت سے سیڑھیوں میں کھڑے ہو کر ان شریروں کو روکا۔ اور بعد کو پولیس کے پہنچنے سے پہلے وہ منتشر ہو گئے۔

حضرت اقدسؑ کے امرت سر تشریف لانے کی خبر پر بعض اور احباب بھی مختلف شہروں سے پہنچ گئے۔ کپورتھلہ سے منشی محمد خاں صاحب اور منشی ظفر احمد صاحب بھی آ گئے اور بہت دنوں ٹھہرے رہے۔

حضورؑ کچھ دن امرتسر میں مقیم رہے۔ پھر لدھیانہ سے ڈپٹی کمشنر کی یہ چٹھی موصول ہونے پر کہ آپ کو لدھیانہ میں ٹھہرنے کے وہی حقوق حاصل ہیں جیسا کہ دیگر رعایا سرکار انگریزی کو حاصل ہیں۔ حضور لدھیانہ واپس تشریف لے گئے۔ جہاں کچھ عرصہ قیام فرما کر قادیان آ گئے۔ [۲۲]

حواشی

۱- "حیات احمد" جلد سوم حصہ اول صفحہ ۹۰-
۲- "تذکرۃ المہدی" حصہ اول صفحہ ۱۶۵-۱۶۶
۳- "تذکرۃ المہدی" حصہ اول صفحہ ۱۷۷-۱۸۱
۴- "تذکرۃ المہدی" حصہ اول صفحہ ۱۸۱-۱۸۳
۵'۶- "تذکرۃ المہدی" حصہ اول صفحہ ۱۸۴-۱۸۵- پیر سراج الحق صاحب نے ان کا نام مولوی رحیم بخش لکھا ہے جو سہو ہے کیونکہ "رجسٹر بیعت" میں ۱۸۹۱ء کے مبائعین میں لاہور کے عالم مولوی رحیم اللہ صاحبؓ کی بیعت کا ذکر ملتا ہے اور انہی کو حضور نے اپنے ۳۱۳ اصحاب میں نمبر ۱۳۴ پر شامل کیا ہے آپ انجام آتھم کی اشاعت سے قبل فوت ہو چکے تھے۔
۷- "رجسٹر بیعت" میں مولوی غلام نبی صاحبؓ کی تاریخ بیعت ۲۹- مئی ۱۸۹۱ء درج ہے (مرتب)
۸- تذکرۃ المہدی حصہ اول صفحہ ۱۸۹-۲۰۰ حضرت اقدسؑ نے مولوی صاحب کا ذکر خیر ازالہ اوہام صفحہ ۷۸۵-۷۸۶ طبع اول پر کرتے ہوئے لکھا ہے۔ "وہ دقیق فہم اور حقیقت شناس ہیں اور علوم عربیہ تازہ بتازہ ان کے سینہ میں موجود ہیں۔ اوائل میں مولوی صاحب موصوف سخت مخالف الرائے تھے.... لیکن آخر سعادت ازلی کشاں کشاں ان کو عاجز کے پاس لے آئی........ اور مخالفانہ خیالات سے توبہ کر کے سلسلہ بیعت میں داخل ہوئے"۔
۳۱۳ اصحاب کی فہرست میں حضرت اقدسؑ نے ان کا نام ۱۳۴ نمبر پر درج فرمایا۔ آپ بھی مولوی رحیم اللہ صاحبؓ لاہوری کی طرح انجام آتھم کی اشاعت سے قبل رحلت فرما چکے تھے۔
۹- اشاعۃ السنہ جلد ۱۳ نمبر ۲ میں تفصیل ملاحظہ ہو۔
۱۰- مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی نے مباحثہ لدھیانہ کے ایام میں یہاں تک کہہ ڈالا تھا کہ اگر قرآن سے مرزا صاحب کا دعویٰ ثابت ہو جائے تو میں قرآن ہی چھوڑ دونگا۔ (تذکرۃ المہدی حصہ اول صفحہ ۳۳۰)
۱۱- تذکرۃ المہدی حصہ اول صفحہ ۳۱۸-۳۲۳
۱۲- "روایات صحابہ" جلد اول صفحہ ۱۱۵-۱۱۶ غیر مطبوعہ (روایات حضرت میر عنایت علی صاحبؓ)
۱۳- سیرۃ المہدی حصہ سوم صفحہ ۵
۱۴- یہ حدیث بخاری باب مناقب عمر بن الخطاب مصری جلد ۲ صفحہ ۱۹۱ پر ہے۔
۱۵- سیرۃ المہدی حصہ سوم صفحہ ۵-۶
۱۶- خفیف سے تغیر کے ساتھ تذکرۃ المہدی حصہ اول صفحہ ۲۲۵-۲۳۲ سے ماخوذ۔
۱۷- تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو ازالہ اوہام حصہ دوم
۱۸- تذکرۃ المہدی حصہ اول ۳۵۶
۱۹- "تذکرۃ المہدی" حصہ اول صفحہ ۲۳۲-۲۳۵- الحکم ۱۴/۷- جون ۱۹۴۳ء صفحہ ۱۰
۲۰- "آسمانی فیصلہ"
۲۱- "سیرۃ المہدی" حصہ دوم صفحہ ۱۴۵-۱۴۶-
۲۲- "ذکر حبیب" از حضرت مفتی محمد صادق صاحبؓ صفحہ ۱۳-۱۴
۲۳- بدر ۲۱- نومبر ۱۹۰۲ء
۲۴- "ذکر حبیب" صفحہ ۱۸-۱۹ مرتبہ حضرت مفتی محمد صادق صاحبؓ۔

"ازالہ اوہام" کی تصنیف و اشاعت

لفظ توفی اور الدجال کے بارے میں ایک ہزار روپیہ کا انعامی اعلان

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام نے حضرت مسیح ناصری کی وفات اور اپنے دعویٰ کے ثبوت میں "ازالہ اوہام" کے نام سے ۱۸۹۱ء کے وسط میں ایک نہایت مدلل و مبسوط اور جامع و مانع کتاب شائع فرمائی۔

یہ تصنیف لطیف جو حضورؑ نے چند ہی ماہ کے قیام لدھیانہ میں لکھی تھی۔ آیات قرآنیہ واحادیث نبویہ کے رموز و اسرار اور حقائق و معارف کا ایک بحر زخار ہے۔ اس میں قرآن مجید کی تیس آیات بینات سے وفات حضرت مسیح کا ایسا ثبوت پیش کیا اور اپنے مسیح موعود ہونے کے ثبوت میں دلائل عقلیہ و نقلیہ کا اتنا ذخیرہ جمع کر دیا گیا ہے کہ خدا ترس حق پسند طالبان تحقیق کے لئے سر تسلیم جھکانے اور بے انصافوں کے لئے معقول جواب سے محروم رہ جانے کے سوا کوئی چارہ نہ رہا۔ حضرت مسیح کی وفات اور حضرت مسیح موعودؑ کے دعوے سے متعلق جو شکوک و شبہات اور وساوس و اوہام پیش کئے جاتے ہیں ان کا اس شان سے قلع قمع کیا گیا جس نے حقیقت کو آئینہ اور "ازالہ اوہام" کو اسم بامسمی بنا دیا۔ یہی وہ کتاب ہے جس میں حضرت اقدسؑ نے مسلمانان عالم کو یہ اہم وصیت فرمائی کہ "تم اپنے ان تمام مناظرات کا جو عیسائیوں سے تمہیں پیش آتے ہیں پہلو بدل لو اور عیسائیوں پر یہ ثابت کر دو کہ در حقیقت مسیح ابن مریم ہمیشہ کے لئے فوت ہو چکا ہے یہی ایک بحث ہے جس میں فتحیاب ہونے سے تم عیسائی مذہب کی روئے زمین سے صف لپیٹ دو گے"۔

حیات مسیح ناصریؑ کا عقیدہ جیسا کہ بعد کی تحقیقات سے معلوم ہوا عیسائیوں کی سازش کے تحت امت مسلمہ کے اعتقادات میں داخل ہوا تھا۔ [1] جسے پارہ پارہ کرنا مسیح محمدیؑ کے ذریعہ سے مقدر تھا۔ اس وقت تو علماء اور عامتہ المسلمین نے حضرت مسیح موعودؑ کی اس وصیت پر عمل پیرا ہونے کی بجائے احتجاج کیا اور اسے مسیح علیہ السلام کی ہتک سے تعبیر کیا۔ مگر رفتہ رفتہ خود زمانہ نے انہیں مجبور کر دیا کہ وہ

اس نظریے کا اعتراف کر لیں۔ چنانچہ ایک مدت سے ہر طرف اس کی تائید میں آوازیں بلند ہو رہی ہیں۔ ازہر یونیورسٹی کے پروفیسر محمود شلتوت ۲ شیخ الجامعہ الازہر اور عرب مصر شام فلسطین اور لبنان کے دیگر جید علماء مثلاً علامہ محمد عبدہ مفتی مصر، الشیخ عبدالقادر المغربی، الاستاذ مصطفیٰ المراغی، الاستاذ عبدالوہاب النجار، الاستاذ احمد محی الدین العجوز ۳ اور عبداللہ التیشاوی الغزی نے بھی مسیح کی وفات کا اعلان کر رکھا ہے اس سے بڑھ کر یہ کہ برصغیر ہندوپاکستان کی ان مخصوص جماعتوں کی طرف سے بھی جو محض جماعت احمدیہ کی مخالفت کا مقصد لے کر اٹھتی رہی ہیں گاہے گاہے حضرت مسیح کی وفات کا اعلان ہوتا رہتا ہے۔ ۴ مولانا ابوالکلام آزاد (۱۸۸۸-۱۹۵۸ء) ایسے بلند پایہ عالم بھی بالآخر یہ تسلیم کرنے پر مجبور ہوئے کہ (حیات مسیح کا) "عقیدہ اپنی نوعیت میں ہر اعتبار سے ایک مسیحی عقیدہ ہے اور اسلامی شکل ولباس میں نمودار ہوا ہے"۔ ۵ اس کے علاوہ حال ہی میں پاکستان کے ایک عالم مولانا عبدالقیوم ندوی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خطبات کا ترجمہ شائع کیا ہے جس میں انہوں نے بتایا ہے کہ حضرت مسیحؑ کے متعلق حدیث نبوی میں جو نازل ہونے کی پیشگوئی لکھی ہے اس کے معنے پیدا ہونے کے ہیں۔ ۶ اس حیرت انگیز تبدیلی کے نتیجہ میں بعض علماء کھلم کھلا اعتراف کر رہے ہیں کہ "ہماری قوم کی حالت زار کے مسیحا اسی نوخیز نسل کی صفوں سے جنم لیں گے"۔ ۷ یہ حضرت اقدسؑ کے علم کلام کی شاندار فتح ہے۔ لیکن بہرحال حضورؑ کی وصیت پر عمل پیرا ہونے اور آپ کے اس نظریہ سے حقیقی معنوں میں فائدہ اٹھانے کی توفیق جماعت احمدیہ ہی کو مل رہی ہے۔ جس کے عظیم الشان نتائج ایک عالم کے سامنے ہیں کہ عیسائیت ہر جگہ دم توڑ رہی ہے۔ اور اسلام کے روشن سورج کی ضیاء پاشیوں سے شرق و غرب بقعہ نور بنتے جاتے ہیں۔

مغرب سے آفتاب اسلام کے طلوع کی پیشگوئی

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پیشگوئی فرمائی تھی کہ آخری زمانہ میں سورج مغرب سے طلوع ہو گا۔ ۸ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے "ازالہ اوہام" میں بذریعہ کشف اس کی یہ تعبیر فرمائی کہ "ممالک مغربی جو قدیم سے ظلمت کفر و ضلالت میں ہیں آفتاب صداقت سے منور کئے جائیں گے اور ان کو اسلام سے حصہ ملے گا..... اور میری تحریریں ان لوگوں میں پھیلیں گی اور بہت سے راست باز انگریز صداقت کا شکار ہو جائینگے درحقیقت آج تک مغربی ملکوں کی مناسبت دینی سچائیوں کے ساتھ بہت کم رہی ہے۔ گویا خدا تعالیٰ نے دین کی عقل تمام ایشیا کو دے دی۔ اور دنیا کی عقل تمام یورپ اور امریکہ کو۔ نبیوں کا سلسلہ بھی اول سے آخر تک ایشیا کے ہی حصہ میں رہا۔ اور ولایت کے کمالات بھی انہیں لوگوں کو ملے۔ اب خدا تعالیٰ ان لوگوں پر نظر رحمت ڈالنا چاہتا ہے"۔ ۹

اس کشف کی یہ حیرت انگیز صداقت ہے کہ مغربی ممالک میں آج اللہ تعالیٰ کے فضل سے اسلام بڑی سرعت سے پھیل رہا ہے اور ان ممالک میں اسلام کی منظم تحریک قائم ہو چکی ہے۔ چنانچہ زمانہ حال کے ایک مسلمان محقق و مورخ شیخ محمد اکرام صاحب ایم۔ اے لکھتے ہیں۔ "احمدیہ جماعت کی تبلیغی کوششیں صرف انگلستان تک محدود نہیں بلکہ انہوں نے کئی دوسرے ممالک میں بھی اپنے تبلیغی مرکز کھولے ہیں۔ دنیا کے مسلمانوں میں سب سے پہلے احمدیوں اور قادیانیوں نے اس حقیقت کو پایا کہ اگرچہ آج اسلام کے سیاسی زوال کا زمانہ ہے لیکن عیسائی حکومتوں میں تبلیغ کی اجازت کی وجہ سے مسلمانوں کو ایک ایسا موقعہ بھی حاصل ہے جو مذہب کی تاریخ میں نیا ہے اور جس سے پورا پورا فائدہ اٹھانا چاہیے .... اب روز بروز برصغیر پاک و ہند کے مسلمان بھی اس خیال کے پابند ہوتے جاتے ہیں کہ اسلامی دنیا کی مصلحت اس میں نہیں کہ پاک و ہند کے مسلمان ترکی یا مصر یا کسی اور مختصر سے اسلامی ملک کے "تابع مہمل" بنے رہیں بلکہ اسلامی مصلحتوں کا تقاضا ہے کہ علمی اور تبلیغی بلکہ اقتصادی اور تمدنی امور میں بھی پاکستان اور ہندوستان کے مسلمان دنیائے اسلام یا کم از کم اسلامی ایشیا کی راہنمائی کریں۔ یہ خیال قوم کے مطمع نظر کو بلند کر کے ایک نئی روحانی زندگی کا باعث ہوگا۔ لیکن اس کے ایک حصے کی عملی تشکیل سب سے پہلے احمدیوں نے کی" [10]

فتنہ دجال کی حقیقت

احادیث میں زمانہ مسیح موعودؑ کی جو علامات لکھی ہیں۔ ان میں دجال [11] کے ظاہر ہونے کی خبر بڑی اہمیت رکھتی ہے حضورؑ نے "ازالہ وہام" میں اس خبر سے پردہ حقیقت اٹھا کر لکھا کہ قرآن مجید میں مغربی اقوام کے جس سیاسی فتنہ کو یاجوج و ماجوج کے نام سے یاد کیا گیا ہے حدیث میں اسی کے مذہبی پہلو کو دجال کہا گیا ہے جو عیسائیت ہے اور جس کا خروج حدیثوں کے مطابق گرجے سے ہونا مقدر تھا۔ اس طرح آپ نے موجودہ دنیا کے ایک خطرناک ترین فتنے کی نشان دہی کر کے عالم اسلام کو اس کی فتنہ سامانیوں سے بچنے کی دعوت دی اور یہ حقیقت ہے کہ نہ صرف مہدی و مسیح کی آمد سے متعلق نشانیوں کے پورے ہونے کا اقرار اب مسلم علماء کر رہے ہیں بلکہ دجال وغیرہ کے ظہور سے متعلق آپ کی توجیہ بھی مقبولیت حاصل کر رہی ہے۔ [12]

ایک عجیب انکشاف

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس کتاب میں قدیم نوشتوں اور اپنے الہامات کی بناء پر یہ عجیب انکشاف بھی فرمایا کہ ازل سے مقدر تھا کہ ہزار ہفتم کی راہنمائی کے لئے اللہ تعالیٰ ایک آدم موعود مبعوث کرے گا۔ اور وہ آدم میں ہوں۔ اس وقت اس خیال کا مذاق اڑایا گیا لیکن اب آثار قدیمہ سے خود حضرت آدم علیہ السلام کی یہ پیشگوئی بر آمد ہو گئی ہے کہ ساتویں ہزار میں ایک دوسرا آدم برپا ہو گا جو جلیل القدر نبی ہو گا۔ یہ پیشگوئی جو پتھر کے لوح پر

کندہ ہے حال ہی میں پروفیسر سمتھ کو اہرام مصر سے اتفاقاً دستیاب ہوئی ہے۔ [12]

توفی اور الدجال کے بارہ میں ایک ہزار روپیہ کا انعامی اشتہار

قرآن مجید نے وفات حضرت مسیح علیہ السلام کی خبر میں توفی [13] کا لفظ استعمال کیا ہے جس کے معنے محض قبض روح یا وفات دینے کے ہیں۔ لیکن چونکہ علمائے وقت آپ کے توجہ دلانے پر بھی توفی کے اسی لفظ سے جو حضرت مسیحؑ کی طبعی موت کا اعلان کر رہا تھا' ان کی جسمانی زندگی کا استدلال کر رہے تھے۔ لہذا حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے انہیں یہ زبردست انعامی چیلنج دیا کہ اگر کوئی قرآن کریم یا کسی حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا قدیم وجدید عربی لٹریچر سے یہ ثبوت پیش کرے کہ کسی جگہ توفی کا لفظ خدا تعالیٰ کا فعل ہونے کی حالت میں جو ذی روح کی نسبت استعمال کیا گیا ہے قبض روح اور وفات دینے کے علاوہ قبض جسم کے معنوں میں بھی مستعمل ہوا ہے تو میں اللہ جل شانہ کی قسم کھا کر اقرار صحیح شرعی کرتا ہوں کہ ایسے شخص کو مبلغ ہزار روپیہ نقد دوں گا۔ اور آئندہ اس کے کمالات حدیث دانی اور قرآن دانی کا اعتراف کر لوں گا۔ ایسا ہی اگر وہ یہ ثابت کر دیں کہ الدجال کا لفظ جو بخاری اور مسلم میں آیا ہے بجز دجال معہود کے کسی اور دجال کے لئے بھی استعمال کیا گیا ہے تو مجھے اس ذات کی قسم ہے جس کے ہاتھ میں میری جان ہے [14] کہ میں ایسے شخص کو بھی جس طرح ممکن ہو ہزار روپیہ نقد تاوان کے طور پر دوں گا۔ [15]

حضرت اقدسؑ کا یہ وہ عظیم الشان چیلنج ہے جسے قبول کرنے کی جرات آج تک کسی کو بھی نہیں ہو سکی۔

مسیح اور مہدی ایک ہیں

"ازالہ اوہام" کی تصنیف کے دوران میں حضرت اقدسؑ پر یہ بھی انکشاف ہوا کہ حدیثوں میں مسیح [16] اور مہدی کی آمد سے متعلق جو پیشگوئیاں موجود ہیں ان کا مصداق ایک ہی شخص ہے جو بعض اوصاف کے لحاظ سے مسیح ہوگا اور بعض اوصاف کے لحاظ سے مہدی۔ اور وہ مسیح و مہدی آپ ہی ہیں۔ چنانچہ آپ نے "ازالہ اوہام" میں بڑی وضاحت سے لکھا کہ یہ خیال بالکل فضول ہے کہ مسیحؑ ایسی عظیم الشان شخصیت کے ظہور کے وقت کسی اور مہدی کا آنا بھی تسلیم کیا جائے کیا وہ خود مہدی نہیں ہے؟ [17]

ایک عجیب واقعہ

"ازالہ اوہام" کی طباعت کے دوران میں شیخ نور احمد صاحب کو ایک عجیب واقعہ پیش آیا جو شیخ صاحب کے الفاظ میں درج ذیل ہے۔ کتاب "ازالہ اوہام" جب میرے مطبع میں چھپ رہی تھی تو حضور اس کا مسودہ لدھیانہ میں لکھتے تھے اور میرے پاس بھیجتے جاتے تھے۔ میں نے "ازالہ اوہام" میں جب یہ پڑھا کہ مردے زندہ ہو کر نہیں آتے اور نہ

حضرت مسیح نے کسی حقیقی مردہ کو زندہ کیا تو مجھے بظاہر قدیم عقیدہ کی بناء پر تعجب ہوا۔ کہ حضرت صاحب نے یہ بات کیسی لکھی۔ گو میں نے اس بات کو تسلیم تو کر لیا مگر کوئی دلیل میرے پاس نہ تھی.......... پس میں اسی وقت تحقیق کی نیت سے لدھیانہ حضرت صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا....... آپ شہزادہ غلام حیدر صاحب کے مکان پر تشریف رکھتے تھے۔ آپ نے مجھے دیکھتے ہی سلام مسنون کے بعد فرمایا کہ کتاب کی بڑی ضرورت تھی آپ کیوں چلے آئے؟ میں نے عرض کیا۔ مجھے ایک مسئلہ دریافت کرنا ہے وہ پوچھ کر آج ہی واپس چلا جاؤں گا چنانچہ میں نے عرض کیا حضور نے "ازالہ اوہام" میں تحریر فرمایا ہے کہ کوئی مردہ زندہ نہیں ہوا اور نہ حضرت مسیح ناصریؑ ہی نے کسی مردہ کو زندہ کیا اس کی حقیقت کیا ہے؟ اس پر آپ نے فرمایا کہ قرآن شریف پر تو ہر ایک مسلمان کا یقین اور ایمان ہے کہ یہ کامل کتاب ہے اور خدا کا کلام ہے۔ اگر کوئی مردہ زندہ ہوا ہوتا یا زندہ ہو سکتا تو قرآن کریم ورثہ اور ترکہ میں اس کا حق ضرور رکھتا۔ جیسا کہ زندوں کا حق رکھا ہے۔ اب نعوذ باللہ یا تو قرآنی تعلیم کو ناقص ماننا پڑے گا کہ جس نے مدت کے بعد زندہ ہونے والوں کا کوئی حق تسلیم نہیں کیا یا پھر یہ بات تسلیم کرنا پڑے گی کہ جسمانی طور پر مردے کبھی زندہ ہو کر واپس نہیں آتے۔ یہ جواب سن کر میری تسلی ہو گئی اور میں اسی روز امرتسر واپس آگیا۔ [۱۸]

سفر دلی

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام نے اپنے دعویٰ کی تبلیغ و اشاعت کے لئے دوسرا سفر ہندوستان کے قدیم دارالسلطنت اور مشہور علمی مرکز دلی کی طرف فرمایا۔ حضور مع ام المومنین و میر محمد اسمٰعیل صاحب وغیرہ قادیان سے روانہ ہو کر ۲۹۔ ستمبر ۱۸۹۱ء کو دلی پہنچے اور نواب لوہارو کی دو منزلہ کوٹھی واقع محلہ بلیماراں میں قیام فرما ہوئے۔ پہلی منزل میں مرد اور دوسری یعنی بالائی منزل میں حضرت ام المومنین مقیم ہوئیں۔ [۱۹] حضور کے دلی میں وارد ہوتے ہی چاروں طرف یہ خبر پھیل گئی۔ اہل دلی کے ایک طبقہ نے جو مخالف و متشدد علماء کے زیر اثر خطرناک غلط فہمیوں میں مبتلا تھا۔ خدا کے مسیحؑ سے ویسا ہی سلوک روا رکھا جیسا ماموران الٰہی کے ساتھ منکرین حق ابتداء سے کرتے چلے آئے ہیں۔ اور حضرت مسیح ناصری سے یہود نامسعود نے کیا تھا۔ حضور جس کوٹھی میں مقیم تھے اس کے نیچے بازار میں شوریدہ سر اور آتش مزاج لوگ نہایت بیباکی و خود سری سے گندی گالیاں دیتے اور کوٹھی پر خشت باری کرتے تھے۔ [۲۰]

سید نذیر حسین صاحب دہلوی اور مولوی عبدالحق صاحب کو مباحثہ کی دعوت

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے انہی حالات میں ۲- اکتوبر کو شیخ الکل مولوی سید نذیر حسین صاحب (۱۸۰۵ - ۱۹۰۲) اور شمس العلماء مولوی عبدالحق صاحب حقانی (۱۸۴۹-۱۹۱۶) کو بذریعہ اشتہار قرآن وحدیث صحیح سے وفات مسیحؑ پر تحریری بحث کی کھلی دعوت دی اور لکھا کہ امن قائم رکھنے کے لئے وہ خود سرکاری انتظام کرا دیں کیونکہ میں مسافر ہوں اور اپنی عزیز قوم کا مورد عتاب ۱۱ اشتہار میں آپ نے یہ حلفیہ اقرار بھی کیا کہ اگر میں اس بحث میں غلطی پر ثابت ہوا تو میں اپنے دعوے سے دست بردار ہو جاؤں گا۔ [۲۱]

شمس العلماء مولوی عبدالحق صاحب کی معذرت

اس اشتہار کے نکلنے پر مولوی عبدالحق صاحب حضرت اقدسؑ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور عرض کیا کہ "حضرت میں تو آپ کا بچہ ہوں۔ آپ میرے بزرگ ہیں آپ کا مقابلہ بھلا مجھ جیسا ناچیز آدمی کیا کر سکتا ہے۔ میرا نام اشتہار سے کاٹ دیں۔ میں ایک فقیر گوشہ نشین اور ایک زاویہ گزین درویش ہوں اور مباحثات سے مجھے کوئی سروکار نہیں ہے حضرت اقدسؑ نے فرمایا کہ اچھا آپ ہی اپنے ہاتھ سے کاٹ دیں۔ چنانچہ مولوی صاحب نے اپنے ہاتھ سے اپنا نام کاٹ دیا۔ [۲۲]

شیخ الکل مولوی سید نذیر حسین صاحب کا انکار

مولوی عبدالحق صاحب نے تو یوں پہلو بچایا ممکن تھا کہ مولوی نذیر حسین صاحب بھی خاموش رہتے۔ مگر حضرت اقدسؑ کی آمد سے ایک دن پہلے مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی پہنچ گئے۔ بٹالوی صاحب نے مولوی نذیر حسین صاحب کو اپنے متشدد خیالات سے متاثر کرنا شروع کیا۔ مولوی نذیر حسین صاحب نے ان سے ایک دفعہ کہا بھی کہ بڑھاپے میں مجھے رسوا نہ کرو اور اس قصے کو جانے ہی دو حضرت مسیحؑ کی جسمانی زندگی کا کہیں بھی ثبوت نہیں مل سکتا۔ لیکن مولوی محمد حسین صاحب نے ان سے کہا کہ اگر آپ ایسے کلمات زبان پر لائیں گے تو سب لوگ آپ سے پھر جائیں گے [۲۳]

شیخ الکل عمر رسیدہ تھے اپنے شاگرد کی زبان سے یہ سن کر خوفزدہ ہو گئے اور مجبوراً حضرت اقدسؑ کے مقابلے پر کمربستہ ہونا پڑا۔ اب مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی اور ان کے بعض دوسرے شاگردوں نے یہ شرارت کی کہ حضرت اقدس کو براہ راست کسی قسم کی کوئی اطلاع دئے بغیر مباحثے کا ایک دن مقرر کر لیا اور عین وقت پر حضرت اقدسؑ کے پاس آدمی بھیجا کہ مباحثے کے لئے تشریف

لائیے۔ اور ساتھ ہی دلی کے عوام کو بے بنیاد اتہامات سے مشتعل کر کے اسی دن آپ کی کوٹھی کا محاصرہ کرا دیا۔ حضرت اقدسؑ کے لئے اخلاقاً اس یکطرفہ جلسہ میں پہنچنا ضروری نہیں تھا۔ مگر پھر بھی حضور نے وہاں جانے کا فیصلہ کر لیا۔ لیکن عین جلسہ کے وقت جب مفسد لوگوں نے صورت حال ہی بدل دی۔ تو مجبوراً یہ حالت دیکھ کر حضور بالا خانے پر چلے گئے۔ ہجوم نے کواڑوں پر حملہ کر دیا اور کچھ لوگ مکان کے اندر بھی داخل ہو گئے اور نوبت یہاں تک پہنچی کہ بعض سرکش بالا خانے میں بھی پہنچ گئے۔ ان حالات میں حضرت اقدسؑ یہی جواب دے سکتے تھے۔ اور آپ نے یہی جواب دیا کہ خود بخود فریق ثانی کی منظوری اور شرائط کے تصفیہ کے بغیر مباحثہ کا اعلان کر دیا گیا ہے۔ اور مجھے عین وقت پر اطلاع دی گئی ہے اور مجھے تو اس صورت میں بھی انکار نہ ہوتا۔ مگر آپ کے شہر میں مخالفت کا یہ حال ہے کہ سینکڑوں بدلگام میرے مکان کے اردگرد شرارت کی نیت سے جمع ہیں اور ذمہ دار لوگ انہیں نہیں روکتے بلکہ اشتعال انگیز الفاظ کہہ کہہ کر الٹا جوش دلاتے ہیں۔ پس جب تک میں اپنے پیچھے اپنے مکان اور اپنے اہل و عیال کی حفاظت کا انتظام نہ کر لوں میں نہیں جا سکتا۔ اور علاوہ ازیں ابھی تک جائے مباحثہ اور راستہ میں بھی حفظ امن کا کوئی انتظام نہیں ہے [۲۴] شیخ الکل کے شاگرد فرار کے لئے کسی بہانہ کی تلاش میں تھے اب جو حضرت اقدسؑ کی طرف سے یہ جواب ملا تو انہوں نے آسمان سر پر اٹھا لیا۔ اور اپنی جھوٹی فتح کا نقارہ بجاتے ہوئے شور مچانے لگے کہ مرزا صاحب بھاگ گئے ہیں۔ ساتھ ہی یہ مشورہ بھی ہوا کہ آپ کے اشتہار چھپنا بند کر دو۔ یہ بڑی مشکل تھی مگر خدا تعالیٰ نے جلد ہی اس منصوبے کا تدارک بھی کر دیا۔

دلی میں ایک اہل حدیث عالم کی طرف سے ایک اشتہار نکلا کہ غلام احمد وغیرہ نام رکھنا شرک میں داخل ہے فتح پور کے ایک بڑے حنفی عالم مولوی محمد عثمان صاحب نے اس کے جواب میں ایک اشتہار شائع کیا کہ علماء اہلحدیث نے اس اشتہار میں دراصل ہم سب مقلدین پر طنز کی ہے کیونکہ ہمارے نام اس قسم کے ہیں۔ اور ہم ان ناموں کو جائز سمجھتے ہیں۔ پھر وہ خفیہ طور پر حضرت اقدس علیہ السلام کی ملاقات کے لئے حاضر ہوئے اور عرض کیا۔ اللہ تعالیٰ کی قسم ہے میں آپ سے ایسی محبت رکھتا ہوں جیسی اپنی جان سے۔ ان لوگوں نے بڑی شرارت کی ہے میں ان کے ساتھ شریک نہیں ہوں۔ گو میں آپ کو مسیح موعود نہیں مانتا مگر میں آپ کی طرف ہوں آپ جو اشتہار وغیرہ چھپوانا چاہیں میری معرفت چھپوائیں میرا ایک شاگرد عمدہ کاپی نویس ہے اور ایک مطبع والا میرا شاگرد ہے۔ میں اس کے مطبع میں چھپوا دوں گا۔ [۲۵] سو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے خدا ناترس علماء کی مغالطہ انگیزیوں کا پردہ چاک کرنے اور عوام تک اصل واقعات پہنچانے کے لئے ۱۷۔ اکتوبر کو انہی کے ذریعہ سے ایک اشتہار دیا کہ

میں نے اب حفاظت کا انتظام کر لیا ہے مولوی سید نذیر حسین صاحب جہاں چاہیں بحث کے لئے حاضر ہو جاؤں گا اور ہرگز تخلف نہ کروں گا۔ وَلَعْنَۃُ اللّٰہِ عَلٰی مَنْ تَخَلَّفَ۔ اس اشتہار میں حضور نے مولوی نذیر حسین صاحب کو اللہ تعالیٰ کی قسم دے کر لکھا کہ وہ مرد میدان بنیں اور حیات مسیح کے متعلق تحریری مباحثہ کر لیں۔ اس اشتہار میں حضور نے یہ بھی تجویز پیش کی کہ اگر آپ کسی طرح بحث کرنا نہیں چاہتے تو ایک مجلس میں میرے تمام دلائل سن کر تین مرتبہ قسم کھا کر کہدیں کہ یہ دلائل صحیح نہیں ہیں اور صحیح اور یقینی امر یہی ہے کہ حضرت مسیحؑ ابن مریم زندہ بجسدہ العنصری آسمان کی طرف اٹھائے گئے ہیں اور یہی میرا عقیدہ ہے اس پر اگر ایک سال کے اندر اندر آپ خدا کے عبرتناک عذاب سے بچ نکلیں تو میں جھوٹا ہوں۔ [۲۶]

مولوی نذیر حسین صاحب نے چند روز قبل (۱۳۔ اکتوبر ۱۸۹۱ء) حضرت اقدس کی خدمت میں لکھا تھا کہ آئندہ آپ مجھے خط و کتابت سے معاف رکھیں جو کچھ کہنا ہو میرے تلامذہ مولوی عبدالمجید صاحب اور مولوی محمد حسین بٹالوی صاحب سے کہیں اور انہی سے جواب لیں۔ [۲۷] حضرت اقدسؑ نے اس کے جواب میں فرمایا کہ آپ بقول بٹالوی صاحب شیخ الکل ہیں۔ گویا آپ سارے جہان کے مقتدا ہیں اور بٹالوی صاحب اور عبدالمجید صاحب جیسے آپ کے ہزاروں شاگرد ہوں گے۔ اگر بٹالوی صاحب کو ایک مرتبہ نہیں ہزار مرتبہ ساکت کر دیا جائے تو اس کا کیا اثر ہو گا۔ [۲۸]

اس اشتہار کے شائع ہوتے ہی دلی والوں میں کھلبلی مچ گئی۔ آخر انہوں نے بات یہ بنائی کہ مولوی نذیر حسین صاحب بہت بوڑھے ہیں۔ مرزا صاحب نے دیکھ لیا کہ اب مرنے والے تو ہیں ہی چلو ایسا اشتہار دے دو یہ مر جائیں گے اور ہماری بات بن جائے گی ہم یہ بات تسلیم نہیں کرتے اور نہ مولوی نذیر حسین صاحب یہ بات مان سکتے ہیں۔ مگر دلی کے شریف اور متین طبقے نے ان کی یہ روش دیکھ کر زور دینا شروع کیا کہ مولوی نذیر حسین صاحب قسم کھائیں۔ سچ اور جھوٹ میں واقعی تمیز ہو جائے گی۔ [۲۹] چنانچہ فیصلہ ہوا کہ ۲۰۔ اکتوبر ۱۸۹۱ء کو عصر کی نماز کے بعد مباحثہ ہو یا قسم اٹھائی جائے۔ جو لوگ دیانتداری سے حق و باطل کا فیصلہ چاہتے تھے وہ اس دن کا بشدت انتظار کرنے لگے۔ لیکن مخالف عنصر نے جس کی تعداد زیادہ تھی یہ فیصلہ کیا کہ آپ کو مسجد ہی میں قتل کر دینا چاہیے۔ [۳۰]

جامع مسجد دلی میں اجتماع

چنانچہ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کو ۲۰۔ اکتوبر کی صبح ہی سے یہ پیغام آنے لگے کہ آپ جامع مسجد میں ہرگز نہ جائیں فساد کا اندیشہ ہے۔ دلی کے لوگ آپ کے قتل کے درپے ہیں۔ یہ بات بالکل صحیح تھی۔ مگر حضرت اقدس علیہ السلام بار بار فرماتے تھے کہ کوئی پروا نہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے واللہ

یعصمک من الناس۔ اللہ تعالیٰ کی حفاظت کافی ہے۔ [۲۱]

ظہر و عصر کی نماز ظہر کے وقت ہی جمع کی گئی۔ اور دو تین بگھیاں کرایہ کی منگائی گئیں۔ ایک بگھی میں حضرت اقدس علیہ السلام، سید امیر علی شاہ صاحب، مولوی عبدالکریم صاحب سیالکوٹی اور ایک اور بزرگ۔ ایک بگھی میں پیر سراج الحق صاحب۔ غلام قادر صاحب فصیح سیالکوٹی اور محمد خاں صاحب کپور تھلوی اور ایک اور بزرگ اور تیسری میں حکیم فضل دین [۲۲] صاحب بھیروی اور بعض اور بزرگ بیٹھ گئے جن سب کی تعداد حضرت مسیح ناصری علیہ السلام کے حواریوں کی مانند بارہ تھی ان بزرگوں میں سے باقی چھ کے نام یہ ہیں۔ شیخ رحمت اللہ صاحب۔ منشی اروڑا خان صاحب۔ حافظ حامد علی صاحب۔ میر محمد سعید صاحب (حضرت میر ناصر نواب صاحب کے بھانجے) سید تفضیلت علی صاحب منشی ظفر احمد صاحب کپور تھلوی۔ [۲۳] راستے میں کئی بدبخت گھات میں بیٹھ گئے کہ بندوق سے حضور پر فائر کر دیں۔ لیکن خدا تعالیٰ کی قدرت!! کہ جس راہ سے حضرت اقدسؑ اور آپ کے خدام کو جانا تھا بگھی والوں نے کہا کہ ہم اس راہ سے نہیں جائیں گے۔ گویا خدا تعالیٰ نے اپنی حکمت سے بگھی والوں کے دل میں مخالفت ڈال دی اور بفضلہ تعالیٰ حضور بخیریت مسجد جامع کے جنوبی دروازہ کی سیڑھیوں تک پہنچ کر جو آدمیوں سے بھری ہوئی تھیں۔ گاڑی سے باہر تشریف لائے۔ خدام کچھ حضور کے دائیں بائیں ہو گئے اور کچھ عقب میں اور حضور نہایت متانت و وقار سے سیڑھیاں طے فرما کر دروازہ مسجد کے اندر داخل ہوئے۔ اور صحن مسجد سے گذر کر وسطی محراب مسجد میں رونق افروز ہو گئے۔ مسجد میں بھی ہزاروں کا مجمع تھا۔ جس کی تعداد اس ہجوم کی تعداد کو جو سیڑھیوں پر تھا شامل کر کے پانچ ہزار [۲۴] یا اس سے بھی زیادہ ہو گی۔ حضورؑ کے دائیں بائیں حضرت مولوی عبدالکریم صاحب اور حضرت منشی ظفر احمد صاحب وغیرہ بیٹھے اور سامنے حضرت پیر سراج الحق صاحب اور قریب ہی کتب متعلقہ مباحثہ رکھ دی گئی تھیں۔ اس اثنا میں یوروپین سپرنٹنڈنٹ پولیس اپنے ہمراہ انسپکٹر پولیس اور ایک سو سے زیادہ وردی پہنے ہوئے سپاہیوں کو لے کر آگیا۔ اور حضرت اقدسؑ کو مع خدام حلقہ میں لے لیا۔ تھوڑے وقفہ کے بعد شیخ الکل جناب مولوی سید نذیر حسین صاحب اور انکے شاگرد ابو سعید مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی اور مولوی عبدالمجید صاحب انصاری دہلوی وغیرہ علماء مسجد کے شمالی دروازے سے داخل ہو کر اسی دالان میں بیٹھ گئے جس کا سلسلہ دروازے کے اندر قدم رکھتے ہی شروع ہو جاتا ہے۔ تھوڑی دیر کے بعد ان لوگوں نے مسجد میں آکر نماز عصر ادا کی اور پھر اسی دالان میں جہاں پہلے بیٹھے تھے چلے گئے۔ حضرت اقدسؑ کی طرف جو مع خدام مسجد میں تشریف رکھتے تھے نہ آئے۔

اب مولوی عبدالمجید صاحب انصاری وغیرہ جن میں مولوی محمد حسین بٹالوی شامل نہیں تھے اپنی

اپنی جگہ سے اٹھے اور باقی علماء کے نمائندے بن کر پولیس افسر جو دالان کے باہر قریب ہی موجود تھا باتیں کرنے لگے۔ [۲۵] مولوی سید نذیر حسین صاحب اپنی جگہ خاموش بیٹھے تھے اور ان کے چہرے سے سخت پریشانی کے آثار ظاہر ہو رہے تھے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے جناب مولوی محمد نذیر حسین صاحب کو ایک رقعہ لکھا جس کا مضمون یہ تھا کہ میں موجود ہوں اب آپ جیسا کہ اشتہار ۱۷۔ اکتوبر ۱۸۹۱ء میں میری طرف سے شائع ہو چکا ہے حیات و وفات مسیح کے بارے میں مجھ سے بحث کریں اور اگر بحث سے عاجز ہیں تو یہ قسم کھالیں کہ میرے نزدیک مسیح ابن مریمؑ کا زندہ بجسد عنصری آسمان پر اٹھایا جانا قرآن و حدیث کے نصوص صریحہ قطعیہ بینہ سے ثابت ہے اس قسم کے بعد اگر ایک سال تک آپ اس جھوٹے حلف کے اثر بد سے محفوظ رہے تو میں آپ کے ہاتھ پر توبہ کروں گا بلکہ اس مضمون کی تمام کتابیں جلا دوں گا۔

مولوی صاحب موصوف نے حضرت اقدسؑ کے رقعہ کا تو کوئی جواب نہ دیا۔ ہاں اپنے نمائندے کے ذریعہ سے پولیس افسر تک مباحثہ نہ کرنے کا یہ عذر پہنچا دیا کہ یہ شخص عقائد اسلام سے منحرف ہے جب تک اپنے عقائد کا ہم سے تصفیہ نہ کر لے ہم حیات و وفات مسیح علیہ السلام کے بارہ میں اس سے ہرگز بحث نہ کریں گے۔

حضرت اقدسؑ نے سپرنٹنڈنٹ پولیس کو اس کے استفسار پر یہ جواب دیا کہ یہ ان (مولوی نذیر حسین صاحب) کے فہم کا قصور ہے۔ ورنہ میرے تمام عقیدے اہل سنت و جماعت کے بنیادی عقائد کے بالکل مطابق ہیں ان سے انکار کرنے والے کو میں دائرہ اسلام سے خارج سمجھتا ہوں اس صورت میں ان تمام عقائد مسلمہ میں بحث کیا کروں بحث تو اختلاف کی صورت میں ہوتی ہے نہ اتفاق کی حالت میں۔ پس اصل اختلافی مسئلہ حضرت مسیحؑ کی حیات و وفات ہے لیکن مولوی نذیر حسین صاحب اور ان کے شاگرد اپنی ضد پر اڑے رہے اور اس بحث سے بار بار انکار کرتے رہے۔ [۲۶]

پھر قسم کے بارے میں گفتگو ہوئی اس سے بھی ان لوگوں نے انکار کیا اور کہا کہ مولوی صاحب بوڑھے اور ضعیف ہیں ہم نہ قسم کھائیں اور نہ اس پر مولوی صاحب کو آمادہ کریں۔ [۲۷] ان کے اس قسم کے عذرات سن کر خواجہ محمد یوسف صاحب وکیل اور آنریری مجسٹریٹ علی گڑھ حضرت اقدسؑ کی طرف متوجہ ہوئے اور عرض کیا کہ آپ اپنے عقائد لکھ دیں۔ لوگوں کا گمان ہے کہ آپ کے عقائد خلاف اسلام ہیں۔ آپ کا لکھا ہوا میں سنا دوں گا۔ اور ایک نقل اس کی علی گڑھ بھی لے جاؤں گا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اسی وقت اپنے عقائد سے متعلق ایک بیان لکھ کر انہیں دے دیا۔ جو خواجہ محمد یوسف صاحب نے بلند آواز سے پڑھ کر سنا دیا۔ اور پھر اس بات پر زور دیا کہ جب ان عقائد

میں در حقیقت کوئی نزاع ہی نہیں فریقین بالاتفاق مانتے ہیں تو پھر ان میں بحث کیونکر ہو سکتی ہے؟ بحث کے لائق تو وہ مسئلہ ہے جس میں فریقین اختلاف رکھتے ہیں یعنی وفات و حیات مسیحؑ کا مسئلہ ۔ جس کے طے ہونے سے سارا فیصلہ ہو جاتا ہے بلکہ حیات مسیح کے ثبوت کی صورت میں مسیح موعود ہونے کا دعویٰ ساتھ ہی باطل ہو جاتا ہے ۔ اور بار بار حضرت اقدسؑ کا نام لے کر کہا کہ انہوں نے خود وعدہ کر لیا ہے کہ اگر نصوص بینہ قرآن و حدیث سے حیات مسیحؑ ثابت ہو گئی تو میں مسیح موعود ہونے کے دعوے سے دست بردار ہو جاؤں گا ۔ الغرض خواجہ صاحب نے بہت کوشش کی کہ علماء اس مسئلہ کی طرف آئیں ۔ مگر علماء کو تو اس مسئلہ میں بحث منظور ہی نہیں تھی وہ کیوں اس طرف آتے ۔ انہوں نے صاف انکار کر دیا ۔ اس وقت ایک شخص نے کھڑے ہو کر بڑے درد سے کہا کہ آج تو شیخ الکل صاحب نے دہلی کی عزت خاک میں ملا دی اور ہمیں خجالت کے دریا میں ڈبو دیا ۔ بعض نے کہا کہ اگر ہمارا یہ مولوی سچ پر ہوتا تو اس شخص سے ضرور بحث کرتا ۔ یہ تو نزدیک والوں کے خیالات تھے لیکن جو نادان اور جاہل دور کھڑے تھے اور جنہیں معلوم نہیں تھا کہ کیا ہو رہا ہے وہ مشتعل ہو گئے ۔ [۲۸] اور اپنے خونی پروگرام کی تکمیل کے لئے آمادہ ہونے لگے ۔ پولیس افسر نے یہ دیکھ کر کہ اب فساد ہوا چاہتا ہے اپنے ماتحت افسر کو حکم دیا کہ مجمع منتشر کر دو ۔ چنانچہ اعلان کر دیا گیا کہ کوئی مباحثہ نہیں ہو گا ۔ سب چلے جائیں ۔ اس اعلان پر حضرت اقدسؑ نے اٹھنے کا قصد فرمایا مگر منشی ظفر احمد صاحب کے یہ عرض کرنے پر کہ مولوی نذیر حسین صاحب وغیرہ بھی تو رخصت ہوں رک گئے بحالیکہ مولوی صاحب موصوف اور ان کے رفقاء اسی دالان میں بیٹھے تھے جس میں دروازہ ہے ۔ اس لئے وہ چلے جانے کا اعلان ہوتے ہی دروازے سے باہر ہو گئے تھے یہ معلوم ہونے پر حضرت اقدسؑ بھی مع خدام اٹھے ۔ صاحب سپرنٹنڈنٹ پولیس حضور کے ہمراہ تھے ۔ حضور کے بارہ خادموں نے حضور کے گرد حلقہ کر لیا ۔ اور ان کے گرد پولیس کے جوانوں نے ۔ بگھیوں کا دو طرفہ کرایہ ادا کر دیا گیا تھا لیکن باہر آکر معلوم ہوا کہ ایک بگھی بھی موجود نہیں ہے ۔ کیونکہ ایذا رساں بگھی والوں کو بہکا کر پہلے ہی بھگا چکے تھے ۔ اور دوسری تمام بگھیاں وغیرہ مسجد کی سیڑھیوں تک آنے سے روک دی گئی تھیں ۔ حضرت اقدسؑ کو مع خدام کچھ دیر اس انتظار میں رکنا پڑا کہ کوئی بگھی یا گاڑی آجائے ۔ شوریدہ سروں نے جو حضرت اقدسؑ کو دیکھا تو حضورؑ کی طرف بڑھنا شروع کیا ۔ صاحب سپرنٹنڈنٹ پولیس نے یہ رنگ دیکھا تو حضورؑ سے کہا ان لوگوں کا ارادہ ٹھیک نہیں ہے ۔ آپ میری گاڑی میں تشریف لے جائیں حضور مسجد کی سیڑھیوں سے اتر کر اس گاڑی میں بیٹھ گئے تو صاحب سپرنٹنڈنٹ پولیس نے کوچ مین سے کہا کہ جہاں تک جلد ممکن ہو گاڑی کو کوٹھی میں پہنچاؤ ۔ حضورؑ کے تشریف لے جانے پر لوگوں نے حضور کے خدام سے بحث کرنی چاہی ۔ چونکہ وہ موقع

ایسا نہیں تھا اس لئے اعراض کیا گیا۔

جب تک حضرت اقدسؑ کو کوٹھی پر پہنچا کر گاڑی واپس نہیں آگئی صاحب سپرنٹنڈنٹ پولیس مسجد کی سیڑھیوں پر ٹھہرے رہے۔ اس کے بعد حضورؑ کے خدام روانہ ہوئے تو یہ فرض شناس پولیس افسر لوگوں کو منتشر کرتا رہا۔ آخر سب خدام بھی بخیرت حضورؑ کی خدمت میں پہنچ گئے۔ [۲۹]

دہلی کے ہر طبقے کی طرف سے مخالفت

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کے خلاف اہل دلی کے بعض طبقات میں سے حق پسندی و منصف مزاجی سے تعلق نہ رکھنے اور اپنے معتقدات کے خلاف کچھ سنتے ہی بھڑک اٹھنے والے تو ابتداء ہی سے خلاف انسانیت حرکات میں مشغول تھے لیکن مسجد جامع کے واقعہ نے ان طبقات کے آشفتہ دماغ آتش مزاج اشخاص کو بھی ان کی قیام گاہوں سے نکال کر میدان مخالفت میں کھڑا کر دیا۔ جو اب تک پہلے مخالفت کرنے والوں کے ساتھ شامل نہیں تھے۔ بحالیکہ مخالفت کی کوئی معقول وجہ نہ تو پہلے موجود تھی نہ اب۔ اور اب تو وہ یہ بھی دیکھ چکے تھے۔ کہ جس مسئلہ پر بحث کے لئے اور بحث نہ کرنے کی صورت میں قسم کھا کر دلائل وفات مسیحؑ کو غلط اور اپنے عقیدہ حیات مسیحؑ کو صحیح قرار دینے کا مولوی محمد نذیر حسین صاحب سے مطالبہ کیا گیا تھا۔ وہ انہوں نے پورا نہیں کیا ہے یعنی نہ تو مسئلہ مذکورہ میں بحث کی ہے اور نہ حسب مطالبہ قسم کھائی ہے۔ اس حالت میں حضرت اقدسؑ کے خلاف جوش و خروش کی توان کے لئے کوئی گنجائش ہی نہیں تھی اپنے شیخ الکل پر غصہ کرنے یا کم از کم ان کی اس حالت پر کہ نہ انہوں نے بحث کی ہے اور نہ مطالبہ قسم پورا کیا ہے متاسف ہونے کا موقعہ تھا۔ اگر وہ اس امر پر ایک طالب تحقیق کی طرح غور کرتے کہ مولوی سید نذیر حسین صاحب جیسے شہرہ آفاق عالم نے مسئلہ حیات و وفات مسیحؑ میں بحث کیوں نہیں کی اور بحث نہ کر سکنے کی حالت میں حسب مطالبہ قسم کیوں نہ کھائی عقیدہ حیات مسیحؑ کی حقیقت ان سے مخفی نہ رہتی۔ اور ان کی سمجھ میں آجاتا کہ جب شیخ الکل نے اس مسئلہ میں بحث نہیں کی اور حسب مطالبہ قسم نہیں کھائی تو ہمارے شور مخالفت برپا کرنے سے کیا ہاتھ آئے گا اور اس سے حیات مسیحؑ کا عقیدہ کس طرح صحیح ثابت ہو جائے اس اختلافی مسئلہ کی صحت و عدم صحت معلوم کرنے کا ذریعہ تو از روئے آیات قرآنیہ و احادیث صحیحہ مبادلہ خیالات ہی ہے نہ اختلاف رکھنے والے کے خلاف شور و غوغا اور طوفان مزخرفات اور یہ سمجھ کر وہ اپنے ہنگامہ بے جا و حرکات ناروا سے باز آجاتے۔ لیکن چونکہ وہ مخالف علماء کے لگائے ہوئے غلط الزاموں اور باطل اتہاموں سے اتنے متاثر و مشتعل ہو چکے تھے کہ ان میں حضرت اقدسؑ کے خلاف ہنگامے برپا کرنے اور اشتعال پھیلانے کے سوا کسی اور امر کی طرف توجہ کرنے کی صلاحیت ہی نہیں رہی تھی۔ اس لئے وہ مخالفت ہی میں سرگرم

رہے اور یہ مخالفت خاص خاص طبقات کے شورش پسند افراد تک محدود نہ رہی بلکہ اس نے پیروں فقیروں اور مغربیت زدہ وغیرہ گروہوں کے افراد کو بھی اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ اور پہلے پچھلے دونوں قسم کے مخالف اپنی اپنی مناسبت طبع اور ذوق فطری کے مطابق جو ہر دنائت و سفاہت کا مظاہرہ کرنے اور شرافت و انسانیت کو شرمانے لگے اس موقعہ پر ان کی کارستانیوں اور کرتوتوں کی بہت سی گوناگوں مثالوں میں سے صرف ایک ہلکی سی مثال پیش کی جاتی ہے۔ اور یہ مثال ہے بھی ان کی جو مشہور صحافی بھی ہیں اور بہت سی کتابوں کے مولف و مصنف بھی اور جنہوں نے قرآن شریف اور بخاری شریف کا ترجمہ بھی کیا ہے اور جن کا نام ہے مولوی امراء مرزا صاحب حیرت دہلوی (۱۸۵۸ - ۱۹۲۸) آپ مغربیت کے دلدادہ، اور اس پر فخر کرنے والے بھی تھے۔ اور زمرہ علماء میں سے ہونے کا غرہ رکھنے والے بھی۔ آپ نے بعض اور علماء کے مشورہ سے اس مضمون کا ایک اشتہار چھپوایا۔ کہ اصل مسیحؑ میں ہوں جو آسمان سے اترا ہوں اور دلی میں دجال آیا ہوا ہے اور آپ یہ اشتہار لے کر فتح گڑھ کے منار پر چڑھ گئے اور وہاں سے یہ اشتہار پھینکنے لگے۔ حضرت اقدسؑ نے حیرت صاحب کی اس سفلہ خوئی پر اشتہار مورخہ ۲۳۔ اکتوبر ۱۸۹۱ء میں دلی والوں کو بڑی شرم دلائی ہے۔ پھر یہی مرزا حیرت صاحب ایک روز پولیس افسر بن کر حضرت اقدسؑ کے پاس آئے اور کہا میں سپرنٹنڈنٹ پولیس ہوں۔ اور مجھے ہدایت ہوئی ہے کہ میں آپ سے دریافت کروں کہ آپ کس غرض کے لئے آئے ہیں اور کس قدر عرصہ ٹھہریں گے۔ اور اگر کوئی فساد ہو تو اس کا ذمہ دار کون ہے۔ آپ مجھے اپنا بیان لکھوا دیں بلکہ یہاں تک کہا کہ سرکار سے حکم ہوا ہے کہ یہاں سے فوراً چلے جاؤ ورنہ تمہارے حق میں اچھا نہیں ہو گا۔ حضرت اقدسؑ نے مرزا حیرت کی طرف ذرہ بھی التفات نہ کیا۔ صرف سید امیر علی شاہ صاحب نے جو اہلکار پولیس تھے ان سے کچھ دریافت کرنا چاہا۔ تو وہ گھبرائے اور اپنا بھرم کھلتا دیکھ کر چلتے بنے۔ [۶۰]

اس مثال سے قیاس ہو سکتا ہے کہ جو شخص بہت سی کتابوں کا مصنف و مولف ہو اور قرآن کریم اور بخاری شریف کے مترجم ہونے کا حوصلہ رکھنے والا بھی ہو جوش مخالفت میں ایسی ذلیل و شرمناک حرکتوں سے باز نہ رہ سکا تو اسی جیسا علم اور دل و دماغ رکھنے والوں اور پھر عوام کالانعام کا کیا حال ہو گا۔

اللہ تعالیٰ کی مخلوق کے طبائع کا فرق بھی کتنا عجیب ہے جہاں دلی کے ہزاروں آتش مزاجوں اور شورش پسندوں میں سے کسی ایک کو بھی یہ خیال نہ ہوا کہ مطالبہ تو مسئلہ حیات و وفات حضرت مسیح علیہ السلام میں مباحثہ کا ہے اور وہ پورا ہو سکتا ہے مولوی سید نذیر حسین صاحب کے مسئلہ مذکورہ میں مباحثہ کر لینے یا نہ کر سکنے کی حالت میں حسب مطالبہ قسم کھا لینے سے ہماری زشت کاریوں اور خشت باریوں اور تمسخر و استہزاء وغیرہ سے وہ کس طرح پورا ہو جائیگا وہاں دلی ہی کے شریف و شائستہ متین و

سنجیدہ اور امن پسند لوگوں کو ابتداء ہی سے یہ خیال تھا۔ کہ ایک معزز شخص اپنے چند عقیدت مندوں کو ساتھ لے کر ہندوستان کے قدیمی دار السلطنت اور مشہور علمی مرکز دلی میں وارد ہوا ہے اور اس نے علمی لحاظ سے اس شہر کی عظیم شخصیت سے مسئلہ حیات و وفات حضرت مسیحؑ میں مباحثہ کا مطالبہ کیا ہے اور ساتھ ہی یہ اقرار بھی شائع کر دیا ہے کہ اگر از روئے آیات قرآنیہ و احادیث صحیحہ حیات حضرت مسیحؑ ثابت کر دی گئی تو اس نے وفات حضرت مسیحؑ کے ثبوت میں جو کتابیں لکھی ہیں وہ جلا دے گا۔ اور حیات حضرت مسیحؑ ثابت کرنے والے کے ہاتھ پر بیعت کر لے گا۔

کیا انصافاً یہ مطالبہ ایسا ہے جو اینٹ پتھر گالی گلوچ اور تمسخر و استہزاء یا اسی قسم کی اور حرکات بے جا و ناروا کے ذریعہ ٹال دیا جائے ظاہر ہے کہ یہ مطالبہ ہرگز ایسا نہیں بلکہ یہ تو ایسا مطالبہ ہے جس کا پورا کیا جانا اشد ضروری ہے اور مسئلہ متنازعہ حیات و وفات مسیحؑ میں ضرور مباحثہ ہونا چاہیے۔ لیکن اگر ایسا نہ ہوا اور طالب مباحثہ کی جائے قیام پر یورش اور کواڑ توڑ کر اندر گھسنے اور حسب حوصلہ دل کی بھڑاس نکالنے کا جوش و خروش ٹھنڈا نہ ہو گیا اور چند مسافر مصائب مسلسل کو برداشت نہ کر کے مباحثہ کئے بغیر ہی شہر سے نکل جانے پر مجبور ہو گئے تو نتیجہ نہایت افسوسناک ہو گا۔ دنیا اسے کبھی اچھی نظر سے نہ دیکھے گی علماء کے اعتبار و وقار میں فرق پڑے گا۔ حیات مسیحؑ کے عقیدے میں تزلزل پیدا ہو جائیگا بہت سے اسے چھوڑ دیں گے اور بہت سے تذبذب میں پڑ جائیں گے ان تمام امور کے لحاظ سے مباحثہ ہو جانے کی بے حد ضرورت ہے اور کوشش ہونی چاہیے کہ مباحثہ ضرور ہو جائے چنانچہ ایسے ہی خیال والوں میں سے ایک معاملہ فہم و محل شناس انسان کو مباحثہ کا انتظام کر دینے کی توفیق مل گئی۔

علی جاں والوں کی طرف سے مولوی محمد بشیر صاحب کو دعوت مباحثہ

علی جان والوں کو جو دلی میں ٹوپیوں کی ایک بڑی فرم کے مالک اور مذہباً اہلحدیث تھے اپنی ذاتی واقفیت کی بنا پر ابتدا ہی سے یہ علم تھا کہ دلی کے علماء خواہ وہ احناف میں سے ہوں یا اہلحدیث میں سے۔ آپ کے ساتھ مسئلہ حیات و وفات مسیحؑ میں مباحثہ کرنے کے لئے حقیقتاً ایک بھی آمادہ نہیں۔ اشتہار شائع کئے جائیں گے تقریریں ہونگی مگر مسئلہ مذکورہ میں مباحثہ ہرگز نہ کیا جائے گا وہ خود یہی یقین رکھتے تھے کہ حیات حضرت مسیحؑ کا عقیدہ ایک اسلامی عقیدہ اور قرآن و حدیث سے ثابت ہے پھر اس میں مباحثہ نہ کرنا کیا معنے۔ انہیں بڑا دکھ تھا کہ اس مسئلہ میں مباحثہ نہ کئے جانے سے تو عقیدہ حیات مسیحؑ کو بڑی ٹھیس لگے گی۔ اور یہ بالکل ہی متزلزل ہو جائے گا۔ علماء دلی سے وہ مایوس چکے تھے اس مسئلہ میں مباحثہ کو ضروری سمجھتے تھے۔ اس حالت میں وہ مجبور ہو گئے کہ باہر کے علماء میں سے کسی کو اس مباحثہ کے لئے آمادہ کریں اور باہر والوں میں سے ان کی

نظر مولوی سید محمد بشیر صاحب سہوانی کے سوا اور کسی کی طرف کہاں جاسکتی تھی وہ اس زمانے کے بہت بڑے عالم بھی تھے اور علی جان والوں کے ہم مذہب بھی۔ آخر اس مباحثہ کے لئے ان کی منظوری حاصل کرلی گئی۔ [۲۲]

مولوی سید محمد بشیر سہواں ضلع بدایوں کے رہنے والے اور اہل حدیث کے ایک مشہور و جید عالم تھے اور بعض دوسرے علماء اہل حدیث کی طرح نواب سید محمد صدیق حسن خاں رئیس بھوپال کے قائم فرمائے ہوئے اشاعتی ادارے سے وابستہ' اور مولانا سید محمد احسن صاحب امروہی کی طرح اس کے ممتاز رکن تھے۔ اور حضرت اقدسؑ کی کتاب "براہین احمدیہ" کی اشاعت کے بعد حضور کی فضیلت علمی اور وجاہت و عظمت روحانی کا جو اثر مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی وغیرہ کثیر علماء پر ہوا تھا اس سے یہ دونوں موصوف الصدر علماء بھی خالی نہیں تھے لیکن جب حضرت اقدسؑ نے یہ اعلان فرمایا کہ حضرت مسیح موسوی علیہ السلام فوت ہو چکے ہیں۔ اور امت محمدیہ میں جس مسیح کی آمد کا مژدہ دیا اور وعدہ کیا گیا تھا وہ مسیح میں ہوں تو مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی نے اس نہایت ہی عجیب و غریب خیال کی بناء پر کہ اس اعلان سے پہلے مجھ سے مشورہ کیوں نہیں کیا گیا۔ سرکشی و سرتابی اختیار کرلی اور بڑے جوش و خروش سے مخالفت شروع کردی۔ مگر باقی دونوں مذکورہ علماء حضرت اقدسؑ کے دعویٰ پر علیحدہ علیحدہ بھی غور کرنے لگے۔ اور باہم مبادلہ خیالات کے ذریعہ سے بھی دونوں صاحبوں میں گفتگو تو ہوا ہی کرتی تھی مگر کسی مقررہ مقام پر نہیں۔ آخر مولوی محمد بشیر صاحب کے اس مشورہ پر کہ ان مسائل میں برملا گفتگو مناسب نہیں۔ عوام الناس میں مخالفت پیدا ہوتی ہے۔ مناسب یہی ہے کہ خلوت میں گفتگو ہوا کرے۔ اور مولوی صاحب موصوف ہی کی تجویز و خواہش پر یہ مبادلہ خیالات مولانا محمد احسن صاحب کے مکان پر خلوت میں ہونے لگا۔ یہ مبادلہ خیالات مناظرانہ و مخالفانہ نہیں بلکہ محققانہ و محبانہ تھا اور دونوں حضرات نے اس قسمیہ عہد کے بعد شروع کیا کہ جو امر صحیح ثابت ہو گا وہ ضرور قبول کرلیا جائے گا۔ پہلے روز مولانا محمد احسن صاحب نے اپنے غیر مطبوعہ رسالہ اعلام الناس جو آپ نے وفات مسیحؑ کے ثبوت اور مولوی عبدالحق غزنوی کے رد میں لکھا تھا مولوی محمد بشیر صاحب کو سنانا شروع کیا۔ تا جس امر سے انہیں اختلاف ہو اس پر مبادلہ خیالات ہو جائے۔ مولوی محمد بشیر صاحب نے صرف ایک جگہ اختلاف کیا اور اتنا مضمون مولانا محمد احسن صاحب نے اپنے رسالہ سے خارج کردیا۔ باقی تمام مضمون سے اتفاق کیا۔ اور نہ صرف اتفاق بلکہ جابجا تائیدی مضمون بھی بیان کئے جو مولوی محمد احسن صاحب نے اس رسالے میں شامل کرلئے۔ باقی امور میں مبادلہ خیالات جاری تھا کہ اس خلوت کے مبادلہ خیالات کا دوسرے لوگوں کو علم ہو کر عام چرچا ہو گیا اور ابھی اس مبادلہ خیالات کے صرف تین ہی جلسے ہو پائے

تھے کہ یہ سلسلہ ختم کر دینا پڑا اور مولوی محمد بشیر صاحب جس بات سے ڈرتے تھے وہ ہو کر رہی اور جابجا ذکر ہونے لگا کہ یہ دونوں مولوی قادیانی خیالات کے ہو گئے ہیں ان کی وجہ سے یہاں قادیانیت پھیلنے کا سخت خطرہ پیدا ہو گیا ہے۔ مولانا سید محمد احسن صاحب نے تو اس کی پروانہ کی۔ اور حضرت اقدسؑ کی بیعت کرلی۔ لیکن مولوی محمد بشیر صاحب یہ جرات نہ کر سکے۔ [۶۲]

مولانا محمد احسن صاحب کے بیعت کر لینے سے عوام کے اس خیال کو بڑی تقویت حاصل ہو گئی کہ دونوں مولوی قادیانی ہو گئے ہیں اور کہا جانے لگا کہ ایک تو بے نقاب ہو گئے دوسرے جو کسی مصلحت سے رکے ہوئے ہیں حشر ان کا بھی وہی ہونا ہے جو پہلے کا ہو چکا ہے۔ مولوی محمد بشیر صاحب لوگوں کے ان خیالات و مقالات سے بے خبر نہیں تھے انہوں نے لوگوں کو ان خیالات سے روکنے کے لئے حضرت اقدسؑ کے خلاف تقریریں شروع کر دیں اور یہ سلسلہ جاری تھا کہ علی جان والوں نے ان سے دلی تشریف لا کر حضرت اقدسؑ سے مسئلہ حیات و وفات حضرت مسیح علیہ السلام میں بحث کرنے کی درخواست کی اور مولوی صاحب نے یہ سمجھ کر کہ دلی پہنچ کر اس مسئلہ میں بحث کرنے سے وہ الزامات جو ان پر عائد کئے گئے اور کئے جا رہے ہیں بڑی صفائی سے دور ہو جائیں گے اور ہم جس چیز کو حاصل کرنے کی دنوں سے کوشش کر رہے ہیں وہ بڑی آسانی سے حاصل ہو جائے گی۔ بڑی خوشی سے منظور کر لی تھی۔ اور جب دلی والوں نے انہیں بلایا تو وہ دلی پہنچ گئے۔

مولوی محمد بشیر صاحب دلی میں

مولوی صاحب موصوف جب دلی تشریف لے آئے تو غیر مقلد و مقلد دونوں قسم کے علماء نے جو مسئلہ حیات و وفات مسیح میں بحث ہونا کسی طرح مناسب نہیں سمجھتے تھے اور جس طرح بھی ٹال سکے اب تک اسے ٹالتے آئے تھے۔ جمع ہو کر ان سے دریافت کیا کہ آپ کے پاس حیات مسیح پر وہ کونسی قطعی الدلالت آیت ہے جو آپ (حضرت اقدس) مرزا صاحب کے مقابلے میں پیش کریں گے مولوی محمد بشیر صاحب نے آیت **وان من اهل الكتب الا ليو منن به قبل مو ته** پڑھی۔ علماء نے کہا مولوی صاحب! اس آیت شریفہ سے تو اشارتاً کنایتہً بھی حیات مسیح نہیں نکلتی۔ مولوی صاحب نے کہا میں تو یہی آیت پیش کروں گا۔ تمام علماء نے کہا کہ ہم اس معاملے میں آپ کے ساتھ نہیں ہیں اور آپ کی فتح و شکست کا ہم پر کوئی اثر نہیں ہو گا۔ مگر مولوی صاحب نے اس کی کچھ پروا نہیں کی۔ اور ان سے بالکل بے نیاز ہو کر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی خدمت میں درخواست بھیج دی۔ کہ آپ مجھ سے مسئلہ حیات و وفات اور نزول مسیحؑ پر مباحثہ کر لیں۔ حضور نے وہ منظور فرمائی اور مباحثے کی پانچ ضروری شرائط بھی بھجوا دیں کہ مباحثہ تحریری ہو گا۔ فریقین کی طرف سے پانچ پانچ پرچے ہونگے اور پہلا پرچہ آپ کا ہو گا اور سب سے قبل

مسئلہ حیات و وفات مسیحؑ پر مباحثہ ہو گا۔ اس کے بعد نزول مسیحؑ اور پھر آپ کے مسیح موعود ہونے کی بحث ہو گی۔ مباحثہ کی تاریخ ۲۳۔ اکتوبر ۱۸۹۱ء مطابق ۱۹۔ ربیع الاول ۱۳۰۹ھ قرار پائی [۲۳]

مباحثے کا آغاز دوسرے دن صبح ۲۳۔ اکتوبر کو مباحثے کا اہتمام شروع ہوا۔ ایک بڑا لمبا دالان تھا جس کے ایک کمرے میں مولوی عبدالکریم صاحب منشی عبدالقدوس صاحب (اخبار "صحیفہ قدسی" کے غیر احمدی ایڈیٹر) منشی ظفر احمد صاحب، پیر سراج الحق صاحب اور حضور کے بعض دوسرے خدام بیٹھے تھے کہ مولوی محمد بشیر صاحب بھی اپنے چند رفقاء سمیت آگئے۔ حضور علیہ السلام مولوی محمد بشیر صاحب کی آمد کی اطلاع پر بالا خانے سے نیچے تشریف لائے۔ السلام علیکم اور وعلیکم السلام کے بعد مولوی محمد بشیر صاحب نے مصافحہ بھی کیا اور معانقہ بھی۔ اس کے بعد حضرت اقدس اور تمام حاضرین بیٹھ گئے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے مباحثہ شروع ہونے سے قبل اپنے دعویٰ سے متعلق مولوی محمد بشیر صاحب اور ان کے رفقاء کو مخاطب کر کے ایک پر معارف تقریر فرمائی۔ حضور کی یہ تقریر ابھی جاری ہی تھی کہ مولوی محمد بشیر صاحب دوران تقریر ہی میں بول اٹھے کہ آپ اجازت دیں تو میں دالان کے پرلے گوشے میں جا بیٹھوں اور وہاں کچھ لکھوں۔ دالان میں بہت سے آدمی علی جان والوں کے ساتھ بیٹھے تھے۔ حضرت اقدسؑ نے فرمایا۔ بہت اچھا!! چنانچہ مولوی صاحب دالان کے اس گوشہ میں جا بیٹھے اور جو مضمون گھر سے لکھ کر لائے تھے نقل کروانے لگے۔ [۲۴] حالانکہ شرط یہ تھی کہ کوئی اپنا پہلا مضمون نہ لکھے بلکہ جو کچھ لکھنا ہو گا وہ اسی وقت جلسہ بحث میں لکھنا ہو گا۔ اس خلاف ورزی پر مولانا عبدالکریم صاحب نے کہا یہ تو خلاف شرط ہے۔ پیر سراج الحق صاحب نعمانی نے حضرت اقدس سے عرض کیا کہ حضور اجازت دیں تو میں مولوی صاحب سے کہہ دوں کہ آپ لکھا ہوا تو لائے ہیں یہی دے دیجئے۔ تاکہ اس کا جواب لکھا جائے۔ حضرت اقدس علیہ السلام نے اس کی بکراہت اجازت دے دی۔ انہوں نے کھڑے ہو کر کہا کہ مولوی صاحب لکھے ہوئے مضمون کو نقل کرانے کی کیا ضرورت ہے دیر ہوتی ہے لکھا ہوا مضمون دے دیجئے۔ تاکہ ادھر سے جلدی جواب لکھا جائے۔ اسی طرح منشی ظفر احمد صاحب کپور تھلوی نے کہا کہ حضرت صاحب خالی بیٹھے ہیں جب آپ سوال لکھ کر ہی لائے ہیں تو وہی دے دیں تا حضور جواب لکھیں۔ مولوی صاحب نے جب یہ بات سنی تو انہوں نے گھبرا کر جواب دیا۔ نہیں نہیں میں مضمون لکھ کر تو نہیں لایا صرف نوٹ لکھ لایا تھا۔ جنہیں مفصل لکھ رہا ہوں۔ حالانکہ وہ مضمون کو حرف بحرف ہی لکھوا رہے تھے اس کے جواب میں پیر صاحب نے کچھ کہنا چاہا۔ مگر حضرت اقدسؑ نے انہیں روک دیا۔ اور حضور نے منشی ظفر احمد صاحب سے یہ فرما کر کہ جب مولوی صاحب

مضمون دیں تو مجھے بھیج دیا جائے۔ بالا خانے پر تشریف لے گئے اور مولوی صاحب کے مضمون دینے پر منشی صاحب نے وہ لے جا کر حضور کی خدمت میں پیش کر دیا۔ حضرت اقدسؑ نے مولوی صاحب کے مضمون پر پہلے صفحہ سے لے کر آخر صفحہ تک بہت تیزی سے نظر فرمائی اور اس کا جواب لکھنا شروع کر دیا۔ جب مضمون کے دو ورق تیار ہو گئے تو حضور منشی ظفر احمد صاحب کو نیچے نقل کرنے کو دے آئے۔ ایک ایک ورق لے کر مولوی عبد الکریم صاحب اور عبد القدوس صاحب نے نقل کرنا شروع کیا۔ اسی طرح منشی صاحب حضرت صاحب کا مسودہ لاتے اور یہ دونوں صاحب نقل کرتے رہتے۔ حضرت اقدسؑ اتنی تیزی سے لکھ رہے تھے کہ عبد القدوس صاحب جو خود بھی بڑے زود نویس تھے متحیر ہو گئے۔ اور حضور کی تحریر پر انگلی کا پورا لگا کر سیاہی دیکھنے لگے کہ یہ کہیں پہلے کا لکھا ہوا تو نہیں۔ منشی ظفر احمد صاحب نے کہا کہ اگر ایسا ہو تو یہ ایک عظیم الشان معجزہ ہو گا۔ کہ جواب پہلے سے لکھا ہوا ہے۔ حضرت اقدسؑ کی یہ حیرت انگیز قوت تصنیف دیکھ کر مولوی محمد بشیر صاحب کو حضور کی خدمت میں درخواست کرنی پڑی کہ اگر آپ اجازت دیدیں تو میں کل اپنے جائے قیام ہی سے جواب لکھ لاؤں۔ حضور نے بے تامل اجازت دیدی اور پھر مولوی صاحب نے مباحثہ کے ختم ہونے تک یہی طریقہ رکھا۔ کہ حضرت اقدسؑ کا مضمون ملنے پر حضور سے اجازت لے کر اپنے جائے قیام پر چلے جاتے اور مضمون وہیں سے لکھ کر لاتے انہوں نے سامنے بیٹھ کر کوئی مضمون تحریر نہیں کیا۔

اب فریقین کے تین تین پرچے ہو چکے تھے اور مولوی صاحب کے اس مسئلہ سے متعلق جو ذخیرہ تھا وہ ختم ہو چکا تھا جو کچھ انہوں نے کہنا تھا وہ انہوں نے کہہ لیا تھا۔ اور حضرت اقدسؑ نے ان کی ہر دلیل کا جواب دیدیا تھا اور جو پرچے لکھے جا چکے وہ ہر منصف مزاج طالب تحقیق کے لئے کافی تھے۔ مباحثہ کو خواہ مخواہ طول دینا وقت کو ضائع کرنا تھا۔ اور جب مولوی صاحب نے سامنے بیٹھ کر لکھنے کی شرط پر عمل کرنے سے روگردانی کرلی تھی مضمون گھر سے لکھ کر لاتے تھے اور اس قسم کا مباحثہ اپنے اپنے مقام پر موجود رہ کر بھی ہو سکتا تھا اس کے لئے حضور کے دلی میں مقیم رہنے کی ضرورت نہیں تھی۔ اس لئے حضورؑ نے فریقین کے تین تین پرچے تحریر ہو جانے پر مباحثہ ختم کر دیا۔ اور مولوی صاحب سے فرمایا کہ جب آپ کے پاس کوئی دلیل ہی نہیں رہی تو پھر خواہ مخواہ تحریر بڑھانے سے کیا فائدہ؟ بحث ختم ہو جانے پر مولوی محمد بشیر صاحب حضرت اقدسؑ سے ملنے آئے اور کہا کہ میرے دل میں آپ کی بڑی عزت ہے آپ کو اس بحث کے لئے جو تکلیف دی ہے اس کی معافی چاہتا ہوں۔ [۴۵]

اس مباحثہ کی روداد "الحق دہلی" کے نام سے شائع ہوئی

سفر لدھیانہ

مباحثہ دلی کے بعد حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام مع اہل بیت لدھیانہ تشریف لائے اور یہاں ایک جلسہ عام سے خطاب فرمایا۔ سیالکوٹ وغیرہ شہروں سے بہت سے خدام آئے ہوئے تھے۔ تقریر کے بعد منشی فیاض علی صاحب کپورتھلوی نے عرض کیا کہ حضور ہماری مسجد کا مقدمہ دائر ہے۔ شہر کے تمام رئیس اور کپورتھلہ کے جملہ حکام فریق مخالف کی امداد کر رہے ہیں اور ہم چند احمدیوں کی بات بھی کوئی نہیں سنتا۔ حضور دعا فرمائیں۔ منشی فیاض علی صاحب کے عرض کرنے پر حضور نے جلالی رنگ میں فرمایا۔ "اگر یہ سلسلہ خدا کی طرف سے ہے تو مسجد تمہارے پاس واپس آئے گی" منشی صاحب نے یہ پیشگوئی مدعا علیہم اور شہر والوں کو سنادی۔ اور مسجد میں ایک تحریر بھی لکھ کر چسپاں کردی۔ اب اتفاق یہ ہوا کہ چیف کورٹ کے جج نے پہلی ہی پیشی میں فریقین کی موجودگی میں کہہ دیا۔ کہ مسجد کا بانی غیر احمدی تھا۔ لہذا احمدی اپنی مسجد علیحدہ بنالیں۔ میں پرسوں مسل پر حکم لکھ دوں گا۔ جج کے اس زبانی فیصلہ پر غیروں نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی پیشگوئی پر خوب مذاق اڑایا۔ لیکن تیسرے ہی دن ان کی ساری خوشی خاک میں مل گئی کیونکہ عین اس وقت جب کہ یہ جج عدالت میں جانے سے قبل گھر میں حقہ کی انتظار میں بیٹھا تھا اس کی حرکت قلب بند ہوگئی اور وہ مسل پر حکم لکھنے کی حسرت اپنے ساتھ ہی لے کر کوچ کر گیا۔ اس حادثہ کے بعد چیف کورٹ کی طرف انگریزی علاقہ سے ایک آریہ بیرسٹر کی خدمات حاصل کی گئیں اور اس سے مقدمہ کے بارے میں رائے طلب کی گئی اس موقعہ پر فریق مخالف نے حصول مقصد کے لئے ہر ممکن کوشش کی مگر وہ ناکام رہا۔ اور بالآخر ۱۹۰۵ء میں احمدیوں کے حق میں فیصلہ دیدیا گیا اور مسجد احمدیوں کو مل گئی۔ [۲۶]

سفر پٹیالہ

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام لدھیانے سے پٹیالہ تشریف لے گئے جہاں حضور کے خسر میر ناصر نواب صاحب ملازمت کے سلسلہ میں مقیم تھے۔ حضور کے یہاں ورود فرماتے ہی مولوی محمد اسحاق صاحب وغیرہ نے آپ کے خلاف عوام میں مخالفت کی آگ سی لگادی۔ وہ قیام پٹیالہ کے دوران میں ایک دن (۳۰۔ اکتوبر) حضرت اقدسؑ کی فرودگاہ پر آئے اور حضور سے وفات مسیحؑ کے متعلق بالمشافہ گفتگو کی۔ مولوی محمد اسحاق صاحب نے دوسرے علماء کے مسلک سے کچھ اختلاف کرتے ہوئے کہا۔ کہ

اس قدر تو ہم بھی مانتے ہیں۔ کہ بعض احادیث میں لکھا ہے کہ حضرت مسیح ابن مریم چند گھنٹے کے لئے ضرور فوت ہو گئے تھے مگر وہ پھر زندہ ہو کر آسمان پر چلے گئے تھے۔ اور پھر کسی وقت زمین پر اتریں گے۔ حضرت اقدسؑ نے اس کے جواب میں ایک نہایت مبسوط تقریر فرمائی۔ اور قرآن و حدیث کے متعدد دلائل سے ثابت کیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام یقینی طور پر فوت ہو چکے ہیں۔

مولوی محمد اسحاق صاحب کے ہمراہ ایک دوسرے عالم مولوی غلام مرتضیٰ صاحب بھیروی بھی آئے تھے جنہوں نے ایک مسئلہ کی تحقیق میں استہزاء شروع کر دیا۔ اس پر مولوی محمد عبداللہ صاحب پروفیسر مہندر کالج پٹیالہ نے (جو اس وقت احمدی نہیں تھے) کہا۔ مولوی صاحب آپ نے تہذیب سے کام نہیں لیا۔ آپ کی مولویانہ شان سے بعید ہے کہ ایسی سوقیانہ باتیں کریں۔ بعد میں حضرت اقدسؑ نے مولوی عبداللہ صاحب سنوری سے دریافت فرمایا کہ یہ کون صاحب تھے جنہوں نے مولوی غلام مرتضیٰ صاحب کو ڈانٹا۔ ان سے ایمان کی خوشبو آتی ہے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور پروفیسر محمد عبداللہ صاحب اپنے خاندان سمیت بیعت میں داخل ہو گئے ۶۷

مولوی محمد اسحاق صاحب پر اتمام حجت

مولوی محمد اسحاق صاحب اور ان کے رفقاء نے حقیقت پر پردہ ڈالنے کے لئے مشہور کر دیا کہ انہوں نے اس گفتگو میں فتح پائی ہے۔ حضرت اقدسؑ نے پٹیالہ کے عوام کو اس گمراہ کن پراپیگنڈہ سے بچانے کی غرض سے ۳۱۔ اکتوبر کو ایک اشتہار میں اصل واقعات لکھ دیئے اور مولوی محمد اسحاق صاحب کو تحریری مباحثہ کا کھلا چیلنج دیا۔ مگر انہیں میدان مقابلہ میں آنے کی جرات نہ ہو سکی۔ ۶۸

حضرت اقدس علیہ السلام پٹیالہ میں مختصر قیام کے بعد واپس قادیان تشریف لے آئے۔

حواشی

۱- تفسیر "فتح البیان" جلد ۲ صفحہ ۴۹
۲- "الرسالہ مصر" ۱۱- مئی ۱۹۴۲ء جلد ۱۰ صفحہ ۶۴۲
۳- تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو الفضل ۱۰-۱۱- اپریل ۱۹۵۸ء
۴- ملاحظہ ہو رسالہ "چٹان" لاہور یکم دسمبر ۱۹۵۸ء و ۱۹ جنوری '۲۶ جنوری '۲ فروری ۱۹۵۹ء- "اخبار آزاد" لاہور نے ۱۲- اکتوبر ۱۹۵۱ء کو "داستان حرم" کے عنوان سے الحاج ابو ظفر نازش رضوی کی ایک نظم شائع کی جس کا ایک شعر یہ تھا ۔

جناب موسیٰ و عیسیٰ کے بعد دنیا سے ہوئے رسول معظم بھی سوئے خلد رحیل

عام تعلیم یافتہ مسلمانوں کا رجحان اس نظریہ کے بارے میں کتنی تیزی سے بدل رہا ہے اس کا اندازا اس سے کیجئے کہ حال ہی میں لاہور کے مشہور اشاعتی ادارہ مکتبہ جدید نے "بین الاقوامی معلومات اور حالات حاضرہ" پر ایک کتابچہ شائع کیا ہے جس کے صفحہ ۲۳۴ پر حضرت مسیح کی وفات کا سال بھی معین رنگ میں درج کیا گیا ہے یعنی ۳۰ء

۵- نقش آزاد صفحہ ۱۰۲ مرتبہ مولانا غلام رسول مہر ناشر کتاب منزل لاہور۔
۶- چنانچہ خطبات نبوی صفحہ ۲۴۱ (شائع کردہ تاج کمپنی) میں لکھا ہے "اس کے بعد عیسیٰ بن مریم علیہ السلام میری امت میں انصاف کرنے والے حاکم کی حیثیت میں پیدا ہونگے"۔
۷- رسالہ "تذکرہ" کراچی مارچ ۱۹۵۸ صفحہ ۲۰ "آزاد کی کہانی مولانا آزاد کی زبانی" صفحہ ۱۱-۱۲ (مطبوعہ حالی پبلشنگ ہاؤس دہلی)
۸- ترمذی مصری جلد ۲ صفحہ ۲۸
۹- "ازالہ اوہام" طبع اول صفحہ ۵۱۵-۵۱۶
۱۰- "موج کوثر" طبع دوم ۲۰۳
۱۱- بخاری مصری جلد ۴ صفحہ ۱۵۴
۱۲- بطور ثبوت ملاحظہ ہو خواجہ حسن نظامی دہلوی کی کتاب "الامر" نیز "حکمت بالغہ" مولفہ ابو الجمال احمد مکرم عباسی مطبوعہ حیدر آباد ۱۳۳۲ھ۔
۱۳- Human origin مصنفہ S. Laing صفحہ ۱۳۶ (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو الفضل ۲۳ - اپریل ۱۹۵۸ء
۱۴- سورہ مائدہ رکوع آخری
۱۵- "ازالہ اوہام" صفحہ ۹۱۸-۹۱۹ (طبع اول)
۱۶- خود رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی فرمایا کہ مسیح کے سوا کوئی مہدی نہیں (ابن ماجہ جلد ۲ مصری صفحہ ۲۵۷)
۱۷- "ازالہ اوہام" صفحہ ۵۱۸-۵۱۹ (طبع اول)
۱۸- رسالہ "نور احمد" نمبر ۱ صفحہ ۱۳-۱۵ (مرتبہ حضرت شیخ نور احمد صاحب مالک ریاض ہند پریس ہال بازار امرتسر)
۱۹- ریویو آف ریلیجنز اردو جنوری ۱۹۴۲ء صفحہ ۴۷
۲۰- تذکرۃ المہدی حصہ اول صفحہ ۳۳۹/۳۰۲ ریویو آف ریلیجنز اردو جنوری ۱۹۴۲ء صفحہ ۴۷
۲۱- تبلیغ رسالت جلد دوم صفحہ ۲۴-۲۶
۲۲- تذکرۃ المہدی حصہ اول صفحہ ۳۲۴-۳۲۶
۲۳- ایضاً صفحہ ۳۳۴
۲۴- "تبلیغ رسالت" جلد دوم صفحہ ۳۴-۳۵ "سیرت المہدی" حصہ دوم صفحہ ۸۷ (روایت ۴۱۹)
۲۵- "تذکرۃ المہدی" حصہ اول صفحہ ۳۴۱-۳۴۲
۲۶- "تبلیغ رسالت" جلد دوم صفحہ ۳۸

۲۷۔ "تبلیغ رسالت" جلد دوم صفحہ ۳۲ "تذکرۃ المہدی" جلد اول صفحہ ۳۲۳
۲۸۔ "تذکرۃ المہدی" جلد اول صفحہ ۳۳۳
۲۹۔ "تذکرۃ المہدی" حصہ اول صفحہ ۳۴۳-۳۴۴
۳۰۔ سیرت المہدی حصہ دوم صفحہ ۸۷ و تذکرۃ المہدی حصہ اول صفحہ ۳۴۴
۳۱۔ تذکرۃ المہدی حصہ اول صفحہ ۳۴۴-۳۴۵
۳۲۔ تاریخ وفات ۷۔ اپریل ۱۹۱۵ء
۳۳۔ "ریویو آف ریلیجنز" اردو جنوری ۱۹۴۲ء صفحہ ۵۵ روایات حضرت منشی ظفر احمد صاحب
۳۴۔ "تبلیغ رسالت" جلد دوم صفحہ ۴۰
۳۵۔ "تذکرۃ المہدی" حصہ اول ۳۴۳ تا ۳۴۹
۳۶۔ تذکرۃ المہدی حصہ اول صفحہ ۳۴۹-۳۵۰
۳۷۔ ایضاً
۳۸۔ "تبلیغ رسالت" جلد دوم صفحہ ۴۳-۴۵
۳۹۔ "تذکرۃ المہدی" حصہ اول صفحہ ۳۳۵-۳۵۲ و "ریویو آف ریلیجنز" اردو جنوری ۱۹۴۲ صفحہ ۵۴-۵۵
۴۰۔ "تذکرۃ المہدی" حصہ اول صفحہ ۳۲۳-۳۲۴ و ریویو آف ریلیجنز اردو ۱۹۴۲ء صفحہ ۴۸
۴۱۔ ریویو آف ریلیجنز اردو۔ جنوری ۱۹۴۲ صفحہ ۴۸
۴۲۔ "حیات احمد" جلد سوم صفحہ ۱۷۷-۱۷۸ و "الحق" دہلی
۴۳۔ حیات احمد جلد سوم صفحہ ۱۷۹-۱۸۰
۴۴۔ اسی دن مولانا سید محمد احسن صاحب نے بھوپال سے حضرت اقدسؑ کی خدمت میں لکھا تھا کہ مولوی محمد بشیر صاحب چھ مہینے سے مضمون لکھ رہے ہیں ان کی کل کمائی بس یہی ہے۔ یہ بات اس دن درست نکلی جب انہوں نے اپنا لکھا ہوا مضمون لکھوانا شروع کر دیا۔
۴۵۔ مباحثہ کے تفصیلی واقعات "الحق دہلی" "تذکرۃ المہدی" حصہ اول صفحہ ۳۱۶-۳۲۱، ۳۵۶۔ "ریویو آف ریلیجنز" اردو جنوری ۱۹۴۲ء صفحہ ۴۸ تا ۵۱ اور روایات صحابہؓ (غیر مطبوعہ) جلد اول صفحہ ۲۰۹ سے ماخوذ ہیں۔
۴۶۔ الفضل ۲۹۔ جولائی ۱۹۵۸ء صفحہ ۳-۴۔ بدر ۱۲۔ جنوری ۱۹۰۶ صفحہ ۸ کالم نمبر ۲۔
۴۷۔ "حیات احمد" جلد سوم صفحہ ۱۸۴
۴۸۔ "اشتہار واجب الاظہار" مندرجہ تبلیغ رسالت جلد دوم صفحہ ۵۶-۵۷

"آسمانی فیصلہ" کی تصنیف و اشاعت اور علماء کو روحانی مقابلہ کی پہلی عام دعوت

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام نے دسمبر ۱۸۹۱ء میں ایک لطیف رسالہ "آسمانی فیصلہ" تصنیف فرمایا۔ اس وقت تک حضور روحانی مقابلہ کا چیلنج غیر مذاہب والوں کو دیا کرتے تھے اب آپ نے اس رسالہ میں تمام مکفر علماء مولوی نذیر حسین صاحب دہلوی، مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی اور ان کے ہمنوا دوسرے مولویوں، صوفیوں، پیرزادوں، فقیروں اور سجادہ نشینوں کو بھی اس میں شامل کر دیا اور لکھا کہ وہ آپ سے کامل مومنوں کی قرآنی علامات مثلاً امور غیبیہ کا اظہار، دعاؤں کی قبولیت اور معارف قرآن کا انکشاف وغیرہ کی روشنی میں روحانی مقابلہ کر لیں۔ اور ساتھ ہی یہ تجویز بھی فرمائی کہ اس مقابلہ کو فیصلہ کن حیثیت دینے کے لئے پنجاب کے دارالخلافہ لاہور میں ایک انجمن قائم کی جائے اور اس کے ممبر فریقین کی رضامندی سے مقرر ہوں۔ یہ انجمن ایک سال تک ان علامات سے متعلق فریقین کے کوائف کا ریکارڈ رکھے اور کثرت کی صورت میں اس روحانی معرکہ آرائی میں حق و صداقت کا فیصلہ کیا جائے۔ اس ضمن میں حضور نے یہ شرط بھی عائد کی کہ اگر ایک سال کے عرصہ میں کوئی فریق وفات پا جائے تب بھی وہ مغلوب سمجھا جائے گا۔ کیونکہ خدا تعالیٰ نے اپنے خاص ارادہ سے اس کے کام کو ناتمام رکھا تاکہ اس کا باطل پر ہونا ظاہر کرے۔

سالانہ جلسہ کی بنیاد

پہلا سالانہ جلسہ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام نے "آسمانی فیصلہ" میں مجوزہ انجمن کی تشکیل پر مزید غور کرنے کے لئے جماعت کے دوستوں کو ہدایت فرمائی کہ وہ ۲۷- دسمبر ۱۸۹۱ء کو قادیان پہنچ جائیں چنانچہ اس تاریخ کو مسجد اقصیٰ میں احباب جمع ہوئے- بعد نماز ظہر اجلاس کی کارروائی شروع ہوئی- سب سے قبل مولانا عبدالکریم صاحب سیالکوٹی نے حضرت اقدسؑ کی تازہ تصنیف (آسمانی فیصلہ) پڑھ کر سنائی- پھر یہ تجویز رکھی گئی کہ مجوزہ انجمن کے ممبر کون کون صاحبان ہوں- اور کس طرح اس کی کارروائی کا آغاز ہو- حاضرین نے بالاتفاق یہ قرار دیا کہ سردست یہ رسالہ شائع کر دیا جائے اور مخالفین کا عندیہ معلوم کر کے بتراضی فریقین انجمن کے ممبر مقرر کئے جائیں- اس کے بعد جلسہ ختم ہوا- اور حضرت اقدس سے دوستوں نے مصافحہ کیا- [1] یہ جماعت احمدیہ کا سب سے پہلا تاریخی اجتماع اور پہلا سالانہ جلسہ تھا جس میں مندرجہ ذیل ۷۵ احباب شامل ہوئے تھے-

[2]

منشی محمد اروڑا صاحب نقشہ نویس محکمہ مجسٹریٹ	کپور تھلہ	منشی تاجدین صاحب اکونٹنٹ دفتر اگزیمنر	لاہور
منشی محمد عبدالرحمٰن صاحب محرر محکمہ جرنیلی	کپور تھلہ	منشی نبی بخش صاحب کلارک دفتر اگزیمنر	لاہور
منشی محمد حبیب الرحمٰن صاحب رئیس	کپور تھلہ	حافظ فضل احمد صاحب دفتر اگزیمنر	لاہور
منشی ظفر احمد صاحب اپیل نویس	کپور تھلہ	مولوی رحیم اللہ صاحب	لاہور
منشی شمس الدین صاحب کلرک دفتر اگزیمنر	لاہور	مولوی غلام حسین صاحب امام مسجد گمٹی	لاہور
منشی محمد خان صاحب اہلمد فوجداری	کپور تھلہ	منشی عبدالرحمٰن صاحب کلارک لوکو آفس	لاہور
منشی سردار خاں صاحب کورٹ دفعدار	کپور تھلہ		
منشی امداد علی صاحب محرر سررشتہ تعلیم	کپور تھلہ	مولوی عبدالرحمٰن صاحب مسجد چینیاں	لاہور
مولوی محمد حسین صاحب کپور تھلہ	کپور تھلہ	منشی کرم الٰہی صاحب	لاہور
حافظ محمد علی صاحب کپور تھلہ	کپور تھلہ	سید ناصر شاہ صاحب سب اوورسیر	
مرزا خدا بخش صاحب اتالیق نواب مالیر کوٹلہ		حافظ محمد اکبر صاحب	لاہور
منشی رستم علی صاحب ڈپٹی انسپکٹر پولیس ریلوے	لاہور	مولوی غلام قادر صاحب فصیح مالک و مہتمم پنجاب پریس و میونسپل کمشنر	سیالکوٹ
ڈپٹی حاجی سید فتح علی شاہ صاحب ڈپٹی کلکٹر انہار			
حاجی خواجہ محمد الدین صاحب رئیس	لاہور	مولوی عبدالکریم صاحب	سیالکوٹ
میاں محمد چٹو صاحب رئیس	لاہور	میر حامد شاہ صاحب اہلمد معافیات	سیالکوٹ

خلیفہ رجب الدین صاحب رئیس	لاہور
منشی محمد دین سابق گرد آور	سیالکوٹ
حکیم فضل الدین صاحب رئیس بھیرہ	
میاں نجم الدین صاحب رئیس بھیرہ	
منشی احمد اللہ صاحب محالدار محکمہ پرمٹ	جموں
سید محمد شاہ صاحب رئیس	جموں
مستری عمرالدین صاحب	جموں
مولوی نورالدین صاحب حکیم خاص ریاست	جموں
خلیفہ نورالدین صاحب صحاف	جموں
قاضی محمد اکبر صاحب سابق تحصیلدار	جموں
شیخ محمد جان صاحب ملازم راجہ امر سنگھ صاحب۔	وزیر آباد
مولوی عبدالقادر صاحب مدرس	جمالپور
شیخ رحمت اللہ صاحب میونسپل کمشنر	گجرات
شیخ عبدالرحمٰن صاحب بی۔اے	گجرات
منشی غلام اکبر صاحب یتیم کلرک اگزیمنز آفس	لاہور
منشی دوست محمد صاحب سارجنٹ پولیس	جموں
مفتی فضل الرحمٰن صاحب رئیس	جموں
منشی غلام محمد صاحب خلف مولوی دین محمد	لاہور
سائیں شیر شاہ صاحب مجذوب	جموں
صاحبزادہ افتخار احمد صاحب	لدھیانہ
قاضی خواجہ علی صاحب ٹھیکیدار شکرم	لدھیانہ
حافظ نور احمد صاحب کارخانہ دار پشمینہ	لدھیانہ
شہزادہ حاجی عبدالمجید صاحب	لدھیانہ
حاجی عبدالرحمٰن صاحب	لدھیانہ
شیخ شہاب الدین صاحب	لدھیانہ

میر محمود شاہ صاحب نقل نویس	سیالکوٹ
حاجی نظام الدین صاحب	لدھیانہ
شیخ عبدالحق صاحب	لدھیانہ
مولوی محکم الدین صاحب مختار امرتسر	
شیخ نور احمد صاحب مالک مطبع ریاض ہند	امرتسر
منشی غلام محمد صاحب کاتب	
میاں جمال الدین صاحب ساکن موضع	سیکھواں
میاں امام الدین صاحب	سیکھواں
میاں خیرالدین صاحب	سیکھواں
میاں محمد عیسیٰ صاحب مدرس	نوشہرہ
میاں چراغ علی صاحب	ساکن تھہ غلام نبی
شیخ شہاب الدین صاحب	ساکن تھہ غلام نبی
میاں عبداللہ صاحب	ساکن سوہل
حافظ عبدالرحمٰن صاحب	ساکن سوہیاں
داروغہ نعمت علی صاحب ہاشمی عباسی بٹالوی	
حافظ حامد علی صاحب ملازم مرزا صاحب	
حکیم جان محمد صاحب امام مسجد قادیانی	
بابو علی محمد صاحب رئیس بٹالہ	
مرزا اسماعیل بیگ صاحب قادیانی	
میاں بڈھے خاں نمبردار بیری	
میرزا محمد علی صاحب رئیس پٹی	
شیخ محمد عمر صاحب خلف حاجی غلام محمد صاحب	بٹالہ

مستقل رنگ میں سالانہ جلسہ کے انعقاد کا فیصلہ

حضرت اقدسؑ نے ۱۸۹۱ء میں جلسہ کے معاً بعد بذریعہ اشتہار تمام جماعت کو اس فیصلے کی اطلاع دی کہ آئندہ ہر سال ۲۷، ۲۸، ۲۹۔ دسمبر کی تاریخوں میں جماعت کا جلسہ منعقد ہوا کرے گا۔

۱۸۹۲ء کے دوسرے جلسہ کی روداد

چنانچہ اگلے سال دسمبر ۱۸۹۲ء سے یہ بابرکت اجتماع مستقل طور پر شروع ہوا۔ جس کا سلسلہ خدا تعالیٰ کے فضل سے پوری کامیابی سے اب تک جاری ہے۔ ۱۸۹۲ء کا جلسہ جو بڑا جلسہ کہلاتا ہے ڈھاب کے کنارے ایک وسیع چبوترہ پر ہوا۔ جو ڈھاب کی بھرتی سے جلسہ گاہ کے قریب ہی تیار ہوا تھا۔ یہی وہ چبوترہ ہے جس پر بعد کو مدرسہ احمدیہ' مہمان خانہ اور حضرت خلیفۃ المسیح اول کا مکان تیار ہوا۔ مگر جلسے کے وقت ان عمارتوں کی فقط بنیادیں اٹھی تھیں۔ [3]

۱۸۹۲ء کی جلسہ گاہ کے متعلق خفیف سا اختلاف ہے۔ حضرت منشی محمد جلال الدین صاحب بلانوی کی روایت کے مطابق ۱۸۹۲ء کا جلسہ ڈاکٹر غلام غوث صاحب کے مکان سے ملحق مہمانخانہ کی جگہ پر ہوا۔ [4] لیکن حضرت مرزا برکت علی صاحب نے اپنے نقشے میں جو "اصحاب احمد جلد اول ضمیمہ صفحہ ۱۴ میں شائع ہوا ہے اس کا مقام مہمانخانہ اور قدیم مطبع ضیاء الاسلام (یعنی موجودہ بک ڈپو) کے درمیان قرار دیا ہے چنانچہ ان کا نقشہ یہ ہے۔

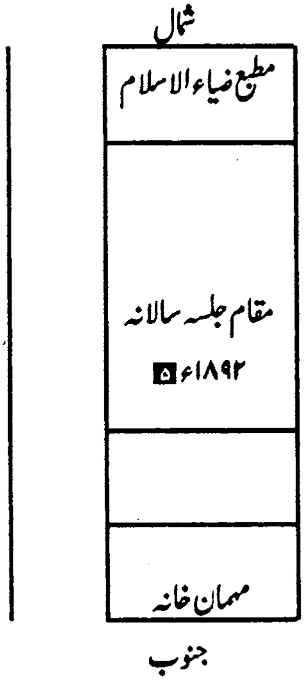

پہلے دن کی کارروائی

۲۷۔ دسمبر ۱۸۹۲ء کو جلسہ گاہ میں ایک اونچے چوبی تخت پر حضرت اقدس علیہ السلام کے لئے قالین بچھا دیا گیا اور حضورؑ اس پر جلوہ افروز ہوئے

اور چاروں طرف احباب فرش پر بیٹھے۔ سامنے شمال کی طرف حضرت مولانا نور الدین صاحب اور مغرب کی طرف حضرت مولانا برہان الدین صاحب جہلمی اور گوشہ مغرب و جنوب میں پیر سراج الحق صاحب نعمانی اور ان کے داہنی طرف مولانا سید محمد احسن صاحب فاضل امروہوی بیٹھ گئے۔ [۶]

سب سے [۷] پہلے حضرت مولانا نور الدین نے وفات مسیحؑ کے متعلق ایک پر معارف تقریر کی۔ ازاں بعد سید حامد شاہ صاحب نے ایک قصیدہ مدحیہ سنایا۔ اس کے بعد حضرت اقدس علیہ السلام نے "توضیح مرام" کا وہ مقام نکالا جس پر مولویوں نے ملائکہ کی بحث پر نادانی سے اعتراض کیا تھا اور بڑی شرح و بسط سے ایک روح پرور تقریر فرمائی۔ جس سے حاضرین کے دل پگھل گئے اور سب پر عجیب کیفیت طاری ہو گئی۔ [۸] اس ایمان افروز خطاب کے علاوہ حضور نے عصر اور مغرب کے بعد بھی اپنے خدام کو روح پرور کلمات سے نوازا۔ [۹]

دوسرے دن کی کارروائی

دوسرے دن ۲۸۔ دسمبر ۱۸۹۲ء کو یورپ اور امریکہ میں تبلیغ اسلام کے لئے ایک مجلس شوریٰ منعقد ہوئی جس میں معزز حاضرین نے اپنی اپنی رائے پیش کی اور قرار پایا کہ ایک رسالہ جو ضروریات اسلام کا جامع اور عقائد اسلام کا خوبصورت چہرہ نمایاں کرتا ہو۔ یورپ اور امریکہ میں مفت تقسیم کیا جائے اس کے بعد قادیان میں اپنا مطبع قائم کرنے کے لئے تجاویز پیش ہوئیں اور ایک فہرست ان اصحاب کے چندہ کی مرتب کی گئی جو مطبع کے لئے چندہ بھیجتے رہیں گے۔ یہ بھی قرار پایا کہ ایک اخبار اشاعت حق اور ہمدردی اسلام کے لئے جاری کیا جائے نیز تجویز ہوئی کہ مولانا سید محمد احسن صاحب امروہی اس سلسلے کے واعظ مقرر ہوں اور وہ پنجاب اور ہندوستان کا دورہ کریں۔ مجلس شوریٰ میں سالانہ جلسہ کے اغراض و مقاصد کی تکمیل اور دیگر انتظامات کی غرض سے ایک کمیٹی بھی تجویز کی گئی جس کے صدر حضرت مولانا نور الدین صاحب اور سیکرٹری مرزا خدا بخش صاحب بنے اور شیخ رحمت اللہ صاحب میونسپل کمشنر گجرات۔ منشی غلام قادر صاحب فصیح میونسپل کمشنر سیالکوٹ اور مولوی عبدالکریم صاحب سیالکوٹی ممبر قرار پائے۔ مجلس شوریٰ کے ان اہم فیصلوں کے بعد دعا پر جلسہ برخاست ہوا۔ [۱۰] اس جلسہ میں کم و بیش چالیس افراد نے بیعت کی۔

سالانہ جلسہ کہاں کہاں منعقد ہوا؟

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے زمانے میں ۱۸۹۲ء کے سالانہ جلسہ کے سوا (جو ڈھاب کے کنارے ہوا) باقی جلسے مسجد اقصیٰ میں منعقد ہوئے۔ خلافت اولیٰ کے ابتدائی پانچ برسوں میں بھی ان کا انعقاد مسجد اقصیٰ ہی میں ہوتا رہا۔ لیکن ۱۹۱۳ء [۱۱] سے ۱۹۲۳ء تک مسجد نور جلسہ گاہ رہی۔ اس کے بعد ۱۹۲۴ء میں

سامعین کی کثرت کے پیش نظر مسجد نور سے باہر میدان میں اس مبارک اجتماع کا آغاز ہوا [۱۱۲] اور ۱۹۴۶ء تک ۲۲ جلسے اس سرزمین میں منعقد ہوئے۔ ملکی تقسیم کے بعد قادیان میں ۱۹۴۷ء کا جلسہ سالانہ دوبارہ مسجد اقصیٰ ہی میں منعقد ہوا۔ اور پھر وہ ۱۹۴۸ء میں باب الانوار کے پرانے زنانہ جلسہ گاہ میں منتقل کر دیا گیا۔ چنانچہ قادیان کا جلسہ سالانہ اب اسی مقام پر ہوتا ہے۔ ہجرت ۱۹۴۷ء کے بعد قادیان کی نیابت میں لاہور میں ایک جلسہ ہوا اور پھر ۱۹۴۸ء کا جلسہ بجائے دسمبر کی مقررہ تاریخوں کے اپریل ۱۹۴۹ء میں ربوہ میں ہوا۔ بعد ازاں دسمبر ۱۹۴۹ء سے دسمبر ۱۹۸۳ء تک باقاعدگی کے ساتھ ربوہ میں ہر سال جلسہ منعقد ہوتا رہا ۱۹۸۵ء سے اس کا انعقاد اسلام آباد لنڈن میں ہو رہا ہے۔

سالانہ جلسہ کی کارروائی کی رپورٹیں

۱۸۹۳ء کا سالانہ جلسہ بعض وجوہ سے ملتوی کرنا پڑا۔ اس کے بعد ۱۸۹۶ء تک کے سالانہ جلسہ کی روداد کی اشاعت کا کوئی خاص اہتمام نہیں کیا گیا۔ اس لئے ان کی تفصیل کا ریکارڈ موجود نہیں۔ البتہ ۱۸۹۷ء کے جلسے پر (جو ۲۵۔ دسمبر ۱۸۹۷ء سے یکم جنوری ۱۸۹۸ء تک جاری رہا) مولانا عبدالکریم صاحب سیالکوٹی نے اس کی طرف پہلی مرتبہ توجہ دلائی جس پر حضرت شیخ یعقوب علی صاحب تراب نے ۱۸۹۷ء کے سالانہ جلسہ کی مفصل رپورٹ "تحفہ سالانہ" کے نام سے جنوری ۱۸۹۹ء میں شائع کی۔ اس کے بعد چونکہ اخبار الحکم اور البدر کا اجراء عمل میں آچکا تھا۔ اس لئے انکے کالموں میں ہر جلسہ کی رپورٹیں پورے اہتمام سے شائع ہوتی رہیں۔ پھر خلافت ثانیہ کا دور شروع ہوا تو اخبار الفضل نے مستقل طور پر یہ مقدس ذمہ داری اٹھائی۔

سالانہ جلسہ کے اجراء میں مشکلات اور تائید غیبی

سالانہ جلسہ کا آغاز مشکلات کے ہجوم میں ہوا۔ حضرت اقدسؑ کے خلاف فتویٰ کفر نے ملک بھر میں مخالفانہ فضا قائم کر دی تھی۔ علاوہ ازیں مسجد چینیانوالی لاہور کے امام مولوی رحیم بخش صاحب نے زور شور سے فتویٰ دیا کہ ایسے جلسے میں جانا بدعت بلکہ معصیت ہے اور جو شخص اسلام میں ایسا امر پیدا کرے وہ مردود ہے۔ [۱۱۳]

مذہبی اعتبار ہی سے نہیں بلکہ اقتصادی اعتبار سے بھی اس اجتماع کا سلسلہ جاری رہنا بظاہر ناممکن تھا لیکن اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی جہاں قدم قدم پر تائید و نصرت فرمائی وہاں پردہ غیب سے اس مبارک تقریب کے جاری رہنے کے سامان بھی پیدا کر دیئے۔ چنانچہ منشی ظفر احمد صاحب کپور تھلوی کا بیان ہے کہ "ایک دفعہ جلسہ سالانہ کے موقعہ پر خرچ نہ رہا۔ ان دنوں سالانہ جلسہ کے لئے چندہ جمع ہو کر نہیں جاتا تھا حضور اپنے پاس سے ہی صرف فرماتے تھے۔ میر ناصر نواب صاحب

مرحوم نے آکر عرض کی کہ رات کو مہمانوں کے لئے کوئی سالن نہیں ہے آپ نے فرمایا کہ بیوی صاحبہ سے کوئی زیور لے کر جو کفایت کر سکے فروخت کر کے سامان کر لیں۔ چنانچہ زیور فروخت یا رہن کر کے میر صاحب روپیہ لے آئے اور مہمانوں کے لئے سامان بہم پہنچا دیا۔ دو دن کے بعد پھر میر صاحب نے رات کے وقت میری موجودگی میں کہا کہ کل کے لئے پھر کچھ نہیں۔ فرمایا کہ ہم نے برعایت ظاہری اسباب کے انتظام کر دیا تھا۔ اب ہمیں ضرورت نہیں جس کے مہمان ہیں وہ خود کرے گا۔ اگلے دن آٹھ یا نو بجے جب چٹھی رسان آیا تو حضور نے میر صاحب کو اور مجھے بلایا چٹھی رسان کے ہاتھ میں دس یا پندرہ کے قریب منی آرڈر ہوں گے جو مختلف جگہوں سے آئے تھے سو سو پچاس پچاس روپے کے۔ اور ان پر لکھا تھا کہ ہم حاضری سے معذور رہیں۔ مہمانوں کے صرف کے لئے یہ روپے بھیجے جاتے ہیں آپ نے وصول فرما کر توکل پر تقریر فرمائی۔ کہ جیسا کہ ایک دنیادار کو اپنے صندوق میں رکھے ہوئے روپوں پر بھروسہ ہوتا ہے کہ جب چاہوں گا نکال لوں گا۔ اس سے زیادہ ان لوگوں کو جو اللہ تعالیٰ پر پورا توکل کرتے ہیں اللہ تعالیٰ پر یقین ہوتا ہے۔ اور ایسا ہی ہوتا ہے۔ کہ جب ضرورت ہوتی ہے۔ تو فوراً خدا تعالیٰ بھیج دیتا ہے"۔ [۱۶۷]

سالانہ جلسے کے سو سالہ اعداد و شمار

سالانہ جلسہ کے کوائف ختم کرنے سے پیشتر ۱۸۹۱ء سے ۱۹۹۱ء تک کے جلسہ میں شامل ہونے والے حاضرین کے اعداد و شمار کا مفصل خاکہ درج ذیل کیا جاتا ہے۔ جس سے پتہ چلتا ہے کہ یہ بابرکت اجتماع خدائی نصرتوں کا کتنا زبردست تاریخی نشان ثابت ہو رہا ہے۔

(نوٹ :- ؟ اس علامت کا مطلب یہ ہے کہ مولف کو اب تک اس سال کے اعداد و شمار سلسلہ احمدیہ کے لٹریچر سے فراہم نہیں ہو سکے)

جلسہ	تعداد حاضرین
۱۸۹۱ء	۷۵ [۱۵]
۱۸۹۲	۳۲۷ [۱۶]
۱۸۹۳ء	(جلسہ ملتوی ہو گیا) [۱۷]
۱۸۹۴-۹۵ء	؟
۱۸۹۶ء	ملتوی
۱۸۹۷ء	
تا	؟
۱۸۹۹ء	
۱۹۰۰ء	۵۰۰ [۱۸]
۱۹۰۱ء	؟
۱۹۰۲ء	ملتوی [۱۹]
۱۹۰۳	؟
۱۹۰۴ء	؟
۱۹۰۵ء	؟
۱۹۰۶ء	۱۵۰۰ قریباً [۲۰]
۱۹۰۷ء	۳۰۰۰ قریباً [۲۱]
۱۹۰۸ء	۲۵۰۰ قریباً [۲۲]
۱۹۰۹ء	۳۰۰۰ سے زیادہ [۲۳]
۱۹۱۰ء	۲۵۰۰ سے زیادہ [۲۴]
۱۹۱۱ء	۳۰۰۰ سے زیادہ [۲۵]
۱۹۱۲ء	مرد ۲۲۰۰ مستورات ۱۰۵ [۲۶]
۱۹۱۳ء	۳۰۰۰ " [۲۷]
۱۹۱۴ء	مرد ۳۵۰۰ خواتین ۴۰۰ سے زیادہ [۲۸]
۱۹۱۵ء	۴۰۰۰ سے زیادہ [۲۹]
۱۹۱۶ء	۵۰۰۰ سے زیادہ [۳۰]
۱۹۱۷ء	؟
۱۹۱۸ء	۵۰۰۰ سے زیادہ [۳۱]
۱۹۱۹ء	۶/۷ ہزار قریباً [۳۲]
۱۹۲۰	ایضاً [۳۳]
۱۹۲۱ء	۷۱۹۲ قریباً [۳۴]
۱۹۲۲ء	۹۰۰۰/ ۸۰۰۰ قریباً [۳۵]
۱۹۲۳	۱۲۰۰۰/۱۱۰۰۰ قریباً [۳۶]
۱۹۲۴ء	۱۵۰۰۰ قریباً [۳۷]
۱۹۲۵ء	۱۱۳۸۴ سے زائد [۳۸]
۱۹۲۶ء	۱۲۱۱۷ قریباً [۳۹]
۱۹۲۷ء	۱۳۰۲۰ قریباً [۴۰]
۱۹۲۸ء	۱۶۸۸۵ قریباً [۴۱]
۱۹۲۹ء	۱۷۳۱۶ قریباً [۴۲]

جلسہ	تعداد حاضرین
۱۹۳۰ء	۱۷۳۱۶ سے زیادہ [۴۳]
۱۹۳۱ء	۱۸۷۷۶ قریباً [۴۴]
۱۹۳۲ء	۲۰۷۵۲ قریباً [۴۵]
۱۹۳۳ء	۹۱۴۳ سے زیادہ [۴۶]
۱۹۳۴ء	؟
۱۹۳۵ء	۲۱۲۷۸ قریباً [۴۷]
۱۹۳۶ء	۲۵۸۵۴ قریباً
۱۹۳۷ء	۲۷۹۹۸ قریباً [۴۸]
۱۹۳۸ء	۳۲۴۷۹ قریباً [۴۹]
۱۹۳۹ء	۳۹۹۵۰ قریباً [۵۰]
۱۹۴۰ء	۳۳۷۸۳ قریباً [۵۱]
۱۹۴۱ء	۳۰۰۰۰ قریباً [۵۲]
۱۹۴۲ء	۲۳۷۶۰ قریباً [۵۳]
۱۹۴۳ء	۲۷۲۵۶ قریباً [۵۴]
۱۹۴۴ء	۲۳۶۰۰ قریباً [۵۵]
۱۹۴۵ء	۳۳۴۳۵ قریباً [۵۶]
۱۹۴۶ء	۳۹۷۸۶ قریباً [۵۷]
۱۹۴۷ء	(قادیان مقامی [۵۸] درویش قریباً ۳۰۰ غیر مسلم سامعین ۲۰
	(لاہور ۶۲۵۰ قریباً [۵۹]
۱۹۴۸ء	لاہور (۲۸- مارچ) ۴۲۵۰ [۶۰]
	(۲۵-۲۶ دسمبر) [۶۱]
	قادیان ۱۴۰۰ قریباً [۶۲]
۱۹۴۹ء	ربوہ کا پہلا جلسہ ۱۶۰۰۰ سے زائد [۶۳]
	(ربوہ دوسرا جلسہ) ۳۰۰۰۰ قریباً [۶۴]
	(قادیان) ۱،۰۰۰ سے زیادہ [۶۵]
۱۹۵۰ء	(ربوہ) ۲۵،۰۰۰ (مرد) سے زیادہ [۶۶]
	(قادیان) ۱۳۴۷ سے زیادہ [۶۷]
۱۹۵۱ء	(ربوہ) ۱۸۴۴۶ سے زیادہ [۶۸]
	قادیان ۱۱۲۵ (مرد) سے زیادہ [۶۹]
۱۹۵۲ء	ربوہ ۲۹۰۰۰ (مرد) ۱۲۶۰۰ (خواتین) [۷۰]
۱۹۵۳ء	قادیان ۱۶۴۲
	ربوہ ؟ [۷۱]
۱۹۵۴ء	(قادیان) گزشتہ سال سے زیادہ [۷۲]
	(ربوہ) ۵۰/۰۰۰
۱۹۵۵ء	(قادیان) ۲۶۲ (مہمان) [۷۳]
	(ربوہ) ۵۰،۰۰۰ " [۷۴]
۱۹۵۶ء	قادیان ۱۰۰۰ (پہلے روز) [۷۵]

	(ربوہ) ۶۰٬۰۰۰ سے زیادہ [76]
۱۹۵۷ء	(قادیان) ۱۹۲۵ (ریکارڈ جلسہ سالانہ قادیان)
	(ربوہ ۷۰٬۰۰۰ قریباً [77]
۱۹۵۸ء	(قادیان) ۱۹۸۰ (ریکارڈ جلسہ سالانہ قادیان)
	ربوہ ایک لاکھ قریباً [78]
۱۹۵۹ء	(قادیان) ۱۲۰۰ قریباً [79]
	ربوہ ۷۰٬۰۰۰ قریباً [80]
۱۹۶۰ء	(قادیان) ۱۲۰۰ (احمدی [81]
	(ربوہ) ۷۵۰۰۰ [82]
۱۹۶۱ء	(قادیان) ۱۷۰۰ احمدی [83]
	ربوہ ۸۵۰۰۰ [84]
۱۹۶۲ء	(قادیان) ۱۶۰۰ سے زیادہ [85]
	ربوہ ۹۰۰۰۰ قریباً [86]
۱۹۶۳ء	قادیان ۲۸۳۷ (ریکارڈ جلسہ)
	ربوہ ایک لاکھ قریباً
۱۹۶۴ء	(قادیان) ۲۰۰۰ [87]
	ربوہ ۱۰۰٬۰۰۰ سے زیادہ [88]
۱۹۶۵ء	(قادیان) ۶۰۰ احمدیوں کی تعداد [89]
	ربوہ ۸۰٬۰۰۰ سے زیادہ [90]
۱۹۶۶ء	قادیان ۴۰۰/۳۰۰ بھارتی احمدی ۱۹۶ پاکستانی ۲۱ غیر ملکی [91]
	ربوہ ۸۵٬۰۰۰ [92]
۱۹۶۷ء	(قادیان) ۳۰۵۲ (ریکارڈ جلسہ قادیان)
	ربوہ ۱۰۰٬۰۰۰ قریباً [93]
۱۹۶۸ء	قادیان ۳۱۵۲ (ریکارڈ جلسہ قادیان)
	ربوہ ۱۰۰٬۰۰۰ قریباً [94]
۱۹۶۹ء	(قادیان) ۳۲۴۰ (ریکارڈ جلسہ قادیان)
	ربوہ ۱۰۰٬۰۰۰ ریکارڈ) [95]
۱۹۷۰ء	(قادیان) ۳۳۵۰ (ریکارڈ جلسہ قادیان)
	ربوہ ۱۰۰٬۰۰۰ قریباً [96]
۱۹۷۱ء	(قادیان) ۳۱۰۵ (ریکارڈ جلسہ قادیان)
	(ربوہ کا جلسہ نہیں ہوا)
۱۹۷۲ء	(قادیان) ۳۱۹۰ (ریکارڈ جلسہ سالانہ)
	ربوہ ۱٬۲۵۰۰۰ قریباً [97]
۱۹۷۳ء	(قادیان) ۳۲۹۸ (ریکارڈ جلسہ قادیان)
	ربوہ ۱٬۲۵۰۰۰ قریباً [98]
۱۹۷۴ء	قادیان ۳۴۱۷ (ریکارڈ جلسہ سالانہ)
	ربوہ ۱٬۲۵۰۰۰ سے زیادہ
۱۹۷۵ء	(قادیان) ۳۴۵۰ (ریکارڈ جلسہ قادیان)
	ربوہ ۱٬۲۵۰۰۰ سے زیادہ [99]
۱۹۷۶ء	(قادیان) ۳۵۴۲ (ریکارڈ جلسہ قادیان)
	ربوہ ۱٬۲۵۰۰۰ سے زیادہ [100]
۱۹۷۷ء	قادیان ۴۰۰۰/ ۳۰۰۰ [101]
	ربوہ ۱٬۵۰۰۰۰ قریباً [102]
۱۹۷۸ء	(قادیان) ۳۵۴۴ (ریکارڈ جلسہ قادیان)
	ربوہ ۱٬۷۰۰۰۰ قریباً [103]
۱۹۷۹ء	(قادیان) ۲۴۰۰ (بھارتی مہمان) ۲۰۰ غیر ملکی [104]
	ربوہ ۱٬۵۰٬۰۰۰ سے زیادہ [105]
۱۹۸۰ء	(قادیان) ۳۶۸۵ (ریکارڈ جلسہ قادیان)
	ربوہ ۱٬۷۵۰۰۰ [106]
۱۹۸۱ء	(قادیان) ۳۷۲۸ (ریکارڈ جلسہ قادیان)
	ربوہ ۲٬۰۰۰۰۰ سے زیادہ [107]
۱۹۸۲ء	(قادیان) ۳۷۶۰ (ریکارڈ جلسہ قادیان)
	ربوہ ۲٬۲۰۰۰۰ [108]
۱۹۸۳ء	قادیان ۳۸۱۵ (ریکارڈ جلسہ قادیان)
	ربوہ ۲٬۷۵۰۰۰ سے زیادہ [109]
۱۹۸۴ء	(قادیان) ۴۰۵۰ (ریکارڈ جلسہ قادیان)
	ربوہ کا جلسہ سالانہ نہیں ہوا
۱۹۸۵ء	(اسلام آباد لندن) ۴۵۰۰ (دوسرے روز) [110]
	(قادیان) ۳۹۳۵ (ریکارڈ جلسہ قادیان)
۱۹۸۶ء	(اسلام آباد لندن) ۵۸۰۰ (دوسرے روز) [111]
	(قادیان) ۴۰۴۰ (ریکارڈ جلسہ قادیان)

۱۹۸۷ء	(قادیان) ۴۳۱۰ (ریکارڈ جلسہ قادیان)
	اسلام آباد (لندن) ۷۰۰۰ [۱۱۲]
۱۹۸۸ء	(اسلام آباد لندن) ۵۱۱۹
	قادیان ؟
۱۹۸۹ء	اسلام آباد لندن ۱۴۰۰۰ سے زائد
	قادیان ؟
۱۹۹۰ء	اسلام آباد لندن ۸۰۰۰ مرد و زن (پہلا دن)
	قادیان ؟
۱۹۹۱ء	اسلام آباد لندن ۸۵۰۰
	قادیان ۲۲٬۰۰۰ [۱۱۳]

۱۸۹۰-۹۱ء کے بعض صحابہ

دعویٰ مسیحیت کے ابتدائی دو سالوں میں حضرت اقدس علیہ السلام کی بیعت کرنے والے بعض صحابہ کے نام یہ ہیں۔ ۱۸۹۰ء (۱) حضرت سید محمد عسکری خاں صاحب [۱۱۴] رئیس کڑا ضلع الہ آباد (۲) حضرت مولانا غلام حسن صاحبؓ [۱۱۵] پشاوری (۳) "حجتہ اللہ" حضرت نواب محمد علی خان صاحب [۱۱۶] مالیر کوٹلہ (۴) حضرت سید [۱۱۷] حامد شاہ صاحب سیالکوٹی۔ (۱۸۹۱ء) (۵) حضرت سید فضل شاہ صاحبؓ [۱۱۸] ملازم جموں (۶) حضرت مفتی محمد صادق صاحبؓ [۱۱۹] (۷) حضرت منشی حبیب الرحمٰن صاحبؓ سراوہ (۸) حضرت شیخ رحمت اللہ صاحبؓ [۱۲۰]۔ (۹) حضرت مولوی غلام نبی صاحبؓ خوشابی (۱۰) حضرت میر ناصر نواب صاحبؓ [۱۲۱] (۱۱) حضرت سید فضیلت علیؓ شاہ صاحبؓ [۱۲۲] (۱۲) حضرت شیخ محمد [۱۲۳] بن شیخ احمد مکی (۱۳) حضرت میاں معراج الدین [۱۲۴] صاحبؓ عمر (۱۴) حضرت مولوی رحیم اللہ صاحبؓ لاہور (۱۵) حضرت مولوی مروان علی صاحبؓ [۱۲۵] حیدر آباد دکن (۱۶) حضرت خلیفہ نور الدین صاحبؓ [۱۲۶] جمونی (۱۷) حضرت صاحبزادہ پیر افتخار احمد صاحبؓ (۱۸) حضرت ماسٹر عبد الرحمٰن صاحب [۱۲۷] نو مسلم سابق مہر سنگھ۔

حواشی

۱۔ الحکم ۱۴۔ اپریل ۱۹۳۵ء
۲۔ حاضرین کے ناموں کے لئے ملاحظہ ہو "آسمانی فیصلہ" (مؤلفہ سیدنا حضرت مسیح موعودؑ)
۳۔ "اصحاب احمد" جلد ۲ صفحہ ۳۷ رسالہ "نور احمد" صفحہ ۴۴
۴۔ "اصحاب احمد" جلد ۲ صفحہ ۷۰ (مرتبہ ملک صلاح الدین صاحب ایم اے) طبع اول
۵۔ مرزا برکت علی صاحب نے اسے ۱۸۹۱ء کے جلسہ کا مقام ہی بتایا ہے جو سہو ہے کیونکہ پہلا جلسہ مسجد اقصیٰ میں منعقد ہوا تھا (ملاحظہ ہو (آسمانی فیصلہ)
۶۔ تذکرۃ المہدی حصہ اول صفحہ ۱۵۹-۱۶۰
۷۔ پیر سراج الحق صاحب نعمانی نے تذکرۃ المہدی میں لکھا ہے کہ حضرت اقدس کی تقریر کے بعد حضرت مولانا نور الدین صاحب نے وعظ کیا یہ صحیح نہیں ہے۔ حضرت مولانا نور الدین صاحب کا وعظ حضور کی تقریر سے قبل ہوا تھا (ملاحظہ ہو آئینہ کمالات اسلام" صفحہ ۶۱۳)
۸۔ "تذکرۃ المہدی" حصہ اول صفحہ ۱۵۹-۱۶۰
۹۔ "آئینہ کمالات اسلام" ضمیمہ
۱۰۔ "آئینہ کمالات اسلام" صفحہ ۶۱۵
۱۱۔ الفضل ۳۱۔ دسمبر ۱۹۱۳ء
۱۲۔ الفضل ۳۔ جنوری ۱۹۲۵ء
۱۳۔ "آئینہ کمالات اسلام" بعنوان "قیامت کی نشانی"
۱۴۔ ریویو آف ریلیجنز اردو جنوری ۱۹۴۲ء صفحہ ۴۴-۴۵
۱۵۔ آسمانی فیصلہ میں حاضرین کی فہرست درج ہے۔ جو متن میں بھی شامل ہے۔
۱۶۔ آئینہ کمالات اسلام صفحہ ۶۱۳ تا ۶۱۸ و ضمیمہ صفحہ ۱۸
۱۷۔ تبلیغ رسالت جلد سوم صفحہ ۲۶
۱۸۔ الحکم ۱۰ جنوری ۱۹۰۱ صفحہ ۱
۱۹۔ تبلیغ رسالت جلد دہم صفحہ ۵۱
۲۰۔ الحکم ۱۰۔ جنوری ۱۹۰۷ء صفحہ ۵
۲۱۔ بدر ۹۔ جنوری ۱۹۰۸ء صفحہ ۲
۲۲۔ الحکم ۷۔ جنوری ۱۹۰۹ء صفحہ ۹
۲۳۔ بدر ۳۱ مارچ ۱۹۱۰ء صفحہ ۱
۲۴۔ بدر ۵۔ جنوری ۱۹۱۱ء صفحہ ۱۱
۲۵۔ بدر ۴۔ جنوری ۱۹۱۲ء صفحہ ۶
۲۶۔ الحکم ۷۔ جنوری ۱۹۱۳ صفحہ ۸۔ بدر ۹۔ جنوری ۱۹۱۳ صفحہ ۹
۲۷۔ الفضل ۳۱۔ دسمبر ۱۹۱۳ء صفحہ ۱
۲۸۔ الفضل ۳۱۔ دسمبر ۱۹۱۳ء صفحہ ۲
۲۹۔ الفضل یکم جنوری ۱۹۲۶ صفحہ ۱
۳۰۔ الفضل ۳۰۔ دسمبر ۱۹۲۶ء صفحہ ۲

۳۱۔ الفضل ۱۵۔ مارچ ۱۹۱۹ء صفحہ ۱
۳۲۔ الفضل ۵۔ جنوری ۱۹۲۰ء صفحہ ۱
۳۳۔ الفضل ۳۔ جنوری ۱۹۲۱ء صفحہ ۲
۳۴۔ الفضل ۲۶۔ دسمبر ۱۹۲۱ء صفحہ ۱۶
۳۵۔ الفضل کیم جنوری ۱۹۲۳ء صفحہ ۲
۳۶۔ الفضل کیم جنوری ۱۹۲۴ء صفحہ ۲
۳۷۔ الفضل ۳۔ جنوری ۱۹۲۵ء صفحہ ۱
۳۸۔ الفضل کیم جنوری ۱۹۲۶ء صفحہ ۱۹
۳۹۔ الفضل ۳۱۔ دسمبر ۱۹۲۶ء صفحہ ۱۶
۴۰۔ الفضل ۳۔ جنوری ۱۹۲۷ء صفحہ ۱۲
۴۱۔ الفضل ۳۔ جنوری ۱۹۳۰ء صفحہ ۲
۴۲۔ الفضل ۳۔ جنوری ۱۹۳۰ء صفحہ ۲
۴۳۔ الفضل کیم جنوری ۱۹۳۱ء صفحہ ۲
۴۴۔ الفضل ۳۱۔ دسمبر ۱۹۳۱ء صفحہ ۲
۴۵۔ الفضل کیم جنوری ۱۹۳۲ء صفحہ ۲
۴۶۔ الفضل ۳۱۔ جنوری ۱۹۳۳ء صفحہ ۲
۴۷۔ الفضل ۱۳۔ جنوری ۱۹۳۶ء صفحہ ۲
۴۸۔ الفضل ۳۱۔ دسمبر ۱۹۳۷ء صفحہ ۸
۴۹۔ الفضل ۳۱۔ دسمبر ۱۹۳۸ء صفحہ ۸
۵۰۔ الفضل ۳۔ جنوری ۱۹۴۰ء صفحہ ۲
۵۱۔ الفضل ۳۱۔ دسمبر ۱۹۴۰ء صفحہ ۵
۵۲۔ الفضل کیم جنوری ۱۹۴۲ء صفحہ ۶
۵۳۔ الفضل ۳۔ جنوری ۱۹۴۲ء صفحہ ۶
۵۴۔ الفضل کیم جنوری ۱۹۴۴ء صفحہ ۳
۵۵۔ الفضل کیم جنوری ۱۹۴۵ء صفحہ ۳
۵۶۔ الفضل کیم جنوری ۱۹۴۶ء صفحہ ۳
۵۷۔ الفضل کیم جنوری ۱۹۴۷ء صفحہ ۳۔
۵۸۔ ریکارڈ دفتر حفاظت مرکز
۵۹۔ الفضل ۳۰۔ دسمبر ۱۹۴۷ء صفحہ ۴
۶۰، ۶۱۔ الفضل ۳۰۔ مارچ ۱۹۴۸ء صفحہ ۵
۶۲۔ الفضل ۴۔ جنوری ۱۹۴۹ء صفحہ ۲
۶۳۔ الفضل ۲۳۔ اپریل ۱۹۴۹ء صفحہ ۲
۶۴۔ الفضل ۳۱۔ دسمبر ۱۹۴۹ء صفحہ ۱
۶۵۔ الفضل ۶۔ جنوری ۱۹۵۰ء صفحہ ۳
۶۶۔ رپورٹ صدر انجمن احمدیہ ربوہ ۵۱-۱۹۵۰ء صفحہ ۲۳
۶۷۔ الفضل ۷۔ جنوری ۱۹۵۱ء صفحہ ۳

۶۸۔ رپورٹ صدر انجمن احمدیہ ربوہ ۵۲-۱۹۵۱ء
۶۹۔ الفضل ۱۶۔ جنوری ۱۹۵۲ء صفحہ ۲
۷۰۔ رپورٹ صدر انجمن احمدیہ ۵۳-۱۹۵۲ء صفحہ ۸۲
۷۱۔ الفضل ۳۔ جنوری ۱۹۵۳ء صفحہ ۲
۷۲۔ بدر ۷۔ جنوری ۱۹۵۵ء صفحہ ۲ الفضل ۳۱۔ دسمبر ۱۹۵۴ء صفحہ ۷
۷۳۔ بدر ۷۔ جنوری ۱۹۵۶
۷۴۔ الفضل ۳۱۔ دسمبر ۱۹۵۵ء صفحہ ۱
۷۵۔ بدر ۳۰۔ اکتوبر ۱۹۵۶ء صفحہ ۱
۷۶۔ الفضل ۳۰۔ دسمبر ۱۹۵۶ء صفحہ ۱
۷۷۔ الفضل یکم جنوری ۱۹۵۸ء صفحہ ۱
۷۸۔ الفضل ۲۱۔ دسمبر ۱۹۵۸ء صفحہ ۱
۷۹۔ بدر ۲۴۔ دسمبر ۱۹۵۹ء صفحہ ۱
۸۰۔ الفضل ۲۷۔ جنوری ۱۹۶۰ء صفحہ ۱
۸۱۔ بدر ۲۹۔ دسمبر ۱۹۶۰ء صفحہ ۶
۸۲۔ الفضل ۳۱۔ دسمبر ۱۹۶۰ء صفحہ ۱
۸۳۔ بدر ۲۸۔ دسمبر ۱۹۶۱ء صفحہ ۲
۸۴۔ الفضل ۳۱۔ دسمبر ۱۹۶۱ء صفحہ ۲
۸۵۔ بدر ۳۔ جنوری ۱۹۶۳ء صفحہ ۲
۸۶۔ الفضل یکم جنوری ۱۹۶۳ء صفحہ ۳
۸۷۔ بدر ۳۱۔ دسمبر ۱۹۶۴ء صفحہ ۱
۸۸۔ ا'۲۔ جنوری ۱۹۶۴ء صفحہ ۱'۲۔
۸۹۔ بدر ۲۳۔ دسمبر ۱۹۶۵ء صفحہ ۲
۹۰۔ الفضل ۲۴۔ دسمبر ۱۹۶۵ء صفحہ ۱
۹۱۔ بدر ۱۵۔ دسمبر ۱۹۶۶ء صفحہ ۴
۹۲۔ الفضل یکم فروری ۱۹۶۷ء صفحہ ۱
۹۳۔ الفضل ۱۷۔ جنوری ۱۹۶۸ء صفحہ ۱
۹۴۔ الفضل یکم جنوری ۱۹۶۹ء صفحہ ۱
۹۵۔ الفضل یکم جنوری ۱۹۷۰ء صفحہ ۴
۹۶۔ الفضل ۳۔ جنوری ۱۹۷۱ء صفحہ ۸
۹۷۔ الفضل ۲۔ جنوری ۱۹۷۳ء صفحہ ۱
۹۸۔ الفضل ۳۰۔ دسمبر ۱۹۷۳ء صفحہ ۱
۹۹۔ الفضل ۳۰۔ دسمبر ۱۹۷۴ء صفحہ ۱۔ الفضل ۲۹۔ دسمبر ۱۹۷۵ء صفحہ ۱
۱۰۰۔ الفضل ۱۳۔ دسمبر ۱۹۷۶ء صفحہ ۱
۱۰۱۔ الفضل ۲۷۔ دسمبر ۱۹۷۷ء صفحہ ۲
۱۰۲۔ الفضل ۳۱۔ دسمبر ۱۹۷۷ء صفحہ ۱
۱۰۳۔ الفضل ۳۰۔ دسمبر ۱۹۷۸ء صفحہ ۱

۱۰۴۔ بدر ۲۷۔ دسمبر ۱۹۷۹ء صفحہ ۱
۱۰۵۔ الفضل ۳۰۔ دسمبر ۱۹۷۹ء صفحہ ۱
۱۰۶۔ الفضل ۳۱۔ دسمبر ۱۹۸۰ء صفحہ ۱
۱۰۷۔ الفضل ۳۱۔ دسمبر ۱۹۸۱ء صفحہ ۱
۱۰۸۔ الفضل یکم جنوری ۱۹۸۳ء صفحہ ۱
۱۰۹۔ الفضل یکم جنوری ۱۹۸۴ء صفحہ ۱
۱۱۰، ۱۱۱۔ ضمیمہ رسالہ "خالد" ربوہ اگست ۱۹۸۶ء صفحہ ۱-۲
۱۱۲۔ ہفت روزہ "وطن" لنڈن ۱۹-۲۶ جولائی ۱۹۸۷ء اخبار "ایشین ٹائمز" ۱۴-۲۰ اگست ۱۹۸۷ء
۱۱۳۔ ضمیمہ ماہنامہ تحریک جدید جولائی ۱۹۸۸ء صفحہ ۱۔ الفضل ۲۶۔ اگست ۱۹۸۹ء صفحہ ۱۔ الفضل ۲۲۔ اگست ۱۹۹۰ء صفحہ ۳۔ الفضل ۳۰۔ جولائی ۱۹۹۱ء صفحہ ۱۔ الفضل ۲۔ مارچ ۱۹۹۳ء صفحہ ۴۔
۱۱۴۔ ۳۱۳ اصحاب کبار میں شامل ہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے انہیں بیعت سے بھی پہلے نیاز حاصل تھے (مکتوبات احمدیہ جلد پنجم نمبر پنجم صفحہ ۱۲)
۱۱۵۔ سلسلہ احمدیہ کے ایک بلند پایہ بزرگ اور حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب کے خسر۔ ولادت ۱۸۵۲ء تاریخ بیعت ۱۷۔ مئی ۱۸۹۰ء وفات یکم فروری ۱۹۴۳ء۔ (الفضل ۶۔ فروری و ۱۳ فروری ۱۹۴۳ء) حضرت اقدسؑ نے ان کے متعلق لکھا "وفادار مخلص ہیں اور لایخافون لومۃ لائم میں داخل ہیں...... فطرت نورانی رکھتے ہیں" (ازالہ اوہام صفحہ ۸۱۳-۸۱۴ طبع اول)
۱۱۶۔ سلسلہ کی اس نہایت بزرگ شخصیت آپ کے مفصل حالات کے لئے ملاحظہ ہو "اصحاب احمدؑ جلد دوم ولادت یکم جنوری ۱۸۷۰ء تاریخ بیعت ۱۹۔ نومبر ۱۸۹۰ء وفات ۱۰۔ فروری ۱۹۴۵ء
۱۱۷۔ وفات ۱۴۔ نومبر ۱۹۱۸ء (الحکم ۲۱۔ نومبر ۱۹۱۸ء)
۱۱۸۔ تاریخ بیعت ۲۔ جنوری ۱۸۹۱ء وفات یکم فروری ۱۹۲۴ء
۱۱۹۔ حضرت اقدسؑ کے مشہور صحابی جو اخبار بدر کے دوسرے ایڈیٹر اور احمدیہ مسلم مشن امریکہ کے بانی تھے۔ آپ نے پوری زندگی تبلیغی جہاد میں وقف کئے رکھی۔ تاریخ بیعت ۳۱۔ جنوری ۱۸۹۱ء ۱۳۔ فروری ۱۹۵۷ء کو انتقال فرمایا۔
۱۲۰۔ مالک انگلش ویرہاؤس لاہور وفات ۱۰۔ مارچ ۱۹۲۴ء حضرت مسیح موعود کے زمانہ میں آپ کو سلسلہ احمدیہ کی مالی خدمات کی توفیق ملی ۱۹۱۴ء میں گو آپ غیر مبائعین سے منسلک ہو گئے مگر مخالفت میں کبھی عملی حصہ نہیں لیا۔ تاریخ بیعت ۲۹۔ مئی ۱۸۹۱ء
۱۲۱۔ ولادت ۱۸۴۶ء وفات ۱۹۔ ستمبر ۱۹۲۴ء
۱۲۲۔ حضرت اقدسؑ نے ۹۔ ستمبر ۱۸۹۸ء کو ان کا جنازہ پڑھایا (جنتری منظور الٰہی) تاریخ بیعت ۹۔ جولائی ۱۸۹۱ء۔
۱۲۳۔ حضرت اقدس نے آپ کے متعلق ازالہ اوہام میں لکھا۔ "یہ صاحب عربی ہیں اور خاص مکہ معظمہ کے رہنے والے ہیں صلاحیت اور رشد اور سعادت کے آثار ان کے چہرہ پر ظاہر ہیں۔ اپنے وطن خاص مکہ معظمہ سے زادہ اللہ مجداً و شرفاً بطور سیر و سیاحت اس ملک میں آئے"۔ انہوں نے ۱۳۰۵ھ میں خواب دیکھا کہ عیسیٰؑ آسمان سے نازل ہو گیا۔ جس پر انہوں نے دل میں کہا کہ انشاء اللہ القدیر میں اپنی زندگی میں عیسیٰ کو دیکھ لوں گا۔ تاریخ بیعت ۱۰۔ جولائی ۱۸۹۱ء۔
۱۲۴۔ وفات ۲۸ جولائی ۱۹۴۰ء
۱۲۵۔ جماعت احمدیہ حیدر آباد دکن کی بنیاد آپ کے اور مولوی ظہور علی صاحب وکیل ہائیکورٹ حیدر آباد کے ذریعہ سے پڑی تھی (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو الحکم ۲۱، ۲۸۔ مئی ۱۹۲۴ء) تاریخ بیعت ۲۳۔ ستمبر ۱۸۹۱ء
۱۲۶۔ حضرت اقدسؑ جب مولانا نور الدین کی عیادت کے لئے جموں تشریف لے گئے تھے تو آپ ہی کے مکان پر حضور نے قیام فرمایا تھا۔ تاریخ بیعت ۲۷۔ دسمبر ۱۸۹۱ء تاریخ وفات ۲۔ ستمبر ۱۹۳۲ء
۱۲۷۔ سکھ قوم سے اسلام لائے۔ احمدیت کے پرجوش مبلغ اور صاحب کشف و الہام تھے۔ کرنل ڈگلس کمشنر کی تحریک پر ۱۹۱۵ء میں انڈیمان کے گورنمنٹ ہائی سکول کے ہیڈ ماسٹر مقرر ہوئے آپ کی تبلیغ سے انڈیمان میں جماعت کا قیام ہوا۔ انڈیمان سے واپسی

کے بعد تعلیم الاسلام ہائی سکول اور مدرسہ احمدیہ میں ایک عرصہ تک بطور مدرس خدمات انجام دیں حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ نے ان کی نسبت فرمایا۔ "ماسٹر عبدالرحمٰن صاحب کار آمد کارکن ہیں۔ تبلیغ کا انہیں ایسا جوش ہے کہ بعض لوگوں کی نظروں میں جنون کی حد تک پہنچا ہوا ہے ایسے آدمی سست لوگوں کو ہوشیار کرنے کے لئے بہت مفید کام کرتے ہیں"۔ (وفات ۴۔ جون ۱۹۵۲ء عمر ۸۰ سال)

ماموریت کا گیارھواں سال

سفر لاہور

(۱۸۹۲ء)

سیدنا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام نے جنوری ۱۸۹۲ء کے تیسرے ہفتہ میں لاہور والوں پر اتمام حجت کے لئے سفر لاہور اختیار فرمایا۔ حضورؑ لاہور اسٹیشن سے قیامگاہ تک یکے میں سوار ہو کر پہنچے۔ ابتداء حضور نے منشی میراں بخش صاحب میونسپل کمشنر لاہور کی کوٹھی واقع چونامنڈی میں قیام فرمایا۔ لیکن جب وہ جگہ کافی نہ رہی تو آپ محبوب رایوں کے مکان واقع ہیرامنڈی میں تشریف لے گئے۔

ایک فاتر العقل شخص کا حملہ

حضرت اقدسؑ قیام لاہور کے دوران میں مسجد مولوی رحیم اللہ صاحب میں جو (لنگے منڈی میں میاں چراغ الدین صاحب کے مکانات کے سامنے تھی) نمازیں ادا فرماتے تھے۔ ایک روز حضور ظہر یا عصر کی نماز پڑھ کر سیدھا مٹھا بازار کی طرف تشریف لے جا رہے تھے جہاں حضور محبوب رایوں کے مکان میں مقیم تھے۔ حضور کے پیچھے خدام دس گز کے فاصلے پر تھے۔ کہ ایک شخص اچانک آکر لپٹ گیا اور شور مچانے لگا کہ مہدی تو میں ہوں تم نے کیوں دعویٰ کیا ہے؟ وہ نہ تو آپ کو اٹھا سکا نہ گرا سکا۔ حضرت اقدسؑ کے بعض خدام نے اسے پکڑ کر الگ کر دیا۔ وہ اسے مارنا چاہتے تھے مگر حضور نے مسکرا کے ارشاد فرمایا کہ اسے کچھ نہ کہو جانے دو۔ معذور ہے وہ تو یہ سمجھتا ہے کہ اس کا عہدہ میں نے سنبھال لیا ہے۔

حضرت اقدسؑ کی طرف سے صبر کا ایک بے نظیر نمونہ

حضرت اقدسؑ جہاں ٹھہرے تھے وہاں لاہور کے مسلمان ہندو مرد عورت ہر مذہب و ملت کے لوگ بڑی کثرت سے آتے مختلف سوال کرتے تھے۔ حضرت اقدسؑ ان کے شافی جوابات دیتے اور وہ باادب سنتے تھے۔ ایک مرتبہ حضرت اقدسؑ مجلس میں

تشریف فرماتھے اور منشی شمس الدین صاحب جنرل سیکرٹری حضورؑ کے ارشاد سے رسالہ "آسمانی فیصلہ" سنا رہے تھے کہ پیر مہر علی شاہ صاحب گولڑوی کے کسی بد زبان مرید نے حضور کو نہایت گندی گالیاں دینا شروع کر دیں۔ حضورؑ خاموش سر جھکائے اور ریش مبارک پر ہاتھ رکھے سنتے رہے۔ جب وہ خاموش ہو گیا۔ تو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا۔ کہ کچھ اور بھی کہنا ہے تو کہہ ڈالو اس پر وہ بہت نادم ہو کر معافی کا خواستگار ہوا۔ جب وہ چلا گیا تو حاضرین میں سے ایک تعلیم یافتہ برہمو سماجی لیڈر نے کہا کہ حضرت مسیح (علیہ السلام) کے تحمل کے متعلق تو بہت کچھ پڑھا تھا مگر جو نمونہ آج دیکھنے میں آیا ہے یہ یقیناً آپ کا بہت بڑا اخلاقی معجزہ ہے۔

لاہور کے "پیسہ" اخبار (۲۲۔ فروری ۱۸۹۲ء) نے لکھا:۔

"جناب مرزا غلام احمد صاحب قادیانی لاہور میں۔

مرزا صاحب دو ہفتے سے لاہور میں تشریف رکھتے تھے۔ لاہور کی خاص و عام طبائع کو اپنی طرف متوجہ کر رہے تھے کہ کسی وجہ سے سیالکوٹ کو چلے گئے ہیں۔ ہر شخص گھر میں ہر دکان بازار میں۔ دفتر میں مرزا صاحب اور ان کے دعوئ مماثلت مسیح کا ذکر کرتا ہے۔ آج تک اخبارات نے کالم کے کالم اور ورقوں کے ورقے مرزا صاحب کے حالات اور عقائد کی تردید یا تائید میں لکھ ڈالے ہیں۔ مگر ہم نے عمداً اس بحث کو نہیں چھیڑا۔ جس کی بڑی وجہ یہ ہے پیسہ اخبار کوئی مذہبی اخبار نہیں۔ مگر اب چونکہ معاملہ عام انٹرسٹ کا ہو گیا ہے۔ اور کئی صاحبوں نے پیسہ اخبار کی رائے مرزا صاحب کے عقائد اور عام حالات کی نسبت دریافت کی ہے۔ اس لئے ہم مختصر طور پر ایک دو باتیں ظاہر کرتے ہیں۔ مرزا صاحب کے حق میں جو کفر کا فتویٰ دیا گیا ہے ہم کو اس سے سخت افسوس ہوا ہے۔ کوئی مسلمان زنا کرے چوری کرے۔ الحاد کا قائل ہو۔ شراب پئے اور کوئی کبیرہ گناہ کرے کبھی علمائے اسلام اس کی تکفیر پر آمادہ نہیں سنے گئے۔ مگر ایک باخدا مولوی جو قال اللہ اور قال الرسول کی تابعداری کرتا ہے بعض جزوی اختلافات کی وجہ سے کافر گردانا جاتا ہے۔ ؎

گر مسلمانی ہمیں است کہ واعظ دارد
وائے گر ازپس امروز بود فردائے

ہم یہ نہیں کہتے کہ ہر شخص مرزا صاحب کی ہر ایک بات کو تسلیم کر لے۔ لیکن یہ چاہتے ہیں کہ ہمارے مولوی صاحبان اپنی اس لیاقت اور ہمت کو غیر مسلموں کے مقابلے میں صرف کریں جو اب مرزا صاحب کے مقابلے میں صرف ہو رہی ہے۔

؎ ہر کس از دست غیر نالہ کند
سعدی از دست خویشتن فریاد

اہل اسلام مطمئن رہیں کہ مرزا صاحب اسلام کو کبھی نقصان نہیں پہنچا سکتے۔ اور یہ بات ہمارے عقیدے کے مطابق ان کے اختیار سے بھی باہر ہے۔ اگر اہل ہنود خصوصاً آریہ لوگ اور عیسائی لوگ مرزا صاحب کی مخالفت میں زور و شور سے کھڑے ہو جاتے تو ایسا بے جا نہیں تھا۔ مرزا صاحب کی تمام کوششیں آریہ اور عیسائیوں کی مخالفت میں اور مسلمانوں کی تائید میں صرف ہوئی ہیں۔ جیسا کہ ان کی مشہور تصنیفات 'براہین احمدیہ' 'سرمہ چشم آریہ اور بعد کے رسائل سے واضح ہیں"۔

جلسہ عام میں حضرت اقدسؑ کی تقریر ۳۱۔ جنوری ۱۸۹۲ء کو منشی میراں بخش صاحب کی کوٹھی کے احاطے میں حضورؑ کا ایک عظیم الشان لیکچر ہوا خلقت کا اژدحام اس کثرت سے تھا کہ کسی صورت میں بھی حاضرین کی تعداد دس ہزار سے کم نہ ہوگی۔ ہر طبقہ کے لوگ موجود تھے۔ کوٹھی کے صحن کے علاوہ آس پاس کے مکانوں کی چھتوں اور گلیوں میں بھی بڑا ہجوم تھا۔ حضرت اقدس نے اپنی تقریر میں اپنے دعاوی سے متعلق زبردست دلائل دیئے۔ اور خصوصیت سے ان آسمانی نشانوں کا تذکرہ فرمایا جو خدا تعالیٰ نے آپ کی نصرت کے لئے بارش کی طرح نازل فرمائے تھے اور بتایا کہ علماء میرے مقابلہ میں دلائل قرآنیہ سے عاجز آکر میرے خلاف کفر کا فتویٰ دیتے ہیں۔ ایک مومن کو کافر کہہ دینا آسان ہے مگر اپنا ایمان ثابت کرنا آسان نہیں۔ قرآن کریم نے مومن اور غیر مومن کے لئے کچھ نشان مقرر کر دیئے ہیں۔ میں ان کافر کہنے والوں کو دعوت دیتا ہوں کہ اسی لاہور میں میرے اور اپنے ایمان کا قرآن مجید کے مطابق فیصلہ کرالیں۔

حضرت اقدسؑ تقریر فرما چکے تو حضرت مولانا نور الدین سے ارشاد فرمایا کہ آپ بھی تقریر کریں۔ یہ کہہ کر حضور انور تو اندر تشریف لے گئے اور حضرت حکیم الامت نے ایک دل ہلا دینے والی تقریر فرمائی۔

حضرت حکیم الامت کا یہ خطاب گو مختصر تھا مگر جب آپ نے کلمہ شہادت پڑھ کر کہا۔ کہ کیا میں اس عمر میں بھی جھوٹ بولنے کی آرزو کر سکتا ہوں؟ تو یہ الفاظ تیر بن کر دلوں کے پار ہو گئے کوئی آنکھ نہ تھی جو اشکبار نہ ہوئی ہو۔ ہر طرف آہ و بکا کا شور بلند ہو گیا۔ تقریر کے بعد چند ہندو معززین آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور مبارکباد پیش کرتے ہوئے کہا کہ اگر آپ ایک دفعہ وہی کلمہ پھر پڑھتے تو ہم پورے مسلمان ہو جاتے لیکن آدھے مسلمان تو ہو گئے۔ آپ کے مخالفوں نے اس موقعے پر لوگوں کو جلسہ میں شامل ہونے سے بڑی سختی سے منع کیا۔ اس وقت بازار میں اتنا بڑا انبوہ ہو گیا کہ آمد و رفت رک گئی۔ مگر

خدا تعالیٰ کے مسیح کی آواز منہ کی پھونکوں سے بند کرنا ان کے بس کی بات نہیں تھی۔

مولوی عبدالحکیم صاحب کلانوری سے مباحثہ

قیام لاہور کا ایک اہم ترین واقعہ مباحثہ مولوی عبدالحکیم کلانوری ہے مولوی عبدالحکیم صاحب کلانور ضلع گورداسپور کے باشندے تھے اور الور میں رہتے تھے۔ انہوں نے حضرت اقدسؑ سے "توضیح مرام" کی اس عبارت پر کہ محدث ایک معنی میں نبی ہوتا ہے چند روز تک تحریری مباحثہ کیا۔ جو ۳۔ فروری تک جاری رہا۔ ابتداء میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا۔ کہ میرے دعویٰ کی بنیاد اس امر پر ہے کہ مسیح ابن مریمؑ نبی ناصری فوت ہو چکے ہیں اور جس مسیح کے آنے کا وعدہ ہے وہ میں ہوں۔ اگر مسیح علیہ السلام کا زندہ آسمان پر جانا ثابت ہو جائے تو میرا دعویٰ خود بخود غلط ہو جائے گا۔ مگر مولوی عبدالحکیم صاحب نے اس راہ سے ہٹ کر ایک دوسرا طریق اختیار کیا۔ یعنی کہا کہ میں اس بحث کی ضرورت نہیں سمجھتا۔ پہلے آپ کا مسلمان ہونا تو ثابت ہو، آپ نے نبوت کا دعویٰ کر کے اسلام سے خروج کیا ہے۔ اور مسیح ابن مریم کے نزول کا عقیدہ اسلام کے خلاف نہیں وہ اسی امت میں ہو گا۔ حضرت اقدسؑ نے فرمایا۔ مجھ پر دعویٰ نبوت کا الزام سراسر افترا ہے۔ حضرت اقدس نے یہ بھی فرمایا۔ کہ میرے مسلمان اور مومن ہونے کا ثبوت ان معیاروں سے دیکھا جا سکتا ہے۔ جو قرآن کریم نے بیان کئے ہیں اور جن کو میں نے رسالہ "آسمانی فیصلہ" میں لکھا ہے۔ مگر مولوی عبدالحکیم صاحب اپنی بات پر اڑ گئے۔ جس پر تحریری مباحثہ شروع ہوا۔ حضورؑ نے اپنے جواب میں یہ بنیادی نکتہ پیش کیا کہ اللہ تعالیٰ سے مکالمات و مخاطبات کا سلسلہ امت محمدیہ میں قیامت تک جاری ہے اس دعوے کے ثبوت میں حضور نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث لکھی "لَقَدْ کَانَ فِیْ مَنْ کَانَ قَبْلَکُمْ مِنْ بَنِیْ اِسْرَائِیْلَ رِجَالٌ یُکَلَّمُوْنَ مِنْ غَیْرِ اَنْ یَّکُوْنُوْا اَنْبِیَاءَ فَاِنْ یَّکُنْ فِیْ اُمَّتِیْ مِنْهُمْ اَحَدٌ فَعُمَرُ"

[۲]

جونہی یہ حدیث پڑھی گئی مولوی احمد علی صاحب نے جو مولوی عبدالحکیم صاحب کے کاتب کے فرائض انجام دے رہے تھے شور مچانا شروع کر دیا کہ بخاری شریف سے یہ حدیث نکال کر پیش کریں۔ حضرت اقدسؑ نے فرمایا مضمون ختم ہونے دیں۔ میں حدیث نکال کر پیش کر دوں گا مگر وہ بار بار بخاری حضرت اقدسؑ کی طرف پیش کرتے کہ لیجئے اور نکالئے۔ غرضکہ ان کا مطالبہ بڑی شدت اختیار کر گیا۔ مولانا سید محمد احسن صاحب ایسے محدث نے حوالہ کی تلاش میں بخاری کی پوری باریک نظری سے ورق گردانی کی مگر حوالہ نہ مل سکا۔ اور فریق مخالف کے حوصلے اور بھی بڑھ گئے تب حضرت اقدسؑ نے

خود بخاری لے کر چند ورق الٹے اور آخر حوالہ معجزانہ رنگ میں مل گیا اور اسی پر مباحثہ ختم ہو گیا۔ مباحثے کے اختتام پر حضرت اقدسؑ کا ایک تحریری بیان جس پر آٹھ افراد کے دستخط تھے پڑھ کر سنایا گیا۔ اس مباحثے کے اصل پرچے مولوی عبدالحکیم صاحب ساتھ لے کر چلے گئے تھے اور مطالبے کے باوجود انہوں نے آخر دم تک واپس نہیں کئے۔ مولوی صاحب ایک دفعہ مباحثہ کے بعد قادیان بھی آئے تھے۔ حضورؑ کو اطلاع ہوئی تو وہ نواب صاحب کے مکان میں ٹھہرائے گئے اور حضورؑ نے ان کی خاطر تواضع کے لئے حکم دیا۔ اس موقعہ پر حضرت شیخ یعقوب علی صاحب تراب [۳] نے ان سے بڑے اصرار کے ساتھ کہا کہ آپ کے پاس مباحثے کے پرچے ہیں مہربانی کر کے مجھے دیدیں آپ کے کام کے نہیں اور اگر اپنے پرچے نہ بھی دیں تو حرج نہیں مگر حضرت اقدسؑ کے پرچے ضرور دے دیں انہوں نے اس وقت وعدہ کیا کہ جاتے ہی بھیج دونگا۔ مگر اس کے ایفا کی ان کو توفیق نہ مل سکی

تقدیر کے مسئلہ پر تقریر

انہی دنوں ایک برہمو سماج کا سیکرٹری جو ایم۔ اے تھا حاضر خدمت ہوا۔ اور اس نے ذکر کیا کہ تقدیر کا مسئلہ میں نے اپنی تحقیق کی بناء پر اس طرح حل کیا ہے کہ میرے خیال میں شاید اس سے بہتر کوئی اور تسلی بخش بیان نہ کر سکے۔ آپ نے یہ سن کر مسئلہ تقدیر پر تقریر شروع فرمادی۔ وہ شخص حیران ہو گیا اور اس نے کھڑے ہو کر کہا کہ میری معلومات اس بارے میں ہیچ ہیں اور آپ سے بہتر دنیا میں کوئی اور شخص مسئلہ تقدیر کو نہیں سمجھتا۔ اور سچی بات یہ ہے کہ آپ میں پرمیشر کی شکتی ہے انسان سے آدمی گفتگو کر سکتا ہے مگر جو پرمیشر کا روپ رکھتا ہو۔ اس کے آگے کیا پیش جا سکتی ہے پھر وہ نہایت ادب سے ہاتھ باندھ کر سلام کر کے الٹے پاؤں یہ کہتا ہوا چلا گیا۔ کہ بڑی قوت ہے بڑی قوت ہے۔ اس کے جانے کے بعد نواب فتح علی خاں صاحب [۴] قزلباش کہنے لگے کہ آپ اسلام کی روح بیان فرماتے ہیں وہ لوگ بڑے ظالم ہیں جو آپ کی مخالفت کرتے ہیں۔ ظالم کا لفظ سن کر آپ نے بڑے جوش میں ایک زبردست تقریر فرمائی۔ نواب صاحب اس تقریر سے بڑے متاثر ہوئے اور پھر اجازت لے کر السلام علیکم کہہ کر چلے گئے۔ ان کے جانے کے بعد حضورؑ نے فرمایا کہ ہمارے نواب صاحب سے پرانے تعلقات ہیں۔ انہیں ایسی مجالس میں شریک ہونے کا کہاں موقعہ ملتا ہے۔ اتفاقیہ آگئے میں نے ضروری سمجھا کہ انہیں نصائح آمیز تبلیغ کر دوں۔ تا اگر غور کریں تو ہدایت یاب ہوں۔ [۵]

سفر سیالکوٹ

جماعت احمدیہ سیالکوٹ کی دلی خواہش تھی کہ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام سیالکوٹ میں

دوبارہ رونق افروز ہوں اور انہیں زیارت سے فیضیاب فرمائیں - چنانچہ اب جو حضورؑ لاہور تشریف لائے - تو مولانا عبدالکریم صاحب نے احباب سیالکوٹ کی طرف سے حضرت اقدسؑ کی خدمت میں سیالکوٹ آنے کی دعوت پیش کی - چنانچہ اس دعوت کو آپ نے شرف قبولیت بخشا اور فروری ۱۸۹۲ء کے دوسرے ہفتہ میں سیالکوٹ تشریف لے گئے اور حکیم حسام الدین صاحب کے مکان میں فروکش ہوئے -

زائرین کا ہجوم اور پاک مجلس

حضرت اقدسؑ کے تشریف لانے کی خبر سن کر سیالکوٹ اور اس کے نواح سے زائرین کا ایک ہجوم اُمڈ آیا اور لوگ ذوق و شوق سے حضورؑ کا چہرہ مبارک دیکھنے اور پاک مجلس سے فائدہ اٹھانے کے لئے آنے لگے - ڈاکٹر بشارت احمد صاحب کا بیان ہے کہ "میں مع ایک دوست کے تیسرے پہر آپ کو دیکھنے کے لئے شہر گیا - اس وقت حکیم حسام الدین صاحب کے کوچہ میں لوگوں کا بے حد اژدہام تھا - ہم دونوں نوجوان لڑکے تھے گھستے گھستے آخر اس قطار تک پہنچ گئے جو عین دروازے کے سامنے کھڑی تھی - حضرت اقدسؑ ایک دروازے سے نکلے اور کوچہ عبور کر کے دوسرے مکان کے دروازہ میں چلے گئے - مجھے یہ معلوم ہوا کہ ایک نور کا جھمکڑا نظروں کے سامنے آکر یکایک گم ہو گیا - میں اپنے تخیل میں کسی بزرگ کی مقدس شکل کا جو بہتر سے بہتر تصور قائم کیا کرتا تھا یہ ویسا ہی بلکہ اس سے بھی کچھ زیادہ تھا - میرے دل پر اتنا اثر ہوا کہ میں نے اپنے دوست سے کہا کہ یہ نورانی شکل جھوٹے کی نہیں ہو سکتی - یہ شخص سچا ہے - اس کے بعد ہم حکیم حسام الدین والی مسجد کے اندر گئے اور حضرت اقدسؑ نے عصر کی نماز پڑھائی اور ہم نے بھی آپ کی اقتداء میں نماز پڑھی - نماز کے بعد آپ مسجد کے درمیانی در میں جنوبی ستون کے ساتھ لگ کر بیٹھ گئے اور مسجد کا اندر اور صحن سب لوگوں سے بھرا ہوا تھا صحن کے سامنے کی طرف ایک شہ نشین تھا اس پر میں اور مولوی عبدالکریم صاحب بیٹھے ہوئے تھے میری نظریں حضرت اقدسؑ کے چہرہ پر جمی ہوئی تھیں - اتنے میں مولوی عبدالکریم صاحب بولے کہ دیکھو چہرہ پر کس قدر نور برس رہا ہے میں نے کہا واقعی اس قدر نورانی چہرہ میں نے کبھی نہیں دیکھا لوگ مختلف مذہبی سوالات کرتے تھے جن کے آپ ایسے معقول جواب دیتے تھے کہ نہ صرف دل کو لگتے تھے بلکہ مجھے نہایت تعجب ہوتا تھا کہ مذہبی لوگوں سے ایسی معقول باتیں میں نے کبھی نہیں سنی تھیں - کسی شخص نے ایک مرگی زدہ کی شفا کے لئے دعا بھی کروائی - چنانچہ آپ نے ہاتھ اٹھا کر دعا کی - اتنے میں مولوی عبدالکریم صاحب نے نزدیک ہو کر دریافت کیا کہ حضرت عرش کیا ہے؟ آپ نے فرمایا اس سے مراد سلطنت اور نفاذ امر بھی ہیں لیکن حال اور صاحب باطن لوگوں کی نظر میں یہ وہ مقام ہے جہاں مادی اور روحانی ہر طرح کی مخلوق کی حد ختم ہو

جاتی ہے اور صرف ذات باری تعالیٰ ہی جلوہ گر ہوتی ہے۔ غرضکہ آپ نے عرش پر ایسی لطیف تقریر فرمائی کہ سننے والوں کو وجد آگیا۔ شام ہو گئی۔ نماز مغرب کے بعد میں مع اپنے دوست کے واپس چلا آیا۔ ہم دونوں نے یہ فیصلہ کر لیا کہ یہ شخص صادق ہے۔ دوسرے دن ہم دونوں آدمی پھر نماز ظہر کے وقت گئے حضرت اقدسؑ نے نماز ظہر کے بعد ایک تقریر کی جس میں سورۃ فاتحہ کی تفسیر فرمائی جو ایسی لطیف اور پراز معارف تھی کہ ہم دونوں عش عش کر گئے اس سے قبل یہ حقائق و معارف کہاں سنے تھے بہت عالموں کے وعظ سنے تھے مگر یہاں بات ہی کچھ اور تھی۔ ان دنوں آریہ سماج کا بڑا زور تھا اس تقریر کے دوران میں ہمارے لئے ایک نئی بات یہ بھی ہوئی کہ حضرت صاحب نے آریہ سماج کے ایسے پرخچے اڑائے کہ آریہ سماج کا جتنا رعب ہمارے جیسے نو عمر طالب علموں پر تھا وہ سب ہباء منثورا ہو گیا اور اسلام کی عظمت اور شوکت آنکھوں کے سامنے ہویدا ہو گئی۔ تقریر کے بعد چند جٹ زمیندار حضرت اقدسؑ کے گرد جمع ہو کر زور زور سے باتیں کرنے لگے۔ جنہیں بھیڑ کی وجہ سے میں نہ سمجھ سکا۔ [۶]

ڈاکٹر سر محمد اقبال صاحب اور ان کے والد اور برادر اکبر کی عقیدت و بیعت سے متعلق ایک ضمنی نوٹ

یہاں ضمناً یہ بتانا دلچسپی سے خالی نہ ہو گا۔ کہ (شاعر مشرق) ڈاکٹر سر محمد اقبال صاحب (۱۸۷۷ء ۱۹۳۸ء) کے والد بزرگوار شیخ نور محمد صاحب (متوفی ۱۹۲۹ء) نے مولانا عبدالکریم صاحب اور سید حامد شاہ صاحب کی تحریک پر ۹۲-۱۸۹۱ء میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی بیعت کی تھی۔ [۷] اور ان کے دونوں فرزند شیخ عطا محمد صاحب اور ڈاکٹر محمد اقبال صاحب بھی اپنے آپ کو جماعت میں شمار کرتے تھے۔ اور حضرت اقدسؑ سے ارادت مندانہ تعلق رکھتے تھے۔ چنانچہ ڈاکٹر بشارت احمد صاحب ہی کا بیان ہے کہ "سفر سیالکوٹ کے موقعہ پر ڈاکٹر سر محمد اقبال صاحب جو مسجد کی ڈیوڑھی کی چھت پر چڑھے بیٹھے تھے مجھے دیکھ کر کہنے لگے دیکھو شمع پر کس طرح پروانے گر رہے ہیں"۔ [۸] یہ اسی عقیدت کا نتیجہ تھا کہ دو ایک سال بعد جب سعد اللہ لدھیانوی نے حضرت اقدسؑ کی ذات پر نہایت گندے اور لغو اعتراضات کئے تو ڈاکٹر سر محمد اقبال صاحب جو ان دنوں سکاچ مشن سکول سیالکوٹ میں ایف اے کے طالب علم تھے حضرت اقدسؑ پر سوقیانہ حملے برداشت نہ کر سکے اور انہوں نے اس کے جواب میں ایک نظم لکھی جس میں حضور کو "آفتاب صدق" تسلیم کیا۔ [۹]

چند سال بعد شیخ نور محمد صاحب نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی خدمت میں بذریعہ خط درخواست کی کہ سیالکوٹ کی جماعت چونکہ نوجوانوں کی جماعت ہے اور میں بوڑھا آدمی ان کے ساتھ چل نہیں سکتا۔ [۱۰] لہذا آپ میرا نام اس جماعت سے الگ رکھیں تاہم انکے فرزند شیخ عطا محمد صاحب

عمر بھر نہایت اخلاص کے ساتھ احمدیت سے وابستہ رہے۔ [۱۱] شیخ عطا محمد صاحب کے بیٹے شیخ اعجاز احمد صاحب خدا کے فضل سے زندہ ہیں اور نہایت مخلص احمدی ہیں (کتاب کے اس جدید ایڈیشن کے دوران آپ انتقال فرما گئے۔ تاریخ وفات ۲۔ جنوری ۱۹۹۴ء) مولوی غلام محی الدین صاحب قصوری کے بیان کے مطابق خود ڈاکٹر سر محمد اقبال صاحب نے بھی پانچ سال بعد ۱۸۹۷ء [۱۲] میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی بیعت کر لی تھی۔ اور حضرت اقدس کی زندگی میں اپنے بعض انگریزی مضامین میں حضورؑ کے متعلق صاف صاف لکھا کہ آپ جدید ہندی مسلمانوں میں سب سے بڑے دینی مفکر ہیں۔ [۱۳] نو سال بعد (۱۹۱۰ء میں) انہوں نے علی گڑھ میں ایک تقریر میں کہا کہ "پنجاب میں اسلامی سیرت کا ٹھیٹھ نمونہ اس جماعت کی شکل میں ظاہر ہوا ہے جسے فرقہ قادیانی کہتے ہیں"۔ [۱۴] [۱۵] ان کے بعض سوانح نگاروں کے بیان کردہ حالات سے قطعی طور پر ثابت ہے کہ ۱۹۱۳ء تک وہ جماعت قادیان سے ربط ضبط رکھتے تھے۔ چنانچہ انہوں نے اس زمانہ میں ایک نجی مسئلے میں فتویٰ حاصل کرنے کے لئے اپنے ایک گہرے دوست کو حضرت خلیفۃ المسیح اول کی خدمت میں قادیان بھیجا تھا۔ [۱۶] لیکن اس کے بعد جیسا کہ ڈاکٹر محمد اقبال صاحب کے ایک خط سے معلوم ہوتا ہے وہ سلسلہ قادریہ سے منسلک ہو گئے تھے۔ [۱۷] اور عمر کے آخر میں جمال الدین صاحب افغانی کو مجدد سمجھنے لگے تھے۔ بایں ہمہ وہ ۱۹۳۲ء تک جماعت احمدیہ کے اشاعت اسلام کے دینی جوش و خروش کے بہرنوع مدح رہے۔ چنانچہ انہوں نے ۷۔ اپریل ۱۹۳۲ء کو اپنے ایک مکتوب میں لکھا۔ کہ "اسلام کو دنیا کے سامنے پیش کرنے کے کئی طریق ہیں۔ میرے عقیدہ ناقص میں جو طریق مرزا صاحب نے اختیار کیا ہے وہ زمانہ حال کی طبائع کے لئے موزوں نہیں ہے ہاں اشاعت اسلام کا جوش جو ان کی جماعت کے اکثر افراد میں پایا جاتا ہے قابل قدر ہے" [۱۸] ان کی وفات سے تین سال قبل (۱۹۳۵ء میں) بعض سیاسی حلقوں میں جماعت احمدیہ کو غیر مسلم اقلیت قرار دیئے جانے کا مطالبہ اٹھا تو ڈاکٹر صاحب موصوف نے اس کی تائید میں خالص فلسفیانہ رنگ میں مضامین لکھے اور دراصل فلسفہ ہی وہ موضوع تھا جس کے متعلق خود ان کی رائے تھی کہ "میری عمر زیادہ تر مغربی فلسفہ کے مطالعہ میں گزری ہے اور یہ نقطہ خیال ایک حد تک طبیعت ثانیہ بن گیا ہے۔ دانستہ یا نادانستہ میں اسی نقطہ خیال سے حقائق اسلام کا مطالعہ کرتا ہوں"۔ [۱۹]

ڈاکٹر صاحب اور ان کے والد بزرگوار کا ضمنی تذکرہ کرنے کے بعد دوبارہ سفر سیالکوٹ کا ذکر کیا جاتا ہے۔

مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی کی مخالفانہ کوشش اور ناکامی

حضرت مسیح موعود علیہ السلام

سیالکوٹ تشریف لائے تو مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی بھی سیالکوٹ پہنچے۔ اور مختلف مساجد میں حضرت اقدسؑ کے خلاف گمراہ کن وعظ کئے اور عوام کو آپ کے خلاف بھڑکانے کی ہر رنگ کوشش کی مگر جن آنکھوں نے اس نورانی چہرہ کو اٹھائیس برس قبل دیکھا تھا وہ بھلا ان کی باتوں سے کیونکر دھوکا کھا سکتی تھیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اس مخالفت میں انہیں سخت ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا۔ اور لوگ ذوق و شوق کے ساتھ آپ کی بیعت میں شامل ہوئے۔

سفر کپور تھلہ

حضرت مسیح موعود علیہ السلام سیالکوٹ میں دعوت و تبلیغ کا فریضہ ادا کرنے کے بعد کپور تھلہ تشریف لے گئے جہاں حضور نے دو ہفتہ قیام فرمایا اور میاں سردار علی صاحب کے مکان میں فروکش ہوئے یہ حضور کا کپور تھلہ کی طرف تیسرا اور آخری سفر تھا۔

حضورؑ نے کپور تھلہ کا پہلا سفر منشی محمد اروڑا صاحب اور منشی ظفر احمد صاحب کی درخواست پر زمانہ بیعت کے قریب اختیار فرمایا تھا اس وقت کپور تھلے تک ریل نہیں تھی۔ حضور یکے سے اتر کر کپور تھلے کی مسجد فتح والی میں تشریف لے گئے۔ حافظ حامد علی صاحب ساتھ تھے۔ مسجد سے حضور نے خادم مسجد کو بھیجا کہ منشی اروڑا صاحب یا منشی ظفر احمد صاحب کو ہمارے آنے کی اطلاع کر دو۔ منشی ظفر احمد صاحب اور منشی محمد اروڑا صاحب کچہری میں تھے۔ خادم مسجد نے انہیں اطلاع دے دی کہ مرزا صاحب مسجد میں ہیں اور انہوں نے مجھے اطلاع دینے کے لئے بھیجا ہے۔ منشی محمد اروڑا صاحب نے بڑی حیرت سے اسے پنجابی میں کہا۔ "دیکھ تاں تیری میت وچ آکے مرزا صاحب نے ٹھہرنا سی"۔ یعنی کیا تمہاری مسجد میں ہی آکر مرزا صاحب نے ٹھہرنا تھا۔ منشی ظفر احمد صاحب نے کہا چل کر دیکھنا تو چاہیے۔ پھر منشی صاحب جلدی سے پگڑی باندھ کر ان کے ساتھ چل پڑے۔ مسجد میں جا کر دیکھا کہ حضور فرش پر لیٹے تھے اور حافظ حامد علی صاحب پاؤں دبا رہے تھے۔ منشی محمد اروڑا خان صاحب نے عرض کیا کہ حضور تشریف لانا تھا تو ہمیں اطلاع فرماتے ہم کرتارپور اسٹیشن پر حاضر ہوتے۔ حضورؑ نے جواب دیا اطلاع دینے کی کیا ضرورت تھی ہم نے آپ سے وعدہ کیا تھا۔ وہ پورا کرنا تھا۔

بہرحال حضرت اقدسؑ کپور تھلہ کے محلہ قائم پورہ کے اس مکان میں جہاں بعد میں پرانا ڈاک خانہ رہا ہے فروکش ہوئے۔ وہاں بہت سے لوگ حضورؑ کے پاس جمع ہو گئے جن میں کرنیل محمد علی خاں صاحب اور مولوی غلام محمد صاحب بھی تھے کرنیل صاحب نے ایک سوال پیش کیا جس کے جواب میں حضورؑ نے تصوف کے رنگ میں ایک تقریر فرمائی جس سے حاضرین بہت متاثر ہوئے۔ مولوی غلام محمد

صاحب جو کپورتھلہ کے علماء میں سے تھے آبدیدہ ہو گئے اور انہوں نے ہاتھ بڑھایا کہ میری بیعت لے لیں۔ مگر حضورؑ نے بیعت لینے سے انکار کر دیا۔ وہاں صرف ایک ہی دن قیام فرمایا اور قادیان تشریف لے آئے۔

حضرت اقدس نے دوسرا سفر زمانہ بیعت کے بعد اختیار فرمایا آپ اس وقت علی گوہر صاحب افسر ڈاک خانہ کے ہاں ٹھہرے تھے۔ اور تین دن قیام فرمایا تھا۔ اور تیسرا سفر اب اختیار فرمایا۔ جو دعویٰ مسیحیت کے بعد تھا۔ آپؑ اس کے بعد کپورتھلہ تشریف نہیں لے گئے [۲۰]

سفر جالندھر

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام نے کپورتھلہ سے واپسی پر کرتارپور تک بگھی میں سفر کیا اور جالندھر تشریف لے گئے اس سفر میں کپورتھلہ کے مخلص خدام مثلاً منشی عبدالرحمٰن صاحب اور منشی ظفر احمد صاحب حضورؑ کے ہم رکاب تھے۔

بعض لوگوں نے جالندھر کے انگریز سپرنٹنڈنٹ پولیس سے شکایت کی کہ ایک شخص قادیان سے آیا ہوا ہے اور کہتا ہے میں مسیح موعود ہوں۔ اس کے قیام سے یہاں فساد کا اندیشہ ہے اسے حکم دیا جائے کہ وہ یہاں سے چلا جائے۔ چنانچہ اسی شکایت کی بناء پر یہ انگریز افسر صبح سویرے ہی حضور کی قیام گاہ پر پہنچا۔ بہت سے مخلصین جمع تھے۔ حضور نے اس کے واسطے کرسی منگوائی اور دوسری کرسی پر خود تشریف فرما ہوئے۔ اس نے پوچھا آپ یہاں کیسے آئے ہیں۔ حضور علیہ السلام نے ایک لمبی تقریر فرمائی جس سے وہ اس قدر متاثر ہوا کہ اس نے کہا جب تک آپ کی مرضی ہو یہاں قیام فرمائیں اور یہ کہہ کر اور سلام کر کے وہ واپس چلا گیا اس کے بعد اس کا یہ معمول ہو گیا کہ جب حضور سیر کو تشریف لے جاتے اور وہ راستے میں گھوڑے پر سوار مل جاتا تو وہ ٹوپی اتار کر اپنی عقیدت کا اظہار کرتا [۲۱]

سفر لدھیانہ

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام جالندھر میں قریباً ایک ماہ قیام فرما کر لدھیانہ تشریف لے گئے۔

حضورؑ نے "ازالہ اوہام" میں مخالفین کو نشان نمائی کے مقابلہ کی دعوت دے رکھی تھی مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی نے اپنے رسالہ اشاعۃ السنہ (جلد ۱۴ نمبر ۲ صفحہ ۵۱ - ۵۲) میں ایک فرضی صوفی

کی طرف سے یہ مضحکہ خیز اعلان شائع کیا کہ اگر مرزا کو درگاہ الٰہی میں اپنے مقبول ہونے اور دیگر علماء کے مردود ہونے کا زعم ہو تو وہ کرامت دکھائے۔ کرامت ایسی ہونی چاہیے کہ اس کے جزئی و کلی حالات پوری تشریح سے شائع ہوں اور ہر خاص و عام اسی تشریح کے مطابق ان کا پورا ہونا اچھی طرح دیکھ لے۔ یہ کرامت دس ہفتہ میں دکھلائی جائے اور اگر اس میعاد میں مرزا ایسی کرامت دکھانے سے عاجز آجائے تو اس کے اقرار عجز کے بعد انشاء اللہ تعالیٰ میں وہی کرامت اور آسمانی نشان جو مرزا طلب کرے گا اس کو پانچ ہفتہ کے اندر دکھادوں گا۔ حضرت اقدس جب جالندھر سے لدھیانہ آئے تو میر عباس علی صاحب نے اسی فرضی صوفی کی وکالت میں حضور کو لکھا کہ ان سے مقابلہ کریں۔ حضورؑ پر نور نے بذریعہ اشتہار جواب دیا۔ کہ اگر یہ پردہ نشین صوفی در حقیقت موجود ہے تو اسے اپنا نام شائع کرنا چاہیے۔ اور اگر اس کے پاس حق ہے تو حق لے کر میدان میں آجائے مجھے جب کوئی معین شخص سامنے نظر نہیں آتا تو میں کس سے مقابلہ کروں؟ [۱۲] حضور کے اس مطالبے پر نہ میر عباس علی صاحب لدھیانوی کچھ بولے اور نہ مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی!!

حضور مئی کے تیسرے ہفتے میں واپس قادیان آگئے اور اس طرح آپ کے دعویٰ مسیحیت کے سلسلہ میں ابتدائی سفر بخیر و خوبی ختم ہوئے اور آپ کی شہرت دور دور تک پھیل گئی۔

"نشان آسمانی" کی تصنیف و اشاعت

حضرت مسیح موعود علیہ السلام جب سفر جالندھر کے بعد لدھیانہ میں مقیم تھے تو حضور نے "نشان آسمانی" کے نام سے ایک کتاب تصنیف فرمائی جس کا دوسرا نام "شہادت الملہمین" بھی ہے اس کتاب میں حضرت اقدسؑ نے آنحضرت ﷺ کے علاوہ نعمت اللہ صاحب ولی [۱۳] اور جمال پور ضلع لدھیانہ کے ایک درویش بزرگ مجذوب گلاب شاہ صاحبؒ کی اہم پیش گوئیوں کا شرح و بسط سے ذکر فرمایا۔ جو انہوں نے سالہا سال قبل مسیح و مہدی کے متعلق کر رکھی تھیں اور جو آپ کی آمد سے روز روشن کی طرح پوری ہوئیں۔ "نشان آسمانی" میں حضرت اقدسؑ نے اپنے دعویٰ کی صحت معلوم کرنے کے لئے قوم کے سامنے ایک آسان تجویز یہ بھی رکھی کہ وہ آپ کے بتائے ہوئے طریق کے مطابق دو ہفتہ تک خدا تعالیٰ سے استخارہ کریں۔

مکفر علماء کو مباہلہ کی پہلی دعوت

حضرت اقدس مسیح موعودؑ اس وقت تک علماء کو اپنے دعویٰ کی سچائی کے لئے قرآن و حدیث کے علاوہ آسمانی نشان کی طرف توجہ دلا رہے تھے لیکن اب جب کہ آپ تبلیغ حق کا ایک ابتدائی مرحلہ طے کر چکے تھے آپ کو اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ آپ ان تمام علماء کو جو آپ کو محض جزئی اختلاف یا اپنی کج فہمی کے باعث ابھی تک کافر کہے جاتے ہیں مباہلہ کا چیلنج دیں۔ چنانچہ حضرت اقدسؑ نے ۱۰۔ دسمبر ۱۸۹۲ء کو علماء وقت کو مباہلہ کی پہلی دعوت عام دی۔ اور مباہلہ کے لئے چار ماہ کی مہلت دی۔ اس دعوت میں آپ کے اولین مخاطب شیخ الکل مولوی نذیر حسین صاحب دہلوی اور ان کے انکار کی صورت میں شیخ محمد حسین صاحب بٹالوی تھے [۲۴]

مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی پر اتمام حجت

یہ دعوت حضورؑ نے فرداً فرداً تمام مکفر علماء کو بھیجی۔ مگر ان میں سے کسی کو مرد میدان بننے کی جرات نہ ہوئی۔ صرف مولوی عبدالحق صاحب غزنوی نے آمادگی کا اظہار کیا۔ مولوی عبدالحق صاحب غزنوی نے بعض علماء کو شریک مباہلہ کرنے کی درپردہ بڑی جدوجہد کی مگر غزنوی خاندان کے اکابر خود بھی گریز کر گئے اور ان کو بھی منع کیا۔ [۲۵] حضرت اقدس مسیح موعودؑ نے ان کی آمادگی کو غنیمت سمجھتے ہوئے ۱۰۔ ذی قعدہ ۱۳۱۰ھ مطابق ۲۷۔ مئی ۱۸۹۳ء کا دن مباہلہ کے لئے تجویز فرمایا۔ اور امرتسر کی عید گاہ متصل مسجد خان بہادر حاجی محمد شاہ مقام مباہلہ مقرر کیا۔ نیز مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی پر اتمام حجت کے لئے اشتہار شائع کیا کہ وہ اس تاریخ کو اگر شامل مباہلہ نہ ہوئے تو سمجھا جائیگا کہ انہوں نے اپنے فتویٰ تکفیر سے رجوع کر لیا ہے۔ [۲۶] اس اشتہار پر مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی نے مجبوراً چند شرائط پر مباہلہ کرنا منظور کر لیا۔ اور حضرت اقدسؑ کی خدمت میں بذریعہ خط وہ الفاظ بھی بھجوا دیئے جن میں وہ مباہلہ کرنا چاہتے تھے۔ حضورؑ نے بذریعہ اشتہار امرتسر کے مسلمانوں کو تحریک فرمائی کہ وہ بکثرت میدان مباہلہ میں حاضر ہوں میں یہ دعا کروں گا کہ "جس قدر میری تالیفات ہیں ان میں سے کوئی بھی خدا اور رسول کے فرمودہ کے مخالف نہیں ہیں اور نہ میں کافر ہوں اور اگر میری کتابیں خدا اور رسول ﷺ کے فرمودہ سے مخالف اور کفر سے بھری ہوئی ہیں تو خدا تعالیٰ وہ لعنت اور عذاب میرے پر نازل کرے جو ابتدائے دنیا سے آج تک کسی کافر بے ایمان پر نہ کی ہو۔ اور آپ لوگ کہیں آمین"۔ [۲۷]

حضرت اقدس میدان مباہلہ میں اور مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی کا گریز

حضرت اقدس علیہ السلام اپنے خدام کے ساتھ وقت مقررہ (۲ بجے) پر عید گاہ تشریف لے گئے عید گاہ میں یہ معرکہ حق و باطل دیکھنے کے لئے مسلم اور غیر مسلم کثیر تعداد میں جمع تھے۔ مگر کفر علماء میں سے خال خال ہی تھے۔ حضرت اقدسؑ ایک درخت کے نیچے عام انبوہ خلائق کے حلقے میں بیٹھ گئے۔ کچھ دیر بعد مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی بھی پہنچ گئے اور عید گاہ کے منبر پر بیٹھ کر گالیوں بھرا "وعظ" کرنے لگے۔ حالانکہ اپنے خط میں یہ شرط تسلیم کر چکے تھے کہ مباہلے کے سوا کوئی فریق کوئی وعظ کرنے کا مجاز نہ ہو گا۔ عام لوگوں کو ان کی یہ حرکت بہت ناگوار گزری کہ آئے کس غرض سے تھے اور کرتے کیا ہیں۔ آخر کار خواجہ یوسف شاہ صاحب رئیس امرت سر ہجوم میں سے ہوتے ہوئے حضرت اقدسؑ کی خدمت میں آئے اور کہا کہ مولوی محمد حسین صاحب کہتے ہیں کہ آپ اس طرح دعا کریں کہ الٰہی میں نے جو اپنی کتابوں میں نبوت کا دعویٰ کیا ہے ملائکہ سے انکار کیا ہے اگر ان سب کفریات میں میں جھوٹا ہوں تو مجھ پر لعنت بھیج۔ یہ احمقانہ بات سن کر سب لوگ ہنس پڑے اور خود خواجہ صاحب بھی مسکرا دیئے۔ حضرت اقدسؑ نے فرمایا کہ آپ ہی سوچئے کہ میں تو اپنے آپ کو امت محمدیہ کا ایک فرد سمجھتا ہوں اور ایسی باتوں کا منہ پر لانا خود کفر جانتا ہوں پھر یہ کیسے کہوں۔ یہ کہہ کر حضرت اقدسؑ نے وہ خط خواجہ صاحب کے ہاتھ میں دے دیا کہ یہ انہی کی تحریر ہے آپ ان کو دکھائیں۔ اور چونکہ وقت گزرتا جاتا ہے اس لئے مباہلہ پر آمادہ کریں۔ مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی کے ایک شاگرد شیخ عبدالعزیز صاحب نے جو یہ خط دیکھا تو کہا کہ یہاں تو صاف لکھا ہے کہ مباہلے کے سوا کسی فریق کو وعظ کرنے کی اجازت نہ ہو گی۔ اور وہ خواجہ صاحب اور منشی غلام قادر صاحب فصیح کو ساتھ لے کر مولوی محمد حسین صاحب کے پاس گئے اور انہوں نے اور دیگر معززین نے بہت زور لگایا مگر مولوی صاحب کی تو مباہلہ سے جان جاتی تھی وہ بھلا کیسے تیار ہوتے۔ عوام میں ان کے اس کھلے گریز کے بڑے چرچے ہوئے۔ حضرت اقدسؑ نے یہ دیکھا تو خود ہی مولوی عبدالحق صاحب کے ساتھ مباہلہ کرنے کھڑے ہو گئے۔ سب مرید اور دوسرے لوگ صف بستہ پیچھے کھڑے تھے۔ حضورؑ نے اس وقت ایسے دردناک پیرایہ میں تین بار بلند آواز سے دعا کے الفاظ دہرائے کہ عید گاہ آہ و فغاں سے میدان حشر کا نمونہ بن گئی اور کئی آدمی غش کھا کر گر پڑے۔ حضورؑ نے اس مباہلے میں مولوی عبدالحق صاحب کے خلاف کوئی بددعا نہیں کی۔ صرف اپنے متعلق خدا تعالیٰ سے یہ دعا کی کہ اگر میں اپنے دعوے میں جھوٹا ہوں تو خدا تعالیٰ مجھے ہلاک کر دے۔ اور پھر اپنے معتقدات پر ایک زبردست تقریر فرمائی آپ کی یہ تقریر اتنی موثر تھی کہ مولوی عبداللہ صاحب غزنوی کے ایک

شاگرد منشی محمد یعقوب صاحب سابق اور سیر محکمہ نہر کی تو چیخ نکل گئی۔ اور وہ ہاتھ پھیلائے حضور کے قدموں میں جا گرے اور مجمع عام میں بیعت کر لی۔ حضرت اقدسؑ کے مباہلہ اور تقریر کی یہ فوری تاثیر ایک عظیم الشان نشان تھا جس نے لوگوں کے دل میں حضور سے ایک عقیدت پیدا کر دی اور وہ بٹالوی صاحب سے بدظن ہو گئے۔ چونکہ وقت بہت ہو چکا تھا۔ اس لئے انسپکٹر پولیس نے جو عید گاہ میں موجود تھا حضرت اقدسؑ سے بھی تشریف لے جانے کی درخواست کی اور بٹالوی صاحب سے بھی۔ عید گاہ سے آنے کے بعد مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی نے ہرچند کوشش کی کہ انہیں مسجد خیر الدین (امرتسر) میں ہی وعظ کرنے کا موقعہ مل جائے مگر شہر کے عوام اور رؤساء کو ان کی شکل دیکھنا بھی گوارا نہ تھا۔ وہ انہیں کیوں موقعہ دیتے۔ مولوی صاحب نے یہ ذلت و رسوائی دیکھی تو خود ہی امرت سر سے چلے گئے۔ ۲۸

مباہلے کے بعد مباحثے کا چیلنج اور علماء کا فرار

مباہلے کے بعد علماء نے شور مچایا کہ ہم سے بحث ہونی چاہیے۔ اس پر حضرت اقدسؑ نے ایک اشتہار شائع فرمایا کہ جن مولوی صاحب کو بحث کرنا ہو وہ کوئی مقام تجویز کریں ہم آج سے تیسرے روز یہاں سے چلے جائیں گے پھر کوئی عذر نہ رہے گا لیکن مولوی صاحبان خاموش رہے۔ اس پر خواجہ یوسف شاہ صاحب رئیس امرتسر نے مولویوں سے کہا کہ اب آپ بحث کیوں نہیں کرتے جب کہ مرزا صاحب نے بحث منظور کر لی ہے۔ مولویوں نے جواب دیا کہ ہم بحث کریں گے پہلے باہم مشورہ کر لیں چنانچہ وہ مشورہ کی غرض سے محمد جان کی مسجد کے ایک حجرے میں جمع ہوئے اور موذن سے کہہ دیا کہ حجرے کا دروازہ مقفل کر کے چابی اپنے پاس رکھے اور اگر کوئی پوچھے تو کہہ دینا کہ کہیں دعوت پر گئے ہیں دیر میں آئیں گے۔ خواجہ یوسف شاہ صاحب مولویوں کو تلاش کرتے ہوئے وہاں آگئے۔ موذن سے پوچھا کہ مولوی صاحبان کہاں ہیں؟ اس نے کہا دعوت میں گئے ہیں۔ پھر خواجہ صاحب موصوف مولوی عبد الجبار صاحب کے ہاں گئے وہاں سے بھی یہی جواب ملا اس پر خواجہ صاحب مولویوں کی تلاش میں نکلے اور پتہ لگایا کہ کس کے ہاں دعوت ہے اور دوبارہ محمد جان کی مسجد کی طرف آئے تو اچانک کسی نے بتا دیا کہ تمام مولوی اس مسجد کے نیچے کے حجرہ میں جمع ہیں اور باہر سے قفل لگا ہوا ہے تا کسی کو پتہ نہ لگے۔ خواجہ صاحب نے موذن سے پھر پوچھا۔ کہ مولوی صاحبان کہاں ہیں؟ موذن نے پھر یہی جواب دیا کہ دعوت میں گئے ہیں۔ خواجہ صاحب نے کہا کس کے ہاں؟ اس کا جواب اس نے خوفزدہ ہو کر دیا کہ مجھے معلوم نہیں۔ اس پر خواجہ صاحب نے اس سے کنجی لے کر حجرہ کھولا۔ جب اندر جا کر دیکھا تو سب مولوی حجرہ کے اندر بیٹھے ہوئے پائے۔ خواجہ صاحب کہنے لگے۔ آج تو بحث کا دن ہے اور آپ چھپ کر بیٹھے ہیں، کل کو مرزا صاحب چلے جاویں گے تو بحث کس سے ہو گی۔

مولویوں نے کھسیانے ہو کر کہا کہ ہاں ہم مشورہ کر رہے ہیں تھوڑی دیر میں آپ کو اطلاع دی جائے گی آپ تسلی رکھیں۔ خواجہ صاحب تاکید کر کے چلے گئے۔ مگر جب مولویوں نے خواجہ صاحب کو کچھ نہ بتایا تو خواجہ صاحب کو یقین ہو گیا کہ مولوی صاحبان بحث نہیں کر سکتے۔ اور سچی بات بھی یہی تھی۔ اس پر خواجہ صاحب خاموش ہو گئے۔ البتہ جب حضرت اقدسؑ قادیان واپسی کے لئے تیار ہوئے تو مولوی صاحبان نے آپ کے اسٹیشن پر پہنچنے سے پہلے ایک مطبوعہ اشتہار آپ کی سواری کے پیچھے پیچھے تقسیم کرنا اور دیواروں پر چسپاں کرنا شروع کر دیا جس کا عنوان تھا۔ "مرزا بھاگ گیا"۔

امرتسری علماء دو چار روز بعد مباحثہ کرنے والے عالم کا انتخاب کرنے کے لئے دوبارہ جمع ہوئے مگر کوئی فیصلہ نہ ہوا۔ آخر مولوی غلام اللہ صاحب قصوری بولے کہ بحث سے تو انکار نہیں کرنا چاہیے۔ ہاں یہ لکھ دو کہ مقام مباحثہ کابل یا مکہ معظمہ یا مدینہ منورہ ہو گا۔ نہ وہاں جائیں گے نہ مباحثہ ہو گا۔ [29]

۱۸۹۲ء کے بعض صحابہ

۱۸۹۲ء کے بعض مشہور صحابہ یہ ہیں۔ (۱) حضرت ڈاکٹر خلیفہ رشید الدین صاحب [30] (۲) حضرت میاں عبدالعزیز صاحب المعروف مغل [31] (۳) حضرت مرزا ایوب بیگ صاحب [32] (۴) مرزا یعقوب بیگ صاحب [33] (۵) حضرت منشی شادی خاں صاحب سیالکوٹی۔ [34] (۶) حضرت پیر منظور محمد صاحب (۷) حضرت حاجی شہزادہ عبدالمجید صاحب (۸) حضرت خان عبدالمجید صاحب کپور تھلوی [35] (۹) حضرت مولوی غلام امام صاحب عزیز الواعظین منی پور [36] (۱۰) حضرت مولانا برہان الدین صاحب جہلمی (۱۱) منشی گلاب دین صاحب رہتاسی۔ [37] (۱۲) حضرت مولوی فضل الدین صاحب کھاریاں [38] (۱۳) حضرت مولوی حکیم قطب الدین صاحب (۱۴) حضرت صوفی نبی بخش صاحب (۱۵) حضرت میاں عبدالعزیز صاحب اوجلوی [39] (۱۶) حضرت پروفیسر علی احمد صاحب بھاگلپوری [40] (۱۷) حضرت خان بہادر غلام محمد صاحب گلگتی [41] (۱۸) حضرت حکیم محمد حسین (مرہم عیسیٰ) [42] (۱۹) حضرت حافظ سید مختار احمد صاحب شاہجہانپوری [43]

حواشی

۱- تاریخ وفات مئی ۱۹۳۷ء

۲- صحیح بخاری باب مناقب عمرؓ یعنی تم سے پہلے بنی اسرائیل میں ایسے مرد گزرے ہیں جو نبی تو نہیں تھے مگر انہیں مکالمہ مخاطبہ کا شرف حاصل تھا۔ اگر میری امت میں کسی کو یہ مقام حاصل ہے تو وہ عمرؓ ہیں۔

۳- عرفانی

۴- سابق وزیر اعلیٰ مغربی پاکستان جناب مظفر علی صاحب قزلباش کے پردادا

۵- "حیات احمد" جلد سوم صفحہ ۲۰۶-۲۱۸، ۲۴۹-۲۵۰- "تبلیغ رسالت" جلد دوم صفحہ ۹۴-۹۶، الحکم ۴- اکتوبر ۱۹۳۴ء صفحہ ۳- رپورٹ جلسہ سالانہ ۱۸۹۷ء صفحہ ۱۲-۱۳- سیرت مسیح موعود (از حضرت عرفانی صاحب) صفحہ ۱۵۷-۱۵۸، ۴۰۶-۴۰۷

۶- "مجدد اعظم" جلد اول صفحہ ۳۳۲-۳۳۳

۷- سیرت المہدی حصہ سوم صفحہ ۲۴۹

۸- "مجدد اعظم" جلد اول صفحہ ۳۳۳

۹- "آئینہ حق نما" (مولفہ حضرت شیخ یعقوب علی صاحب) صفحہ ۱۰۷-۱۰۸ پر بھی یہ نظم ڈاکٹر محمد اقبال صاحب کی زندگی میں شائع ہو چکی ہے۔

۱۰- "سیرت المہدی" حصہ سوم صفحہ ۲۴۹

۱۱- مولانا عبد المجید سالک لکھتے ہیں۔ "علامہ کے برادر بزرگ شیخ عطا محمد نے...... علامہ کو اعلیٰ تعلیم دلائی۔ یورپ بھیجا۔ حضرت علامہ بھی اپنے بڑے بھائی کے مداح اور فریفتہ تھے۔..... شیخ عطا محمد نے بیاسی سال کی عمر پائی ۱۹۴۰ء میں انتقال فرمایا...... شیخ صاحب احمدی عقائد رکھتے تھے"۔ (ذکر اقبال صفحہ ۹-۱۰)

۱۲- اخبار "نوائے وقت" ۵- نومبر ۱۹۵۳ء و "پیغام صلح" ۱۸- نومبر ۱۹۵۳ء

۱۳- رسالہ "انڈین اینٹی کویری" جلد ۲۹ ستمبر ۱۹۰۰ء صفحہ نمبر ۲۳۹

۱۴- "ملت بیضا پر ایک عمرانی نظر" صفحہ ۱۸ مطبوعہ انجمن معین الاسلام لاہور

۱۵- یہی وجہ ہے کہ انہوں نے اپنے بیٹے آفتاب اقبال کو تعلیم کی غرض سے بڑے بڑے علمی مراکز چھوڑ کر قادیان بھجوایا۔ چنانچہ انہوں نے ایک دفعہ بڑی حسرت سے کہا۔ "میں نے اسے قادیان بھیجا تھا تا دین سیکھ لے مگر وہ وہاں نہ رہا"۔ (الفضل ۲۔ اگست ۱۹۳۵)

۱۶- "ذکر اقبال" صفحہ ۷۰ (از مولانا عبد المجید سالک)

۱۷- "مکاتیب اقبال" مرتبہ شیخ عطاء اللہ صاحب ایم۔ اے) حصہ اول صفحہ ۷۹۔

۱۸- "مکاتیب اقبال" حصہ دوم صفحہ ۲۳۱ و صفحہ ۲۳۳۔

۱۹- مکاتیب اقبال جلد اول صفحہ ۴۷

۲۰- "حیات احمد" جلد سوم صفحہ ۲۲۱-۲۲۶۔ "ریویو آف ریلیجنز" اردو جنوری ۱۹۴۲ء صفحہ ۱۴-۱۵

۲۱- "حیات احمد" جلد سوم۔ ریویو آف ریلیجنز اردو جنوری ۱۹۴۳ء صفحہ ۲۴-۲۶

۲۲- "تبلیغ رسالت" جلد دوم صفحہ ۱۰۲

۲۳- کتاب "اربعین فی احوال المہدیین" میں حضرت نعمت اللہ ولیؒ سے متعلق لکھا ہے۔ "مرد صاحب باطن واز اولیاء کامل در ہندوستان مشہور اند وطن اوشاں در اطراف دہلی است زمانہ شان پانصد و شصت ہجری (۵۶۰) از دیوان اوشاں معلوم مے شود در آں ایں ابیات در ہندوستان مشہور و معروف است"۔
آپ کی شخصیت اور آپ کے قصیدے سے متعلق تفصیلات کے لئے ملاحظہ ہو رسالہ "تائید نشان آسمانی" (از مولانا جلال الدین

صاحب شمس) "حضرت نعمت اللہ ولیؒ اور ان کا اصلی قصیدہ" مولفہ قمر اسلام پوری (قلمی نام دوست محمد شاہد) ناشر مکتبہ پاکستان لاہور۔ طبع اول ۱۹۷۲ء۔

۲۴۔ تبلیغ رسالت جلد دوم صفحہ ۱۲۱۔ ۱۲۳

۲۵۔ حیات احمد جلد چہارم صفحہ ۴۰۲

۲۶۔ تبلیغ رسالت جلد سوم صفحہ ۵۵

۲۷۔ "تبلیغ رسالت جلد سوم صفحہ ۵۴

۲۸۔ "حیات احمد" جلد چہارم صفحہ ۴۰۴۔۴۰۸

۲۹۔ "رسالہ نور احمد" نمبر ۱ (مولفہ شیخ نور احمد صاحب) صفحہ ۳۳۔۳۵

۳۰۔ تاریخ بیعت ۲۔ جنوری ۱۸۹۲ء تاریخ وفات یکم جولائی ۱۹۳۶ء

۳۱۔ تاریخ بیعت ۱۰۔ جنوری ۱۸۹۲ء۔ تاریخ وفات یکم مارچ ۱۹۴۳ء عمر ۶۸ سال

۳۲۔ ولادت اگست ۱۸۷۵ء وفات ۲۸۔ اپریل ۱۹۰۰ء تفصیلی حالات کے لئے ملاحظہ ہو "اصحاب احمد" جلد اول صفحہ ۶۳۔۱۰۴

۳۳۔ ولادت ۱۸۷۲ء وفات ۱۲۔ فروری ۱۹۳۶ء

۳۴۔ حضرت مولوی عبدالکریم صاحب کے خسر۔ تاریخ وفات ۱۹۔ مارچ ۱۹۲۸ء عمر ۷۲ سال۔

۳۵۔ حضرت منشی محمد خاں صاحب کپور تھلوی کے صاحبزادے۔ آج کل آپ ماڈل ٹاؤن لاہور میں قیام پذیر ہیں۔ (۴۔ جنوری ۱۹۶۳ء کو انتقال فرما گئے۔ مرتب)

۳۶۔ آسام کے مشہور صحابی ۳۱۳ کی فہرست میں ان کا نام ۹۴ نمبر پر درج ہے' خلافت ثانیہ کے ابتداء میں آپ کا وصال ہوا۔

۳۷۔ تاریخ وفات ۲۳ نومبر ۱۹۲۰ء

۳۸۔ ولادت ۱۸۵۴ء' وفات ۱۴۔ اکتوبر ۱۹۳۲ء "ازالہ اوہام" سے متاثر ہو کر حضرت مسیح موعودؑ کی خدمت میں قادیان پہنچے اور بیعت کرلی۔ آپ کے ذریعہ سے ضلع گجرات میں متعدد نئی احمدی جماعتیں قائم ہوئیں۔ جب مدرسہ احمدیہ کی بنیاد رکھی گئی تو حضرت مسیح موعودؑ نے آپ کو دینیات کا مدرس مقرر فرمایا آپ صاحب کشف والہام بھی تھے۔

۳۹۔ وفات ۱۱۔ اپریل ۱۹۳۶ء

۴۰۔ ولادت ۱۸۷۷ء وفات ۲۲ جون ۱۹۵۷ء عمر ۸۰ سال

۴۱۔ وفات ۲۶۔ جون ۱۹۵۶ء عمر ۸۵ سال

۴۲۔ تاریخ وفات ۲۸۔ اکتوبر ۱۹۵۴ء عمر ۹۳ سال

۴۳۔ حضرت حافظ صاحب کے شامل احمدیت ہونے کا موجب "آئینہ کمالات اسلام" کے ان چند اوراق کا مجموعہ ہوا ہے۔ جن میں حضرت اقدسؑ نے آیات شریفہ ثم اورثنا الکتب الذین اصطفینا اوران منکم الا واردھا اور ووجدک ضالا فھدی وغیرہ کی تفسیر فرمائی تھی۔ یہ مجموعہ اوراق حسن اتفاق سے آئینہ کمالات اسلام کی طباعت کے دوران ہی میں حضرت اقدس کی ان کتب کے ساتھ شامل ہو کر پہنچ گیا تھا جو خان عبدالمجید خان صاحب ریٹائرڈ ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کپور تھلہ کے والد بزرگوار حضرت محمد خان صاحب نے...... آپ کے والد ماجد حضرت مولوی حافظ سید علی میاں صاحب کو اپنے قریبی رشتہ دار جناب رسالدار میجر بہادر عبدالکریم خان رئیس شاہجہانپور کے ذریعہ سے بھیجی تھیں۔ حضرت حافظ صاحب کو ان دنوں منشی اندر من مراد آبادی وغیرہ معاندین اسلام کے اس اعتراض کی وجہ سے بڑی ایذا پہنچ رہی تھی کہ بانی اسلام کیلئے تو خود قرآن میں ضال کا لفظ موجود ہے جس کے معنی گمراہ کے ہیں اور اس کے جواب میں جو کچھ کہا گیا تھا وہ آپ کے نزدیک کافی اور علمی لحاظ معترضین کا دم بند کر دینے والا نہیں تھا۔ اور آپ کو بے چینی کے ساتھ ایسے جواب کی فکرو تلاش تھی۔ اللہ تعالیٰ کا فضل و رحم کہ جس وقت مذکورہ کتابیں پہنچیں تو آپ بھی اپنے والد کی خدمت میں حاضر تھے آپ نے جو چیز ان میں سے اٹھائی وہ مجموعہ اوراق ہی تھا اور جب آپ نے اسے کھولا تو نظر کے سامنے وہ صفحہ تھا جس پر خط جلی لکھا تھا۔ ووجدک ضالا فھدی۔ آپ نے اسی مقام سے پڑھنا شروع کر دیا۔ اس مضمون میں لفظ ضال کی معنوی تشریح اور ہادی اعظم ﷺ کی شان میں اس کے وارد ہونے کی دل کشا و روح افزا وجہ ایسے

معقول و مدلل اور دل نشین و وجد آفرین انداز سے بیان کی گئی تھی کہ سبحان اللہ و صل علی۔ اور یہی وہ چیز تھی جس کی آرزو ئے مسلسل میں دنوں سے آپ کا دل بیتاب اور آپ کی روح بے قرار تھی۔ ادھر اس مضمون باطل سوز و حق افروز کا مطالعہ ختم ہوا۔ اور ادھر یہ امر آپ کے دل میں پوری قوت سے راسخ ہو گیا کہ صاحب مضمون سیدنا حضرت محمد مصطفی ﷺ کے عاشق جاں نثار اور قرآن مجید کے ماہر کامل اور حقائق و معارف قرآنی کے بحر ذخار ہیں۔ اور اسی وقت سے آپ حضرت اقدس کے زمرہ حلقہ بگوشاں میں شامل ہیں۔

ماموریت کا بارھواں سال

"آئینہ کمالاتِ اسلام" کی تصنیف و اشاعت

(۱۸۹۳ء)

سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دنیا کو قرآن مجید کے کمالات اور اسلام کی اعلیٰ تعلیم سے واقف کرانے کے لئے ۱۸۹۲ء میں ایک کتاب لکھنی شروع کی جو "آئینہ کمالات اسلام" کے نام سے فروری ۱۸۹۳ء میں شائع ہوئی۔ اس کتاب کی تحریر کے دوران میں آپ کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دو مرتبہ زیارت ہوئی۔ اور حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس تالیف پر بہت خوشنودی کا اظہار فرمایا۔[1]

اس معرکتہ الآراء تصنیف میں متعدد اہم مباحث مثلاً مقام فنا' بقا' لقا' روح القدس کی دائمی رفاقت اور ملائک و جنات کے وجود کے ثبوت پر جدید زاویہ نگاہ سے روشنی ڈالی گئی ہے۔ کتاب میں وہ قوت و شوکت ہے کہ سطر سطر سے تائید حق کا جلوہ صاف نظر آتا ہے۔

"آئینہ کمالات اسلام" کی طباعت

حضرت اقدس علیہ السلام نے ابتداء ہی میں کتاب آئینہ کمالات اسلام لکھنے کا ارادہ فرمایا تو شیخ نور احمد صاحب مالک ریاض ہند پریس امرتسر سے ارشاد فرمایا کہ اپنا پریس قادیان لے آئیں۔ چنانچہ وہ امرتسر سے اپنا پریس قادیان لے آئے اور اسے گول کمرے میں نصب کر دیا۔ حضرت اقدسؑ ساتھ ساتھ مضمون لکھتے اور ساتھ ہی ساتھ کاپی لکھی جاتی تھی۔ کاتب امام الدین صاحب لاہوری تھے جن کو حضورؑ کا لکھا ہوا خط پڑھنے کی خوب مہارت ہو گئی تھی۔[2]

"التبلیغ"

۱۱۔ جنوری ۱۸۹۳ء کو جب کتاب کا اردو حصہ مکمل ہو چکا تو مولانا عبدالکریم صاحب سیالکوٹی نے

ایک مجلس میں حضرت اقدسؑ سے عرض کی کہ اس کتاب کے ساتھ مسلمان فقراء اور پیرزادوں پر اتمام حجت کے لئے ایک خط بھی شائع ہونا چاہیے - حضور نے یہ تجویز بہت پسند کی - آپ کا ارادہ تھا کہ یہ خط اردو میں لکھا جائے لیکن رات کو بعض اشارات الہامی میں آپ کو عربی میں لکھنے کی تحریک ہوئی - ۳ اور اللہ تعالیٰ کے حضور دعا کرنے پر آپ کو رات ہی رات میں عربی کا چالیس ہزار مادہ سکھا دیا گیا ۴ چنانچہ آپ نے اسی الہامی قوت سے "التبلیغ" کے نام سے فصیح و بلیغ عربی میں ایک خط لکھا جس میں آپ نے ہندوستان 'عرب 'ایران 'ترکی 'مصر اور دیگر ممالک کے پیرزادوں 'سجادہ نشینوں 'زاہدوں ' صوفیوں اور خانقاہ نشینوں تک پیغام حق پہنچا دیا - "التبلیغ" کے بعد عربی زبان میں حضورؑ نے وہ بے نظیر لٹریچر پیدا کیا کہ فصحائے عرب و عجم کی زبانیں اس کے مقابلہ میں گنگ ہو گئیں - "التبلیغ" کے متعلق ایک عرب فاضل نے کہا کہ اسے پڑھ کر ایسا وجد طاری ہوا کہ دل میں آیا کہ سر کے بل رقص کرتا ہوا قادیان پہنچوں - ۵ طرابلس کے ایک مشہور عالم السید محمد سعیدی شامی نے اسے پڑھتے ہی بے ساختہ کہا - واللہ ایسی عبارت عرب نہیں لکھ سکتا - ۶ اور بالآخر اسی سے متاثر ہو کر احمدیت قبول کر لی ۷ - حضرت اقدس فرمایا کرتے تھے - کہ ہماری جتنی عربی تحریریں ہیں یہ سب ایک رنگ کی الہامی ہی ہیں کیونکہ سب خدا کی خاص تائید سے لکھی گئی ہیں - فرماتے تھے بعض اوقات میں کئی الفاظ اور فقرے لکھ جاتا ہوں - مگر مجھے ان کے معنے نہیں آتے - پھر لکھنے کے بعد لغت دیکھتا ہوں تو پتہ لگتا ہے -

ان کتابوں کا یہ اعجازی رنگ دیکھ کر مخالف علماء کو یقین ہی نہیں آتا تھا کہ یہ آپ کی تالیفات ہیں وہ قطعی طور پر سمجھتے تھے کہ آپ نے اس غرض کے لئے علماء کا کوئی خفیہ گروہ ملازم رکھا ہوا ہے چنانچہ ایک دفعہ ایک مولوی صاحب اس "خفیہ گروہ" کا سراغ لگانے کے لئے قادیان آئے اور رات کے وقت مسجد مبارک میں گئے - منشی ظفر احمد صاحب کپورتھلوی ان دنوں مسجد مبارک سے ملحق کمرے میں مقیم تھے مولوی صاحب نے حضرت منشی صاحب سے پوچھا کہ مرزا صاحب کی عربی تصانیف ایسی ہیں کہ ان جیسی کوئی فصیح بلیغ عبارت نہیں لکھ سکتا ضرور مرزا صاحب کچھ علماء سے مدد لے کر لکھتے ہوں گے اور وہ وقت رات ہی کا ہو سکتا ہے تو کیا رات کو کچھ آدمی ایسے آپ کے پاس رہتے ہیں جو اس کام میں مدد دیتے ہوں حضرت منشی صاحب نے کہا مولوی محمد چراغ صاحب اور مولوی معین صاحب ضرور آپ کے پاس رہتے ہیں یہی علماء رات کو امداد کرتے ہوں گے - حضرت اقدسؑ کو منشی صاحب کی یہ آواز پہنچ گئی اور حضور بہت ہنسے - کیونکہ مولوی محمد چراغ صاحب اور مولوی معین الدین صاحب دونوں حضور کے ان پڑھ ملازم تھے اس کے بعد مولوی صاحب موصوف اٹھ کر چلے گئے - اگلے روز جب حضور بعد عصر مسجد میں حسب معمول بیٹھے تو مولوی صاحب موصوف بھی موجود تھے - حضورؑ منشی

صاحب کی طرف دیکھ کر مسکرائے اور فرمایا وہ رات والے علماء انہیں دکھلا بھی تو دو۔ اس وقت حضور نے مولانا عبدالکریم صاحب کو بھی رات کا واقعہ سنایا وہ بھی ہنسنے لگے حضرت منشی صاحب نے محمد چراغ اور معین الدین کو بلا کر مولوی صاحب موصوف کے سامنے کھڑا کر دیا وہ مولوی صاحب ان دونوں "علماء" کو دیکھ کر چلے گئے اور ایک بڑے تھال میں شیرینی لے آئے اور اپنے بارہ ساتھیوں سمیت حضور کے دست مبارک پر بیعت کر لی۔ ۸

سرور کونین ﷺ کی شان اقدس میں قصیدہ مدحیہ

"التبلیغ" کے آخر میں حضرت مسیح موعودؑ نے آنحضرت ﷺ کی شان اقدس میں ایک معجزہ نما عربی قصیدہ بھی رقم فرمایا جو چودہ سو سال کے اسلامی لٹریچر میں آپ ہی اپنی نظیر ہے۔ جب حضور یہ قصیدہ لکھ چکے تو آپؑ کا روئے مبارک فرط مسرت سے چمک اٹھا اور آپ نے فرمایا یہ قصیدہ جناب الٰہی میں قبول ہو گیا اور خدا تعالیٰ نے مجھ سے فرمایا کہ جو شخص یہ قصیدہ حفظ کرلے گا اور ہمیشہ پڑھے گا میں اس کے دل میں اپنی اور اپنے رسول (آنحضرت ﷺ) کی محبت کوٹ کوٹ کر بھر دوں گا۔ اور اپنا قرب عطا کروں گا۔ ۹ السید محمد سعیدی شامی کو جب یہ قصیدہ دکھایا گیا تو وہ پڑھ کر بے اختیار رونے لگے اور کہا۔ خدا کی قسم میں نے اس زمانہ کے عربوں کے اشعار بھی کبھی پسند نہیں کئے مگر ان اشعار کو میں حفظ کروں گا۔ ۱۰

مولانا نیاز محمد خاں نیاز فتحپوری نے اس قصیدے کے متعلق لکھا ہے۔ "اب سے تقریباً ۶۵ سال قبل ۱۸۹۳ء کی بات ہے۔ مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کے دعویٰ تجدید و مہدویت سے ملک کی فضا گونج رہی تھی۔ اور مخالفت کا ایک طوفان ان کے خلاف برپا تھا۔ آریہ عیسائی اور مسلم علماء سبھی ان کے مخالف تھے اور وہ تن تنہا ان تمام حریفوں کا مقابلہ کر رہے تھے۔ یہی وہ زمانہ تھا جب انہوں نے مخالفین کو "ھل من مبارز" کے متعدد چیلنج دیئے اور ان میں سے کوئی سامنے نہ آیا۔ ان پر منجملہ اور اتہامات میں سے ایک اتہام یہ بھی تھا کہ وہ عربی و فارسی سے نابلد ہیں اسی اتہام کی تردید میں انہوں نے یہ قصیدہ نعت عربی میں لکھ کر مخالفین کو اس کا جواب لکھنے کی دعوت دی لیکن ان میں سے کوئی بروئے کار نہ آیا۔

مرزا صاحب کا یہ مشہور قصیدہ۔ ۶۹ اشعار پر مشتمل ہے اپنے تمام لسانی محاسن کے لحاظ سے ایسی عجیب و غریب چیز ہے کہ سمجھ میں نہیں آتا۔ ایک ایسا شخص جس نے کسی مدرسہ میں زانوئے ادب تہہ نہ کیا تھا کیونکر ایسا فصیح و بلیغ قصیدہ لکھنے پر قادر ہو گیا۔ اسی زمانہ میں ان کے مخالفین یہ بھی کہا کرتے تھے کہ ان کی عربی زبان کی شاعری غالباً ان کے مرید خاص مولوی نور الدین کی ممنون کرم ہے لیکن اس الزام کی لغویت اسی سے ظاہر ہے کہ مولوی نور الدین خود مرزا صاحب کے بڑے معتقد تھے اور اگر مرزا صاحب

کے عربی قصائد وغیرہ انہی کی تصنیف ہوتے تو مرزا صاحب کے اس کذب و دروغ پر کہ یہ سب کچھ خود انہی کی فکر کا نتیجہ ہے سب سے پہلے مولوی نور الدین ہی معترض ہو کر اس جماعت سے علیحدہ ہو جاتے۔ حالانکہ مرزا صاحب کے بعد وہی خلافت کے مستحق قرار دیئے گئے.......... یہ قصیدہ نہ صرف اپنی لسانی و فنی خصوصیات بلکہ اس والہانہ محبت کے لحاظ سے جو مرزا صاحب کو رسول اللہ سے تھی بڑی پر اثر چیز ہے یہ قصیدہ اس شعر سے شروع ہوتا ہے۔

یَا عَیْنَ فَیْضِ اللّٰہِ وَالْعِرْفَانِ
یَسْعٰی اِلَیْکَ الْخَلْقُ کَالظَّمْاٰنِ

اور اختتام اس شعر پر ہوتا ہے:۔

جِسْمِیْ یَطِیْرُ اِلَیْکَ مِنْ شَوْقٍ عَلَا
یَالَیْتَ کَانَتْ قُوَّۃُ الطَّیَرَانِ [۱۱]

فارسی نعت

اس عربی قصیدہ کے علاوہ جو "التبلیغ" میں شامل تھا حضرت اقدس نے "آئینہ کمالات اسلام" میں ایک بلند پایہ فارسی نعت بھی رقم فرمائی اس نعت کا مطلع یہ ہے۔

عجب نوریست در جان محمد
عجب لعلیست در کان محمد

یہی وہ نعت ہے جس کے ایک شعر سے متعلق جماعت احمدیہ کا ایک شدید مخالف اخبار "آزاد" بھی یہ رائے قائم کرنے پر مجبور ہو گیا کہ آنحضرت ﷺ کی تعریف و توصیف میں گزشتہ انبیاء و مرسلین سے لے کر صلحائے امت تک نے بہت کچھ کہا ہے مگر حقیقی تعریف اسی شعر میں بیان کی گئی ہے کہ۔

اگر خواہی دلیلے عاشقش باش
محمد ہست برہان محمد [۱۲]

"التبلیغ" کا فارسی ترجمہ مولانا عبد الکریم صاحب کا کیا ہوا ہے

ملکہ وکٹوریہ کو دعوت اسلام

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام نے آئینہ کمالات اسلام میں ملکہ وکٹوریہ (۱۸۱۹-۱۹۰۱) کو ایک خط کے ذریعہ سے دعوت اسلام دی جس میں آپ نے آنحضرت ﷺ کے حقیقی خادم ہونے کی حیثیت سے ملکہ وکٹوریہ کو انہی الفاظ میں حق کا پیغام پہنچایا۔ جن الفاظ میں آنحضرت ﷺ [۱۳] نے

۶۲۸ء کے آخر میں قیصر و کسریٰ کو پہنچایا تھا- یعنی آپ نے لکھا- " یا ملیکه الارض اسلمی تسلمین- " اے ملکہ مسلمان ہو جا تو اور تیری سلطنت محفوظ رہے گی- خط کے آخر میں حضور نے اسے محض للہ نصیحت فرمائی کہ اے ملکہ مسلمانوں کی طرف خاص نظر کرنا اور ان کی اکثریت کو حکومت کے معاملات میں اپنا مقرب و مصاحب بنانا کیونکہ تو ان کی اس ریاست پر قابض ہوئی ہے جس پر وہ ایک ہزار سال [14] تک اپنا پرچم لہراتے رہے ہیں پس خدا کے اس انعام پر اپنے رب کا شکر ادا کر اور مسلمانوں پر فدا ہو جا کہ خدا تصدق ہو جانے والوں کو پسند فرماتا ہے- حکومت کا اصل مالک خدا ہے وہ جسے چاہتا ہے حکومت عطا کرتا- اور جس سے چاہتا ہے چھین لیتا ہے-

ملکہ وکٹوریہ کو جب یہ دعوت ملی تو اس نے حضرت اقدسؑ کی خدمت میں شکریہ کا خط ارسال کیا اور خواہش ظاہر کی کہ حضور اپنی تمام تصانیف انہیں بھجوائیں [15]- عمر کے آخری حصہ میں ملکہ کو اسلام سے خاص محبت و الفت پیدا ہو گئی تھی- اور وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بہت تعظیم کرتی تھیں- اور انہوں نے ایک ذی علم مسلمان سے اردو بھی پڑھنا شروع کر دیا تھا- [16]

حضرت خواجہ غلام فرید صاحب چاچڑاں شریف کا خراج عقیدت

تبلیغ اسلام کا یہی وہ مجاہدانہ کارنامہ تھا جسے چاچڑاں شریف سابق ریاست بہاولپور کے ایک صاحب کشف بزرگ خواجہ غلام فرید صاحب [17] نے (جن کے ارادتمندوں کا حلقہ بہت وسیع ہے) بہت سراہا- چنانچہ آپ نے فرمایا- "ہمہ اوقات مرزا صاحب، عبادت خدا عزوجل میگذارند' یا نماز می خوانند' یا تلاوت قرآن شریف میکنند' یا دیگر شغل اشغال مینماید- و بر حمایت اسلام و دین چناں کمر ہمت بستہ کہ ملکہ زمان لندن را نیز دعوت دین محمدی کردہ است' و بادشاہ روس و فرانس وغیرہما را ہم دعوت اسلام نمودہ است' و ہمہ سعی و کوشش او انیست کہ عقیدہ تثلیث و صلیب را کہ سراسر کفر است بگذارند' و توحید خداوند تعالیٰ بگروند- و علماء وقت را بہ بینید کہ دیگر گروہ مذاہب باطلہ را گذاشتہ صرف در پے ایں چنیں نیک مرد کہ از اہل سنت و جماعت است و بر صراط مستقیم است و در راہ ہدایت می نماید افتادہ اند- و بروے حکم تکفیرے سازند- کلام عربی او بہ بینید کہ از طاقت بشریہ خارج است و تمام کلام او مملو از معارف و حقائق است"- [18] یعنی حضرت مرزا صاحب اپنے تمام اوقات عبادت الٰہی' دعا' نماز' تلاوت قرآن اور اسی نوع کے دوسرے مشاغل میں گزارتے ہیں- دین اسلام کی حمایت کے لئے آپ نے ایسی کمر ہمت باندھی ہے کہ ملکہ وکٹوریہ کو لندن میں دعوت اسلام بھیجی ہے اسی طرح روس' فرانس اور دوسرے ممالک کے بادشاہوں کو اسلام کا پیغام دیا ہے- آپ کی تمام تر سعی جدوجہد یہ ہے

کہ تثلیث و صلیب کا عقیدہ جو سراسر کفر و الحاد ہے۔ صفحہ ہستی سے مٹ جائے اور اس کی بجائے اسلامی توحید قائم ہو جائے۔ مگر علماء وقت کو دیکھو کہ باقی تمام باطل مذاہب کو چھوڑ کر اس نیک مرد پر کفر کے فتوؤں سے ٹوٹ پڑے ہیں جو اہل سنت والجماعت میں سے ہے خود بھی صراط مستقیم پر گامزن ہے اور دوسروں کو بھی اسی کی راہنمائی کر رہا ہے۔ آپ کا تمام عربی کلام دیکھا جائے تو انسانی قدرت سے بالا' معارف و حقائق سے لبریز اور سر تاپا ہدایت ہے۔

پنڈت لیکھرام سے متعلق پیشگوئی

سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے خدا تعالیٰ سے خبر پاکر پنڈت لیکھرام کے متعلق اگرچہ سات سال قبل (فروری ۱۸۸۶ء) سے اعلان کر رکھا تھا کہ اس شاتم رسول کے لئے ایک عبرتناک سزا مقدر ہے۔ مگر اس کی تفصیلات آپ کو ۱۸۹۳ء میں بتائی گئیں۔ چنانچہ اس سال مختلف اوقات میں نازل ہونے والے الہامات و کشوف کے ذریعہ سے آپ کو لیکھرام کی عبرتناک سزا کے بارے میں تفصیلاً بتایا گیا کہ۔

اول:۔ لیکھرام ایک ایسے عبرتناک عذاب میں مبتلا کیا جائے گا جس کا نتیجہ ہلاکت ہو گا۔
دوم:۔ یہ عذاب چھ سال کے عرصہ میں آئے گا۔
سوم:۔ یہ عذاب عید کے دن سے ملے ہوئے دن میں آئے گا۔
چہارم:۔ اس کی ہلاکت ایک ایسے شخص کے ذریعہ سے مقدر ہے جس کی آنکھوں سے خون ٹپکتا ہو گا۔ (جیسا کہ آپ کو ایک کشف میں دکھایا گیا)
پنجم:۔ وہ "تیغ برہان محمد" یعنی رسول اکرم ﷺ کی تیز تلوار سے کیفر کردار کو پہنچے گا۔
ششم:۔ اس کے ساتھ وہی سلوک کیا جائے گا جو سامری کے بنائے ہوئے بچھڑے سے کیا گیا تھا اور وہ یہ ہے کہ وہ ٹکڑے ٹکڑے کر دیا گیا۔ پھر اسے جلا کر اس کی راکھ دریا میں ڈال دی گئی تھی۔

حضور نے یہ تفصیلی پیشگوئیاں آئینہ کمالات اسلام' برکات الدعا اور کرامات الصادقین میں شائع فرمائیں۔

زبردست تحدی حضور نے لیکھرام سے متعلق یہ پیشگوئی شائع کرتے ہوئے ملک بھر کے مسلمانوں' آریوں اور عیسائیوں کے سامنے یہ زبردست تحدی کی کہ "اگر اس شخص پر چھ برس کے عرصہ میں آج کی تاریخ سے کوئی ایسا عذاب نازل نہ ہوا جو معمولی تکلیفوں سے نرالا اور خارق عادت اور اپنے اندر الٰہی ہیبت رکھتا ہو تو سمجھو کہ میں خدا تعالیٰ کی طرف سے نہیں

اور نہ اس کی روح سے میرا یہ نطق ہے۔ اور اگر میں اس پیشگوئی میں کاذب نکلا تو ہر یک سزا بھگتنے کے لئے تیار ہوں اور اس بات پر راضی ہوں کہ مجھے گلے میں رسہ ڈال کر کسی سولی پر کھینچا جائے"۔ نیز لکھا "اب آریوں کو چاہیے کہ سب مل کر دعا کریں کہ یہ عذاب ان کے اس وکیل سے ٹل جائے"۔ [۱۹]

حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب مدظلہ العالی کی ولادت

"آئینہ کمالات اسلام" (صفحہ ۲۶۶) میں حضرت اقدسؑ نے خدا تعالیٰ سے اطلاع پا کر یہ پیشگوئی شائع فرمائی کہ "یَاتِیْ قَمَرُ الْاَنْبِیَاءِ وَ اَمْرُکَ یَتَاتّٰی یُسَرُّ اللّٰہُ وَجْھَکَ وَ یُنِیْرُ بُرْھَانَکَ سَیُوْلَدُ لَکَ الْوَلَدُ وَیُدْنٰی مِنْکَ الْفَضْلُ اِنَّ نُوْرِیْ قَرِیْبٌ۔ یعنی نبیوں کا چاند آئیگا اور تیرا مدعا حاصل ہو جائیگا۔ خدا تیرے منہ کو بشاش اور تیری برہان کو روشن کر دیگا۔ تجھے عنقریب ایک لڑکا عطا ہو گا اور فضل تیرے نزدیک کیا جائیگا۔ یقیناً میرا نور قریب ہے" سو اس عظیم الشان پیشگوئی کے مطابق حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب ۲۰۔ اپریل ۱۸۹۳ء کو پیدا ہوئے۔ [۲۰] جو خاندان حضرت مسیح موعودؑ کے عالی گہر اور خدا تعالیٰ کے ایک زندہ نشان ہیں۔ حضرت صاحبزادہ صاحب کو بچپن میں ایک مرتبہ آشوب چشم کا عارضہ لاحق ہو گیا پلکیں گر گئیں تھیں۔ آنکھوں سے پانی بہتا رہتا تھا۔ کئی سال تک انگریزی اور یونانی علاج کیا گیا مگر کچھ فائدہ نہ ہوا۔ بلکہ حالت اور زیادہ تشویشناک ہو گئی۔ آخر حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے دعا کی تو حضور کو الہام ہوا۔ بَرِقَ طِفْلِیْ بَشِیْر (میرے لڑکے بشیر احمد کی آنکھیں اچھی ہو گئیں) چنانچہ اس الہام کے ایک ہفتہ بعد اللہ تعالیٰ نے آپ کو کامل شفا بخشی۔ اور نہ صرف آنکھیں بالکل درست ہو گئیں [۲۱] بلکہ بصیرت کی آنکھیں بھی ایسی روشن ہوئیں کہ مادی اور روحانی علوم کے دروازے آپ پر کھل گئے۔

حضرت صاحبزادہ صاحب کی بلند پایہ تالیفات

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی یہ خواہش اور تمنا [۲۲] تھی کہ آپ کو ایم۔ اے کرایا جائے۔ حضورؑ کا منشائے مبارک اس وصیت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ تا آپ بیسویں صدی میں اسلام کی ترجمانی کا حق ادا کر سکیں۔ چنانچہ ۱۹۱۶ء میں آپ ایم۔ اے کا امتحان پاس کرتے ہی قلمی میدان میں آگئے اور تھوڑے ہی عرصہ میں ایسا شاندار لٹریچر پیدا کر دیا کہ اپنے ہی نہیں بیگانے بھی آپ کے قلم کا لوہا ماننے پر مجبور ہوئے۔

حضرت صاحبزادہ صاحب کو چونکہ ابتداء ہی سے علم حدیث اور تاریخ اسلام سے ایک خاص فطری تعلق رہا ہے اس لئے ابتداءً آپ نے اسلام کی مستقل خدمت کے لئے جس موضوع کا انتخاب کیا وہ

رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے سوانح مبارک ہیں۔ جو آپ نے "سیرۃ خاتم النبیّین" [۲۲] جیسی بلند پایہ کتاب کی شکل میں تحریر فرمائی۔ اس بلند پایہ تالیف کی اشاعت نے ملک کے اسلامی حلقوں میں خوشی کی لہر دوڑادی اور انہوں نے اچھوتے مضامین، دلاویز اسلوب بیان اور علم سیرت نبوی اور علم کلام کے نادر امتزاج اور دوسرے محاسن و کمالات پر دل کھول کر خراج تحسین ادا کیا۔

چنانچہ سیٹھ عبداللہ ہارون ایم۔ ایل۔ اے نے لکھا۔ "میری رائے میں اس زمانہ میں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرۃ کی کتابیں تصنیف کی گئی ہیں ان میں سے یہ ایک بہترین کتاب ہے امید ہے کہ یہ کتاب مسلمانان ہند کے لئے نہایت مفید ثابت ہوگی"۔ شاعر مشرق ڈاکٹر سر محمد اقبال نے اس رائے کا اظہار کیا۔ "اس تصنیف میں بعض اہم مباحث پر عمدہ بحث کی گئی ہے"۔ نواب اکبر یار جنگ بہادر جج ہائیکورٹ حیدر آباد دکن نے اس پر ان الفاظ میں تبصرہ کیا۔ "میری نظر میں یہ بے مثل کتاب ہے"۔ مولانا سید سلیمان ندوی نے کہا۔ "اس میں شک نہیں کہ اس تصنیف میں محنت اٹھائی گئی ہے"۔ مولانا عبدالماجد صاحب ایڈیٹر اخبار "سچ" لکھنؤ نے اس پر مفصل ریویو کرتے ہوئے لکھا۔ "سیرۃ خاتم النبین حصہ دوم بہت مفصل و مشرح ہے اور اس میں علاوہ واقعات تاریخی کے مسائل کا حصہ بھی کثرت سے آگیا ہے۔ قانون ازدواج و طلاق۔ غلامی۔ تعدد ازدواج۔ جہاد وغیرہ کے مباحث خصوصاً مفصل ہیں اور انگریزی خوان نوجوان کے حق میں مفید۔ معجزات پر بھی شافی بحث ہے اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ ان مسائل پر بحث کرتے وقت مصنف کا قلب تحقیقات فرنگ سے مرعوب و دہشت زدہ نہیں جیسا کہ بدقسمتی سے اکثر متکلمین حال کا حال ہے...... سرور کائنات کی ذات پر جمال تو وہ ہے جس نے خدا معلوم کتنے بیگانوں تک کے دلوں کو موہ لیا ہے اہل قادیان تو بہرحال کلمہ گو ہیں ان کے کسی مصور کے قلم نے اگر اس حسین و جمیل کی ایسی دلکش تصویر تیار کردی ہے تو اس پر حیرت بے محل ہے"۔

"سیرت خاتم النبین" کی تالیف کے دوران ہی میں آپ کی توجہ حضرت مسیح موعود کی سیرت و سوانح سے متعلق صحابہ کرامؓ کی روایت جمع کرنے کی طرف ہوئی۔ چنانچہ آپ کی شبانہ روز کوششوں کے نتیجہ میں "سیرت المہدی" [۲۳] کا قیمتی ذخیرہ شائع ہو کر ہمیشہ کے لئے محفوظ ہو گیا۔ سلسلہ کی بعض گمشدہ کڑیوں کا سراغ اسی سے ملتا ہے اس کے چوتھے حصہ کا مواد بھی فراہم ہو چکا ہے مگر اس کی اشاعت کی نوبت ابھی نہیں آسکی۔

تاریخ سلسلہ کی تدوین کے سلسلہ میں آپ کی معرکتہ الاراء تالیف "سلسلہ احمدیہ" ہمیشہ یادگار رہے گی۔ جو آپ نے خلافت جوبلی کی تقریب پر ۱۹۳۹ء میں شائع فرمائی۔ یہ کتاب جماعت احمدیہ کے پچاس سالہ کارناموں کی مختصر مگر جامع اور مستند تاریخ ہے۔ حضرت صاحبزادہ صاحب نے اس میں سلسلہ

احمدیہ کے مخصوص عقائد' اس کے اغراض و مقاصد اور مستقبل پر بھی مخصوص انداز میں سیر حاصل روشنی ڈالی ہے جو دیکھنے سے تعلق رکھتی ہے۔

ان تالیفات کے علاوہ جو اسلام و احمدیت کا انسائیکلوپیڈیا کہلانے کی مستحق ہیں آپ نے سلسلہ کے اخبارات و رسائل میں سینکڑوں مضامین لکھے ہیں۔ اور متعدد لاجواب کتابیں اور رسائل تالیف کئے ہیں۔ مثلاً "کلمتہ الفصل" (مطبوعہ ۱۹۱۵ء) "تصدیق المسیح" (مطبوعہ ۱۹۱۷ء) "الحجتہ البالغہ" (مطبوعہ ۱۹۱۷ء) "ہمارا خدا" (مطبوعہ ۱۹۲۷ء) "تبلیغ ہدایت" (مطبوعہ ۱۹۲۷ء) "ایک اور تازہ نشان" (مطبوعہ ۱۹۳۴) "امتحان پاس کرنے کے گر"۔ (مطبوعہ ۱۹۳۴ء) "مسئلہ جنازہ کی حقیقت" (مطبوعہ ۱۹۴۱ء) "قادیان کا خونی روزنامچہ" (مطبوعہ ۱۹۸۴ء) [۲۵] "اشتراکیت اور اسلام"۔ "چالیس جواہر پارے" (مطبوعہ ۱۹۵۰ء) "اسلامی خلافت کا نظریہ" (مطبوعہ ۱۹۵۱ء) "اچھی مائیں"۔ "ختم نبوت کی حقیقت" (مطبوعہ ۱۹۵۳) "جماعتی تربیت اور اس کے اصول"۔ "روحانیت کے دو زبردست ستون" (مطبوعہ ۱۹۵۶ء) "احمدیت کا مستقبل"۔ "قرآن کا اول و آخر"۔ (مطبوعہ ۱۹۵۷ء) "نیا سال اور ہماری ذمہ داریاں"۔ (مطبوعہ ۱۹۵۸) "سیرت طیبہ" (مطبوعہ ۱۹۶۰) "تربیتی مضامین" [۲۶] (مطبوعہ ۱۹۶۰ء) ان میں سے ہر ایک تالیف یا مضمون کو اپنے موضوع کے اعتبار سے مشعل راہ کی حیثیت حاصل ہے۔

عظیم الشان عملی کارنامے

یہ تو حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب کی علمی خدمات کا ایک مختصر سا خاکہ ہے انتظامی اور عملی لحاظ سے بھی آپ کا مقدس وجود جن عظیم الشان برکتوں کا موجب ثابت ہوا ہے وہ کسی تعارف کی محتاج نہیں۔ بلاشبہ آپ کوہ وقار اور پیکر جہاد و استقلال ہیں۔ آپ کی خاموش اور بے ریا زندگی خدمت دین کے بے شمار کارناموں سے معمور ہے جن کی تفصیل کے لئے ایک مستقل تصنیف کی ضرورت ہے۔ مختصراً اتنا بتانا ضروری ہے کہ حضرت صاحبزادہ صاحب کے عملی کارناموں کا آغاز مولانا نور الدین حضرت خلیفہ اولؓ کے زمانہ سے ہوتا ہے جب کہ آپ کو حضرت خلیفہ اولؓ نے "صدر انجمن احمدیہ" کی مجلس معتمدین کا ممبر نامزد فرمایا۔ خلافت اولیٰ کا دور آپ نے زیادہ تر تعلیمی مصروفیات میں گزارا۔ لیکن خلافت ثانیہ کے ابتداء ہی سے آپ کا ایک ایک لحہ خدمت دین کے لئے وقف ہو گیا۔ چنانچہ شروع میں آپ نے "الفضل" کی ادارت کے فرائض سرانجام دیئے اس کے بعد "ریویو آف ریلیجنز" کی خدمت ایک عرصہ تک آپ کے سپرد رہی۔ مدرسہ احمدیہ ایسے اہم جماعتی ادارہ کے ہیڈ ماسٹر بھی رہے۔ سالہا سال تک سلسلہ احمدیہ کے متعدد صیغوں مثلاً تالیف و تصنیف۔ امور عامہ اور تعلیم و تربیت کی نگرانی کے فرائض سرانجام دینے کے علاوہ ناظر اعلیٰ بھی رہے۔ "انگریزی ترجمہ القرآن" کے کام میں بھی نمایاں حصہ لیا۔ پھر قیام

پاکستان کے سلسلہ میں حضرت مصلح موعود ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی ہدایات کے تحت آپ نے شاندار خدمات انجام دیں۔ جن کا مفصل ذکر اپنے مقام پر آرہا ہے۔ ۳۱۔ اگست ۱۹۴۷ء کو جب حضرت اقدس مصلح موعود ہجرت کر کے قادیان سے پاکستان تشریف لائے تو حضور نے آپ کو امیر مقامی نامزد فرمایا حضرت صاحبزادہ صاحب نے قادیان میں ۲۳۔ ستمبر ۱۹۴۷ء تک نہایت احسن رنگ سے نیابت کے فرائض ادا کئے اور پھر حضور کے خاص ارشاد کے تحت پاکستان تشریف لے آئے۔

یہاں حفاظت [۱۷۷] مرکز کا اہم شعبہ آپ کے سپرد ہوا۔ جس کی زمام قیادت آپ اب تک نہایت خوش اسلوبی سے سنبھالے ہوئے ہیں۔ اس ذمہ داری کے ساتھ ساتھ آپ نے وقت کے ہر اہم جماعتی تقاضے کو پورا کرنے میں انتہائی معاملہ فہمی اور بیدار مغزی کا ثبوت دیا ہے۔ حضرت خلیفتہ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ جب مرکز سے باہر تشریف لے جاتے ہیں تو حضور آپ کو ہی امیر مقامی تجویز فرماتے ہیں۔ غرضکہ حضرت صاحبزادہ صاحب کی زندگی اسلام و احمدیت کے لئے مسلسل جہاد اور تاریخ احمدیت کا زریں ورق ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو صحت و توانائی کے ساتھ لمبی عمر بخشے۔ آمین۔ (جدید ایڈیشن سے قبل آپ وصال فرما چکے ہیں۔ تاریخ وفات ۲۔ ستمبر ۱۹۶۳ء)

تصنیف و اشاعت "برکات الدعاء"

سرسید احمد خاں مرحوم ہندوستانی مسلمانوں کے عظیم سیاسی لیڈر تھے جنہوں نے مسلمانوں کی کسمپرسی سے مضطرب ہو کر ان کی رفاہ و بہبود کا بیڑا اٹھایا اور تعلیمی و معاشرتی اصلاح کے لئے ایک منظم تحریک کا آغاز کیا۔ جس نے دنیوی اعتبار سے مسلمانان ہند کو بڑے بڑے فوائد پہنچائے مگر بدقسمتی سے انہوں نے اسلام اور مسلمانوں کی خدمت کے پاکیزہ جذبہ کے جوش میں مغربیت اور اسلام کی صلح کرانے کے لئے اسلام کے اہم بنیادی اصول مثلاً وحی کو اندرونی خیالات کا نام دیکر استجابت دعا وغیرہ کا انکار کر دیا اور اپنے خیالات کی اشاعت کے لئے قرآن مجید کے ایک حصے کی تفسیر شائع کی اور پھر رسالہ "الدعاء والاستجابہ" اور "تحریر فی اصول التفسیر" کے ذریعہ سے اپنے نظریات دہرائے۔ سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام تو دنیا میں وحی اور دعا کی قبولیت کا مجسم نشان بن کر آئے تھے آپ بھلا ایسے خیالات کو کب برداشت کر سکتے تھے چنانچہ حضور نے اپریل ۱۸۹۳ء کو "برکات الدعاء" جیسی لطیف تصنیف شائع فرمائی اس رسالے میں حضور نے سرسید احمد خاں کو پنڈت لیکھرام کے عبرت ناک انجام کے بارہ میں اپنی دعا کے قبول ہونے کی قبل از وقت خبر دیتے ہوئے یہ زبردست پیشگوئی بھی فرمائی کہ جب تک لیکھرام کی موت واقع نہ ہوگی وہ زندہ رہیں گے جیسا کہ حضور نے فرمایا

ہاں مکن انکار زیں اسرار قدرت ہائے حق قصہ کوتہ کن ببیں ازما دعائے مستجاب [۲۸]

چنانچہ ایسا ہی ہوا سر سید احمد خاں اس وقت تک زندہ رہے جب تک لیکھرام کی موت واقع نہیں ہوئی۔

ہنری مارٹن کلارک کی طرف سے مباحثہ کا چیلنج اور رسالہ "حجتہ الاسلام" اور رسالہ "سچائی کا اظہار" کی تصنیف و اشاعت

جنڈیالہ (ضلع امرت سر) میں عیسائیوں کا بھاری مشن تھا۔ ۱۸۸۲ء [۲۹] میں ڈاکٹر کلارک امرتسر میں طبی مشن کے انچارج بنے تو انہوں نے یہاں طبی شاخ کھول کر عیسائیت کے فروغ کا نیا دروازہ کھول دیا۔ اور عیسائی مناد جابجا وعظ کرنے لگے۔ جنڈیالہ کے ایک غیور مسلمان میاں محمد بخش پاندہ نے جو یہ صورت حال دیکھی تو وہ معمولی تعلیم رکھنے کے باوجود مقابلہ کے لئے کھڑے ہو گئے۔ عیسائی پادریوں سے جب کوئی معقول جواب نہ بن سکا تو انہوں نے مشن انچارج ڈاکٹر ہنری مارٹن کلارک صاحب سے شکایت کی جس پر مارٹن صاحب نے جنڈیالہ کے مسیحیوں کی طرف سے مسلمانوں کو مباحثہ کا تحریری چیلنج دے دیا۔ اور کہا کہ اہل اسلام جنڈیالہ اپنے علماء و بزرگان دین کو میدان میں لاکر دین حق کی تحقیق کریں ورنہ آئندہ سوال کرنے سے خاموش ہو جائیں۔ میاں محمد بخش صاحب نے یہ چیلنج ملتے ہی علماء کو خط لکھے کہ پادریوں سے بحث کرنے کے لئے جنڈیالہ تشریف لائیں۔ نیز اسی دن حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام کی خدمت میں بھی لکھا کہ آنجناب للہ اہل اسلام جنڈیالہ کی امداد فرمائیں۔ دوسرے مولویوں نے تو پاندہ صاحب کو جواب دیا کہ ہمارے قیام و طعام اور سفر خرچ وغیرہ کا کیا انتظام ہو گا۔ مگر حضرت اقدسؑ یہ خط پڑھ کر بہت خوش ہوئے اور فرمایا کہ خدا تعالیٰ نے ہمارے لئے ایک شکار بھیجا ہے۔ چنانچہ حضورؑ نے ۲۳۔ اپریل ۱۸۹۳ء کو جنڈیالہ اطلاع بھجوائی کہ حضور اس دینی کام کے لئے بالکل تیار ہیں۔ [۳۰] نیز دوسرے ہی دن قادیان سے اپنے خدام کا ایک وفد [۳۱] پادری مارٹن کلارک صاحب کے پاس امرت سر بھجوایا پادری صاحب کوٹھی پر موجود تھے انہوں نے اردلی کو تو حکم دیا کہ کرسیاں برآمدہ میں رکھ دو اور خود دوسرے دروازہ سے پادری عبداللہ آتھم [۳۲] صاحب کی کوٹھی پر پہنچے اور انہیں اپنی کوٹھی پر لے آئے رات کے گیارہ بجے تک گفتگو جاری رہی اور بالآخر اتفاق رائے سے ایک مفصل تحریری شرائط نامہ [۳۳] پر فریقین کے دستخط ہو گئے۔ مباحثہ کے لئے ۲۲۔ مئی سے ۵۔ جون ۱۸۹۳ء کی تاریخیں مقرر ہوئیں۔ مسلمانوں کی طرف سے حضرت مسیح موعودؑ اور عیسائیوں کی طرف

سے پادری عبداللہ آتھم مناظر قرار پائے۔

بعض علماء کی عیسائیت نوازی

جب امرتسر اور بٹالہ کے بعض مولویوں کو معلوم ہوا تو انہوں نے آتھم صاحب کی کوٹھی پر جا کر کہا کہ تم نے دوسرے علماء سے بحث کیوں منظور نہ کی مرزا صاحب سے کیوں بحث پر رضامندی ظاہر کی ان کو تو تمام علماء کافر کہتے ہیں اور ان پر اور ان کے مریدوں پر کفر کے فتوے لگ چکے ہیں۔ آتھم صاحب تو پہلے ہی حضرت اقدسؑ سے خوفزدہ تھے ڈاکٹر ہنری مارٹن کلارک سے کہنے لگے کہ میں نے تو پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ مرزا صاحب سے بحث کرنا آسان نہیں۔ اب یہ موقع اچھا ہاتھ آگیا ہے۔ مرزا صاحب کو جواب دے دو اور ان مولویوں سے بے شک مباحثہ کر لو کوئی حرج نہیں چنانچہ پادری مارٹن کلارک نے ۱۲۔ مئی ۱۸۹۳ء کو ایک اشتہار دیا کہ مرزا صاحب کو علماء نے کافر قرار دیا ہے۔ [۳۴] لہٰذا وہ اسلام کے وکیل نہیں ہو سکتے۔ حضرت اقدس علیہ السلام نے اس کے جواب میں انہیں خط لکھا کہ اب آپ کا انکار درست نہیں۔ آپ لوگوں کی تحریریں اور وعدے اور منظور کردہ شرائط ہمارے پاس ہیں پس آپ کو یا تو بحث کرنا ہوگی یا پھر شکست تسلیم کرنی پڑیگی اگر یہ بات اخباروں میں شائع کر دو اور اپنی شکست کا اعتراف کر لو پھر تمہیں اختیار ہے جس مولوی سے چاہو بحث کر لو۔ نیز فرمایا تم ہمیں کفر کے فتووں کا طعنہ دیتے ہو حالانکہ یہ فتاویٰ کفر ہم پر چسپاں نہیں ہو سکتے۔ ہم خدا تعالیٰ کے فضل سے سچے مسلمان ہیں اور ایک خدا ترس عالم فاضل مسلمانوں کی جماعت ہمارے ساتھ ہے اور کفر کے فتوے تو آپ لوگوں پر بھی لگ چکے ہیں پروٹسٹنٹ کیتھولک مذہب والوں کو کافر بلکہ واجب القتل یقین کرتے ہیں۔ پھر تو آپ بھی عیسائیت کے وکیل نہیں ہو سکتے۔ پس فتاویٰ کفر میں ہم اور تم برابر ہیں۔ بحث تو دراصل حق اور باطل میں ہے کہ آیا حق آپ کی طرف ہے یا ہم حق پر ہیں۔ اس میں کفر کے فتوؤں کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ ہم نے اسلام اور قرآن کریم کی وکالت کرنی ہے اور آپ نے اناجیل کی۔ بھلا اس کو فتاویٰ کفر سے کیا تعلق" [۳۵]

حضرت اقدسؑ نے مناظرہ کی ابتدائی خط و کتابت 'مارٹن کلارک کا چیلنج' پانڈہ صاحب کا خط 'مناظرہ کے شرائط اور دیگر تمہید کوائف منظر عام پر لانے کے لئے "حجتہ الاسلام" اور "سچائی کا اظہار" نامی رسالے شائع کئے۔ حجتہ الاسلام میں حضورؑ نے خدا تعالیٰ سے علم پا کر اول المکفرین مولوی محمد حسین بٹالوی سے متعلق یہ خبر دی کہ وہ مرنے سے قبل میرا مومن ہونا تسلیم کر لیں گے اور تکفیر سے رجوع کر لیں گے۔ چنانچہ یہ پیشگوئی ۱۹۱۴ء میں پوری ہو گئی جب کہ مولوی صاحب نے ضلع گوجرانوالہ کے جج لالہ دیو کی نندن کی عدالت میں حلفیہ شہادت دی کہ فرقہ احمدیہ بھی قرآن و حدیث کو مانتا ہے اور ہمارا

فرقہ کسی ایسے فرقہ کو جو قرآن اور حدیث کو مانے کافر نہیں کہتا (دیکھو مقدمہ نمبر ۱۳۰۰ بعدالت لالہ دیو کی نندن مجسٹریٹ درجہ اول) ایک غیر احمدی عالم اس نشان کے پورا ہونے کا اقرار کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ "مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی مرزا صاحب کے سخت مخالف تھے۔ حتیٰ کہ آپ نے مرزا صاحب پر کفر کے فتوے لگائے عین اس زمانہ میں مرزا صاحب نے پیشگوئی کی کہ مولانا موصوف وفات سے قبل میرا مومن ہونا تسلیم کرلیں گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اور مولوی صاحب کو عدالت میں یہ بیان دینا پڑا کہ ان کا فرقہ جماعت مرزائیہ کو مطلقاً کافر نہیں کہتا یہ ایک ایسا بدیہی نشان ہے جس سے انکار نہیں ہو سکتا۔ [۲۶]

جنگ مقدس

طے شدہ شرائط کے مطابق ۲۲ - مئی سے ۵- جون ۱۸۹۳ء تک امرتسر میں مباحثہ ہوا۔ جو جنگ مقدس کے نام سے چھپا ہوا موجود ہے۔ یہ مباحثہ مسٹر ہنری مارٹن کلارک کی کوٹھی میں ہوا۔ مسلمانوں کی طرف سے منشی غلام قادر صاحب فصیح (وائس پریذیڈنٹ میونسپل کمیٹی سیالکوٹ) نے اور عیسائیوں کی طرف سے ڈاکٹر ہنری مارٹن کلارک صاحب نے صدر کے فرائض سرانجام دیئے۔ حضور کے ساتھ معاونین کے طور پر حضرت مولانا نورالدین صاحب۔ مولانا سید محمد احسن صاحب اور شیخ اللہ دیا صاحب لدھیانوی تھے۔ اور عیسائی مناظر آتھم کے معاون پادری جے۔ ایل ٹھاکر داس' پادری عبداللہ اور پادری ٹامس ہاول صاحب قرار پائے۔ کرنیل الطاف علی خاں صاحب رئیس کپور تھلہ جو عیسائیت اختیار کر چکے تھے عیسائیوں کی طرف بیٹھتے۔ ایک طرف حضرت اقدسؑ اور دوسری طرف عبداللہ آتھم صاحب بیٹھتے تھے۔ دونوں فریقوں کے درمیان خلیفہ نورالدین صاحب جمونی اور منشی ظفر احمد صاحب کپور تھلوی مباحثہ کی کارروائی نوٹ کرتے۔ اسی طرح عیسائیوں کے آدمی بھی لکھتے تھے اور بعد میں تحریروں کا مقابلہ کر لیتے تھے۔ [۲۷]

ایک ایمان افروز واقعہ

مباحثہ کے دوران میں ایک عجیب ایمان افزا واقعہ پیش آیا جس نے اپنوں اور بیگانوں کو حیران کر دیا۔ عیسائیوں نے آپ کو شرمندہ کرنے کے لئے یہ صورت نکالی کہ ایک دن چند لولے لنگڑے اور اندھے اکٹھے کر لئے اور کہا کہ آپ کو مسیح ہونے کا دعویٰ ہے ان پر ہاتھ پھیر کر اچھا کر دیں۔ مجلس میں ایک سناٹا سا چھا گیا۔ اور مسلمان نہایت بے تابی سے انتظار کرنے لگے کہ دیکھیں آپ اس کا کیا جواب دیتے ہیں اور عیسائی اپنی اس کارروائی پر پھولے نہیں سماتے تھے لیکن جب حضورؑ نے اس مطالبہ کا جواب دیا تو ان کی فتح شکست سے بدل گئی اور

سب لوگ آپ کے جواب کی برجستگی اور معقولیت کے قائل ہو گئے آپ نے فرمایا کہ اس قسم کے مریضوں کو اچھا کرنا انجیل میں لکھا ہے ہم تو اس کے قائل ہی نہیں ہمارے نزدیک تو حضرت مسیحؑ کے معجزات کا رنگ ہی اور تھا۔ یہ تو انجیل کا دعویٰ ہے کہ وہ ایسے بیماروں کو جسمانی رنگ میں اچھا کرتے تھے۔ لیکن اسی انجیل میں لکھا ہے کہ اگر تم میں رائی برابر [۲۸] بھی ایمان ہو گا تو تم مجھ سے بھی بڑھ کر عجیب کام کر سکتے ہو۔ پس ان مریضوں کو پیش کرنا آپ لوگوں کا کام نہیں بلکہ ہمارا کام ہے اور اب میں ان مریضوں کو جو آپ نے نہایت مہربانی سے جمع کر لئے ہیں آپ کے سامنے پیش کر کے کہتا ہوں کہ براہ مہربانی انجیل کے حکم کے ماتحت اگر آپ لوگوں میں ایک رائی کے دانہ برابر بھی ایمان ہے تو ان مریضوں پر ہاتھ رکھ کر کہیں کہ اچھے ہو جاؤ۔ اگر یہ اچھے ہو گئے تو ہم یقین کر لیں گے کہ آپ اور آپ کا مذہب سچا ہے۔ حضرت اقدسؑ کی طرف سے یہ برجستہ جواب سن کر پادریوں کے ہوش اڑ گئے اور انہوں نے جھٹ اشارہ کر کے ان لوگوں کو وہاں سے رخصت کر دیا۔ [۲۹]

مباحثے کا اثر

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام نے اس مباحثہ میں یہ اصول پیش کیا کہ فریقین کو لازم ہو گا کہ جو دعویٰ کریں وہ دعویٰ اس الہامی کتاب کے حوالہ سے کیا جائے جو الہامی قرار دی گئی ہے اور جو دلیل پیش کریں وہ دلیل بھی اسی کتاب کے حوالہ سے ہو۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس سنہری اصول کا التزام کرتے ہوئے قرآن کریم کی صداقت جس خوبی سے نمایاں کر کے دکھائی ہے اس کا لطف اصل پرچے دیکھنے سے ہو سکتا ہے۔ اس کے مقابل عیسائی مناظر اس میں سراسر ناکام ہوئے یہ اسی فتح عظیم کا نتیجہ تھا کہ کرنیل الطاف علی خاں صاحب رئیس کپور تھلہ جو مباحثہ میں عیسائیوں کی صف میں بیٹھتے تھے آخری دن حضرت اقدسؑ کی خدمت میں پہنچے اور عیسائیت سے تائب ہو کر حلقہ بگوش اسلام ہو گئے۔ [۳۰]

باطل فریق کے لئے پیشگوئی

مباحثہ کا آخری دن (۵۔ جون ۱۸۹۳ء) بڑے معرکے کا دن تھا کیونکہ اس میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خدا سے علم پا کر باطل فریق کے متعلق یہ زبردست پیشگوئی فرمائی کہ "اس بحث میں دونوں فریقوں میں سے جو فریق عمداً جھوٹ کو اختیار کر رہا ہے اور سچے خدا کو چھوڑ رہا ہے اور عاجز انسان کو خدا بنا رہا ہے وہ انہی دنوں مباحثہ کے لحاظ سے یعنی فی دن ایک مہینہ لے کر یعنی پندرہ ماہ تک ہاویہ میں گرایا جاوے گا۔ اور اس کو سخت ذلت پہنچے گی بشرطیکہ حق کی طرف رجوع نہ کرے"۔ اس کے بعد حضورؑ نے مسٹر آتھم کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ اگر یہ نشان پورا ہو گیا تو کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سچے نبی ہونے کے بارہ میں جن کو اندرونہ بائبل (صفحہ ۷۰، ۷۵) میں معاذاللہ دجال کے لفظ سے آپ یاد کرتے

ہیں محکم دلیل ٹھہرے گی یا نہیں؟ [۶۱] یہ ہیبت ناک پیشگوئی سن کر مسٹر آتھم کا رنگ فق اور چہرہ زرد ہو گیا اور ہاتھ کانپنے لگے اور انہوں نے بلا توقف اپنی زبان منہ سے نکالی اور دونوں ہاتھ کانوں پر رکھے جیسا کہ ایک خائف ملزم توبہ اور انکسار کے رنگ میں اپنے تئیں ظاہر کرتا ہے۔ اور بار بار لرزتی ہوئی زبان سے کہا توبہ توبہ میں نے بے ادبی اور گستاخی نہیں کی اور میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ہرگز دجال نہیں کہا۔ [۶۲-۶۳]

سفر جنڈیالہ

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام مناظرہ سے فارغ ہونے کے بعد مسلمانان جنڈیالہ کی درخواست پر ایک دن کے لئے جنڈیالہ تشریف لے گئے۔ قصبہ کے اکثر معزز لوگوں نے جو حضورؑ کی زیارت کے مشتاق تھے آپ کا گرمجوشی سے استقبال کیا۔ اور ایک نئے مکان میں حضور کا قیام ہوا۔ مکان کے ایک دالان اور کوٹھری میں فرش بچھا ہوا تھا۔ کوٹھری میں تو حضرت اقدس فروکش ہوئے اور چند خدام حضرت مولانا نورالدین صاحب کے ساتھ مکان کی ملحقہ مسجد میں آکر بیٹھ گئے۔ اہل جنڈیالہ نہایت شوق سے مسجد میں جمع ہوئے اور مناظرہ کے کوائف سنتے رہے حضرت مولانا بڑی دیر تک وعظ فرماتے اور حالات سناتے رہے۔ اہل جنڈیالہ اس دن اس قدر خوش تھے کہ گویا ان کے واسطے عید کا دن تھا۔ دوپہر کا کھانا تناول کرنے کے بعد تھوڑی دیر ٹھہر کر حضرت اقدسؑ بھی مسجد میں تشریف لے آئے اور دیر تک اپنے مقدس کلمات سے نوازتے رہے۔ حضور نے بڑی تفصیل سے ان غلط فہمیوں کا ازالہ کیا جو علماء نے پھیلا رکھی تھیں اور نصوص قطعیہ سے حضرت مسیح علیہ السلام کی وفات ثابت کی جس سے لوگوں کی خوب تسلی ہوئی اور وہ نہایت شکرگزار ہوئے۔ حضرت اقدسؑ عصر کی نماز تک جنڈیالہ میں مقیم رہے اور عصر کے بعد تھوڑی دیر بیٹھ کر امرتسر تشریف لے آئے۔ [۶۴]

قادیان کو واپس جنڈیالہ سے آنے کے بعد چند روز حضورؑ نے مزید امرتسر میں قیام فرمایا اور جون کے دوسرے ہفتہ میں قادیان تشریف لے آئے۔ [۶۵]

حواشی

۱- ضمیمہ "آئینہ کمالات اسلام" طبع اول صفحہ ۴
۲- رسالہ "نور احمد" نمبر ۱ صفحہ ۴۰-۴۴
۳- "آئینہ کمالات اسلام" طبع اول صفحہ ۳۵۹-۳۶۰
۴- "سیرت المہدی" حصہ دوم صفحہ ۳۰-۳۱ "ابن ماجہ" (مصری) جلد دوم ۲۶۹ پر پہلے سے یہ حدیث موجود ہے کہ اللہ تعالیٰ مہدی میں ایک رات کے اندر انقلاب پیدا کردے گا۔ اخبار الحکم ۲۱-۲۸ اکتوبر ۱۹۳۵ء صفحہ ۴
۵- الحکم ۲۴- اکتوبر ۱۹۰۰ء
۶- "سچائی کا اظہار"
۷- حضرت اقدس مسیح موعودؑ نے ضمیمہ "انجام آتھم" میں ۳۱۳ اصحاب کی فہرست میں ان کا نام ۵۵ نمبر پر لکھا ہے۔
۸- "سیرت المہدی" حصہ سوم صفحہ ۲۰۸-۲۰۹
۹- درثمین عربی مترجم صفحہ ۱
۱۰- "سچائی کا اظہار" صفحہ ۵
۱۱- رسالہ "نگار" لکھنؤ اپریل ۱۹۶۰ء صفحہ ۵۲
۱۲- ملاحظہ ہو اخبار آزاد (لاہور) ۲۹- دسمبر ۱۹۵۰ء صفحہ ۲
۱۳- بخاری کتاب الجہاد باب دعاء النبی الی الاسلام و تاریخ کامل (علامہ ابن اثیر جوزی جلد ۲ صفحہ ۸۰)
۱۴- ۱۳ء سے ۱۸۵۷ء
۱۵- "حیات احمد" جلد چہارم صفحہ ۲۶۴
۱۶- نور القرآن جلد دوم
۱۷- ولادت ۲۱- نومبر ۱۸۳۵ء وفات ۲۴- جولائی ۱۹۰۱ء آخری آرام گاہ ضلع ڈیرہ غازیخان کے قصبہ مٹھن کوٹ میں ہے۔
۱۸- "اشارات فریدی" حصہ سوم صفحہ ۶۹-۷۰ (مطبوعہ مفید عام پریس آگرہ ۱۳۲۰ھ) افسوس "اشارات فریدی" کے ترجمہ سے جو "مقابیس المجالس" کے نام پر بزم اتحاد المسلمین لاہور نے ۱۴۱۱ھ میں شائع کیا ہے حضرت مسیح موعود سے متعلق سب تعریفی کلمات حذف کر دیئے گئے ہیں۔
۱۹- آئینہ کمالات اسلام طبع دوم صفحہ ۶۵۰-۶۵۱
۲۰- تریاق القلوب صفحہ ۴۲
۲۱- نزول المسیح صفحہ ۲۳۰
۲۲- الفضل ۱۸- جون ۱۹۱۶ء
۲۳- "سیرۃ خاتم النبیین" کے اس وقت تک تین حصے چھپ چکے ہیں۔ حصہ اول ۱۹۱۹ء میں شائع ہوا حصہ دوم ۱۹۳۰ء میں اور حصہ سوم ۱۹۴۹ء میں۔
۲۴- تاریخ اشاعت حصہ اول ۲۲-۱۹۲۱ء۔ حصہ دوم ۱۹۲۴ء۔ حصہ سوم ۱۹۳۹ء
۲۵- اس کا انگریزی ایڈیشن Qadian Diary کے نام سے چھپا ہے۔
۲۶- یہ حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب موصوف کے مختلف مضامین کا مجموعہ ہے جو متفرق طور پر الفضل میں شائع ہوتے رہے ہیں۔
۲۷- اپریل ۱۹۶۰ء سے حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ نے اس شعبے کا نام "نظارت خدمت درویشاں منظور فرمایا ہے (مرتب)
۲۸- (ترجمہ) خدا کی قدرتوں کے بھیدوں کا انکار نہ کر۔ بات ختم کر اور (لیکھرام کے متعلق) ہماری ایک قبول شدہ دعا دیکھ لے

۲۹۔ تاریخ بشارت السند و پاکستان" صفحہ ۲۰۰ (از پادری خورشید عالم چرچ مشنری سوسائٹی گوجرہ)
۳۰۔ مفصل مکتوب کے لئے ملاحظہ ہو "حجتہ الاسلام" صفحہ ۱۴-۱۷
۳۱۔ اس وفد میں حضرت مولانا عبد الکریم صاحب منشی غلام قادر صاحب فصیح اور حضرت منشی ظفر احمد صاحب کپور تھلوی وغیرہ اصحاب شامل تھے۔
۳۲۔ حجتہ الاسلام" صفحہ ۱ تبلیغ رسالت جلد سوم صفحہ ۳۷
۳۳۔ ملاحظہ ہو "حجتہ الاسلام"
۳۴۔ "سچائی کا اظہار"
۳۵۔ رسالہ "نور احمد" نمبر ۱ صفحہ ۲۰ تا ۲۶ امرتسر کے مسلمانوں کی طرف سے ایک اشتہار چھپا جس میں مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری نے یہاں تک لکھا کہ میں اس جنگ میں اس طرح حضرت مرزا صاحب کے زیر قیادت کھڑا ہونیکا اعلان کرتا ہوں جس طرح حضرت معاویہ نے حضرت علیؓ کے ماتحت لڑنے کا اعلان کیا تھا (حیات احمد جلد چہارم صفحہ ۳۶۲ مطبوعہ حیدر آباد دکن ۱۹۵۳ء)
۳۶۔ "اظہار حق" صفحہ ۱۴ از مولوی سمیع اللہ خان فاروقی جالندھری مطبوعہ نذیر پرنٹنگ پریس امرت سر
۳۷۔ ریویو آف ریلیجنز اردو۔ جنوری ۱۹۴۲ء صفحہ ۱۹
۳۸۔ یوحنا باب ۱۴ آیت ۱۲
۳۹۔ سیرت حضرت مسیح موعودؑ از حضرت خلیفتہ المسیح الثانی۔ سیرت المہدی حصہ اول صفحہ ۱۹۱-۱۹۲ ریویو آف ریلیجنز اردو جنوری ۱۹۴۲ء صفحہ ۱۹۔
۴۰۔ ریویو آف ریلیجنز اردو جنوری ۱۹۴۲ء صفحہ ۲۰-۲۱
۴۱۔ جنگ مقدس
۴۲۔ "نزول المسیح" صفحہ ۱۶۵-۱۶۶
۴۳۔ مباحثہ کے متفرق حالات کے لئے ملاحظہ ہو (رسالہ "نور احمد" نمبر ۱)
۴۴۔ "حیات احمد" جلد چہارم صفحہ ۳۹۷-۳۹۸، ۴۱۱-۴۱۲
۴۵۔ ایضاً

"تحفہ بغداد"۔ "کرامات الصادقین" اور "شہادۃ القرآن" کی تصنیف و اشاعت

مباحثہ امرت سر سے واپسی کے بعد حضرت اقدس علیہ السلام نے ۱۸۹۳ء کے آخر تک "تحفہ بغداد"۔ "کرامات الصادقین" اور "شہادۃ القرآن" کے نام سے تین اور تصانیف فرمائیں۔ جو اسی سال شائع بھی ہو گئیں۔

تحفہ بغداد اس کتاب کی وجہ تصنیف یہ ہوئی کہ بغداد کے ایک شخص سید عبدالرزاق قادری نقشبندی نے "التبلیغ" پڑھ کر حیدر آباد سے ایک عربی اشتہار شائع کیا جس میں نہایت درجہ دریدہ دہنی سے کام لیا۔ حضرت اقدسؑ نے اس اشتہار کے پہنچتے ہی اس کے جواب میں (محرم ۱۳۱۱ھ بمطابق جولائی ۱۸۹۳ء کو) "تحفہ بغداد" کے نام سے ایک لاجواب رسالہ شائع فرمایا۔ جس میں آپ نے اصل اشتہار اور مکتوب درج کر کے نہایت فصیح بلیغ عربی میں علماء کی پھیلائی ہوئی غلط فہمیوں کا بڑی خوبی سے رد کیا۔ اپنے دعویٰ سے متعلق زبردست دلائل دیئے اور اسے نہایت محبت بھرے الفاظ میں تبلیغ فرمائی۔

سید عبدالرزاق نے اپنے اشتہار میں لکھا تھا کہ تین مہینے میں آئینہ کمالات اسلام کا رد لکھ کر اسے مصر و بغداد میں پھیلا دوں گا۔ لیکن اب جو "تحفہ بغداد" پہنچا تو اسے دم مارنے کی مجال نہ ہوئی۔

کرامات الصادقین جب سے حضرت اقدسؑ نے خدا کے حکم سے دعویٰ مسیحیت فرمایا۔ مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی نے اپنی تقریروں اور تحریروں میں بڑے زور شور سے آپ کے خلاف یہ پراپیگنڈہ کر رکھا تھا کہ یہ شخص نعوذ باللہ اس قدر جاہل اور علوم عربیہ سے بے بہرہ ہے کہ ایک صیغہ بھی صحیح طور پر اس کے منہ سے نہیں نکل سکتا۔ جب یہ پراپیگنڈا عروج پر تھا اللہ تعالیٰ نے حضور کو بشارت دی کہ اگر مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی یا کوئی دوسرا ان کا ہم مشرب مقابلہ پر آئے تو شکست فاش اٹھا کر سخت ذلیل ہو گا۔ جس پر حضور نے ۳۰۔ مارچ ۱۸۹۳ء کو بذریعہ اشتہار مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی کو چیلنج دیا کہ وہ چالیس دن آپ کے مقابل قرعہ اندازی سے قرآن مجید کی کسی سورۃ کی فصیح بلیغ اور مقفی عربی عبارت میں تفسیر لکھیں جس میں معارف جدیدہ ہوں۔ اگر مولوی صاحب حقائق و معارف کے بیان کرنے اور فصیح و بلیغ عربی لکھنے میں آپ کے برابر بھی رہے تو آپ اپنی خطا کا اقرار کر لیں گے۔ اور اپنی کتابیں جلا دیں گے لیکن اگر حضور غالب ہوئے تو مولوی

محمد حسین صاحب کو توبہ کا اعلان کرنا ہوگا۔ [1] بٹالوی صاحب نے جب اپنی علمیت کا راز فاش ہوتا دیکھا تو نہایت بودی شرطوں سے اپنا پیچھا چھڑانے کی کوشش کی۔ جس [2] سے صاف کھل گیا کہ بٹالوی صاحب علم تفسیر و ادب میں محض نابلد ہیں۔ اور لعن طعن اور سب و شتم کے سوا کچھ نہیں جانتے۔ تاہم حضورؑ نے ان پر اتمام حجت کی غرض سے از خود "کرامات الصادقین" کے نام سے ایک رسالہ شائع کیا جس میں فصیح و بلیغ عربی میں سورۃ فاتحہ کی تفسیر اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں چار قصائد رقم فرمائے۔ یہ قصائد اگرچہ ایک ہفتہ میں بمقام امرتسر زیب قرطاس ہوئے تھے۔ مگر آپ نے مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی اور ان کے تمام ہم مشرب علماء کو ایک ماہ کی مہلت دیتے ہوئے اعلان کیا کہ اگر وہ اس رسالہ کی اشاعت سے ایک ماہ کے عرصہ تک اس کے مقابل پر اپنا فصیح و بلیغ رسالہ شائع کر دیں۔ جس میں ایسے ہی حقائق اور معارف اور بلاغت کے التزام سے سورہ فاتحہ کی تفسیر ہو جو اس رسالہ میں لکھی گئی ہے تو ان کو ہزار روپیہ انعام دیا جائے گا۔" [3] "کرامات الصادقین" کا شائع ہونا تھا کہ مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی اور ان کے ہمنواؤں کی زبان پر مہر لگ گئی اور انہیں عمر بھر اس کے جواب میں قلم اٹھانے کی جرات نہ ہو سکی۔

"کرامات الصادقین" میں حضرت اقدسؑ نے اپنی سچائی پر ایک بار پھر حلفیہ بیان شائع کیا۔ چنانچہ لکھا:- "مجھے اللہ جل شانہ کی قسم ہے کہ میں کافر نہیں۔ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ میرا عقیدہ ہے اور لٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّيْنَ پر آنحضرت ﷺ کی نسبت میرا ایمان ہے۔ میں اپنے اس بیان کی صحت پر اس قدر قسمیں کھاتا ہوں جس قدر خدا تعالیٰ کے پاک نام ہیں اور جس قدر قرآن کریم کے حرف ہیں اور جس قدر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خدا تعالیٰ کے نزدیک کمالات ہیں...... میں اللہ جل شانہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میرا خدا اور رسول پر وہ یقین ہے کہ اگر اس زمانہ کے تمام ایمانوں کو ترازو کے ایک پلہ میں رکھا جائے اور میرا ایمان دوسرے پلہ میں تو بفضلہ تعالیٰ یہی پلہ بھاری ہوگا"۔ [4]

شہادت القرآن کی تصنیف و اشاعت

ایک صاحب منشی عطا محمد صاحب نے جو امرت سر کی ضلع کچہری کے اہلمد تھے۔ اگست ۱۸۹۳ء کو حضرت اقدسؑ کی خدمت میں ایک خط لکھا کہ احادیث زمانہ دراز کے بعد مدون ہونے کے باعث پایہ اعتبار سے ساقط ہیں اور اکثر مجموعہ احاد۔ اس لئے آپ قرآن مجید سے اس بات کی دلیل دیں کہ آپ مسیح موعود ہیں یا کسی مسیح کا انتظار کرنا مسلمانوں کے لئے واجب ولازم ہے۔ یہ ایک نہایت اہم سوال تھا۔ جس کے لئے آپ نے کتاب "شہادۃ القرآن" تصنیف فرمائی۔ حضرت اقدسؑ نے اس کتاب میں سوال کا تجزیہ کر کے اسے تین پہلوؤں پر تقسیم کیا اور پھر ہر پہلو پر زبردست روشنی ڈالی۔

برسوں کی آویزش اور کشمکش میں علماء کی ناکامی اور بے بسی دیکھ کر زمانہ حاضرہ کے بعض جدید خیال مسلمان مجبوراً اپنا رخ بدل کر ان خیالات کا اظہار کر رہے ہیں کہ قرآن میں کسی مسیح کی آمد کا ذکر ہی موجود نہیں۔ اور احادیث موضوع و محرف ہیں۔ مرزا صاحب انہی احادیث کا سہارا لے کر مسیح موعود بنے ہیں۔ اس لئے ان کا دعویٰ کیونکر صحیح قرار دیا جاسکتا ہے۔ [۵] مگر علم کلام کے اسلحہ خانہ کا یہ کوئی نیا تیر نہیں تھا۔ بلکہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے "شہادت القرآن" میں اپنے مسیح موعود ہونے کے وہ قرآنی شواہد پیش کئے ہیں کہ ساٹھ سال ہو گئے آج تک کسی بڑے سے بڑے عالم سے بھی ان کا جواب نہیں بن پڑا۔

منشی عطا محمد صاحب کے لئے نشان کا وعدہ

حضرت اقدسؑ نے منشی عطا محمد صاحب کے سامنے فیصلہ کا ایک سہل طریق یہ بھی رکھا کہ وہ اشتہار شائع کریں کہ میری تسلی اس رسالہ سے نہیں ہوئی اور میں ابھی تک آپ کے دعویٰ کو افتراء سمجھتا ہوں اور چاہتا ہوں کہ میری نسبت کوئی نشان ظاہر ہو تو میں انشاء اللہ ان کے بارہ میں توجہ کروں گا۔ اور میں یقین رکھتا ہوں کہ خدا تعالیٰ کسی مخالف کے سامنے مجھے مغلوب نہیں کرے گا۔ کیونکہ میں اس کی طرف سے ہوں اور اس کے دین کی تجدید کے لئے اس کے حکم سے آیا ہوں۔ لیکن منشی صاحب نے خاموشی غنیمت سمجھی اور اس طرف جیتے جی انہوں نے رخ تک نہ کیا۔ (یاد رہے کہ منشی صاحب موصوف علامہ عنایت اللہ خاں مشرقی کے والد ماجد تھے)

قادیان کی طرف (مستقل رنگ میں) ہجرت کا آغاز

گو دعویٰ مسیحیت کے بعد ہی قادیان کی طرف ہجرت کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا۔ مگر مستقل رنگ میں پہلی ہجرت اسی سال حضرت مولانا نور الدین صاحبؓ نے کی۔ چنانچہ خود حضرت مسیح موعود علیہ السلام انہیں اول المہاجرین قرار دیتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں۔ "سب سے پہلے مولوی نور الدین صاحب نے اس راز کو سمجھا ہے اور وہ محض خدا کی رضامندی کے واسطے اور دین کو حاصل کرنے کے واسطے یہاں آکر جنگل میں بیٹھے ہیں۔ انہوں نے بہت بڑی قربانی کی ہے اپنی جائیدادیں اور املاک چھوڑیں اور ایک جنگل کی رہائش اختیار کی۔ میں یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ مولوی صاحب جیسی قابلیت اور لیاقت کا آدمی اگر لاہور یا امرتسر میں رہتا تو بہت بڑا دنیوی فائدہ اٹھا سکتا تھا۔ اور کئی بار لاہور اور امرتسر والوں نے چاہا بھی کہ وہ یہاں آکر رہیں مگر انہوں نے کبھی یہاں کے رہنے پر دوسری جگہ کی آمدنی اور فوائد کو ترجیح نہیں دی۔"[6]

حضرت مولانا نور الدین صاحب کے بعد خدا کے مسیح کی مقدس بستی کی طرف ہجرت کرنے والوں کا تانتا بندھ گیا۔ چنانچہ آپ کے بعد حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی زندگی میں جن بزرگوں نے ہجرت کی ان میں سے چند کے نام یہ ہیں۔

نام	سن ہجرت	نام	سن ہجرت
حضرت مولانا عبدالکریم صاحب	۱۸۹۳ء غالباً [7]	حضرت مفتی محمد صادق صاحب	جولائی ۱۹۰۰ء [14]
حضرت شیخ محمد اسمٰعیل صاحب سرساوی	۱۸۹۴ء	حضرت قاضی ضیاء الدین صاحب	۱۹۰۱ء [15]
حضرت بھائی عبدالرحمٰن صاحب قادیانی	۱۸۹۵ء [8]	حضرت قاضی عبدالرحیم صاحب	ایضاً [16]
حضرت بھائی عبدالرحیم صاحب	۱۸۹۵ء [9]	حضرت پیر افتخار احمد صاحب	۱۹۰۱ء [17]
حضرت میر ناصر نواب صاحب	۱۸۹۵ء [10]	حضرت میر مہدی حسین صاحب	۱۹۰۱ء [18]
حضرت شیخ یعقوب علی صاحب تراب	۱۸۹۷ء [11]	حضرت نواب محمد علی خان صاحب	ایضاً [19]
حضرت ماسٹر فقیر اللہ صاحب	۱۸۹۷ء	حضرت حافظ روشن علی صاحب	۱۹۰۱ [20]
حضرت پیر سراج الحق صاحب نعمانی	۱۸۹۹ء [12]	حضرت مولوی سید محمد سرور شاہ صاحب	۱۹۰۱ء [21]
مولوی محمد علی صاحب	جون ۱۸۹۹ء [13]	حضرت بابو محمد افضل صاحب	۱۹۰۲ء [22]
حضرت منشی قدرت اللہ خان صاحب شاہجہانپوری	۱۸۹۹ء	حضرت مولوی عبدالرحیم صاحب نیر	۱۹۰۶ء [23]

حضرت قاضی محمد ظہور الدین صاحب اکمل۔ ۱۹۰۶ [24]

حضرت قاضی امیر حسین صاحب، حضرت حکیم فضل الدین صاحب۔ حضرت سید ناصر شاہ صاحب

اور متعدد بزرگوں نے بھی حضرت اقدسؑ کی زندگی میں مستقل طور پر ہجرت کی مگر ان کی ہجرت کے سال کی تعیین نہیں ہو سکی۔ [۲۵]

دوستوں سے مل کر رہنے کی خواہش

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو اپنے خدام سے والہانہ محبت تھی۔ حضور فرمایا کرتے تھے کہ میری بڑی آرزو ہے کہ ایسا مکان ہو کہ چاروں طرف ہمارے احباب کے گھر ہوں اور درمیان میں میرا گھر ہو اور ہر ایک گھر میں میری ایک کھڑکی ہو کہ ہر ایک سے ہر ایک وقت واسطہ ورابطہ رہے۔ [۲۶] یہ اسی جذبہ کا نتیجہ تھا کہ ابتداء میں آنے والے مہاجرین حضور ہی کے مکان میں سکونت رکھتے تھے۔ چنانچہ پیر افتخار احمد صاحب کے لئے ایک کوٹھری حضرت اقدسؑ کے گھر ہی میں تھی۔ اور اس کے اوپر کی کوٹھری میں مولانا عبدالکریم صاحب رہا کرتے تھے۔ [۲۷]

حضرت مولانا نورالدین صاحب فرماتے تھے جب میں قادیان آیا۔ تو حضرت اقدسؑ نے ایک برآمدے میں رسی باندھ کر اس پر پردہ ڈال دیا۔ ایک طرف خود ہو گئے۔ دوسری طرف مجھے جگہ دے دی۔ پھر مولوی عبدالکریم صاحب آئے تو آپؑ نے ایک اور رسی باندھ دی۔ اور پردہ ڈال کر کچھ جگہ ان کو دیدی۔ مولوی محمد احسن صاحب آئے۔ آپ نے ان کو بھی جگہ دی۔ اسی طرح جو مہمان آتا آپ سمٹ جاتے اور مہمان کے لئے جگہ بنا دیتے۔ [۲۸]

سید ناصر شاہ صاحب حضرت اقدسؑ کے ہاں ہی رہتے تھے۔ ایک دفعہ پرائمری سکول کے پاس مکان کے لئے جگہ نکلی۔ حکیم فضل دین صاحب نے انہیں اس کے خریدنے کی طرف توجہ دلائی۔ حضور کو علم ہوا تو فرمایا وہ جگہ دور ہے اور ابھی آپ ملازمت پر ہیں اور آپ کے بھائی اور بھاوج بھی باہر ہیں جب آپ آئیں گے پھر دیکھا جائے گا۔ اور جب وہ وقت آئے گا ہم آپ کا مکان اپنے پاس بنوائیں گے۔ [۲۹]

حضرت اقدسؑ نے پیر سراج الحق صاحب نعمانی کا مکان خود بنوایا تھا لیکن جب وہ نئے مکان میں منتقل ہوئے تو واپس اپنے مکان میں بلوا لیا۔ ان کا بیان ہے کہ میں تقریباً دس ماہ سے حضرت اقدسؑ کے مکان میں رہتا تھا...... صحن اتنا بھرا ہوا تھا کہ حضور کے لئے چلنے پھرنے کو جگہ نہ رہی تھی لیکن پھر بھی آپ نے میرا علیحدہ مکان میں رہنا پسند نہ فرمایا۔ [۳۰]

حضرت میر ناصر نواب صاحب جب ہجرت کر کے تشریف لائے تو انہوں نے گول کمرہ کے آگے دیوار بنوا کر پردہ کر لیا اور اس میں اپنی رہائش رکھ لی۔ [۳۱]

جنوری ۱۹۰۰ء میں حضرت اقدسؑ کے مکان میں جس کثرت سے "اصحاب الصفہ" مقیم تھے۔ اس کا نقشہ مولانا عبدالکریم صاحب بایں الفاظ کھینچتے ہیں۔ کہ "مکان اندر اور باہر نیچے اور اوپر مہمانوں سے

کشتی کی طرح بھرا ہوا ہے اور حضرت اقدس کو بھی بقدر حصہ رسدی بلکہ تھوڑا سا ایک حصہ رہنے کو ملا ہوا ہے اور آپ اس میں یوں رہتے ہیں جیسے سرائے میں کوئی گزارہ کرتا ہے - اور اس کے جی میں کبھی نہیں گزرتا کہ یہ میری کوٹھڑی ہے"۔ ۳۲

حضرت مولانا نور الدین کی ہجرت کا ایمان افروز واقعہ

حضرت مولانا نور الدین اپنی ہجرت کا ایمان افروز واقعہ

یوں بیان فرماتے ہیں کہ (ریاست کی ملازمت سے فارغ ہونے کے بعد) بھیرہ میں پہنچ کر میرا ارادہ ہوا کہ میں ایک بہت بڑے پیمانہ پر شفاخانہ کھولوں اور ایک عالی شان مکان بنالوں وہاں میں نے ایک مکان بنایا ابھی وہ ناتمام ہی تھا اور غالباً سات ہزار روپیہ اس پر خرچ ہونے پایا تھا کہ میں کسی ضرورت کے سبب لاہور آیا اور میرا جی چاہا کہ حضرت صاحب کو بھی دیکھوں اس واسطے میں قادیان آیا - چونکہ بھیرہ میں بڑے پیمانہ پر عمارت کا کام شروع تھا - اس لئے میں نے واپسی کا یکہ کرایہ کیا تھا - یہاں آکر حضرت صاحب سے ملا اور ارادہ کیا کہ آپ سے ابھی اجازت لے کر رخصت ہوں آپ نے اثنائے گفتگو میں مجھ سے فرمایا کہ اب تو آپ فارغ ہو گئے ہیں - میں نے کہا ہاں اب تو فارغ ہی ہوں - یکہ والا سے میں نے کہدیا کہ اب تم چلے جاؤ - آج اجازت لینا مناسب نہیں ہے کل پرسوں اجازت لیں گے اگلے روز آپ نے فرمایا کہ آپ کو اکیلے رہنے میں تو تکلیف ہوگی آپ اپنی ایک بیوی کو بلوالیں۔

میں نے حسب الارشاد بیوی کے بلانے کے لئے خط لکھ دیا - اور یہ بھی لکھ دیا کہ ابھی میں شاید جلد نہ آسکوں اس لئے عمارت کا کام بند کر دیں - جب میری بیوی آگئی تو آپ نے فرمایا کہ آپ کو کتابوں کا بڑا شوق ہے لہٰذا میں مناسب سمجھتا ہوں کہ آپ اپنا کتب خانہ منگوالیں - تھوڑے دنوں کے بعد فرمایا کہ دوسری بیوی آپ کی مزاج شناس اور پرانی ہے آپ اس کو ضرور بلالیں - لیکن مولوی عبدالکریم صاحب سے فرمایا کہ مجھ کو نور الدین کے متعلق الہام ہوا ہے اور وہ شعرؔ (کچھ تبدیلی کے ساتھ) حریری میں موجود ہے۔ ؎

لا تصبون الی الوطن فیہ تہان و تمتحن ۳۳

حضرت مولوی صاحب فرمایا کرتے تھے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے مجھے یہ بھی فرمایا کہ اپنے وطن کا خیال تک بھی نہ کرنا - ۳۴ چنانچہ خدا تعالیٰ کے بھی عجیب تصرفات ہوتے ہیں میرے واہمہ اور خواب میں بھی پھر مجھے وطن کا خیال نہ آیا - پھر تو ہم قادیان کے ہی ہو گئے - ۳۵

سفر فیروز پور

حضرت مسیح موعودؑ نے نومبر ۱۸۹۳ء میں فیروز پور چھاؤنی کا سفر اختیار فرمایا۔ جہاں حضرت میر ناصر نواب صاحب محکمہ نہر میں ملازم تھے۔ اہل بیت کے علاوہ آپ کے ہمراہ منشی غلام محمد صاحب خوشنویس امرتسری۔ سید محمد سعید صاحب اور حامد علی صاحب بھی تھے کیونکہ عربی رسائل کی تالیف و تصنیف کا کام جاری تھا۔ ۱۴۔ دسمبر ۱۸۹۲ء کو حضورؑ فیروز پور سے روانہ ہوئے۔ [۲۶] حضرت اقدسؑ فیروز پور سے واپسی پر دوران سفر میں لاہور اسٹیشن کے پاس ایک مسجد میں وضو فرما رہے تھے کہ پنڈت لیکھرام حضور سے ملنے کے لئے آیا اور آکر سلام کیا مگر حضورؑ نے کچھ جواب نہیں دیا۔ اس نے اس خیال سے کہ شاید آپ نے سنا نہیں دوسری طرف سے ہو کر پھر سلام کیا۔ مگر آپ نے پھر بھی توجہ نہیں کی۔ اس کے بعد حاضرین میں سے ایک خادم نے کہا کہ حضور! پنڈت لیکھرام نے سلام کیا ہے حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے یہ سنتے ہی بڑے جوش سے فرمایا۔ اسے شرم نہیں آتی۔ ہمارے آقا کو گالیاں دیتا ہے اور ہمیں سلام کرتا ہے۔ [۲۷]

حضرت مسیح موعود علیہ السلام لاہور سے گاڑی میں امرت سر پہنچے اور شیخ نور احمد صاحب کے ہاں فروکش ہوئے۔ حضور کے ورود کی خبر فوراً تمام شہر میں پھیل گئی اور لوگ بکثرت ملاقات کے لئے آنے لگے اور آپ کے دعویٰ سے متعلق سوال و جواب کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ حضرت اقدسؑ نے حضرت مسیحؑ ناصری کی وفات سے متعلق کئی آیات پیش فرمائیں۔ ایک شخص نے عرض کیا آج کل مولود شریف کی مجالس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش کا ذکر آتا ہے تو لوگ تعظیماً کھڑے ہو جاتے ہیں یہ جائز ہے یا نہیں۔ حضورؑ نے فرمایا جسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نظر آجائیں۔ وہ بے شک کھڑا ہو جائے۔ حضورؑ یہاں دو ایک روز قیام فرمانے کے بعد قادیان تشریف لے گئے۔ [۲۸]

۱۸۹۳ء کے بعض صحابہ

۱۸۹۳ء میں جو وجود آسمانی تحریک سے وابستہ ہوئے۔ ان میں سے حضرت قاضی امیر حسین صاحب بھیروی [۲۹] اور حضرت میر مہدی حسین صاحب [۳۰] بالخصوص قابل ذکر ہیں۔

حواشی

۱ - "تبلیغ رسالت" جلد سوم صفحہ ۱۱-۱۵
۲ - ملاحظہ ہو اشاعۃ السنہ جلد ۱۵ نمبر ۸ صفحہ ۱۹۰-۱۹۱
۳ - "کرامات الصادقین" طبع اول صفحہ ۶-۷ مطبوعہ پنجاب پریس سیالکوٹ
۴ - "کرامات الصادقین" طبع اول صفحہ ۲۵ مطبوعہ پنجاب پریس سیالکوٹ
۵ - "حرف محرمانہ" صفحہ ۷۷ (مولفہ ڈاکٹر غلام جیلانی صاحب برق) کتاب منزل لاہور
۶ - الحکم ۱۰- فروری ۱۹۰۱ء
۷ - حضرت مولانا عبد الکریم صاحب اگرچہ جنوری ۱۸۹۳ء میں التبلیغ کے ترجمہ فارسی کے لئے قادیان میں ہی مقیم تھے۔ مگر جیسا کہ حضرت مفتی محمد صادق صاحب بلکہ حضرت مولانا نور الدین صاحب کی بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے آپ کی ہجرت حضرت مولانا نور الدین صاحب کے بعد ہے نہ کہ پہلے (ملاحظہ ہو آئینہ کمالات اسلام صفحہ ۳۵۹ ذکر حبیب صفحہ ۲۲ الحکم ۲۸، ۲۱- مئی ۱۹۳۴ء)
۸ - الحکم ۱۴- جنوری ۱۹۴۰ء صفحہ ۵
۹ - روایات صحابہ جلد پنجم صفحہ ۱۷۵
۱۰ - "حیات ناصر" صفحہ ۱۳ (مولفہ حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانی)
۱۱ - الفضل ۶- مئی ۱۹۵۸ء
۱۲ - الحکم ۱۹- ستمبر ۱۸۹۹ء صفحہ ۸ کالم نمبر ۱
۱۳ - مجدد اعظم حصہ اول صفحہ ۶۳۶
۱۴ - ذکر حبیب صفحہ ۳۵۲
۱۵، ۲۰ "اصحاب احمد" جلد ششم صفحہ ۴۴ "روایات صحابہ" غیر مطبوعہ جلد ششم صفحہ ۲۱۷ و "اصحاب احمد" جلد دوم صفحہ ۱۲۴ و "روایات صحابہ" غیر مطبوعہ جلد نمبر ۱۴ صفحہ ۲۳۴ و انعامات خداوند کریم
۲۱ - "اصحاب احمد" جلد پنجم صفحہ ۹۹
۲۲ - اکتوبر ۱۹۰۲ء میں آپ نے قادیان سے البدر جاری کیا
۲۳ - "روایات صحابہ" جلد ۱۱ صفحہ ۲۵۱
۲۴ - روایات صحابہ جلد پنجم صفحہ ۱۸۲
۲۵ - حضرت مسیح موعودؑ کے ایک سیرت نگار نے ان مہاجرین میں حضرت مولانا محمد احسن صاحب امروہی کا نام بھی لکھا ہے مگر یہ درست نہیں۔ مولانا گو اپنے وطن امروہہ سے آکر کئی کئی ماہ قادیان میں فروکش رہتے تھے مگر انہوں نے مستقل ہجرت کبھی اختیار نہیں فرمائی جیسا کہ حضرت شیخ یعقوب علی صاحب تراب نے "حیات احمد" جلد سوم صفحہ ۳۵۱ پر لکھا ہے
۲۶ - سیرت مسیح موعودؑ طبع اول صفحہ ۳۸ (از مولانا عبد الکریم صاحب)
۲۷ - "الازہار لذوات الخمار" صفحہ ۴۰۷
۲۸ - الحکم ۲۱-۲۸ مئی ۱۹۳۴ء صفحہ ۲۸
۲۹ - الحکم ۲۸، ۲۱- مئی ۱۹۳۴ء صفحہ ۲۸
۳۰ - ایضاً
۳۱ - "سیرت المہدی" حصہ سوم صفحہ ۱۲۶-۱۲۷
۳۲ - "سیرت مسیح موعودؑ" طبع اول صفحہ ۳۸ (از حضرت مولانا عبد الکریم صاحب)

۳۳ - (ترجمہ) وطن کی طرف واپس جانیکا کبھی خیال بھی نہ کر کیونکہ اس میں تیری اہانت ہو گی اور تجھے تکلیفیں اٹھانا پڑیں گی۔

۳۴، ۳۵ بدر ۷ - جنوری ۱۹۰۹ء و مرقاۃ الیقین صفحہ ۱۶۹ (طبع اول)

۳۶ - "حیات احمد" جلد چہارم صفحہ ۴۲۲ - ۴۲۳

۳۷ - "سیرت المهدی" حصہ اول صفحہ ۲۷۲

۳۸ - رسالہ "نور احمد" نمبر ۱ صفحہ ۱۵ - ۱۶

۳۹ - سلسلہ احمدیہ کے زبردست عالم اور محدث ۳۱۳ اصحاب میں داخل تھے۔ ۸۲ سال کی عمر پائی۔ ۲۴ - اگست ۱۹۳۰ء کو انتقال فرمایا۔ اور بہشتی مقبرے میں دفن ہوئے۔

۴۰ - آپ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے زمانہ میں ایک عرصہ تک حضور کے کتب خانہ کے مہتمم رہے۔ ۳۱۳ کی فہرست میں آپ کا نام ۱۶۷ نمبر پر درج ہے۔ (تاریخ وفات ۳۱ - اگست ۱۹۴۱ء)

مرکز اسلام (مکہ مکرمہ) میں
حضرت مسیح موعودؑ کی آمد کے تذکرے اور
چاند سورج گرہن کا آسمانی نشان

ماموریت کا تیرھواں سال

مرکز اسلام (مکہ مکرمہ) میں حضرت مسیح موعودؑ کی آمد کے تذکرے

(۱۸۹۴ء)

تحفہ بغداد اور کرامات الصادقین کے ذریعہ سے اب آپ کی آواز ہندوستان سے نکل کر عالم اسلام تک پہنچنا شروع ہو گئی تھی۔ اور شام کے متبحر عالم السید محمد سعیدی الشامی الطرابلسی اور سید علی بن شریف مصطفیٰ عرب بلکہ خاص مرکز اسلام مکہ معظمہ میں محمد بن احمد مکی ایسے زبردست فاضل آپ کے دعویٰ پر ایمان لا چکے تھے۔ [1] الشیخ محمد بن احمد مکی نے جب بیعت کی تو وہ ہندوستان کی سیاحت کر رہے تھے جب آپ سفر ختم کر کے مکہ معظمہ میں پہنچے تو آپ نے ۲۰۔ محرم ۱۳۱۱ھ بمطابق ۴۔ اگست ۱۸۹۳ء کو شعب عامر مکہ سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی خدمت میں خیریت سے پہنچنے کی اطلاع دی اور لکھا کہ میں جب سے یہاں آیا ہوں ہر مجلس میں حضورؑ کا تذکرہ کرتا ہوں کچھ لوگ تعجب کرتے ہیں اور کچھ تصدیق اور کہتے ہیں کہ اے اللہ ہمیں ان کا چہرہ مبارک دکھا۔ اس خط میں انہوں نے یہ خوشخبری بھی سنائی کہ میں نے اپنے ایک دوست علی طائع کو جو شعب عامر کے بڑے رئیس ہیں۔ حضور کے دعوے کی مفصل خبر دی۔ تو وہ اس بیان سے بہت خوش ہوئے اور مجھ سے دریافت کیا کہ وہ مکہ کب تشریف لائیں گے میں نے ان سے کہا کہ جب اللہ چاہے گا۔ فی الحال حضور نے کچھ عربی کتابیں اپنے دعوے کے ثبوت میں لکھی ہیں جو یہاں بھیجنا چاہتے ہیں۔ جب میں نے خط روانہ کرنا چاہا۔ تو انہوں نے یہ بھی کہا کہ حضور سے یہ بھی عرض کر دیں کہ جلد یہاں تشریف لائیں اور اپنی مولفہ کتابیں جلد میرے نام ارسال فرما دیں۔ میں خود ان کو تقسیم کروں گا۔ اور شرفاء و علماء مکہ تک پہنچا دوں گا [2]

"حمامۃ البشریٰ" کی تصنیف و اشاعت

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو جونہی الشیخ محمد بن احمد مکی کا خط ملا۔ حضور نے اسے مرکز اسلام

تک تبلیغ حق کا ایک غیبی سامان سمجھتے ہوئے "حمامۃ البشریٰ" کے نام سے عربی زبان میں ایک معرکتہ الاراء کتاب تصنیف فرمائی۔ یہ کتاب آپ نے ۱۸۹۳ء میں ہی تصنیف فرمائی تھی مگر اس کی اشاعت فروری ۱۸۹۴ء مطابق رجب ۱۳۱۱ھ [۳] میں ہوئی۔ حضرت اقدسؑ نے اس میں اہل مکہ کے لئے مسئلہ نزول مسیح اور اپنے دعویٰ سے متعلق خوب وضاحت فرمائی اور بتایا کہ آپ کی آمد سے گزشتہ تمام نوشتے پورے ہو گئے ہیں۔

یہ کتاب بلاد عربیہ میں مفت تقسیم کی گئی۔ [۴] یہی نہیں بلکہ اسکے بعد جو عربی تصانیف حضورؑ نے فرمائیں وہ بھی حجاز' شام' عراق' مصر اور افریقہ کے مسلمانوں کو مفت بطور ہدیہ روانہ کی گئیں۔ [۵]

"نور الحق" (حصہ اول) کی تصنیف و اشاعت

"جنگ مقدس" میں عیسائیت کو جو شکست فاش ہوئی ہندوستان کے پادری اس سے گھبرا گئے۔ چنانچہ اپنی ناکامی اور خفت پر پردہ ڈالنے کے لئے مشہور دریدہ دہن اور زبان دراز پادری عماد الدین نے "توزین الاقوال" کے نام سے ایک نہایت اشتعال انگیز کتاب لکھی جس میں قرآن مجید اور فخر کائنات رسول خدا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس پر نہایت درجہ ناپاک' رکیک اور گندے حملے کئے۔ اس کتاب نے ہندوستان میں بڑا اشتعال پیدا کر دیا۔ مگر اس کا جواب دینے کی توفیق کسی اور مسلمان عالم کو تو نہ ہوئی البتہ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام نے چند دنوں میں اس کا ناقابل تردید جواب لکھا۔ جس میں حضورؑ نے پادری عماد الدین اور دوسرے تمام مولوی کہلانے والے [۶] پادریوں کو میدان مقابلہ میں آنے کے لئے للکارا۔ اور اعلان کیا کہ اگر وہ سب مل کر بھی اس کتاب کا حقیقی جواب تین ماہ میں لکھ دیں۔ تو انہیں پانچ ہزار روپیہ انعام دیا جائے گا لیکن اگر وہ نہ تو جواب لکھیں اور نہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین سے باز آئیں تو خدا کی ان پر ایک ہزار لعنت ہو۔ حضرت اقدسؑ کا یہ جواب ۱۸۹۴ء کے آغاز میں "نور الحق" حصہ اول کے نام سے طبع ہوا جو نہایت مقفیٰ و مسجع اور فصیح و بلیغ عربی زبان میں ہے۔

حضور نے اس کتاب میں صلیبی فتنہ کی تباہی کے لئے دردانگیز دعا بھی کی جو اب شاندار طریق سے پوری ہو رہی ہے چنانچہ جس وقت آپ نے یہ دعا کی عیسائیت کا خوفناک طوفان ہر طرف چھایا ہوا تھا مگر آج یہ رنگ نہیں اور اس کا پہلا مذہبی جوش بہت حد تک ختم ہو چکا ہے اور یہ سب کچھ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی دعاؤں اور روحانی برکات و تاثیر کی بدولت ہے۔

رمضان میں کسوف و خسوف کا نشان

گذشتہ صحیفوں [۷] بالخصوص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صلحائے امت محمدیہ نے خبر دے رکھی تھی کہ مسیح موعودؑ کی سچائی کے لئے آسمان پر چاند اور سورج کو گرہن لگے گا۔ چنانچہ حضرت امام باقر رضی اللہ عنہ کی واضح حدیث تھی کہ اِنَّ لِمَهْدِيِّنَا اٰيَتَيْنِ لَمْ تَكُوْنَا مُنْذُ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ يَنْكَسِفُ الْقَمَرُ لِاَوَّلِ لَيْلَةٍ مِنْ رَمَضَانَ وَتَنْكَسِفُ الشَّمْسُ فِى النِّصْفِ مِنْهُ وَلَمْ تَكُوْنَا مُنْذُ خَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ۔ [۸] یعنی ہمارے مہدی کی تائید و تصدیق کے لئے دو نشان مقرر ہیں جو زمین و آسمان کی پیدائش سے اب تک کسی مدعی کی صداقت کے لئے ظاہر نہیں ہوئے اور وہ یہ کہ چاند کو رمضان میں (گرہن کی راتوں میں سے) پہلی رات یعنی تیرھویں تاریخ کو اور سورج کو (گرہن کی تاریخوں میں سے) درمیانی تاریخ یعنی اٹھائیسویں کو گرہن لگے گا۔ اور جب سے کائنات پیدا ہوئی ہے ایسا کسی مدعی (مہدویت) کے وقت میں نہیں ہوا کہ اس کے دعویٰ کے وقت میں رمضان کی ان تاریخوں میں خسوف و کسوف ہوا ہو۔ علاوہ ازیں حضرت نعمت اللہ صاحب ولیؒ [۹] اور بعض گذشتہ علماء مولوی حافظ محمد صاحب لکھوکے [۱۰] نے بھی خسوف کسوف کے ظہور کی اطلاع دی تھی۔ بلکہ ملتان کے ایک مشہور ولی کامل حضرت شیخ محمد عبدالعزیز پہاروی نے تو از روئے الہام یہ بھی خبر دے دی تھی کہ یہ نشان ۱۳۱۱ھ میں ظاہر ہوگا۔ [۱۱]

سو آپ کی سچائی کی شہادت کے لئے اس پیشگوئی کے عین مطابق مشرقی ممالک میں ۲۱۔ مارچ ۱۸۹۴ء کو چاند گرہن اور ۶۔ اپریل ۱۸۹۴ء کو سورج گرہن ہوا۔ [۱۲] اگلے سال امریکہ میں بھی مجوزہ تاریخوں میں کسوف و خسوف ہوا۔ یہ کسوف و خسوف اپنے اندر خاص ندرت رکھتا تھا یہی وجہ تھی کہ اس کے مشاہدہ کے لئے سائنسدانوں نے ہندوستان میں خاص طور پر ایک رصد گاہ تعمیر کی اور امریکہ، اور یورپ اور دیگر ممالک سے بھی بہت سے منجم اسے دیکھنے کے لئے آئے۔ تصویری زبان میں گویا یہ ایک آسمانی نظارہ تھا جس میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے انتباہ کیا گیا تھا کہ امت کے آفتاب و ماہتاب یعنی علماء بے نور ہو چکے ہیں۔ [۱۳] اخبار "سول اینڈ ملٹری گزٹ" لاہور (۱۸۹۴ء) میں ان گرہنوں کو عجیب قرار دیا گیا۔

سورج گرہن کے موقعہ پر قادیان میں کئی دوست گرہن دیکھنے میں مشغول تھے۔ ابھی خفیف سی سیاہی شروع ہوئی تھی کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے کسی نے عرض کیا کہ سورج کو گرہن لگ گیا ہے آپ نے دیکھا تو نہایت ہی خفیف سی سیاہی معلوم ہوئی۔ حضورؑ نے اظہار افسوس کرتے ہوئے فرمایا

کہ یہ گرہن ہم نے تو دیکھ لیا مگر یہ ایسا خفیف ہے کہ عوام کی نظر سے اوجھل رہ جائیگا اور اس طرح ایک عظیم الشان پیشگوئی کا نشان مشتبہ ہو جائیگا۔ تھوڑی دیر بعد سیاہی بڑھنی شروع ہوئی حتیٰ کہ آفتاب کا زیادہ حصہ تاریک ہو گیا۔ [۱۴] اس موقع پر حضرت مولانا سید محمد احسن صاحب امروہوی کے قلم سے "اشتہار جلاء البصر فی انخساف الشمس و القمر" شائع ہوا۔ جس میں اس عظیم آسمانی نشان کے ظہور پر خوب روشنی ڈالی گئی تھی۔ یہ اشتہار امرتسر کے ریاض ھند پریس میں چھپا تھا نماز کسوف بھی حضرت مولوی صاحب نے پڑھائی جو مسجد مبارک میں قریباً تین گھنٹہ جاری رہی۔

جب خسوف و کسوف کا نشان ظاہر ہوا تو بالخصوص اہل مکہ خوشی سے اچھلنے لگے کہ اب اسلام کی ترقی کا وقت آگیا اور امام مہدی پیدا ہو گئے۔ علاوہ ازیں تمام اسلامی ممالک میں بھی بڑی خوشیاں منائی گئیں۔ [۱۵]

"نور الحق" (حصہ دوم) کی تصنیف و اشاعت

اللہ تعالیٰ کی طرف سے تو چاند اور سورج گرہن کا نشان ہدایت و رہنمائی کے لئے ظاہر ہوا تھا۔ مگر محرومان ازلی نے اسی کو گمراہی کا ایک ذریعہ بنا لیا۔ چنانچہ ایک مولوی صاحب نے جب گرہن دیکھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئی پر خوش ہونے کی بجائے مغموم ہو کر کہنے لگے کہ اب دنیا گمراہ ہو گی۔ اور لوگ مرزا صاحب کو مہدی تسلیم کر لیں گے۔ دوسرے نام نہاد علماء نے بھی عملاً اسی ذہنیت کا مظاہرہ کیا اور یہ اعتراض اٹھایا کہ یہ گرہن حدیث کی بتائی ہوئی تاریخوں میں نہیں ہوا۔ اسے چاند کی پہلی تاریخ کو ہونا چاہیے تھا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ان حضرات کی یہ افسوس ناک روش دیکھی تو آپ نے مئی ۱۸۹۴ء کو نور الحق حصہ دوم کتاب لکھ کر ان حضرات کے اس اعتراض کا یہ مسکت جواب دیا کہ حدیث میں قمر کا لفظ ہے جو پہلی رات کے چاند پر اطلاق نہیں پاتا۔ پہلی رات کا چاند تو عربی میں ہلال کہلاتا ہے۔ حضورؑ نے اس کتاب میں تحدی فرمائی کہ خدا تعالیٰ نے یہ نشان تنہا میری صداقت کے لئے ظاہر کیا ہے۔ ورنہ تاریخ عالم سے کوئی ایک ہی ایسی مثال پیش کرو۔ کہ کسی شخص نے خدا کی طرف سے ہونے کا دعویٰ کیا ہو اور پھر اس کے زمانہ میں رمضان کی ان معین تاریخوں میں خسوف و کسوف کا نشان ظاہر ہوا ہو۔ اگر ایسی مثال پیش کر سکو تو میں ایک ہزار روپیہ انعام دوں گا۔ مگر کوئی شخص ایسی نظیر پیش نہ کر سکا۔

"اتمام الحجۃ" کی تصنیف و اشاعت

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے رسالہ "اتمام الحجہ" جون ۱۸۹۴ء میں شائع کیا یہ رسالہ امرتسر کے مشہور مخالف مولوی غلام رسول عرف مولوی رسل بابا صاحب کی کتاب "حیات المسیح" کے جواب میں تصنیف ہوا تھا۔ حضورؑ نے "اتمام الحجہ" میں قرآن' حدیث اور سلف صالحین کے اقوال غرض ہر جہت سے مسیح کی وفات پر مختصر مگر جامع بحث کی ہے

یہ رسالہ روسائے امرتسر' مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی اور مولوی رسل بابا صاحب کو رجسٹری کر کے بھجوا دیا گیا لیکن مولوی رسل بابا صاحب نے جتنے زور شور سے علمی جنگ کا اعلان کیا تھا اتنی ہی بے دلی سے ہتھیار ڈال دیئے۔ مولوی رسل بابا صاحب کے معتقدوں میں کئی کشمیری ارباب اثر تھے جنہوں نے مولوی صاحب پر چیلنج قبول کرنے کے لئے دباؤ بھی ڈالا مگر وہ مختلف حیلوں بہانوں سے پہلو بچا گئے۔ اس پر ان میں سے بعض نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی بیعت کرلی۔ مولوی رسل بابا صاحب نے جو یہ ذلت و رسوائی دیکھی تو انہوں نے امرتسر کے احمدیوں کے خلاف مخالفت کی آگ اور زیادہ تیز کر دی۔ مگر مولوی رسل بابا صاحب بھی خدا تعالیٰ کی گرفت سے نہ بچ سکے۔ اور بالاخر ۸۔ دسمبر ۱۹۰۲ء کو طاعون کا شکار ہو کر کوچ کر گئے۔ [۱۶]

"سرالخلافہ" کی تصنیف و اشاعت

"سر الخلافہ" بھی حضرت اقدس کی ایک عربی تصنیف ہے جو جولائی ۱۸۹۴ء میں شائع ہوئی۔ اس بلند پایہ کتاب میں آپ نے حکم و عدل کے فرائض انجام دیتے ہوئے مسئلہ خلافت پر فیصلہ کن رنگ میں روشنی ڈالی۔ حقیقت یہ ہے کہ سر الخلافہ خلافت کے موضوع پر اپنی نوعیت کے اعتبار سے ایک بے نظیر تصنیف ہے جس کی مثال اسلام کے چودہ سو سال کے لٹریچر میں تلاش کرنا بے سود ہے۔

سرالخلافہ کے ذریعہ سے ایک ہی رات میں انقلاب عظیم

اس قابل قدر کتاب سے سنی اور شیعہ علماء نے کیا تاثر لیا اس کا تو علم نہیں البتہ اس نے شیعہ مذہب کے مشہور عالم' زبان فارسی کے فقید المثال شاعر اور "ارجح المطالب فی مناقب اسد اللہ الغالب" کے نامور مؤلف مولانا عبید اللہ صاحب بسمل [۱۷] پر بجلی کی طرح اثر کیا اور ان کے خیالات کی دنیا ایک ہی دن میں یکسر بدل ڈالی۔ اور انہیں

سر الخلافہ پڑھتے ہوئے رات کو سیدنا حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ [۱۸] کی زیارت ہوئی - اور دیکھا کہ سید الشہداء ایک بلند مقام پر رونق افروز ہیں اور فرما رہے ہیں کہ مرزا صاحب کو خبر کرو کہ میں آگیا ہوں چنانچہ مولانا بسمل دوسرے ہی دن حاضر کر حضرت اقدسؑ کی بیعت سے مشرف ہوگئے - [۱۹]

رجوع الی الحق کے باعث آتھم صاحب کو مہلت اور اخفائے حق کی پاداش میں ہلاکت "انوار الاسلام" اور "ضیاء الحق" کی تصنیف واشاعت

علماء کی قبل از وقت غوغا آرائی

کسی پیشگوئی کی مقرر میعاد سے قبل اس پر اعتراض کرنا کسی خدا ترس انسان کا کام نہیں ہو سکتا مگر علماء وقت کی خدا ناترسی کہ ادھر حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام نے ۱۸۹۳ء میں خدا تعالیٰ سے خبر پاکر آتھم سے متعلق پیشگوئی فرمائی اور ادھر انہوں نے یہ کہنا شروع کر دیا - کہ اگر یہ پیشگوئی پوری بھی ہو گئی تب بھی ہم آپ کو سچا ماننے کے لئے تیار نہ ہوں گے - اور عیسائیوں اور مسلمانوں کو بھی یقین رکھنا چاہیے کہ یہ پیشگوئی الہام رحمانی سے نہ تھی بلکہ ایک دروغگوئی ولاف زنی تھی جو اتفاقاً مطابق واقعہ نکلی - ایسی پیشگوئیاں تو کاہن نجومی رملی جوتشی - فلاسفر مسمرائزر قیافہ شناس روحانیت کی تسخیر کے عالم اور الکل باز بھی کرتے ہیں - جو بعض اوقات صحیح نکلتی ہیں - [۲۰] مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی نے یہ بھی لکھا - "اس پیشگوئی میں فریق مخالف حق کے فوت ہو جانے کی صریح لفظ موت سے خبر نہیں دی - صرف یہ کہا کہ وہ ہاویہ یعنی جہنم میں ڈالا جائے گا جو ہر ایک مخالف حق کا ٹھکانہ ہے" - [۲۱]

اس پراپیگنڈے کا مقصد صرف یہ تھا کہ مسلمان اور عیسائی ابتداء ہی سے ایسے مسموم کر دیئے جائیں کہ وہ کسی حال میں بھی اس پیشگوئی سے فائدہ نہ اٹھائیں - عیسائیت نواز علماء کا یہ تمسخر و استہزاء جاری ہی تھا کہ امرت سر مشن کے روح رواں اور عیسائی آنریری مشنری پادری رائٹ ہاول عین جوانی میں اس جہاں سے کوچ کر گئے - ان کی موت سے پادریوں کو سخت صدمہ پہنچا اور انہوں نے ماتمی کپڑے پہن لئے - اور ایک پادری کی زبان سے گرجے میں تقریر کرتے ہوئے یہ الفاظ بھی نکل گئے - کہ آج رات خدا کے غضب کی لاٹھی بے وقت ہم پر چلی اور اس کی خفیہ تلوار نے بے خبری میں ہم کو قتل کیا - [۲۲] اس کے علاوہ خاص جنڈیالہ میں جہاں مباحثے کی بنیاد پڑی تھی - ڈاکٹر یوحنا صاحب جو مباحثے کی طباعت کے منتظم تھے اور اپنی خدمات کے باعث عیسائیوں میں ایک رکن اعلیٰ متصور ہوتے تھے اس جہان سے رخصت ہو گئے - [۲۳] رہے عیسائی مناظر عبد اللہ آتھم صاحب سو خدائی تلوار پورے پندرہ

مہینے تک ان کی آنکھوں کے سامنے ایسے عجیب رنگ میں موجود رہی کہ جس کا وہم و گماں بھی نہیں ہو سکتا تھا۔

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ مباحثے کے معاً بعد عبداللہ آتھم صاحب حواس باختہ سے ہو گئے اور انہیں خدائی تصرف کے تحت مختلف دہشتناک نظاروں میں خونی سانپ نظر آنے لگے جن کی نسبت انہوں نے یہ بتایا کہ وہ "تعلیم یافتہ" سانپ تھے۔ جن کو مرزا صاحب کی جماعت نے میرے ڈسنے کے لئے چھوڑ رکھا تھا۔ یہ پیشگوئی کی عظمت و ہیبت کی ابتداء تھی جس نے بالا خر انہیں اس درجہ خوف زدہ کر دیا۔ کہ وہ اپنی عالی شان کوٹھی چھوڑ کر امرتسر سے لدھیانے چلے جانے کو جہاں ان کا داماد رہتا تھا مجبور ہو گئے لدھیانے میں ان کو سانپ دکھائی نہیں دیئے بلکہ اس سے بھی بڑھ کر ایک خوفناک حالت پیدا ہو گئی کہ بعض نیزوں سے مسلح آدمی انہیں نظر آنے لگے اور انہیں ایسا محسوس ہوا کہ وہ قریب ہی آپہنچے ہیں۔ اور انہیں قتل کیا چاہتے ہیں۔ اس نظارہ کے بعد آتھم صاحب گریہ وزاری میں مبتلا ہو گئے۔ اور ہر وقت ایک پوشیدہ ہاتھ کا خوف ان پر مسلط رہنے لگا۔ یہاں تک کہ انہیں اس کوٹھی سے بھی وحشت ہونے لگی اس پر وہ اپنے دوسرے داماد کی طرف دوڑے جو فیروزپور میں تھا۔ لیکن یہاں بھی انہیں چین نصیب نہ ہوا بلکہ یہاں وہ نظارے پہلے سے بہت زیادہ ہیبت ناک شکل اختیار کر گئے۔ مسٹر آتھم ایک تجربہ کار اور جہاندیدہ سرکاری افسر تھے جو ایک مدت دراز تک اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر کے عہدہ پر فائز رہے تھے۔ وہ چاہتے تو چارہ جوئی کر کے سرکاری طور پر اپنے حریف سے باضابطہ مچلکہ لکھوا سکتے تھے۔ ڈاکٹر ہنری مارٹن کلارک اور دوسرے عیسائیوں نے انہیں بار بار اس طرف توجہ دلائی۔ مگر چونکہ ان کا دل جانتا تھا کہ سانپوں اور نیزے والوں کے ان نظاروں میں کسی انسان کا کوئی دخل نہیں ہے اس لئے انہوں نے اس کے جواب میں دونوں ہاتھ کانوں پر رکھے۔ [۲۲] عیسائیوں نے جب یہ حال دیکھا تو انہوں نے انہیں شراب پلا پلا کر مدہوش رکھنے کے سوا کوئی چارہ نہ پایا۔ اسی دوران میں ہاویہ سے متعلق پیشگوئی کی میعاد کا آخری دن آگیا۔ اس دن آتھم صاحب کی کوٹھی کے پہرہ کا انتظام جس انسپکٹر پولیس کے سپرد تھا اس نے بعد کو بیان کیا کہ کوٹھی کے اندر آتھم صاحب کے دوست پادری وغیرہ تھے اور باہر چاروں طرف پولیس کا پہرہ تھا اس وقت آتھم صاحب کی حالت سخت گھبراہٹ کی تھی۔ اتفاقاً باہر دور سے کسی بندوق کے چلنے کی آواز آئی۔ اس پر آتھم صاحب کی حالت یک لخت دگرگوں ہو گئی۔ آخر جب ان کا کرب اور گھبراہٹ انتہاء کو پہنچ گئی تو ان کے دوستوں نے ان کو بہت زیادہ شراب پلا کر بے ہوش کر دیا وہ آخری رات آتھم صاحب نے اسی حالت میں گزاری۔ صبح ہوئی تو ان کے دوستوں نے ان کے گلے میں ہار پہنائے اور ان کو گاڑی میں بٹھا کر جلوس نکالا۔ اس دن لوگوں میں شور

تھا کہ پیشگوئی جھوٹی نکلی - مگر ہم سمجھتے تھے کہ جو حالت ہم نے آتھم صاحب کی دیکھی ہے اس سے تو ان کا مرجانا ہی اچھا تھا۔ ۲۵

اس پندرہ ماہ کی میعاد میں آتھم صاحب میں ایک بڑا بھاری تغیر یہ پیدا ہوا کہ وہ پہلے تو الوہیت مسیح کے مسئلے پر بحث کرتے رہے تھے - مگر اب وہ اپنی گزشتہ روش سے ہٹ کر اسلام کے رد اور عیسائیت کی تائید سے کنارہ کش ہو گئے - اور یہ اقرار کر لیا کہ "میں عام عیسائیوں کے عقیدہ ابنیت و الوہیت مسیح کے ساتھ متفق نہیں اور نہ میں ان عیسائیوں سے متفق ہوں جنہوں نے آپ (یعنی حضرت مرزا صاحب ناقل) کے ساتھ کچھ بیہودگی کی ہے"۔ ۲۶

مکذب علماء کا مظاہرہ

صاف ظاہر ہے کہ ان حالات میں پادری آتھم صاحب کے ہلاک نہ ہونے پر عیسائی فریق کے جلوس اور شادمانی' درحقیقت ایک شکست خوردہ فریق کی شادمانی تھی - کیونکہ خدا کے غضب کی لاٹھی ان پر چل چکی تھی ان کے دو جانباز پہلوان معرکہ حق و باطل میں کھیت رہے تھے - اور تیسرے نے حق کی طرف رجوع کرنے سے جان کی امان پائی تھی - کیونکہ عذاب کی پیشگوئی میں اس شخص کے جس کے حق میں عذاب آنے کی پیشگوئی کی گئی ہو - حق کی طرف رجوع کرنے سے میعاد معینہ کے اندر عذاب نہ آنا اور اس رجوع سے انحراف کرنے پر عذاب آجانا یا رجوع کرنے والے کے ہمیشہ کے لئے رجوع پر قائم رہنے سے اس پر کبھی عذاب نہ آنا ایک ثابت شدہ حقیقت ہے اور پادری عبداللہ آتھم صاحب سے معاملہ اسی حقیقت کے مطابق ہوا تھا۔ انہوں نے حق کی طرف رجوع کیا اس لئے میعاد معینہ کے اندر ان پر عذاب نہ آیا - اور جب انہوں نے رجوع الی الحق سے انحراف کیا تو عذاب نے انہیں آلیا - اور حق کی طرف رجوع کرنے کی وجہ سے کچھ مدت کے لئے عذاب ملتوی ہو جانا تو کوئی قابل اعتراض امر نہیں ہاں رجوع کا ثابت ہونا بے شک ضروری ہے - تا تسلی ہو جائے کہ عذاب سنت مستمرہ الہیہ کے مطابق ملتوی ہوا ہے - اس لئے اس پر اعتراض بے جا و ناروا ہے اور جب رجوع کا ثبوت نہ مل جائے تسلی نہیں ہو سکتی - تو رجوع کا ثبوت خود پادری عبداللہ آتھم صاحب کے حرکات و سکنات اور حالات و مقالات میں موجود ہے جس کا ذکر اوپر بھی آچکا ہے - اور نیچے بھی آئے گا - مگر مکذب علماء کی حق پوشی و ناحق کوشی دیکھئے کہ جب عیسائی فریق کے جس کے لئے عذاب کی پیشگوئی تھی - دو رکن لقمہ اجل ہو گئے تو عیسائیوں میں تہلکہ پڑ گیا - اور پادری رائٹ ہاول کی جواں مرگی پر تو پادریوں نے ماتمی لباس پہن لیا - اور شدت صدمہ و اندوہ سے چیخ اٹھے - کہ "آج رات خدا کے غضب کی بے وقت لاٹھی ہم پر چلی اور اس کی خفیہ تلوار نے بے وقت ہمیں قتل کیا ہے"۔ مگر مکذب علماء اپنے ایڈووکیٹ مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی کی طرح اس خیال پر

جے رہے کہ اس پیشگوئی میں کسی کے فوت ہونے کی صریح لفظ موت سے خبر نہیں دی گئی ہے"۔ اور ان میں سے کسی ایک نے بھی یہ اقرار نہیں کیا کہ عیسائیوں کے دونوں رکن پیشگوئی کے مطابق مرے ہیں لیکن جب پادری آتھم نے حق کی طرف رجوع کرنے کی وجہ سے کچھ دنوں زندہ رہنے کی مہلت پا لی تو انہوں نے بہت خوش ہو ہو کر یہ کہنا شروع کر دیا کہ آتھم صاحب کے لئے جو موت کی پیشگوئی تھی۔ وہ پوری نہیں ہوئی اور اسے کتابوں اخباروں رسالوں اور اشتہاروں میں شائع کیا اور ان میں سے بعض نے تو اپنے مقام پر خوشی کے اظہار کو کافی نہ سمجھ کر عیسائیوں کے اس جلوس میں شریک ہونا بھی ضروری خیال کیا۔ جو انہوں نے پیشگوئی پوری نہ ہونے اور مسٹر آتھم کے موت سے بچ جانے پر خوشی و شادمانی ظاہر کرنے کے لئے نکالا تھا۔

عیسائی فریق مباحثہ پر حق کی طرف رجوع نہ کرنے کی حالت میں عذاب آنے کی پیشگوئی کے مطابق جب اس کے دو رکن پیشگوئی کی میعاد معینہ کے اندر مرجاتے ہیں تو کہا جاتا ہے کہ اس پیشگوئی میں تو کسی کے فوت ہونے کی صریح لفظ موت سے خبر ہی نہیں دی گئی تھی۔ پھر ان دونوں کے مرجانے کا پیشگوئی سے کیا تعلق۔ اور جب عیسائی فریق کا ایک فرد رجوع کی شرط پر عمل کرنے کی وجہ سے پیشگوئی کی میعاد معینہ کے اندر نہیں مرتا تو کہا جاتا ہے کہ اس کے تو مرنے کی پیشگوئی تھی جو اس کے میعاد پیشگوئی کے اندر نہ مرنے کی وجہ سے جھوٹی نکلی بحالیکہ دونوں مرنے والوں اور تیسرے نہ مرنے والے کے لئے علیحدہ علیحدہ دو پیشگوئیاں نہیں تھیں بلکہ پیشگوئی صرف ایک ہی تھی اور اس کی عبارت بھی ایک' اور مرنے والے اور نہ مرنے والا تینوں اسی ایک عبارت کے تحت ہیں اس حالت میں دو مرنے والوں کے لئے تو عبارت سے موت مراد نہ لینا اور تیسرے کے لئے موت مراد لینا کس طرح درست ہو سکتا ہے۔ لیکن چونکہ مکذب علماء کا مقصد بہرحال پیشگوئی کو جھٹلانا تھا۔ اس لئے انہیں جس موقعہ پر جو صورت اپنے مقصد کی تکذیب کے لئے مفید نظر آئی انہوں نے حق و ناحق اور درست و نادرست کے خیال کو بالائے طاق رکھ کر وہی صورت اختیار کرلی۔

حقیقت یہ ہے کہ اس پیشگوئی میں فریق مخالف کے لئے بشرطیکہ حق کی طرف رجوع نہ کرے موت ہی کی خبر دی گئی تھی۔ اور حضرت اقدسؑ نے اسی وقت اس کی صراحت بھی فرما دی تھی کہ فریق مخالف کے ہاویہ میں ڈالے جانے سے بہ سزائے موت ہاویہ میں ڈالا جانا مراد ہے بشرطیکہ حق کی طرف رجوع نہ کرے چونکہ آتھم صاحب نے حق کی طرف رجوع کیا اس لئے وہ کچھ دنوں بڑے ہاویہ میں پڑنے سے بچے رہے اور جب اس سے روگردانی کی تو ہاویہ میں جا پڑے۔ اور ان کے حق کی طرف رجوع کرنے کا ثبوت اوپر بھی گزر چکا ہے اور آگے بھی آتا ہے۔

حضرت خواجہ غلام فرید صاحب چاچڑاں شریف کا ایمان افروز جواب

یہ زمانہ تاریخ احمدیت میں ایک بڑا ہی نازک زمانہ تھا جسے بشیر اول کی وفات پر اٹھنے والی مخالفت کے بعد اپنی نوعیت کا دوسرا خطرناک ابتلاء قرار دیا جانا چاہیے۔ لیکن اس نشان سے اہل اللہ کے ایمان میں اور بھی اضافہ ہوا۔ چنانچہ انہیں دنوں نواب صاحب بہاولپور (نواب صادق محمد خاں صاحب) [۲۷] کے دربار میں حضرت مسیح موعود کی اس پیشگوئی کا ذکر چھڑ گیا اور مصاحبین نے کہنا شروع کر دیا کہ مرزا صاحب نے آتھم کی موت سے متعلق جو پیشگوئی کی تھی وہ جھوٹی نکلی۔ یہ ہنسی اور مذاق دیر تک ہوتا رہا یہاں تک کہ اس میں خود نواب صاحب بھی شریک ہو گئے اور کہا کہ واقعہ میں یہ پیشگوئی جھوٹی نکلی۔ یہ سننا تھا کہ حضرت خواجہ غلام فرید صاحب چاچڑاں شریف جو نواب صاحب موصوف کے پیرو مرشد تھے۔ اور دیر سے خاموش بیٹھے یہ سب کچھ سن رہے تھے۔ جوش میں آ گئے اور فرمانے لگے "کون کہتا ہے کہ آتھم زندہ ہے مجھے تو اس کی لاش نظر آ رہی ہے"۔ [۲۸]

حضرت مسیح موعود کی طرف سے آتھم صاحب کو انعامی چیلنج

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے جب اسلام کی اس شاندار فتح پر ظالمانہ طور پر تکذیب ہوتے دیکھی۔ تو آپ نے ۹۔ ستمبر ۱۸۹۴ء کو عبداللہ آتھم صاحب کو چیلنج دیا۔ کہ اگر اس عرصہ میں اس پر اسلام کی ہیبت طاری نہ ہوئی۔ اور وہ تثلیث کے عقیدہ سے ذرہ بھر بھی متزلزل نہیں ہوا۔ اور اس نے حق کی طرف رجوع نہیں کیا۔ تو وہ قسم اٹھا دے اسے ایک ہزار روپیہ انعام دیا جائے گا۔ [۲۹] ۲۰ ستمبر ۱۸۹۴ء کو آپ نے دس ہزار کی تعداد میں ایک اور اشتہار کے ذریعہ سے یہ انعامی رقم دو چند کر دی اور لکھا کہ "یہ تو دو خداؤں کی لڑائی ہے اب وہی غالب ہو گا۔ جو سچا خدا ہے جب کہ ہم کہتے ہیں کہ ہمارے خدا کی یہ ضرور قدرت ظاہر ہو گی کہ اس قسم والے برس میں ہم نہیں مریں گے لیکن اگر آتھم صاحب نے جھوٹی قسم کھائی تو ضرور فوت ہو جائیں گے۔ [۳۰] اس اشتہار کے بعد حضرت اقدسؑ نے ۵۔ اکتوبر ۱۸۹۴ء کو ایک اور اشتہار شائع کیا۔ جس میں انعامی رقم تین ہزار کر دی اس کے بعد حضور نے ۲۷۔ اکتوبر ۱۸۹۴ء کو ایک اشتہار میں انعامی رقم چار ہزار روپیہ تک بڑھا دینے کا اعلان کر دیا۔ عیسائیوں نے قسم کے مطالبہ کے جواب میں نہایت شکست خوردہ ذہنیت کے ساتھ یہ عذر بھی پیش کیا تھا کہ ہمارے مذہب میں قسم کھانا ممنوع ہے۔ حضورؑ نے اس اشتہار میں پر زور دلائل سے ثابت کیا کہ پطرس نے قسم کھائی پولوس نے قسم کھائی۔ نبیوں نے قسم کھائی۔ فرشتوں نے قسم کھائی۔ بلکہ خود مسیحؑ نے قسم کھائی۔ پھر انگریزی حکومت کے سبھی بڑے افسر وزراء،

پارلیمنٹ کے ممبر بلکہ گورنر جنرل تک اپنا عہدہ سنبھالتے وقت قسم اٹھاتے ہیں۔

ایک سال کا یقینی اور قطعی وعدہ اور آتھم صاحب کی ہلاکت

اس اشتہار میں حضرت اقدسؑ نے آتھم صاحب پر آخری بار اتمام حجت کر کے صاف لفظوں میں انہیں خبر دی کہ "اب اگر آتھم صاحب قسم کھالیں تو وعدہ ایک سال قطعی اور یقینی ہے جس کے ساتھ کوئی بھی شرط نہیں اور تقدیر مبرم ہے۔ اور اگر قسم نہ کھادیں۔ تو پھر بھی خدا تعالیٰ ایسے مجرم کو بے سزا نہیں چھوڑے گا جس نے حق کا اخفاء کر کے دنیا کو دھوکہ دینا چاہا۔ [21] لیکن آتھم صاحب نے قسم نہ کھائی اور آخر ۲۷۔ جولائی ۱۸۹۶ء کو فیروز پور میں وفات پا گئے۔ اور اسلام کی فتح کا ایک اور زبردست نشان ظاہر ہوا۔ جس کا ایک عجیب پہلو یہ تھا کہ حدیث میں پہلے سے اسلام اور عیسائیت کے اس معرکہ کی خبر موجود تھی۔ چنانچہ لکھا تھا۔ "یُنَادِیْ مُنَادٍ مِنَ السَّمَاءِ اَنَّ الْحَقَّ فِیْ اٰلِ مُحَمَّدٍ وَّ یُنَادِیْ مِنَ الْاَرْضِ اَنَّ الْحَقَّ فِیْ اٰلِ عِیْسٰی...... اِنَّمَا الْاَسْفَلُ کَلِمَۃُ الشَّیْطَانِ وَالصَّوْتُ الْاَعْلٰی کَلِمَۃُ اللّٰہِ الْعُلْیَا"۔ [22] یعنی آسمان سے پکارا جائے گا حق محمد ﷺ کے متبعین میں ہے مگر زمین سے پکارا جائے گا کہ حق عیسیٰ کے متبعین میں ہے مگر یاد رکھو جو زمین کی طرف سے آواز آئے گی۔ وہ شیطانی آواز ہے اور جو اوپر سے آواز آئے گی وہ اللہ تعالیٰ کا کلمہ ہے جو ہمیشہ بلند ہے۔

آتھم صاحب کی موت کے بعد حضرت خواجہ غلام فرید صاحبؒ کے سامنے کسی نے اعتراض کیا کہ آتھم میعاد کے بعد مرا۔ تو انہوں نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا نام لے کر فرمایا کہ اس بات کی کیا پرواہ ہے میں جانتا ہوں کہ آتھم انہی کی دعا سے مرا ہے۔ [23]

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس اہم پیشگوئی کی وضاحت کے لئے تین مستقل تصانیف فرمائیں۔ "انوار الاسلام"۔ "ضیاء الحق" اور "انجام آتھم" ان کتابوں کی اشاعت بالترتیب ستمبر ۱۸۹۴ء، مئی ۱۸۹۵ء، اور جنوری ۱۸۹۷ء میں ہوئی۔

عیسائیوں کی عالمی کانفرنس میں تحریک احمدیت کے بارے میں انتہائی تشویش کا اظہار

یہ معرکہ گو ہندوستان میں ہوا تھا مگر اس نے دنیا بھر کے عیسائی لیڈروں کو شدت محسوس کروا دیا کہ عیسائیت کے خلاف محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کی حفاظت کرنے والی ایک زبردست

جماعت پیدا ہو رہی ہے جو ان کے لئے مستقبل میں بہت بڑا خطرہ ثابت ہو گی۔ چنانچہ اسی سال ۱۸۹۴ء میں لندن میں پادریوں کی ایک عالمی کانفرنس منعقد ہوئی۔ جس میں لارڈ بشپ آف گلوسسٹر ریورنڈ چارلس جان ایلی کوٹ نے احمدیت کے متعلق نہایت درجہ تشویش و اضطراب کا اظہار کر کے دنیا بھر کے عیسائیوں کو مطلع کیا کہ "اسلام میں ایک نئی حرکت کے آثار نمایاں ہیں مجھے ان لوگوں نے جو صاحب تجربہ ہیں بتایا ہے کہ ہندوستان کی برطانوی مملکت میں ایک نئی طرز کا اسلام ہمارے سامنے آرہا ہے۔ اور اس جزیرے میں بھی کہیں کہیں اس کے آثار نمایاں ہو رہے ہیں...... یہ ان بدعات کا سخت مخالف ہے جن کی بناء پر محمد کا مذہب ہماری نگاہ میں قابل نفرین قرار پاتا ہے۔ اس نئے اسلام کی وجہ سے محمد ﷺ کو پھر وہی پہلی سی عظمت حاصل ہوتی جاری ہے۔ یہ نئے تغیرات باسانی شناخت کئے جا سکتے ہیں۔ پھر یہ نیا اسلام اپنی نوعیت میں مدافعانہ ہی نہیں بلکہ جارحانہ حیثیت کا بھی حامل ہے افسوس ہے تو اس بات کا کہ ہم میں سے بعض کے ذہن اس کی طرف مائل ہو رہے ہیں"۔ [۲۴] (انگریزی سے ترجمہ)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے خلاف
متحدہ سیاسی محاذ اور بغاوت کا الزام

مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی کے مدتوں سے برطانوی افسروں سے بڑے گہرے مراسم تھے اور حکومت کے اونچے طبقے میں تو انہیں دوسرے علماء کے مقابل یہاں تک عزت و احترام سے دیکھا جاتا تھا کہ غدر ۱۸۵۷ء کے حالات کے باعث "وہابی فرقہ" بے حد معتوب تھا۔ مگر محض ان کی ذاتی کوشش اور درخواست پر ۱۹۔ جنوری ۱۸۸۷ء کو ان کی جماعت کے لئے سرکاری نام "اہلحدیث" تسلیم کیا گیا۔ اور سرکاری کاغذات میں لفظ وہابی کا استعمال خلاف قانون قرار دیا گیا۔ [۲۵] ان کا اپنا بیان ہے کہ "اس کی معروضات بحق اہلحدیث گورنمنٹ میں عزت و اعتبار سے سنی جاتی تھیں"۔ [۲۶] یہی وجہ ہے کہ مارچ ۱۸۸۷ء میں جب سی۔ یو ایچیسن لفٹنٹ گورنر پنجاب عہدہ گورنری سے رخصت ہوئے تو انہوں نے مولوی صاحب کو ایک خصوصی سرٹیفکیٹ دیا کہ ابو سعید محمد حسین فرقہ اہلحدیث کے ایک سرگرم مولوی اور اس فرقہ اسلام کے وفادار اور ثابت قدم وکیل ہیں۔ ان کی علمی کوششیں (یعنی تصانیف) لیاقت سے ممتاز ہیں۔ نیز وہ ملکہ معظمہ کی وفادار رعایا میں سے ہیں۔ [۲۷] مولوی محمد حسین صاحب نے گورنمنٹ انگریزی کی جو خدمات سرانجام دی تھیں وہ اتنی شاندار تھیں کہ حکومت نے

اس کے صلہ میں بطور انعام چار مربع زمین کی جاگیر بھی عطا فرمائی۔ [۲۸] اسی بناء پر بعض نامور اہلحدیث علماء کو اعتراف کرنا پڑا کہ " پنجاب میں مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی نے انگریزی حکومتوں سے تعاون کر دیا اور بظاہر وہ انگریزی نظام کے ثناخواں ہو گئے۔..... اس لئے یہ ناخوشگوار اعتراف کرنے کے سوا چارہ نہیں کہ مرحوم مولانا محمد حسین جید عالم اور دور اندیش مفکر ہونے کے باوجود اپنے دوسرے رفقاء کی طرح مقام عزیمت پر قائم نہ رہ سکے۔ یہی وہ مقام ہے جس کے متعلق ہمارے بعض دوست ہمیں طعن دیتے ہیں کہ تحریک اہل حدیث انگریز کے ہاتھ میں بک گئی "۔ [۲۹]

مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی نے اپنی وفاداری کا سکہ جمانے اور انگریز کے ہاتھ مضبوط کرنے کے لئے جہاں اور کئی طریقے اختیار کئے وہاں یہ تدبیر بھی کی کہ انہوں نے نہ صرف حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے خلاف منظم مخالفت کا بیڑہ اٹھایا۔ بلکہ اپنے اثر و رسوخ سے پورا فائدہ اٹھاتے ہوئے حکومت کو بار بار اشتعال دلایا۔ کہ یہ شخص جو مسیح و مہدی ہونے کا مدعی ہے درپردہ حکومت کا باغی ہے۔ اس کی سرگرمیوں پر کڑی پابندی عائد کی جانی چاہیے۔ جب جنگ مقدس کا وقت آیا تو اس شرانگیز پراپیگنڈہ میں پادری بھی شامل ہو گئے اور پادری عماد الدین نے "توزین الاقوال" میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر بغاوت کا کھلا کھلا الزام لگاتے ہوئے بڑا زہر اگلا۔ جس سے متاثر ہو کر نیم سرکاری اور سیاسی اخبار "سول اینڈ ملٹری گزٹ" نے بھی ۲۴۔ اکتوبر ۱۸۹۴ء کو "ایک خطرناک مذہبی دیوانہ" کے عنوان سے ایک اشتعال انگیز مضمون لکھا جس میں تحریر کیا کہ

"A Dangerous Fanatic"

"There is a well- known fanatic in the punjab, he is now, We believe, in the Gurdaspur district, who calls himself Musalman and also the Messiah. His prophecies regarding the death of a native Christian gentleman in Amritsar kept up an excitement in the city for some months ; but fortunately his utterances were so badly charged that they have hung fire miserably and the doomed is still alive. A fanatical vision of this sort is doubtless under the surveilance of the Police. Whenever he preaches abroad serious disturbances of the peace are imminent, for he has a numerous following who are only less fanatical than himself.

Of course no political danger can be apprehended from the vain imaginings of such a man; but there is method in his madness. He has undoubted literary ability and his writings are voluminous and learned ; all the elements present for forming a dangerous rallying point, of course among the

Orthodox he is anathema morantha. His fame has spread as far as even as distant Madras. We give an extract from the Mohammedan, an English daily published in that city.

"Deep religious conviction, such as that ascribed to the Qadian, is no matter for idle gibe, but we are afraid that even granting his mental health' it is so intermixed in the ' reformmer' with a narrowness of view as to constitute him a crude reactionist. His convictions inform all his moods and impart a sickly hue to all his environments. Glimpses afforded by his writings, proclaim, him hostile to modern civilization, which as accidentally associated with Christianity, he hates with a perfect hatred. In warring with the one he needs must war with the other, they are one and indivisible. A railway train is as HATEFUL - to him as the doctrine of the Trinity, because it is device of the Trinitarians. In one place he thus delivers himself:

"Thus it is evident that these Christian races" mark the words. "These supporters of the Trinity, have played such wonderful feats and cut a complete system of magic" -- the italics are ours -- "that none but a first class dajjal could exhibit". It is all "damned sophisticated sorcery", in his eyes -- the evil principle opposed to the good- God on the one side; the devil on the other. It is impossible to determine the limits of this eccentric extremes, should he pass out of the region of contemplation to that of action. There is a subdued ferocity in his utterances that marks out as dangerous- possible crescentader, and no mere ipos dixit of any of his admirers- who possibly may have an inkling of what it all means will- convince us more especially after the distingenuousness characterising the present controversty- to the contrary".

The Maulvi of Qadian has beem under our observation for, several years, and we can endorse the above from our own knowledge of the man and his works. He is gaining strength and it may probably become our duty in the near future to treat him at more length".

(TheCivilandMilitaryGaztte)

"پنجاب میں ایک مشہور مذہبی دیوانہ ہے۔ ہمارا خیال ہے کہ اب وہ ضلع گورداسپور میں ہے وہ اپنے آپ کو مسلمان کہتا ہے اور مسیح بھی۔ اس کی پیشگوئیوں نے جو اس نے امرت سر کے ایک ہندوستانی عیسائی کی موت کے متعلق کی تھیں کئی ماہ تک شور برپا رکھا۔ لیکن خوش قسمتی سے اس کی باتیں ایسی بے اثر نکلیں کہ جس عیسائی کو موت آنا تھی ابھی تک زندہ ہے اس قسم کا وہمی اور مذہبی

دیوانہ بیشک پولیس کی نگرانی میں ہے۔ جب کبھی وہ باہر تبلیغ کے لئے جاتا ہے امن عامہ میں بڑے فساد کا فوری خطرہ ہوتا ہے۔ کیونکہ اس کے ماننے والے بے شمار ہیں اور وہ مذہبی جنون میں اس سے کچھ ہی کم ہیں۔ اس نوع کے انسان کے لئے بے معنی تصورات سے کسی سیاسی خطرہ کا اندیشہ تو نہیں ہو سکتا۔ لیکن اس کی دیوانگی میں بھی ایک سلیقہ ہے۔ اس کی ادبی قابلیت مسلمہ ہے۔ اس کی تصنیفات بہت ہیں اور عالمانہ ہیں۔ اس میں وہ تمام عناصر موجود ہیں جن کی ترکیب سے ایک خطرناک مرکز بنا کرتا ہے"۔

"اس کی نظر میں سب کچھ ملعون جادوگروں کا طلسم ہے۔ بدی اور نیکی کا مقابلہ ہے۔ خدا ایک طرف ہے اور شیطان دوسری طرف۔ اگر وہ عالم خیال سے نکل کر میدان عمل میں قدم رکھ لے۔ تو اس کی عجیب انتہاپسندیوں کی حدود کا تعین کرنا ممکن نہیں ہوگا۔ اس کی باتوں میں ایک دبی ہوئی دہشت ہے جس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ امکانی طور پر وہ ایک خطرناک ہلالی ہے اور جیسے اس کے سب مداح سمجھتے ہیں وہ صرف ایک سادہ آدمی نہیں ہے۔ ممکن ہے اس کے مداحوں کو اس کا کچھ مطلب معلوم ہو۔ (خصوصاً موجودہ سرسری بحث کے بعد) اور ہمیں اپنی رائے کے خلاف قائل کر سکیں' قادیان کا مولوی سالہا سال سے ہمارے زیر نظر رہا ہے۔ اور ہم اپنی ذاتی معلومات کی بناء پر جو ہمیں اس کی ذات اور اس کے کام کے متعلق حاصل ہیں مندرجہ بالا رائے کی پوری طرح تائید کرتے ہیں۔ ہمارے نزدیک وہ طاقت پکڑ رہا ہے اور غالباً مستقبل قریب میں ہم پر یہ فرض عائد ہو جائے گا کہ ہم اس کی طرف زیادہ تفصیل سے توجہ دیں"۔ [۶۰]

مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی کا انگریزی حکومت کو انتباہ

اب چونکہ متحدہ محاذ قائم ہو چکا تھا۔ اور نیم سرکاری پریس میں بھی حضرت اقدسؑ کے خلاف پرزور آواز اٹھنی شروع ہو گئی تھی۔ اس لئے مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی نے پادریوں کا سہارا لے کر حکومت کو کھلم کھلا انتباہ کرنا شروع کیا کہ "گورنمنٹ کو اس کا اعتبار کرنا مناسب نہیں اور اس سے پرحذر رہنا ضروری ہے۔ ورنہ اس مہدی کادیانی سے اس قدر نقصان پہنچنے کا احتمال ہے جو مہدی سوڈانی [۶۱] سے نہیں پہنچا"۔ [۶۲]

حضرت مسیح موعودؑ کا دفاع

یہ خطرناک پراپیگنڈہ جب زور پکڑ گیا۔ تو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے بھی اس کا دفاع کرنے کے لئے قلم اٹھایا۔ چنانچہ حضورؑ نے ابتداء "شہادت القرآن" پھر "نور الحق" کے ذریعہ سے حکومت کو اس بے بنیاد الزام کی طرف توجہ دلائی۔ نیز اشاعۃ السنہ (۱۸۸۴ء جلد نمبر ۷-۶) سے مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی کی تحریر کا وہ اقتباس شائع کیا۔ جس میں انہوں نے حضور کے آباء و اجداد کی خدمات کا تذکرہ کر کے انگریزی حکام کی

سندوں پر نقول درج کی تھیں۔ اس کے بعد جب اس پراپیگنڈہ نے زیادہ وسعت اختیار کرنا شروع کی۔ تو آپ نے ملکہ وکٹوریہ گورنر جنرل اور لفٹنٹ گورنر پنجاب اور دیگر حکام کے نام ۱۰۔ دسمبر ۱۸۹۴ء کو باقاعدہ ایک اشتہار شائع کرتے ہوئے یہ تاریخی حقائق دوبارہ پیش کئے۔ مگر صورت حال نازک ہوتی چلی گئی۔ یہاں تک کہ خود مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی نے لکھا کہ مرزا صاحب کے خطوط کا جواب تو رہا ایک طرف انگریزی حکام آپ کے تردیدی بیانات کو قابل التفات ہی نہیں سمجھتے [۴۳] اس رویہ نے آپ کے خلاف سیاسی محاذ قائم کرنے والوں کو بڑی تقویت پہنچائی۔ اور وہ متحد ہو کر آپ کے خلاف خطرناک منصوبے سوچنے لگے۔

۱۸۹۴ء کے بعض صحابہ

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے دعویٰ پر ۱۸۹۴ء میں ایمان لانے والے بعض بزرگوں کے نام یہ ہیں:۔

(۱) حضرت سیٹھ عبدالرحمٰن صاحب مدراسی۔ [۴۴]

(۲) حضرت مولانا حسن علی صاحب مسلم مشنری۔

(۳) حضرت بھائی عبدالرحیم صاحب سابق جگت سنگھ۔ [۴۵]

(۴) حضرت منشی امام دین صاحب پٹواری۔ [۴۶]

(۵) جناب خواجہ کمال الدین صاحب۔ [۴۷]

حواشی

۱- "سچائی کا اظہار" صفحہ ۵-۸
۲- "حمامتہ البشریٰ"-
۳'۴- "حیات احمد جلد چہارم صفحہ ۴۵۲
۵- نور الحق (اول) صفحہ ۱۴-۱۵
۶- مولوی کرم دین' مولوی نظام الدین- مولوی الٰہی بخش- مولوی حمید اللہ خاں- مولوی نور الدین' مولوی سید علی- مولوی عبد اللہ بیگ- مولوی حسام الدین- مولوی قاضی صفدر علی وغیرہ سینکڑوں پادری عیسائیت قبول کرنے سے پہلے مسلمان تھے اس لئے وہ پادری ہونے کے باوجود اپنے تئیں مولوی سے موسوم کرتے تھے- سیدنا حضرت مسیح موعود نے انہی پادریوں کو "نور الحق" حصہ اول میں مخاطب کیا اور انگریزی حکومت سے مطالبہ کیا کہ وہ ان کذابوں کو مولوی کہلانے سے منع کرے-
۷- انجیل متی باب ۲۴ آیت ۲۹
۸- دار قطنی جلد اول صفحہ ۱۸۸ مطبع انصاری دلی
۹- "اربعین فی احوال المہدیین"
۱۰- "احوال الآخرۃ"
۱۱- بدر ۱۴- مارچ ۱۹۰۷ء صفحہ ۸
۱۲- "THE STORY OF ECLIPSES" (جارج ایف چیمبرز) صفحہ ۳۳ مطبوعہ لنڈن ۱۹۰۲ء
۱۳- ضمیمہ انجام آتھم و تحفہ گولڑویہ صفحہ ۴۰ طبع اول
۱۴- "اصحاب احمد" جلد اول صفحہ ۸۰-۸۱
۱۵- تحفہ گولڑویہ صفحہ ۴۰ ممتاز عالم ازھر مولوی سعد محمد حسن نے "المہدیہ فی الاسلام" صفحہ ۱۷۲ پر تسلیم کیا ہے کہ یہ نشان کسوف و خسوف حضرت اقدس کے زمانہ میں ہی وقوع پذیر ہوا- یہ کتاب دار الکتاب العربی مصر سے ۱۳۷۳ھ - ۱۹۵۳ء میں شائع ہوئی ہے-
۱۶- "حیات احمد" جلد چہارم صفحہ ۴۵۵-۴۵۶
۱۷- ولادت قریباً ۱۸۳۸ء وفات ۲۹- ستمبر ۱۹۳۸ء (مفصل حالات کے لئے دیکھئے الحکم ۷' ۲۱- نومبر ۱۹۳۸ء صفحہ ۴'۹)
۱۸- یوم ولادت ۵- جون ۶۲۶ء یوم شہادت ۱۰- اکتوبر ۶۸۰
۱۹- سیرت المہدی حصہ سوم صفحہ ۹۹-۱۰۰ و الحکم ۱۴'۷- نومبر ۱۹۳۸ء صفحہ ۷
۲۰- اشاعۃ السنہ جلد ۱۵/ نمبر ۱۰ صفحہ ۲۳۸/۲۳۹
۲۱- اشاعۃ السنہ جلد ۱۵ نمبر ۱۰ صفحہ ۲۳۵- صفحہ ۲۳۸
۲۲- "انوار الاسلام" صفحہ ۸'۱۹ (طبع اول)
۲۳- انوار الاسلام حاشیہ صفحہ ۲
۲۴- "ضیاء الحق"
۲۵- سیرت المہدی حصہ اول طبع دوم صفحہ ۱۸۴
۲۶- نور افشاں ۲۱- ستمبر ۱۸۹۴ء بحوالہ تبلیغ رسالت جلد سوم صفحہ ۱۴۰
۲۷- متوفی ۱۸۹۹ء
۲۸- الحکم ۲۱-۲۸ جون ۱۹۴۳ء صفحہ ۳-۴ کالم نمبر ۳
۲۹- تبلیغ رسالت جلد سوم صفحہ ۱۲۲-۱۲۸
۳۰- "تبلیغ رسالت" جلد سوم صفحہ ۱۳۴-۱۳۵

۳۱ - "تبلیغ رسالت" جلد سوم صفحہ ۱۷۷

۳۲ - حلیہ ابی نعیم (بحوالہ اقتراب الساعۃ) صفحہ ۱۰۸

۳۳ - اشارات فریدی حصہ سوم صفحہ ۱۵۰ پر لکھا ہے کہ مرزا غلام احمد صاحب قادیانی 'عبداللہ آتھم پادری کہ معاندی بود اتفاقاً حضور خواجہ ابقاہ اللہ تعالیٰ بقائہ فرمودند کہ اگرچہ عبداللہ آتھم از حد و انداز مدت پیشگوئی مرزا غلام احمد قادیانی کہ نسبت موت وی کرده بود بیرون افتاده است چنانچہ بعد میعاد پیشگوئی فوت شده مگر بہ نفس مرزا صاحب مرده است"۔

۳۴ - The Official Report Of the Missonary Conference of the Anglican Communion - 1894 - P. 64.

۳۵ - "اشاعۃ السنہ" جلد ۹ نمبر ۷ صفحہ ۱۹۷

۳۶، ۳۷ - اشاعۃ السنہ نمبر ۱۰-۱۱-۱۲ صفحہ ۲۹۴

۳۸ - خود مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی نے بھی اشاعۃ السنہ جلد ۱۹ نمبر ۳ صفحہ ۷۷ پر اس جاگیر کا تذکرہ کیا ہے۔

۳۹ - اخبار "الاعتصام" (گوجرانوالہ) ۱۲۔ اکتوبر ۱۹۵۶ء صفحہ ۶

۴۰ - سول اینڈ ملٹری گزٹ لاہور ۲۴۔ اکتوبر ۱۸۹۴ء صفحہ ۳ کالم نمبر ۳ (انگریزی سے ترجمہ) بحوالہ "بانی سلسلہ احمدیہ اور انگریز" صفحہ ۷۳-۷۴ طبع اول (از مولانا عبدالرحیم صاحب درد)

۴۱ - ولادت ۱۸۴۸ء وفات ۲۱۔ جون ۱۸۸۵ء مفصل سوانح کے لئے ملاحظہ ہو کتاب "مہدی سوڈانی" مؤلفہ آغا رفیق

۴۲ - اشاعۃ السنہ جلد ۱۶ صفحہ ۱۶۸

۴۳ - اشاعۃ السنہ جلد ۱۹ نمبر ۳ صفحہ ۷۲۔

۴۴ - ۳۱۳ اصحاب کبار میں آپ کا نمبر ۲۹ ہے۔ خلافت ثانیہ کے ابتدائی دور میں فوت ہو گئے۔ حضرت سیٹھ صاحب سلسلہ احمدیہ کے ان عظیم مجاہدین میں سے ہیں جنہیں حضرت مسیح پاک کے زمانے میں بڑی بڑی مالی قربانیوں کی توفیق ملی۔
حضرت اقدسؑ نے آپ کو "نمونہ" قرار دیتے ہوئے لکھا ہے۔ "ان کا صدق اور ان کی مسلسل خدمات جو محبت اور اعتقاد اور یقین سے بھری ہوئی ہیں تمام جماعت کے ذی مقدرت لوگوں کے لئے ایک نمونہ ہیں"۔ (اشتہار الانصار ۴۔ اکتوبر ۱۸۹۹ء)

۴۵ - صاحب کشف و الہام تھے اور عالم و صوفی بھی۔ ۱۸۷۳ء میں پیدا ہوئے۔ اور ۹۔ جولائی ۱۹۵۷ء کو ربوہ میں انتقال فرمایا۔

۴۶ - ولادت ۱۸۶۳ء میں وفات ۲۶۔ جولائی ۱۹۳۹ء (مفصل حالات کے لئے ملاحظہ ہو اصحاب احمد جلد اول صفحہ ۹۷ تا ۱۱۵)

۴۷ - ولادت ۱۸۷۰ء وفات ۲۸۔ دسمبر ۱۹۳۲ء آپ طالب علمی کے زمانہ میں اسلام سے متنفر ہو کر عیسائیت اختیار کر لینے کا فیصلہ کر چکے تھے کہ انہیں کہیں سے "براہین احمدیہ" ہاتھ لگ گئی۔ اس کتاب کا پڑھنا تھا کہ تمام شکوک شبہات دور ہو گئے قادیان پہنچے اور حضرت اقدسؑ کی بیعت کر کے اسلام پر قائم ہو گئے اور پھر حضور کی برکت سے لارڈ ہیڈ لے' سر عبداللہ آرچی' بالٹر ہیٹن' سر عمر ہیوبرٹ رینکن' مسٹر محمد مارماڈیوک پکتھال اور دوسرے کئی انگریزوں کو مسلمان کرنے کی سعادت پائی۔

تین عظیم الشان علمی انکشافات

عربی زبان ام الالسنہ ہے۔

حضرت باوا نانک علیہ الرحمتہ مسلمان تھے۔

حضرت مسیح ناصری علیہ السلام کا سفر کشمیر اور محلہ خانیار میں مزار

ماموریت کا چودھواں سال

قادیان میں "ضیاء الاسلام پریس" مطب اور کتب خانے کا قیام

۱۸۹۵ء

اب چونکہ ضروریات سلسلہ بہت بڑھ چکی تھیں اس لئے اس سال ۱۸۹۵ء میں پریس، کتب خانہ، مہمان خانہ اور مطب کی بنیادیں رکھی گئیں۔ یہ سب ادارے قادیان کی منہدم فصیل کی جگہ پر کچی عمارتوں میں قائم ہوئے تھے۔ سب سے پہلے دو بڑے کمرے اور دو بڑی کوٹھریاں شمالی جانب تعمیر ہوئیں۔ ایک بڑے کمرے میں جو بعد کو حضرت خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعود ایدہ اللہ تعالیٰ کا موٹر خانہ بنا۔ ضیاء الاسلام پریس نصب کیا گیا اور دوسرے کمرے میں حضرت مولانا نور الدین مدت العمر مطب کرتے رہے۔ مطب سے متصل شرقی جانب کی کوٹھری میں مہمان خانہ کا قیام ہوا۔[1]

ضیاء الاسلام پریس اگرچہ قادیان میں مرکزی پریس قائم کئے جانے کی تجویز تو ۱۸۹۲ء کے سالانہ جلسے میں باتفاق رائے منظور ہو چکی تھی۔ لیکن اس کا قیام اس سال ۱۸۹۵ء میں عمل میں آیا۔ پریس میں سب سے پہلے جو کتاب طبع ہوئی وہ "ضیاء الحق" تھی ابتداء میں تو اس کی براہ راست نگرانی حضرت اقدسؑ خود ہی فرماتے تھے۔ اور چھاپنے کا کام حضور کے مخلص خادم مرزا اسمٰعیل بیگ صاحب[2] اور ان کے اعزہ کرتے تھے۔ لیکن جب حضرت حکیم فضل دین صاحب بھیروی ہجرت کر کے قادیان آ گئے۔ تو حضرت اقدسؑ نے اپنی دینی مصروفیات کی وجہ سے نگرانی کی ذمہ داری بھی مکرم حکیم صاحب کے سپرد فرمادی تھی۔ اور انہوں نے تجربہ و فراست کی وجہ سے مطبع کا انتظام بخوبی سنبھال لیا اور قادیان میں طباعت و اشاعت کی آسانی پیدا ہو گئی۔[3]

مہمان خانہ گول کمرہ جو مسجد مبارک کے بعد تعمیر ہوا۔ ابتداء مہمان خانہ کے طور پر استعمال ہوتا تھا خود حضرت ام المومنین کھانا پکانے کا انتظام فرماتیں۔ اور حضرت اقدس علیہ السلام

مہمانوں سے ملاقات فرماتے تھے۔ لیکن جب اس سال کے دوران میں حضرت میر ناصر نواب صاحب ہجرت کر کے آگئے تو مہمان خانہ گول کمرہ سے فصیل کی جگہ پر تیار شدہ عمارت میں منتقل ہو گیا اور حضرت میر صاحب رضی اللہ عنہ نے اس کے آگے دیوار کھینچ کر بود و باش اختیار کر لی۔ [۴]

کتب خانہ کتب خانہ بھی فصیل کی جگہ پر نئی عمارت میں قائم ہوا۔ جس کے اولین مہتمم حکیم فضل دین صاحب بھیروی قرار پائے۔

مطب گو نام کے لحاظ سے تو یہ حضرت مولانا نورالدین صاحب کا مطب کہلاتا تھا مگر عملاً اسے بھی مستقل ادارہ کی حیثیت حاصل تھی۔ جو حضرت حکیم الامت کے طبی اور روحانی کمالات کی تجربہ گاہ بھی تھا اور درسگاہ بھی۔ باوجودیکہ غریبوں اور حاجتمندوں کا علاج یہاں بالعموم مفت کیا جاتا [۵] اور بڑی بیش بہا ادویہ مفت دے دی جاتیں۔ مگر پھر بھی اس کا فیض عام ہمیشہ جاری رہتا۔ اور وہ وہ غیبی برکتیں ظہور میں آتیں کہ دیکھنے والے دنگ رہ جاتے۔ یہ ادارہ حضرت خلیفتہ المسیح اول کی زندگی میں ملک بھر کے مریضوں کی توجہ کا مرکز بنا رہا۔

حضرت صاحبزادہ مرزا شریف احمد صاحب مدظلہ العالی کی ولادت

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کو مولوی عبدالحق صاحب غزنوی کے مقابل نصرت و تائید کے نشان کے طور پر ۱۸۹۴ء میں بشارت دی گئی تھی کہ آپ کو ایک فرزند عطا کیا جائیگا اور آپ نے "انوار الاسلام" (صفحہ ۲۹ حاشیہ) میں قبل از وقت اس کی خبر بھی شائع فرمادی۔ چنانچہ اس کے عین مطابق حضرت صاحبزادہ مرزا شریف احمد صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ ۲۷۔ ذیقعدہ ۱۳۱۲ھ مطابق ۲۴۔ مئی ۱۸۹۵ء کو تولد ہوئے۔ [۶] آپ کی پیدائش پر عالم کشف میں حضور نے دیکھا کہ آسمان سے ایک روپیہ اترا اور آپ کے ہاتھ پر رکھا گیا۔ روپیہ پر "معمر الله" کے الفاظ لکھے تھے۔ [۷] آپ کے متعلق حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو اور بھی کئی بشارتیں ہوئیں۔ چنانچہ حضورؑ لکھتے ہیں "ایک دفعہ ہم نے عالم کشف میں اسی لڑکے شریف احمدؐ کے متعلق کہا تھا کہ اب تو ہماری جگہ بیٹھ اور ہم چلتے ہیں"۔ اس کشف کے چند سال بعد حضورؑ کو آپ کے متعلق ایک اور خواب دکھایا گیا۔ جس کی تفصیل حضورؑ نے یہ بیان فرمائی کہ "شریف احمدؐ کو خواب میں دیکھا کہ اس نے پگڑی باندھی ہوئی ہے اور دو آدمی پاس کھڑے ہیں۔ ایک نے شریف احمد کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ وہ بادشاہ آیا۔ دوسرے نے کہا ابھی تو

اس نے قاضی بنتا ہے"۔[۵]

حضرت صاحبزادہ صاحب موصوف حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے موجودہ فرزندوں میں سب سے کم عمر کے ہیں۔ آپ کو حدیث و تاریخ اور علم کلام سے خاص مناسبت ہے۔ برسوں تک آپ جماعت کے مرکزی شعبہ تعلیم و تربیت کے ناظر رہ چکے ہیں۔ اور اب نظارت "اصلاح و ارشاد" کے ایڈیشنل ناظر ہیں۔ (آپ ۲۶۔ دسمبر ۱۹۶۱ء کو انتقال فرما چکے ہیں)

الدار میں کنواں حضرت اقدس ؑ کے گھر میں اسی سال کنواں لگایا گیا جو احمدی آبادی کے حلقہ میں (مسجد اقصیٰ کے کنوئیں کے علاوہ) سب سے پہلا کنواں تھا۔ اس کے بعد دوسرے نمبر پر وہ کنواں بنا جو مدرسہ احمدیہ کے جانب شمال اور بک ڈپو کے عقب میں ہے۔ پیشتر ازیں آپ کے چچازاد بھائیوں کے دیوان خانہ اور تائی صاحبہ مرحومہ کے کنوؤں سے پانی لیا جاتا تھا۔ ایک دفعہ ہر دو جگہ سے حضرت اقدس ؑ کے سقہ کو گالیاں دے کر منع کر دیا گیا اور حضور کے گھر اور آپ کے خدام کو بڑی مصیبت کا سامنا کرنا پڑا۔ جس پر یہ پہلا کنواں تیار کیا گیا۔[۶]

عربی زبان کے ام الالسنہ ہونے کی زبردست تحقیق اور "منن الرحمٰن" کی تالیف

۱۸۹۵ء کا سال علمی انکشافات کا ایک مثالی سال ہے اس میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے تین عظیم الشان انکشافات کا اعلان فرمایا جس نے علمی دنیا میں عظیم الشان تغیر پیدا کر دیا یعنی۔

۱۔ عربی زبان "ام الالسنہ" ہے

۲۔ حضرت باوا نانک رحمتہ اللہ علیہ مسلمان تھے۔

۳۔ حضرت مسیح ناصری علیہ السلام کے صلیبی زخموں کے لئے "مرہم عیسیٰ" تیار کیا گیا تھا اور اس کے استعمال سے آپ تندرست ہونے کے بعد کشمیر تشریف لائے اور سرینگر محلہ خانیار میں دفن ہوئے۔

"منن الرحمٰن" کی تالیف پہلا انکشاف عربی زبان کے ام الالسنہ ہونے سے متعلق تھا۔ اس بارے میں آپ نے نہایت وسیع پیمانے پر تحقیق فرمائی اور پھر اس سے دنیا کو روشناس کرانے کے لئے "منن الرحمٰن" تالیف فرمائی۔ اس تحقیق کو پایہ تکمیل تک پہنچانے میں حضرت اقدس کے جن خدام نے بڑی جانفشانی اور عرق ریزی سے حصہ لیا ان کے اسمائے گرامی یہ

ہیں (۱) حضرت مولانا نور الدین صاحب (۲) مولانا عبد الکریم صاحب سیالکوٹی (۳) جناب منشی غلام قادر صاحب فصیح (۴) جناب خواجہ کمال الدین صاحب - بی - اے (۵) مرزا خدا بخش صاحب [10] (۶) حضرت مفتی محمد صادق صاحب (۷) منشی غلام محمد صاب سیالکوٹی (۸) حضرت میاں محمد خان صاحب کپور تھلوی [11] حضرت اقدسؑ نے "منن الرحمٰن" میں ان خدام کے نام اپنے قلم سے درج کرتے ہوئے لکھا کہ اس بارے میں سب سے زیادہ محنت اور جانفشانی مولانا حکیم نور الدین صاحب اور مولوی عبد الکریم صاحب نے کی ہے۔ [12] حضرت مولانا نور الدین صاحب نے اس موقعہ پر نہ صرف کتابوں کا مطالعہ کر کے قیمتی معلومات مہیا کیں بلکہ اس کام کے لئے انگریزی لٹریچر کا ایک قیمتی ذخیرہ بھی خرید کر مہیا کر دیا۔

کتاب "منن الرحمٰن" ایسی محققانہ تصنیف قریباً ڈیڑھ ماہ میں ہوئی۔ جو بجائے خود ایک معجزہ ہے۔ چنانچہ اپریل ۱۸۹۵ء کے کچھ دن گزرے یہ کام شروع ہوا اور مئی ۱۸۹۵ء سے قبل انجام کو پہنچ گیا۔ اور پھر اس محنت کے دنوں میں پورا دن اس کام کے لئے کبھی صرف نہیں ہوا بلکہ زیادہ سے زیادہ تیسرا یا چوتھا حصہ اس کام میں صرف ہوتا رہا۔ [13] اس کتاب میں آپ نے پانچ قطعی اور زبردست دلائل سے ثابت کر دکھایا ہے کہ عربی زبان ہی ام الالسنہ اور کامل اور الہامی زبان ہے۔ ان دلائل کا خلاصہ یہ ہے۔

اول :- عربی کے مفردات کا نظام کامل ہے یعنی انسانی ضرورتوں کو وہ مفردات پوری مدد دیتے ہیں اور دوسری لغات اس سے بے بہرہ ہیں۔

دوم :- عربی میں اسماء باری و اسماء ارکان عالم و نباتات و حیوانات و جمادات و اعضائے انسان کی وجوہ تسمیہ بڑے بڑے علوم حکمیہ پر مشتمل ہیں۔ دوسری زبانیں ہرگز اس کا مقابلہ نہیں کر سکتیں۔

سوم :- عربی کے مواد الفاظ کا تسلسل بھی ایک مستقل نظام رکھتا ہے اور اس نظام کا دائرہ تمام افعال اور اسماء کو جو ایک ہی مادہ کے ہیں ایک سلسلہ حکمیہ میں داخل کر کے ان کے باہمی تعلقات دکھلاتا ہے اور یہ بات اس کمال کے ساتھ دوسری زبانوں میں پائی نہیں جاتی۔

چہارم :- عربی کی تراکیب میں الفاظ کم اور معانی زیادہ ہیں یعنی زبان عربی الف لام اور تنوین اور تقدیم و تاخیر سے وہ کام نکالتی ہے جس میں دوسری زبانیں کئی فقروں کے جوڑنے کی محتاج ہوتی ہیں۔

پنجم :- عربی زبان ایسے مفردات اور تراکیب اپنے ساتھ رکھتی ہے کہ جو انسان کے تمام باریک در باریک دلی خیالات کا نقشہ کھینچنے کے لئے کامل وسائل ہیں۔ [14]

بظاہر یہ ایک علمی تحقیق تھی مگر باریک نظری سے دیکھا جائے تو اس کے ذریعہ سے آپ نے اسلام کی فتح کی بنیاد رکھ دی۔ کیونکہ دنیا کے ماہرین لسانیات اس نتیجے پر پہنچیں گے کہ "ام الالسنہ" صرف عربی

ہے تو انہیں تسلیم کرنا پڑے گا کہ الٰہی کتابوں میں سے اعلیٰ، ارفع، اتم، اکمل اور خاتم الکتب قرآن مجید اور رسولوں میں سے خاتم النبین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہیں۔

افسوس کتاب "منن الرحمٰن" ناتمام حالت میں رہ گئی اور اس کی اشاعت کا مرحلہ بھی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی وفات کے بعد خلافت ثانیہ کے عہد میں جون ۱۹۲۲ء میں آسکا۔ مگر اس تحقیق سے متعلق آپ کے بعض خدام نے اپنی خدمات جاری رکھیں۔ [۱۵]

عربی کی اشاعت و ترویج کے لئے عملی مہم

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام نے اسی زمانہ میں عربی کی اشاعت و ترویج کے لئے ایک عملی مہم بھی شروع فرمائی۔ یعنی اپنی جماعت کے دوستوں کو تحریک فرمائی کہ وہ عربی زبان سیکھیں اور اسے اپنی روزہ مرہ گفتگو میں اظہار خیال کا ذریعہ بنائیں۔ آپ کے نزدیک کسی زبان کے سیکھنے کی صورت یہ نہیں تھی کہ پہلے صرف و نحو پڑھی جائے بلکہ بہتر طریقہ یہ تھا کہ اسے بولا جائے۔ بولنے سے ضروری صرف و نحو خود بخود آجاتی ہے۔ چنانچہ اسی لئے حضرت اقدس نے ۱۸۹۵ء میں حضرت ڈاکٹر میر محمد اسمٰعیل صاحب [۱۶] کو (جو اس وقت ۱۴ برس کے تھے) عربی کا قریباً ایک ہزار فقرہ ترجمہ سے لکھوایا۔ حضور روزانہ پندرہ بیس کے قریب فقرے لکھوا دیتے اور دوسرے دن سبق سن کر اور لکھوا دیتے۔ پیر سراج الحق صاحب نعمانی بھی حضرت میر صاحب کے ہم سبق تھے۔ [۱۷]

حضرت مسیح ناصری علیہ السلام کے سفر کشمیر اور مزار کا انکشاف

حضرت اقدس مسیح موعودؑ نے اس سال دوسرا انکشاف یہ فرمایا کہ حضرت مسیح علیہ السلام صلیب کے زخموں سے "مرہم عیسیٰ" [۱۸] یا "مرہم حواریین" کے استعمال سے شفایاب ہونے کے بعد کشمیر تشریف لے آئے اور وفات کے بعد سرینگر محلہ خانیار میں مدفون ہوئے جو اصل شہر سے قریباً تین میل کے فاصلہ پر عام خلائق کی زیارت گاہ اور "یوز آسف نبی" کی قبر سے موسوم ہے۔ [۱۹]

اس انکشاف کا منظر عام پر آنا تھا کہ عیسائیوں اور مسلمانوں دونوں کی طرف اس کی زبردست مخالفت شروع ہو گئی۔ عیسائی پادریوں نے تو اس قبر کو محض ایک چبوترہ قرار دیتے اور حضورؑ کے دلائل کو غلط بتاتے ہوئے کہا کہ "بعض عیار تکیہ دار جہلاء کے سامنے مشہور کر دیتے ہیں کہ فلاں مقام پر کسی ولی یا شہید کا مزار ظاہر ہو گیا تاکہ عورتیں منتیں ماننا اور چادریں چڑھانا شروع کر دیں۔ یہ خانیار کا چبوترہ

گویا مرزا صاحب کی امامت و مہدویت کی اساس ناسپاس ہے"۔ [۲۰]

مگر خدا تعالیٰ جب اپنے مامور کی زبان سے کسی حقیقت کا اعلان کرواتا ہے تو اس کی گواہی کے لئے خارق عادت رنگ میں شواہد بھی پیدا کر دیتا ہے یہی معاملہ یہاں بھی ہوا۔ جونہی آپ نے یہ انکشاف فرمایا زمین سے نہایت قیمتی دستاویزات اور اہم آثار قدیمہ برآمد ہونے کا ایک غیر معمولی سلسلہ شروع ہو گیا۔ چنانچہ ہندوستان میں دو سکے دستیاب ہوئے جن میں سے ایک پر حضرت مسیح علیہ السلام کا نام پالی زبان میں کندہ تھا۔ اور دوسرے پر آپ کی تصویر تھی۔ جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ حضرت مسیحؑ واقعہ صلیب کے بعد اس ملک میں ضرور تشریف لائے تھے۔ [۲۱] پھر سکندریہ سے اسیری فرقہ صوفیاء کا ایک خط برآمد ہوا جس میں صاف لفظوں میں یہ ذکر تھا کہ حضرت مسیحؑ صلیب سے زندہ اتارے گئے تھے اور اسیری فرقہ کے لوگوں نے ان کے بچانے اور علاج معالجہ کرنے کی ہر ممکن کوشش کی اور آپ شفایاب ہونے کے بعد ایک طویل اور تھکا دینے والے سفر پر روانہ ہو گئے۔ مگر شہر میں یہ افواہ مشہور ہو گئی کہ یسوع بادلوں میں اٹھایا گیا اور آسمان پر چلا گیا ہے۔ اس خط کا انگریزی ترجمہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی زندگی میں ہی انڈو امریکن بک کمپنی شکاگو نے

"The Crucifixion by an Eye - Witness"

کے نام سے شائع کر دیا۔

واقعہ صلیب کی چشم دید شہادت

اس کتاب کا اردو ترجمہ حضرت میاں معراج الدین صاحب عمر نے "واقعہ صلیب مسیحؑ کی چشمدید شہادت" کے نام سے مارچ ۱۹۱۳ء میں شائع کیا تھا۔ زمانہ حال کے ایک مشہور مسلمان لیڈر علامہ محمد عنایت اللہ خاں مشرقی اس اہم دستاویز کی تفصیلات پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں۔ "حضرت عیسیٰ علیہ السلام شخصیت کے متعلق حال میں ایک عجیب و غریب شہادت دستیاب ہوئی ہے جو اس اولوالعزم نبی کی حیثیت کو صحیح طور پر سمجھنے میں بہت کچھ مدد دیتی ہے۔ یہ شہادت ایک لوح مکتوب میں درج ہے جو حضرت مسیح کے ایک ہمعصر اور واقعہ صلیب کے عینی شاہد نے اپنے سلسلہ کے احباب کو مصر میں لکھا اور جو سکندریہ کے ایک پرانے مکان میں ملک حبش (ابی سینیا) کی ایک تجارتی شرکت کے رکن کو دوران سیاحت میں ملا۔ محکمہ آثار قدیمہ مصر نے اس امر کی تصدیق کی ہے کہ یہ پرانا مکان زمانہ قدیم میں "اسیری" فرقے کا مسکن تھا جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں علمائے فطرت کا ایک مقتدر، باخدا اور باعمل خفیہ گروہ تھا۔ اسی مکان کے اندر اس فرقے کا الواحی کتب خانہ بھی تھا اور یہ پتھر بھی اسی کتب خانہ کا بقیہ ہے اور بظاہر غیر مشکوک اور اصلی ہے۔ اور یہ لوح فری میسن جماعت کی وساطت سے

المانیہ (جرمنی) کی ایک علمی انجمن کے قبضے میں ہے اور چونکہ اس کے اندر حضرت عیسیٰؑ کے صلیب پر جان دینے اور تمام عالم کے گناہوں کے کفارہ ہونے کی عیسائی عقائد کی تغلیط ہوتی ہے۔ اس لئے عیسائی پادریوں کی دستبرد سے فی الجملہ محفوظ ہے۔ مکتوب میں راقم نے اس امر کا دعویٰ کیا ہے کہ وہ حضرت عیسیٰ کے مصلوب ہونے کے وقت عینی شاہد تھا۔ حضرت مسیح کو یہود کے سامنے پلاطوس حاکم گلیل کے فرمان کے مطابق صلیب دی گئی۔ لیکن چونکہ یوم سبت کی رات ہونے کی وجہ سے ان کو سرشام چند گھنٹوں کے بعد صلیب سے اتار لیا گیا اور ان کی ہڈیاں بھی نہیں توڑی گئیں۔ اس لئے وہ مرے نہیں۔ اگرچہ یہود کو اطمینان ہو گیا تھا کہ وہ مر گئے ہیں اور پہرہ دار نے بھی اس امر کی تصدیق کر دی تھی۔ جلاد سپاہیوں کا حضرت عیسیٰ کے بدن میں برچھی کا چبھونا اور اس سے خون اور پانی کا نکلنا بھی (جس کا ذکر انجیل میں ہے) اس امر کی تصدیق ہے کہ حضرت مسیح دراصل مرے نہیں تھے۔ لیکن یہود کو گمان ہو گیا تھا۔ کہ وہ مر گئے ہیں۔ قرآن حکیم سے اس واقعہ کی حیرت انگیز طور پر تصدیق ہوتی ہے اور تیرہ سو برس کے بعد اس کا ایک ہمعصر شہادت سے مصدق ہونا صاحب نظر کے لئے قرآن کے انسانی کلام نہ ہونے کی ایک مبرہن دلیل ہے۔ وَقَوْلِهِمْ إِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيحَ عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ رَسُولَ اللَّهِ وَمَا قَتَلُوهُ وَمَا صَلَبُوهُ وَلَكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ وَإِنَّ الَّذِينَ اخْتَلَفُوا فِيهِ لَفِي شَكٍّ مِنْهُ مَا لَهُمْ بِهِ مِنْ عِلْمٍ إِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ وَمَا قَتَلُوهُ يَقِينًا (النساء: ۱۵۸) راقم مکتوب اس امر پر زور دیتا ہے۔ کہ نقادیمس حکیم نے جو اسیری فرقے کا ایک اعلیٰ رکن تھا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مناسب علاج سے یوسف کے باغ والی قبر میں اچھا کیا۔ وہ تیسرے دن اسی جسم اور بدن سے اٹھ کھڑے ہوئے اور باوجود انتہائی نقاہت کے اپنے حواریوں سے ملے وغیرہ وغیرہ۔ جو فرشتے سفید لباس میں اس اثناء میں (از روئے انجیل) قبر کی حفاظت کرتے رہے وہ بھی اسیری فرقہ کے خفیہ فرستادے تھے۔ جو ان کی تیمارداری پر متعین کئے گئے۔ راقم کہتا ہے کہ یہ خط اس لئے لکھا گیا ہے کہ وہ اختلاف جو حضرت مسیح کی وفات کے متعلق عوام میں پڑ گیا ہے۔ اور جس کی وجہ سے طرح طرح کے اوہام باطلہ .... جہلا میں پھیل گئے ہیں دور ہو جائیں وَإِنَّ الَّذِينَ اخْتَلَفُوا فِيهِ لَفِي شَكٍّ مِنْهُ۔ جیسا کہ قرآن حکیم میں ہے لیکن اس حکایت سے قطع نظر جس کے جزئیات کا انجیل کے بیان سے حیرت انگیز طور پر تطابق ہے جو مستقل سبق اس مکتوب سے اخذ ہوتا ہے یہ ہے کہ یہ اسیری فرقہ جس کے حضرت عیسیٰ علیہ السلام ایک مقتدر رکن تھے علم حقائق الاشیاء میں حیرت انگیز طور پر ماہر اور قانون فطرت سے بڑا باخبر گروہ تھا۔ خدمت عباد اس کے عمل کا جزو اعظم تھا۔ روئے زمین کے ہر قریے میں اس کے کارندے موجود تھے۔ ان کے باضابطہ اجلاس ہوتے تھے۔ کئی برس کے مسلسل سعی و عمل اور علمی مجاہدوں کے بعد ایک شخص کو اس کا رکن اعلیٰ بننا نصیب

ہوتا تھا۔ اکثر باعلم لوگ اس خفیہ اخوت کے ساتھ ہمدردی رکھتے تھے۔ خود پیلاطوس اس کی طرف مائل تھا۔ اور عیسیٰ علیہ السلام کو سبت سے ایک دن پہلے صلیب دینا اور ان کی نعش کا یوسف کے سپرد کر دینا بھی اسی وجہ سے تھا۔ اگرچہ اس فرقے کا بظاہر ادعا یہی تھا...... کہ حکومت وقت کی سیاسیات میں دخل نہ دے۔ مگر قانون فطرت سے باخبر اور صاحب علم ہونے کی وجہ سے حکومت اس زبردست اخوت سے ہر دم خوفزدہ رہتی تھی۔ چنانچہ عیسیٰ علیہ السلام سے خوفزدہ رہنا اس وجہ سے تھا۔ تصلیب یسوع کے فرمان میں بھی جو پانتیس پلاطوس نے حکومت وقت کے ایماء سے جاری کیا۔ حضرت پر غادی، مفتری علی اللہ اور کذاب ہونے کے علاوہ باغی حکومت اور قیصری قوانین و آئین کے دشمن ہونے کا الزام لگایا گیا تھا۔ اور تصلیب کی اصلی وجہ حتما یہی تھی محکوم یہودیوں کو خوش کرنا اس قدر ضروری نہ تھا۔ علاوہ ازیں عوام میں مسیح کے دنیاوی بادشاہت قائم کرنے کا انتظار اور چرچا "تانباشد چیزکے مردم نہ گوید چیزہا"۔ کا مصداق ہے جو ہر صاحب نظر پر عیاں ہے اسی مکتوب میں درج ہے کہ مسیح علیہ السلام نے پہاڑی پر سے مصر کی طرف کوچ کرنے (اور عوام کی نظروں میں فرشتوں کی معیت میں بادلوں میں غائب ہو جانے) سے پہلے حواریوں کے سامنے کہا۔ کہ میرا کام یہ ہے کہ "خدا کی بادشاہت" زمین پر قائم کروں۔ "تذکرہ" (مؤلفہ محمد عنایت اللہ خاں المشرقی الہندی) صفحہ ۱۶۔ ۱۷ حاشیہ مطبوعہ ۱۹۲۴ء مطبع وکیل امرتسر۔

حضرت مسیحؑ کے کفن سے متعلق جرمن سائنس دانوں کا حیرت انگیز انکشاف

اس دستاویز کے بعد متعدد انکشافات اور ہوئے مثلاً حضرت مسیحؑ کی جوانی اور بڑھاپے کی تصویریں بھی "انسائیکلو پیڈیا برٹینکا" سے مل گئیں۔ جن سے یہ صداقت پایہ ثبوت تک پہنچ گئی کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا نظریہ حرف بحرف صحیح ہے اور یہ سلسلہ ابھی تک جاری ہے اور یہ سب شواہد اپنے اندر بڑی اہمیت رکھتے ہیں چنانچہ حال ہی میں جرمن سائنسدانوں کے اس انکشاف نے دنیا بھر میں زلزلہ سا پا کر دیا ہے کہ حضرت مسیح ناصری علیہ السلام کا دو ہزار سالہ پرانا کفن اٹلی کے شہر جورن سے مل گیا ہے جو تصویر کشی کی مدد سے پوری طرح کھل کر سامنے آگیا ہے اور اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام ہرگز صلیب پر فوت نہیں ہوئے۔ سکنڈے نیویا کے اخبار "Tidingen Stockhalm" کے ایڈیٹر "Christer Iderland" نے اپنے اخبار کی ۲۔ اپریل ۱۹۵۷ء کی اشاعت میں ایک مفصل مضمون بھی شائع کیا۔ جس میں بڑی وضاحت سے لکھا کہ جرمن سائنسدانوں کا ایک گروہ آٹھ سال سے مسیحؑ کے کفن کے متعلق تحقیق کر رہا تھا جس کا نتیجہ حال ہی میں پریس کو بتایا گیا ہے۔ مسیحؑ کا دو ہزار سالہ

پرانا کفن اٹلی کے شہر جورن (Jurin) میں ملا ہے اس پر مسیحؑ کے جسم کے نشانات ثبت ہیں۔ سائنسدانوں نے اپنی تحقیق سے پوپ کو مطلع کیا ہے مگر پوپ اب تک خاموش ہے۔ کیونکہ اس تحقیق کے نتیجہ میں کیتھولک چرچ کی مذہبی تاریخ کا اہم راز منکشف ہو کر رہ گیا ہے تصویر کشی کے فن کی مدد سے سائنس والوں نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ جس چیز کو لوگ دو ہزار سال سے معجزہ خیال کرتے تھے وہ بالکل طبعی واقعہ ہے اور وضاحت سے ثابت کیا ہے کہ مسیح ہرگز صلیب پر فوت نہیں ہوئے تھے۔ مسیحؑ کے کفن کا مسئلہ ایک ہزار سال تک زیر بحث رہا ہے ۴۳۸ء میں ملکہ Endoxi نے یہ کپڑا قسطنطنیہ بھیجا۔ اس سے قبل یہ کپڑا اصحاب الکہف کے پاس تھا۔ سات سو سال تک یہ قسطنطنیہ میں ہی رہا۔ آخر کار Delaroche نے حملہ کر کے یہ کپڑا چھین لیا۔ جب آگ لگی تو یہ کپڑا چاندی کے صندوق میں بند تھا۔ چاندی کے پگھلنے سے کچھ دھندلا سا ہو گیا۔ مگر مسیحؑ کے جسم کے دوسرے نشانات پھر بھی اس پر باقی رہے۔

اہل فرانس نے اس کپڑے کی نمائش سے خوب دولت کمائی۔ فرانس سے یہ کپڑا جورن (Jurin) منتقل کیا گیا۔ اور ہر ۳۳ سال کے بعد اس کی نمائش ہوتی رہی۔ ۱۸۹۸ء میں اٹلی کے ایک وکیل پیا (PIA) نے اس کپڑے کی تصویر لی جب تصویر کو ممتد (Develop) کرنے کے بعد سورج کی روشنی میں عکس منفی (Negative) کو دیکھا تو اسکی حیرت کی کوئی حد نہ رہی کیونکہ یہ بعینہٖ مسیح کی شبیہ تھی جب منفی (Negative) کو مثبت (Positive) میں تبدیل کیا گیا تو یہ وہی شخص تھا جس کی شکل ۱۹۰۰ سال سے کسی نے نہیں دیکھی تھی۔ ۱۹۳۱ء میں کپڑے کی دوبارہ نمائش ہوئی تو Enric Guisepe فوٹو گرافر نے ایک بہت بڑے پادری کی موجودگی میں ۶۰۰۰ اور ۲۰۰۰۰ والٹ بجلی کی روشنی کی مدد سے پھر تصویر لی۔ اس فوٹو نے ایک سنسنی خیز حقیقت کا انکشاف کیا اور یہ بات دوبارہ ثابت کر دی جو پیا (PIA) نے ظاہر کی تھی۔ فوٹو میں دی ہوئی تصویر بعینہٖ وہی ہے جو دو ہزار سال سے آج تک چرچ آرٹ مسیح کی شبیہ کے متعلق بیان کرتا آیا ہے۔ جب ایک انسان اس تصویر کو دیکھتا ہے جو کتاب **Kurt Berna Daslinner** مصنفہ **Hans - Naber Verlag** Stultgart میں ہے تو بہت آسانی سے چرچ کے رد عمل کا مطالعہ کر سکتا ہے۔ پوپ (Puisxi) نے کہا۔ "یہ تصویر کسی انسانی ہاتھ نے نہیں بنائی" سائنسدان کہتے ہیں کہ تاریخ اور کپڑا تائید کرتے ہیں کہ یہ مسیح کا فوٹو ہے۔ کپڑے کے دھاگوں کی ساخت اور تانا بانا بتاتا ہے کہ یہ کپڑا ویسا ہی کپڑا ہے جو پومپی آئی میں پائے گئے تھے۔ کپڑے کے دوہرے نشانات ظاہر کرتے ہیں کہ کپڑے کا نصف حصہ مسیحؑ کے جسم پر لپیٹا گیا اور باقی نصف سر پر۔ پھر مسیحؑ کے جسم کی گرمی اور دوائی کے عمل نے جسم کے نشانات

کپڑے میں نقش کر دیئے۔ اور مسیح کا تازہ خون کپڑے میں جذب ہو کر نشان بن گیا۔ کانٹوں کا تاج پہننے اور گدی پر جو نشانات آئے۔ مسیحؑ کا متورم دایاں کلہ۔ دائیں پہلو پر بھالے کا گہرا نشان کیل کے زخموں سے نکلے ہوئے خون کے نشان، کمر پر صلیب کی رگڑ کے نشان یہ سب چیزیں فوٹو میں دیکھی جا سکتی ہیں۔ مگر سب سے تعجب انگیز حقیقت یہ ہے کہ منفی فوٹو نے مسیح کی بند آنکھوں کو دو کھلی آنکھوں میں ظاہر کیا ہے۔ تصویر یہ بھی بتاتی ہے کہ کیل ہتھیلی میں نہیں بلکہ کلائی کے مضبوط جوڑوں میں لگائے گئے تھے اور یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ بھالے نے مسیحؑ کا دل ہرگز نہیں چھوا۔ بائیبل کہتی ہے کہ مسیحؑ نے جان دیدی۔ مگر سائنسدان مصر ہیں کہ دل نے عمل کرنا بند نہیں کیا تھا۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ایک گھنٹہ تک مسیحؑ کے بیجان لٹکے رہنے سے خون خشک ہو کر ختم ہو جانا چاہیے تھا۔ اور اس صورت میں خون ہرگز کپڑے میں نہ آتا۔ مگر کپڑے کا خون جذب کرنا بتاتا ہے کہ مسیحؑ صلیب پر سے اتارے جانے کے وقت زندہ تھے"۔ (ترجمہ)

مسیح کے آسمان پر جانے کی انجیلی آیات الحاقی ثابت ہوئیں

مذہبی تعلیمات کی بین الاقوامی مسیحی سوسائٹی کی طرف سے بائبل پر نظر ثانی کی غرض سے ۱۹۲۹ء میں امریکہ میں اعلیٰ سطح کا ایک مستند ترین ادارہ قائم کیا گیا۔ جس میں دنیا کے تیس مسیحی فاضل محققین نے کام کیا۔ یہ محققین وسیع پیمانے پر ریسرچ کرنے اور برسوں کی محنت شاقہ کے بعد اس نتیجہ پر پہنچے کہ حضرت مسیحؑ کے آسمان پر جانے کے متعلق آیات الحاقی ہیں۔ جس پر یہ آیات انجیل کے متن سے خارج کر دی گئیں۔ بائیبل کا یہ مستند نسخہ جو "Revised Standard Version" کے نام سے مشہور ہے نیویارک سے تھامسن نیلسن اینڈ سنز نے شائع کیا ہے۔ اس نئے ایڈیشن نے عیسائیت کے تمام حلقوں میں صف ماتم بچھا دی ہے۔ چنانچہ پاکستان کے بعض مسیحی لیڈروں نے نہایت خوفزدہ ہو کر لکھا ہے کہ۔

"مترجمین کے سامنے ایک ہی مقصد تھا کہ جہاں تک ہو سکے کلام مقدس میں سے وہ تمام آیات حذف کر دی جائیں جن سے خداوند یسوع مسیح کا تجسم 'الوہیت' کفارہ' مردوں میں سے زندہ ہونا' اور آسمان پر صعود فرمانا ثابت ہوتا ہے تاکہ خداوند یسوع مسیح کی دوبارہ آمد مشکوک ہو جائے اور خداوند کو وہی حیثیت حاصل رہے جو دوسرے انبیاء کو حاصل ہے۔ اور انہوں نے اس طرح خداوند مسیح کی الوہیت اور پاکیزگی اور فوق البشر ہونے کا انکار کیا ہے اور یہ ایک ایسی مذموم جسارت ہے کہ اس کی موجودگی میں مسیحیت کی ساری عمارت دھڑام سے گر جاتی ہے"۔ (ماہنامہ "کلام حق" گوجرانوالہ بابت اپریل ۱۹۷۸ء صفحہ ۷)

یہ تو حضرت مسیحؑ کے صلیب سے زندہ اتر آنے اور آسمان کی بجائے کسی دور کے سفر پر روانہ

ہونے سے متعلق جدید تحقیقات کا بیان ہے لیکن جہاں تک حضرت مسیح ناصری علیہ السلام کے ہندوستان میں آنے اور سرینگر محلہ خانیار میں مدفون ہونے کا تعلق ہے اس کے متعلق بعض اور قدیم ماخذ بھی حاصل ہوئے ہیں۔اور حضرت مسیح موعودؑ کا یہ انکشاف اب حقائق و شواہد کے میدان میں اس درجہ نکھر گیا ہے کہ اور تو اور وہ عیسائی محقق جو کبھی محلہ خانیار کی قبر کو "یار خاں کا چبوترہ" اور فرضی قرار دیتے تھے اب ۶۳ سال کی مسلسل کشمکش کے بعد اسے "مزار عیسیٰ" تسلیم کرنے پر مجبور ہو گئے ہیں۔چنانچہ وہ لکھتے ہیں۔"وہ قبائل جو اب سرحد میں پائے جاتے ہیں ان کی پشت میں ایک مرتبہ مسیحی نور کی ضیاء پاشی ہوئی ہے۔اور محلہ خانیار میں جو مزار عیسیٰ ہے اور عیسیٰ خیل۔یہ مقدس توما کی اس مہم کا ہی صحیح نتیجہ ہو سکتے ہیں۔عیسیٰ... ایسو کا مترادف و معرب لفظ ہے اور یہ نام اول عیسوی عام مستعمل تھا"۔[22] موزانہ مذاہب کے مشہور ہسپانوی سکالر اے فیبر قیصر (A. Faber- Kaiser) قبر مسیحؑ کی تحقیق کے لئے خود کشمیر گئے اور انتہائی محنت و قابلیت سے قابل قدر تاریخی معلومات فراہم کر کے ایک ضخیم کتاب شائع کی جس کا نام ہی یہ رکھا کہ (Jesus Died In Kashmir) یسوع کشمیر میں فوت ہوئے۔(ناشر: Gordon Cremonesi لنڈن)

برطانوی سیاح کا انکشاف

ایک برطانوی سیاح میکائیل برک (Michael Burke) نے انکشاف کیا ہے کہ ہرات میں انہوں نے ایک قدیم عیسائی فرقہ دیکھا جن کا مذہبی لیڈر ربا یحییٰ ہے۔اس فرقہ کے لوگ یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ حضرت مسیحؑ صلیب سے زندہ اتر آئے اور ہجرت کر کے کشمیر تشریف لے گئے اسی لئے آپ عیسیٰ بن مریم ناصری کشمیری کہلائے۔ برطانوی سیاح لکھتا ہے:۔

THE FOLLOWERS OF JESUS

The followers of Isa, son of Maryam - Jesus the son of Mary, generally call themselves Moslems and inhabit a number of villages scattered throughout the Western area of Afghanistan whose centre is Herat. I had heard of them several times, but considered that they were probably people who had been converted by European missionaries from Eastern Persia, or else that they were a relic of the times When Herat had been a flourishing bishopric of the Nestorian rite, before the Arabs conquered Persia in the seventh and eight centuries.

But, form their own accounts and what I could observe, they seem to come from some much older source.

I found them through one of the deputies of the Mir of Gazarga, the descendant of Mohammad under whose protection they are. Gazarga is the shrine where Abdullah Ansar, a Sufi

mystic and great local saint, is buried in a magnificent tomb formerly much visited by the emperors of India and other notables.

There must be about a thousand of these Christians. Their chief is the Abba Yahiyya (Father John), who can recite the succession of teachers through nearly sixty generatons to · Isa, son of Mary' of 'nazara, the Kashmiri.

According to these people, Jesus escaped from the Cross, was hidden by friends, was helped to flee to India, where he had been before during his youth, and settled in Kashmir, where he is revered as an ancient teacher, Yuz Asaf. It is from this period of the supposed life of Jesus that these people claim to have got their message.

(AMONG THE DERVISHES

P: 107

An account of travels in Asia and Africa, and four years studying the Dervishes, Sufis and Fakirs, by living among them.

THE OCTAGON PRESS LONDON

(طبع سوم)(3RD EDITION 1984)

یسوع کے پیرو کار

(ترجمہ) (حضرت) عیسیٰ بن مریم کے پیرو عموماً اپنے تئیں مسلمان کہتے ہیں اور افغانستان کے غربی علاقے میں پھیلی ہوئی ان متعدد بستیوں میں آباد ہیں جن کا مرکز ہرات ہے۔ میں نے ان کی نسبت کئی بار سنا تھا لیکن میں سمجھتا تھا کہ شاید یہ شرقی ایران کے وہ لوگ ہیں جنہیں یورپی مشنریوں نے عیسائی بنالیا تھا یا وہ اس زمانے کی یادگار ہیں جب ساتویں آٹھویں صدی عیسوی میں 'ایران پر عربوں کے تسلط سے قبل ہرات نسطوری سلطنت کا حصہ ہوا کرتا تھا۔

لیکن ان کے اپنے بیان کے مطابق بلکہ میں خود بھی یہی سمجھتا ہوں کہ یہ لوگ کسی اور زیادہ قدیم قوم سے تعلق رکھتے ہیں۔

مجھے ان کا علم میر آف گزرگا کے ایک کارندے کے ذریعہ ہوا۔ میر (حضرت) محمدؐ کی اولاد میں سے ہے اور یہ لوگ اسی کی زیر حفاظت رہتے ہیں۔

گزرگا ایک خانقاہ ہے جہاں ایک مقامی صوفی بزرگ (حضرت) عبداللہ انصار کا نہایت شاندار مزار واقع ہے اور جو ہندوستان کے کئی بادشاہوں اور معززین کی زیارت گاہ رہا ہے۔ ان عیسائیوں کی تعداد ضرور ایک ہزار تک ہوگی۔ ان کے سردار کا نام ابا یحیٰ ہے جو عیسیٰ بن مریم ناصری کشمیری تک اپنے رہبروں کی گزشتہ ۶۰ پشتوں تک کے نام گنوا سکتا ہے۔

ان لوگوں کے نزدیک (حضرت) یسوع مسیح صلیب سے زندہ اتر آئے تھے اور اپنے حواریوں کی مدد سے پوشیدہ طور پر ہندوستان کی طرف ہجرت کر گئے۔ ان دنوں آپ جوان ہی تھے۔ آپ کشمیر میں ہی آباد ہو گئے جہاں انہیں یوز آصف کے نام سے ایک قدیم بزرگ شخصیت کے طور پر نہایت عزت و احترام کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ ان لوگوں کا دعویٰ ہے کہ انہیں (حضرت) یسوع مسیح کی مفروضہ زندگی کے اسی دور میں ان کا پیغام پہنچا تھا۔

مسلم محققین کا اعتراف حق

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے اس انکشاف کی تائید میں اب خصوصاً ممالک عربیہ سے پر زور آواز اٹھنے لگی ہے۔ چنانچہ عرصہ ہوا مصر کی مشہور علمی شخصیت اور مفتی مصر محمد عبدہ کے خاص شاگرد علامہ رشید رضا (۱۸۶۵ - ۱۹۳۵ء) مدیر المنار نے لکھا کہ "فَفِرَارُهٗ اِلَى الْهِنْدِ وَمَوْتُهٗ فِيْ ذَالِكَ الْبَلَدِ لَيْسَ بِبَعِيْدٍ عَقْلًا وَنَقْلًا"۔ [۱۲۳] حضرت مسیح علیہ السلام کا ہندوستان میں ہجرت کر کے (شہر سرینگر) میں وفات پانا عقل و نقل سے بعید نہیں ہے۔ مصر کے ایک نامور عالم ادیب محمود عباس عقاد نے اپنی کتاب "حیات المسیح و کشوف العصر الحدیث" میں قبر مسیحؑ کے متعلق یہ رائے قائم کی ہے کہ یہ انکشاف ہرگز نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ ایک اور عالم ڈاکٹر احمد زکی ابو شادی نے چند سال ہوئے ارجنٹائن کے کثیر الاشاعت ماہوار عربی رسالہ "المواہب" (ماہ مارچ ۱۹۵۵ء) میں ایک تحقیقی مقالہ لکھا جس میں واضح رنگ میں اعتراف کیا کہ "اسلام کے نزدیک خدا تعالیٰ کی ہستی ہر جگہ موجود ہے وہ آسمان و زمین کا نور ہے لہٰذا رفع الی اللہ کی عبارت ہرگز کوئی مادی معنی نہیں رکھتی۔ جیسا کہ عیسائیوں کا عقیدہ ہے کہ مسیح علیہ السلام آسمان پر اٹھائے گئے بلکہ رفع کے معنے اپنی حفاظت میں لینے کے ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے مسیح علیہ السلام کو دشمنوں کے شر سے نجات دی۔ آپ کے شاگردوں نے رات کے وقت آپ کو لحد سے نکال لیا اور آپ کا خفیہ طور پر علاج کیا گیا۔ جب آپ صحت یاب ہو گئے تو مشرقی ممالک کے سفر پر روانہ ہوئے۔ جہاں بلند ترین انسانی اغراض و مقاصد کی تبلیغ کرتے رہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو وفات دے دی"۔ (ترجمہ) [۱۲۴]

عرصہ ہوا غزہ فلسطین کے بہت بڑے عالم الشیخ عبداللہ التیشادی نے ڈنمارک کے پادری الفریڈ نیلسن سے اس موضوع پر تحریری مباحثہ کیا کہ حضرت مسیح علیہ السلام صلیب سے زندہ اتارے گئے اور اپنی طبعی موت سے فوت ہوئے یہ مباحثہ فریقین کے اخراجات سے ۱۹۳۹ء میں شائع کر دیا گیا۔ [۱۲۵]

"نور القرآن" حصہ اول و دوم کی تصنیف و اشاعت

"نور القرآن" کا پہلا حصہ ۱۵۔ جون ۱۸۹۵ء کو اور دوسرا حصہ ۲۰۔ دسمبر ۱۸۹۵ء کو شائع ہوا۔ یہ تالیف عیسائیت کے خلاف ایک علمی اسلحہ خانہ ہے اور قرآن مجید کی سچائی کے لئے ایک روشن مینار۔

"نور القرآن" حصہ اول میں حضور نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر ضرورت زمانہ کی شہادت پیش کرتے ہوئے انتہائی خوبی اور جامعیت سے ثابت کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایسے وقت میں دنیا میں بھیجے گئے جب دنیا زبان حال سے ایک عظیم الشان مصلح کا تقاضا کرتی تھی اس دعویٰ کے ثبوت میں حضور نے نہ صرف چھٹی صدی عیسوی کی مسیحی دنیا کی اخلاقی اور عملی حالت کا نقشہ فنڈل' ڈیون پورٹ' پادری باس ورتھ' پادری بٹلر اور جاہلیت کے عیسائی شاعر اخطل کے قلم سے کھینچا۔ بلکہ اس برطانوی حکومت کے پایہ تخت لنڈن کے موجودہ اخلاقی ماحول کے متعلق بھی کوئی لگی لپٹی بات نہیں رہنے دی۔

نور القرآن حصہ دوم پادری فتح مسیح نے فتح گڑھ (ضلع گورداسپور) سے حضرت اقدسؑ کو دو خط لکھے جن میں اس بد باطن نے رسول کائنات حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو گالیاں دیتے ہوئے امام الطیبین و سید المعصومین پر معاذ اللہ زنا تک کی شرمناک تہمت لگائی۔ ان دشنام آلود خطوط کے جواب میں حضور نے "نور القرآن" (حصہ دوم) لکھا پادری لوگ چونکہ ایک عرصہ سے رسول خدا ﷺ کی ناموس و حرمت پر بے دریغ حملے کر رہے تھے اس لئے حضرت مسیح موعودؑ نے بالخصوص نور القرآن حصہ دوم کی تالیف سے ان کی گستاخیوں اور بدزبانیوں کی روک تھام کرنے کے لئے الزامی رنگ کے جوابات کی ضرورت محسوس کی اور انجیل کے بیان کردہ "یسوع مسیح" کا فوٹو پیش کرنا شروع کر دیا۔ علم کلام کا یہی الزامی طریق تھا۔ جسے حضرت اقدسؑ نے اپنے آقا کی توہین کو برداشت نہ کرتے ہوئے اپنے لٹریچر میں جابجا استعمال فرمایا۔ [۱۸۱]

پادری فتح مسیح نے اپنے خط میں یہ بھی لکھا تھا کہ اگر آج ایسا شخص جیسے آنحضرت ﷺ تھے گورنمنٹ انگریزی کے زمانہ میں ہوتا تو گورنمنٹ اس سے کیا سلوک کرتی؟ حضرت اقدسؑ نے اس سوال کا جو پر شوکت جواب دیا۔ وہ تاریخ میں ہمیشہ آب زر سے لکھا جائے گا۔ حضور نے لکھا۔ "اگر وہ سید الکونین اس گورنمنٹ کے زمانہ میں ہوتے تو یہ سعادت مند گورنمنٹ ان کی کفش برداری اپنا فخر سمجھتی جیسا کہ قیصر روم صرف تصویر دیکھ کر اٹھ کھڑا ہوا تھا"۔ [۱۸۲]

بابا نانک رحمۃ اللہ علیہ کے مسلمان ہونے کا انکشاف

سفر ڈیرہ نانک "ست بچن" اور "آریہ دھرم" کی تصنیف و اشاعت

حضرت اقدس علیہ السلام نے اس سال تیسرا انکشاف یہ فرمایا کہ بابا نانکؒ جو سکھ مذہب کے پہلے گورو تسلیم کئے جاتے ہیں ایک مسلمان ولی اور بزرگ انسان تھے۔

خدا کی طرف سے کشف

اس عظیم الشان انکشاف کی بنیاد دراصل ایک کشف پر تھی۔ جو حضور نے قریباً ۱۸۷۸ء میں دیکھا تھا۔ اس کشف میں آپ نے حضرت بابا نانکؒ کو ایک مسلمان کی شکل میں دیکھا اور آپ کو بتایا گیا کہ بابا نانکؒ نے بھی آپ کی طرح اسلام ہی کے چشمہ صافی سے پانی پیا ہے۔ حضرت اقدسؑ نے یہ کشف اسی وقت متعدد ہندوؤں کو سنا دیا۔ حضور کو یقین تھا کہ اس کشف کی واقعات سے بہرحال تصدیق ہو جائے گی۔ [۱۲۸] چنانچہ ایک مدت کے بعد یکایک حق سے اس کا سامان پیدا ہو گیا۔ یعنی حضرت اقدسؑ کو معلوم ہوا کہ ڈیرہ بابا نانک ضلع گورداسپور کے گوردوارہ میں بابا نانک صاحب کا ایک چولہ ایک مقدس یادگار کے طور پر محفوظ ہے۔ جس کے متعلق سکھ اصحاب اپنی مذہبی روایات کی بناء پر بالاتفاق تسلیم کرتے ہیں کہ یہ چولہ صاحب آسمان سے بابا صاحب کے لئے اترا تھا اور قدرت کے ہاتھ سے تیار ہوا تھا اور قدرت کے ہاتھ ہی سے بابا صاحب کو پہنایا گیا تھا۔ حضرت اقدس کو جب یہ بات پہنچی آپ نے مفصل تحقیقات کے لئے اپنے چار خدام یعنی مرزا یعقوب بیگ کلانوری۔ منشی تاج الدین صاحب اکونٹنٹ دفتر ریلوے لاہور خواجہ کمال الدین صاحب۔ بی۔ اے اور میاں عبدالرحمٰن صاحب لاہوری کو ڈیرہ نانک بھیجا۔ جنہوں نے ڈیرہ نانک میں اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ سچ مچ وہاں کابلی مل کی اولاد کی تحویل میں ایک چولہ موجود ہے جس پر کلمہ طیبہ لکھا ہوا ہے اور ایسا ہی کئی اور آیات بھی۔ وفد نے واپس آکر حضرت اقدس کی خدمت میں اپنی مفصل رپورٹ پیش کی۔ حضور نے رپورٹ پر اکتفاء نہ کرتے ہوئے اسے بچشم خود ملاحظہ کرنے کا فیصلہ کر لیا تاکہ تحقیق سماعی نہ رہے۔ بلکہ عینی شہادت کا رنگ پکڑ لے۔ چنانچہ حضرت اقدسؑ استخارہ مسنونہ کے بعد ۳۰۔ ستمبر ۱۸۹۵ء بروز پیر صبح سویرے بٹالہ کی طرف روانہ ہوئے اس سفر میں حضور کے ساتھ آپ کے یہ دس خدام تھے (۱) حضرت مولانا حکیم نور الدین صاحب (۲) حضرت مولانا عبدالکریم صاحب سیالکوٹی (۳) مولانا سید محمد احسن صاحب امروہوی (۴) شیخ رحمت اللہ صاحب گجراتی (۵) منشی غلام قادر صاحب فصیح سیالکوٹی (۶) حضرت مرزا ایوب بیگ صاحب کلانوری (۷) حضرت شیخ

عبدالرحیم صاحب نومسلم (۸) حضرت میر ناصر نواب صاحب دہلوی (۹) حضرت میر محمد اسمٰعیل صاحب (۱۰) حضرت شیخ حامد علی صاحب تمہ غلام نبی۔

یہ سفر یکوں پر ہوا۔ حضرت اقدسؑ اور میر محمد اسمٰعیل صاحب ایک یکے میں سوار ہوئے اور باقی خدام دوسرے یکوں میں۔ حضور قریباً دس بجے ڈیرہ بابا نانک پہنچے اور وہاں ایک بڑ کے نیچے آرام کیا۔ [۲۸] قریباً گیارہ بجے ایک مخلص کی نہایت درجہ کی کوشش اور سعی سے چولہ صاحب دیکھنے کا ایسا زریں موقعہ ملا کہ اس جگہ کے لوگوں نے بیان کیا کہ جہاں تک ہمیں یاد ہے۔ ایسا موقعہ آج تک کسی کو نہیں ملا۔ یعنی چولہ صاحب کی تمام تحریرات پر آپ کو اطلاع ہو گئی۔ اور آپ کے لئے وہ بہت ہی اچھی طرح کھولا گیا۔ چولہ صاحب پر تین سو کے قریب یا کچھ زیادہ رومال لپٹے ہوئے تھے اور بعض ان میں سے بہت نفیس اور قیمتی تھے جب حضرت اقدس جاکر بیٹھے تو ایک گھنٹہ تک تو یہ رومال ہی اترتے رہے پھر وہ کپڑا نمودار ہوا جو چولہ صاحب کے نام سے موسوم ہے۔ در حقیقت یہ نہایت مبارک کپڑا ہے جس میں زری کے کام کی بجائے آیات قرآنی لکھی ہوئی ہیں یہ کپڑا دکھلانے والوں کو کچھ شرم سی دامنگیر ہوتی جاتی تھی اور وہ حتی المقدور نہیں چاہتے تھے کہ اصل حقیقت سے لوگ اطلاع پائیں۔ کیونکہ جو عقیدہ بابا صاحب نے اس کپڑے یعنی چولہ صاحب کی تحریروں میں ظاہر کیا ہے وہ ہندو مذہب کے بالکل مخالف ہے اور اسی وجہ سے جو لوگ چولہ صاحب کی زیارت کراتے ہیں وہ بڑی احتیاط کرتے ہیں۔ اور اگر کوئی اصل بھید کی بات دیکھنا چاہے تو ان کا دل پکڑا جاتا ہے۔ مگر چونکہ ناخواندہ محض ہیں اس لئے کچھ طمع دینے سے دکھلا دیتے ہیں۔

کہاں ہیں جو بھرتے ہیں الفت کا دم اطاعت سے سر کو بنا کر قدم
ادھر آئیں دیکھیں یہ تصویر ہے یہی پاک چولہ جہانگیر ہے

کہاں ہیں جو بھرتے ہیں الفت کا دم ۔ اطاعت سے سر کو بنا کر قدم

ادھر آئیں دیکھیں یہ تصویر ہے ۔ یہی پاک چولہ جہانگیر ہے

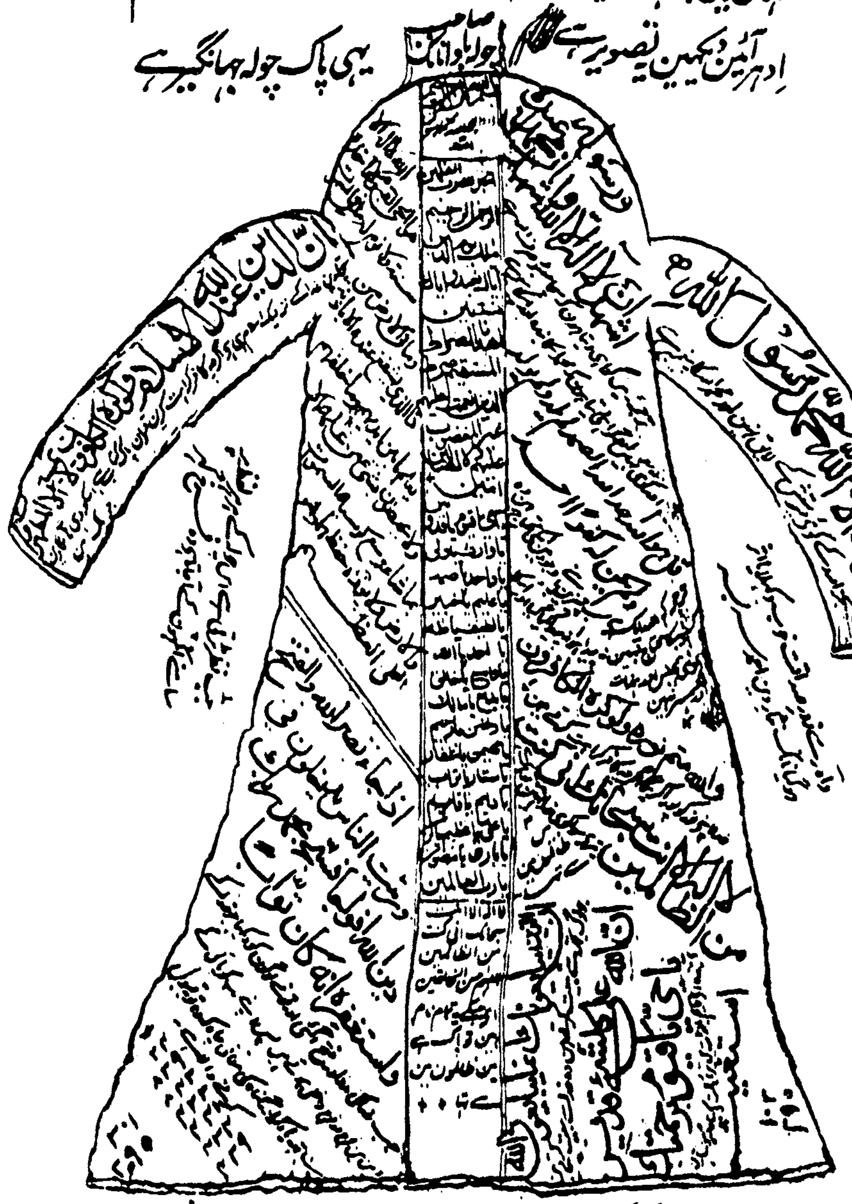

دیکھو اپنے دیں کو کس کس صدق سے دکھلا گیا ۔ وہ بہادر بنانہ رکھتا تھا کسی دشمن سے ڈر

۵۲

چنانچہ حضور نے جب چولہ دیکھنا چاہا تو اول تو انہوں نے صرف لپٹا ہوا کپڑا دکھایا مگر کچھ تھوڑا سا کنارہ اندر کی طرف کا نمودار ہوا جس کے حرف مٹے ہوئے تھے اور پشت پر ایک اور باریک کپڑا چڑھا ہوا تھا۔ اور اس کی نسبت بیان کیا گیا کہ یہ وہ کپڑا ہے کہ جس کو گورو ارجن صاحب کی بیوی نے اپنے ہاتھ سے سوت کات کر اور پھر بنوا کر اس پر لگایا تھا۔ اور بیان کرنے والا ایک بڈھا بیدی باوا صاحب کی اولاد میں سے تھا جو چولہ دکھلا رہا تھا اس نے یہ بھی کہا کہ جو کچھ اس پر لکھا ہوا ہے وہ انسان کا لکھا ہوا نہیں بلکہ قدرت کے ہاتھ سے لکھا ہوا ہے تب حضور نے بہت اصرار سے کہا کہ وہ قدرتی حروف ہم بھی دیکھنا چاہتے ہیں جو خاص پرمیشر کے ہاتھ کے ہیں اور اسی لئے ہم دور سے آئے ہیں تو پھر اس نے تھوڑا سا پردہ اٹھایا جس پر بسم اللہ الرحمن الرحیم لکھا ہوا تھا اور پھر اس بڈھے نے چاہا کہ کپڑا بند کرے مگر پھر اس سے زیادہ اصرار کیا گیا اور ہر یک اصرار کرنے والا ایک معزز آدمی تھا اور اس وقت غالباً بیس کے قریب آدمی ہوں گے۔ اور بعض اسی شہر کے معزز تھے جو حضور کو ملنے آئے تھے تب اس بڈھے نے ذرا سا پردہ اٹھایا تو ایک گوشہ نکلا جہاں موٹے قلم سے بہت جلی اور خوشخط لکھا ہوا تھا۔ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ پھر اس بڈھے نے دوبارہ بند کرنا چاہا مگر فی الفور شیخ رحمت اللہ صاحب نے تین روپے اس کے ہاتھ پر کر رکھ دیئے۔ جن میں سے دو روپے ان کے اور ایک روپیہ مولانا محمد احسن صاحب کی طرف سے تھا۔ اور شیخ صاحب اس سے پہلے بھی چار روپے دے چکے تھے تب اس بڈھے نے ذرا سا پردہ اور اٹھایا یک دفعہ سب کی نظر ایک کنارے پر جا پڑی۔ جہاں لکھا ہوا تھا۔ اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَامُ یعنی سچا دین اسلام ہی ہے اور کوئی نہیں۔ پھر اس بڈھے میں کچھ قبض خاطر پیدا ہو گئی۔ تب پھر شیخ صاحب نے فی الفور دو روپیہ مولانا حکیم نورالدین صاحب کی طرف سے اس کے ہاتھ پر رکھ دیئے۔ اور پھر اس کے خوش کرنے کے لئے شیخ صاحب نے چار روپیہ اور اپنی طرف سے بھی دے دیئے اور ایک روپیہ ایک اور مخلص دوست کی طرف سے دیا۔ تب یہ سب روپے پا کر وہ بڈھا خوش ہو گیا اور سب احباب چولہ صاحب بے تکلف دیکھنے لگے۔ یہاں تک کہ کئی پردے اپنے ہاتھ سے بھی اٹھا دیئے۔ دیکھتے دیکھتے ایک جگہ یہ لکھا ہوا نکل آیا۔ اَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ۔ پھر شیخ صاحب نے اتفاقاً دیکھا کہ چولہ کے اندر کچھ گرد و غبار سا پڑا ہے۔ تب انہوں نے بڈھے کو کہا کہ چولہ اس گرد سے صاف کرنا چاہئے لاؤ ہم ہی صاف کر دیتے ہیں یہ کہہ کر باقی تہیں بھی اٹھا دیں اور ثابت ہو گیا کہ تمام جگہ قرآن ہی لکھا ہوا ہے اور کچھ نہیں۔ کسی جگہ سورہ فاتحہ لکھی ہوئی ہے۔ اور کسی جگہ سورہ اخلاص اور کسی جگہ قرآن شریف کی یہ تعریف تھی کہ قرآن خدا کا پاک کلام ہے اسے ناپاک ہاتھ نہ لگائیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ نے اسلام کے لئے باوا صاحب کا ایسا سینہ

کھول دیا تھا کہ وہ اللہ اور رسولؐ کے عاشق زار ہو گئے تھے۔ [20]

چولہ صاحب جس کمرہ میں تھا وہ زائرین سے کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔ درمیان میں ایک بھاری گٹھری پڑی تھی جو قریباً گز بھر اونچی ہوگی۔ چولہ صاحب اس کے اندر تھا۔ جب بہت سے رومال کھل چکے تو چند سکھ جو اس وقت وہاں موجود تھے احترام و عقیدت سے سرنگوں ہو گئے اور چولہ صاحب پر نظر پڑتے ہی سجدے میں جا پڑے۔ [21]

"ست بچن" کی تصنیف و اشاعت

الغرض، باباناتکؒ کا تاریخی چولہ اور ان کے مسلمان ہونے کی زندہ شہادت بچشم خود ملاحظہ فرمانے کے بعد حضرت اقدسؑ قادیان واپس تشریف لائے اور سکھوں پر اتمام حجت کی غرض سے "ست بچن" تصنیف فرمائی جو نومبر ۱۸۹۵ء میں شائع ہوئی۔ اس بے نظیر تصنیف میں آپ نے اپنے سفر ڈیرہ بابانانک کا بڑی تفصیل سے تذکرہ کرتے ہوئے حضرت باباناتکؒ کے مسلمان ہونے پر زبردست دلائل دیئے۔ جن میں سب سے زیادہ اہمیت چولہ صاحب ایسی عظیم الشان یادگار کو حاصل تھی۔ حضرت باباناتکؒ کے اسلام پر یہ واضح تاریخی شہادتیں بھی پیش فرمائیں کہ انہوں نے برکت و روحانیت کے حصول کے لئے اسلام کے مشہور صلحاء و اکابر مثلاً حضرت شاہ عبدالشکور رحمتہ اللہ علیہ، حضرت شیخ معین الدین چشتی رحمتہ اللہ علیہ (۱۱۳۸ء-۱۲۳۵ء) اور حضرت فرید الدین بابا شکر گنج رحمتہ اللہ علیہ (۱۱۷۳-۱۲۶۵) کے مزاروں پر چلہ کشی کی اور پھر مکہ معظمہ میں فریضہ حج بجالائے اور پھر مدینہ منورہ کی زیارت سے مشرف ہوئے۔ اور فارغ ہو کر ملتان میں چالیس روز تک اپنے مرشد حضرت شمس الدین محمد تبریزی رحمتہ اللہ علیہ (۱۰۷۸-۱۱۶۱) کے روضہ مبارک میں بھی خلوت نشین ہوئے۔

حضور علیہ السلام نے ان واضح تاریخی شہادتوں کے علاوہ سکھوں کی مذہبی کتابوں گورو گرنتھ صاحب اور جنم ساکھی کی اندرونی گواہیوں سے بھی باباناتکؒ کے مسلمان ولی ہونے کی زبردست تحقیق پایہ ثبوت تک پہنچادی۔

"ست بچن" کا ردعمل سکھ قوم کی طرف سے

"ست بچن" جیسی انقلاب انگیز کتاب کا پبلک میں آنا تھا کہ ملک میں ہل چل مچ گئی۔ انفرادی لحاظ سے تو اس معرکتہ الاراء تحقیق کا اثر سکھوں پر بڑا خوشگوار ہوا۔ چنانچہ "ست بچن" کے اکثر نسخے سکھوں ہی نے خریدے۔ [22] اور متعدد اس کا مطالعہ کر کے حلقہ بگوش اسلام ہوئے۔ [23] مگر قومی اعتبار سے اس کا ردعمل بڑا ہی افسوسناک تھا۔ سکھ ودوانوں کو سب سے زیادہ تشویش چولہ صاحب کے سنسنی خیز انکشاف سے پیدا ہوئی جس کے ازالہ کے لئے وہ پنڈت لیکھرام کی

طرف دوڑے۔ مگر وہ ایک ناقابل تردید حقیقت کا جواب کیا لکھتا۔ ناچار اس نے اپنی بے بسی کا ثبوت دیتے ہوئے "جواب" کے لئے اولین شرط یہ لگائی کہ پہلے چولہ صاحب کو نذر آتش کر دیا جائے۔ چنانچہ پنڈت لیکھرام کی سوانح میں لکھا ہے کہ (پنڈت لیکھرام) نے ذکر اذکار کرتے ہوئے کہا کہ مرزا قادیانی نے اس چولہ کی جو گرو نانک مکہ سے ہمراہ لائے تھے کچھ روپے مہنت کو دے کر اس پر عربی آیات وغیرہ کی نقل کرلی ہے۔ اب مرزا صاحب گورو نانک جی کو مسلمان قرار دے رہے ہیں۔ معزز سکھوں نے کہا تھا کہ آپ اس کا جواب تحریر کریں تو میں نے ان سے یہ شرط پیش کی تھی کہ آپ مہنت مذکور سے چولہ لے کر میرے حوالہ کریں۔ میں جلسہ کر کے روبروئے عام لوگوں کے اس کو ماچس لگا کر جلاؤں گا۔ بعد اس کے جواب لکھوں گا۔ انہوں نے مہنت سے چولہ لینے کی معذوری ظاہر کی۔ اور میں نے خاموشی اختیار کی"۔ [۲۴] سکھ اصحاب پنڈت لیکھرام سے مایوس ہو گئے تو انہوں نے چولہ صاحب سے متعلق نئی نئی روایات اختراع کرنا شروع کر دیں۔ اور پھر لاجواب ہو کر جنم ساکھی کے نئے ایڈیشن میں جو سمت ۴۲۸ نانک شاہی میں شائع ہوا چولہ صاحب سے متعلق لکھ دیا۔ کہ "وہ چولہ آسمان پر اڑ گیا۔ پھر کبھی نہ آیا"۔ [۲۵] اس کھلی تحریف کے علاوہ ۱۸۹۶ء یعنی اگلے سال جو جنم ساکھی شائع ہوئی اس میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے پیش کردہ متعدد اقتباسات کو اپنے مطلب کے مطابق تبدیل کر دیا گیا۔ تحریف کا یہ دروازہ کھلنا ہی تھا کہ چند برسوں کے اندر اندر سکھ لٹریچر کا ایسا حلیہ بگڑا کہ سکھ ودوان پکار اٹھے کہ "روزانہ نئی نئی بناوٹیں بنا کر سکھ تاریخ میں ناخوشگوار اور عجیب و غریب تبدیلیاں کی جارہی ہیں سکھ تاریخ کو حسب پسند سانچا میں (جس کا سچائی سے بالکل کوئی واسطہ ہی نہیں) ڈھالا جارہا ہے"۔ [۲۶] اس زرتی تحریف کا نتیجہ بالآخر یہ رونما ہوا کہ بعض سکھ اصحاب نے سرے سے جنم ساکھی بھائی بالا ہی کو جو سکھ مذہب میں قدیم سے مستند اور مقدس کتاب تسلیم کی جاتی تھی۔ فرضی اور جعلی قرار دے دیا۔ جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے علم کلام کی بے مثال فتح تھی۔ [۲۷]

"آریہ دھرم" کی تصنیف و اشاعت

حضرت اقدس مسیح موعودؑ نے "ست بچن" کے ساتھ ایک ہی جلد میں ایک کتاب "آریہ دھرم" بھی شائع فرمائی۔ [۲۸] اس کی وجہ تصنیف یہ ہوئی کہ قادیان کے آریہ سماجیوں نے پادری فتح مسیح کی طرح اسلام اور رسول خدا ﷺ پر نہایت گندے الزامات لگائے اور انہیں ایک اشتہار کی شکل میں شائع کیا جس کے جواب میں حضرت اقدسؑ نے قلم اٹھایا۔ اور ان کے مذہب کی قلعی کھولنے کے علاوہ اسلامی نظام اخلاق و تمدن کی فضیلت روز روشن کی طرح ثابت کر دکھائی۔

"مجدد اعظم" جلد اول صفحہ ۱۴۱،۱۴۴ میں "آریہ دھرم" کے حالات کے سلسلہ میں لکھا ہے کہ حضرت اقدسؑ نے ایک اشتہار کے ذریعہ سے گورنمنٹ کو توجہ دلائی کہ "اگر گورنمنٹ کسی اور طریق سے اپنے گورہ سپاہیوں کی اخلاقی حالت درست نہیں رکھ سکتی اور انہیں زنا سے روک نہیں سکتی تو پھر چاہیے کہ ولایت سے یورپین کسبیاں لاکر چھاؤنیوں میں رکھے۔ ہماری دیسی عورتوں کو گوروں کی شہوت رانیوں کے لئے استعمال نہ کیا جائے"۔ یہ امر غلط فہمی پر مبنی ہے۔ حق یہ ہے کہ حضرت اقدسؑ نے خود ایسا کوئی اشتہار کبھی شائع نہیں فرمایا۔ اور حضورؑ نے کتاب "آریہ دھرم" کے آخری صفحات میں "قانون دکھائی" کے عنوان سے جو مضمون درج فرمایا ہے وہ حضورؑ کا نہیں بلکہ "اخبار عام" (۹۔ نومبر ۱۸۹۵ء) کا اقتباس ہے۔

ناموس مصطفویؐ کے دفاع اور مذہبی مباحثات کے لئے آئینی تحریک اور مسلمانان ہند کی طرف سے پر زور تائید

حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی مقدس ذات پر ملک میں چاروں طرف جو حملے ہو رہے تھے حضرت مسیح موعودؑ ان کے دفاع کے لئے اب تک پوری قوت سے علمی جنگ لڑ رہے تھے اور ملک میں جہاں بھی کوئی شخص سید المعصومین امام المتقین حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ ﷺ کے خلاف بدزبانی کرتا آپ کا قلم فوراً حرکت میں آجاتا۔ لیکن ۱۸۹۵ء کے آخر میں آپ کے اس دفاع نے ایک نئی شکل اختیار کرلی۔ یعنی آپ نے مذہبی مناظرات کی اصلاح کے لئے وائسرائے ہند سے درخواست کرتے ہوئے (۲۲۔ ستمبر ۱۸۹۵ء کو بذریعہ اشتہار) یہ آئینی تحریک اٹھائی کہ حکومت تعزیرات ہند کی دفعہ ۲۹۸ [۳۹] میں توسیع کرتے ہوئے یہ قانون پاس کرے کہ آئندہ مذہبی مباحثات میں ہر فرقہ پابند ہوگا کہ۔

(اول):۔ وہ ایسا اعتراض کسی دوسرے فرقہ پر نہ کرے جو خود اس کی الہامی کتاب یا پیشوا پر وارد ہوتا ہو۔

(دوم):۔ دوسرے فرقہ کی صرف انہی کتابوں پر اعتراض کرے جو اس کے نزدیک مسلم ہوں۔ [۴۰]

مخالفین اسلام کے نام کھلا نوٹس

اس تحریک کے ساتھ ہی آپ نے مخالفین اسلام کو بھی نوٹس دیا کہ ہماری معتبر کتابوں میں اول قرآن شریف

ہے مگر یاد رہے کہ کسی قرآنی آیت کے معنے ہمارے نزدیک وہی معتبر اور صحیح ہیں جن پر قرآن کے دوسرے مقامات بھی شہادت دیتے ہوں۔ کیونکہ قرآن کی بعض آیات بعض کی تفسیر ہیں اور نیز قرآن کے کامل اور یقینی معنوں کے لئے اگر وہ یقینی مرتبہ قرآن کے دوسرے مقامات سے میسر نہ آسکے یہ بھی شرط ہے کہ کوئی حدیث صحیح مرفوع متصل بھی اس کی مفسر ہو۔ غرض ہمارے مذہب میں تفسیر بالرائے ہرگز جائز نہیں۔ پس ہر ایک معترض پر لازم ہو گا۔ کہ کسی اعتراض کے وقت اس طریق سے باہر نہ جائے۔

دوم:۔ دوسری کتابوں میں جو ہماری مسلم کتابیں ہیں اول درجہ صحیح بخاری ہے جسکی وہ تمام احادیث ہمارے لئے قابل حجت ہیں جو قرآن شریف سے مخالف نہیں اور انہیں میں سے دوسری کتاب صحیح مسلم ہے اور اس کو ہم اس شرط سے مانتے ہیں۔ کہ قرآن اور صحیح بخاری سے مخالف نہ ہو۔ اور تیسرے درجہ پر صحیح ترمذی۔ ابن ماجہ۔ موطا۔ نسائی۔ ابوداؤد۔ دار قطنی کتب حدیث ہیں جن کی حدیثوں کو ہم اس شرط سے مانتے ہیں کہ قرآن اور صحیحین سے مخالف نہ ہوں۔ یہ کتابیں ہمارے دین کی کتابیں ہیں۔ اور یہ شرائط ہیں جن کی رو سے ہمارا عمل ہے۔ اب ہم قانونی طور پر آپ لوگوں کو ایسے اعتراضوں سے روکتے ہیں۔ جو خود آپ کی کتابوں اور آپ کے مذہب پر وارد ہوتے ہیں............ اور اگر آپ لوگ اب بھی یعنی اس نوٹس کے جاری ہونے کے بعد بھی اپنی خیانت پیشہ طبیعت اور عادت سے باز نہیں آئیں گے تو دیکھو ہم آپ کو ہلا ہلا کر متنبہ کرتے ہیں کہ اب یہ حرکت آپ کی صحت نیت کے خلاف سمجھی جائے گی اور محض دلازاری اور توہین کی مد میں متصور ہوگی اور اس صورت میں ہمیں استحقاق ہو گا کہ عدالت سے اس افتراء اور توہین اور دلازاری کی چارہ جوئی کریں۔ [۶۱]

برصغیر ہندو پاکستان موجودہ زمانے میں بھی مذاہب عالم کی جولان گاہ ہے مگر اس زمانے میں تو خاص طور پر یہاں ایک زبردست رسہ کشی جاری تھی جس میں اسلام کی مخالف سبھی طاقتیں متحد تھیں اور مسلمان بالکل بے دست و پا تھے۔ اور کسی ایسی آواز کے منتظر تھے جو انہیں ناموس مصطفیٰ اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کے لئے متحد کر دے۔ چنانچہ جونہی حضرت اقدس کی طرف سے یہ آئینی تحریک شروع ہوئی۔ ہندوستان کے ایک سرے سے لے کر دوسرے سرے تک بسنے والے ہر خیال کے مسلمانوں نے آپ کی پر زور تائید کی اور مختصر وقت میں بڑی گرمجوشی سے درخواست پر ہزاروں دستخط ہو گئے۔ دستخط کرنے والوں میں ملک کے نامی گرامی علماء' سرکاری افسر' وکلاء' تجار وغیرہ ہر طبقہ کے لوگ شامل تھے۔ [۶۲] برطانوی ہند کی تاریخ میں یہ پہلا موقعہ تھا۔ جب کہ مسلمان اختلاف مسلک کے باوجود ایک قومی مسئلہ پر مجتمع ہوئے اور اتحاد کا انتہائی خوشکن نظارہ دیکھنے میں آیا۔

نواب محسن الملک کا مکتوب

اس موقعہ پر نواب محسن الملک سید مہدی علی خاں۔ [۶۳] (۱۸۳۷ء۔۱۹۰۷ء) نے حضور کی اسلامی خدمات سراہتے ہوئے ۲۔ اکتوبر ۱۸۹۵ء کو بمبئی سے مندرجہ ذیل مکتوب لکھا۔ "جناب مولانا و مخدو منا دامت برکاتکم! بعد سلام مسنون عرض یہ ہے کہ آپ کا چھپا ہوا خط مع مسودہ درخواست کے پہنچا۔ میں نے اسے غور سے پڑھا اور اس کے تمام مالہ و ماعلیہ پر خیال کیا۔ درحقیقت دینی مباحثات و مناظرات [۶۴] (میں) جو دل شکن اور جیسی درد انگیز باتیں لکھی اور کہی جاتی ہیں وہ دل کو نہایت بے چین کرتی ہیں۔ اور اسے ہر شخص کو جسے ذرا بھی اسلام کا خیال ہو گا۔ روحانی تکلیف پہنچتی ہے۔ خدا آپ کو اجر دے کہ آپ نے دلی جوش سے مسلمانوں کو اس طرف متوجہ کرنا چاہا ہے۔ یہ کام بھی آپ کا منجملہ اور بہت سے کاموں کے ہے۔ جو آپ مسلمانوں کے بلکہ اسلام کے لئے کرتے ہیں۔ یہ تجویز جو آپ فرماتے ہیں گورنمنٹ سے منظور ہو جاوے تو اس میں شبہ نہیں کہ وہ مہلک بیماری جو وبا کی طرح پھیل رہی ہے اور جس سے ایک مذہبی آدمی کو بہت تکلیف پہنچتی ہے جاتی رہے۔ لیکن بلحاظ اصول سیاست گورنمنٹ کے مجھے امید نہیں کہ گورنمنٹ ایسا قانون جاری کرنا پسند کرے۔ اور ان دو شرطوں کو جن کا آپ نے مشروط ہونا تجویز فرمایا ہے۔ برٹش گورنمنٹ قانون کے پیرایہ میں ظاہر کر سکے۔ یہ صرف میری ہی رائے نہیں ہے۔ بلکہ ہر شخص جس کو گورنمنٹ کے قانون بنانے کے اصول سے واقفیت ہے یہی خیال رکھتا ہے۔ اور جب کہ گورنمنٹ سے اس کی منظوری کی امید نہیں ہے۔ تو درخواست سے کیا فائدہ۔ اگر یہ خیال نہ ہوتا تو میں حضرت کے بھیجے ہوئے کاغذ پر دستخط کر کے فوراً واپس کرتا۔ مجھے امید ہے کہ اس معاملہ میں جو کچھ آپ کا خیال ہو گا اس سے وقتاً فوقتاً آپ مجھے مطلع فرمائیں گے۔ آپ یقین رکھیے کہ میں ایسے کاموں میں جن سے اسلام پر جو حملے ہوتے ہیں وہ روکے جائیں اور مسلمان کو جو تکلیف پہنچائی جاتی ہے اس میں تخفیف ہو دل و جان سے مدد کرنے کے لئے موجود ہوں۔ فقط زیادہ نیاز و بس۔ آپ کا خادم محسن الملک"۔ [۶۵]

مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی کی غیر اسلامی روش

مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی تنہا وہ انسان تھے جنہوں نے مخالفت کا برملا اور تحریری اظہار کیا اور بجائے تائید کرنے یا کم از کم خاموش رہنے کے "دجال کادیانی کی نئی چال" کے عنوان سے ایک ٹریکٹ شائع کر ڈالا۔ جس میں یہ مخالفانہ پراپیگنڈا کیا۔ کہ "کادیانی کا مقصود اس تجویز سے مسلمانوں کو اپنی خیر خواہی جتانا اور اس ذریعہ سے ان کا مال مارنا ہے۔ اور اس تجویز کا اس کے ہاتھ سے انجام پذیر ہونا دو وجہ سے ناممکن ہے۔ اول یہ کہ وہ خود اس جرم کا

مرتکب ہے جس کو اس درخواست سے ہٹانا چاہتا ہے - دوم یہ کہ اس کی لائلٹی (وفاداری) مشتبہ ہے - کوئی مسلمان وفادار گورنمنٹ یہ کام کرے تو یہ انجام پذیر ہو سکتا ہے - [۶۶] نیز لکھا کہ یہ کام فقط مجھ ہی سے کامیاب طریق پر انجام پذیر ہو گا - کسی دوسرے سے نہیں - مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی کا یہ بیان حضرت اقدسؑ کی خدمت میں ۲۱ - اکتوبر ۱۸۹۵ء کو پہنچا - حضورؑ کے پیش نظر تو اپنے آقا و مولیٰ نبی کریم ﷺ کی عزت و ناموس کا کام تھا - کوئی کریڈٹ لینا مقصود نہیں تھا - چنانچہ آپ نے اسی دن اشتہار شائع کرتے ہوئے اعلان کر دیا - کہ میں یہ مقدس ذمہ داری مولوی صاحب موصوف کو سونپتا ہوں - یہ اعلان اس وقت کیا گیا تھا - جب کہ یہ تحریک پنجاب اور ہندوستان کے کونے کونے میں پورے زور شور سے جاری تھی اور اس پر دستخط کر کے بھجوانے والوں کی تعداد دو ہزار پچھتر تک پہنچ چکی تھی - اور ابھی بہت سے شہروں سے اطلاعات آنا باقی تھیں اور اس کی مقبولیت میں روز بروز اضافہ ہو رہا ہے -

مگر افسوس مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی نے جنہیں یہ اہم دینی خدمت سپرد کی گئی تھی اس تحریک سے کھلی غداری کی اور ایک اہم کام کھٹائی میں پڑ گیا - نتیجہ یہ ہوا کہ ملک کی فضا بد سے بد تر صورت اختیار کر گئی اور معاندین اسلام پہلے سے بھی زیادہ بے باکی کا مظاہرہ کرنے لگے - چنانچہ ۱۸۹۷ء میں ایک متعصب عیسائی احمد شاہ شائق نے "امہات المومنین" جیسی اشتعال انگیز کتاب لکھ کر مسلمانوں میں آگ لگا دی - حضرت اقدسؑ نے یہ صورت دیکھ کر حکومت کو پھر توجہ دلائی کہ وہ مذہبی مباحثات کی اصلاح کے لئے قانون کی توسیع کرے بلکہ ہنگامی حالات کے پیش نظر یہ بھی تجویز پیش فرمائی - کہ وقتی طور پر یہ قانون بنا دیا جائے کہ کوئی فریق کسی دوسرے فریق پر حملہ کرنے کا مجاز نہیں اسے محض اپنے مذہب کی خوبیاں بیان کرنے کی اجازت ہے - [۶۷] لیکن حکومت اب بھی اس طرف متوجہ نہ ہوئی - اور اصلاح احوال کے لئے اس نے کوئی قدم نہ اٹھایا - جس کا خمیازہ مسلمانوں کو آگے چل کر کتاب "رنگیلا رسول" اور رسالہ "ورتمان" کی شکل میں بھگتنا پڑا - اور فرقہ وارانہ کشیدگی خطرناک شکل اختیار کر گئی -

۱۸۹۵ء کے بعض صحابہ

۱۸۹۵ء کے واقعات بیان ہو چکے ہیں - اب آخر میں بعض خاص بزرگوں کا تذکرہ کیا جاتا ہے جو اس سال حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی بیعت سے مشرف ہوئے -

(۱) حضرت صوفی غلام محمد صاحب بی - اے مبلغ ماریشس - [۶۸]

(۲) حضرت بابا محمد حسن صاحب واعظ ۴۹ (۳) حضرت مرزا محمد اشرف صاحب۔ ۵۰۔ (۴) حضرت بھائی عبد الرحمٰن صاحب قادیانی ۵۱

حواشی

۱ - "سیرت المہدی" حصہ سوم صفحہ ۱۲۷
۲ - وفات ۲۷-۲- اکتوبر ۱۹۳۵ء عمر ۷۰ سال۔
۳ - "سیرت مسیح موعود" حصہ سوم صفحہ ۳۲۵-۳۲۶ مولفہ حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانی۔
۴ - "سیرت المہدی" حصہ سوم صفحہ ۱۲۶-۱۲۷
۵ - بدر ۱۲- جنوری ۱۹۰۶ء صفحہ ۸ کالم نمبر ۳
۶ - "ضیاء الحق"
۷، ۸ اخبار بدر ۱۰- جنوری ۱۹۰۵ء صفحہ ۳
۹ - سیرت المہدی حصہ سوم صفحہ ۲۲۶-۲۲۷
۱۰ - مشہور کتاب "عسل مصفی" کے مصنف وفات ۵- اپریل ۱۹۳۸ء
۱۱ - "منن الرحمٰن" صفحہ ۱۶-۱۷
۱۲ - اس حقیقت کے برعکس "مجدد اعظم" کے مؤلف جناب ڈاکٹر بشارت احمد صاحب نے لکھا ہے کہ تحقیق کرنے والے احباب میں "خواجہ کمال الدین صاحب مرحوم سب سے پیش پیش تھے" - (مجدد اعظم جلد اول صفحہ ۴۱۷)
۱۳ - "منن الرحمٰن" صفحہ ۱۲
۱۴ - "منن الرحمٰن" صفحہ ۱۰-۱۱
۱۵ - خواجہ کمال الدین صاحب نے اس تحقیق کا محض ابتدائی تعارف کرانے کے لئے ایک مختصر سی کتاب "ام الالسنہ" لکھی مگر حضرت اقدس کی قائم کردہ بنیادوں پر مفصل ریسرچ کرنے کی سعادت مکرم شیخ محمد احمد صاحب مظہر ایڈووکیٹ لائلپور خلف الرشید حضرت منشی ظفر احمد صاحب کے حصہ میں آئی جنہوں نے برسوں کی محنت و کاوش سے دنیا کی مشہور زبانوں سنسکرت، انگریزی، لاطینی، جرمنی، فرانسیسی، چینی، فارسی اور ہندی کے گہرے اشتراک اور عربی کے ام الالسنہ ہونے کا نظریہ پوری شرح و بسط سے نمایاں کیا ہے اور حضرت مسیح موعودؑ کے بیان فرمودہ اصول و اشارات کی روشنی میں ان زبانوں کے بیس ہزار الفاظ کے حل کرنے میں بڑی کامیابی حاصل کرلی ہے آپ کی تحقیق کا ایک ابتدائی حصہ ماہنامہ "الفرقان" اپریل مئی ۱۹۵۶ء میں شائع ہو چکا ہے اور اب اس کی اشاعت رسالہ "ریویو اف ریلیجنز" انگریزی میں بھی ہو رہی ہے۔ آپ کے قلم سے اس سلسلہ میں بیش بہا لٹریچر چھپ چکا ہے۔
۱۶ - حضرت سیدۃ النساء ام المومنین رضی اللہ عنہا کے چھوٹے بھائی اور حضرت مسیح موعودؑ کے اکابر صحابہ میں سے تھے ۱۸- جولائی ۱۸۸۱ء کو پیدا ہوئے اور ۱۸- جولائی ۱۹۴۷ء کو وفات پائی اور بہشتی مقبرہ میں دفن ہوئے۔ حضرت میر صاحب کے علو مرتبت کا اندازہ اس سے لگ سکتا ہے کہ آپ کے مزار مبارک کا کتبہ خود حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ کا تحریر فرمودہ ہے جس میں حضور نے لکھا "حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام کو ان سے بہت محبت تھی۔ اور ان کے تمام کاموں میں آپ دلچسپی لیتے تھے اسی طرح حضرت میر صاحب کا بھی آپ کے ساتھ عاشقانہ تعلق تھا۔ بھائیوں میں حضرت ام المومنین کو میر محمد اسمٰعیل صاحب سے زیادہ محبت تھی۔ نہایت ذہین اور زکی تھے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جب خطبہ الہامیہ دیا تو آپ نے اس ارشاد کو سن کر کہ لوگ اسے یاد کریں انہوں نے چند دنوں میں ہی سارا خطبہ یاد کر کے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو سنا دیا تھا۔ باوجود نہایت کامیاب ڈاکٹر ہونے کے اور بہت بڑی کمائی کے قابل ہونے کے زیادہ تر پریکٹس سے بچتے رہے اور غرباء کی خدمت کی طرف اپنی توجہ رکھتے تھے پنشن کے بعد قادیان آگئے لیکن بوجہ صحت کی خرابی کے کوئی باقاعدہ کام سلسلہ کا نہیں لے سکے بلکہ جب طبیعت اچھی ہوتی تھی الفضل میں مضامین لکھ دیا کرتے۔ بہرحال میر محمد اسمٰعیل صاب حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام کے صحابہ میں سے تھے اور آپ کے منظور نظر تھے۔ آپ کی وفات کے بعد تمام ابتلاؤں میں سے گزرتے ہوئے سلسلہ کی

بہت سی خدمات بجالانے کا آپ کو موقعہ ملا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے روحانی مدارج کو بلند فرمائے"۔(الفضل ۲۲۔جون ۱۹۵۲ء صفحہ ۴)

۱۷ - "سیرت المہدی" حصہ سوم صفحہ ۷او صفحہ ۲۰۱

۱۸ - "مرہم عیسیٰ" کا جب انکشاف ہوا تو حکیم محمد حسین صاحب (ابن حضرت میاں چراغ الدین صاحب رئیس اعظم لاہور) نے ایک انگریزی طبی ڈکشنری سے مرہم کا اصل نسخہ حاصل کر کے مرہم تیار کی اور اشتہار دیا کہ حضرت مسیح تو بیماروں کو اچھا کرتے تھے مگر اس مرہم نے حضرت مسیح کو تندرست کر دیا۔ اس اشتہار پر حکیم محمد حسین صاحب پر انگریزی عدالت میں مقدمہ چلایا گیا۔ جب یہ مقدمہ ہائی کورٹ میں پیش ہوا۔ تو سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنے قلم مبارک سے ایک مدلل بیان تحریر فرمایا جس کا انگریزی ترجمہ خواجہ کمال الدین صاحب نے کیا تھا۔ خواجہ صاحب نے جب عدالت میں یہ بیان پڑھ کر سنایا تو پادری اور عیسائی حیران رہ گئے۔ حضرت مسیح موعودؑ کو قبل از وقت الہاماً خبر دی گئی تھی کہ "حسین کو ٹیپوؤں کے شر سے بچایا گیا ہے"۔ سو ایسا ہی عمل میں آیا۔ اور بڑی بحث کے بعد جج کو یہ فیصلہ دینا پڑا۔ کہ "مرہم عیسیٰ" کا اشتہاری نام تو ضرور ہے مگر وجہ تسمیہ بدل دی جائے اس کامیابی پر اسلامی اخبارات نے مبارک بادی اور حکیم صاحب کا نام مرہم عیسیٰ مشہور ہو گیا (مقدمہ کی تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو "طبی ماۃ عامل" مولفہ حکیم محمد حسین صاحب مرہم عیسیٰ)

۱۹ - ملاحظہ ہو "نور القرآن" و "ست بچن"

۲۰ - رسالہ "ضربت عیسوی" مطبوعہ ۱۹۰۳ء صفحہ (۱۳۹) شائع کردہ پنجاب ریلیجس بک سوسائٹی انارکلی لاہور۔

۲۱ - "مسیح ہندوستان میں" میں طبع دوم صفحہ ۵۱

۲۲ - "تاریخ بشارت السند و پاکستان" صفحہ ۱۲ شائع کردہ پنجاب ریلیجس بک سوسائٹی لاہور

۲۳ - رسالہ "المنار" جلد ۱۵ صفحہ ۹۰۰-۹۰۱

۲۴ - الفضل ۱۰-۱۱-اپریل ۱۹۵۸ء اور ۴-جولائی ۱۹۵۹ء سے ماخوذ

۲۵ - رسالہ البشریٰ حیفا فلسطین جلد ۲۱ ۱۹۵۵ء

۲۶ - الزامی جواب علم کلام کی تاریخ میں ایک پرانا مگر کامیاب حربہ ہے جسے آپ سے پہلے متعدد بزرگوں نے استعمال کیا ہے۔ چنانچہ حضرت شاہ عبد العزیزؒ (۱۷۴۶-۱۸۲۳ء) کے متعلق لکھا ہے کہ ایک دفعہ ایک پادری ان کی خدمت میں آیا اور سوال کیا کہ آپ کے پیغمبر حبیب خدا ہیں؟ حضرت شاہ صاحب نے فرمایا ہاں۔ وہ کہنے لگا تو پھر انہوں نے امام حسینؓ کے قتل کے وقت خدا سے فریاد کیوں نہ کی۔ یا یہ فریاد سنی نہ گئی؟ فرمایا۔ حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے فریاد تو کی تھی لیکن انہیں جواب آیا کہ تمہارے نواسے کو قوم نے ظلم سے شہید کیا ہے۔ لیکن ہمیں اس وقت اپنے بیٹے عیسیٰ کا صلیب پر چڑھنا یاد آ رہا ہے"۔ (رود کوثر طبع سوم صفحہ ۵۶۷-۵۶۸ (از جناب شیخ محمد اکرام صاحب ایم۔اے)

۲۷ - "نور القرآن" حصہ دوم طبع اول صفحہ ۵۔

۲۸ - "نزول المسیح" صفحہ ۲۰۴

۲۹ - "ست بچن" صفحہ ۲۶-۳۳ طبع اول و "سیرت المہدی" حصہ سوم صفحہ ۱۷۳

۳۰ - "ست بچن" طبع اول صفحہ ۳۲-۳۶

۳۱ - "سیرت المہدی" حصہ سوم صفحہ ۱۷۳

۳۲ - الحکم ۱۰-جون ۱۹۰۱ء صفحہ ۱۵

۳۳ - ایک سکھ فاضل بھائی دیر سنگھ ڈی لٹ نے ۱۸۹۹ء میں لکھا تھا کہ "ست بچن" کے اثر سے کئی سکھ شیخ صاحب میں تبدیل ہو چکے ہیں"۔ ملاحظہ ہو اخبار خالصہ سماچار امرت سر ۸-دسمبر ۱۸۹۹ء و اخبار خالصہ سماچار اردھ شتابدی نمبر ۱۹۵۰ء

۳۴ - سوانح عمری پنڈت لیکھرام آریہ مسافر صفحہ ۱۰۱ مصنفہ گنڈا رام بحوالہ "تحریک احمدیت کا سکھوں پر اثر" (مولفہ گیانی واحد حسین صاحب)

۳۵ - جنم ساکھی بھائی بالا صفحہ ۳۴۸ مطبوعہ مفید عام پریس لاہور۔

۳۶ - ترجمہ از گوروپدنر نے حصہ دوم صفحہ ۴

۳۷ - تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو کتاب "تحریک احمدیت کا اثر سکھوں پر" (مطبوعہ ۱۹۴۵ء شائع کردہ مکتبہ احمدیہ قادیان)

۳۸ - تبلیغ رسالت" جلد چہارم صفحہ ۴۸ حاشیہ

۳۹ - "دفعہ ۲۹۸۔ جو کوئی شخص سوچ بچار کر مذہب کی نسبت کسی شخص کا دل دکھانے کی نیت سے کوئی بات کہے یا کوئی آواز نکالے جس کو وہ شخص سن سکے یا اس شخص کے پیش نظر کوئی حرکت کرے یا کوئی شے اس کے پیش نظر رکھے تو شخص مذکور کو دونوں قسموں میں سے کسی قسم کی قید کی سزا دی جائے گی۔ جس کی میعاد تین ہفتے تک ہو سکتی ہے یا جرمانہ کی سزا یا دونوں سزائیں دی جائیں"۔ (مجموعہ قوانین تعزیرات ہند یعنی ایکٹ ۴۵-۱۸۶۰ء)

۴۰ - آریہ دھرم صفحہ ۶۹ طبع اول

۴۱ - آریہ دھرم صفحہ ۷۴-۷۵ طبع دوم

۴۲ - ۷۰۴ درخواست کنندگان کی ایک ابتدائی فہرست حضرت اقدس ؑ نے "آریہ دھرم" میں بھی شائع فرمائی۔

۴۳ - سرسید احمد خاں مرحوم کے سیاسی جانشین، علی گڑھ کالج اور ایجوکیشنل کانفرنس کے مہتمم اور آل انڈیا مسلم لیگ کے پہلے سیکرٹری تھے۔ مفصل سوانح کے لئے دیکھئے "موج کوثر" (از شیخ محمد اکرام ایم۔اے)

۴۴ - یہ لفظ اصل خط میں سہواً رہ گیا ہے۔ (مرتب)

۴۵ - الحکم ۷۔ اگست ۱۹۳۴ء صفحہ ۹

۴۶ - اشاعۃ السنہ جلد ۱۶ نمبر ۱۲ صفحہ ۳۶۱

۴۷ - اشتہار ۲۴۔ فروری ۱۸۹۸ء مندرجہ تبلیغ رسالت جلد ہفتم صفحہ ۱۶

۴۸ - ولادت ۱۸۸۱ء وفات ۱۷'۱۸۔ اکتوبر ۱۹۴۷ء آپ ان خوش قسمت وجودوں میں سے تھے جنہوں نے ۱۹۰۷ء میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تحریک وقف زندگی پر لبیک کہی اور پھر خلافت ثانیہ کے عہد مبارک میں ۱۲ سال تک ماریشس میں تبلیغ حق کی جہاد کی توفیق پائی۔ حضرت صوفی صاحب حافظ قرآن بھی تھے اور ان کی آواز میں حضرت مولانا عبدالکریم صاحب کا مخصوص وجد آفرین رنگ پایا جاتا تھا آپ ابھی بچے ہی تھے کہ باپ کا سایہ سر سے اٹھ گیا اور آپ حضرت چوہدری رستم علی صاحب ؓ کی کفالت میں آگئے۔ اور انہی کے طفیل قادیان میں تعلیم پائی اور سلسلہ احمدیہ سے وابستہ ہوئے۔

۴۹ - حضرت منشی عبدالعزیز صاحب اوجلوی کے بھائی اور احمدیہ مشن انڈونیشیا کے پہلے مبلغ مولانا رحمت علی صاحب کے والد ماجد!! آپ ابتداء سلسلہ کے شدید مخالف تھے لیکن بالآخر مسلسل دعاؤں کے نتیجہ میں انہیں بذریعہ رؤیا قادیان اور مسجد اقصیٰ کا حقیقی منظر دکھایا گیا اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی زیارت نصیب ہوئی اور بتایا گیا کہ حضور ہی امام الزمان ہیں۔ اب چونکہ حق پوری طرح کھل چکا تھا اس لئے آپ اپنے بھائی کے ہمراہ فوراً قادیان پہنچے اور بیعت کرکے آسمانی سلسلہ میں شامل ہو گئے۔ ۱۹۰۲ء میں قادیان کی مستقل ہجرت کی۔ آپ کو موصی نمبر ا ہونے کا قابل فخر اعزاز بھی حاصل ہے حضرت مسیح موعود کی تحریک وقف زندگی میں آپ نے بھی اپنا نام پیش کیا تھا۔ چنانچہ آپ نے اس عہد کو نباہتے ہوئے پوری عمر وعظ و تلقین میں گزار دی۔ وفات ۲۰۔ جولائی ۱۹۴۹ء کو بمقام چنیوٹ ہوئی۔

۵۰ - ولادت ۱۸۶۸ء وفات ۱۴۔ نومبر ۱۹۴۷ء۔ حضرت منشی جلال الدین صاحب بلانوی کے فرزند تھے ۱۹۰۶ء میں قادیان کی ہجرت اختیار کی۔ آپ کو ربع صدی سے زائد عرصہ تک سلسلہ کی جلیل القدر خدمات کی توفیق ملی یکم جنوری ۱۹۰۷ء کو جب کہ صدر انجمن احمدیہ کے دفتر محاسب میں محرر متعین ہوئے اور پھر اپنے ذہن رسا اور حسن کارکردگی کی بدولت ۱۹۱۲ء میں آڈیٹر بنے۔ اور پھر ۱۹۲۲ء سے ۱۹۳۲ء تک محاسب کے عہدے پر فائز رہے۔ مئی ۱۹۳۲ء میں آپ صدر انجمن احمدیہ کی ملازمت سے ریٹائرڈ ہوئے۔ لیکن اس کے بعد جب اراضیات سندھ کا کام شروع ہوا تو ستمبر ۱۹۳۲ء میں آپ کو ناظم جائیداد مقرر کیا گیا اور اس عہدہ پر آپ نے مزید پانچ سال تک خدمات سرانجام دیں۔ حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہ العزیز نے آپ کے ریٹائر ہونے پر تقریر کرتے ہوئے فرمایا "مرزا محمد اشرف صاحب کو میں نے دیکھا ہے اور ان کی یہ بات مجھے ہمیشہ پسند آئی کہ وہ اس طرح کام کرتے ہیں۔ جس طرح ایک عورت اپنے گھر میں کام کرتی ہے وہ جانتی ہے کہ اس کے پاس کتنا سرمایہ ہے اور وہ اس سے کس

طرح بہتر سے بہتر کام لے سکتی ہے اور کوشش کرتی ہے کہ قلیل سے قلیل رقم میں سب کام نپٹالوں - ان کے اندر ہمیشہ یہی روح کام کرتی رہی ہے کہ سلسلہ کا صیغہ مالیات مضبوط چٹان کی طرح ہو - اور چونکہ میرے اپنے خیالات کی رو بھی اسی طرف ہے اس لئے مجھے ہمیشہ خوشی ہوتی تھی - اور ہمیشہ اطمینان رہتا تھا کہ مالیات کی باگ ایک ایسے شخص کے ہاتھ میں ہے جو صحیح طور پر چلا رہا ہے"۔(الفضل ۲۲- مئی ۱۹۳۲ء) حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے آپ کا ذکر تتمہ حقیقۃ الوحی (صفحہ ۵۷) میں فرمایا ہے۔

۵۱ - سن ولادت ۱۸۷۵ء؁ حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور آپ کے خاندان کے سچے عاشق - مجسم اخلاص اور فدائیت کی روح رکھنے والے بے نفس بزرگ ہیں - ہندوؤں میں سے مسلمان ہوئے پہلا نام مہتہ ہریش چندر تھا - سیدنا حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ ۱۹۲۴ء کے پہلے سفر یورپ میں ان کو ساتھ لے گئے تھے ایک لمبے عرصہ تک سلسلہ کے متعدد اخبارات وسائل کے طابع و ناشر رہے انہوں نے اپنے قبول اسلام و احمدیت کے ایمان افروز حالات اخبار الحکم (۲۱- اپریل تا ۱۴- جون ۱۹۳۸ء) میں بڑی شرح و بسط سے شائع کر دیئے ہیں - جن سے حضرت اقدس مسیح موعودؑ کے مقدس زمانے کا دلکش نقشہ آنکھوں کے سامنے آجاتا ہے - حضرت بھائی صاحب ان دنوں دیار حبیب (قادیان) میں درویشانہ زندگی بسر کر رہے ہیں - (یہ بابرکت وجود ۵'۶- جنوری ۱۹۶۱ء کو اپنے خالق حقیقی سے جاملا)

ماموریت کا پندرھواں سال

تعطیل جمعہ کی تحریک

(۱۸۹۶ء)

۱۸۹۶ء کا آغاز ایک دوسری تحریک سے ہوا جو تعطیل جمعہ سے متعلق تھی۔ جمعہ کی عظمت و فرضیت قرآن و احادیث سے نمایاں اور مسلمانان عالم کے نزدیک مسلم ہے جہاں جہاں اسلامی حکومتیں قائم رہیں انہوں نے اس شعار اسلامی کے قیام و بقاء کا خاص خیال رکھا۔ اسی طرح جس وقت سے ہندوستان میں اسلامی سلطنت کی بنیاد پڑی اسی وقت سے جمعہ کی تعطیل بھی جاری ہوئی اور آخر تک جاری رہی بلکہ مسلمان حکومت کے خاتمہ کے بعد بھی مدت تک بعض ہندو ریاستوں میں جمعہ کی سرکاری تعطیل ہوتی رہی۔ لیکن جب انگریز ملک پر قابض ہوئے تو اتوار کی تعطیل شروع ہو گئی اور مسلمان بالعموم اس مقدس دن کی برکتوں سے محروم رہ گئے۔ سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام چونکہ احیائے دین کے لئے تشریف لائے تھے اس لئے آپ نے یکم جنوری ۱۸۹۶ء کو مسلمانان ہند کی طرف سے وائسرائے ہند کے نام اشتہار شائع کیا[۱] جس میں اسلامی نقطہ نگاہ سے جمعہ کی اہمیت واضح کر کے درخواست کی کہ وہ مسلمانوں کے لئے جمعہ کی تعطیل قرار دیں۔

اس سے قبل مسلمانوں نے کئی دفعہ اس تجویز کا ارادہ کیا لیکن یہ سوچ کر کہ ایک غیر اسلامی گورنمنٹ سے اس کے قبول کرنے کی امید نہیں ہو سکتی وہ دستکش ہو گئے۔[۲]

مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی کی پرزور مخالفت

حضرت اقدس نے یہ تحریک اٹھاتے ہوئے بالخصوص علماء کو توجہ دلائی۔ کہ "وہ بھی دستخط کرنے سے ثواب آخرت حاصل کریں۔ یہ فرض کیا کہ ہم ان کی نظر میں کافر اور بے دین ہیں۔ مگر اس بے دلیل خیال سے اس نیکی سے محروم نہ رہ جائیں یونہی سمجھ لیں کہ کبھی دین کو خدا تعالیٰ فاسقوں کے ذریعہ سے بھی مدد دیتا ہے۔[۳] لیکن مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی اور ان

کے زیر اثر علماء نے اس موقعہ پر بھی اختلاف کا افسوسناک مظاہرہ کرتے ہوئے اس کی مخالفت میں ایڑی چوٹی کا پورا زور صرف کر دیا۔ چنانچہ لکھا۔ "چونکہ وہ در پردہ دشمن اسلام اور دہریہ ہے اور موجودہ ہیئت اسلام و مسلمانوں کو درہم برہم کرنا چاہتا ہے لہٰذا کچھ بعید نہیں کہ یہ درخواست اس نے اسی غرض سے تجویز کی ہو کہ یہ درخواست گورنمنٹ سے نامنظور ہو تو موجودہ حالت (افسران بالادست کی خاص اجازت) بھی جاتی رہے اور جمعہ جماعت کا بکھیڑا دور ہو تا نظر آوے۔" [۴]

مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی کی اس حاسدانہ کارروائی سے وقتی طور پر یہ تحریک دب گئی مگر بالآخر مولانا نورالدین حضرت خلیفۃ المسیح اول رضی اللہ عنہ کے عہد میں حکومت نے یہ تجویز منظور کر لی۔ [۵]

امیر کابل کے نام تبلیغی خط

سیدنا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام نے مارچ یا اپریل ۱۸۹۶ء مطابق شوال ۱۳۱۳ھ میں والئی کابل امیر عبدالرحمٰن خاں (۱۸۴۴-۱۹۰۱ء) کے نام ایک تبلیغی خط بھیجا [۶] یہ خط حضرت مولوی عبدالرحمٰن صاحب شہید لے کر گئے تھے۔ جناب خواجہ حسن نظامی صاحب دہلوی نے ایک مرتبہ اپنے اخبار "منادی" میں لکھا تھا کہ امیر کابل نے اس خط کے موصول ہونے پر فقط یہ جواب دیا کہ "اینجا بیا"۔ اور مقصد یہ تھا کہ کابل میں آکر دعویٰ کرو۔ تو نتیجہ معلوم ہو جائے گا۔ [۷] لیکن اس کا کوئی قطعی ثبوت معلوم نہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی بعض تحریرات سے صرف اتنا ثابت ہوتا ہے۔ کہ بعد کو جب مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی کابل گئے تو انہوں نے امیر کابل کو مشتعل کرنے کا کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کیا۔ چنانچہ مولوی صاحب نے واپس آنے کے بعد یہ مشہور کر دیا۔ کہ مرزا صاحب کابل جائیں تو زندہ واپس نہیں آسکیں گے۔ [۸]

بعض علماء کا کہنا ہے کہ امیر کابل کو جب حضرت مسیح موعودؑ کا تبلیغی خط پہنچا۔ تو انہوں نے کہا "مارا عمر باید نہ عیسیٰؑ۔ عیسیٰ در زمان خود چہ کردہ بود کہ بار دیگر آمد خواہد کرد"۔ یعنی ہمیں حضرت عمر فاروق کی ضرورت ہے۔ حضرت عیسیٰؑ کی ضرورت نہیں۔ انہوں نے بعثت اولیٰ میں کیا کامیابی حاصل کی تھی؟ [۹]

مخالف عالموں اور سجادہ نشینوں کو مباہلے کی دعوت

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کو اپنے دعویٰ الہام پر بیس برس سے زائد عرصہ گزر چکا تھا جو

آپ کی صداقت کا کھلا کھلا خدائی نشان تھا۔ جب آپؑ نے الہام پانے کا دعویٰ کیا تو آپ جوان تھے لیکن اب آپ بوڑھے ہو چکے۔ آپ کے بہت سے دوست اور عزیز جو آپ سے چھوٹے تھے فوت ہو گئے اور آپ کو اللہ تعالیٰ نے عمر دراز بخشی اور ہر میدان میں آپ کی نصرت و تائید فرمائی۔ اور ہر مشکل میں آپ کا متکفل و متولی رہا۔ مگر آسمانی عدالت کا یہ عملی فیصلہ دیکھ کر بھی چونکہ خدا ناترس علماء اور سجادہ نشین ابھی تک آپ کے مفتری و کذاب ہونے کی رٹ لگا رہے تھے اس لئے حضور نے خدا کے حکم [۱۰] سے اس سال ہندوستان کے تمام قابل ذکر مخالف عالموں اور سجادہ نشینوں کا نام لے لے کر ان کو مباہلہ کی فیصلہ کن دعوت دی۔ [۱۱]

الفاظ مباہلہ اس دعوت کے ساتھ حضور نے مباہلہ کے الفاظ بھی از خود لکھ دیئے۔ چنانچہ لکھا "تاریخ اور مقام مباہلہ کے مقرر ہونے کے بعد میں ان تمام الہامات کو جو لکھ چکا ہوں اپنے ہاتھ میں لے کر میدان مباہلہ میں حاضر ہوں گا اور دعا کروں گا کہ یا الٰہی اگر یہ الہامات جو میرے ہاتھ میں ہیں میرا ہی افترا ہے اور تو جانتا ہے کہ میں نے ان کو اپنی طرف سے بنا لیا ہے یا اگر یہ شیطانی وساوس ہیں اور تیرے الہام نہیں۔ تو آج کی تاریخ سے ایک برس گزرنے سے پہلے مجھے وفات دے یا کسی ایسے عذاب میں مبتلا کر جو موت سے بدتر ہو اور اس سے رہائی عطا نہ کر جب تک کہ موت آجائے تا میری ذلت ظاہر ہو اور لوگ میرے فتنہ سے بچ جائیں کیونکہ میں نہیں چاہتا کہ میرے سبب سے تیرے بندے فتنہ اور ضلالت میں پڑیں۔ اور ایسے مفتری کا مرنا ہی بہتر ہے۔ لیکن اے علیم و خبیر اگر تو جانتا ہے کہ یہ تمام الہامات جو میرے ہاتھ میں ہیں تیرے ہی الہام ہیں اور تیرے ہی منہ کی باتیں ہیں تو ان مخالفوں کو جو اس وقت حاضر ہیں ایک سال کے عرصہ تک نہایت سخت دکھ کی مار میں مبتلا کر۔ کسی کو اندھا کر دے۔ اور کسی کو مجذوم اور کسی کو مفلوج اور کسی کو مجنون اور کسی کو سانپ یا سگ دیوانہ کا شکار بنا۔ اور کسی کے مال پر آفت نازل کر اور کسی کی جان پر اور کسی کی عزت پر اور جب میں یہ دعا کر چکوں تو دونوں فریق کہیں کہ آمین۔ ایسا ہی فریق ثانی کی جماعت میں سے ہریک شخص جو مباہلہ کے لئے حاضر ہو جناب الٰہی میں یہ دعا کرے۔ کہ اے خدائے علیم و خبیر ہم اس شخص کو جس کا نام غلام احمد ہے دراصل کذاب اور مفتری اور کافر جانتے ہیں۔ پس اگر یہ شخص درحقیقت کذاب اور مفتری اور کافر اور بے دین ہے اور اس کے یہ الہام تیری طرف سے نہیں بلکہ اپنا ہی افتراء ہے تو اس امت مرحومہ پر یہ احسان کر کہ اس مفتری کو ایک سال کے اندر ہلاک کر دے تا لوگ اس کے فتنہ سے امن میں آجائیں۔ اور اگر یہ مفتری نہیں اور تیری طرف سے ہے اور یہ تمام الہام تیرے ہی منہ کی باتیں ہیں تو ہم پر جو اس کو کافر اور کذاب سمجھتے ہیں دکھ اور ذلت سے بھرا ہوا عذاب ایک برس کے اندر نازل کر۔

اور کسی کو اندھا کر دے اور کسی کو مجذوم اور کسی کو مفلوج اور کسی کو مجنون اور کسی کو مصروع اور کسی کو سانپ یا سگ دیوانہ کا شکار بنا اور کسی کے مال پر آفت نازل کر اور کسی کی جان پر اور کسی کی عزت پر اور جب یہ دعا فریق ثانی کر چکے تو دونوں فریق کہیں کہ آمین [۱۲]

اس کے ساتھ ہی حضورؑ نے یہ..... شرط بھی درج فرمائی کہ "میری بد دعا کا اثر صرف اس صورت میں سمجھا جاوے کہ جب تمام وہ لوگ جو مباہلہ کے میدان میں بالمقابل آویں ایک سال تک ان بلاؤں میں سے کسی نہ کسی بلا میں گرفتار ہو جائیں۔ اگر ایک بھی باقی رہا تو میں اپنے تئیں کاذب سمجھوں گا۔ اگرچہ وہ ہزار ہوں یا دو ہزار اور پھر ان کے ہاتھ پر توبہ کروں گا۔ اور اگر میں مر گیا تو ایک خبیث کے مرنے سے دنیا میں ٹھنڈ اور آرام ہو جائے گا۔ [۱۳]

حضرت اقدسؑ نے یہ دعوت باقاعدہ مطبوعہ شکل میں تمام مشہور علماء اور سجادہ نشینوں کو بذریعہ رجسٹری ارسال فرمائی۔ اور ان کے ناموں کی لمبی فہرست دے کر آخر میں یہ بھی احتیاطاً لکھا کہ ان حضرات میں سے اگر اتفاقاً کسی صاحب کو یہ رسالہ نہ پہنچا ہو تو وہ اطلاع دیں تا دوبارہ بذریعہ رجسٹری بھیجا جائے۔ [۱۴]

اس دعوت کے بعد آپ نے علماء و مشائخ کے سامنے یہ تجویز بھی رکھی کہ ان میں سے ہر شخص اپنے ہاں بیٹھے بٹھائے اشتہارات کے ذریعہ سے بھی مباہلہ کر سکتا ہے۔ [۱۵] لیکن افسوس کہ اس درجہ سہولت' اور غیرت دلانے والے الفاظ کے باوجود حضرت خواجہ غلام فرید صاحب چاچڑاں شریف اور حضرت پیر صاحب العلم سندھ کے سوا کوئی شخص ایسا نہ نکلا جو کھلم کھلا حضور کی تصدیق کرتا۔

دعوت مباہلہ مجسم نشان کی حیثیت اختیار کر گئی

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام نے اپنی دعوت میں لکھا تھا۔ کہ میں مباہلہ میں دعا کروں گا کہ "اے علیم و خبیر اگر تو جانتا ہے کہ یہ تمام الہامات جو میرے ہاتھ میں ہیں تیرے ہی الہام ہیں اور تیرے منہ کی باتیں ہیں تو ان مخالفوں کو جو اس وقت حاضر ہیں۔ ایک سال کے عرصہ تک نہایت سخت دکھ کی مار میں مبتلا کر۔ کسی کو اندھا کر دے اور کسی کو مجذوم اور کسی کو مفلوج اور کسی کو مجنون اور کسی کو مصروع اور کسی کو سانپ یا سگ دیوانہ کا شکار بنا اور کسی کے مال پر آفت نازل کر اور کسی کی جان پر اور کسی کی عزت پر۔" اور گو مباہلہ کی نوبت نہیں آئی۔ لیکن یہ عجیب کرشمہ قدرت ہے کہ آپ کی زبان مبارک سے نکلے ہوئے الفاظ بے اثر ثابت نہیں ہوئے۔ بلکہ جو معاند علماء یا گدی نشین اپنی مخالفت پر بدستور قائم رہے انہیں اپنے جرم کی پاداش میں ان سزاؤں میں سے کسی نہ کسی سزا کو ضرور بھگتنا پڑا۔ چنانچہ مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی پہلے اندھے ہوئے پھر سانپ کے

ڈسنے سے مرے۔ مولوی عبد العزیز صاحب اور مولوی محمد صاحب لدھیانوی جو مشہور مکفرین میں سے تھے صرف تیرہ دن کے وقفے سے یکے بعد دیگرے اس جہان سے کوچ کر گئے اور ان کا پورا خاندان اجڑ گیا۔ مولوی سعد اللہ صاحب نو مسلم اور مولوی رسل بابا صاحب طاعون کا شکار ہوئے۔ مولوی غلام دستگیر صاحب قصوری نے اپنی کتاب "فتح رحمانی" صفحہ ۲۶-۲۷ میں آپ کے خلاف بددعا کی تھی وہ کتاب کی اشاعت سے قبل ہی اجل کے ہاتھوں پکڑے گئے۔ غرض ان مخالفانہ کارروائی جاری رکھنے والوں میں سے اکثر آپ کی زندگی میں ہی تباہ و برباد ہوئے۔ چنانچہ ۱۹۰۶ء تک ان مخالفین کی اکثریت کا خاتمہ ہو چکا تھا اور جو زندہ تھے۔ وہ بھی کسی نہ کسی بلا میں گرفتار تھے۔ [۱۶] آپ کی وفات کے بعد مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی اور مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری سلسلہ احمدیہ کے عروج کا مشاہدہ کرنے کے لئے دیر تک زندہ رہے اور بالآخر پے درپے صدمات سہ کر فالج سے راہی ملک عدم ہوئے۔ [۱۷]

حضرت خواجہ غلام فرید صاحب چاچڑاں شریف کی تصدیق

جیسا کہ اوپر ذکر ہو چکا ہے ان عالموں اور سجادہ نشینوں کے حلقے میں حضرت خواجہ غلام فرید صاحب وہ مرد مجاہد تھے جنہوں نے کھلے لفظوں سے آپ کی تصدیق فرمائی۔ چنانچہ انہوں نے دعوت مباہلہ کا اشتہار ملتے ہی ۲۷- رجب ۱۳۱۴ھ (مطابق جنوری ۱۸۹۷ء) کو حضرت اقدسؑ کے نام عربی میں عقیدت مندی کے جذبات سے مکتوب بھیجا کہ مباہلہ کا سوال ہی کیا ہے میں تو ابتدا ہی سے حضور کی تعظیم کرتا ہوں تا مجھے ثواب حاصل ہو۔ اور کبھی میری زبان پر تعظیم و تکریم اور رعایت آداب کے سوا آپ کے حق میں کوئی کلمہ جاری نہیں ہوا۔ حضرت اقدس نے یہ خط ضمیمہ "انجام آتھم" میں شائع فرمادیا۔ اور آپ کی بڑی تعریف فرمائی کہ ہزاروں میں سے انہوں نے پرہیزگاری اور تقویٰ شعاری کا نور دکھلایا۔ آپ کا یہ کارنامہ کبھی فراموش نہیں ہو سکتا۔ یہ خط چھپا تو پہلے مولوی غلام دستگیر صاحب قصوری اور پھر مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی ان کے گاؤں پہنچے اور غزنوی خاندان کے بعض علماء نے انہیں مکذب بنانے کے لئے خطوط بھی بھیجے مگر آپ چونکہ بزرگ اور پاک باطن تھے اور خدا تعالیٰ نے آپ پر مسیح کی صداقت پوری طرح منکشف کر کے آپ کا سینہ نور صداقت سے منور کر رکھا تھا اس لئے آپ نے کسی کی بھی پروانہ کی اور ان خشک ملاؤں کو ایسے دنداں شکن جواب دیئے کہ وہ ساکت ہو گئے اور خدا تعالیٰ کے فضل سے آپ کا خاتمہ مصدق ہونے کی حالت میں ہوا۔ [۱۸]

حضرت پیر "صاحب العلم" کی شہادت

دوسرے مصدق حضرت پیر صاحب العلم تھے جو سندھ کے مشہور مشائخ میں سے تھے اور جن

کے مرید ایک لاکھ سے بھی متجاوز تھے انہوں نے آپ کی نسبت گواہی دی کہ "میں نے رسول اللہ ﷺ کو عالم کشف میں دیکھا۔ میں نے عرض کیا۔ یارسول اللہ (ﷺ) یہ شخص جو مسیح موعود ہونے کا دعویٰ کرتا ہے کیا یہ مفتری ہے یا صادق؟ حضور پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ صادق ہے اور خدا تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ چنانچہ انہوں نے ایک طرف تو عام مجلس میں کھڑے ہو کر اور ہاتھ میں عصا لے کر تمام حاضرین کو بلند آواز سے سنا دیا کہ میں حضرت اقدس مرزا صاحب کو ان کے دعوے میں حق پر جانتا ہوں اور ایسا ہی مجھے کشفاً معلوم ہوا ہے اور دوسری طرف انہوں نے حضرت اقدسؑ کی خدمت میں عقیدت مندانہ پیغام بھیجا کہ میں نے سمجھ لیا ہے کہ آپ حق پر ہیں۔ اب بعد اس کے ہم آپ کے امور میں شک نہیں کریں گے۔ اور آپ کی شان میں ہمیں کچھ شبہ نہیں ہو گا۔ اور جو کچھ آپ فرمائیں گے ہم وہی کریں گے۔ پس اگر آپ یہ ارشاد فرمائیں کہ امریکہ میں چلے جائیں تو ہم وہیں جائیں گے اور ہم نے اپنے تئیں آپ کے حوالہ کر دیا ہے اور انشاء اللہ ہمیں فرمانبردار پائیں گے۔

یہ باتیں ان کے خلیفہ عبداللطیف صاحب اور شیخ عبداللہ صاحب عرب نے حضرت اقدسؑ کی خدمت میں خود عرض کی تھیں۔[۱۹]

حواشی

۱ - تبلیغ رسالت جلد پنجم صفحہ ۷-۱۰
۲ - اشاعۃ السنہ جلد ۱۶ نمبر ۱۲ صفحہ ۲۷۳-۲۷۴
۳ - تبلیغ رسالت جلد چہارم صفحہ ۳۸-۷ ہو جلد پنجم صفحہ ۲
۴ - اشاعۃ السنہ جلد ۱۶ نمبر ۱۲ صفحہ ۲۷۳
۵ - تفصیل "خلافت اولیٰ" کے واقعات میں آئے گی۔
۶ - مفصل مکتوب کے لئے ملاحظہ ہو "الحکم" ۱۷- فروری ۱۹۰۷ء صفحہ ۸-۱۰
۷ - "حیات احمد" جلد چہارم صفحہ ۵۴۲-۵۴۴
۸ - "حقیقۃ المہدی" طبع اول صفحہ ۳
۹ - "عاقبۃ المکذبین" جلد اول صفحہ ۱۷ مطبوعہ ۲۰- اکتوبر ۱۹۳۶ء (مؤلفہ قاضی محمد یوسف صاحب آف ہوتی مردان)
۱۰- علماء وقت تو ۱۸۹۱ء سے آپ کو مباہلہ کا چیلنج دے رہے تھے لیکن حضور کو اس میں ایک عرصے تک تامل رہا۔ کیونکہ حضور مباہلہ کے لئے اتمام حجت ضروری سمجھتے تھے۔ دوسرے جزئی اختلاف کی وجہ سے جس کی بناء اجتہاد پر ہو مباہلہ کرنا آپ کے نزدیک سرے سے جائز ہی نہیں تھا چنانچہ حضور نے نواب محمد علی خان صاحب کو ایک خط میں لکھا "کسی جزئی میں حنفی حق پر نہیں اور کسی بھی شافعی حق پر اور کسی میں اہلحدیث۔ اب جب کہ فرض کیا جائے کہ سب فرقے اسلام کے جزئی اختلاف کی وجہ سے باہم مباہلہ کریں۔ اور خدا تعالیٰ اس پر جو حق پر نہیں عذاب نازل کرے تو اس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ اپنی اپنی خطا کی وجہ سے تمام فرقے اسلام کے روئے زمین سے نابود کئے جائیں اب ظاہر ہے کہ جس امر کے تجویز کرنے سے اسلام کا استیصال کرنا پڑتا ہے وہ خدائے تعالیٰ کے نزدیک جو حامی اسلام اور مسلمین ہے کیونکر جائز ہو گا۔ (مکتوبات احمدیہ جلد پنجم نمبر چہارم صفحہ ۱۱)
۱۱- چند مخاطب عالموں اور سجادہ نشینوں کے نام یہ ہیں۔ شیخ الکل مولوی نذیر حسین صاحب دہلوی۔ مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی۔ مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی۔ مولوی عبدالحق صاحب دہلوی مؤلف تفسیر حقانی۔ مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری مولوی عبدالجبار صاحب غزنوی۔ مولوی عبدالواحد صاحب غزنوی۔ مولوی عبدالحق صاحب غزنوی۔ مولوی غلام دستگیر صاحب قصوری۔ مولوی عبداللہ صاحب ٹونکی۔ حافظ عبدالمنان صاحب وزیر آبادی۔ مولوی محمد بشیر صاحب بھوپالی۔ غلام نظام الدین صاحب سجادہ نشین۔ نیاز احمد صاحب بریلوی۔ خواجہ غلام فرید صاحب چاچڑاں شریف۔ صادق علی شاہ صاحب رتڑ چھتڑ (ضلع گورداسپور) سید حسن شاہ صاحب مودودی دہلوی
۱۲- "انجام آتھم" طبع اول صفحہ ۶۵-۶۶
۱۳- "انجام آتھم" طبع اول صفحہ ۶۴-۶۷
۱۴- "انجام آتھم" صفحہ ۷۲
۱۵- ضمیمہ انجام آتھم (حاشیہ صفحہ ۳۳-۳۵)
۱۶- "حقیقۃ الوحی" طبع اول صفحہ ۲۲۷-۳۰۰ "عاقبۃ المکذبین" صفحہ ۳۳-۳۴ (مؤلفہ حضرت شاہزادہ عبدالمجید صاحب لدھیانوی
۱۷- سیرت ثنائی صفحہ ۲۷۳ حاشیہ و صفحہ ۳۹۷ حاشیہ (مؤلفہ جناب مولوی عبدالمجید صاحب سوہدروی)
۱۸ - حقیقۃ الوحی طبع اول صفحہ ۲۰۷ و "اشاعۃ السنہ" جلد ۱۸ نمبر ۵ صفحہ ۱۳۸-۱۳۹
۱۹- انجام آتھم صفحہ ۶۰

لاہور میں
"جلسہ مذاہب عالم"
اور
اسلام کی شاندار فتح

"جلسہ مذاہب عالم" میں اسلام کی شاندار فتح اور تصنیف و اشاعت "اسلامی اصول کی فلاسفی"

۱۸۹۶ء کا اختتام "جلسہ مذاہب عالم" ایسے عظیم الشان واقعہ سے ہوا جس میں دنیا کے ایک مشترکہ مذہبی پلیٹ فارم پر اسلام کو اور اسلام کے کامیاب وکیل ہونے کی حیثیت سے حضرت مسیح موعودؑ کو ایسی شاندار فتح نصیب ہوئی کہ رہتی دنیا تک یادگار رہے گی۔

جلسہ کا پس منظر ایک صاحب سوامی سادھو شوگن چندر نامی تھے۔ جنہیں بچپن سے ہی مذہب کی طرف میلان تھا۔ ابتدائی عمر میں کچھ عرصہ ملازمت اختیار کی مگر پھر سادھو بن گئے اور کنجاہ (گجرات) کے ایک فقیر سے ان کا تعلق ہو گیا۔ جس کے حکم پر وہ تین چار سال تک ہندوؤں کی کائستھ قوم کی اصلاح و خدمت کا کام کرتے رہے۔ آخر ۱۸۹۲ء میں دفعتہً انہیں خیال آیا کہ جب تک سب لوگ اکٹھے نہ ہوں کوئی فائدہ نہیں ہوگا وہ اس فکر میں رہے اور آخر یہ تجویز دل میں آئی کہ ایک مذہبی کانفرنس منعقد کی جائے چنانچہ اس نوعیت کا پہلا جلسہ اجمیر میں ہوا۔ اس کے بعد وہ دوسری کانفرنس کے لئے لاہور کی فضاء کو موزوں سمجھ کر یہاں اس کی تیاری میں لگ گئے۔ [1]

کانفرنس کے لئے انتظامات سوامی صاحب نے اسے عملی جامہ پہنانے اور جلسہ کے وسیع پیمانہ پر انتظامات کرنے کے لئے ایک کمیٹی بنائی جس کے پریذیڈنٹ ماسٹر درگا پرشاد اور چیف سیکرٹری ہائیکورٹ لاہور کے ایک ہندو پلیڈر لالہ دھنپت رائے بی اے۔ ایل۔ ایل۔ بی تھے۔ کمیٹی نے جلسہ کے لئے پانچ سوالات تجویز کئے:۔

اول:۔ انسان کی جسمانی ' اخلاقی اور روحانی حالتیں۔

دوم:۔ انسان کی زندگی کے بعد کی حالت یعنی عقبیٰ۔

سوم:۔ دنیا میں انسان کی ہستی کی اصل غرض کیا ہے اور وہ غرض کس طرح پوری ہو سکتی ہے؟

چہارم:۔ کرم یعنی اعمال کا اثر دنیا اور عاقبت میں کیا ہوتا ہے؟

پنجم:۔ علم یعنی گیان اور معرفت کے ذرائع کیا کیا ہیں؟ [2]

کانفرنس کے لئے ۲۶-۲۷-۲۸ دسمبر ۱۸۹۶ء کی تاریخیں قرار پائیں اور جلسہ گاہ کے لئے انجمن حمایت اسلام لاہور کے ہائی سکول کا احاطہ (متصل مسجد مولوی احمد علی شیرانوالہ دروازہ) حاصل کیا گیا۔ جلسہ کی کارروائی کے لئے مندرجہ ذیل چھ موڈریٹر صاحبان نامزد کئے گئے۔ (۱) رائے بہادر بابو پرتول چند صاحب جج چیف کورٹ پنجاب (۲) خان بہادر شیخ خدا بخش صاحب جج سال کاز کورٹ لاہور (۳) رائے بہادر پنڈت رادھا کشن صاحب کول پلیڈر چیف کورٹ سابق گورنر جموں (۴) حضرت مولوی حکیم نور الدین صاحب طبیب شاہی (۵) رائے بوانی داس صاحب ایم۔اے اکسٹرا اسٹلمنٹ آفیسر جہلم۔ (۶) جناب سردار جواہر سنگھ صاحب سیکرٹری خالصہ کمیٹی لاہور۔

اشتہار واجب الاظہار

سوامی شوگن چندر صاحب نے کمیٹی کی طرف سے جلسہ کا اشتہار دیتے ہوئے مسلمانوں، عیسائیوں اور آریہ صاحبان کو قسم دی کہ ان کے نامی علماء ضرور اس جلسے میں اپنے اپنے مذاہب کی خوبیاں بیان فرمائیں چنانچہ انہوں نے لکھا۔ "اس وقت یہ بندہ کل صاحبان مذہب کی خدمت میں جو اپنے اپنے مذہب کے اعلیٰ درجہ کے واعظ اور بنی نوع کی ہمدردی کے لئے سرگرم ہیں ادب و انکسار سے گزارش کرتا ہے کہ جو جلسہ اعظم مذاہب کا بمقام لاہور ٹاؤن ہال قرار پایا ہے۔ جس کی تاریخیں ۲۶-۲۷-۲۸ دسمبر ۱۸۹۶ء مقرر ہو چکی ہیں۔ اس جلسہ کے اغراض یہی ہیں کہ سچے مذہب کے کمالات اور خوبیاں ایک عام مجمع مہذبین میں ظاہر ہو کر اس کی محبت دلوں میں بیٹھ جائے اور اس کے دلائل اور براہین کو لوگ بخوبی سمجھ لیں اور اس طرح پر ہر ایک مذہب کے بزرگ واعظ کو موقع ملے کہ وہ اپنے مذہب کی سچائیاں دوسروں کے دلوں میں بٹھا دے اور سننے والوں کو بھی یہ مبارک موقع حاصل ہو کہ وہ ان سب بزرگوں کے مجمع میں ہر ایک تقریر کا دوسرے کی تقریر کے ساتھ موازنہ کریں اور جہاں حق کی چمک پاویں اس کو قبول کر لیں۔ اور پھر یہ سب تقریریں ایک مجموعہ میں چھپ کر پبلک کے فائدہ کے لئے اردو اور انگریزی میں شائع کر دی جائیں۔

اس بات کو کون نہیں جانتا کہ آج کل مذاہب کے جھگڑوں سے دلوں میں بہت کچھ ابال اٹھا ہوا ہے اور ہر ایک طالب حق سچے مذہب کی تلاش میں ہے اور ہر ایک دل اس بات کا خواہشمند ہے کہ جس مذہب میں درحقیقت سچائی ہے وہ مذہب معلوم ہو جائے۔ مگر سوال یہ ہے کہ یہ کیونکر معلوم ہو اس سوال کے جواب میں جہاں تک فکر کام کر سکتا ہے یہی احسن طریق معلوم ہوتا ہے کہ تمام بزرگان مذہب جو وعظ اور نصیحت اپنا شیوہ رکھتے ہیں ایک مقام میں جمع ہوں اور اپنے اپنے مذہب کی خوبیاں سوالات مشتہرہ کی پابندی سے بیان فرمائیں۔ پس اس مجمع اکابر مذہب میں جو مذہب سچے پرمیشر کی طرف

سے ہوگا ضرور وہ اپنی نمایاں چمک دکھلائے گا۔ اسی غرض سے اس جلسہ کی تجویز ہوئی ہے اور اس میں کوئی ایسی بات نہیں جو کسی مذہب کو اس پر اعتراض ہو۔ سراسر بے تعصب اصول پر مبنی ہے۔ لہٰذا یہ خاکسار ہر ایک بزرگ واعظ مذہب کی خدمت میں بانکسار عرض کرتا ہے کہ میرے اس ارادہ میں مجھ کو مدد دیں۔ اور مہربانی فرما کر اپنے مذہب کے جوہر دکھلانے کے لئے تاریخ مقررہ پر تشریف لاویں۔ میں اس بات کا یقین دلاتا ہوں کہ خلاف تہذیب اور برخلاف شرائط مشتہرہ کے کوئی امر ظہور میں نہیں آئے گا۔ اور صلح کاری اور محبت کے ساتھ یہ جلسہ ہوگا اور ہر ایک قوم کے بزرگ واعظ خوب جانتے ہیں کہ اپنے مذہب ...... کی سچائی ظاہر کرنا ان پر فرض ہے پس جس حالت میں اس غرض کے لئے یہ جلسہ انعقاد پایا ہے کہ سچائیاں ظاہر ہوں تو خدا نے ان کو اس غرض کے ادا کرنے کا اب خوب موقع دیا ہے۔ جو ہمیشہ انسان کے اختیار میں نہیں ہوتا میرا دل اس بات کو قبول نہیں کر سکتا کہ اگر ایک شخص سچا جوش اپنے مذہب کے لئے رکھتا ہو اور فی الواقع اس بات میں ہمدردی انسانوں کی دیکھتا ہو کہ ان کو اپنے مذہب کی طرف کھینچے تو پھر وہ ایسی نیک تقریب میں کہ جب کہ صدہا مہذب اور تعلیم یافتہ لوگ ایک عالم خاموشی میں بیٹھ کر اس کے مذہب کی خوبیاں سننے کے لئے تیار ہوں گے ایسے مبارک وقت کو وہ ہاتھ سے دیدے اور ذرا اس کو اپنے فرض کا خیال نہ آوے اس وقت میں کیونکر کوئی عذر قبول کروں کیا میں قبول کر سکتا ہوں کہ جو شخص دوسرے کو ایک مہلک بیماری میں خیال کرتا ہے اور یقین رکھتا ہے کہ اس کی سلامتی میری دوا میں ہے اور بنی نوع کی ہمدردی کا دعویٰ بھی کرتا ہے وہ ایسے موقع میں جو غریب بیمار اس کو علاج کے لئے بتلاتے ہیں وہ پہلو تہی کرے میرا دل اس بات کے لئے تڑپ رہا ہے کہ یہ فیصلہ ہو جائے کہ کونسا مذہب درحقیقت سچائیوں اور صداقتوں سے بھرا ہوا ہے اور میرے پاس وہ الفاظ نہیں جن کے ذریعہ میں اپنے اس سچے جوش کو بیان کر سکوں۔ میرا قوموں کے بزرگ واعظوں اور جلیل الشان حامیوں پر کوئی حکم نہیں ان کی خدمت میں سچائی ظاہر کرنے کے لئے ایک عاجزانہ التماس ہے۔ میں اس وقت مسلمانوں کے معزز علماء کی خدمت میں ان کے خدا کی قسم دے کر باادب التماس کرتا ہوں کہ اگر وہ اپنا مذہب منجانب اللہ جانتے ہیں تو اس موقعہ پر اپنے اس نبی کی عزت کے لئے جس کے فداشدہ اپنے تئیں خیال کرتے ہیں اس جلسہ میں حاضر ہوں۔ اسی طرح بخدمت پادری صاحبان نہایت ادب اور انکسار سے میری التماس ہے کہ اگر وہ اپنے مذہب کو فی الواقعہ سچا اور انسانوں کی نجات کا ذریعہ خیال کرتے ہیں تو اس موقعہ پر ایک نہایت اعلیٰ درجہ کا بزرگ ان میں سے اپنے مذہب کی خوبیاں سنانے کے لئے جلسہ میں تشریف لاویں۔ میں نے جیسا کہ مسلمانوں کو قسم دی ہے ایسا ہی بزرگ پادری صاحبوں کو حضرت مسیح کی قسم دیتا ہوں اور ان کی محبت اور عزت اور بزرگی کا واسطہ ڈال کر خاکساری

کے ساتھ عرض پرداز ہوں کہ اگر کسی اور نیت کے لئے نہیں تو اس قسم کی عزت کے لئے ضرور اس جلسہ میں ایک اعلیٰ بزرگ ان میں سے اپنے مذہب کی خوبیاں سنانے کے لئے جلسہ میں تشریف لاویں۔ ایسا ہی اپنے بھائیوں آریہ سماج والوں کی خدمت میں اس پرمیشر کی قسم دے کر جس نے وید مقدس کو اپنت کہا عاجزانہ عرض کرتا ہوں کہ اس جلسہ میں ضرور کوئی اعلیٰ واعظ ان کا تشریف لا کر وید مقدس کی خوبیاں بیان کرے اور ایسا ہی صاحبان سناتن دھرم اور برہمو صاحبوں وغیرہ کی خدمت میں اس قسم کی التماس ہے۔ پبلک کو اس اشتہار کے بعد ایک یہ فائدہ بھی حاصل ہوگا کہ ان تمام قوموں میں کسی قوم کو درحقیقت اپنے خدا کی عزت اور قسم کا پاس ہے اور اگر اس کے بعد بعض صاحبوں نے پہلو تہی کیا۔ تو بلا شبہ ان کا پہلو تہی کرنا گویا اپنے مذہب کی سچائی سے انکار کرنا ہے۔

"المشتہر۔ شوگن المعروف سوامی شوگن چندر دھرم مہوتسو اوپدیشک لاہور) [۵]

مذاہب کے نمائندے

اس اشتہار پر مندرجہ ذیل حضرات نے دعوت قبول کی (۱) حضرت اقدس مرزا غلام احمد قادیانی علیہ السلام (نمائندہ اسلام) (۲) مولوی ابو سعید محمد حسین صاحب بٹالوی (نمائندہ اسلام) (۳) مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری (نمائندہ اسلام) (۴) مفتی محمد عبداللہ صاحب ٹونکی (نمائندہ اسلام) (۵) مولوی ابو یوسف مبارک علی صاحب (نمائندہ اسلام) (۶) ایشری پرشاد صاحب (نمائندہ سناتن دھرم) (۷) پنڈت گوپی ناتھ صاحب سیکرٹری سناتن دھرم سبھا لاہور (نمائندہ سناتن دھرم) (۸) پنڈت بھانودت صاحب ممتحن پنجاب یونیورسٹی (نمائندہ سناتن دھرم) (۹) رائے بروده کنٹھ صاحب پلیڈر وزیر ریاست فرید کوٹ (نمائندہ تھیوسافیکل سوسائٹی) (۱۰) بابو بیچا رام چٹرجی صاحب سکھر (نمائندہ آریہ سماج)۔ (۱۱) ماسٹر درگا پرشاد صاحب (نمائندہ آریہ سماج) ۱۲۔ پنڈت گوردھن داس صاحب (نمائندہ فری تھنکر) (۱۳) سردار جواہر سنگھ صاحب۔ ایم۔ اے (نمائندہ سکھ مذہب) (۱۴) ماسٹر راجیداس صاحب (نمائندہ ہارمونیکل سوسائٹی) (۱۵) لالہ کانشی رام صاحب سیکرٹری برہمو سماج لاہور (نمائندہ برہمو سماج) ۱۶) مسٹر جے مادیسن صاحب بہادر جرنلسٹ لاہور (نمائندہ عیسائیت) ۱۷) مسٹر رو صاحب بہادر سابق ہیڈ ماسٹر ایچی سن ہائی سکول لاہور (نمائندہ عیسائیت)

مفتی محمد عبداللہ صاحب اور مسٹر رو صاحب عملاً شریک جلسہ نہیں ہو سکے اس لئے ان کا وقت دوسرے مقررین کو دے دیا گیا۔

حضرت مسیح موعود کی طرف سے اپنے سوامی شوگن چندر صاحب جلسہ کا اشتہار دینے

مضمون کے بالا رہنے کی قبل از وقت پیشگوئی

سے پہلے قادیان بھی آئے تھے اور حضرت اقدسؑ سے عرض کیا کہ میں ایک مذہبی جلسہ کرنا چاہتا ہوں آپ بھی اپنے مذہب کی خوبیوں سے متعلق کچھ مضمون لکھیں تا اس جلسہ میں پڑھا جائے۔ حضرت اقدسؑ نے اپنی بیماری کے باعث عذر کیا لیکن انہوں نے اصرار کیا کہ آپ ضرور لکھیں چونکہ آپ یقین رکھتے تھے کہ آپ بغیر خدا کے بلائے بول نہیں سکتے۔ اس لئے آپ نے جناب الٰہی میں دعا کی کہ وہ آپ کو ایسے مضمون کا القاء کرے جو اس مجمع کی تمام تقریروں پر غالب رہے آپ نے دعا کے بعد دیکھا کہ ایک قوت آپ کے اندر پھونک دی گئی اور آپ نے آسمانی قوت کی ایک زبردست جنبش اپنے اندر محسوس کی۔ آپ کو ان دنوں اسہال کا عارضہ تھا آپ نے ناسازی طبع کے باعث لیٹے لیٹے ہی قلم برداشتہ مضمون لکھنا شروع کیا۔ آپ ایسی تیزی اور جلدی سے لکھتے تھے کہ نقل کرنے والوں کے لئے مشکل ہو گیا کہ اس قدر جلدی سے اس کی نقل کر سکیں۔ جب حضور مضمون لکھ چکے تو خدا تعالیٰ کی طرف سے الہام ہوا کہ مضمون بالا رہا۔ [۵] یہ الٰہی خوشخبری پاتے ہی آپ نے ۲۱۔ دسمبر ۱۸۹۶ء کو ایک اشتہار لکھا جس کا عنوان تھا۔ "سچائی کے طالبوں کے لئے ایک عظیم الشان خوشخبری"۔ اس اشتہار میں آپ نے تحریر فرمایا۔

"جلسہ اعظم مذاہب جو لاہور ٹاؤن ہال میں ۲۶-۲۷-۲۸۔ دسمبر ۱۸۹۶ء کو ہو گا اس میں اس عاجز کا ایک مضمون قرآن شریف کے کمالات کے بارے میں پڑھا جائے گا۔ یہ وہ مضمون ہے۔ جو انسانی طاقتوں سے برتر اور خدا کے نشانوں میں سے ایک نشان اور خاص اس کی تائید سے لکھا گیا ہے اس میں قرآن شریف کے وہ حقائق اور معارف درج ہیں جن سے آفتاب کی طرح روشن ہو جائے گا کہ درحقیقت یہ خدا کا کلام اور رب العالمین کی کتاب ہے۔ اور جو شخص اس مضمون کو اول سے آخر تک پانچوں سوالوں کے جواب میں سنے گا۔ میں یقین کرتا ہوں کہ ایک نیا ایمان اس میں پیدا ہو گا اور ایک نیا نور اس میں چمک اٹھے گا۔ اور خدا تعالیٰ کے پاک کلام کی ایک جامع تفسیر اس کے ہاتھ آجائے گی۔ میری تقریر انسانی فضولیوں سے پاک اور لاف و گزاف کے داغ سے منزہ ہے مجھے اس وقت محض بنی آدم کی ہمدردی نے اس اشتہار کے لکھنے کے لئے مجبور کیا ہے کہ تا وہ قرآن شریف کے حسن و جمال کا مشاہدہ کریں اور دیکھیں کہ ہمارے مخالفوں کا کس قدر ظلم ہے کہ وہ تاریکی سے محبت کرتے اور نور سے نفرت کرتے ہیں۔ مجھے

خدائے علیم نے الہام سے مطلع فرمایا ہے کہ یہ وہ مضمون ہے جو سب پر غالب آئے گا۔ اور اس میں سچائی اور حکمت اور معرفت کا وہ نور ہے جو دوسری قومیں بشرطیکہ حاضر ہوں اور اس کو اول سے آخر تک سنیں شرمندہ ہو جائیں گی۔ اور ہرگز قادر نہیں ہوں گی کہ اپنی کتابوں کے یہ کمال دکھلا سکیں۔ خواہ وہ عیسائی ہوں خواہ آریہ خواہ سناتن دھرم والے یا کوئی اور۔ کیونکہ خدا تعالیٰ نے ارادہ فرمایا ہے کہ اس روز اس پاک کتاب کا جلوہ ظاہر ہو میں نے عالم کشف میں اس کے متعلق دیکھا کہ میرے محل پر غیب سے ایک ہاتھ مارا گیا۔ اور اس کے چھونے سے .... اس محل میں سے ایک نور ساطعہ نکلا جو ارد گرد پھیل گیا۔ اور میرے ہاتھوں پر بھی اس کی روشنی ہوئی۔ تب ایک شخص جو میرے پاس کھڑا تھا وہ بلند آواز سے بولا۔ اللہ اکبر خربت خیبر۔ اس کی یہ تعبیر ہے کہ اس محل سے میرا دل مراد ہے جو جائے نزول و حلول انوار ہے اور وہ نورانی معارف ہیں اور خیبر سے مراد تمام خراب مذاہب ہیں۔ جن میں شرک اور باطل کی ملونی ہے اور انسان کو خدا کی جگہ دی گئی یا خدا کے صفات کو اپنے کامل محل سے نیچے گرا دیا گیا ہے۔ سو مجھے جتلایا گیا کہ اس مضمون کے خوب پھیلنے کے بعد جھوٹے مذہبوں کا جھوٹ کھل جائے گا اور قرآنی سچائی دن بدن زمین پر پھیلتی جائے گی جب تک کہ اپنا دائرہ پورا کرے۔ پھر میں اس کشفی حالت سے الہام کی طرف منتقل کیا گیا اور مجھے یہ الہام ہوا ان اللہ معک ان اللہ یقوم اینما قمت یعنی خدا تیرے ساتھ ہے اور خدا وہیں کھڑا ہوتا ہے۔ جہاں تو کھڑا ہوتا ہے۔ یہ حمایت الٰہی کے لئے ایک استعارہ ہے۔ اب میں زیادہ لکھنا نہیں چاہتا۔ ہر ایک کو یہی اطلاع دیتا ہوں کہ اپنا اپنا ہرج بھی کر کے ان معارف کے سننے کے لئے ضرور بمقام لاہور تاریخ جلسہ پر آویں کہ ان کی عقل اور ایمان کو اس سے وہ فائدے حاصل ہوں گے کہ وہ گمان نہیں کر سکتے ہوں گے۔ والسلام علی من اتبع الھدی۔

خاکسار غلام احمد از قادیان ۲۱۔ دسمبر ۱۸۹۶ء [۲۷]

حضرت اقدس کا یہ اشتہار بڑی کثرت سے شائع ہوا۔ اور ہندوستان کے دور دراز مقامات تک پھیلا دیا گیا۔

جناب خواجہ کمال الدین صاحب کا تاثر

جناب خواجہ کمال الدین صاحب جلسے کے انتظامات میں گہری دلچسپی لے رہے تھے۔ آپ انہیں دنوں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضرت اقدسؑ نے اپنا مضمون

خواجہ صاحب کی خواہش پر ان کو پڑھنے کے لئے دیا تو انہوں نے اس پر کچھ ناامیدی کا اظہار کر کے اندیشہ ظاہر کیا کہ یہ مضمون قدر کی نگاہوں سے نہ دیکھا جائے گا۔ اور خواہ مخواہ ہنسی کا موجب ہو گا۔ چنانچہ خود حضرت اقدس مسیح موعودؑ نے ایک دفعہ فرمایا۔ "مہوتسو کے جلسہ اعظم مذاہب کے واسطے جب ہم نے مضمون لکھا تو طبیعت بہت علیل تھی اور وقت نہایت تنگ تھا۔ اور ہم نے مضمون جلدی کے ساتھ اسی تکلیف کی حالت میں لیٹے ہوئے لکھا۔ اس کو سنکر احباب میں سے ایک نے کچھ ناپسندیدگی کا منہ بنایا۔ اور پسند نہ کیا کہ مذاہب کے اتنے بڑے عظیم الشان جلسہ میں وہ مضمون پڑھا جائے۔ ۸

جلسے کی کارروائی کا آغاز

بہرحال ۲۶۔ دسمبر ۱۸۹۶ء ٹھیک دس بجے انجمن حمایت اسلام کے ہائی سکول واقع شیرانوالہ کے وسیع احاطہ میں جلسہ شروع ہوا حضرت اقدسؑ کا مضمون دوسرے دن ڈیڑھ بجے کی دوسری نشست میں پڑھا جانا تھا۔ اس لئے اس سے قبل ایشری پرشاد صاحب مولوی ابو سعید محمد حسین صاحب بٹالوی اور برودا کنٹھ صاحب' مولوی ثناء اللہ صاحب امرت سری' بابو بیجارام صاحب اور پنڈت گوردھن داس صاحب کی تقریریں ہوئیں۔ اس زمانے میں ابو سعید مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی کا طوطی بول رہا تھا اور ہر طرف ان کی بڑی شہرت تھی۔ اور مولوی ثناء اللہ امرتسری صاحب ابھی نوجوان تھے اور نئے نئے منظر عام پر آئے تھے لیکن مولوی ابو سعید صاحب کی تقریر مولوی ثناء اللہ صاحب کی تقریر کی گرد کو بھی نہ پہنچ سکی۔

حضرت اقدسؑ کا مضمون اور سامعین کا ذوق و شوق

جیسا کہ اوپر بتایا جا چکا ہے حضرت اقدسؑ کے مضمون کے لئے دوسرے دن کی دوسری نشست مقرر تھی۔ جس کا وقت اگرچہ ڈیڑھ بجے شروع ہونا تھا مگر مخالفت کے باوجود دلوں میں ایسی تحریک پیدا ہو گئی کہ پہلی نشست میں بیٹھنے والے بھی اپنی اپنی جگہ پر جمے رہے اور ہزاروں سامعین چاروں طرف سے امڈ پڑے۔ نتیجہ یہ ہوا۔ کہ کارروائی سے قبل ہی جلسہ کا پنڈال کھچا کھچ بھر گیا اور سینکڑوں اشخاص جن میں ملک کے بڑے بڑے سربر آوردہ افراد رؤسا معہ ڈاکٹر اور وکلاء شامل تھے کھڑے ہونے پر مجبور ہو گئے آخر حضرت مولانا عبد الکریم صاحب جیسے فصیح البیان نے اپنی دلکش و دل نشین آواز سے حضرت اقدسؑ کا مضمون پڑھنا شروع کیا۔

حضرت مسیح پاک علیہ السلام کا تائید روح القدس سے لکھا ہوا مضمون اور مولانا عبد الکریم صاحب کی شیریں زبان نے ہزاروں کے اس تاریخی اجتماع پر کیف و سرور کا وہ عالم طاری کر دیا کہ فلک نے آج تک سرزمین ہند میں کبھی نہ دیکھا ہو گا۔ ایسا نظر آتا تھا کہ گویا ملائک آسمان سے نور کے طبق لے کے حاضر ہو گئے ہیں اور ایک دست غیب اپنی مقناطیسی جذب و کشش سے ہر دل کو کشاں کشاں عالم وجد کی

طرف لے جارہا ہے۔ دل و دماغ اس آسمانی مائدہ سے لطف اندوز ہو رہے تھے کہ یکایک مضمون کا مقررہ وقت ختم ہو گیا۔ یہ دیکھ کر مولوی ابو یوسف محمد مبارک علی صاحب سیالکوٹی نے اعلان کیا کہ میں اپنا وقت بھی حضرت اقدسؑ کے مضمون کے لئے دیتا ہوں۔ اس اعلان نے مجمع میں خوشی اور مسرت کی برقی لہر دوڑادی اور پنڈال تالیوں سے گونج اٹھا اور پھر علم و حکمت کے موتی لٹنے لگے۔ مضمون ابھی باقی تھا کہ وقت پھر ختم ہو گیا اب کی دفعہ چاروں طرف سے شور برپا ہوا کہ جلسہ کی کارروائی اس وقت تک ختم نہ کی جائے جب تک یہ مضمون ختم نہ ہو لے اور جلسہ کے منتظمین کو یہی کرنا پڑا۔ سامعین نے یہ سن کر پھر تالیوں کے ذریعہ سے اپنی مسرت ظاہر کی اور مضمون نہایت ذوق و شوق اور یکساں دلچسپی سے شام کے ساڑھے پانچ بجے تک مسلسل چار گھنٹہ تک جاری رہا۔ سامعین کی بے خودی اور محویت یہاں تک بڑھی کہ انہوں نے یہی سمجھ لیا کہ پانچوں سوالات کے جوابات پڑھ دیئے گئے ہیں لیکن حضرت مولانا عبدالکریم صاحب نے بلند آواز سے فرمایا کہ حضرات جو کچھ آپ نے سنا ہے یہ صرف پہلے سوال کا جواب ہے چار سوالوں کے جوابات ابھی باقی ہیں۔ مولانا کا یہ کہنا تھا کہ سامعین نے یک زبان ہو کر بڑے زور شور سے اپنی اس خواہش کا اظہار کیا کہ جب چار سوالوں کے جواب ابھی باقی ہیں تو جلسہ کے لئے ایک اور دن کیوں نہ بڑھا دیا جائے یہ زبردست مطالبہ چاروں طرف سے اتنی شدت سے بلند ہوا کہ منتظمین جلسہ کو اعلان کرنا پڑا کہ سامعین کی خاطر جلسہ کے لئے ایک دن کا اضافہ کیا جاتا ہے۔ اس اعلان پر پبلک نے جس جوش و خروش سے اظہار شادمانی کیا وہ دیکھنے کی چیز تھی الفاظ اس کا نقشہ پیش کرنے سے قاصر ہیں۔

جلسے کے منتظمین کا بیان

۲۷۔ دسمبر کے دن کی اس کارروائی سے متعلق منتظمین جلسہ کے بیانات درج ذیل ہیں۔

"پنڈت گوردھن داس صاحب کی تقریر کے بعد نصف گھنٹہ کا وقفہ تھا لیکن چونکہ بعد از وقفہ ایک نامی وکیل اسلام کی طرف سے تقریر کا پیش ہونا تھا اس لئے اکثر شائقین نے اپنی اپنی جگہ کو نہ چھوڑا۔ ڈیڑھ بجے میں ابھی بہت سا وقت رہتا تھا کہ اسلامیہ کالج کا وسیع میدان جلد جلد بھرنے لگا۔ اور چند ہی منٹوں میں تمام میدان پر ہو گیا اس وقت کوئی سات اور آٹھ ہزار کے درمیان مجمع تھا۔ مختلف مذاہب و ملل اور مختلف سوسائٹیوں کے معتدبہ اور ذی علم آدمی موجود تھے۔ اگرچہ کرسیاں اور میزیں اور فرش نہایت ہی وسعت کے ساتھ مہیا کیا گیا لیکن صدہا آدمیوں کو کھڑا ہونے کے سوا اور کچھ نہ بن پڑا۔ اور ان کھڑے ہوئے شائقینوں میں بڑے بڑے رؤساء عمائد پنجاب۔ علماء فضلاء۔ بیرسٹر۔ وکیل۔ پروفیسر۔ اکسٹرا اسسٹنٹ۔ ڈاکٹر غرض کہ اعلیٰ طبقہ کے مختلف برانچوں کے ہر قسم کے آدمی موجود تھے۔ ان لوگوں

کے اس طرح جمع ہو جانے اور نہایت صبر و تحمل کے ساتھ جوش سے برابر پانچ چار گھنٹہ اس وقت ایک ٹانگ پر کھڑا رہنے سے صاف ظاہر ہوتا تھا کہ ان ذی جاہ لوگوں کو کہاں تک اس مقدس تحریک سے ہمدردی تھی۔ مصنف تقریر اصالتاً تو شریک جلسہ نہ تھے۔ لیکن خود انہوں نے اپنے ایک شاگرد خاص جناب مولوی عبدالکریم صاحب سیالکوٹی کو مضمون کے پڑھنے کے لئے بھیجا ہوا تھا۔ اس مضمون کے لئے اگرچہ اس کمیٹی کی طرف سے صرف دو گھنٹے ہی تھے لیکن حاضرین جلسہ کو عام طور پر اس سے کچھ ایسی دلچسپی پیدا ہو گئی کہ موڈریٹر صاحبان نے نہایت جوش اور خوشی کے ساتھ اجازت دی کہ جب تک یہ مضمون نہ ختم ہو تب تک کارروائی جلسہ کو ختم نہ کیا جائے۔ ان کا ایسا فرمانا عین اہل جلسہ اور حاضرین جلسہ کے منشاء کے مطابق تھا۔ کیونکہ جب وقت مقررہ کے گزرنے پر مولوی ابو یوسف مبارک علی صاحب نے اپنا وقت بھی اس مضمون کے ختم ہونے کے لئے دیدیا۔ تو حاضرین اور موڈریٹر صاحبان نے ایک نعرہ خوشی سے مولوی صاحب کا شکریہ ادا کیا۔ جلسہ کی کارروائی ساڑھے چار بجے ختم ہو جانی تھی لیکن عام خواہش کو دیکھ کر کارروائی جلسہ ساڑھے پانچ بجے کے بعد تک جاری رکھنی پڑی کیونکہ مضمون قریباً چار گھنٹہ میں ختم ہوا اور شروع سے اخیر تک یکساں دلچسپی و مقبولیت اپنے ساتھ رکھتا تھا"۔ [۹]

"اگرچہ اس مضمون کے ختم ہوتے ہوتے شام کا وقت قریب آگیا لیکن یہ ابھی پہلے سوال کا جواب تھا اس مضمون سے حاضرین جلسہ کو بلا استثناء احدے ایسی دلچسپی ہو گئی کہ عام طور سے ایگزیکٹو کمیٹی سے استدعا کی گئی کہ کمیٹی اس جلسہ کے چوتھے اجلاس کے لئے انتظام کرے جس میں باقی سوالات کا جواب سنایا جاوے کیونکہ حسب اعلان ایگزیکٹو کمیٹی جلسہ کے تین ہی اجلاس ہونے تھے۔ اور تیسرے اجلاس کے سپیکر پہلے ہی سے مقرر ہو چکے تھے جلسہ کا دن بڑھانے کے لئے موڈریٹر صاحبان کی خاص رضامندی تھی۔ علاوہ ازیں سناتن دھرم کی طرف سے اور آریہ سماج کی طرف سے بھی استدعا تھی کہ ان کی طرف سے اور زیادہ ریپریزنٹیشن ہو اس لئے ایگزیکٹو کمیٹی نے انجمن حمایت اسلام کے سیکرٹری اور پریذیڈنٹ صاحب سے جو وہاں موجود تھے چوتھے دن کے لئے استعمال مکان کی اجازت لے کر میر مجلس کو اطلاع دی کہ وہ چوتھے دن کا اعلان کردیں۔ مضمون ساڑھے پانچ بجے ختم ہوا۔ جس پر ذیل کے الفاظ میں میر مجلس نے آج کے اجلاس کی کارروائی کو ختم کیا۔

میرے دوستو! آپ نے پہلے سوال کا جواب جناب مرزا صاحب کی طرف سے سنا۔ ہمیں خاص کر جناب مولوی عبدالکریم صاحب کا مشکور ہونا چاہیے۔ جنہوں نے ایسی قابلیت کے ساتھ اس مضمون کو پڑھا۔ میں آپ کو مژدہ دیتا ہوں کہ آپ کے اس فرط شوق اور دلچسپی کو دیکھ کر جو آپ نے مضمون کے

سننے میں ظاہر کی اور خصوصاً موڈریٹر صاحبان اور دیگر عمائد و رؤساء کی خاص فرمائش سے ایگزیکٹو کمیٹی نے منظور کر لیا ہے کہ حضرت مرزا صاحب کے بقیہ حصہ مضمون کے لئے وہ چوتھے دن اپنا آخری اجلاس کرے۔ اب نماز مغرب کا وقت قریب آگیا ہے۔ اور میں زیادہ وقت آپ کا لینا نہیں چاہتا"۔ ۱۰

مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی کی استدعا

دوسری طرف مولوی ابو سعید محمد حسین صاحب بٹالوی کی سنئے۔ حضرت حافظ سید مختار احمد صاحب شاہجہانپوری کا بیان ہے کہ ۲۷۔ دسمبر کی کارروائی کے خاتمے پر میں اپنے بزرگوں کے ساتھ حضرت ڈاکٹر خلیفہ رشید الدین صاحب کے در دولت پر جہاں میرا قیام تھا واپس آگیا اس رات حضرت خلیفہ صاحب موصوف کے بڑے بھائی کی طرف سے جن کا نام خلیفہ عماد الدین صاحب تھا چند معززین کی دعوت تھی۔ ان میں جناب خان بہادر خدا بخش صاحب جج بھی شامل تھے جنہوں نے ایک وقت جلسہ کی صدارت بھی فرمائی تھی اور جو جلسہ کے ماڈریٹروں میں سے تھے۔ موجود الوقت حضرات میں اس وقت عام طور پر جلسے کی تقریریں ہی زیر بحث تھیں۔ تعریف سب کی زبان پر حضرت اقدس علیہ الصلوۃ والسلام ہی کے مضمون کی تھی۔ اسی اثناء میں ایک شخص نے آکر مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی کا یہ تحریری پیغام جناب جج صاحب موصوف کی خدمت میں پیش کیا کہ جلسے کا ایک دن بڑھا دیا گیا ہے۔ اگر جناب میری تقریر کے لئے بھی وقت دیئے جانے کی طرف توجہ فرمائیں گے تو بڑی مہربانی ہو گی۔ ۱۱ جناب جج صاحب نے بے ساختہ فرمایا۔ کہ "مولوی ابو سعید صاحب نے اپنی پہلی تقریر میں کونسا تیر مارا تھا جو ان کی دوسری تقریر کے لئے وقت رکھا جائے"۔

مولوی محمد حسین صاحب نے یہ صورت دیکھی تو انہوں نے مضمون پڑھنے کے لئے ایک اور طریق نکالا۔ ۲۸۔ دسمبر کے پروگرام میں پہلی تقریر مولوی مفتی محمد عبد اللہ صاحب ٹونکی پروفیسر اورینٹل کالج لاہور کی تھی۔ اور اس کے بعد پورا وقت غیر مسلم نمائندوں کے لئے مخصوص تھا۔ اس لئے مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی نے مفتی صاحب موصوف سے درخواست کی کہ وہ اپنا وقت انہیں دے دیں جسے انہوں نے منظور کر لیا۔ اس پر مولوی صاحب شیخ خدا بخش صاحب جج کے پاس آئے اور ان کو بھی مفتی صاحب کا پیغام دے کر رضامند کر لیا۔ چنانچہ وہ ان کو ہمراہ لے کر قریباً ساڑھے آٹھ بجے صبح پنڈال میں پہنچ گئے۔ جلسے کی کارروائی کو دس بجے شروع ہونا تھا۔ ساڑھے دس بجنے میں ابھی کچھ منٹ باقی تھے کہ خان بہادر صاحب موصوف نے انتظامیہ کمیٹی کے چند ممبروں سے بیان کیا کہ جناب مفتی صاحب چند اتفاقات کے باعث آج نہیں آسکیں گے اور وہ چاہتے ہیں کہ ان کا وقت مولوی محمد حسین صاحب کو

دے دیا جائے۔ لہٰذا اب کمیٹی میں یہ تبدیلی منظور کرائیں۔ چنانچہ کمیٹی کے اجلاس میں جب یہ معاملہ پیش ہوا تو مفتی صاحب کے پیغام سے ایک قسم کی مایوسی ہوئی کیونکہ یہ کمیٹی کا فرض تھا کہ ہر مذہب کی طرف سے مختلف وکیل جلسے میں پیش کرے۔ سیکرٹری صاحب اس تبدیلی کے مخالف تھے لیکن جب مسلمان ممبروں نے اس بات پر زور دیا تو بہت بحث کے بعد یہ فیصلہ کر لیا گیا کہ مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی کو مفتی صاحب کا وقت دیا جاوے۔ [۱۲]

۲۸۔ دسمبر کی کارروائی اور مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی کی دوسری تقریر

۲۸۔ دسمبر ۱۸۹۶ء کو جلسہ دس بجے شروع ہونا تھا لیکن جیسا کہ رپورٹ میں درج ہے لوگ وقت مقررہ پر بہت ہی کم آئے۔ اس لئے قریباً ساڑھے دس بجے کارروائی کا آغاز ہوا پہلی تقریر مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی نے کی۔ جس میں گزشتہ تقریر کے الجھاؤ کا رنگ اور زیادہ نمایاں ہو گیا اور ان کی زبان سے یہ سن کر تو مسلمانوں کی گردنیں مارے شرم کے جھک گئیں کہ "انبیاء فوت ہو چکے۔ امت محمدیہ کے بزرگ ختم ہو چکے بے شک وارث انبیاء ولی تھے وہ کرامت رکھتے اور برکات رکھتے تھے وہ نظر نہیں آتے زیر زمین ہو گئے آج اسلام ان کرامت والوں سے خالی ہے اور ہم کو گزشتہ اخبار کی طرف حوالہ کرنا پڑتا ہے ہم نہیں دکھا سکتے"۔ [۱۳]

۲۹۔ دسمبر کو حضرت اقدسؑ کے بقیہ مضمون کی گونج

۲۹۔ دسمبر ۱۸۹۶ء کو جلسے کا آخری اجلاس منعقد ہوا۔ اس دن اگرچہ جلسہ کی کارروائی دستور سابق کے خلاف نو بجے صبح رکھی گئی تھی لیکن ابھی نو بھی نہ بجنے پائے تھے کہ سامعین کا ہجوم شروع ہو گیا۔ ٹھیک مقررہ وقت پر مولانا عبدالکریم صاحب نے حضرت اقدسؑ کے پر معارف مضمون کا بقیہ حصہ اپنی گذشتہ شان کے ساتھ پڑھنا شروع کیا اور پھر ۲۷۔ دسمبر کا سماں بندھ گیا۔ ہر شخص ہمہ تن گوش بنا ہوا رہا تھا۔ اس بقیہ مضمون کی ایک اعجازی خصوصیت یہ تھی کہ جلسہ میں غیر مسلم مقررین کی طرف سے بالواسطہ یا بلاواسطہ اسلامی تعلیمات اور قرآنی صداقتوں پر جو اہم اعتراضات وارد کئے گئے تھے ان کا شافی جواب اس مضمون کے اندر موجود تھا۔ بلکہ مسلمانوں کے بعض دوسرے نمائندوں نے اسلام کے مقدس چہرے پر جو گرد و غبار ڈالنے کی کوشش کی تھی اس کی صفائی بھی اس حصہ سے ہو گئی۔ چنانچہ مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی نے ایک دن قبل اپنی تقریر میں اسلام جیسے زندہ مذہب کی طرف جو معجزات سے خالی ہونے کا اتہام لگایا تھا اس کا رد بھی اس حصہ میں آگیا جس نے مجمع کو بے خود کر دیا۔ اکثر لوگ زار زار روتے تھے اور لذت سے دل وجد کر رہے تھے۔ حضرت

اقدسؑ نے تحریر فرمایا تھا۔ کہ "میں بنی نوع انسان پر ظلم کروں گا اگر میں اس وقت ظاہر نہ کروں کہ وہ مقام جس کی میں نے یہ تعریفیں کی ہیں اور وہ مرتبہ مکالمہ اور مخاطبہ کا جس کی میں نے اس وقت تفصیل بیان کی وہ خدا کی عنایت نے مجھے عنایت فرمایا ہے تا میں اندھوں کو بینائی بخشوں اور ڈھونڈنے والوں کو اس گم گشتہ کا پتہ دوں۔ اور سچائی قبول کرنے والوں کو اس پاک چشمہ کی خوشخبری سناؤں۔ جس کا تذکرہ بہتوں میں ہے اور پانے والے تھوڑے ہیں۔ میں سامعین کو یقین دلاتا ہوں کہ جس کے ملنے میں انسان کی نجات اور دائمی خوشحالی ہے وہ بجز قرآن شریف کی پیروی کے ہرگز نہیں مل سکتا۔ کاش جو میں نے دیکھا ہے لوگ دیکھیں اور جو میں نے سنا ہے وہ سنیں اور قصوں کو چھوڑیں۔ اور حقیقت کی طرف دوڑیں"۔

"میں سب طالبوں کو یقین دلاتا ہوں کہ صرف اسلام ہی ہے جو اس راہ کی خوشخبری دیتا ہے اور دوسری قومیں تو خدا کے الہام پر مدت سے مہر لگا چکی ہیں۔ سو یقیناً سمجھو کہ یہ خدا کی طرف سے مہر نہیں بلکہ محرومی کی وجہ سے انسان ایک حیلہ پیدا کر لیتا ہے اور یقیناً سمجھو کہ جس طرح یہ ممکن نہیں کہ ہم بغیر آنکھوں کے دیکھ سکیں یا بغیر زبان کے بول سکیں۔ اسی طرح یہ بھی ممکن نہیں کہ بغیر قرآن کے اس پیارے محبوب کا منہ دیکھ سکیں۔

میں جوان تھا اب بوڑھا ہوا مگر میں نے کوئی نہ پایا جس نے بغیر اس پاک چشمہ کے اس کھلی کھلی معرفت کا پیالہ پیا ہو"۔ ۱۴

اب کی دفعہ پھر تقریر کے دوران میں ہی وقت مقررہ ختم ہو گیا اور پبلک اور صدر صاحبان دونوں نے اصرار کے ساتھ وقت کے اضافہ کا مطالبہ کیا۔ جلسہ کی مجلس عاملہ نے اس مطالبہ کو بخوشی پورا کر کے ہزاروں دلوں کو خوشی اور شادمانی سے بھر دیا۔ ۱۵

مضمون بالا رہا

غرضکہ یہ مضمون پوری شان و شوکت سے ختم ۱۶ ہوا۔ سب لوگوں نے مسلمانوں کو مبارک باد دی۔ مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی بھی طوعاً و کرہاً قائل ہو گئے کہ یہ تمام تاثیر خدا تعالیٰ کی طرف سے تھی۔ اور یہ مضمون اسلام کی فتح کا موجب ہوا۔ ملک بھر میں اس مضمون کی دھوم مچ گئی اور ہر طرف اسی کے چرچے ہوئے۔ اور مسلمان بے اختیار بول اٹھے کہ اگر یہ مضمون نہ ہوتا تو آج اسلام کو سبکی اٹھانی پڑتی۔ اور ہر ایک کہتا تھا کہ آج اسلام کی فتح ہوئی اور حضور کا مضمون ہی بالا رہا۔ ۱۷ اس شاندار فتح کا اعتراف ملک کے بیس کے قریب اخبارات مثلاً سول اینڈ ملٹری گزٹ" "پیسہ اخبار" "چودھویں صدی" (راولپنڈی) "سراج الاخبار" "مشیر ہند" لاہور۔ "صادق الاخبار" (بہاولپور) "مخبر دکن"۔ "پنجاب آبزرور" "وزیر ہند" (سیالکوٹ) اور "جنرل و گوہر آصفی"

(کلکتہ) نے کیا۔ اور بڑے نمایاں انداز میں اس کی خبر شائع کر کے آپ کو خراج تحسین ادا کیا۔ اور اس مضمون کی تعریف میں کالموں کے کالم بھر دیئے۔ [۱۸]

اخبار "سول اینڈ ملٹری گزٹ" اور "آبزرور" کا ریویو

اخبار "سول اینڈ ملٹری گزٹ" (لاہور) نے لکھا:

"اس جلسہ میں سامعین کو دلی اور خاص دلچسپی میرزا غلام احمد صاحب قادیانی کے لیکچر کے ساتھ تھی جو اسلام کی حمایت و حفاظت میں ماہر کامل ہیں۔ اس لیکچر کے سننے کے لئے دور نزدیک سے مختلف فرقوں کا ایک جم غفیر اُمڈ آیا تھا۔ اور چونکہ مرزا صاحب خود تشریف نہیں لا سکتے تھے اس لئے یہ لیکچر ان کے ایک لائق شاگرد منشی عبد الکریم صاحب فصیح سیالکوٹی نے پڑھ کر سنایا۔ ۲۷۔ تاریخ کو یہ لیکچر تین گھنٹہ تک ہوتا رہا اور عوام الناس نے نہایت ہی خوشی اور توجہ سے اس کو سنا۔ لیکن ابھی صرف ایک سوال ختم ہوا۔ مولوی عبد الکریم صاحب نے وعدہ کیا کہ اگر وقت ملا تو باقی حصہ بھی سنا دوں گا۔ اس لئے مجلس انتظامیہ اور صدر نے یہ تجویز منظور کر لی ہے کہ ۲۹۔ دسمبر کا دن بڑھا دیا جائے"۔ (ترجمہ)

اخبار "پنجاب آبزرور" نے بھی انہیں الفاظ میں حضرت اقدس کے مضمون کی رپورٹ شائع کی [۱۹]

اخبار "چودھویں صدی" کا ریویو

اخبار "چودھویں صدی" راولپنڈی نے لکھا "ان لیکچروں میں سب سے عمدہ اور بہترین لیکچر جو جلسہ کی روح رواں [۲۰] تھا مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کا لیکچر تھا جس کو مشہور فصیح البیان مولوی عبد الکریم صاحب سیالکوٹی نے نہایت خوبی و خوش اسلوبی سے پڑھا۔ یہ لیکچر دو دن میں تمام ہوا ۲۷۔ دسمبر کو قریباً چار گھنٹے اور ۲۹ کو ۲ گھنٹہ تک ہوتا رہا۔ کل چھ گھنٹہ میں یہ لیکچر تمام ہوا جو حجم میں سو صفحہ کلاں تک ہوگا۔

غرضکہ مولوی عبد الکریم صاحب نے یہ لیکچر شروع کیا اور کیسا شروع کیا کہ تمام سامعین لٹو ہو گئے۔ فقرہ فقرہ پر صدائے آفرین و تحسین بلند تھی اور بسا اوقات ایک ایک فقرہ کو دوبارہ پڑھنے کے لئے حاضرین سے فرمائش کی جاتی تھی۔ عمر بھر کانوں نے ایسا خوش آئند لیکچر نہیں سنا۔ دیگر مذاہب میں سے جتنے لوگوں نے لیکچر دیئے۔ سچ تو یہ ہے کہ جلسہ کے مستفسرہ سوالوں کے جواب بھی نہیں تھے۔ عموماً سپیکر صرف چوتھے سوال پر ہی رہے اور باقی سوالوں کو انہوں نے بہت ہی کم مس کیا اور زیادہ تر اصحاب تو ایسے بھی تھے جو بولتے تو بہت تھے مگر اس میں جاندار بات ایک آدھ ہی ہوتی۔ تقریریں عموماً کمزور سطحی خیالات کی تھیں۔ بجز مرزا صاحب کے لیکچر کے جو ان سوالات کا علیحدہ علیحدہ مفصل اور مکمل جواب تھا

اور جس کو حاضرین جلسہ نے نہایت ہی توجہ اور دلچسپی سے سنا اور بڑا بیش قیمت اور عالی قدر خیال کیا ہم مرزا صاحب کے مرید نہیں ہیں نہ ان سے ہم کو کوئی تعلق ہے لیکن انصاف کا خون ہم کبھی نہیں کر سکتے اور نہ کوئی سلیم فطرت اور صحیح کانشنس اس کو روا رکھ سکتا ہے مرزا صاحب نے کل سوالوں کے جواب (جیسا کہ مناسب تھا) قرآن شریف سے دیئے اور تمام بڑے بڑے اصول و فروع اسلام کو دلائل عقلیہ اور براہین فلسفہ کے ساتھ مبرہن اور مزین کیا۔ پہلے عقلی دلائل سے الٰہیات کے ایک مسئلہ کو ثابت کرنا۔ اور اس کے بعد کلام الٰہی کو بطور حوالہ پڑھنا ایک عجب شان دکھاتا تھا۔

مرزا صاحب نے نہ صرف مسائل قرآن کی فلاسفی بیان کی بلکہ الفاظ قرآنی کی فلالوجی اور فلاسوفی بھی ساتھ ساتھ بیان کر دی غرضکہ مرزا صاحب کا لیکچر بہ ہیئت مجموعی ایک مکمل اور حاوی لیکچر تھا جس میں بیشمار معارف و حقائق و حکم و اسرار کے موتی چمک رہے تھے اور فلسفہ الٰہیہ کو ایسے ڈھنگ سے بیان کیا گیا تھا کہ تمام اہل مذاہب ششدر رہ گئے۔ کسی شخص کے لیکچر کے وقت اتنے آدمی جمع نہیں تھے جتنے کہ مرزا صاحب کے لیکچر کے وقت۔ تمام ہال اوپر نیچے سے بھر رہا تھا۔ اور سامعین ہمہ تن گوش ہو رہے تھے۔

مرزا صاحب کے لیکچر کے وقت اور دیگر سپیکروں کے لیکچروں میں امتیاز کے لئے اس قدر کافی ہے کہ مرزا صاحب کے لیکچر کے وقت خلقت اس طرح آ گری جیسے شہد پر مکھیاں۔ مگر دوسرے لیکچروں کے وقت بوجہ بے لطفی بہت سے لوگ بیٹھے بیٹھے اٹھ جاتے۔ مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی کا لیکچر بالکل معمولی تھا۔ وہی ملانی خیالات تھے جن کو ہم لوگ ہر روز سنتے ہیں اس میں کوئی عجیب و غریب بات نہ تھی اور مولوی صاحب موصوف کے دوسرے حصہ لیکچر کے وقت پر کئی لوگ اٹھ کر چلے گئے تھے۔ مولوی ممدوح کو اپنا لیکچر پورا کرنے کے لئے چند منٹ زائد کی اجازت بھی نہیں دی گئی تھی لیکن مرزا صاحب کے لیکچر پورا کرنے کے لئے لالہ درگا پرشاد صاحب نے آپ سے آپ دس پندرہ منٹ کی اجازت دے دی۔ غرضکہ وہ لیکچر ایسا پر لطف اور ایسا عظیم الشان تھا کہ بجز سننے کے اس کا لطف بیان میں نہیں آ سکتا۔ مرزا صاحب نے انسان کی پیدائش سے لے کر معاد تک ایسا مسلسل بیان فرمایا اور عالم برزخ اور قیامت کا حال ایسا عیاں فرمایا کہ بہشت و دوزخ سامنے دکھا دیا۔ اسلام کے بڑے سے بڑے مخالف اس روز اس لیکچر کی تعریف میں رطب اللسان تھے چونکہ وہ لیکچر عنقریب رپورٹ میں شائع ہونے والا ہے اس لئے ہم ناظرین کو شوق دلاتے ہیں کہ اس کے منتظر رہیں۔ مسلمانوں میں سے مولوی ثناء اللہ صاحب امرت سری کا طرز بیان بھی کسی قدر اچھا تھا۔ لیکن لیکچر عموماً وعظ کی قسم کا تھا۔ فلسفیانہ ڈھنگ کا نہیں تھا جس کی جلسہ کو ضرورت تھی۔...... بہرحال اس کا شکر ہے کہ اس جلسہ میں اسلام کا بول بالا رہا۔

اور تمام غیر مذاہب کے دلوں پر اسلام کا سکہ بیٹھ گیا۔ گو زبان سے وہ اقرار کریں یا نہ کریں"۔ [۱۷]

الغرض حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی پیشگوئی کمال صفائی سے پوری ہوئی اور اسلام کو غلبہ نصیب ہوا۔ یہ مقابلہ اس مقابلے کی مانند تھا جو حضرت موسیٰ کو ساحروں کے ساتھ کرنا پڑا۔ سب مذاہب والوں نے اپنی اپنی لاٹھیوں کے خیالی سانپ بنائے تھے لیکن جب خدا نے مسیح موعودؑ کے ہاتھ سے اسلامی راستی کا عصا ایک پاک اور پر معارف تقریر کے پیرائے میں ان کے مقابل چھوڑا تو وہ اژدھا بن کر سب کو نگل گیا۔

جلسہ اعظم مذاہب میں اسلام کی شاندار فتح سے متعلق کلکتہ کے اخبار جنرل و گوہر آصفی کا تبصرہ

اخبار "جنرل و گوہر آصفی" (کلکتہ) نے ۲۴۔ جنوری ۱۸۹۷ء کی اشاعت میں صفحہ ۲ پر "جلسہ اعظم مذاہب" منعقدہ لاہور اور "فتح اسلام" کے دوہرے عنوان سے لکھا۔ "چونکہ ہمارے اخبار کے کالم اس جلسہ کے متعلق ایک خاص دلچسپی ظاہر کر چکے ہیں لہٰذا ہم اپنے شائق ناظرین کو اس کے درجہ آخر مختصر حالات سے اطلاع دینی ضروری سمجھتے ہیں۔

جہاں تک ہم نے دریافت کیا ہے ہر ایک طالب حق کو اس جلسہ کے حالات معلوم کرنے کے لئے بڑا ہی شائق پایا ہے کون دل ہو گا جو حق کا متلاشی نہ ہو گا۔ کون آنکھ ہو گی جو حق کی چمک دیکھنے کے لئے تڑپتی نہ ہو گی؟ کون دماغ ہو گا جو حق کی جانچ پڑتال کی طرف مائل نہ ہو گا۔ پھر ہم یہ کیونکر امید نہیں کر سکتے کہ اپنے ناظرین کی روحیں اس جلسہ کی کارروائی کی دریافت کے لئے مضطر نہ ہوں گی۔ کیا اس اضطرار کو دفع کرنا ہمارا فریضہ نہیں۔ بیشک ہے اور ضرور ہے اور اسی لئے ہے جو ہم نے خاص انتظام کر کے اس جلسہ کے حالات کو دریافت کیا ہے جنہیں ہم اب ہدیہ ناظرین کیا چاہتے ہیں پیشتر اس کے کہ ہم کارروائی جلسہ کی نسبت گفتگو کریں ہمیں یہ بتا دینا ضروری ہے کہ ہمارے اخبار کے کالموں میں جیسا کہ اس کے ناظرین پر واضح ہو گا یہ بحث ہو چکی ہے کہ اس جلسہ اعظم مذاہب میں اسلامی وکالت کے لئے سب سے زیادہ لائق کون شخص تھا۔ ہمارے ایک معزز لائق نامہ نگار صاحب نے سب سے پہلے خالی الذہن ہو کر اور حق کو مدنظر رکھ کر حضرت مرزا غلام احمد صاحب رئیس قادیان کو اپنی رائے میں منتخب فرمایا تھا۔ جس کے ساتھ ہمارے اور ایک مکرم مخدوم نے اپنی مراسلت میں توارد اتفاق ظاہر کیا تھا۔ جناب مولوی سید محمد فخرالدین صاحب فخر نے بڑے زور کے ساتھ اس انتخاب کی نسبت جو اپنی آزاد' مدلل اور بیش قیمت رائے پبلک کے پیش فرمائی تھی اس میں حضرت مرزا غلام احمد صاحب رئیس قادیان۔ جناب سرسید احمد صاحب آف علی گڑھ کو انتخاب فرمایا تھا اور ساتھ ہی اس اسلامی وکالت کا

قرعہ حضرات ذیل کے نام نکلا تھا۔ جناب مولوی ابو سعید محمد حسین صاحب بٹالوی۔ جناب مولوی حاجی سید محمد علی صاحب کانپوری اور جناب مولوی احمد حسین صاحب عظیم آبادی۔ یہاں یہ ذکر کر دینا بھی نامناسب نہ ہو گا۔ کہ ہمارے ایک لوکل اخبار کے ایک نامہ نگار نے جناب مولوی عبدالحق صاحب دہلوی مصنف تفسیر حقانی کو اس کام کے لئے منتخب فرمایا تھا تاہم اپنے ناظرین کو یہ بھی معلوم کرانا چاہتے ہیں کہ سوامی شوگن چندر نے انعقاد جلسہ سے پہلے اپنے اشتہار واجب اظہار کے ذریعے علمائے مذاہب مختلف ہند کو بہت عار دلا دلا کر اپنے اپنے مذہب کے جوہر دکھلانے کے لئے طلب کیا تھا اور جس جوش سے اور عار دلانے والے طریق سے انہوں نے طلب کیا تھا اس کا ٹھیک اندازہ انہیں کی عبارت سے کیا جا سکتا ہے۔ وہ فرماتے ہیں۔

"ہر ایک قوم کے بزرگ واعظ جانتے ہیں کہ اپنے مذہب کی سچائی کو ظاہر کرنا ان پر فرض ہے پس جس حالت میں اسی غرض کے لئے یہ جلسہ انعقاد پایا ہے کہ سچائیاں ظاہر ہوں۔ تو خدا نے ان کو اس فرض کے ادا کرنے کا اب خوب موقع دیا ہے جو ہمیشہ انسان کے اختیار میں نہیں ہوتا۔ میرا دل اس بات کو قبول کر نہیں سکتا۔ کہ اگر ایک شخص سچا جوش اپنے مذہب کے لئے رکھتا ہو اور فی الواقع اس بات میں ہمدردی انسانوں کی دیکھتا ہو کہ ان کو اپنے مذہب کی طرف کھینچے تو پھر وہ ایسی نیک تقریب میں جب کہ صدہا مہذب اور تعلیم یافتہ لوگ ایک عالم خاموشی میں بیٹھ کر اس کے مذہب کی خوبیاں سننے کے لئے تیار ہوں گے ایسے مبارک وقت کو ہاتھ سے دیدے اور ذرہ اس کو اپنے فرض کا خیال نہ آوے اس وقت میں کیوں کر کوئی عذر قبول کروں۔ کیا میں قبول کر سکتا ہوں کہ جو شخص دوسروں کو ایک مہلک بیماری میں خیال کرتا ہے اور یقین رکھتا ہے کہ اس کی سلامتی میری دوا میں ہے اور بنی نوع کی ہمدردی کا دعویٰ بھی کرتا ہے۔ وہ ایسے موقع میں جو غریب بیمار اس کو علاج کے لئے بلاتے ہیں وہ دانستہ پہلو تہی کرے۔ میرا دل اس بات کے لئے تڑپ رہا ہے کہ یہ فیصلہ ہو جائے کہ کونسا مذہب درحقیقت سچائیوں اور صداقتوں سے بھرا ہوا ہے اور میرے پاس وہ الفاظ نہیں جن کے ذریعہ میں اپنے اس سچے جوش کو بیان کر سکوں۔ میرا قوموں کے بزرگ واعظوں اور جلیل الشان حامیوں پر کوئی حکم نہیں۔ صرف ان کی خدمت میں سچائی ظاہر کرنے کے لئے ایک عاجزانہ التماس ہے۔ میں اس وقت مسلمانوں کے معزز علماء کی خدمت میں ان کے خدا کی قسم دے کر باادب التماس کرتا ہوں کہ اگر وہ اپنا مذہب منجانب اللہ جانتے ہیں تو اس موقع پر اپنے اسی نبی کی عزت کے لئے جس کے فداشدہ وہ اپنے تئیں خیال کرتے ہیں اس جلسہ میں حاضر ہوں۔ اسی طرح بخدمت پادری صاحبان نہایت ادب اور انکساری سے میری التماس ہے کہ اگر وہ اپنے مذہب کو فی الواقع سچا اور انسانوں کی نجات کا ذریعہ خیال کرتے ہیں تو اس

موقعہ پر ایک اعلیٰ درجہ کا بزرگ ان میں سے اپنے مذہب کی خوبیاں سنانے کے لئے جلسہ میں تشریف لا دیں۔ میں نے جیسا کہ مسلمانوں کو قسم دی ایسا ہی بزرگ پادری صاحبوں کو حضرت مسیحؑ کی قسم دیتا ہوں اور ان کی محبت اور عزت اور بزرگی کا واسطہ ڈال کر خاکساری کے ساتھ عرض پرداز ہوں۔ کہ اگر کسی اور نیت کے لئے نہیں تو اس قسم کی عزت کے لئے ضرور اس جلسہ میں ایک اعلیٰ بزرگ ان میں سے اپنے مذہب کی خوبیاں بیان کرنے کے لئے تشریف لاویں۔ ایسا ہی میں اپنے بھائیوں آریہ سماج والوں کی خدمت میں اس پرمیشر کی قسم دے کر جس نے وید مقدس کو اپنت کیا عاجزانہ عرض کرتا ہوں۔ کہ اس جلسہ میں ضرور کوئی اعلیٰ واعظ ان کا تشریف لا کر وید مقدس کی خوبیاں بیان کرے۔ اور ایسا ہی صاحبان سناتن دھرم اور برہمو صاحبان وغیرہ کی خدمت میں اسی قسم کے ساتھ التماس ہے پبلک کو اس اشتہار کے بعد ایک فائدہ بھی حاصل ہو گا کہ ان تمام قوموں میں سے کس قوم کو درحقیقت اپنے خدا کی عزت اور قسم کا پاس ہے اور اگر اس کے بعد بعض صاحبوں نے پہلو تہی کی تو بلا شبہ ان کا پہلو تہی کرنا گویا اپنے مذہب کی سچائی سے انکار ہے"۔ انتھی۔

اب ہمارے ناظرین کو غور کرنا چاہیے کہ اس جلسے کے اشتہاروں وغیرہ کے دیکھنے اور دعوتوں کے پہنچنے پر کن کن علمائے ہند کی رگ حمیت نے مقدس دین اسلام کی وکالت کے لئے جوش کھایا۔ اور کہاں تک انہوں نے اسلامی حمایت کا بیڑا اٹھا کر حجج و براہین کے ذریعے فرقانی ہیبت کا سکہ غیر مذاہب کے دل پر بٹھانے کے لئے کوشش کی ہے۔

ہمیں معتبر ذریعے سے معلوم ہوا ہے کہ کارکنان جلسہ نے خاص طور پر حضرت مرزا غلام احمد صاحب اور سرسید احمد صاحب کو شریک جلسہ ہونے کے لئے خط لکھا تھا تو حضرت مرزا صاحب نے گو علالت طبع کی وجہ سے بنفس نفیس شریک جلسہ نہ ہو سکے مگر اپنا مضمون بھیج کر اپنے ایک شاگرد خاص جناب مولوی عبدالکریم صاحب سیالکوٹی کو اس کی قرات کے لئے مقرر فرمایا۔ لیکن جناب سرسید نے شریک جلسہ ہونے اور مضمون بھیجنے سے کنارہ کشی فرمائی یہ اس بنا پر نہ تھا کہ وہ معمر ہو چکے اور ایسے جلسوں میں شریک ہونے کے قابل نہ رہے ہیں اور نہ اس بناء پر تھا کہ انہیں ایام میں ایجوکیشنل کانفرنس کا انعقاد میرٹھ میں مقرر ہو چکا تھا بلکہ یہ اس بناء پر تھا کہ مذہبی جلسے ان کی توجہ کے قابل نہیں۔ کیونکہ انہوں نے اپنی چٹھی میں جس کو ہم انشاء اللہ تعالیٰ اپنے اخبار میں کسی اور وقت درج کریں گے صاف لکھ دیا ہے کہ وہ کوئی واعظ یا ناصح یا مولوی نہیں۔ یہ کام واعظوں اور ناصحوں کا ہے جلسے کے پروگرام کے دیکھنے اور نیز تحقیق کرنے سے ہمیں یہ پتہ ملا ہے کہ جناب مولوی سید محمد علی صاحب کانپوری۔ جناب مولوی عبدالحق صاحب دہلوی اور جناب مولوی احمد حسین صاحب عظیم آبادی نے

اس جلسہ کی طرف کوئی جوشیلی توجہ نہیں فرمائی اور نہ ہمارے مقدس زمرہ علماء سے کسی اور لائق فرد نے اپنا مضمون پڑھنے یا پڑھوانے کا عزم بتایا۔ ہاں دو ایک عالم صاحبوں نے بڑی ہمت کر کے ما نحن فیھا میں قدم رکھا۔ مگر الٹا۔ اس لئے انہوں نے یا تو مقرر کردہ مضامین پر کوئی گفتگو نہ کی۔ یا بے سروپا کچھ ہانک دیا۔ جیسا کہ ہماری آئندہ کی رپورٹ سے واضح ہو گا۔ غرض جلسہ کی کارروائی سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ صرف ایک حضرت مرزا غلام احمدؑ صاحب رئیس قادیان تھے جنہوں نے اس میدان مقابلہ میں اسلامی پہلوانی کا پورا حق ادا فرمایا ہے۔ اور اس انتخاب کو راست کیا ہے جو خاص آپ کی ذات کو اسلامی وکیل مقرر کرنے میں پشاور۔ روالپنڈی۔ جہلم۔ شاہ پور۔ بھیرہ۔ خوشاب۔ سیالکوٹ۔ جموں۔ وزیر آباد۔ لاہور۔ امرت سر۔ گورداسپور۔ لودھیانہ شملہ۔ دہلی۔ انبالہ۔ ریاست پٹیالہ۔ کپور تھلہ۔ ڈیرہ دون۔ الہ آباد۔ مدراس۔ بمبئی۔ حیدر آباد دکن۔ بنگلور وغیرہ بلاد ہند کے مختلف اسلامی فرقوں سے وکالت ناموں کے ذریعہ مزین بدستخط ہو کر وقوع میں آیا تھا۔ حق تو یہ ثابت ہوتا ہے۔ کہ اگر اس جلسے میں حضرت مرزا صاحب کا مضمون نہ ہوتا تو اسلامیوں پر غیر مذاہب والوں کے روبرو ذلت و ندامت کا قشقہ لگتا۔ مگر خدا کے زبردست ہاتھ نے مقدس اسلام کو گرنے سے بچالیا۔ بلکہ اس کو اس مضمون کی بدولت ایسی فتح نصیب فرمائی کہ موافقین تو موافقین مخالفین بھی سچی فطرتی جوش سے کہہ اٹھے کہ یہ مضمون سب پر بالا ہے۔ بالا ہے۔ صرف اسی قدر نہیں بلکہ اختتام مضمون پر حق الامر معاندین کی زبان پر یوں جاری ہو چکا کہ اب اسلام کی حقیقت کھلی اور اسلام کو فتح نصیب ہوئی۔ جو انتخاب تیر بہدف کی طرح روز روشن میں ٹھیک نکلا۔ اب اس کی مخالفت میں دم زدن کی گنجائش ہے ہی نہیں۔ بلکہ وہ ہمارے فخر و ناز کا موجب ہے اس لئے اس میں اسلامی شوکت ہے اور اسی میں اسلامی عظمت اور حق بھی یہی ہے۔

اگرچہ جلسہ اعظم مذاہب کا ہند میں یہ دوسرا اجلاس تھا لیکن اس نے اپنی شان و شوکت اور جاہ و عظمت کی رو سے سارے ہندستانی کانگرسوں اور کانفرنسوں کو مات کر دیا ہے ہندوستان کے مختلف بلاد کے رؤسا اس میں شریک ہوئے۔ اور ہم بڑی خوشی کے ساتھ یہ ظاہر کیا چاہتے ہیں۔ کہ ہمارے مدراس نے بھی اس میں حصہ لیا ہے جلسہ کی دلچسپی یہاں تک بڑھی کہ مشتہرہ تین دن پر ایک دن بڑھانا پڑا۔ انعقاد جلسہ کے لئے کارکن کمیٹی نے لاہور میں سب سے بڑی وسعت کا مکان اسلامیہ کالج تجویز کیا لیکن خلق خدا کا ازدحام اس قدر تھا کہ مکان کی (وسعت) غیر مکتفی ثابت ہوئی۔ جلسہ کی عظمت کا یہ کافی ثبوت ہے کہ کل پنجاب کے عمائدین کے علاوہ چیف کورٹ اور ہائیکورٹ آلہ آباد کے آنریبل جج

بابو پرتول چندر صاحب اور مسٹر بینرجی نہایت خوشی سے شریک جلسہ ہوئے۔ اس جلسے کے لئے سابق چھ پریذیڈنٹ مقرر ہو چکے تھے جن کے نام نامی یہ ہیں (۱) رائے بہادر بابو پرتول چندر چٹر جی چیفکورٹ پنجاب (۲) خان بہادر شیخ خدا بخش صاحب جج اسمال کاز کورٹ لاہور (۳) رائے بہادر پنڈت رادھا کشن صاحب کول پلیڈر چیف کورٹ و سابق گورنر جموں (۴) سردار دیال سنگھ صاحب رئیس اعظم مجیٹھ (۵) رائے بہادر بھوانیداس صاحب افسر بندوبست ضلع جہلم۔ (۶) مولوی حکیم نور الدین صاحب سابق طبیب شاہی مہاراجہ صاحب بہادر والی کشمیر اور یہی مولوی صاحب تھے جو اختتام جلسہ پر خاتمہ کی تقریر کرنے کے لئے مقرر کئے گئے تھے"۔

لیکچر کا غیر زبانوں میں ترجمہ اور عالمگیر مقبولیت

۱۸۹۷ء میں پہلی دفعہ یہ شہرہ آفاق لیکچر کتابی شکل میں بزبان اردو شائع ہوا۔ لیکن جلد ہی اسے مختلف زبانوں میں منتقل کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی۔ چنانچہ اب دنیا کی تمام بڑی بڑی زبانوں مثلاً عربی۔ فارسی' انگریزی' جرمنی' انڈونیشی' ہسپانوی' برمی' چینی اور سیلی کے علاوہ کنیاری' ہندی اور گورمکھی میں اس کے تراجم شائع ہو چکے ہیں اور جیسا کہ حضرت اقدس کو کشف میں بتایا گیا تھا۔ دنیا بھر میں اسلام کی اشاعت و تبلیغ کا موثر ترین ذریعہ بن رہے ہیں۔ اور بالخصوص مغربی ممالک میں اسلامی تعلیمات کے وسیع اور مقبول ہونے میں تو اس لیکچر کو بڑا بھاری دخل ہے سینکڑوں غیر مسلم اس کا مطالعہ کر کے حلقہ بگوش اسلام ہوئے ہیں اور ایک عالم اس کے پاک انوار سے حق و صداقت کی روشنی کی طرف کھچا آرہا ہے "اسلامی اصول کی فلاسفی" کا انگریزی ترجمہ جناب مولوی محمد علی صاحب ایم۔ اے نے کیا تھا۔ اور اس پر نظر ثانی مسٹر محمد الیگزنڈر رسل ویب (امریکہ) حضرت مولوی شیر علی صاحب بی اے اور چودھری غلام محمد صاحب سیالکوٹی نے کی تھی۔ [۲۲] یہ ترجمہ ۱۹۱۰ء کے وسط میں لنڈن میں چھپا تھا۔

"اسلامی اصول کی فلاسفی" مغربی مفکرین کی نظر میں

امریکہ و یورپ میں جب "اسلامی اصول کی فلاسفی" کے ترجمہ کی اشاعت ہوئی تو اسے زبردست مقبولیت نصیب ہوئی۔ اور مغربی مفکرین نے اس لیکچر کو بے حد سراہا۔ چند آراء بطور مثال درج ذیل ہیں۔

۱۔ نامور روسی مفکر اکاؤنٹ ٹالسٹائی نے کہا:۔

'The ideas are very profound and very true'.

یہ خیالات نہایت گہرے اور سچے ہیں۔

۲۔ "تھیوسافیکل بک نوٹس" نے لکھا:۔

"Admirably calculated to appeal to the student of comparative religion, who will find exactly what he wants to know as Mohammedan doctrines on souls and bodies, divine existence, moral law and much else".

Theosophical Book Notes: (مارچ ۱۹۱۲ء)

قابل تعریف۔ نپا تلا انداز جو مقابلہ مذاہب کے ایسے طالب علم کو بہت متاثر کرتا ہے جسے اس میں وہ سب کچھ مل جاتا ہے جو وہ محمدی قوانین کی روشنی میں روح، جسم، روحانی زندگی، اخلاقی قوانین اور دیگر بہت سے متعلقہ امور کے بارے میں جاننا چاہتا ہے۔ (مارچ ۱۹۱۲ء)

۳۔ "دی انگلش میل" نے یہ رائے دی کہ:۔

"A summary of really Islamic Ideas".

The English Mail: (۲۷۔ اکتوبر ۱۹۱۱ء)

"حقیقی اسلامی خیالات کا خلاصہ" (۲۷۔ اکتوبر ۱۹۱۱ء)

۴۔ "دی برسٹل ٹائمز اینڈ مرر" نے تبصرہ کیا کہ:۔

"Clearly it is no ordinary person who thus addresses himself to the West".

The Bristol Times and Mirror:

یقیناً وہ شخص جو اس رنگ میں مغرب کو مخاطب کرتا ہے کوئی معمولی آدمی نہیں۔

۵۔ دی ڈیلی نیوز (شکاگو) نے لکھا۔

character of the author is apparent".

Chicago :- (۱۹۔ مارچ ۱۹۱۲ء) "The devout and earnest

The Daily News,

اس مصنف کا نہایت پرخلوص اور حقیقت پر مبنی کردار بالکل عیاں ہے۔

۶۔ دی اینگلو بیلجین ٹائمز (برسلز) نے کتاب پر درج ذیل خیالات کا اظہار کیا:۔

"The Teaching of Islam" turns out a wonderful commentary on the Quran (the Muslim Scripture) itself. The author,s method has a further moral, and this is one which, to our mind, all writers on religion will do well to consider. It is that a religious treatise should be affirmative rather than negative in character. It should insist on the beauties of the one system rather than on the defects of another. "The Teaching of Islam" demonstrates the principle in a pre- eminent degree, and the

result is that the author has been able, without being in the least bitter towards any non- Muslim system, to guide the reader to an appreciation of Muslim fundamentals such as would have been impossible otherwise. The book rings with sincerity and conviction ".

The Anglo- Belgian Times, Brussels:

"ٹیچنگ آف اسلام" مسلمانوں کی الہامی کتاب قرآن کریم کی ایک نہایت عمدہ تفسیر ہے۔ مصنف کا اسلوب بیان ایک مزید اخلاقی معیار قائم کرتا ہے۔ جسے ہمارے نزدیک مذہب پر لکھنے والے تمام مصنفین کو مدنظر رکھنا چاہئے۔ اور وہ یہ ہے کہ ایک مذہبی تصنیف کا انداز منفی نہیں بلکہ مثبت ہونا چاہئے۔ اسے کسی بھی سسٹم کی خوبیاں واضح کرنی چاہئیں نہ کہ محض دوسرے کی خامیاں۔ کتاب "ٹیچنگز آف اسلام" یہ اصول نہایت واضح طور پر قائم کرتی ہے جس کی بنا پر اس کا مصنف قاری کو اسلام کے بنیادی اصولوں کی ستائش کی ترغیب کی خاطر کسی اور غیر مسلم سسٹم کے خلاف تلخ رویہ اختیار نہیں کرتا۔ اور یہ بات کوئی اور طرزبیان اختیار کرنے سے ممکن نہ تھی۔ الغرض یہ کتاب خلوص اور حق الیقین کا مرقع ہے۔ [۲۳]

۱۸۹۶ء کے بعض صحابہ

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے بعض جلیل القدر صحابہ جنہوں نے ۱۸۹۶ء میں سلسلہ حقہ میں شمولیت اختیار کی یہ ہیں۔

(۱) حضرت ملک نورالدین صاحب۔ [۲۴]

(۲) حضرت میاں فضل محمد صاحب ہرسیاں ضلع گورداسپور۔ [۲۵]

(۳) حضرت ڈاکٹر بوڑیخاں صاحب قصور۔ [۲۶]

(۴) حضرت مولوی عبدالمغنی صاحب جہلم [۲۷]

(۵) حضرت ماسٹر فقیر اللہ صاحب۔ [۲۸]

حضرت مولوی امام الدین صاحب گولیکی ۹۷-۱۸۹۶ء میں داخل سلسلہ ہوئے۔ آپ کا مختصر تذکرہ پہلے آچکا ہے

حواشی

۱- "رپورٹ جلسہ اعظم مذاہب" صفحہ ۲۵۳-۲۵۴- مطبوعہ مطبع صدیقی لاہور ۱۸۹۷ء
۲ - ایضاً
۳ - ابتداءً لاہور کے ٹاؤن ہال ہی میں اس جلسہ کے منعقد ہونے کا فیصلہ ہوا تھا (تبلیغ رسالت جلد پنجم صفحہ ۷۷)
۴- رپورٹ جلسہ اعظم مذاہب صفحہ ب
۵ - بحوالہ الفضل ۵- جولائی ۱۹۵۲ء صفحہ ۵-۷
۶ - حقیقتہ الوحی (طبع اول) صفحہ ۲۷۸-۲۷۹
۷ - "تبلیغ رسالت" جلد پنجم صفحہ ۷۷-۷۹
۸ - اخبار الحکم ۱۰- جون ۱۹۰۱ء صفحہ ۹ کالم نمبر ۱
۹ - "رپورٹ جلسہ اعظم مذاہب" صفحہ ۷۹-۸۰
۱۰ - "رپورٹ جلسہ اعظم مذاہب" صفحہ ۱۴۰
۱۱ - اگلے اجلاس کی صدارت کے فرائض شیخ صاحب موصوف سرانجام دینے والے تھے اسی لئے یہ استدعا انہی سے کی گئی تھی۔
۱۲ - "رپورٹ جلسہ اعظم مذاہب" طبع اول صفحہ ۱۴۰-۱۴۱
۱۳ - "رپورٹ جلسہ اعظم مذاہب" صفحہ ۷۴ ایضاً اشاعۃ السنہ جلد ۱۸ صفحہ ۶۱
۱۴ - رپورٹ جلسہ اعظم مذاہب صفحہ ۲۰۳-۲۰۴ (طبع اول)
۱۵ - رپورٹ جلسہ اعظم مذاہب صفحہ ۲۱۱
۱۶، ۱۷ ضمیمہ انجام آتھم صفحہ ۳۲- صفحہ ۳۳ طبع اول۔
۱۸ - حقیقتہ الوحی صفحہ ۲۷۹ و سراج منیر صفحہ ۳۱ طبع اول
۱۹ - ضمیمہ انجام آتھم صفحہ ۳۲ حاشیہ
۲۰ - دیکھو پنجاب آبزرور ۲- جنوری ۹- جنوری- صادق الاخبار بہاولپور مشیر ہند لاہور وغیرہ- منہ
۲۱ - "اخبار چودھویں صدی" یکم فروری ۱۸۹۷ء صفحہ ۴ کالم نمبر ۲-۱ (اصل اخبار خلافت لائبریری میں موجود ہے)
۲۲ - (مقدمہ) "The Teachings of Islam" (طبع اول) مطبوعہ "Lugae and Co 46, Great Russell Street London
۲۳ - "سلسلہ احمدیہ صفحہ ۷۱ - ۷۲ (مؤلفہ حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب) ذکر حبیب صفحہ ۳۹۹- ۴۰۱ مطبوعہ قادیان (از حضرت مفتی محمد صادق صاحب) رسالہ ریویو آف ریلیجنز انگریزی جولائی ۱۹۱۲ء صفحہ ۲۹۰ تا صفحہ ۲۹۷- Ahmad the Promised World Teacher. P: 484- 485 -
CompiledbyAbdullahAllahDinSecunderabad(India)-1922
۲۴ - ولادت ۱۸۶۷ء وفات ۳۱- اکتوبر ۱۹۳۴ء آپ کا حضرت مولانا نور الدین صاحب کے خاندان سے رضاعت کا تعلق تھا- اس لئے حضرت مولانا بھی ان کو بہت محبت سے دیکھتے تھے- عرصہ تک راولپنڈی میں ملازم رہے- ۱۹۲۸ء میں ہجرت کر کے قادیان آگئے اور سلسلہ کی متعدد آنریری خدمات سرانجام دیں- وفات سے ایک سال قبل حج بیت اللہ سے بھی مشرف ہوئے۔
۲۵ - والد ماجد ابو البشارت مولانا عبد الغفور صاحب فاضل ۱۷- نومبر ۱۹۵۶ء کو انتقال کیا- بیعت کے بعد آپ نے خواب میں دیکھا کہ آپ کی عمر ۴۵ سال ہوگی- حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی خدمت میں جب انہوں نے اس کا ذکر کیا تو حضور نے فرمایا- خدا تعالیٰ اسے دگنی کرنے پر بھی قادر ہے- چنانچہ ۹۰ سال کی عمر میں ہی آپ کا وصال ہوا- اور بہشتی مقبرہ ربوہ میں دفن ہوئے۔
۲۶ - ۳۱۳ اصحاب میں آپ کا نام ۱۶۰ نمبر پر ہے- جولائی ۱۸۹۹ء میں انتقال ہوا- آپ کی نماز جنازہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے

پڑھائی۔ احمدیہ جنتری ۱۹۲۱ء صفحہ ۶۱ مولفہ محمد منظور الٰہی صاحب۔ احمدیہ بلڈنگس لاہور مطبع اسلامیہ سٹیم پریس لاہور۔

۲۷ - آپ حضرت مولوی برہان الدین کے فرزند تھے اور ۳۱۳ اصحاب میں سے (نمبر ۱۹۰) تاریخ وفات ۱۱۔ جون ۱۹۶۶ء۔

۲۸ - تاریخ ولادت ۲۴۔ جون ۱۸۷۶ء حضرت مولانا غلام حسن خان صاحب پشاوری سے کتاب "ازالہ اوہام" لے کر مطالعہ کی اور احمدیت میں آگئے۔ اگلے سال قادیان کی طرف ہجرت اختیار کی جہاں مدرس تعلیم الاسلام ہائی سکول' سپرنٹنڈنٹ بورڈنگ' مینجر ریویو آف ریلیجز اردو وانگریزی' نائب محاسب صدر انجمن احمدیہ اور دفاتر کے سپرنٹنڈنٹ کی حیثیت سے سالہاسال تک سلسلہ کی خدمت میں سرگرم عمل رہے۔ ۱۹۱۴ء سے ۱۹۴۴ء تک احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور سے منسلک ہو کر انجمن کے مختلف اہم عہدوں پر فائز رہے۔ مگر جب حضرت خلیفتہ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے مصلح موعود ہونے کا دعویٰ فرمایا تو آپ دوبارہ خلافت اور مرکز احمدیت سے وابستہ ہو گئے اور (۱۰۔ مارچ ۱۹۴۴ء کو) حضرت مصلح موعود کی بیعت کر لی۔ اس وقت تحریک جدید کے افسر امانت ہیں۔ (۹۔ اگست ۱۹۶۵ء کو انتقال فرمایا)

مأموریت کا سولھواں سال

اسلام کے زندہ مذہب ہونے کا پر شوکت چیلنج اور تصنیف واشاعت ''انجام آتھم''

(۱۸۹۷ء)

مسٹر عبداللہ آتھم ۲۷- جولائی ۱۸۹۶ء کو فوت ہوئے تھے حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام نے پبلک کو اسلام کی صداقت کے اس زندہ نشان کی طرف دوبارہ توجہ دلانے کے لئے ایک مفصل کتاب ''انجام آتھم'' تصنیف فرمائی جو ۲۲- جنوری ۱۸۹۷ء کو شائع ہوئی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک پیشگوئی کا ظہور

رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی تھی کہ امام مہدی کدعہ نامی گاؤں سے ظاہر ہو گا۔ خدا تعالیٰ اس مہدی کی اپنے نشانات کے ذریعہ تصدیق کرے گا اور دور دور سے اس کے اصحاب جمع کرے گا جن کی تعداد اہل بدر کی طرح تین سو تیرہ ہو گی اور ان کے نام ایک مطبوعہ کتاب میں درج ہوں گے۔[۱] رسول خدا ﷺ کی یہ عظیم الشان خبر اگرچہ ''آئینہ کمالات اسلام'' کے ذریعہ سے بھی (جس میں حضور نے اپنے ۳۲۷ اصحاب کے نام شائع کئے تھے) پوری ہو چکی تھی۔ مگر معین شکل میں یہ پیشگوئی انجام آتھم کے ذریعہ سے ظہور پذیر ہوئی۔ کیونکہ اس میں آپ نے ۳۱۳ اصحاب کی فہرست شائع فرمائی جو آپ کے دعویٰ مہدویت پر ایک آسمانی نشان تھا۔ حضور نے اس فہرست میں برصغیر ہندو پاکستان کے مختلف اصحاب کے علاوہ شام' طائف' بغداد' ممباسہ (افریقہ) بخارا اور لندن کے بعض خدام کے نام بھی درج فرمائے۔

۳۱۳- اصحاب کبار کی فہرست

یہ فہرست چونکہ آنحضرت ﷺ کی ایک عظیم الشان پیشگوئی کو پورا کرتی ہے اس لئے ذیل میں درج کی جاتی ہے:-

۱۔منشی جلال الدین صاحب پنشنر۔ سابق میر منشی رجمنٹ	
نمبر ۱۲۔موضع بلانی۔ کھاریاں	ضلع گجرات
۲۔مولوی حافظ فضل دین صاحب "	ضلع گجرات
۳۔میاں محمد دین پٹواری بلانی	ضلع گجرات
۴۔قاضی یوسف علی نعمانی معہ اہل بیت۔ تشام۔	حصار
۵۔میرزا امین بیگ صاحب معہ اہل بیت۔ بہالوجی۔	جے پور
۶۔مولوی قطب الدین صاحب۔ بدوملی۔	سیالکوٹ
۷۔منشی روڑا صاحب۔	کپورتھلہ
۸۔میاں محمد خاں صاحب۔	کپورتھلہ
۹۔منشی ظفر احمد صاحب۔	کپورتھلہ
۱۰۔منشی عبد الرحمٰن صاحب۔	کپورتھلہ
۱۱۔منشی فیاض علی صاحب۔	کپورتھلہ
۱۲۔مولوی عبد الکریم صاحب۔	سیالکوٹ
۱۳۔سید حامد شاہ صاحب۔	سیالکوٹ
۱۴۔منشی وزیر الدین صاحب۔	کانگڑہ
۱۵۔منشی گوہر علی صاحب۔	جالندھر
۱۶۔مولوی غلام علی صاحب ڈپٹی۔ رہتاس۔	جہلم
۱۷۔میاں نبی بخش صاحب رفوگر۔	امرت سر
۱۸۔میاں عبد الخالق صاحب رفوگر۔	امرتسر
۱۹۔میاں قطب الدین خان صاحب۔ مس گر	امرت سر
۲۰۔مولوی عبد الحمید صاحب۔ حیدر آباد۔	دکن
۲۱۔مولوی حاجی حکیم نور الدین صاحب۔ معہ	
ہر دو زوجہ۔	بھیرہ ضلع شاہ پور
۲۲۔مولوی سید محمد احسن صاحب امروہہ	ضلع مراد آباد
۲۳۔مولوی حاجی حافظ حکیم فضل دین صاحب	
معہ ہر دو زوجہ۔	بھیرہ ضلع شاہ پور
۲۴۔صاحبزادہ محمد سراج الحق صاحب جمالی نعمانی۔	
قادیانی۔ سابق سرساوی۔ معہ اہل بیت	
۲۵۔سید ناصر نواب صاحب دہلوی۔ حال قادیانی	
۲۶۔ صاحبزادہ افتخار احمد صاحب لدھیانوی معہ اہل بیت	
قادیانی	
۲۷۔ صاحبزادہ منظور محمد صاحب۔ لدھیانوی معہ اہل بیت	
قادیانی	
۲۸۔حافظ حاجی مولوی احمد اللہ خاں معہ اہل بیت قادیانی	
۲۹۔ سیٹھ عبد الرحمٰن صاحب حاجی اللہ رکھا معہ اہل بیت	
مدراس	

۳۰۔میاں جمال الدین سیکھواں گورداسپور معہ اہل بیت۔	
۳۱۔میاں خیر الدین سیکھواں گورداسپور معہ اہل بیت	
۳۲۔میاں امام الدین سیکھواں گورداسپور معہ اہل بیت	
۳۳۔میاں عبد العزیز پٹواری گورداسپور معہ اہل بیت	
۳۴۔منشی گلاب دین۔ رہتاس۔	جہلم
۳۵۔قاضی ضیاء الدین صاحب۔	قاضی کوٹ
۳۶۔میاں عبد اللہ صاحب پٹواری۔ سنوری	
۳۷۔شیخ عبد الرحیم صاحب نومسلم سابق لیس	
دفعدار رسالہ نمبر ۱۲۔ چھاؤنی	سیالکوٹ
۳۸۔مولوی مبارک علی صاحب امام	سیالکوٹ
۳۹۔میرزا نیاز بیگ صاحب	کلانوری
۴۰۔میرزا یعقوب بیگ صاحب……..	کلانوری
۴۱۔میرزا ایوب بیگ صاحب معہ اہل بیت "	کلانوری
۴۲۔میرزا خدا بخش صاحب معہ اہل بیت	جھنگ
۴۳۔ سردار نواب محمد علی خاں صاحب رئیس	مالیر کوٹلہ
۴۴۔سید محمد عسکری خان صاحب سابق اکسٹرا اسسٹنٹ	الہ آباد
۴۵۔میرزا محمد یوسف بیگ صاحب سامانہ ریاست	پٹیالہ
۴۶۔شیخ شہاب الدین صاحب………	لدھیانہ
۴۷۔شہزادہ عبد المجید صاحب	"
۴۸۔منشی حمید الدین صاحب	"
۴۹۔میاں کرم الٰہی صاحب	"
۵۰۔قاضی زین العابدین صاحب خانپور۔	سرہند
۵۱۔مولوی غلام حسن صاحب رجسٹرار۔	پشاور
۵۲۔محمد انوار حسین خاں صاحب شاہ آباد۔	ہردوئی
۵۳۔شیخ فضل الٰہی صاحب۔	فیض اللہ چک
۵۴۔میاں عبد العزیز صاحب………	دہلی
۵۵۔مولوی محمد سعید صاحب۔	شامی طرابلسی
۵۶۔مولوی حبیب شاہ صاحب۔	خوشاب
۵۷۔حاجی احمد صاحب…….	بخارا
۵۸۔حافظ نور محمد صاحب۔	فیض اللہ چک
۵۹۔شیخ نور احمد صاحب…….	امرت سر
۶۰۔مولوی جمال الدین صاحب۔	سید والہ
۶۱۔میاں عبد اللہ صاحب۔	ٹھٹھہ شیر کا
۶۲۔میاں اسمٰعیل صاحب. …..	سرساوہ
۶۳۔میاں عبد العزیز صاحب نومسلم	قادیان
۶۴۔خواجہ کمال الدین صاحب بی۔اے مع اہل بیت	لاھور

۶۵- مفتی محمد صادق صاحب بھیرہ	ضلع شاہ پور
۶۶- شیر محمد خان صاحب بکھر " "	ضلع شاہ پور
۶۷- منشی محمد افضل صاحب لاہور - حال	ممباسہ
۶۸- ڈاکٹر محمد اسمٰعیل خان صاحب گوڑیانی ملازم	ممباسہ
۶۹- میاں کریم الدین صاحب مدرس	قلعہ سوبھا سنگھ
۷۰- سید محمد اسمٰعیل دہلوی طالبعلم۔	حال قادیان
۷۱- بابو تاج الدین صاحب اکوشٹ	لاہور
۷۲- شیخ رحمت اللہ صاحب تاجر	لاہور
۷۳- شیخ نبی بخش صاحب """	لاہور
۷۴- منشی معراج الدین صاحب """	لاہور
۷۵- شیخ مسیح اللہ صاحب........	شاہجہانپوری
۷۶- منشی چوہدری نبی بخش صاحب مع اہل بیت۔	بٹالہ
۷۷- میاں محمد اکبر صاحب	بٹالہ
۷۸- شیخ مولا بخش صاحب۔ ڈنگہ۔	گجرات
۷۹- سید امیر علی شاہ صاحب سارجنٹ۔	سیالکوٹ
۸۰- میاں محمد جان صاحب........	وزیر آباد
۸۱- میاں شادی خان صاحب۔	سیالکوٹ
۸۲- میاں محمد نواب خان صاحب تحصیلدار۔	جہلم
۸۳- میاں عبداللہ خان صاحب برادر نواب خان صاحب	جہلم
۸۴- مولوی برہان الدین صاحب	جہلم
۸۵- شیخ غلام نبی صاحب......	راولپنڈی
۸۶- بابو محمد بخش صاحب ہیڈ کلرک۔	چھاؤنی انبالہ
۸۷- منشی رحیم بخش صاحب میونسپل کمشنر۔	لدھیانہ
۸۸- منشی عبدالحق صاحب کرانچی والا۔	لدھیانہ
۸۹- حافظ فضل احمد صاحب.......	لاہور
۹۰- قاضی امیر حسین صاحب......	بھیرہ
۹۱- مولوی حسن علی صاحب مرحوم......	بھاگلپور
۹۲- مولوی فیض احمد صاحب لنگیانوالی۔	گوجرانوالہ
۹۳- سید محمود شاہ صاحب مرحوم۔	سیالکوٹ
۹۴- مولوی غلام امام صاحب عزیز الواعظین۔ منی پور۔	آسام
۹۵- رحمان شاہ صاحب ناگپور ضلع چاندہ۔	ورڈزہ
۹۶- میاں جان محمد صاحب مرحوم۔	قادیان
۹۷- منشی فتح محمد معہ اہل بیت بزدار لیہ	ڈیرہ اسماعیل خان
۹۸- شیخ محمد صاحب............	کمی
۹۹- حاجی منشی احمد جان صاحب مرحوم۔	لدھیانہ
۱۰۰- منشی پیر بخش صاحب مرحوم...........	جالندھر

۱۰۱- شیخ عبدالرحمٰن صاحب نومسلم.........	قادیان
۱۰۲- حاجی عصمت اللہ صاحب..........	لدھیانہ
۱۰۳- میاں پیر بخش صاحب..........	لدھیانہ
۱۰۴- منشی ابراہیم صاحب...........	لدھیانہ
۱۰۵- منشی قمرالدین صاحب...........	لدھیانہ
۱۰۶- حاجی محمد امیر خان صاحب......	سہارنپور
۱۰۷- حاجی عبدالرحمٰن صاحب مرحوم	لدھیانہ
۱۰۸- قاضی خواجہ علی صاحب...........	لدھیانہ
۱۰۹- منشی تاج محمد خان صاحب.......	لدھیانہ
۱۱۰- سید محمد ضیاء الحق صاحب......	روپڑ
۱۱۱- شیخ محمد عبدالرحمٰن صاحب عرف شعبان.....	کابلی
۱۱۲- خلیفہ رجب دین صاحب تاجر....	لاہور
۱۱۳- پیر جی خدا بخش صاحب مرحوم۔	ڈیرہ دون
۱۱۴- حافظ مولوی محمد یعقوب خان صاحب	ڈیرہ دون
۱۱۵- شیخ چراغ علی نمبردار......	تھہ غلام نبی
۱۱۶- محمد اسمٰعیل غلام کبریا صاحب فرزند رشید مولوی محمد احسن صاحب امروہی	
۱۱۷- احمد حسن صاحب فرزند رشید مولوی محمد احسن صاحب امروہی۔	
۱۱۸- سیٹھ احمد صاحب عبدالرحمٰن حاجی اللہ رکھا تاجر مدراس	
۱۱۹- سیٹھ صالح محمد صاحب حاجی اللہ رکھا	تاجر مدراس
۱۲۰- سیٹھ ابراہیم صاحب صالح محمد حاجی اللہ رکھا	تاجر مدراس
۱۲۱- سیٹھ عبدالحمید صاحب حاجی ایوب حاجی اللہ رکھا	تاجر مدراس
۱۲۲- حاجی مہدی صاحب عربی۔ بغدادی نزیل	مدراس
۱۲۳- سیٹھ محمد یوسف صاحب حاجی اللہ رکھا۔	مدراس
۱۲۴- مولوی سلطان محمود صاحب۔ میلاپور	مدراس
۱۲۵- حکیم محمد سعید صاحب " "	مدراس
۱۲۶- منشی قادر علی صاحب " "	مدراس
۱۲۷- منشی غلام دستگیر صاحب " "	مدراس
۱۲۸- منشی سراج دین صاحب ترل کھیڑی......... "	مدراس
۱۲۹- قاضی مرتضٰی صاحب اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر حال پنشنر	مظفر گڑھ
۱۳۰- مولوی عبدالقادر خان صاحب	جمالپور۔ لدھیانہ
۱۳۱- مولوی عبدالقادر صاحب	خاص لدھیانہ
۱۳۲- مولوی رحیم اللہ صاحب مرحوم	لاہور
۱۳۳- مولوی غلام حسین صاحب	"

۱۳۴۔مولوی غلام نبی صاحب مرحوم۔	خوشاب۔شاہ پور
۱۳۵۔مولوی محمد حسین صاحب	علاقہ ریاست کپور تھلہ
۱۳۶۔مولوی شہاب الدین صاحب	غزنوی کابلی
۱۳۷۔مولوی سید تفضل حسن صاحب اکسٹرا اسسٹنٹ علی گڑھ ضلع فرخ آباد	
۱۳۸۔منشی صادق حسین صاحب مختار	اٹاوہ
۱۳۹۔شیخ مولوی فضل حسین صاحب احمد آبادی	جہلم
۱۴۰۔میاں عبدالعلی موضع عبدالرحمٰن	ضلع شاہ پور
۱۴۱۔منشی نصیرالدین صاحب لونی	حال حیدر آباد
۱۴۲۔قاضی محمد یوسف صاحب قاضی کوٹ۔	گوجرانوالہ
۱۴۳۔قاضی فضل الدین صاحب "	"
۱۴۴۔قاضی سراج الدین صاحب "	"
۱۴۵۔قاضی عبدالرحیم صاحب فرزند رشید قاضی	
ضیاءالدین صاحب کوٹ قاضی	گوجرانوالہ
۱۴۶۔شیخ کرم الٰہی صاحب کلرک ریلوے	پٹیالہ
۱۴۷۔میرزا عظیم بیگ صاحب مرحوم	سامانہ پٹیالہ
۱۴۸۔میرزا ابراہیم بیگ صاحب مرحوم	" "
۱۴۹۔میاں غلام محمد طالب علم چھرالہ.........	لاہور
۱۵۰۔مولوی محمد فضل صاحب۔چنگا۔	گوجر خاں
۱۵۱۔ماسٹر قادر بخش صاحب.........	لدھیانہ
۱۵۲۔منشی الہ بخش صاحب............	لدھیانہ
۱۵۳۔حاجی ملا نظام الدین صاحب.....	لدھیانہ
۱۵۴۔عطاء الٰہی۔غوث گڑھ..........	پٹیالہ
۱۵۵۔مولوی نور محمد صاحب مانگٹ.....	پٹیالہ
۱۵۶۔مولوی کریم اللہ صاحب.....	امرت سر
۱۵۷۔سید عبدالہادی صاحب سولن..........	شملہ
۱۵۸۔مولوی محمد عبداللہ خان صاحب.......	پٹیالہ
۱۵۹۔ڈاکٹر عبدالحکیم خان صاحب........	پٹیالہ
۱۶۰۔ڈاکٹر بوڑیخان صاحب۔	قصور ضلع لاہور
۱۶۱۔ڈاکٹر خلیفہ رشیدالدین صاحب لاہور	حال چکراتہ
۱۶۲۔غلام محی الدین خان صاحب فرزند ڈاکٹر بوڑے خان صاحب	
۱۶۳۔مولوی صفدر حسین صاحب۔	حیدر آباد دکن
۱۶۴۔خلیفہ نوردین صاحب............	جموں
۱۶۵۔میاں اللہ دتا صاحب.........	جموں
۱۶۶۔منشی عزیزالدین صاحب	کانگڑہ
۱۶۷۔سید مہدی حسینؓ صاحب	علاقہ پٹیالہ

۱۶۸۔مولوی حکیم نور محمد صاحب.........	موکل
۱۶۹۔حافظ محمد بخش مرحوم.........	کوٹ قاضی
۱۷۰۔چوہدری شرف الدین صاحب کوٹلہ فقیر۔	جہلم
۱۷۱۔میاں رحیم بخش صاحب.....	امرت سر
۱۷۲۔مولوی محمد افضل صاحب کملہ۔	گجرات
۱۷۳۔میاں اسمٰعیل صاحب...	امرت سری
۱۷۴۔مولوی غلام جیلانی صاحب گھڑونواں۔	جالندھر
۱۷۵۔منشی امانت خان صاحب۔نادون۔	کانگڑہ
۱۷۶۔قاری محمد صاحب....	جہلم
۱۷۷۔میاں کرم داد معہ اہل بیت.........	قادیان
۱۷۸۔حافظ نور احمد.........	لدھیانہ
۱۷۹۔میاں کرم الٰہی صاحب....	لاہور
۱۸۰۔میاں عبدالصمد صاحب....	نارووال
۱۸۱۔میاں غلام حسین معہ اہلیہ۔	رہتاس
۱۸۲۔میاں نظام الدین صاحب........	جہلم
۱۸۳۔میاں محمد صاحب...........	جہلم
۱۸۴۔میاں علی محمد صاحب.........	"
۱۸۵۔میاں عباس خان۔کہوہار۔	گجرات
۱۸۶۔میاں قطب الدین صاحب کوٹلہ فقیر۔	جہلم
۱۸۷۔میاں اللہ دتا خان صاحب اڑیالہ	"
۱۸۸۔محمد حیات صاحب چک جانی	"
۱۸۹۔مخدوم مولوی محمد صدیق صاحب۔	بھیرہ
۱۹۰۔عبدالغنی صاحب فرزند رشید مولوی برہان الدین صاحب جہلمی	
۱۹۱۔قاضی چراغ الدین۔کوٹ قاضی	گوجرانوالہ
۱۹۲۔میاں فضل الدین صاحب قاضی کوٹ	"
۱۹۳۔میاں علم الدین صاحب کوٹلہ فقیر۔	جہلم
۱۹۴۔قاضی میر محمد صاحب	کوٹ کھلیان
۱۹۵۔میاں اللہ دتا صاحب۔نت۔	گوجرانوالہ
۱۹۶۔میاں سلطان محمد صاحب..........	"
۱۹۷۔مولوی خاں ملک صاحب....	کھیوال
۱۹۸۔میاں اللہ بخش صاحب علاقہ بند۔	امرت سر
۱۹۹۔مولوی عنایت اللہ صاحب مدرس	مانانوالہ
۲۰۰۔منشی میراں بخش صاحب.........	گوجرانوالہ
۲۰۱۔مولوی احمد جان صاحب مدرس	"
۲۰۲۔مولوی حافظ احمد دین چک سکندر۔	گجرات

۲۰۳۔ مولوی عبدالرحمٰن صاحب کھیوال۔	جہلم
۲۰۴۔ میاں مہردین صاحب.......	لالہ موسیٰ
۲۰۵۔ میاں ابراہیم صاحب پنڈوری۔	جہلم
۲۰۶۔ سید محمود شاہ صاحب فتح پور۔	گجرات
۲۰۷۔ محمد جو صاحب........	امرت سر
۲۰۸۔ منشی شاہ دین صاحب۔ دینا.........	جہلم
۲۰۹۔ منشی روشن دین صاحب ڈنڈوٹ.........	"
۲۱۰۔ حکیم فضل الٰہی صاحب.......	لاہور
۲۱۱۔ شیخ عبداللہ دیوانچند صاحب کمپونڈر	لاہور
۲۱۲۔ منشی محمد علی صاحب..........	"
۲۱۳۔ منشی امام الدین صاحب کلرک..........	"
۲۱۴۔ منشی عبدالرحمٰن صاحب "	"
۲۱۵۔ خواجہ جمال الدین صاحب بی۔ اے۔	لاہور حال جموں
۲۱۶۔ منشی مولا بخش صاحب کلرک......	لاہور
۲۱۷۔ شیخ محمد حسن صاحب مراد آبادی۔	پٹیالہ
۲۱۸۔ عالم شاہ صاحب کھاریاں.....	گجرات
۲۱۹۔ مولوی شیر محمد صاحب ہوجن.....	شاہ پور
۲۲۰۔ میاں محمد اسحٰق صاحب اوورسیر۔ بھیرہ	حال ممباسہ
۲۲۱۔ میرزا اکبر بیگ صاحب...	کلانور
۲۲۲۔ مولوی محمد یوسف صاحب.....	سنور
۲۲۳۔ میاں عبدالصمد صاحب.........	سنور
۲۲۴۔ منشی عطا محمد صاحب..........	سیالکوٹ
۲۲۵۔ شیخ مولا بخش صاحب	سیالکوٹ
۲۲۶۔ سید خصیلت علی شاہ صاحب ڈپٹی انسپکٹر	ڈنگہ
۲۲۷۔ منشی رستم علی صاحب کورٹ انسپکٹر	گورداسپورہ
۲۲۸۔ سید احمد علی شاہ صاحب	سیالکوٹ
۲۲۹۔ ماسٹر غلام محمد صاحب......	سیالکوٹ
۲۳۰۔ حکیم محمد دین صاحب.....	"
۲۳۱۔ میاں غلام محی الدین صاحب.....	"
۲۳۲۔ میاں عبدالعزیز صاحب......	"
۲۳۳۔ منشی محمد الدین صاحب......	"
۲۳۴۔ منشی عبدالمجید صاحب اوجلہ۔	گورداسپور
۲۳۵۔ میاں خدا بخش صاحب بٹالہ	"
۲۳۶۔ منشی حبیب الرحمٰن صاحب حاجی پور۔	کپورتھلہ
۲۳۷۔ محمد حسین صاحب لنگیاں والی۔	گوجرانوالہ
۲۳۸۔ منشی زین الدین محمد ابراہیم۔ انجینئر۔	بمبئی

۲۳۹۔ سید فضل شاہ صاحب.......	لاہور
۲۴۰۔ سید ناصر صاحب اوورسیر۔	اوڑی کشمیر
۲۴۱۔ منشی عطا محمد صاحب۔ چنیوٹ۔	جھنگ
۲۴۲۔ شیخ نور احمد صاحب جالندھر	حال ممباسہ
۲۴۳۔ منشی سرفراز خان صاحب.....	جھنگ
۲۴۴۔ مولوی سید محمد رضوی صاحب	حیدر آباد
۲۴۵۔ مفتی فضل الرحمٰن صاحب مع اہلیہ۔	بھیرہ
۲۴۶۔ حافظ محمد سعید صاحب بھیرہ	حال لندن
۲۴۷۔ مستری قطب الدین صاحب	بھیرہ
۲۴۸۔ مستری عبدالکریم صاحب	"
۲۴۹۔ مستری غلام الٰہی صاحب	"
۲۵۰۔ میاں عالم دین صاحب	"
۲۵۱۔ میاں محمد شفیع صاحب	"
۲۵۲۔ میاں نجم الدین صاحب	"
۲۵۳۔ میاں خادم حسین صاحب	"
۲۵۴۔ بابو غلام رسول صاحب "	"
۲۵۵۔ شیخ عبدالرحمٰن صاحب نومسلم	"
۲۵۶۔ مولوی سردار محمد صاحب	لون میانی
۲۵۷۔ مولوی دوست محمد صاحب	"
۲۵۸۔ مولوی حافظ محمد صاحب بھیرہ	حال کشمیر
۲۵۹۔ مولوی شیخ قادر بخش صاحب۔	احمد آباد
۲۶۰۔ منشی اللہ داد صاحب کلرک چھاؤنی	شاہ پور
۲۶۱۔ میاں حاجی دریام..........	خوشاب
۲۶۲۔ حافظ مولوی فضل دین صاحب......	خوشاب
۲۶۳۔ سید دلدار علی صاحب بلہور۔	کانپور
۲۶۴۔ سید رمضان علی صاحب بلہور	کانپور
۲۶۵۔ سید جیون علی صاحب پلول۔	حال الہ آباد
۲۶۶۔ سید فرزند حسین صاحب چاند پور	"
۲۶۷۔ سید اہتمام علی صاحب موہرونڈا	"
۲۶۸۔ حاجی نجف علی صاحب۔ کٹرہ محلہ	الہ آباد
۲۶۹۔ شیخ گلاب صاحب " "	"
۲۷۰۔ شیخ خدا بخش صاحب " "	"
۲۷۱۔ حکیم محمد حسین صاحب......	لاہور
۲۷۲۔ میاں عطا محمد صاحب......	سیالکوٹ
۲۷۳۔ میاں محمد دین صاحب..........	جموں
۲۷۴۔ میاں محمد حسن صاحب عطار.........	لدھیانہ

۲۷۵۔سید نیاز علی صاحب بدایوں۔	حال رامپور
۲۷۶۔ڈاکٹر عبدالشکور صاحب......	سرسہ
۲۷۷۔شیخ حافظ الہ دین صاحب بی۔اے۔	جہادریاں
۲۷۸۔میاں عبدالسبحان..........	لاہور
۲۷۹۔میاں شہامت خان.........	نارون
۲۸۰۔مولوی عبدالحکیم صاب دہارواز علاقہ	بمبئی
۲۸۱۔قاضی عبداللہ صاحب۔	کوٹ قاضی
۲۸۲۔عبدالرحمٰن صاحب پٹواری۔	سنوری
۲۸۳۔برکت علی صاحب مرحوم	تہہ غلام نبی
۲۸۴۔شہاب الدین صاحب	" "
۲۸۵۔صاحب دین صاحب تہال	گجرات
۲۸۶۔مولوی غلام حسن مرحوم.....	دینانگر
۲۸۷۔نواب دین مدرس	دینانگر
۲۸۸۔احمد دین صاحب..........	منارہ
۲۸۹۔عبداللہ صاحب قرآنی.....	لاہور
۲۹۰۔کرم الٰہی صاحب کمپازیٹر.....	"
۲۹۱۔سید محمد آفندی.......	ترکی
۲۹۲۔عثمان عرب صاحب.........	طائف شریف
۲۹۳۔عبدالکریم صاحب مرحوم۔	چمارو
۲۹۴۔عبدالوہاب صاحب......	بغدادی
۲۹۵۔میاں کریم بخش صاحب مرحوم و مغفور جمالپور ضلع	لدھیانہ

۲۹۶۔عبدالعزیز صاحب عرف عزیز الدین....	ناسنگ
۲۹۷۔حافظ غلام محی الدین صاحب۔بھیرہ حال	قادیان
۲۹۸۔محمد اسمٰعیل صاحب نقشہ نویس	کالکا ریلوے
۲۹۹۔احمد دین صاحب۔	چک کھاریاں
۳۰۰۔محمد امین کتاب فروش۔	جہلم
۳۰۱۔مولوی محمود حسن خان صاحب مدرس ملازم	پٹیالہ
۳۰۲۔محمد رحیم الدین......	حبیب والہ
۳۰۳۔شیخ حرمت علی صاحب کراری	الہ آباد
۳۰۴۔میاں نور محمد صاحب غوث گڑھ۔	پٹیالہ
۳۰۵۔مستری اسلام احمد صاحب	بھیرہ
۳۰۶۔حسینی خان صاحب	الہ آباد
۳۰۷۔قاضی رضی الدین صاحب.....	اکبر آباد
۳۰۸۔سعد اللہ خان صاحب....	الہ آباد
۳۰۹۔مولوی عبدالحق صاحب ولد مولوی	
فضل حق صاحب مدراس	سامانہ پٹیالہ
۳۱۰۔مولوی حبیب اللہ صاحب مرحوم	
محافظ دفتر پولس۔	جہلم
۳۱۱۔رجب علی صاحب پنشنر ساکن جھونسی کہنہ	ضلع الہ آباد
۳۱۲۔ڈاکٹر سید منصب علی صاحب پنشنر	الہ آباد
۳۱۳۔میاں کریم اللہ صاحب سارجنٹ پولس	جہلم

اس وقت مندرجہ بالا ۳۱۳ اصحاب میں سے حضرت بھائی عبدالرحمٰن صاحب قادیانی (۱۰۱) حضرت مولوی عبدالمغنی صاحب جہلمی (۱۹۰) اور حضرت قاضی محمد عبداللہ صاحب ربوہ (۲۸۱) خدا کے فضل سے زندہ موجود ہیں۔ اور مبائعین میں شامل ہیں۔ ان مخلصین کے علاوہ فہرست میں شامل چند اور اصحاب بھی گو بقید حیات ہیں۔ مگر وہ مبایعین سے متعلق نہیں رہے۔ (افسوس موجودہ ایڈیشن کے وقت ۳۱۳ اصحاب میں سے کوئی بزرگ زندہ نہیں۔ اس مبارک گروہ کے آخری فرد حضرت قاضی صاحب تھے جن کا انتقال ۲۷۔ فروری ۱۹۷۲ء کو ہوا)

علماء کے نام عربی مکتوب

"انجام آتھم" میں حضرت اقدس نے علماء پر اتمام حجت کے لئے فصیح و بلیغ عربی میں ایک مفصل مکتوب بھی تحریر فرمایا۔ جو آپ کے روحانی اور علمی کمالات کا مرقع اور آپ کی سچائی پر ابدی برہان ہے۔

اسلام کے زندہ مذہب ہونے کا پر شوکت چیلنج

کتاب کے ضمیمہ میں حضور نے اسلام اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زندہ ہونے پر ایک پر شوکت چیلنج دیتے ہوئے اعلان فرمایا:

بالآخر میں پھر ہریک طالب حق کو یاد دلاتا ہوں کہ وہ دین حق کے نشان اور اسلام کی سچائی کے آسمانی گواہ جس سے ہمارے نابینا علماء بے خبر ہیں۔ وہ مجھ کو عطا کئے گئے ہیں۔ مجھے بھیجا گیا ہے۔ تا میں ثابت کروں کہ ایک اسلام ہی ہے جو زندہ مذہب ہے اور وہ کرامات مجھے عطا کئے گئے ہیں جن کے مقابلہ سے تمام غیر مذاہب والے اور ہمارے اندرونی اندھے مخالف بھی عاجز ہیں۔ میں ہریک مخالف کو دکھلا سکتا ہوں۔ کہ قرآن شریف اپنی تعلیموں اور اپنے علوم حکمیہ اور اپنے معارف دقیقہ اور بلاغت کاملہ کی رو سے معجزہ ہے۔ موسیٰ کے معجزہ سے بڑھ کر اور عیسیٰ کے معجزات سے صدہا درجہ زیادہ۔

میں بار بار کہتا ہوں اور بلند آواز سے کہتا ہوں کہ قرآن اور رسول کریم ﷺ سے سچی محبت رکھنا اور سچی تابعداری اختیار کرنا انسان کو صاحب کرامات بنا دیتا ہے اور اسی کامل انسان پر علوم غیبیہ کے دروازے کھولے جاتے ہیں اور دنیا میں کسی مذہب والا روحانی برکات میں اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ چنانچہ میں اس میں صاحب تجربہ ہوں۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ بجز اسلام تمام مذہب مردے۔ ان کے خدا مردے اور خود وہ تمام پیرو مردے ہیں۔ اور خدا تعالیٰ کے ساتھ زندہ تعلق ہو جانا بجز اسلام قبول کرنے کے ہرگز ممکن نہیں۔ ہرگز ممکن نہیں۔

اے نادانو! تمہیں مردہ پرستی میں کیا مزہ ہے؟ اور مردار کھانے میں کیا لذت؟!! آؤ میں تمہیں بتلاؤں کہ زندہ خدا کہاں ہے اور کس قوم کے ساتھ ہے۔ وہ اسلام کے ساتھ ہے اسلام اس وقت موسیٰ کا طور ہے۔ جہاں خدا بول رہا ہے وہ خدا جو نبیوں کے ساتھ ہمیشہ کلام کرتا تھا۔ اور پھر چپ ہو گیا آج وہ ایک مسلمان کے دل میں کلام کر رہا ہے۔ کیا تم میں سے کسی کو شوق نہیں کہ اس بات کو پرکھے۔ پھر اگر حق کو پاوے تو قبول کر لیوے۔ تمہارے ہاتھ میں کیا ہے؟ کیا ایک مردہ کفن میں لپیٹا ہوا۔ پھر کیا ہے؟ کیا ایک مشت خاک۔ کیا یہ مردہ خدا ہو سکتا ہے؟ کیا یہ تمہیں کچھ جواب دے سکتا ہے؟ ذرا آؤ ہاں لعنت ہے تم پر اگر نہ آؤ اور اس سڑے گلے مردہ کا میرے خدا کے ساتھ مقابلہ نہ کرو۔

دیکھو میں تمہیں کہتا ہوں کہ چالیس دن نہیں گزریں گے کہ وہ بعض آسمانی نشانوں سے تمہیں شرمندہ کرے گا۔ ناپاک ہے وہ دل جو سچے ارادہ سے نہیں آزماتے اور پھر انکار کرتے ہیں اور پلید ہیں وہ طبیعتیں جو شرارت کی طرف جاتی ہیں نہ طلب حق کی طرف۔

او میرے مخالف مولویو! اگر تم میں شک ہو تو آؤ چند روز میری صحبت میں رہو اگر خدا کے نشان نہ دیکھو تو مجھے پکڑو اور جس طرح چاہو تکذیب سے پیش آؤ۔ میں اتمام حجت کر چکا۔ اب جب تک تم اس حجت کو نہ توڑلو تمہارے پاس کوئی جواب نہیں۔ خدا کے نشان بارش کی طرح برس رہے ہیں کیا تم میں سے کوئی نہیں جو سچا دل لے کر میرے پاس آوے کیا ایک بھی نہیں۔

"دنیا میں ایک نذیر آیا پر دنیا نے اس کو قبول نہ کیا لیکن خدا اسے قبول کرے گا اور بڑے زور آور حملوں سے اس کی سچائی ظاہر کردیگا"۔

اشتہار مستیقنا بوحی اللہ القہار

یہ پرشوکت چیلنج آپ نے بالخصوص عیسائی پادریوں کو مخاطب کرتے ہوئے ۱۴۔ جنوری ۱۸۹۷ء کو الاشتہار مستیقنا بوحی اللہ القہار" [۲] کے ذریعہ سے بھی دیا۔ اس روحانی مقابلہ کے لئے آپ نے چالیس دن مقرر فرمائے۔ اشتہار کا ایک ایک لفظ تثلیث پرستی کے لئے شمشیرو سنان کا حکم رکھتا ہے۔

عیسائیوں کو ایک ہزار روپیہ انعام کی پیشکش

اس اشتہار کے چودہ دن بعد ۲۸۔ جنوری ۱۸۹۷ء کو ایک اور اشتہار میں یہ بھی اعلان فرمایا کہ میرا دعویٰ ہے کہ یسوع کی پیشگوئیوں کی نسبت میری پیشگوئیاں اور میرے نشان زیادہ ہیں۔ اگر کوئی پادری میری پیشگوئیوں اور میرے نشانوں کی نسبت یسوع کی پیشگوئیاں اور نشان ثبوت کے رو سے قوی تر دکھلا سکے تو میں اس کو ایک ہزار روپیہ نقد دوں گا۔ [۳]

پادریوں نے حضرت اقدس علیہ السلام کے ان اشتہاروں سے لاجواب اور مبہوت ہو کر یہ جواب دیا کہ انجیل کی رو سے جھوٹے رسول اور جھوٹے مسیح بھی ایسے بڑے نشان دکھلا سکتے ہیں کہ اگر ممکن ہو تو برگزیدوں کو بھی گمراہ کردیں۔ [۴] حضرت اقدسؑ کو یہ جواب پہنچا۔ تو آپ نے ۲۸۔ فروری ۱۸۹۷ء کو ایک اور اشتہار دیا۔ جس میں لکھا کہ انجیل کا جو سہارا انہوں نے لیا ہے وہ ان کے لئے کچھ فائدہ بخش نہیں بلکہ اس سے وہ خود زیر الزام آتے ہیں کیونکہ جس حالت میں اسی قسم کے نشانوں پر بھروسہ کر کے یسوع کو خدا بنا دیا گیا ہے تو یہ بڑا ظلم ہوگا کہ دوسرا شخص ایسے ہی نشان بلکہ بقول یسوع بڑے بڑے نشان بھی دکھلا کر ایک سچا ملہم بھی نہ ٹھہر سکے۔ [۵]

اشتہار "خدا کی لعنت اور کسر صلیب"

اس اشتہار کے بعد ۶۔ مارچ ۱۸۹۷ء کو آپ نے "خدا کی لعنت اور کسر صلیب" کے عنوان سے ایک اور زبردست اشتہار دیا جس میں آپ نے ثابت کیا کہ لغت کی رو سے لعنت کے معنے راندہ درگاہ

عالی اور شیاطین کے ہیں۔ مگر عیسائیوں کا متفقہ عقیدہ ہے کہ یسوع مسیح مصلوب ہو کر تین دن کے لئے لعنتی ہو گئے تھے۔ بنابریں آپ نے سوال کیا کہ اگر معاذ اللہ جناب یسوع پر واقعی کچھ دنوں تک لعنت پڑ گئی تو ان کا خدا تعالیٰ سے ابنیت کا تعلق کیسے قائم رہ سکتا تھا جب کہ بیٹا ہونا تو الگ رہا خود پیارا ہونا بھی لعنت کے منافی ہے۔ [۶]

شیخ محمد رضا طہرانی نجفی کی اشتہار بازی

شیخ محمد رضا طہرانی نجفی ایک شیعہ مجتہد تھے۔ جنہوں نے سستی شہرت اور اپنے علم و فضیلت کا سکہ جمانے کے لئے حضرت اقدس کے خلاف اشتہار بازی کا سلسلہ شروع کرتے ہوئے حق و کذب کے فیصلے کا یہ مضحکہ خیز طریق پیش کیا کہ ہم دونوں لاہور کی شاہی مسجد کے منارے سے چھلانگ لگائیں۔ جو صادق ہو گا۔ وہ بچ جائے گا۔ نیز حضرت اقدسؑ کے دعویٰ الہام و نشان کا مذاق اڑاتے ہوئے تعلّی کی کہ میں چالیس لمحوں میں نشان دکھا سکتا ہوں۔ حضرت اقدس علیہ السلام نے یکم فروری ۱۸۹۷ء کو بذریعہ اشتہار ان کے شاہی مسجد سے چھلانگ لگانے کے مطالبے کا تو یہ لطیف جواب دیا کہ یہ عجیب بات ہے کہ دنیا میں اس طرز کا واقعہ دو مرتبہ ہوا ہے۔ شیخ نجدی [۷] نے حضرت مسیح علیہ السلام سے پہلی مرتبہ یہ کہا تھا اور اب شیخ نجفی مجھ سے یہ تقاضا فرما رہے ہیں۔ پس میں بھی انہیں وہی جواب دیتا ہوں جو حضرت مسیحؑ نے شیخ نجدی کو دیا تھا۔ کہ میں اپنے خدا کی آزمائش نہیں کرنا چاہتا۔ [۸] شیخ نجفی کے دعویٰ نشان نمائی کے جواب میں حضور نے فرمایا۔ کہ چالیس روز کے اندر اگر ہم سے نشان ظاہر ہو گیا اور وہ جو چالیس لمحوں میں کرامت دکھانے کا ادعا کرتے ہیں۔ چالیس دنوں میں بھی کچھ نہ دکھا سکے۔ تو صادق و کاذب کی خود بخود شناخت ہو جائے گی۔ [۹] سو چالیس دن کے اندر لیکھرام پشاوری کی ہلاکت کا نشان وقوع میں آگیا۔ جس پر حضور نے ۱۰۔ مارچ ۱۸۹۷ء کو اشتہار دیا کہ خدا تعالیٰ نے آپ کی صداقت پر چمکتا ہوا نشان ظاہر کر کے شیخ نجفی کا کذب کھول دیا ہے اور اب کسی مقابلہ کی ضرورت باقی نہیں رہ گئی۔ تاہم تنزل کے طور پر راضی ہیں کہ وہ مسجد شاہی کے منارہ سے اب نیچے گر کے دکھلا دیں۔ [۱۰]

حضرت سیدہ مبارکہ بیگم صاحبہ مدظلہا العالی کی ولادت

۲۔ مارچ ۱۸۹۷ء مطابق ۲۷۔ رمضان ۱۳۱۴ھ کو حضرت سیدہ مبارکہ بیگم مدظلہا العالی کی پیدائش ہوئی۔ آپ کی ولادت سے قبل حضرت اقدس کو الہاماً خبر دی گئی کہ "تنشأ فی الحلیہ"۔ [۱۱] کہ یہ دختر

نیک اختر زیورات میں نشوونما پائے گی - پھر ۱۹۰۱ء میں الہام ہوا - "نواب مبارکہ بیگم" [۱۱۲] ان الہامات اور بعض رویا کی روشنی میں حضور نے (حضرت صاحبزادہ) مرزا بشیر احمد صاحب (حضرت صاحبزادہ) مرزا شریف احمد صاحب اور حضرت سیدہ موصوفہ کی آمین کے موقع پر خصوصاً آپ سے متعلق فرمایا۔

اور ان کے ساتھ دی ہے ایک دختر ہے کچھ کم پانچ کی وہ نیک اختر
کلام اللہ کو پڑھتی ہے فرفر خدا کا فضل اور رحمت سراسر
ہوا اک خواب میں مجھ پر یہ اظہر کہ اس کو بھی ملے گا بخت برتر
لقب عزت کا پاوے وہ مقرر یہی روز ازل سے ہے مقدر

چنانچہ اس پیشگوئی کے مطابق حضرت صاحبزادی صاحبہ "حجتہ اللہ" حضرت نواب محمد علی خاں صاحب رئیس اعظم ریاست مالیر کوٹلہ سے بیاہی گئیں - ۱۷- فروری ۱۹۰۸ء کو آپ کی تقریب نکاح عمل میں آئی اور ۱۴- مارچ ۱۹۰۹ء کو رخصتانہ ہوا - خطبہ نکاح حضرت مولانا نورالدین نے پڑھا - جس میں کہا "ایک وقت تھا جب کہ حضرت نواب صاحب موصوف کے ایک مورث اعلیٰ صدر جہاں کو ایک بادشاہ نے اپنی لڑکی نکاح میں دی تھی - اور وہ بزرگ بہت ہی خوش قسمت تھا - مگر ہمارے دوست نواب محمد علی خاں صاحب اس سے زیادہ خوش قسمت ہیں کہ ان کے نکاح میں ایک نبی اللہ کی لڑکی آئی ہے" - [۱۱۳]

حضرت سیدہ موصوفہ سلسلہ کی ان بزرگ ہستیوں میں شامل ہیں جنہیں خدا تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے براہ راست تعلق و نسبت کا فخر بھی بخشا ہے اور بلند پایہ اور لطیف روحانی اور ادبی ذوق سے بھی نوازا ہے - آپ کا شعری کلام تصوف و روحانیت کی نازک خیالیوں اور لطافتوں سے لبریز اور سوزوگداز میں ڈوبا ہوتا ہے - آپ کی شعری خدمات کا سلسلہ ۱۹۲۴ء سے شروع ہوتا ہے جب کہ حضرت خلیفتہ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ یورپ کے پہلے سفر پر روانہ ہوئے تھے - آپ کی روح پرور نظموں کا مجموعہ "الشرکہ الاسلامیہ" ربوہ نے "درعدن" کے نام سے دسمبر ۱۹۵۹ء میں شائع کیا ہے

نظم کی طرح نثر میں بھی مخصوص طرز نگارش رکھتی ہیں - زبان نہایت نفیس پاکیزہ اور شگفتہ ہے جو حضرت مسیح موعود کی دعا اور حضرت ام المؤمنین نور اللہ مرقدھا کی حسن تربیت کا فیض ہے - (حضرت سیدہ ۲۳- مئی ۱۹۷۷ء کو انتقال فرما گئیں)

حواشی

۱۔ جواہر الاسرار (از شیخ علی حمزہ بن علی ملک الطوسی۔ مؤلفہ ۸۴۰ھ) قلمی
۲۔ "تبلیغ رسالت" جلد ششم صفحہ ۸۔۱۶
۳۔ تبلیغ رسالت صفحہ ۱۷۔۲۰
۴۔ "کرسچن ایڈووکیٹ" بحوالہ اخبار عام ۲۳۔ فروری ۱۸۹۷ء و تبلیغ رسالت جلد ششم صفحہ ۲۹
۵۔ تبلیغ رسالت جلد ششم صفحہ ۲۹ و ضمیمہ اخبار مخبر دکن مدراس ۱۱۔ مارچ ۱۸۹۷ء
۶۔ "تبلیغ رسالت" جلد ششم صفحہ ۳۳
۷۔ شیخ نجدی شیطان کا لقب ہے (جدید لغات کشوری)
۸۔ انجیل متی ب ۴ آیت ۵۔۷
۹۔ تبلیغ رسالت جلد ششم صفحہ ۱۰۷، ۱۱۱
۱۰۔ تبلیغ رسالت جلد ششم صفحہ ۳۹
۱۱۔ حقیقتہ الوحی طبع اول صفحہ ۲۱۷
۱۲۔ الحکم ۳۰۔ نومبر ۱۹۰۱ء صفحہ ۳
۱۳۔ اخبار بدر ۲۷۔ فروری ۱۹۰۸ء صفحہ ۲

پیشگوئی کے مطابق
پنڈت لیکھرام کا عبرتناک انجام

شاتم رسول پنڈت لیکھرام کا قتل، خانہ تلاشی اور آریوں کے خطرناک منصوبے "استفتاء" اور "سراج منیر" کی تصنیف واشاعت

پنڈت لیکھرام کا قتل حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام نے شاتم رسول پنڈت لیکھرام کی عبرتناک موت سے متعلق جو مفصل پیشگوئی فروری ۱۸۹۳ء سے کر رکھی تھی اس کی چھ سالہ میعاد مقرر تھی جو اب اختتام کو پہنچ رہی تھی اور مارچ کے مہینہ میں عید الفطر کا دن بھی آرہا تھا جو اس واقعہ کی معین علامت بتائی گئی تھی اس لئے جوں جوں یہ دن نزدیک آرہا تھا پبلک کی بیتابی میں بھی اضافہ ہوتا جاتا تھا۔ دوسری طرف پنڈت لیکھرام کو بھی دھڑکا لگا ہوا تھا اور اس نے دو تنخواہ دار سپاہی اپنی حفاظت کے لئے اپنے مکان واقعہ محلہ وچھووالی لاہور میں تعینات کر لئے تھے۔[1] مگر یہ انتظامات خدا تعالیٰ کے عذاب سے کیونکر بچا سکتے تھے؟ ۵۔ مارچ کو عید الفطر کا دن تھا۔ جو بظاہر سکون سے گزارا۔ لیکن اگلے دن (۶۔ مارچ کو) سات بجے شام لیکھرام مکان کی بالائی منزل پر بیٹھے پنڈت دیانند کی سوانح عمری لکھ رہے تھے اور ایک شخص جو آریہ سماجیوں کے بیان کے مطابق شدھ ہونے کے لئے پاس بیٹھا تھا اور جس کے لئے آریہ سماج ۷۔ مارچ ۱۸۹۷ء کو شدھی کی پہلی تقریب منانے کا اہتمام بڑی دھوم دھام سے کرنے والی تھی) پاس بیٹھا تھا۔ اس دوران میں پنڈت لیکھرام تصنیف کے کام سے تھک کر ذرا آرام کرنے کے لئے کھڑے ہوئے اور انگڑائی لی۔ جس پر "شدھ ہونے والے شخص" نے ان پر خنجر سے بھرپور وار کیا۔ کہ انتڑیاں باہر نکل آئیں۔ اور پنڈت لیکھرام کے منہ سے بیل کی طرح نہایت زور کی آواز نکلی جسے سن کر اس کی بیوی اور والدہ اوپر گئیں۔ لوگ جمع ہو گئے۔ لیکھرام کو لاہور کے میو ہسپتال میں پہنچا دیا گیا۔ شام کا وقت تھا۔ ہسپتال میں اس وقت ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب (جو اس وقت میڈیکل کالج میں تعلیم پاتے تھے) ڈیوٹی پر تھے۔ مگر انگریز سرجن ڈاکٹر پیری موجود نہ تھا۔ جب سرجن ڈاکٹر کے آنے میں تاخیر ہوئی تو پنڈت لیکھرام نے بار بار یہ کہنا شروع کیا۔ "ہائے میری قسمت کوئی ڈاکٹر بھی نہیں بوہڑدا"۔ یعنی ڈاکٹر بھی نہیں پہنچتا۔ آخر بہت انتظار کے بعد قریباً نو بجے ڈاکٹر پیری

بھی آپہنچا۔ اپریشن سے پہلے اس نے مرزا یعقوب بیگ صاحب کو کئی مرتبہ جو "مرزا صاحب" کہہ کے پکارا۔ تو لیکھرام کانپ اٹھا..... کہ ہائے وہ مرزا صاحب یہاں ہسپتال بھی آپہنچے۔ ڈاکٹر پیری نے زخم سیئے لیکن قریباً بارہ بجے جب وہ انتڑیاں وغیرہ صاف کرکے اور پیٹ سی کر ہاتھ دھونے لگا تو ٹانکے چھوٹ گئے اور ان کو دوبارہ سینا پڑا۔ اس وقت پولیس والوں نے پنڈت لیکھرام کا بیان لینا چاہا جسے ڈاکٹر پیری نے روک دیا۔ کہ اس میں جان کا خطرہ ہے۔ اس طرح آخر شب ہوگئی اور بالاخر لیکھرام تڑپ تڑپ کر ۴ بجے صبح چل بسا۔ اور جس طرح پیشگوئی میں قبل از وقت بتایا گیا تھا سامری کے بچھڑے کی طرح اس کی ارتھی جلائی گئی۔ اور اس کی راکھ دریا میں بہادی گئی۔ [۲]

پنڈت دیو پرکاش کا بیان

مشہور آریہ سماجی پنڈت دیو پرکاش نے اپنی کتاب دافع الاوہام میں پنڈت لیکھرام کے واقعات قتل پر مفصل روشنی ڈالی ہے جس کے لفظ لفظ سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی پیشگوئی کے ہر حصہ کے پورے ہونے کی شہادت ملتی ہے پنڈت صاحب لکھتے ہیں۔ "۱۳۔ فروری یا ۱۴۔ فروری ۱۸۹۷ء کو ایک شخص لالہ ہنسراج جی کے پاس گیا پھر دوسرے روز دیانند کالج ہال میں دکھائی دیا۔ وہ پنڈت لیکھرام جی کو تلاش کرتا تھا۔ پھر پنڈت جی کو ملا۔ اس نے ظاہر کیا کہ وہ پہلے ہندو تھا۔ عرصہ دو سال سے مسلمان ہوگیا تھا۔ اب پھر اپنے اصل دھرم میں واپس آنا چاہتا ہے..... وہ پنڈت جی کے ساتھ سایہ کی طرح رہنے لگا۔ کھانا بھی عام طور سے پنڈت جی کے گھر ہی کھایا کرتا تھا یہاں تک کہ پنڈت جی یکم مارچ کو ملتان تشریف لے گئے۔ ۵۔ مارچ کو عید کا دن تھا۔ قاتل نے اس دن پنڈت جی کے گھر ریلوے سٹیشن آریہ پرتی ندھی سبھا کے دفتر ۱۸ یا ۱۹ چکر لگائے۔ مگر پنڈت جی ۵۔ مارچ کو ملتان سے نہ آسکے۔ اس سے اس ظالم کا ارادہ پنڈت جی کو عید کے دن شہید کرنا تھا۔ ۶۔ مارچ کو صبح ہی پنڈت جی کے مکان پر پہنچا اور بعد ازاں پرتی ندھی کے دفتر سے ہوتا ہوا ریلوے اسٹیشن پر گیا۔ اس روز پنڈت جی ملتان سے تشریف لے آئے۔ قاتل خلاف معمول کمبل اوڑھے ہوئے تھا اور بار بار تھوکتا تھا اور کانپ رہا تھا یہ حالت دیکھ کر پنڈت جی نے سوال کیا کہ کیا بخار ہے۔ اس نے کہا ہاں۔ ساتھ کچھ درد بھی ہے تب پنڈت جی اسے ڈاکٹر بشند اس کے پاس لے گئے۔ ڈاکٹر صاحب نے کہا اسے بخار وغیرہ تو کچھ نہیں لیکن خون میں کچھ جوش ہے ڈاکٹر صاحب نے پلستر لگانے کو کہا مگر اس مکار نے انکار کر دیا اور کہا کہ کوئی پینے کی دوا دیجئے۔ تب پنڈت جی نے ڈاکٹر صاحب کی اجازت سے اسے شربت پلایا۔ اس کے بعد پنڈت جی نے کچھ کپڑا خریدا اور گھر کو چلے آئے اور وہ ظالم بھی ساتھ ہی تھا۔ جس مکان میں پنڈت جی کام کرتے تھے وہ گلی وچھووالی لاہور میں واقع ہے اور اس کا نقشہ حسب ذیل ہے زینہ چڑھتے ہی چھت پر اس کے ساتھ لگا ہوا ایک برآمدہ ہے۔ اس میں پنڈت جی کام کیا کرتے تھے۔

دو طرف دیوار۔ ایک طرف اندرونی کمرہ کا دروازہ جس میں ان کی ماتا اور دھرم پتنی بیٹھی تھیں اور کواڑ بند تھا۔ چوتھی طرف بالکل کھلی ہوئی تھی پنڈت جی چارپائی پر جا بیٹھے اور رشی دیانند کے جیون چرتر (سوانح عمری) کے کاغذات مکمل اور مرتب کرنے میں مشغول ہو گئے اور سفاک بھی بائیں طرف بیٹھ گیا..... عین اس وقت جب کہ پنڈت جی نے مہرشی کے جیون کے اس آخری حصہ کو جس وقت کہ انہوں نے اپنی زندگی کو ویدک دھرم کے راستہ میں قربان کیا اور کہا کہ ایشور تیری اچھیا (خواہش) پورن (پوری) ہو ختم کیا اور تھکاوٹ کے سبب اٹھ کر ۷ بجے شام کے وقت انگڑائی لی۔ اس وقت اس ظالم نے جو صبح سے موقع کی گھات میں تھا فوراً اٹھ کر پنڈت جی کے پہلو میں چھرا گھونپ دیا جس سے انتڑیاں باہر نکل آئیں۔ پنڈت جی نے ایک ہاتھ سے انتڑیوں کو تھاما اور ایک سے چھری چھین لی۔ تب پنڈت جی کی ماتا اور دھرم پتنی اس کی طرف دوڑیں اس وقت اس بے رحم ظالم نے پنڈت جی کی بوڑھی ماتا کو بیلنا اس زور سے مارا کہ وہ اچانک چوٹ لگنے کے سبب سے بے ہوش ہو کر گر گئیں۔ اور وہ بے ایمان قاتل فرار ہو گیا۔ کچھ دیر کے بعد لوگ جمع ہو گئے اور پنڈت جی کو ہسپتال لے گئے ڈاکٹر صاحب نے زخموں کا ملاحظہ کیا اور سینے میں مصروف رہے اور کہا کہ اگر صبح تک بچ گئے تو امید زیست ہے ورنہ نہیں۔ پنڈت جی جب تک ہسپتال میں جیتے رہے وید منتروں کا پاٹھ کرتے رہے اور آخر ایک بجے رات کے اپنی آخری وصیت کہ آریہ سماج سے تحریر کا کام بند نہ ہو کر کے آپ کی پاک روح قفس فانی سے عالم جاودانی کی طرف پرواز کر گئی"۔ [۳]

بابو گھانسی رام صاحب ایم۔ اے۔ ایل ایل۔ بی کا اعلان حق

ایک دوسرے آریہ سماجی بابو گھانسی رام صاحب ایم۔ اے۔ ایل۔ ایل۔ بی کھلے الفاظ میں فرماتے ہیں "صوبہ پنجاب کے دارالخلافت لاہور میں یہ قتل ہوا۔ مگر پولیس قاتل کا پتہ چلانے میں ناکامیاب رہی اتفاق دیکھئے۔ غلام احمد کی پیشگوئی پوری ہوئی اور پنڈت لیکھرام کو شہادت نصیب ہوئی اس بات کو پرمیشر ہی جان سکتا ہے کہ یہ اس کا بھیجا ہوا عذاب تھا یا انسان کا"۔ [۴]

پنڈت مدن گوپال سناتن دھرمی کا واضح اقرار

یہ تو ایک آریہ سماجی صاحب کا بیان ہے اب ایک سناتن دھرمی فاضل کا واضح اقرار درج کیا جاتا ہے۔ جناب مدن گوپال مدن پاراشر سابق ایڈیٹر "رندھیر" پٹی ضلع لاہور لکھتے ہیں "لیکھرام کے مارے جانے کی نسبت پیشگوئی اور الزام قتل سے انجام کار اپنے بری ہونے کی پیشگوئی پوری ہوئی"۔ [۵]

ان تین ناقابل تردید بیانات سے واضح ہے کہ ایک عرصہ کے بعد آریہ سماجی اور سناتن دھرمی دونوں حلقے یہ کہنے پر مجبور ہو گئے کہ پنڈت لیکھرام سے متعلق خدا کا چمکتا ہوا نشان پوری شان سے ظاہر ہوا۔

ہندوؤں کی شورش

اس عظیم الشان پیشگوئی کے واضح رنگ میں پورے ہونے پر چاہیے تو یہ تھا کہ ہندو اسلام اور پیغمبر خدا ﷺ کی سچائی پر ایمان لے آتے مگر افسوس اس موقع پر ان کی قساوت قلبی میں اور بھی اضافہ ہو گیا اور انہوں نے مسلمانوں کے خلاف زبردست شورش برپا کر دی۔ خصوصاً لاہور میں جہاں یہ واقعہ ہوا تھا ہندوؤں نے کئی مسلمان بچوں کو مٹھائی وغیرہ میں زہر دے دیا۔ جب ایسی متعدد وارادات ہوئیں تو مسلمانوں نے ایکا کر لیا کہ وہ ہندوؤں کے ہاتھوں سے نہیں کھائیں گے اور اس طرح کئی دکانیں مسلمانوں کی کھل گئیں۔ آریہ لوگوں نے ملک میں اپنے جاسوسوں کا جال بچھا دیا اور ملک کا چپہ چپہ چھان مارا اور قاتل کے گرفتار کرنے والے کے لئے بڑے بڑے انعام رکھے گئے مگر اس شورش کا حقیقی اور تمام تر رخ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی ذات مقدس کی طرف تھا۔ چنانچہ ہندو اخباروں نے آپ کے خلاف عوام اور حکومت دونوں کو مشتعل کرنے میں کوئی دقیقہ فرو گذاشت نہیں کیا۔ اور ملک بھر میں ایک زبردست آگ لگا دی۔ اور صریح لفظوں میں آپ کو قتل میں شریک قرار دیا۔

ہندو اخبارات کی زہر چکانی

چنانچہ "اخبار عام" ۱۰۔ مارچ ۱۸۹۷ء نے حکومت کو مخاطب کرتے ہوئے لکھا۔ "اگر ڈپٹی صاحب یعنی آتھم کے ساتھ ایسا واقعہ ہو جاتا جس کا خمیازہ لیکھرام کو بھگتنا پڑا تب اور صورت تھی"۔

"یہ قتل کئی ایک اشخاص کی مدت کی سوچی اور سمجھی ہوئی اور پختہ سازش کا نتیجہ ہے۔ جس کی تجاویز امرت سر اور گورداسپورہ کے نزدیک اور ادھر دہلی اور بمبئی کے ارد گرد مدت سے ہو رہی تھیں۔ کیا یہ غیر اغلب ہے کہ اس سازش کا جنم ان اشخاص سے ہوا ہو جو علانیہ بذریعہ تحریر و تقریر کہا کرتے تھے کہ پنڈت کو مار ڈالیں گے اور مزید برآں یہ کہ پنڈت اس عرصہ میں اور فلاں دن ایک دردناک حالت میں مرے گا۔ کیا آریہ دھرم کے مخالف چند ایک کتب کے ایک خاص مصنف کو اس سازش سے کوئی تعلق نہیں"۔

"انیس ہند" میرٹھ (۱۰۔ مارچ ۱۸۹۷ء) نے لکھا "ہمارا ماتھا تو اسی وقت ٹھنکا تھا کہ جب مرزا غلام احمد قادیانی نے لیکھرام کی موت کی نسبت پیشگوئی کی تھی۔ کیا اس کو علم غیب تھا"۔

حضرت اقدسؑ کو قتل کی دھمکیاں

یہی نہیں ہندوؤں نے حضورؑ کو برملا قتل [۶] کی دھمکیاں دیں چنانچہ اخبار "رہبر ہند" لاہور ۱۵ مارچ ۱۸۹۷ء صفحہ ۱۴ نے لکھا۔ کہ "کہتے ہیں کہ ہندو قادیان والے کو قتل کرائیں گے"۔

ایک ہندو شیشر داس نے اخبار آفتاب ہند (۱۸۔ مارچ ۱۸۹۷ء صفحہ ۵) پر "مرزا قادیانی خبردار" کے عنوان سے ایک مضمون میں صاف صاف لکھا کہ "مرزا قادیانی بھی امروز فردا کا مہمان ہے بکرے کی ماں کب تک خیر مناسکتی ہے۔ آج کل ہنود کے خیالات مرزا قادیانی کی نسبت بہت بگڑے ہوئے ہیں پس مرزا قادیانی کو خبردار رہنا چاہیے۔ کہ وہ بھی بکرعید کی قربانی نہ ہو جاوے"۔ [۷]

اس درپردہ خونی منصوبے کی تکمیل کے لئے ایک خفیہ انجمن بھی قائم کی گئی۔ چنانچہ حضور کی خدمت میں پنجاب کے مختلف مقامات سے بکثرت یہ اطلاعات بھی پہنچ گئی تھیں انہیں دنوں گوجرانوالہ کے ایک معزز رئیس نے آپ کو لکھا کہ "اس جگہ دو دن تک جلسہ ماتم لیکھرام ہوتا رہا۔ اور قاتل کے گرفتار کنندہ کے لئے ہزار روپیہ انعام قرار پایا۔ اور دو سو اس کے لئے جو نشان دہی کرے۔ نیز سنا گیا ہے کہ ایک خفیہ انجمن آپ کے قتل کے لئے منعقد ہوئی ہے اور اس انجمن کے ممبر قریب قریب کے شہروں کے لوگ (جیسے لاہور امرت سر۔ بٹالہ اور خاص گوجرانوالہ کے ہیں) منتخب ہوئے ہیں۔ بیس ہزار روپیہ تک چندہ کا بندوبست ہو بھی گیا ہے باقی دوسرے شہروں اور دیہات سے وصول کیا جائیگا مجھے یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ اس مشورہ قتل کے سرگروہ اس شہر کے بعض وکیل اور چند عہدہ دار سرکاری اور لاہور کے بعض آریہ رئیس بھی ہیں"۔ [۸]

حضرت اقدسؑ کی طرف سے ہندوؤں کو چیلنج

کوئی اور ہوتا تو قتل کا نام سنتے ہی دہشت زدہ ہو جاتا۔ مگر حضرت اقدس تو خدا کے مامور تھے آپ تو ان مخالفتوں اور شورشوں کی آگ ہی میں اب تک اپنے خدا کا پیغام پہنچا رہے تھے۔ آپ کو یہ دھمکیاں کیا ڈرا سکتی تھیں۔ ایک صاحب مستان شاہ کابلی امرت سر میں قیام پذیر تھے جو حضرت اقدسؑ کے مخالف اور آپ کی پیشگوئی کے مکذب تھے۔ لیکھرام کی ہلاکت سے دو ایک روز قبل انہوں نے شیخ نور احمد صاحب مالک مطبع ریاض ہند سے کہا کہ یہ پیشگوئی پوری نہیں ہوگی۔ لیکن جب لیکھرام کے قتل کی دہشتناک خبر پہنچی تو مستان شاہ کا چہرہ یہ سنتے ہی سیاہ پڑ گیا اور ان کے ایک مرید نے جو گورنمنٹ سکول امرت سر میں ریاضی پڑھاتے تھے شیخ صاحب سے کہا کہ کل شام کو پنڈت لیکھرام قتل ہو گیا۔ مرزا صاحب کی پیشگوئی تو پوری ہو گئی لیکن مسلمان ہونے کی وجہ سے مجھے ان سے ہمدردی ہے کہ کہیں ان کی جان پر کوئی آفت نہ آجائے اسی وقت مرزا صاحب کو خط لکھ دیں کہ آئندہ کوئی بات

اس پیشگوئی سے متعلق نہ لکھیں اور نہ کوئی ایسی پیشگوئی کریں لاہور میں بڑا تہلکہ بپا ہے اور چاروں طرف شوروغل مچ رہا ہے۔ وہ بار بار اصرار سے کہتا تھا۔ کہ پیسے مجھ سے لے لو اور خط لکھدو۔ احتیاط اچھی چیز ہے۔[۹] بیگانوں کی دہشت کا یہ عالم ہو تو لاہور کی احمدیہ جماعت پر کیا گزری ہوگی۔ لیکن خدا کے بہادر پہلوان کو دیکھو کہ ادھر یہ اطلاع سنی ادھر آریوں کو اسلام کے اس چمکتے ہوئے نشان کی طرف توجہ دلانے کے لئے اشتہار لکھا کہ اگرچہ انسانی ہمدردی کی رو سے ہمیں افسوس ہے کہ اس کی موت ایک سخت مصیبت اور آفت اور ناگہانی حادثہ کے طور پر عین جوانی کے عالم میں ہوئی۔ لیکن دوسرے پہلو کی رو سے ہم خدا تعالیٰ کا شکر کرتے ہیں جو اس کے منہ کی باتیں آج پوری ہوئیں۔ سو یہ خدا تعالیٰ کی طرف سے ایک عظیم الشان نشان ہے کیونکہ اس نے چاہا کہ اس بندہ کی تحقیر کرنے والے متنبہ ہو جائیں اور اپنی جانوں پر رحم کریں ایسا نہ ہو کہ اسی حجاب میں گزر جائیں"۔[۱۰] اس اشتہار کا عنوان تھا۔

کرامت گرچہ بے نام و نشان است　　بیا بنگر زغلمان محمدؐ

اس اشتہار کے تین روز بعد آپ نے سرسید احمد خان پر اتمام حجت کے لئے بھی اشتہار دیا اور انہیں بتایا کہ "برکات الدعا" میں لیکھرام سے متعلق قبل از وقت جس دعائے مستجاب کی اطلاع دی گئی تھی وہ آپ کی آنکھوں کے سامنے کمال صفائی سے پوری ہو گئی ہے اس لئے اب آپ ایسے منصف مزاج کو اپنے اس خیال سے رجوع کر لینا چاہیے کہ دعا محض عبادت ہے جو قبول نہیں ہوتی۔ جیسا کہ رسالہ "الدعاء و الاستجابت" میں ظاہر کیا گیا ہے۔[۱۱]

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی طرف سے اتمام حجت اور آریوں کو چیلنج

یہ پیشگوئی جس خارق عادت رنگ میں اپنی ایک ایک شق کے ساتھ پوری ہوئی تھی اس کو دیکھ کر ہر سعید الفطرت ورطہ حیرت میں پڑ گیا مگر یہی بات آریوں کے لئے انکار و تکذیب کا موجب بن گئی۔ چنانچہ انہوں نے ملک بھر میں مشہور کر دیا کہ مرزا صاحب نے پنڈت جی کو قتل کروا دیا ہے اور ثبوت یہ پیش کیا کہ آپ نے برسوں قبل اس کی ہلاکت کے بارے میں جو کچھ خبر دی تھی یہ حادثہ عین اسی رنگ سے وقوع میں آگیا ہے۔ حضور نے تکذیب و استہزاء کا یہ رنگ دیکھا تو آپ نے اشتہاروں پر اشتہار دیئے اور تحدی کے ساتھ ان کو بتایا کہ لیکھرام کے قتل میں کسی انسانی منصوبہ کا ہرگز دخل نہیں ہے۔ اسلام اور آریہ مذہب کا خدا تعالیٰ کی درگاہ میں برسوں سے ایک مقدمہ دائر تھا سو آخر ۶۔ مارچ ۱۸۹۷ء کے اجلاس میں اس عدالت نے مسلمانوں کے حق میں ایسی ڈگری دی جس کی نہ کوئی اپیل اور نہ مرافعہ۔ آریہ صاحبوں کو چاہیے۔ کہ اب گورنمنٹ کو تکلیف نہ دیں۔ مقدمہ صفائی سے فیصلہ پا چکا"۔

نیز لکھا۔ "ہمارے دل کی اس وقت عجیب حالت ہے درد بھی ہے اور خوشی بھی۔ درد اس لئے کہ اگر لیکھرام رجوع کرتا زیادہ نہیں تو اتنا ہی کرتا کہ وہ بد زبانیوں سے باز آجاتا۔ تو مجھے اللہ تعالیٰ کی قسم ہے کہ میں اس کے لئے دعا کرتا اور میں امید رکھتا تھا کہ اگر وہ ٹکڑے ٹکڑے بھی کیا جاتا تب بھی وہ زندہ ہو جاتا۔ وہ خدا جس کو میں جانتا ہوں اس سے کوئی بات انہونی نہیں۔ اور خوشی اس بات کی ہے کہ پیشگوئی نہایت صفائی سے پوری ہوئی"۔

آپ نے سازش کا الزام لگانے والوں سے پوچھا۔ کہ آپ لوگوں میں بھی بڑے بڑے اوتار گزرے ہیں جیسے راجہ رامچندر صاحب اور راجہ کرشن صاحب۔ کیا آپ لوگ ان کی نسبت یہ گمان کر سکتے ہیں کہ انہوں نے پیشگوئی کر کے پھر اپنی عزت رکھنے کے لئے ایسا حیلہ کیا ہو کہ کسی اپنے چیلہ کی منت سماجت کی ہو کہ اس کو اپنی کوشش سے پوری کر کے میری عزت رکھ لے پس کیونکر ممکن ہے کہ دعویٰ تو یہ ہو کہ میں وقت کا عیسیٰ ہوں اور جھوٹی پیشگوئی کو اس طرح پورا کرنا چاہے کہ مریدوں کے آگے ہاتھ جوڑے کہ کسی طرح میری پیشگوئی پوری ہو۔ کیا ایسا مردار ایک پاک جماعت کا مالک ہو سکتا ہے۔ کہاں ہے تمہارا پاک کانشنس۔ اے مہذب آریو۔ اور کہاں ہے فطرتی زیرکی۔ اے آریہ کے دانشمندو! ہمارا یہ اصول ہے کہ کل بنی نوع کی ہمدردی کرو۔ اگر ایک شخص ایک ہمسایہ ہندو کو دیکھتا ہے کہ اس کے گھر میں آگ لگ گئی اور یہ نہیں اٹھتا کہ آگ بجھانے میں مدد دے تو میں سچ سچ کہتا ہوں کہ وہ مجھ سے نہیں ہے۔ اگر ایک شخص ہمارے مریدوں میں سے دیکھتا ہے کہ ایک عیسائی کو کوئی قتل کرتا ہے اور وہ اس کو چھڑانے کے لئے مدد نہیں کرتا۔ تو میں تمہیں بالکل درست کہتا ہوں کہ وہ ہم میں سے نہیں.... اور پھر بالخصوص ہماری جماعت جو نیکی اور پرہیزگاری سیکھنے کے لئے میرے پاس جمع ہے وہ اس لئے میرے پاس نہیں آتے کہ ڈاکوؤں کا کام مجھ سے سیکھیں اور اپنے ایمان کو برباد کریں۔ میں حلفاً کہتا ہوں اور سچ کہتا ہوں کہ مجھے کسی قوم سے دشمنی نہیں ہاں جہاں تک ممکن ہے ان کے عقائد کی اصلاح چاہتا ہوں اور اگر کوئی گالیاں دے تو ہمارا شکوہ خدا کی جناب میں ہے نہ کسی اور عدالت میں"۔ [۱۲]

آریوں کی بدگمانیوں کا ہر پہلو سے ازالہ کر کے آپ نے ان کے سامنے بالآخر فیصلہ کا یہ آسان طریق رکھا کہ اگر اب بھی کسی کا خیال ہے کہ میں نے لیکھرام کے قتل کی سازش کی ہے۔ تو ایسا شخص میرے سامنے قسم کھائے کہ میں یقیناً جانتا ہوں کہ یہ شخص سازش قتل میں شریک یا اس کے حکم سے واقعہ قتل ہوا ہے۔ پس اگر یہ صحیح نہیں ہے تو اے قادر خدا ایک برس کے اندر مجھ پر وہ عذاب نازل کر جو ہیبت ناک عذاب ہو مگر کسی انسان کے ہاتھوں سے نہ ہو اور نہ انسان کے منصوبوں کا اس میں دخل متصور ہو سکے۔ پس اگر یہ شخص ایک برس تک میری بددعا سے بچ گیا تو میں مجرم ہوں اور اس سزا کے

لائق کہ ایک قاتل کے لئے ہونی چاہیے ۔ اب اگر کوئی بہادر کلیجہ والا آریہ ہے جو اس طور سے تمام دنیا کو شبہات سے چھڑا دے تو اس طریق کو اختیار کرے"۔ [۱۳]

گنگا بشن صاحب کی آمادگی اور فرار

حضرت اقدس کے اس چیلنج پر آریہ سماج دم بخود رہ گئی ۔ اور کسی بہادر کلیجہ والے آریہ کو آپ کے سامنے آنے کی جرات نہ ہوئی ۔ البتہ ایک صاحب گنگا بشن نامی نے "پنجاب سماچار" ۳۔ اپریل ۱۸۹۷ء میں قسم کھانے پر آمادگی کا اظہار کیا ۔ اور لکھا کہ میں قسم کھانے کو تیار ہوں بایں شرط کہ (۱) پیشگوئی پوری نہ ہونے کی حالت میں آپ کو پھانسی دی جائے (۲) میرے لئے دس ہزار روپیہ گورنمنٹ میں جمع کرا دیا جائے اگر میں بددعا سے بچ رہوں تو وہ روپیہ مجھے مل جائے (۳) جب میں قادیان میں قسم کھانے کے لئے آؤں تو اس بات کا ذمہ لیا جائے کہ لیکھرام کی طرح قتل نہ کیا جائے گا جسے حضور نے فوراً گنگا بشن کی تینوں شرطیں منظور فرمالیں اور لکھا ۔ "میں تیار ہوں نہ ایک دفعہ بلکہ ہزار دفعہ گورنمنٹ کی عدالت میں اقرار کر سکتا ہوں کہ جب میں آسمانی فیصلہ سے مجرم ٹھہروں تو مجھ کو پھانسی دیا جائے ۔ میں خوب جانتا ہوں کہ خدا نے میری پیشگوئی پوری کر کے دین اسلام کی سچائی ظاہر کرنے کے لئے اپنے ہاتھ سے یہ فیصلہ کیا ہے پس ہرگز ممکن نہیں ہوگا کہ میں پھانسی ملوں یا ایک خرمہرہ بھی کسی تکذیب کرنے والے کو دوں ۔ بلکہ وہ خدا جس کے حکم سے ہر جنبش و سکون ہے اس وقت کوئی اور ایسا نشان دکھائے گا جس کے آگے گردنیں جھک جائیں"۔ [۱۴]

یہ اشتہار پڑھ کر لالہ جی کے چھکے چھوٹ گئے اور انہوں نے فضول عذرات سے جان چھڑانے کی کوشش کی ۔ مثلاً کہا کہ "ایک سال کو میں نہیں مانتا ۔ بلکہ چاہتا ہوں کہ فوراً زمین میں غرق کیا جاؤں یا یہ کہ مہینہ اور گھنٹہ موت کا مجھے بتلایا جائے" حضرت اقدس نے جواب دیا کہ "یہ آپ کے پہلے اقرار کے خلاف ہے علاوہ اس کے میں خدا تعالیٰ کی طرف سے مامور ہوں ۔ اس کے حکم سے زیادہ نہیں کر سکتا ۔ اور نہ کم ۔ ہاں اگر میعاد کے اندر کوئی زیادہ تشریح خدا تعالیٰ کی طرف سے کی گئی تو میں اس کو شائع کر دوں گا ۔ مگر کوئی عہد نہیں ۔ آپ اگر اپنی بہادری پر قائم ہیں تو ایک سال کی شرط قبول کر لیں ۔ میں یہ اقرار بھی کرتا ہوں کہ صرف اس حالت میں یہ نشان 'نشان' سمجھا جائے گا ۔ کہ جب کسی انسانی منصوبہ سے آپ کی موت نہ ہو اور کسی دشمن بد اندیش کے قتل کا شبہ نہ ہو"۔ [۱۵]

لالہ گنگا بشن صاحب نے اب کی دفعہ یہ شرط بھی زائد کی تھی کہ اگر آپ کو جھوٹا نکلنے کی صورت میں پھانسی دی جائے تو لاش گنگا بشن صاحب کے حوالہ کی جائے جو چاہیں تو جلا دیں یا دریا برد کر دیں ۔ حضرت اقدس نے اس شرط کی منظوری کا بھی اعلان کر دیا اور ساتھ ہی لکھا کہ "میرے نزدیک بھی

جھوٹے کی لاش ہر ایک ذلت کے لائق ہے اور یہ شرط درحقیقت نہایت ضروری تھی جو لالہ گنگابشن صاحب کو عین موقعہ پر یاد آ گئی۔ لیکن ہمارا بھی حق ہے کہ یہی شرائط بالمقابل اپنے لئے بھی قائم کریں۔ ہم نے مناسب نہیں دیکھا کہ ابتداءً اپنی طرف سے یہ شرط لگا دیں۔ مگر اب چونکہ لالہ گنگابشن صاحب نے بخوشی خود یہ شرط قائم کر دی اس لئے ہم بھی تہ دل سے شکر گزار ہو کر اور اس شرط کو قبول کر کے اسی قسم کی شرط اپنے لئے قائم کرتے ہیں اور وہ یہ ہے کہ جب گنگابشن صاحب حسب منشا پیشگوئی مر جائیں تو ان کی لاش بھی ہمیں مل جائے تا بطور نشان فتح وہ لاش ہمارے قبضہ میں رہے اور ہم اس لاش کو ضائع نہیں کریں گے بلکہ بطور نشان فتح مناسب مصالحوں کے ساتھ محفوظ رکھ کر کسی عام منظر میں یا لاہور کے عجائب گھر میں رکھا دیں گے"۔ [۱۶]

اب لالہ جی کے لئے کوئی راہ فرار باقی نہیں تھی۔ حضرت اقدسؑ ان کی شرطوں کو تسلیم کرتے ہوئے بار بار للکار رہے تھے کہ میدان میں آؤ۔ مگر لالہ گنگابشن صاحب کو تو اپنی لاش سامنے نظر آ رہی تھی۔ وہ مرد میدان کیسے بنتے۔ ناچار ایک اشتہار میں اپنی لاش دینے سے انکار کر کے ہمیشہ کے لئے چپ سادھ لی [۱۷]

مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی کی آریوں کی طرف سے نمائندگی

اب آریہ سماج پر تو سناٹا چھا گیا مگر خدا جانے مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی کو کیا سوجھی کہ وہ آریوں کی نمائندگی کرتے اور ان کی پیٹھ ٹھونکتے ہوئے میدان مقابلہ میں آ گئے اور "اشاعۃ السنہ" میں "الہامی قاتل" کے عنوان سے مضمون لکھا کہ وہ لیکھرام کے قتل میں آپ کا سازشی ہاتھ ہونے پر قسم کھانے پر آمادہ ہیں مگر ایک برس کی میعاد سے ڈرتے ہیں ایسا نہ ہو کہ اس قدر مدت میں مر جائیں یا کوئی اور عذاب نازل ہو جائے اس لئے قسم کے لئے فوری نتیجہ برآمد ہونا چاہیے۔ [۱۸]

یہ شرط چونکہ خلاف سنت و الہام تھی اس لئے حضرت اقدسؑ نے ان کی حیلہ بازیوں سے پردہ اٹھاتے ہوئے لکھا۔

"ایک ایسے شخص کے ساتھ کہ اپنی ذکر کردہ بنیاد الہام ٹھہراتا ہے ضد کرنا حماقت ہے۔ صاحب الہام کے لئے الہام کی پیروی ضروری ہوتی ہے۔ ہاں اللہ تعالیٰ اس بات پر قادر ہے کہ چند ہفتہ میں ان پر عذاب نازل کرے مگر ہماری طرف سے ایک برس کی ہی میعاد ہو گی۔ اب اس سے ان کا منہ پھیرنا اپنے دروغگو ہونے کا اقرار کرنا ہے"۔ [۱۹]

اس جواب نے مولوی صاحب کے حدیث و سنت کے عالم ہونے کے دعاوی پارہ پارہ کر دیئے۔ اور

وہ گنگا بشن کی طرح میدان سے فرار اختیار کر گئے۔

حضرت اقدسؑ کی خانہ تلاشی

آریہ سماجیوں کے جذبات مشتعل دیکھ کر انگریزی حکومت کی مشینری حرکت میں آگئی۔ چنانچہ اس نے قاتل کے حلیہ کا اشتہار شائع کیا۔ خفیہ پولیس نے دوڑ دھوپ کر کے کئی افراد کو شبہ میں گرفتار کر لیا۔ ایک شخص کشمیر سے پکڑ کر لاہور لایا گیا۔ اس شخص کا حلیہ مشتہرہ حلیہ کے مطابق تھا لیکن آخر جب پنڈت لیکھرام کی والدہ اور بیوی نے اسے دیکھا تو کہا یہ وہ شخص نہیں اس کی آواز قاتل کی آواز جیسی نہیں ہے جس پر وہ چھوڑ دیا گیا۔ اسی طرح ایک احمدی بابو وزیر خاں صاحب بھی (جو برما میں کام کرتے تھے) زیر حراست کر لئے گئے مگر تفتیش کرنے پر وہ بھی رہا کر دیئے گئے۔ اس پکڑ دھکڑ کے علاوہ قتل کا سراغ لگانے کی غرض سے وسیع پیمانے پر تلاشیاں بھی ہوئیں۔ [۲۰] چنانچہ اسی سلسلے میں حضرت اقدسؑ مسیح موعود علیہ السلام کی خانہ تلاشی بھی ہوئی یہ ۸۔ اپریل ۱۸۹۷ء کا واقعہ ہے۔ حضرت اقدس پولیس افسروں کے آنے سے چند منٹ پیشتر "سراج منیر" کی ایک کاپی پڑھ رہے تھے۔ جس میں یہ مضمون تھا کہ لیکھرام کے قتل سے آپ پر ویسا ہی ابتلاء آیا۔ جیسے مسیح علیہ السلام کو واقعہ صلیب کے موقعہ پر آیا تھا۔ یہ مضمون پڑھتے ہوئے آپ کے دل میں یکایک خیال آیا کہ حضرت مسیح علیہ السلام کے دشمنوں نے خود بھی ایذا رسانی کی کوششیں کی تھیں اور گورنمنٹ کے ذریعہ سے بھی تکلیف دی تھی۔ مگر میرے معاملے میں تو اب تک صرف ایک پہلو ہے کیا اچھا ہو تا کہ گورنمنٹ کی دست اندازی کا پہلو بھی اس کے ساتھ شامل ہو جاتا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام ابھی یہ سوچ ہی رہے تھے کہ اچانک مسٹر لیمار چند سپرنٹنڈنٹ پولیس گورداسپور، میاں محمد بخش انسپکٹر بٹالہ اور ہیڈ کانسٹیبل اور پولیس کی جمعیت نے قادیان پہنچ کر حضور کے گھر کا محاصرہ کر لیا۔ قبل ازیں صبح کے وقت حضرت میر ناصر نواب صاحب نے کہیں سے پولیس کے آنے کی خبر سن لی۔ تو وہ سخت گھبرائے ہوئے حضرت اقدسؑ کی خدمت میں پہنچے اور سخت پریشانی کے عالم میں کہا کہ پولیس گرفتاری کے لئے آرہی ہے۔ حضرت اقدسؑ نے مسکراتے ہوئے فرمایا۔ "میر صاحب (دنیادار) لوگ خوشیوں میں چاندی سونے کے کنگن پہنا کرتے ہیں۔ ہم سمجھ لیں گے کہ ہم نے اللہ تعالیٰ کی راہ میں لوہے کی کنگن پہن لئے۔ پھر ذرا تامل کے بعد فرمایا۔ "مگر ایسا نہ ہو گا۔ کیونکہ خدا تعالیٰ کی اپنی گورنمنٹ کے مصالح ہوتے ہیں"۔ [۲۱] اس وقت حضرت صاحبزادہ پیر منظور محمد صاحب بھی بیٹھے تھے۔ انہوں نے بتایا کہ حضرت اقدسؑ پر پولیس کی اطلاع کا خفیف سا اثر بھی نہ ہوا۔ اور بدستور کاپی پڑھتے رہے۔ لیکن جب پولیس نے آکر دروازہ کھٹکھٹایا تو آپ نے کام بند کر دیا اور فوراً جا کر دروازہ کھول دیا۔ مسٹر لیمار چند نے ٹوپی اتار کر کہا کہ "مجھے حکم آگیا ہے کہ قتل کے مقدمہ میں آپ کے گھر کی تلاشی لوں"

تلاشی کا نام سن کر آپ کو اس قدر خوشی ہوئی جتنی اس ملزم کو ہو سکتی ہے جس سے کہا جائے کہ تیرے گھر کی تلاشی نہیں ہو گی۔ چنانچہ حضور نے فرمایا کہ آپ اطمنان سے تلاشی لیں اور میں مدد دینے میں آپ کے ساتھ ہوں۔ اس کے بعد آپ انہیں دوسرے افسروں سمیت مکان میں لے گئے اور پہلے مردانہ اور پھر زنانے مکان میں تمام بستے وغیرہ انہوں نے دیکھے۔ اس وقت مرزا امام دین بھی شرارتاً پولیس کے ساتھ تھا۔ اللہ کی قدرت!! جب ایک بستہ کھولا گیا تو سب سے پہلے جو کاغذات بر آمد ہوئے وہ پنڈت لیکھرام کے لکھے ہوئے تھے جو اس نے نشان نمائی کے مطالبہ کے لئے اپنے قلم سے حضور کے نام لکھے تھے۔ تلاشی بہت دیر تک جاری رہی۔ بعض ٹرنکوں کے قفل توڑ کر بھی سامان دیکھے گئے۔ اور پولیس نے گھر کا کونہ کونہ چھان مارا۔ مگر کچھ بر آمد نہ ہوا۔ تلاشی کے دوران میں حضرت اقدسؑ کے روئے منور پر کسی قسم کی فکر و تشویش کے آثار قطعاً نہیں تھے۔ بلکہ آپ بالکل مطمئن و مسرور تھے۔ حضور کے گھر کی تلاشی کے بعد مہمانخانہ، مطبع اور حضرت مولانا نور الدین کے مکان کی بھی تلاشی ہوئی۔ دیواری الماریاں بھی دیکھیں گئیں۔ اور پتھر کی سل تک لوٹ پوٹ کی گئی۔ مگر پولیس کے ہاتھ کچھ نہ آیا۔ [۲۲] اس موقعہ پر تلاشی کے واقعات کے متعلق حضرت ام المومنین رضی اللہ عنہا کی عینی شہادت کا درج کرنا ضروری ہے۔ آپ نے فرمایا (حضرت سیدہ نواب) مبارکہ کا چلہ نہانے کے دو تین دن بعد میں اوپر کے مکان میں چارپائی پر بیٹھی تھی اور تم (مراد حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب مدظلہ العالی) میرے پاس کھڑے اور پھجو (گھر کی ایک خادمہ کا نام) بھی پاس تھی۔ کہ تم نے نیچے کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ "اماں او پائی"۔ میں نہ سمجھی۔ تم نے دو تین دفعہ دہرایا اور نیچے کی طرف اشارہ کیا۔ جس پر پھجو نے نیچے دیکھا تو ڈیوڑھی کے دروازے میں ایک سپاہی کھڑا تھا۔ پھجو نے اسے ڈانٹا۔ کہ یہ زنانہ مکان ہے۔ تو کیوں دروازے میں آگیا ہے۔ اتنے میں مسجد کی طرف کا دروازہ بڑے زور سے کھٹکا۔ پتہ لگا کہ اس طرف سے بھی ایک سپاہی آیا ہے حضرت صاحب اندر دالان میں بیٹھے کچھ کام کر رہے تھے۔ میں نے محمود (حضرت خلیفۃ المسیح الثانی) کو ان کی طرف بھیجا کہ سپاہی آئے ہیں اور بلاتے ہیں حضرت صاحب نے فرمایا کہو کہ میں آتا ہوں۔ پھر آپ نے بڑے اطمینان سے اپنا بستہ بند کیا اور اٹھ کر مسجد کی طرف گئے۔ وہاں مسجد میں انگریز کپتان پولیس کھڑا تھا۔ اور اس کے ساتھ دوسرے پولیس کے آدمی تھے۔ کپتان نے حضرت صاحب سے کہا کہ مجھے حکم ملا ہے کہ میں لیکھرام کے قتل کے متعلق آپ کے گھر کی تلاشی لوں۔ حضرت صاحب نے کہا آیئے اور کپتان کو معہ دوسرے آدمیوں کے جن میں بعض دشمن بھی تھے۔ مکان کے اندر لے آئے۔ اور تلاشی شروع ہو گئی۔ پولیس نے مکان کا چاروں طرف سے محاصرہ کیا ہوا تھا۔ ہم عورتیں اور بچے ایک طرف ہو گئے۔ سب کمروں کی باری باری تلاشی ہوئی اور حضرت صاحب کے

کاغذات وغیرہ دیکھے گئے تلاش کرتے کرتے ایک خط نکلا جس میں کسی احمدی نے لیکھرام کے قتل پر حضرت صاحب کو مبارک باد لکھی تھی۔ دشمنوں نے اسے جھٹ کپتان کے سامنے پیش کیا کہ دیکھئے اس سے کیا نتیجہ نکلتا ہے؟ حضرت صاحب نے کہا کہ ایسے خطوں کا تو میرے پاس تھیلا رکھا ہے اور پھر بہت سے خط کپتان کے سامنے رکھ دیئے۔ کپتان نے کہا نہیں کچھ نہیں..... جب کپتان نیچے سردخانے میں جانے لگا۔ تو چونکہ اس کا دروازہ چھوٹا تھا اور کپتان لمبے قد کا آدمی تھا اس کا سر اس زور کے ساتھ دروازے کی چوکھٹ سے ٹکرایا کہ بیچارہ سر پکڑ کر وہیں بیٹھ گیا۔ حضرت صاحب نے اس سے اظہار ہمدردی کیا اور پوچھا کہ گرم دودھ یا کوئی اور چیز منگوائیں۔ اس نے کہا نہیں کوئی بات نہیں.... حضرت صاحب خود اسے ایک کمرے سے دوسرے کمرے کی طرف لے جاتے تھے اور ایک ایک چیز دکھاتے تھے۔ ۲۲۳، ۲۲۴

"سراج منیر" اور "استفتاء" کی تصنیف و اشاعت

حضرت اقدسؑ نے آریہ سماج کے پراپیگنڈا کی قلعی کھولنے کے لئے انہی دنوں "سراج منیر" اور "استفتاء" کے نام سے دو اہم کتابیں تصنیف فرمائیں۔

"سراج منیر" ۲۴۔ مارچ ۱۸۹۷ء کو لکھی گئی اور مئی ۱۸۹۷ء میں شائع ہوئی۔ اس لاجواب تصنیف میں حضرت اقدسؑ نے اپنی صداقت کے ۳۷ نشانات درج فرمائے جو لیکھرام کی ہلاکت سے قبل آفتاب نیم روز کی طرح پورے ہو چکے تھے۔ اور آپ کے منجانب اللہ ہونے پر آسمانی گواہ تھے۔

رسالہ "استفتاء" ۱۲۔ مئی ۱۸۹۷ء کو شائع ہوا۔ جو لیکھرام کی پیشگوئی سے مخصوص تھا۔ اور جس میں حضرت اقدسؑ نے اس نشان کے تمام پہلوؤں پر روشنی ڈالتے اور اس میں الٰہی قدرت کا ہاتھ دکھاتے ہوئے ملک کے اہل الرائے اصحاب سے دریافت کیا ہے کہ کیا خدا تعالیٰ کی یہ پیشگوئی کمال صفائی سے پوری ہو گئی ہے یا نہیں؟ اس کتاب میں حضرت اقدسؑ نے یہ بھی ثابت کیا ہے کہ یہ پیشگوئی ۱۷ برس قبل "براہین احمدیہ" میں بھی بڑی وضاحت سے موجود ہے اور براہین کی تالیف کا وہ زمانہ تھا کہ لیکھرام اس وقت غالباً ۱۳/۱۲ برس کا ہو گا جو اس بات کا ناقابل تردید ثبوت ہے کہ یہ نشان خدا تعالیٰ کی قدرت نمائی سے ظہور میں آیا ہے کسی انسانی منصوبہ کا اس میں ہرگز دخل نہیں۔

سکھوں کی طرف سے مخالفت اور اتمام حجت

حضرت اقدس کی مخالفت میں ہندوستان کی تمام بڑی بڑی مذہبی قومیں متحد ہو چکی تھیں صرف سکھ علیحدہ نظر آتے تھے مگر وہ بھی "ست بچن" کی تصنیف سے بگڑ گئے اور عین اس وقت میدان مقابلہ میں آئے جب پنڈت لیکھرام کے قتل نے ملکی مطلع غبار آلود کر رکھا تھا۔ اور وحشت و جنون کے گھٹاٹوپ بادل چھا رہے تھے۔

چنانچہ ایک صاحب سردار راجندر سنگھ نے "خبط قادیانی" کتاب لکھی جس میں آنحضرت ﷺ کی شان اقدس میں گستاخانہ حملے کئے اور باوا نانک" کے مسلمان ہونے پر غم و غصہ کا اظہار کیا۔ حضرت اقدسؑ کو سکھ قوم سے حسن ظن تھا جو اس کتاب سے مجروح ہوا آپ کو ہرگز یہ خیال نہیں تھا کہ سکھ قوم میں ایسے لوگ بھی ہیں جو رسول خدا ﷺ سے متعلق بے باکی کرتے ہیں۔ چنانچہ آپ نے ۱۸۔ اپریل ۱۸۹۷ء کو اس کے جواب میں مفصل اشتہار لکھا۔ اور فرمایا۔ "کوئی برا مانے یا بھلا۔ مگر میں سچ سچ کہتا ہوں کہ ان تمام مذہبوں میں سچ پر قائم وہی مذہب ہے جس پر خدا کا ہاتھ ہے۔ اور وہی مقبول دین ہے جس کی قبولیت کے نور ہر ایک زمانے میں ظاہر ہوتے ہیں یہ نہیں کہ پیچھے رہ گئے ہیں۔ سو دیکھو میں گواہی دیتا ہوں کہ وہ روشن مذہب اسلام ہے جس کے ساتھ خدا کی تائیدیں ہر وقت شامل ہیں کیا ہی بزرگ قدر وہ رسول ہے جس سے ہمیشہ تازہ بتازہ روشنی پاتے ہیں اور کیا ہی برگزیدہ وہ نبی ہے۔ جس کی محبت سے روح القدس ہمارے اندر سکونت کرتی ہے"۔

حضورؑ نے اس اشتہار میں سکھوں پر اتمام حجت کرتے ہوئے سردار راجندر سنگھ کو اسی آسمانی فیصلہ کی طرف بلایا جو آپ کے جوش ایمان اور منصب ماموریت کا ابتداء ہی سے طرہ امتیاز تھا۔ یعنی آپ نے انہیں دعوت دی کہ آپ اگر باوا نانک" کو مسلمان نہیں سمجھتے تو ایک مجلس عام میں اس مضمون کی قسم کھاویں کہ درحقیقت باوا نانک" صاحب دین اسلام سے بیزار تھے۔ اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو برا سمجھتے تھے اور اگر دونوں باتیں خلاف واقعہ ہیں تو اے قادر کرتار مجھے ایک سال تک اس گستاخی کی سزا دے۔

حضرت اقدس نے یہ وعدہ فرمایا کہ کسی اخبار میں یہ قسم شائع ہونے کے بعد ہم ان کے لئے پانچ سو روپیہ جمع کرا دیں گے جو ان کے ایک سال تک زندہ رہنے کی صورت میں انہیں فی الفور دے دیا جائے گا۔ نیز یقین دلایا کہ اگر کسی انسان کے ہاتھ سے آپ کو تکلیف پہنچے تو وہ ہماری بد دعا کا اثر ہرگز نہیں سمجھا جائے گا۔ [۱۲۵] لیکن سردار راجندر سنگھ خدا کے شیر کی ایک ہی گرج سے ایسے دم بخود ہوئے کہ زندگی بھر انہوں نے اس طرف رخ کرنے کا نام نہیں لیا۔

حواشی

۱۔ الحکم ۲۸۔ ستمبر ۱۹۳۸ء صفحہ ۴ کالم نمبر ۳
۲۔ "حقیقۃ الوحی" طبع اول صفحہ ۲۸۱۔ ۲۹۳۔ الحکم ۲۸۔ ستمبر ۱۹۳۸ء۔ ذکر حبیب مولفہ حضرت مفتی محمد صادق صاحب صفحہ ۶۲
۳۔ "دافع الاوہام" مصنفہ دیو پرکاش صفحہ ۸۱ (بحوالہ الفضل ۴۔ مارچ ۱۹۳۶ء صفحہ ۱۰)
۴۔ مسافر آگرہ کا شہید نمبر ۶۔ مارچ ۱۹۱۳ء
۵۔ آہنسا کا اوتار" مؤلفہ مدن گوپال مدن پاراشر مطبوعہ رانا آرٹ پریس امرت سر (نومبر ۱۹۳۹ء) مدن گوپال صاحب نے اسی رسالہ میں یہاں تک لکھ دیا ہے۔ کہ "میں نے احمدیت کا مطالعہ تو اس کی مخالفت کرنے کی غرض سے شروع کیا تھا لیکن نتیجہ اس کے بالکل ہی برعکس برآمد ہوا۔ میں جو کبھی احمدیت کا نام سن کر چڑ جایا کرتا تھا احمدیت کا تھوڑا بہت مطالعہ کرنے کے بعد اس بات کا قائل ہو گیا کہ احمدیت ان مومنوں کی جماعت ہے 'جو اخوت کے علمبردار اور آہنسا کے پجاری ہیں اور جس کی بنیاد ان اصولوں پر قائم کی گئی ہے۔ جو پرماتما کے بنائے ہوئے ہیں اور جنہیں بنا لینے سے منش کا کلیان ہو سکتا ہے"۔ (صفحہ ۳۔ ۴)
۶۔ (BY KENNETH W.JONES) "ARTADHARM" p: 197 مطبوعہ یونیورسٹی آف کیلیفورنیا پریس بارکلے ۶ لاس انجلز لنڈن
۷۔ ہندو اخبارات کے مقتبسات "سراج منیر" حاشیہ صفحہ ۴۳۔ ۴۲ طبع اول سے ماخوذ ہیں۔
۸۔ "تبلیغ رسالت" جلد ششم صفحہ ۴۶
۹۔ نور احمد طبع دوم حصہ اول صفحہ ۳۹
۱۰، ۱۱ اشتہار ۹۔ مارچ ۱۸۹۷ء (بحوالہ تبلیغ رسالت" جلد ششم صفحہ ۳۶۔ ۳۸
۱۲۔ تبلیغ رسالت جلد ششم صفحہ ۴۲۔ ۴۵
۱۳۔ تبلیغ رسالت جلد ششم صفحہ ۵۲
۱۴۔ "تبلیغ رسالت" جلد ششم صفحہ ۷۷
۱۵۔ تبلیغ رسالت جلد ششم صفحہ ۸۸
۱۶۔ تبلیغ رسالت جلد ششم صفحہ ۹۱
۱۷۔ تبلیغ رسالت جلد ششم صفحہ ۱۰۰
۱۸۔ اشاعۃ السنہ جلد ۱۸ نمبر ۳
۱۹۔ "حیات احمد" جلد چہارم صفحہ ۳۰۰۔ ۳۰۲
۲۰۔ "حیات احمد" جلد چہارم صفحہ ۲۷۹
۲۱۔ الحکم ۷۔ جون ۱۹۳۶ء صفحہ ۳
۲۲۔ "حیات احمد" جلد چہارم صفحہ ۲۸۶
۲۳۔ سیرت المہدی جلد اول صفحہ ۲۴۳ طبع دوم
۲۴۔ دوران تلاشی حضور نے میاں محمد بخش صاحب انسپکٹر پولیس سے فرمایا "آپ تو اس طرح مخالفت کرتے ہیں مگر آپ کی اولاد میرے حلقہ بگوشوں میں داخل ہو جائے گی" (روایات جلد ۱۳ صفحہ ۱۲۲ غیر مطبوعہ) چنانچہ ایسا ہی عمل میں آیا۔
۲۵۔ "تبلیغ رسالت" جلد ششم صفحہ ۹۲۔ ۹۸

نائب سفیر سلطان ترکی حسین کامی کی قادیان میں آمد اور سلطنت ترکی میں انقلاب کی پیشگوئی

مخالفین کا شور و شغب پورے زوروں پر تھا کہ مئی میں آپ کے خلاف مہم چلانے کا ایک نیا بہانہ ان کے ہاتھ آگیا۔

حسین کامی کا قادیان میں ورود اور حضرت اقدسؑ سے ملاقات

واقعہ یہ ہوا کہ حسین کامی وائس قونصل ترکی لاہور آئے اور مسلمانان لاہور کی طرف سے خلیفۃ المسلمین سلطان عبدالحمید ثانی سے گہری عقیدت وارادت کے باعث ان کا پرجوش استقبال ہوا اور ڈپٹی برکت علی خاں صاحب شاہجہانپوری صدر انجمن اسلامیہ لاہور کی کوٹھی بیرون موچی دروازہ میں ان کے قیام کا انتظام کیا گیا۔ جماعت احمدیہ لاہور کے بعض اصحاب نے ان کی آمد سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ان سے ملاقات کی، پیغام حق پہنچایا اور جماعتی لٹریچر بھی دیا جس سے انہوں نے متاثر ہو کر حضرت اقدس کی خدمت میں ملاقات کے لئے نہایت عاجزی کے ساتھ تحریری درخواست [1] کی اور اس میں حضور علیہ السلام کو "جناب مستطاب معلی القاب قدوۃ المحققین قطب العارفین حضرت پیردستگیر" کے القاب سے یاد کیا۔ حسین کامی ۱۰ یا ۱۱ مئی ۱۸۹۷ کو نماز عشاء کے قریب قادیان پہنچے۔ دوسرے روز حضرت اقدسؑ اپنے طریق کے خلاف ان کی درخواست پر تخلیہ میں ان سے ملے۔ انہوں نے سلطان ترکی کے لئے ایک خاص دعا کی تحریک کی اور یہ بھی چاہا۔ کہ آئندہ ان کے لئے جو کچھ قضا و قدر سے آنے والا ہے اس سے مطلع کیا جائے۔ حضرت اقدسؑ پر اول ملاقات میں ہی جناب الٰہی کی طرف سے ان کی منافقانہ کیفیت بے نقاب کر دی گئی۔ اور ان کی دنیا پرستی کا رنگ آپ پر عیاں ہو گیا۔ [2]

سلطنت روم کی نسبت کشفی خبر

حضرت اقدسؑ اگرچہ سلطان عبدالحمید ثانی کی تعریف کرتے ہوئے ان کا یہ واقعہ ہمیشہ سنایا کرتے تھے کہ

انہوں نے ایک جنگ کے موقعہ پر یہ کہا تھا کہ کوئی خانہ خدا کے لئے بھی خالی رکھنا چاہیے۔ لیکن مشیت ایزدی کچھ اور تھی۔ چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ان سے بوقت ملاقات صاف کہہ دیا کہ "سلطان کی سلطنت کی اچھی حالت نہیں ہے اور میں کشفی طریق سے انکے ارکان کی حالت اچھی نہیں دیکھتا اور میرے نزدیک ان حالتوں کے ساتھ انجام اچھا نہیں"۔ نیز اس بات پر بھی زور دیا کہ رومی سلطنت خدا کے نزدیک کئی باتوں میں قصوروار ہے اور خدا سچے تقویٰ اور طہارت اور نوع انسان کی ہمدردی کو چاہتا ہے اور روم کی حالت موجودہ بربادی کو چاہتی ہے۔ توبہ کرو تا نیک پھل پاؤ"۔ [۳]

حسین کامی کا "ناظم الہند" میں غضب آلود مراسلہ اور عام مخالفت

حضرت اقدسؑ کی زبان مبارک سے یہ الفاظ سن کر حسین کامی صاحب (جنہوں نے قادیان میں اکثر وقت لہو ولعب اور شطرنج میں گزارا) [۴] سخت جز بز ہوئے اور واپس آکر اخبار "ناظم الہند" میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے خلاف ایک غضب آلود مراسلہ شائع کیا جس نے عداوت کی ایک نئی بنیاد ڈال دی اخبارات نے اسے خوب اچھالا اور بڑی کثرت سے اشتہارات میں اس کا چرچا ہوا۔ مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی جو اس قسم کے موقعہ کی ہمیشہ تاک میں رہتے تھے "خلیفۃ المسلمین" کی عقیدت والفت کا واسطہ دے کر مسلمانوں کے جذبات سے خوب کھیلے اور اشتعال انگیزی کی حد کر دی۔ [۵]

"چودھویں صدی" کا بزرگ

حسین کامی صاحب کے خط پر (ضلع راولپنڈی) کے ایک وقیع عالم اور رئیس اعظم راجہ جہاں داد خاں صاحب [۶] بھی پراپیگنڈا کی رو میں بہہ گئے اور نازیبا کلمات آپ کی شان میں کہے اور گو انہوں نے از خود تو کوئی مضمون آپ کے خلاف نہ لکھا مگر اخبار "چودھویں صدی" نے انہی کا سہارا لے کر ۱۵۔ جون ۱۸۹۷ء کے اخبار میں حضرت اقدسؑ کے متعلق ناواجب کلمات لکھے۔ حضرت اقدسؑ کو اس کے رد میں کچھ کہنے کی ضرورت نہیں تھی مگر یہ عجیب بات ہوئی کہ جب یہ اخبار حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی خدمت میں پڑھا گیا تو اس کے دوران میں یہ عبارت بھی آگئی کہ "ایک بزرگ نے جب یہ اشتہار پڑھا تو بے ساختہ ان کے منہ سے یہ شعر نکل گیا ۔

"چوں خدا خواہد کہ پردہ کس درد　　میلش اندر طعنہ پاکاں برد"

اس مقام پر پہنچ کر حضرت اقدسؑ کی روح میں بددعا کے لئے ایک خاص جوش اٹھا تب آپ نے اس شخص کے بارے میں جس کو اخبار میں "بزرگ" کے لفظ سے یاد کیا گیا تھا دعا کی کہ "یا الٰہی اگر تو جانتا ہے کہ میں کذاب ہوں اور تیری طرف سے نہیں ہوں اور جیسا کہ میری نسبت کہا گیا ہے

ملعون اور مردود ہوں اور کاذب ہوں اور تجھ سے میرا تعلق اور تیرا مجھ سے نہیں۔ تو میں تیری جناب میں عاجزانہ عرض کرتا ہوں کہ مجھے ہلاک کرڈال۔ اور اگر تو جانتا ہے کہ میں تیری طرف سے ہوں اور تیرا بھیجا ہوا ہوں اور مسیح موعود ہوں تو اس شخص کے پردے پھاڑ دے جو بزرگ کے نام سے اس اخبار میں لکھا گیا ہے لیکن اگر وہ اس عرصہ میں قادیان میں آکر مجمع عام میں توبہ کرے تو اسے معاف فرما تو رحیم و کریم ہے"۔ اس بددعا میں حضرت اقدس نے یکم جولائی ۱۸۹۷ء سے یکم جولائی ۱۹۹۸ء تک اللہ تعالیٰ سے فیصلہ کی درخواست کی۔

حضرت اقدسؑ کی طرف سے اطلاع عام

حضرت اقدس کی دعا قبول ہو گئی جس کی اطلاع عام کے لئے آپ نے ۲۵۔ جون ۱۸۹۷ء کو ایک اور اشتہار شائع کیا جس میں یہ سب واقعہ بیان کرتے ہوئے لکھا "میرے اشتہار کا بجز اس کے کیا مطلب تھا کہ رومی لوگ تقویٰ اور طہارت اختیار کریں کیونکہ آسمانی قضاو قدر اور عذاب ساوی کے روکنے کے لئے تقویٰ اور توبہ اور اعمال صالحہ جیسی اور کوئی چیز قوی تر نہیں......... کیا یہ ممکن نہ تھا کہ جو کچھ میں نے رومی سلطنت کے اندرونی نظام کی نسبت بیان کیا وہ دراصل صحیح ہو اور ترکی گورنمنٹ کے شیرازہ میں ایسے دھاگے بھی ہوں جو وقت پر ٹوٹنے والے اور غداری سرشت ظاہر کرنے والے ہوں"۔ [ے]

"چودھویں صدی کے" بزرگ کی معافی

اب "حسین کامی" کی ملاقات کے نتیجہ میں تین پیشگوئیاں پبلک میں آگئیں۔

۱۔ "چودھویں صدی" کے بزرگ کی توبہ نہ کرنے کی صورت میں ایک سال میں تباہی۔
۲۔ "حسین کامی" کی منافقت اور غداری
۳۔ اندرونی نظام کی خرابی کے نتیجے میں سلطنت ترکی میں انقلاب"۔

بظاہر حالات ایسے نہیں تھے کہ ان میں سے کوئی پہلو بھی ظاہر ہوتا۔ مگر دنیا یہ دیکھ کر دنگ رہ گئی کہ یہ تمام پیشگوئیاں مختصر سے وقفہ کے ساتھ بڑی شان سے پوری ہو گئیں۔

پہلی پیشگوئی "چودھویں صدی" کے بزرگ سے متعلق تھی۔ سو راجہ جہاں داد صاحب نے اپنے گناہ کا اعتراف کرتے ہوئے چند ماہ کے بعد معافی کی عاجزانہ درخواست کی۔ چنانچہ اس سلسلہ میں انہوں نے ۲۹۔ اکتوبر ۱۸۹۷ء کو حضرت اقدسؑ کی خدمت میں حد درجہ فروتنی' انکسار اور تذلل سے ایک مفصل خط لکھا۔ یہ خط ان الفاظ پر ختم ہوتا تھا:۔

"اس وقت تو میں ایک مجرم گنہگار کی طرح آپ کے حضور میں کھڑا ہوتا ہوں اور معافی مانگتا ہوں

(مجھ کو حاضر ہونے میں بھی کچھ عذر نہیں مگر بعض حالات میں ظاہری حاضری سے معاف کیا جانے کا مستحق ہوں) شاید جولائی ۱۹۹۸ء سے پہلے حاضر ہی ہو جاؤں۔

امید کہ بارگاہ قدس سے بھی آپ کو راضی نامہ دینے کے لئے تحریک فرمائی جائے کہ نسی و لم نجد له عزما قانون کا بھی یہی اصول ہے کہ جو جرم عمداً و جان بوجھ کر نہ کیا جائے وہ قابل راضی نامہ و معافی کے ہوتا ہے۔ فاعفوا و اصلحوا ان الله یحب المحسنین۔

میں ہوں حضور کا مجرم (دستخط بزرگ) راولپنڈی ۲۹۔ اکتوبر ۹۷ء"

راجہ جہاں داد خاں نے حضرت اقدس کی خدمت میں یہ خط بھجوانے کے علاوہ اس کا ملخص راولپنڈی کے اخبار چودھویں صدی ۸۔ نومبر ۱۸۹۷ء (صفحہ ۳-۴) میں بھی شائع کروا دیا۔ [8]

حضرت اقدسؑ نے اس خط پر ۲۰۔ نومبر ۱۸۹۷ء کو بذریعہ اشتہار اعلان فرمایا کہ

"خدا تعالیٰ اس بزرگ کی خطا معاف کرے اور اس سے راضی ہو۔ میں اس سے راضی ہوں اور اس کو معافی دیتا ہوں چاہیے کہ ہماری جماعت کا ہر ایک شخص اس کے حق میں دعائے خیر کرے"۔ [9]

حسین کامی کی مجرمانہ خیانت اور اپنے عہدہ سے برطرفی

دوسری پیشگوئی خود حسین کامی کی نفاق آمیزی کی نسبت تھی جو خارق عادت رنگ میں پوری ہوئی۔

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ اسی سال یونانیوں نے ترکی کے مقبوضات میں سے ایک جزیرہ کریٹ پر قبضہ کر کے اس کے مسلمان باشندوں کا بے دردی سے قتل عام کیا کہ پورے عالم اسلام پر قیامت گزر گئی اور ہر جگہ چندے ہونے لگے۔ مسلمانان ہند نے بھی اپنے مظلوم بھائیوں کی اعانت میں دل کھول کر حصہ لیا اور مدراس کے ترکی سفیر عبد العزیز کے علاوہ حسین کامی مقیم کراچی کو بھی یہ چندہ دیا کہ پہنچا دیں مگر یہ صاحب مظلومان کریٹ کا کل چندہ خود ہی ہضم کر گئے اور ایک کوڑی تک ان ستم رسیدوں تک نہیں پہنچنے دی۔ حکومت ترکی کو جب اس قومی غداری کا علم ہوا تو اس نے حسین کامی کو عہدہ سے برطرف کر کے اس کی جائیداد ضبط کر لی۔ اس راز کا انکشاف مشہور ہندی سیاح حافظ عبد الرحمٰن صاحب امرت سری (۱۸۴۰-۱۹۰۷ء) پر قسطنطنیہ کی سیاحت کے دوران میں ہوا۔ جس پر انہوں نے اخبار "نیر آصفی" مدراس کو نامہ نگار کی حیثیت سے اس خبر کی پوری تفصیلات بھجوا دیں جو ۱۲۔ اکتوبر ۱۸۹۹ء کے ایشوع میں ایک ادارتی نوٹ کے ساتھ بایں الفاظ شائع ہوئیں۔

"چندہ مظلومان کریٹ اور ہندوستان"

ہمیں آج کی ولایتی ڈاک میں اپنے ایک معزز اور لائق نامہ نگار کے پاس سے ایک قسطنطنیہ والی

چٹھی ملی ہے جس کو ہم اپنے ناظرین کی اطلاع کے لئے درج ذیل کئے دیتے ہیں اور ایسا کرتے ہوئے ہمیں کمال افسوس ہوتا ہے افسوس اس وجہ سے کہ ہمیں اپنی ساری امیدوں کے برخلاف اس مجرمانہ خیانت کو جو سب سے بڑی اور سب سے زیادہ منظم اور مہذب اسلامی سلطنت کے وائس قونصل کی جانب سے بڑی بیدردی کے ساتھ عمل میں آئی اپنے کانوں سے سنا اور پبلک پر ظاہر کرنا پڑا ہے جو کیفیت جناب مولوی حافظ عبدالرحمٰن الہندی نزیل قسطنطنیہ نے ہمیں معلوم کرائی ہے اس سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ حسین بک کامی نے بڑی بے شرمی کے ساتھ مظلومان کریٹ کے روپیہ کو بغیر ڈکار لینے کے ہضم کرلیا اور کارکن کمیٹی چندہ نے بڑی فراست اور عرقریزی کے ساتھ ان سے روپیہ اگلوایا۔ مگر یہ دریافت نہیں ہوا کہ وائس قونصل مذکور پر عدالت عثمانیہ میں کوئی نالش کی گئی یا نہیں۔ ہماری رائے میں ایسے خائن کو عدالتانہ کارروائی کے ذریعہ عبرت انگیز سزا دینی چاہیے......."

"قسطنطنیہ کی چٹھی"

ہندوستان کے مسلمانوں نے جو گذشتہ دو سالوں میں مہاجرین کریٹ اور مجروحین عساکر حرب یونان کے واسطے چندہ فراہم کرکے قونصل ہائے دولت علیہ ترکیہ مقیم ہند کو دیا تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ ہر زر چندہ تمام و کمال قسطنطنیہ میں نہیں پہنچا اور اس امر کے باور کرنے کی یہ وجہ معلوم ہوتی ہے کہ حسین بک کامی وائس قونصل کراچی کو جو ایک ہزار چھ سو روپیہ کے قریب مولوی انشاء اللہ صاحب ایڈیٹر اخبار وکیل امرت سر اور مولوی محبوب عالم صاحب ایڈیٹر "پیسہ اخبار" نے مختلف مقامات سے وصول کرکے بھیجا تھا وہ سب غبن کر گیا ایک کوڑی تک قسطنطنیہ میں نہیں پہنچائی مگر خدا کا شکر ہے کہ سلیم پاشا ملحمہ کارکن کمیٹی چندہ کو جب خبر پہنچی تو انہوں نے بڑی جاں فشانی کے ساتھ اس روپیہ کے اگلوانے کی کوشش کی اور اس کے اراضی مملوکہ کو نیلام کرا کر وصولی رقم کا انتظام کیا اور باب عالی میں غبن کی خبر بھجوا کر نوکری سے موقوف کرایا۔ اس لئے ہندوستان کے جملہ اصحاب جرائد کی خدمت میں التماس ہے کہ وہ اس اعلان کو قومی خدمت سمجھ کر چار مرتبہ متواتر اپنے اخبارات میں مشتہر فرمائیں اور جس وقت ان کو معلوم ہو کہ فلاں شخص کی معرفت اس قدر روپیہ چندہ کا بھیجا گیا تو اس کو اپنے جریدہ میں مشتہر کرائیں اور نام مع عنوان کے ایسا مفصل لکھیں کہ بشرط ضرورت اس سے خط و کتابت ہو سکے"۔ [۱۰]

اس خبر نے "ناظم الہند" اور دوسرے تمام اخبارات پر بجلی سی گرا دی۔ یہ وہ اخبارات تھے جنہوں نے حسین کامی کی شان میں زمین و آسمان کے قلابے ملاتے ہوئے یہاں تک لکھ ڈالا تھا کہ یہ نائب خلیفہ

اللہ سلطان روم جو پاک باطنی اور دیانت اور امانت کی وجہ سے سراسر نور ہیں اس لئے قادیان میں بلائے گئے ہیں تاکہ مرزائے قادیان اپنے افتراء سے اس نائب الخلافت یعنی مظہر نور الٰہی کے ہاتھ پر توبہ کرے اور آئندہ اپنے تئیں مسیح موعود ٹھہرانے سے باز آجائے"۔ [۱۱]

لیکن قدرت حق نے جلد ہی حسین کامی کے چہرے سے نقاب اٹھادی اور خدا کی بات کمال صفائی سے پوری ہو گئی۔

سلطنت ترکی میں انقلاب اور سلطان عبدالحمید ثانی کی معزولی

اب سلطنت ترکی کی نسبت سنئے۔ حضرت اقدسؑ نے خبردی تھی کہ "سلطان روم کی اچھی حالت نہیں ہے اور میں کشفی طریق سے اس کے ارکان کی حالت اچھی نہیں دیکھتا۔ اور میرے نزدیک ان حالتوں کے ساتھ انجام اچھا نہیں"۔ اور بتایا تھا کہ ترکی گورنمنٹ میں کئی ایسے دھاگے ہیں جو وقت پر ٹوٹنے والے اور غداری سرشت رکھنے والے ہیں۔ گو حضرت اقدسؑ کا دینی عقیدہ یہ تھا کہ سلطان ترکی حرمین کا محافظ نہیں بلکہ حرمین اس کے محافظ ہیں تاہم اس سلطنت کو مسلمانوں کے لئے مغتنمات میں سے سمجھتے تھے۔ [۱۲] اس لئے آپ کو طبعاً صدمہ ہوا اور آپ رقت اور درد سے بھر گئے۔ [۱۳] آپ کا یہ کرب و اضطراب درگاہ الٰہی میں پہنچا اور بالآخر جنوری ۱۹۰۴ء میں آپ کو الہاماً بتایا گیا کہ غلبت الروم فی ادنی الارض وھم من بعد غلبھم سیغلبون"۔ [۱۴] کہ اہل روم نزدیک کی زمین میں مغلوب کئے جائیں گے اور وہ عنقریب مغلوب ہونے کے بعد غلبہ پائیں گے۔ چنانچہ ۱۹۰۴ء میں ہی سلطنت ترکی کے انقلاب کے آثار نمودار ہونے لگے۔ اور اس کے کچے دھاگوں کے ٹوٹنے اور اندرونی نظام کے کھوکھلا ہونے کی خبریں بڑی کثرت سے منظر عام پر آنا شروع ہو گئیں۔ جس پر اخبار وکیل ۲۷۔ اگست ۱۹۰۴ء صفحہ ۸ کالم نمبر ۲ نے تبصرہ کرتے ہوئے لکھا۔ "نہایت افسوس کی بات ہے کہ جس عادت زبون نے ترکوں کو یہ دن دکھایا اور عیسائی سلطنتوں کے ہاتھوں اسے برباد کرایا وہ عادت ابھی تک ان میں کم و بیش پائی جاتی ہے اور یہ عادت ملک و قوم کی اغراض پر اپنی اغراض کو ترجیح دینا ہے۔ حیرانگی کی بات تو یہ ہے کہ یہ تباہی بخش مرض عام لوگوں کے طبقہ سے گذر کر مقتدر اور سربر آوردہ طبقہ کے اشخاص میں بھی گھر کر گیا ہے کوئی دن ایسا نہیں جاتا کہ کسی نہ کسی نمک حرام ترک افسر کی غداری کی خبریں مشہور نہ ہوتی ہوں۔ اب جو شخص ملک و قوم کی اغراض کو ایک طرف پھینک کر غداری کے میدان میں نکلا ہے کمال الدین پاشا فرزند عثمان پاشا ہے یہ نوجوان (سلطان المعظم کا۔ ناقل) داماد تھا مگر کچھ عرصہ سے اس کی ہوا ایسی بگڑی ہے کہ کسی دشمن نے اس پر ایسا جادو چلایا ہے کہ وہ علانیہ سرکشی پر کمربستہ ہو گیا۔ یہ حالت دیکھ کر دختر سلطان

المعظم نے اس سے کنارہ کر لیا اور زوجیت کے تمام تعلقات منقطع کر دیئے۔ اب یہ نوجوان بروسا میں نظر بند کیا گیا ہے اور اس کے تمام تمغہ جات و جاگیر وغیرہ ضبط ہو گئی۔ کیسا دردناک سبق ہے کہ جس شخص کو سلطنت کی ترقی۔ اقبال میں ساعی ہونا چاہیے تھا وہ سازش کے جرم میں زندان میں ڈالا جائے۔ جب تک ترکوں میں اس قسم کے آدمی ہیں وہ اپنے آپ کو کبھی بھی خطرہ سے باہر نہیں نکال سکتے۔ ۱۵

ان پے در پے غداریوں اور سازشوں نے ملکی نظام درہم برہم کر دیا۔ جس نے ملک میں سخت ابتری پھیلا دی اور سلطان عبدالحمید ثانی کو ۱۹۰۹ء میں تخت سے اتار دیا گیا اور ان کے بھائی سلطان محمد پنجم بادشاہ ہو گئے۔ سیاسی بحران اس وقت انتہاء کو پہنچ چکا تھا خزانہ لٹ چکا تھا نہ فوج کی حالت درست تھی نہ ملکی نظم و نسق ہی ٹھیک تھا اس کمزوری سے فائدہ اٹھا کر اٹلی نے طرابلس پر قبضہ کر لیا۔ ساتھ ہی بلقان میں لڑائی چھڑ گئی۔ یہ ختم ہوئی تو پہلی جنگ عظیم شروع ہو گئی۔ اور ترکی کو جرمنی کے حلیف کی شکل میں اس میں حصہ لینا پڑا۔ لڑائی جاری تھی کہ سلطان محمد پنجم انتقال کر گئے اور سطان عبدالوحید تخت پر بیٹھے۔ ۱۰۔ اگست ۱۹۱۸ء کو جرمن نے ہتھیار ڈال دئے۔ اور اتحادیوں نے انتقام لینے کے لئے ظالمانہ طور پر ترکی سلطنت کے حصے بخرے کر کے اسے آپس میں بانٹ لیا۔ حجاز، عراق، فلسطین اور راردون انگریزوں نے ہتھیائے۔ فرانس نے شام و لبنان پر قبضہ کیا۔ ایشیائے کوچک یونان کو ملا۔ اور باقی حصہ مشترک ملکیت قرار پایا۔ اور بظاہر ترکی سلطنت ہمیشہ کے لئے ختم ہو گئی۔ لیکن خدا تعالیٰ نے اپنے فرستادہ اور برگزیدہ کی دعاؤں کے طفیل اور اپنے الہام کے مطابق اس کے مردہ قالب میں زندگی کی روح پھونکنے کے لئے نوجوان ترک مصطفیٰ کمال پاشا، رؤف بے اور ڈاکٹر عدنان کو کھڑا کر دیا۔ جنہوں نے تھوڑی بہت فوج جمع کر کے جنگ شروع کر دی۔ خلیفہ عبدالوحید سے اتحادیوں نے حکم لکھوایا تھا کہ مصطفیٰ کمال وغیرہ باغی ہیں اور قتل کے مستحق۔ مگر انہوں نے اعلان کر دیا کہ ہم نہ خلیفہ عبدالوحید کو خلیفہ جانتے ہیں نہ اس کی حکومت کو صحیح حکومت۔ آخر خدا کے فضل سے یونان نے شکست کھائی اور سارا ایشیائے کوچک اتحادیوں کے پنجہ سے نکل کر ترک جھنڈے کے نیچے آ گیا۔ ۲۲۔ اکتوبر ۱۹۲۲ء کو قسطنطنیہ پر بھی قبضہ ہو گیا۔ اس عظیم انقلاب کے بعد یکم مارچ ۱۹۲۴ء کو مصطفیٰ کمال پاشا نے جدید ترکی حکومت قائم کر لی۔ اور آخری "خلیفۃ المسلمین" حکومت کے ایک گھنٹہ کے نوٹس پر حدود ترکی سے بھاگ کر انگریزوں کے زیر سایہ مالٹا میں پناہ گزیں ہو گیا۔ ۱۶

"حجۃ اللہ" کی تصنیف و اشاعت

چند ماہ پیشتر مولوی عبدالحق صاحب غزنوی نے "ضرب النعال علی وجہ الدجال" کے

عنوان سے حضرت اقدسؑ کے خلاف ایک نہایت گندہ اشتہار شائع کیا تھا جس میں آپ کی بعض پیشگوئیوں پر شرمناک اعتراضات کئے اور اپنی عربی لیاقت و قابلیت کا ڈھنڈورا پیٹتے ہوئے عربی زبان میں مباحثہ کی دعوت دی۔

حضرت اقدسؑ نے جواباً "ضمیمہ انجام آتھم" میں لکھا کہ ہم اس مقابلہ کے لئے تیار ہیں بشرطیکہ تم اقرار کرو کہ اگر تم باوجود اتنے دعویٰ فضیلت اور عربی دانی کے میرے جیسے انسان سے صاف شکست کھا جاؤ۔ (جس کی نسبت تمہیں اسی اشتہار میں اقرار ہے کہ اس شخص کو عربی دانی کی ہرگز لیاقت نہیں) تو اسے خدا تعالیٰ کی طرف سے معجزہ سمجھ کر فی الفور میری بیعت میں داخل ہو جاؤ گے۔ حضرت اقدس نے ایک عرصہ تک انتظار کیا۔ مگر جب غزنوی صاحب نے کوئی جواب نہ دیا۔ تو آپ نے نجفی اور غزنوی دونوں کی سرکوبی کے لئے فصیح و بلیغ عربی میں "حجتہ اللہ" ایسی اعجازی تصنیف فرمائی جو ١٧۔ مارچ ١٨٩٧ء کو لکھنی شروع ہوئی اور ٢٦۔ مئی ١٨٩٧ء کو چھپ گئی۔ حضرت اقدس نے "حجتہ اللہ" میں غزنوی صاحب کو کھلے لفظوں میں چیلنج دیا کہ "اس دن کہ یہ رسالہ ان کے پاس پہنچ جائے اس مضمون کی نظیر اس کے حجم اور ضخامت کے مطابق اس کی نظم اور نثر کے موافق بالمقابل شائع کردے اور پروفیسر عربی مولوی عبداللہ صاحب یا کوئی اور پروفیسر جو مخالف تجویز کریں ایسی قسم کھا کر جو موکد بعذاب الٰہی ہو جلسہ عام میں کہدیں کہ یہ مضمون تمام مراتب بلاغت اور فصاحت کے رو سے مضمون پیش کردہ سے بڑھ کر یا برابر ہے اور پھر قسم کھانے والا میری دعا کے بعد اکتالیس دن تک عذاب الٰہی میں ماخوذ نہ ہو تو میں اپنی کتابیں جلا کر جو میرے قبضہ میں ہوں گی ان کے ہاتھ پر توبہ کروں گا۔ اور اس طریق سے روز کا جھگڑا طے ہو جائے گا اور اس کے بعد جو شخص مقابل پر نہ آیا تو پبلک کو سمجھنا چاہیے کہ وہ جھوٹا ہے"۔ [١٤] اس چیلنج نے ان صاحب کی عربی دانی کی سب حقیقت عریاں کر دی ان کا بھرم کھل گیا اور وہ آخر دم تک اس علمی معجزہ کے جواب پر قلم اٹھانے کی جرات نہ کر سکے اور اللہ کی حجت تمام ہوئی۔

محمود کی آمین

جون ١٨٩٧ء میں سیدنا حضرت مرزا بشیرالدین محمود احمد صاحب کے ختم قرآن کی مبارک تقریب منعقد ہوئی جس میں باہر سے بھی احباب شامل ہوئے۔ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام نے اس خوشی کے موقعہ پر تمام حاضرین کو پر تکلف دعوت دی۔

حضرت ام المومنین نے چند روز قبل جناب شیخ نور احمد صاحب کی اہلیہ صاحبہ سے ارشاد فرمایا کہ

ایک مطبوعہ آمین امرت سر سے منگا دیں میاں محمود نے قران مجید ختم کیا ہے۔ جس پر جناب شیخ نور احمد صاحب امرت سر سے ایک آمین خرید لائے جس کے ہر شعر کے آخر میں "سبحان من یرانی" آتا تھا۔ شیخ صاحب نے یہ آمین حضرت اقدس کی خدمت میں پیش کر دی صبح کو حضور نے ایک اور آمین بنا کر انہیں دی اور ارشاد فرمایا کہ اس کو جلد چھپوا دیں۔

چنانچہ یہ اسی روز (۷۔ جون کو) چھپ گئی اور اس تقریب پر پڑھ کر سنائی گئی۔ اندر زنانہ میں خواتین پڑھتی تھیں اور باہر مرد اور بچے پڑھتے تھے۔ یہ آمین نہایت درجہ سوز و درد میں ڈوبی ہوئی دعاؤں کا مجموعہ ہے اور اپنی مبشر اولاد بالخصوص سیدنا محمود ایدہ اللہ الودود سے متعلق حضور کے دلی جذبات کی آئینہ دار ہے۔ حضرت اقدس کے سینہ میں عشق قرآن کا جو عظیم جذبہ موجزن تھا وہ اس کے لفظ لفظ سے ٹپک رہا ہے چند اشعار بطور نمونہ درج ذیل ہیں۔

تو نے یہ دن دکھایا محمود پڑھ کے آیا
دل دیکھ کر یہ احساں تیری ثنائیں گایا
صد شکر ہے خدایا صد شکر ہے خدایا
یہ روز کر مبارک سبحان من یرانی

لخت جگر ہے میرا محمود بندہ تیرا
دے اس کو عمر و دولت کر دور ہر اندھیرا
دن ہوں مرادوں والے پر نور ہو سویرا
یہ روز کر مبارک سبحان من یرانی

اس کے ہیں دو برادران کو بھی رکھیو خوشتر
تیرا بشیر احمد تیرا شریف اصغر
کر فضل سب پہ یکسر رحمت سے کر معطر
یہ روز کر مبارک سبحان میں یرانی

اے واحد یگانہ اے خالق زمانہ
میری دعائیں سن لے اور عرض چاکرانہ
تیرے سپرد تینوں دیں کے قمر بنانا
یہ روز کر مبارک سبحان من یرانی

یہ تینوں تیرے چاکر ہوویں جہاں کے رہبر
یہ ہادی جہاں ہوں یہ ہو ویں نور یکسر
یہ مرجع شہاں ہوں یہ ہوویں مہر انور
یہ روز کر مبارک سبحان من یرانی

حضرت حافظ احمد اللہ صاحب کو یہ شرف نصیب ہوا کہ انہوں نے حضرت سیدنا محمود ایدہ اللہ تعالیٰ کو بچپن میں قرآن شریف پڑھایا۔ حضور کے دو سرے فرزندوں حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب و حضرت صاحبزادہ مرزا شریف احمد صاحب اور حضور کی دختر نیک اختر حضرت نواب مبارکہ بیگم صاحبہ اور حضرت صاحبزادی امتہ الحفیظ بیگم صاحبہ نے حضرت صاحبزادہ پیر منظور محمد صاحب موجد قاعدہ یسرنا القرآن سے قرآن شریف پڑھا تھا۔

ساٹھ سالہ جوبلی پر ملکہ وکٹوریہ کو دوسری بار دعوت اسلام - انگلستان میں "جلسہ مذاہب" کی تجویز - "تحفہ قیصریہ" کی تصنیف و اشاعت - جلسہ احباب اور ملکہ کے مسلمان ہونے کی دعا

۲۰-۲۱-۲۲- جون ۱۸۹۷ء کو ہندوستان بھر میں ملکہ وکٹوریہ کی ساٹھ سالہ جوبلی بڑی دھوم دھام سے منائی گئی - دس سال قبل پچاس سالہ جوبلی کی تقریب پر بھی اسی جوش و خروش کا اظہار کیا گیا اور خصوصاً اہل اسلام نے اپنی مسرت و عقیدت کا عدیم النظیر ثبوت پیش کیا اور اہل اسلام میں جماعت اہلحدیث نے سب سے زیادہ اپنی دلچسپی اور وفاداری کا مظاہرہ کیا - چنانچہ جماعت اہلحدیث لاہور نے اس تقریب پر ایک پر تکلف دعوت کا اہتمام کیا - یہ دعوت مولوی الٰہی بخش صاحب وکیل کی وسیع کوٹھی میں دی گئی - جس میں انجمن حمایت اسلام لاہور کے سب ممبروں اور دوسرے مسلمان رؤساء شرفاء علماء اور عام اہل اسلام نے سات آٹھ ہزار کی تعداد میں شرکت کی - کوٹھی کے عین دروازہ کے سامنے ایک بلند اور وسیع دروازہ پر ایک طرف سنہری حروف سے یہ الفاظ درج کئے گئے -

"The Ahli Hadis With Empress a Long Life"

اہل حدیث قیصرہ ہند کی درازی عمر کے آرزو مند ہیں - دوسری طرف لاجوردی رنگ میں یہ شعر لکھا تھا -

دل سے ہے یہ دعائے اہلحدیث جشن جوبلی مبارک ہو

اس رات کو اہل پنجاب کی مختلف سوسائٹیوں نے ایڈریس پڑھے - جس میں اہلحدیث نے اپنے ایڈریس میں مبارکباد پیش کرتے ہوئے کہا " بحضور فیض گنجور کوئین وکٹوریہ ملکہ گریٹ برٹن و **قیصرۃ ہند بارک اللہ فی سلطنتھا** - ہم ممبران اہل حدیث اپنے گروہ کے کل اشخاص کی طرف سے حضور والا کی خدمت عالی میں جشن جوبلی کی دلی مسرت سے مبارکباد عرض کرتے ہیں -

برٹش رعایائے ہند میں سے کوئی فرقہ ایسا نہ ہوگا جس کے دل میں اس مبارک تقریب کی مسرت جوش زن نہ ہوگی اور اس کے بال بال سے صدائے مبارکباد نہ اٹھتی ہوگی - مگر خاص کر فرقہ اہل اسلام جس کو سلطنت کی اطاعت اور فرمانروائے وقت کی عقیدت اس کا مقدس مذہب سکھاتا اور اس کو ایک فرض مذہبی قرار دیتا ہے - اس اظہار مسرت اور ادائے مبارکباد میں دیگر مذاہب کی رعایا سے پیش قدم ہے علی الخصوص گروہ اہل حدیث منجملہ اہل اسلام اس اظہار مسرت و عقیدت اور دعائے

برکت میں چند قدم اور بھی سبقت رکھتا ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ جن برکتوں اور نعمتوں کی وجہ سے یہ ملک تاج برطانیہ کا حلقہ بگوش ہو رہا ہے اور ازانجملہ ایک بے بہا نعمت مذہبی آزادی اس گروہ کو خاص کر اسی سلطنت میں حاصل ہے بخلاف دوسرے اسلامی فرقوں کے ان کو اور اسلامی سلطنتوں میں بھی یہ آزادی حاصل ہے اس خصوصیت سے یقین ہو سکتا ہے کہ اس گروہ کو اس سلطنت کے قیام واستحکام سے زیادہ مسرت ہے اور ان کے دل سے مبارکباد کی صدائیں زیادہ زور کے ساتھ موجزن ہیں۔ ہم بڑے جوش سے دعا مانگتے ہیں کہ خداوند تعالیٰ حضور والا کی حکومت کو اور بڑھائے اور تادیر حضور والا کا نگہبان رہے تاکہ حضور والا کی رعایا کے تمام لوگ حضور کی وسیع سلطنت میں امن اور تہذیب کی برکتوں سے فائدہ اٹھائیں"۔ ۱۸

لاہور میں جملہ اہل السلام کی طرف سے شاہی مسجد لاہور میں بھی ایک بھاری اجتماع ہوا جس میں انجمن حمایت اسلام کے ممبروں اور تمام اسلامی فرقوں کے لوگ موجود تھے۔ اس اجتماع میں انجمن اسلامیہ کے ممبروں نے بڑی پرجوش اور موثر تقریروں سے قیصرہ ہند کی برکات بیان کیں۔ اور ان کی صحت وسلامتی کے لئے دعا کی گئی۔ اسی قسم کے اجتماع ہندوستان کے دوسرے شہروں دہلی۔ نصیر آباد اور اجمیر وغیرہ میں بھی ہوئے۔ ۱۹

پچاس سالہ جوبلی کی طرح ساٹھ سالہ جوبلی بھی گذشتہ روایات کو برقرار رکھتے ہوئے شاندار طریق پر منائی گئی بلکہ اسے یہ خصوصیت بھی حاصل ہوئی کہ پہلی جوبلی میں اہلحدیث جماعتی اعتبار سے نمایاں نظر آتے تھے۔ اب ہندوستان بھر کے مسلمانوں کی ایک جنرل کمیٹی قائم کی گئی جس کی مطبوعہ ہدایات کی روشنی میں ہندوستان کے تمام اسلامی فرقوں نے اظہار مسرت ومبارکباد کیا۔

ملکہ کو دعوت اسلام اور "تحفہ قیصریہ" کی تصنیف

اس جشن میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور جماعت احمدیہ نے بھی حصہ لیا جو اسلامی عظمت و وقار کے لحاظ سے ایک امتیازی شان رکھتا تھا دوسرے اداروں یا فرقوں نے جوبلی کی تقریب محض چراغاں' غرباء کو طعام' قیصرہ ہند کی مدح اور حکومت کے بقاء واستحکام کی دعا تک محدود رکھی مگر حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنے جوش دینی کے باعث یہ تقریب بھی جو خالص مادی تقریب تھی علمی جہاد میں تبدیل کر دی۔ اس سلسلے میں حضور نے سب سے پہلا کام یہ کیا کہ ۲۷۔ مئی ۱۸۹۷ء کو "تحفہ قیصریہ" کے نام سے ایک رسالہ شائع کیا جس میں ملکہ وکٹوریہ کو تثلیث سے تائب ہو کر قرآن مجید کی سچی اور پر حکمت تعلیم سے وابستہ ہونے کی نہایت لطیف رنگ میں دعوت دی۔

لندن میں "جلسہ مذاہب" کے انعقاد کی تجویز

حضرت اقدسؑ نے "تحفہ قیصریہ" میں ملکہ کے سامنے "جلسہ مذاہب" کے انعقاد کی تجویز بھی پیش کی۔ چنانچہ فرمایا"۔ قیاصرہ روم میں سے جب تیسرا قیصر روم تخت نشین ہوا۔ اور اس کا اقبال کمال کو پہنچ گیا تو اسے اس بات کی طرف توجہ پیدا ہوئی کہ دو مشہور فرقہ عیسائیوں میں جو ایک موحد اور دوسرا حضرت مسیح کو خدا جانتا تھا باہم بحث کراوے۔ چنانچہ وہ بحث قیصر روم کے حضور میں بڑی خوبی اور انتظام سے ہوئی اور بحث کے سننے کے لئے معزز ناظرین اور ارکان دولت کی صدہا کرسیاں بلحاظ رتبہ و مقام کے بچھائی گئیں اور دونوں فریق کے پادریوں کی چالیس دن تک بادشاہ کے حضور میں بحث ہوتی رہی اور قیصر روم بخوبی فریقین کے دلائل سنتا رہا۔ اور ان پر غور کرتا رہا۔ آخر جو موحد فرقہ تھا اور حضرت یسوع مسیح کو صرف خدا کا رسول اور نبی جانتا تھا وہ غالب آگیا اور دوسرے فرقہ کو ایسی شکست آئی کہ اس مجلس میں قیصر روم نے ظاہر کر دیا کہ میں نہ اپنی طرف سے بلکہ دلائل کے زور سے موحد فرقہ کی طرف کھینچا گیا اور قبل اس کے جو اس مجلس سے اٹھے توحید کا مذہب اختیار کر لیا۔ اور ان موحد عیسائیوں میں سے ہو گیا جن کا ذکر قرآن شریف میں بھی ہے اور بیٹا اور خدا کہنے سے دست بردار ہو گیا۔ اور پھر تیسرے قیصر تک ہر ایک تخت روم موحد ہوتا رہا۔ اس سے پتہ لگتا ہے کہ ایسے مذہبی جلسے پہلے عیسائی بادشاہوں کا دستور تھا اور بڑی بڑی تبدیلیاں ان سے ہوتی تھیں ان واقعات پر نظر ڈالنے سے نہایت آرزو سے دل چاہتا ہے کہ ہماری قیصرہ ہند دام اقبالہا بھی قیصر روم کی طرح ایسا مذہبی جلسہ پایہ تخت میں انعقاد فرما دیں کہ یہ روحانی طور پر ایک یادگار ہو گی۔ مگر یہ جلسہ قیصر روم کی نسبت زیادہ توسیع کے ساتھ ہونا چاہیے۔ کیونکہ ہماری ملکہ معظمہ بھی اس قیصر کی نسبت زیادہ وسعت اقبال رکھتی ہیں.... ہاں یہ ضروری ہو گا کہ اس جلسہ مذاہب میں ہر ایک شخص اپنے مذہب کی خوبیاں بیان کرے دوسروں سے کچھ تعلق نہ رکھے۔ اگر ایسا ہوا تو یہ جلسہ بھی ہماری ملکہ معظمہ کی طرف سے ہمیشہ کے لئے ایک روحانی یادگار ہو گا۔ اور انگلستان جس کے کانوں تک بڑی خیانتوں کے ساتھ اسلامی واقعات پہنچائے گئے ہیں ایک سچے نقشہ پر اطلاع پا جائے گا۔ بلکہ انگلستان کے لوگ ہر ایک مذہب کی سچی فلاسفی سے مطلع ہو جائیں"۔ [۲۰۰]

ملکہ کے لئے حضرت مسیحؑ کی ملاقات کا آسمانی تحفہ

حضرت اقدسؑ نے ملکہ وکٹوریہ کو اس طرف بھی توجہ دلائی کہ "خدا کی عجیب باتوں میں سے جو مجھے ملی ہیں ایک یہ بھی ہے جو میں نے عین بیداری میں جو کشفی بیداری کہلاتی ہے یسوع مسیحؑ سے کئی دفعہ ملاقات کی ہے اور اس سے باتیں کر کے اصل دعوے اور تعلیم کا

حال دریافت کیا ہے۔ یہ ایک بڑی بات ہے جو توجہ کے لائق ہے کہ حضرت یسوع مسیحؑ ان چند عقائد سے جو کفارہ اور تثلیث اور ابنیت ہے ایسے متنفر پائے جاتے ہیں کہ گویا ایک بھاری افتراء جو ان پر کیا گیا ہے وہ یہی ہے یہ مکاشفہ کی شہادت بے دلیل نہیں ہے بلکہ میں یقین رکھتا ہوں کہ اگر کوئی طالب حق نیت کی صفائی سے ایک مدت تک میرے پاس رہے اور وہ حضرت مسیح کو کشفی حالت میں دیکھنا چاہے تو میری توجہ اور دعا کی برکت سے وہ ان کو دیکھ سکتا ہے۔ ان سے باتیں بھی کر سکتا ہے اور ان کی نسبت ان سے گواہی بھی لے سکتا ہے۔ کیونکہ میں وہ شخص ہوں جس کی روح میں بروز کے طور پر یسوع مسیحؑ کی روح سکونت رکھتی ہے"۔ [۲۲]

نشان نمائی کی پیشکش

اس رسالہ میں آپ نے اپنے دعویٰ نشان نمائی کا ذکر کرتے ہوئے ملکہ وکٹوریہ کے سامنے بھی پیش کش کی کہ اگر وہ مجھ سے نشان دیکھنا چاہیں "تو میں یقین رکھتا ہوں کہ ابھی ایک سال پورا نہ ہو کہ وہ نشان ظاہر ہو جائے اور نہ صرف یہی بلکہ دعا کر سکتا ہوں کہ یہ تمام زمانہ عافیت اور صحت سے بسر ہو لیکن اگر کوئی نشان ظاہر نہ ہو اور میں جھوٹا نکلوں تو میں اس سزا میں راضی ہوں کہ...... پایہ تخت کے آگے پھانسی دیا جاؤں یہ سب الحاح اس لئے ہے کہ کاش ہماری محسنہ ملکہ معظمہ کو اس آسمان کے خدا کی طرف خیال آجائے جس سے اس زمانہ میں عیسائی مذہب بے خبر ہے"۔ [۲۳]

"تحفہ قیصریہ" کے چند مجلد نسخے نہایت دیدہ زیب شکل میں ملکہ وکٹوریہ۔ وائسرائے ہند۔ اور لفٹنٹ گورنر پنجاب کو ارسال کئے گئے۔

قادیان میں جشن جوبلی کے موقعہ پر احباب کا جلسہ

چونکہ وائس پریذیڈنٹ "جنرل کمیٹی اہل اسلام ہند" کی طرف سے یکم جون کو اعلان شائع ہوا تھا کہ مسلمان ۲۰ اور ۲۱ جون کو جشن منائیں اور اظہار تشکر اور دعا اور خوشی کی جائے اس لئے حضرت اقدسؑ نے ۷۔ جون کو بذریعہ اشتہار اپنی جماعت کے دوستوں کو تحریک کی کہ وہ ۲۰۔ جون سے قبل قادیان میں پہنچ جائیں۔ تا جماعت کی طرف سے جلسہ شکریہ کے مراسم ادا کئے جا سکیں۔ [۲۴] چنانچہ ۱۹۔ جون کو حضرت اقدس کے ۲۲۵ خدام قادیان پہنچ گئے۔ اور "جنرل کمیٹی اہل اسلام ہند" کے پروگرام کے مطابق نہایت پر وقار رنگ میں یہ تقریب منائی گئی گئی۔ تین دن غریبوں اور درویشوں کو کھانا کھلایا گیا۔ ۲۰۔ جون کو ملکہ اور خاندان شاہی کے لئے اجتماعی دعا کی گئی۔ ۲۱۔ جون ۱۸۹۷ء کو ایک بڑی دعوت کا اہتمام کیا گیا اور قادیان کے غرباء اور اور درویش دعوت میں بلائے گئے اس دعوت میں سو سے زائد اشخاص شریک ہوئے ۲۲۔ جون کی رات کو گلی کوچوں گھروں اور مسجدوں میں

چراغاں کیا گیا۔ اس دن ایک جلسہ عام بھی منعقد ہوا۔ جس میں مولانا عبدالکریم صاحب۔ مولانا حکیم نور الدین صاحب۔ مولانا برہان الدین صاحب جہلمی اور مولوی جمال الدین صاحب سید والہ ضلع منٹگمری نے تقریریں کیں۔ ۲۵

ملکہ وکٹوریہ کے مسلمان ہونے کے لئے دعا پہلے روز (۲۰۔ جون) کو جو اجتماعی دعا ہوئی۔ اس میں حضرت اقدسؑ نے مختصر سی تقریر کے بعد دعا بھی کروائی کہ "قیصرہ ہند کو مخلوق پرستی کی تاریکی سے چھڑا کر لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ پر اس کا خاتمہ کر"۔ ۲۶

"سراج الدین عیسائی کے چار سوالوں کا جواب"

لاہور کے ایک عیسائی سراج الدین نامی نے حضرت مسیح موعودؑ کی خدمت میں چار سوال لکھے تھے۔ حضور نے ان سوالات کے جواب میں ایک زبردست مضمون لکھا جو ۲۲۔ جون ۱۸۹۷ء کو "سراج الدین عیسائی کے چار سوالوں کے جواب" ہی کے نام سے شائع ہوا۔ کتاب میں آپ کے قلم نے اس خوبی سے ان سوالات پر روشنی ڈالی ہے کہ اگر کوئی عیسائی تعصب سے علیحدہ ہو کر اس کا مطالعہ کرے تو اس کے لئے اسلام قبول کئے بغیر کوئی چارہ نہیں رہتا۔

ہندوستان کے مشائخ و صلحاء سے
خدا کی قسم دے کر ایک درخواست

حضرت اقدس مسیح موعودؑ کے دل میں انہیں دنوں ہندوستان کے مشائخ و صلحاء پر اتمام حجت کے لئے یہ تجویز پیدا ہوئی۔ کہ ہندوستان کے تمام مشائخ اور فقراء اور صلحاء اور مردان باصفا سے اللہ جل شانہ ' کی قسم دے کر التجاء کی جائے کہ وہ آپ کے بارے میں دعا اور تضرع اور استخارہ سے جناب الٰہی میں توجہ کریں۔ پھر اگر ان کے الہامات و کشوف اور رؤیا صادقہ سے جو حلفاً شائع کریں کثرت اس طرف نکلے کہ آپ معاذ اللہ مفتری ہیں تو بیشک تمام لوگ مجھے مفتری قرار دیں۔ اور جس قدر چاہیں لعنتیں بھیجیں ان کو کچھ گناہ نہیں ہو گا اور اگر کثرت آپ کے حق میں ثابت ہوئی۔ تو پھر ہر ایک خدا ترس پر لازم ہو گا کہ وہ آپ کی پیروی کرے چنانچہ آپ نے ۱۵۔ جولائی ۱۸۹۷ء کو اشتہار دیا کہ "وہ میرے

بارے میں جناب الٰہی میں کم سے کم اکیس روز توجہ کریں...... اور خدا سے انکشاف اس حقیقت کا چاہیں کہ میں کون ہوں؟ آیا کذاب ہوں یا منجانب اللہ....... پھر ایسی الہامی شہادتوں کے جمع ہونے کے بعد جس طرف کثرت ہوگی وہ امر منجانب اللہ سمجھا جائے گا....... یاد رہے کہ ایسا ہر ایک شخص جس کی نسبت ایک جماعت اہل بصیرت مسلمانوں کی صلاح اور تقویٰ اور پاک دلی کا ظن رکھتی ہے۔ وہ اس اشتہار میں میرا مخاطب ہے اور یہ بھی یاد رہے کہ جو صلحاء شہرت کے لحاظ سے کم درجہ پر ہیں میں ان کو کم نہیں دیکھتا۔ ممکن ہے کہ وہ شہرت یافتہ لوگوں سے خدا تعالیٰ کی نظر میں زیادہ اچھے ہوں۔ اسی طرح میں صالحہ عفیفہ عورتوں کو بھی مردوں کی نسبت تحقیر کی نظر سے نہیں دیکھتا۔ ممکن ہے کہ وہ بعض شہرت یافتہ صالح مردوں سے بھی اچھی ہوں۔ لیکن ہر ایک صاحب جو میری نسبت کوئی رؤیا یا کشف یا الہام لکھیں ان پر ضروری طور پر واجب ہوگا کہ وہ حلفاً اپنی دستخطی تحریر سے مجھ کو اطلاع دیں۔ تا ایسی تحریریں ایک جگہ جمع ہوتی جائیں اور پھر حق کے طالبوں کے لئے شائع کی جائیں..... سو اے عزیزو! اور بزرگو!! برائے خدا عالم الغیب کی طرف توجہ کرو۔ آپ لوگوں کو اللہ جل شانہ کی قسم ہے کہ میرے اس سوال کو مان لو۔ اس قدیر ذوالجلال کی تمہیں سوگند ہے کہ اس عاجز کی یہ درخواست ردمت کرو"۔ 27

مگر افسوس کہ مشائخ نے آپ کی یہ درخواست بھی سنی ان سنی کردی۔

حواشی

۱- "تبلیغ رسالت" جلد ششم صفحہ ۱۱۷ پر مفصل مکتوب چھپا ہوا موجود ہے۔
۲- .... تبلیغ رسالت جلد ششم صفحہ ۱۱۴-۱۱۷
۳- تبلیغ رسالت جلد ششم صفحہ ۱۱۴-۱۱۵
۴- تبلیغ رسالت جلد ششم صفحہ ۱۲۵
۵- "اشاعۃ السنہ" جلد ۱۸ نمبر ۵
۶- وفات ۱۸- نومبر ۱۹۰۶ء (الحکم ۳۰ نومبر ۱۹۰۶ء)
۷- "تبلیغ رسالت" جلد ششم صفحہ ۱۳۴-۱۳۶
۸- (یہ اخبار خلافت لائبریری میں محفوظ ہے)
۹- "تبلیغ رسالت" جلد ششم صفحہ ۱۷۹
۱۰- بحوالہ "تبلیغ رسالت" جلد ششم صفحہ ۹۷-۱۰۰
۱۱- تبلیغ رسالت جلد ششم صفحہ ۹۳
۱۲- الحکم ۱۴- مئی ۱۹۰۸ء صفحہ ۵ اور تبلیغ رسالت" جلد ہشتم صفحہ ۹۳ (۱۸۹۹ء)
۱۳- تبلیغ رسالت جلد ششم صفحہ ۱۳۴
۱۴- ریویو آف ریلیجنز "اردو جنوری ۱۹۰۴ء صفحہ ۴۰
۱۵- بحوالہ "تبلیغ رسالت" جلد ہشتم صفحہ ۹۵
۱۶- "ہماری بادشاہی" (از مولوی عبد السلام ندوی)
۱۷- "حجۃ اللہ" طبع اول صفحہ ۱۵-۱۶
۱۸- اشاعۃ السنہ جلد ۹ نمبر ۷ صفحہ ۲۰۳ تا ۲۰۶
۱۹- اشاعۃ السنہ جلد ۹ نمبر ۷ صفحہ ۲۰۷
۲۰- "تحفہ قیصریہ" طبع اول صفحہ ۲۶-۲۷
۲۱- حضرت اقدس نے ۲۷- ستمبر ۱۸۹۹ء کو اپنی اس اہم تجویز کا اعادہ کرتے ہوئے حکومت انگریزی کو دوبارہ اس کے انعقاد کی طرف توجہ دلائی۔ اور اس میں اس شرط کا بھی اضافہ کیا کہ مذاہب کے نمائندے اس موقعہ پر آسمانی نشانات کا اعلان بھی کریں۔ تا اگر ایک سال کے اندر وہ پورے ہو جائیں تو اس مذہب کی سچائی پر دلیل ہوں اور آپ نے قبل از وقت لکھا کہ "اگر اس جلسہ کے بعد ایک سال کے اندر میرے نشان تمام دنیا پر غالب نہ ہوں تو میں خدا کی طرف سے نہیں ہوں۔ میں راضی ہوں کہ اس جرم کی سزا میں سولی دیا جاؤں اور میری ہڈیاں توڑی جائیں لیکن خدا جو آسمان پر ہے.....وہ میرے ساتھ ہو گا اور میرے ساتھ ہے وہ مجھے گورنمنٹ عالیہ اور قوموں کے سامنے شرمندہ نہیں کرے گا"۔ "تبلیغ رسالت" جلد ہشتم صفحہ ۵۸-۶۰)
۲۲- "تحفہ قیصریہ" صفحہ ۲۱
۲۳- تحفہ قیصریہ حاشیہ صفحہ ۲۴
۲۴- "تبلیغ رسالت" جلد ششم صفحہ ۱۲۴
۲۵-۲۶ "جلسہ احباب" و "تبلیغ رسالت" جلد ششم صفحہ ۱۲۴-۱۳۳
۲۷- "تبلیغ رسالت" جلد ششم صفحہ ۱۴۴

پادری ہنری مارٹن کلارک کا مقدمہ اقدام قتل اور الہام کے مطابق حضورؑ کی بریت

کتاب البریہ کی تصنیف و اشاعت

اب ہم اگست ۱۸۹۷ء کے ہنگامہ خیز مہینہ میں قدم رکھ رہے ہیں جو تاریخ احمدیت میں ہمیشہ یادگار رہے گا۔ اس مہینہ میں مخالفت کا وہ ماحول جو لیکھرام کے قتل سے پیدا ہوا تھا اپنی انتہا کو پہنچ گیا تھا اور عیسائی پادریوں کی ایک گہری اور نہایت خطرناک سازش سے مختلف مذہبی طاقتیں حضرت اقدسؑ کو مقدمہ اقدام قتل میں ماخوذ کرنے کے لئے جمع ہوگئیں۔

"جنگ مقدس" میں اسلام کے مقابل عیسائیت کو جو شکست فاش نصیب ہوئی تھی اس نے پادریوں کو غضب ناک کر دیا تھا اور وہ آتش غیظ و غضب کا شعلہ جوالہ آپکے خلاف انتقامی کارروائی کرنے کا فیصلہ کر کے کسی موقعہ کی تاک میں تھے کہ ایک آوارہ مزاج نوجوان عبدالحمید جو جہلم کے ایک غیر احمدی عالم مولوی سلطان محمود کا بیٹا اور مولوی برہان الدین صاحب کا بھتیجا تھا عیسائی بننے کے لئے ان کے پاس پہنچ گیا۔ یہ ایک متلون انسان اور تبدیلی مذہب کا خوگر شخص تھا۔ کبھی عیسائی ہوتا کبھی ہندو اور کبھی مسلمان۔ اسی چکر میں وہ قبل ازیں قادیان بھی گیا۔ حضرت مولانا حکیم نور الدین صاحب نے حضرت مولانا برہان الدین صاحب کا برادر زادہ ہونے کے باعث اس سے شفقت آمیز سلوک کیا۔ عبدالحمید نے یہاں بھی پرانا کھیل کھیلنا چاہا اور ان کے توسط سے حضرت اقدسؑ سے بیعت کی درخواست کی۔ جسے حضورؑ نے رد کر دیا۔ اس پر وہ ناراض ہو کر قادیان سے چلا گیا۔ مگر کچھ عرصے کے بعد دوبارہ قادیان پہنچا اس دفعہ خود حضرت مولانا برہان الدین صاحب بھی قادیان میں موجود تھے انہوں نے حضرت حکیم الامت کو اس کی ناشائستہ حرکتوں سے آگاہ کر کے اسے قادیان سے نکلوا دیا۔ اب عبدالحمید نے دوبارہ عیسائیوں کی طرف رخ کیا اور امرت سر پہنچ کر پادری نور دین ساکن بٹالہ کے سامنے بپتسمہ

لینے کا خیال ظاہر کیا - پادری نور دین نے اسے انچارج مشن پادری گرے صاحب کے پاس بھیج دیا - جس نے پادری نور دین سے مشورہ کر کے اسے پادری ہنری مارٹن کلارک صاحب کے سپرد کر دیا - اس نے بتایا کہ میں قادیان سے آیا ہوں ہندو سے مسلمان ہوا ہوں اور عیسائی ہونا چاہتا ہوں - [1] - عبدالحمید کی زبانی قادیان سے آنے کا تذکرہ سن کر پادری مارٹن کلارک نے نہایت ہوشیاری سے یہ خوفناک سکیم تیار کر لی کہ اسے آلہ کار بنا کر حضور کے خلاف اقدام قتل کا مقدمہ دائر کیا جائے - چنانچہ اس کی تکمیل کے لئے عبدالحمید بیاس لے جایا گیا جہاں ہنری مارٹن کلارک صاحب کے گماشتوں نے نہایت ڈرامائی انداز میں اس سے پوچھا کہ سچ بتلاؤ تم کس لئے آئے ہو ورنہ کپتان صاحب پولیس کے حوالہ کر دیئے جاؤ گے؟ اس نے کہا کہ عیسائی ہونے کو آیا ہوں اور کوئی بات نہیں انہوں نے کہا تم خون کرنے آئے ہو - تیسرے روز مارٹن کلارک بھی دو ایک اور ساتھیوں کو لے کر پہنچ گئے - اور اس کا فوٹو لے کر واپس چلے آئے اور تار دے کر اسے امرتسر بلوا لیا - اسٹیشن پر پھر اس کی تصویر لی گئی - وہ کوٹھی میں گیا اور پھر اسے بیاس بھجوا دیا گیا - دو روز کے بعد پادری ہنری مارٹن کلارک - پادری وارث دین - بھگت پریم داس اور بعض دوسرے پادری دوبارہ بیاس پہنچے - پادری وارث دین اور عبدالرحیم نے جو اس کام کے لئے مقرر کئے گئے تھے سب کے روبرو اس سے پوچھا کہ اب بتلاؤ تم کس کام کے واسطے آئے ہو اس نے پھر جواب دوہرا دیا کہ عیسائی ہونے کو آیا ہوں انہوں نے کہا کہ تم کو مرزا نے بھیجا ہے - اس نے کہا نہیں - اس پر عبدالرحیم نے (جو اس کے پاس بیٹھا ہوا تھا) عبدالحمید پر دباؤ ڈالتے ہوئے کہا کہ تم یہ بات کہہ دو مرزا غلام احمد نے مجھے بھیجا ہے کہ ڈاکٹر کلارک کو پتھر سے مار دو - اور ساتھ ہی تصویر دکھلائی اور کہا کہ تم بات کہہ دو - ورنہ جہاں جاؤ گے پکڑے جاؤ گے - پادریوں نے اس سے یہ بھی کہا کہ "اس طرح بیان کر دو - اور مرزا کو پھنسا دو - تم کو کچھ نہیں ہو گا - تم کو ڈاکٹر صاحب نے معافی دے دی ہے" - عبدالحمید نے جو اپنے آپ کو اس طرح پادریوں کو حلقہ میں بے بس پایا تو مجبوراً ان کے منشاء کے عین مطابق بیان لکھ کر اس پر دستخط کر دیئے - آٹھ پادریوں نے اس پر گواہی کے دستخط کئے اس کے بعد ٹرین میں پادری ہنری مارٹن کلارک اسے اپنے ہمراہ امرت سر لائے رات کو سلطان ونڈ لے گئے - خیر دین ڈاکٹر کے مکان پر رکھا اور اسے خوب سکھلایا - کہ تم عدالت میں یہ بیان کرنا کہ مرزا صاحب نے مجھے بھیجا ہے کہ مارٹن کلارک کو پتھر سے مار دو - اس نے ڈرتے ڈرتے کہا کہ ایسا ہی کہوں گا - عبدالرحیم نے اس سے یہ بھی کہا کہ تم یہ کہنا کہ ڈاکٹر صاحب کو دیکھ کر میری نیت قتل کر دینے کی بدل گئی ہے - صبح اسے گاڑی میں بٹھلا کر کوٹھی پر لے آئے اور اسے تسلی دیتے ہوئے ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ امرت سرا ے - ای - مارٹینو کی عدالت میں لے گئے جہاں دفعہ ۱۰۷ فوجداری کے تحت اس نے وہی سکھایا ہوا بیان دیا پھر مارٹن کلارک

نے عبدالحمید کا تحریری بیان عدالت میں پیش کیا اور اپنی گواہی میں کہا کہ "میری واقفیت مرزا صاحب سے اس مباحثہ کے وقت سے ہے جو ۱۸۹۳ء میں موسم گرما میں ہوا تھا میں نے اس مباحثہ میں بڑا بھاری حصہ لیا تھا۔ یہ مباحثہ اس میں اور ایک بھاری عیسائی عبداللہ آتھم کے مابین ہوا جو مر گیا ہے۔ میں میر مجلس تھا اور دو موقعوں پر مسٹر آتھم کی جگہ بطور مباحث کے بیٹھا تھا۔ مرزا صاحب کو بہت ہی رنج ہوا تھا اور اس کے بعد اس نے ان تمام کی موت کی پیشگوئی کی۔ جنہوں نے اس مباحثہ میں حصہ لیا تھا اور میرا حصہ بہت ہی بھاری تھا۔ اس وقت سے اس کا سلوک میرے ساتھ بہت ہی مخالفانہ رہا ہے اس مباحثہ کے بعد خاص دلچسپی کا مرکز مسٹر آتھم رہا۔ چار مستقل کوششیں اس کی جان لینے کے لئے کی گئیں۔ اس کی موت مقرر کردہ میعاد کے آخری دو ماہ میں خاص پولیس کا پہرہ دن رات فیروز پور میں رکھا گیا۔ اسے امرت سر میں انبالے اور انبالے سے فیروز پور بھاگنا پڑا۔ ان کوششوں کے باعث سے جو اس کی جان لینے کے لئے کی گئیں اور یہ کوششیں عام طور پر مرزا صاحب سے منسوب کی گئی ہیں۔ اس کی موت کے بعد میں ہی پیش نظر رہا ہوں اور کئی ایک مبہم طریقوں سے یہ پیشگوئی مرزا صاحب کی تصنیفات میں مجھے یاد دلائی گئی ہے جس کے لئے سب سے بڑی وہ کوشش تھی جس کو عبدالحمید نے بیان کیا ہے۔ لاہور میں لیکھرام کی موت کے بعد جس کو تمام لوگ مرزا صاحب کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ میرے پاس اس بات کے یقین کرنے کے لئے خاص وجہ تھی۔ کہ میری جان لینے کی کوئی نہ کوئی کوشش کی جائیگی میں تین ماہ کے لئے رخصت پر گیا ہوا تھا۔ میری واپسی پر میرا آنا مرزا صاحب کو فوراً معلوم ہو گیا اور عبدالحمید میرے پاس پہنچ گیا۔ عبدالحمید کے بیان پر یقین کرنے کے لئے میرے پاس کافی وجوہ ہیں اور نیز اس بات کا یقین کرنے کے لئے کہ مرزا صاحب مجھے نقصان پہنچانے کا ارادہ رکھتے ہیں مرزا صاحب کا یہ ہمیشہ کا طریقہ رہا ہے کہ وہ اپنے مخالفوں کی موت کی پیشگوئی کرتے ہیں"۔ [۲]

مقدمہ چونکہ نہایت سنگین اور اپنے ہم مذہب پادری کی طرف سے تھا۔ اس لئے ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ امرت سر نے بیان سنتے ہی دفعہ ۱۱۴ ضابطہ فوجداری کے تحت حضرت اقدس مسیح موعودؑ کی گرفتاری کے وارنٹ جاری کر دیئے۔ اور اس کے ساتھ چالیس ہزار روپیہ کی ضمانت کا حکم اور بیس ہزار کا مچلکہ بھی تھا۔ یہ عدالتی کارروائی ختم ہوئی تو پادریوں نے واپس آکر عبدالحمید کو ایک کوٹھی میں بند کر دیا۔ اور اگلے بیان کی تیاری کے لئے زور شور سے کوششیں شروع کر دیں۔ اور اپنے منصوبوں کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کیلئے مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی کی خدمات بھی حاصل کر لیں۔ اور انہیں یقین ہو گیا کہ وہ اپنے دشمن کو اقدام قتل کی سزا دلوانے میں بہر حال کامیاب ہو جائیں گے۔

یہاں امرت سر میں تو سازشوں کے جال بچھا دیئے گئے اور معاملہ حضرت اقدسؑ کے خلاف وارنٹ

جاری کر دیئے جانے تک پہنچا دیا گیا۔ مگر حضرت اقدسؑ اور جماعت کو اس کی قطعاً خبر نہیں تھی۔ خدائی تصرفات و عجائبات کہ وارنٹ کا کاغذ کہیں غائب ہو گیا چند دن بعد ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کو از خود خیال آیا کہ اس نے وارنٹ کا یہ حکم خلاف قانون دیا ہے۔ وہ گورداسپور کے کسی ملزم کے نام وارنٹ جاری نہیں کر سکتا۔ چنانچہ اس نے ۷۔ اگست کو ڈپٹی کمشنر گورداسپور ولیم مانٹیگو ڈگلس کو تار دیا کہ مرزا غلام احمد صاحب کی گرفتاری کا جو وارنٹ جاری کیا گیا ہے اسے فی الحال منسوخ سمجھا جائے۔ ولیم مانٹیگو ڈگلس نے اپنے ریڈر راجہ غلام حیدر خاں سے دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ ایسا وارنٹ آیا ہی نہیں ہے۔ حسن اتفاق سے ان دنوں گورداسپور حضرت چوہدری رستم علی صاحبؓ کورٹ انسپکٹر تھے انہیں جو اس تار کا علم ہوا تو دوپہر کے وقت بھاگے ہوئے منشی عبدالعزیز صاحب کے پاس اوجلہ پہنچے اور انہیں بتایا کہ وارنٹ تو ہمارے پاس ابھی تک کوئی نہیں پہنچا۔ لیکن ہمارے اس ضلع میں حضرت اقدسؑ کے سوا مرزا غلام احمد صاحب اور کون ہو سکتے ہیں؟ اس لئے آپ فوراً قادیان جا کر اس کی اطلاع حضرت صاحب کو دے آئیں۔ چنانچہ منشی صاحب اسی وقت قادیان کو روانہ ہو گئے۔ قادیان اوجلہ سے کوئی ۱۷ میل کے فاصلہ پر ہے۔ وہ سیکھواں سے ہوتے ہوئے شام یا صبح کو قادیان پہنچے اور ساری کیفیت حضرت اقدسؑ کی خدمت میں عرض کی۔ لیکن حضور نے اس وقت کوئی توجہ نہ فرمائی۔ عصر کے بعد حافظ احمد اللہ صاحب بھی امرت سر آئے اور انہوں نے بھی یہ اطلاع دی کہ کسی پادری نے حضور پر امرت سر میں دعویٰ کر دیا ہے جس کی خبر کسی طرح انہیں مل گئی ہے یہ بات سن کر حضور نے منشی عبدالعزیز صاحب کو بلوایا اور فرمایا کہ "آپ کی بات کی تصدیق ہو گئی ہے فوراً گورداسپور جا کر چوہدری رستم علی صاحب سے مفصل حالات دریافت کر کے لاؤ"۔

میاں خیر الدین صاحب سیکھوانی بھی اس وقت قادیان میں تھے منشی صاحب نے انہیں ساتھ لیا۔ اور دونوں اس روز شام کو گورداسپور پہنچے۔ چوہدری رستم علی صاحب نے بتایا کہ مجھے تو اس وقت تک اس سے زیادہ علم نہیں ہو سکا۔ آپ فوراً امرت سر چلے جائیں اور وہاں کے کورٹ انسپکٹر سے جس کا نام پنڈت ہرچرن داس ہے میرا نام لے کر معاملہ دریافت کریں۔ چوہدری صاحب نے ریلوے پولیس کے ایک کنسٹیبل کو انکے ہمراہ کر دیا۔ جو انہیں رات اپنے ہاں رکھ کر اگلے دن صبح پنڈت صاحب کے مکان پر لے گیا۔ پنڈت صاحب نے ان سے کہا کہ مجھے صرف اس قدر علم ہے کہ ایک دن ڈپٹی کمشنر صاحب اور سپرنٹنڈنٹ صاحب پولیس نے مجھے بلوا کر یہ دریافت کیا تھا کہ اگر مستغیث امرتسر کا رہنے والا ہو اور ملزم ہوشیار پور کا تو کیا دعویٰ امرت سر میں کیا جا سکتا ہے اور میں نے جواب دیا تھا کہ اگر وقوعہ بھی ہوشیار پور کا ہے تو دعویٰ بھی وہیں کیا جا سکتا ہے چنانچہ ہر دو صاحب میرے ساتھ اس امر پر

بحث کرتے رہے۔ پنڈت صاحب نے نائب کورٹ کو بھی بلا کر دریافت کیا لیکن اس نے بھی کوئی اطلاع نہ دی۔ منشی صاحب بس اتنی خبر لے کر گورداسپور آئے اور چوہدری رستم علی صاحب کو بتایا۔ انہوں نے مشورہ دیا کہ حضرت اقدسؑ کی خدمت میں اسی طرح جا کر عرض کردو۔ چنانچہ منشی صاحب اور میاں خیرالدین صاحب قادیان آئے اور حضور کی خدمت میں تمام حالات عرض کر دیئے۔

جس روز یہ بزرگ قادیان کو روانہ ہوئے اسی روز امرت سر سے دوسرا حکم گورداسپور آ گیا کہ پادری ہنری مارٹن کلارک نے جو استغاثہ زیر دفعہ ۱۰۷ ضابطہ فوجداری امرت سر میں دائر کیا ہے اور جس کا وارنٹ پہلے بھیجا جا چکا ہے اور جس کے روکنے کے لئے تار بھی دیا گیا تھا وہ مقدمہ ضلع گورداسپور میں منتقل کیا جاتا ہے اس پر گورداسپور سے حضرت اقدس علیہ السلام کے نام نوٹس جاری کر دیا گیا کہ اگلے روز (۱۰۔ اگست ۱۸۹۷ء کو) ڈپٹی کمشنر کا مقام بٹالہ میں ہوگا آپ وہیں پیش ہوں چودھری رستم علی صاحب نے اس حکم کے جاری ہونے سے پہلے موضع اوجلہ میں آکر منشی عبدالعزیز صاحب کے چھوٹے بھائی منشی عبدالغنی صاحب کو جو اس وقت سکول میں تعلیم پا رہے تھے ایک خط اس مضمون کا لکھوا کر دیا کہ کل بٹالہ میں حضور کی پیشی ہے اس کا انتظام کر لینا چاہیے۔ یہ خط چودھری صاحب نے منشی عبدالعزیز صاحب ہی کے ایک ملازم کے ہاتھ روانہ کر دیا۔ منشی عبدالعزیز صاحب اور میاں خیردین صاحب قادیان پہنچے تو اس ملازم کو قادیان میں دیکھ کر سخت حیران ہوئے کہ وہ اتنی جلدی کیونکر پہنچ گیا ہے اس نے انہیں وہ خط دیا کہ اس کی اطلاع حضور کی خدمت میں کی گئی۔ حضور اسی وقت مسجد مبارک میں تشریف لے آئے منشی صاحب نے خط پڑھ کر سنایا تو حضور نے انہیں ارشاد فرمایا کہ آپ اسی وقت گورداسپور چلے جائیں۔ چودھری صاحب سے ملیں اور شیخ علی احمد صاحب وکیل کو لے کر کل صبح بٹالہ پہنچ جائیں اسی وقت حضرت اقدسؑ نے مرزا ایوب بیگ صاحب کو لاہور روانہ فرمایا کہ وہ شیخ رحمت اللہ صاحب اور ایک وکیل لے کر بٹالے پہنچ جائیں چنانچہ حضرت منشی صاحب میاں خیرالدین صاحب اور اپنے ملازم میاں عظیم کے ساتھ اسٹیشن چھینا کی طرف گورداسپور والی گاڑی میں سوار ہونے کے لئے روانہ ہوئے۔ بارش کی وجہ سے کیچڑ زیادہ تھی اور ان کے پاؤں بہت پھسلتے تھے وہ بار بار گرتے اور پھر اٹھ کر چلتے۔ خشیت کا اس وقت یہ عالم تھا کہ زار زار رو رہے تھے اور دعائیں کر رہے تھے۔ سیکھواں پہنچ کر میاں امام الدین صاحب اور میاں جمال الدین صاحب کو ایک شخص کے ذریعہ سے پیغام بھجوا کر خود اسی طرح آگے چل دیئے۔ ایک میل کے فاصلہ پر یہ دونوں فدائی بھی انہیں مل گئے۔ باہم مشورہ کر کے میاں امام الدین صاحب کو گھر کی حفاظت کے لئے واپس بھیج دیا اور میاں جمال الدین صاحب اس قافلہ کے ساتھ ہو لئے یہ چاروں اصحاب بمشکل گاڑی کے وقت اسٹیشن تک پہنچے اور شام

کو گورداسپور میں چودھری رستم علی صاحب سے ملے اور حضرت اقدس علیہ السلام کا پیغام سنایا۔ شیخ علی احمد صاحب اس روز اپنے گاؤں دھرم کوٹ رندھاوا کو گئے ہوئے تھے۔ وہاں آدمی بھیجا کہ شیخ صاحب کو لے کر بٹالہ پہنچ جائے۔ اگلے روز صبح میاں خیرالدین صاحب جمال الدین صاحب اور چوہدری رستم علی صاحب اور شیخ علی احمد صاحب گورداسپور سے اور شیخ رحمت اللہ صاحب اور مولوی فضل الدین صاحب وکیل لاہور سے بٹالہ پہنچ گئے۔ [۳] ان کے علاوہ لدھیانہ۔ امرت سر۔ لاہور اور سیالکوٹ سے بھی بہت سے مخلصین ۹۔ اگست کی رات کو بٹالے پہنچ گئے اور تھانے کے بالمقابل منڈی میں مقیم ہوئے۔ [۴]

حضرت اقدس کی بٹالے میں گواہی کے لئے تشریف آوری

دوسرے دن (۱۰ اگست کی صبح کو) حضرت اقدس ۸ اور ۹ بجے کے درمیان قادیان سے تشریف لائے اور خدام نے حضور کا انارکلی کے موڑ پر استقبال کیا۔ آپ جماعت کو دیکھ کر دور ہی سے یکہ سے اتر آئے نہایت ہشاش بشاش اپنے خدام سے مصافحہ کیا۔ گویا آپ کو کسی قسم کی فکر نہیں ہے آپ وہاں سے پیدل ہی روانہ ہوئے۔ خدام نے سوار ہونے کے لئے عرض کیا تو فرمایا اب تک سوار ہی آئے ہیں اب سب کے ساتھ پیدل چلیں گے اور سب کے ساتھ سیر ہو جائے گی۔ راستہ میں مقدمہ کا سرسری ذکر آیا تو فرمایا۔ ہم کو اللہ تعالیٰ نے پہلے ہی سے خبر دے دی تھی اور ہم تو اس کی تائید اور نصرت کا انتظار ہی کر رہے تھے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ کی پیشگوئی کے آغاز پر ہم خوش ہیں اور اس کے انجام بخیر ہونے پر یقین رکھتے ہیں۔ ہمارے دوستوں کو گھبرانے کی ضرورت نہیں"۔ ذکر آیا کہ عیسائیوں کے ساتھ آریہ بھی [۵] مل گئے ہیں اور مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی بھی ان کے ساتھ ہیں حضور نے فرمایا ہمارے ساتھ خدا ہے جو ان کے ساتھ نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے فیصلہ سے ہم کو واقف کر دیا ہے اور ہم اس پر یقین رکھتے ہیں کہ وہی ہو گا۔ اگر ساری دنیا بھی اس مقدمہ میں ہمارے خلاف ہو تو مجھے ایک ذرہ کے برابر پروا نہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کی بشارت کے بعد اس کا وہم کرنا بھی گناہ سمجھتا ہوں۔ [۶] اللہ اللہ! دنیا کے لوگ آپ کو دار و رسن تک پہنچانے کے لئے مجتمع ہو گئے ہیں مگر آپ پورے جاہ و جلال کے ساتھ خدا کی بشارت کا اعلان فرما رہے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے قبل از وقت خوشخبری

یہاں یہ بتانا ضروری ہے کہ حضرت اقدس کو مقدمہ سے تین ماہ پہلے مندرجہ ذیل الہام اس ابتلاء کے بارے میں ہو چکے تھے۔ قَدِ ابْتُلِیَ الْمُؤْمِنُوْنَ۔ مَاھٰذَا اِلَّا تَھْدِیْدُ

الْحُكَّامِ۔ اِنَّ الَّذِیْ فَرَضَ عَلَیْکَ الْقُرْاٰنَ لَرَادُّکَ اِلٰی مَعَادٍ۔ اِنِّیْ مَعَ الْاَفْوَاجِ اٰتِیْکَ بَغْتَةً۔ یاتیک نصرتی۔ انی انا الرحمن ذوالمجد والعلی۔ مخالفوں میں پھوٹ۔ اور ایک شخص متنافس کی ذلت اور اہانت اور ملامت خلق اور اخیر حکم ابراء بے قصور ٹھہرانا۔ بلجت آیاتی۔ یعنی تجھ پر اور تیرے ساتھ مومنوں پر مواخذہ حکام کو ابتلاء آئیگا۔ وہ ابتلاء صرف تہدید ہو گا۔ اس سے زیادہ نہیں۔ وہ خدا جس نے خدمت قرآن تجھے سپرد کی ہے پھر تجھے قادیان میں واپس لائے گا میں اپنے فرشتوں کے ساتھ ناگہانی طور پر تیری مدد کروں گا۔ میری مدد تجھے پہنچے گی۔ میں بلند شان والا رحمان ہوں۔ میں مخالفوں میں پھوٹ ڈالوں گا اور انجام کار یہ ہو گا کہ تمہیں بری اور بے قصور ٹھہرایا جائے گا۔ اور میرا نشان ظاہر ہو گا۔ [۷]

حضرت اقدس عدالت میں

حضرت اقدس اپنے مخلصین کے حلقے میں قیام گاہ پر تشریف لائے اور کچھ دیر ٹھہر کر ڈاک بنگلہ میں پہنچے اور عدالت کے کمرہ میں کرسی پر رونق افروز ہو گئے جو ڈپٹی کمشنر ولیم مانٹیگو ڈگلس صاحب نے پہلے ہی رکھوادی تھی۔ اس وقت حضرت اقدس کے ہمراہ مرزا ایوب بیگ صاحب۔ حکیم فضل الدین صاحب مولوی فضل الدین صاحب وکیل اور کچھ اور لوگ تھے۔ [۸] کمرے کے باہر تماشائیوں کا بہت بڑا ہجوم تھا۔ جس میں مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی نہایت خوشی و خرمی کے ساتھ نمایاں تھے جس کا نقشہ حضرت اقدس نے ان الفاظ میں کھینچا ہے۔ کہ "اگست کی ۱۰۔ تاریخ کو اس نظارہ کے لئے مولوی محمد حسین صاحب موحدین کے ایڈووکیٹ اس تماشے کے دیکھنے کے لئے کچہری میں آئے تھے تا اس بندہ درگاہ کو ہتھکڑی پڑی ہوئی اور کانسٹیبلوں کے ہاتھ میں گرفتار دیکھیں اور دشمن کی ذلت کو دیکھ کر خوشیاں منادیں۔ لیکن یہ بات ان کو نصیب نہ ہو سکی بلکہ ایک رنجدہ نظارہ دیکھنا پڑا۔ اور وہ یہ کہ جب میں صاحب مجسٹریٹ ضلع کی کچہری میں حاضر ہوا تو وہ نرمی اور اعزاز سے پیش آئے اور اپنے قریب میری کرسی بچھوادی اور نرم الفاظ سے مجھ کو کہا کہ گو ڈاکٹر کلارک آپ پر اقدام قتل کا الزام لگاتا ہے مگر میں نہیں لگاتا"۔ [۹]

مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی کی گواہی اور عبرتناک حالت

۱۳۔ اگست ۱۸۹۷ء کا دن بھی بڑے معرکے کا دن تھا۔ اسی دن عیسائیوں کے آلہ کار ابو سعید مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی کی شہادت تھی۔ مولوی محمد حسین صاحب پر اس دن کیا گزری؟ اور کس طرح خدا نے ان کی ذلت و رسوائی کا سامان کیا اس کی کیفیت ظاہر کرنے کے لئے ڈپٹی کمشنر گورداسپور کے ایک (غیر احمدی) مسل خواں راجہ غلام حیدر خاں صاحب ساکن راولپنڈی کا مفصل اور نہایت اہم بیان درج کیا جاتا ہے جو موصوف نے اپنی

مرض الموت میں خود لکھوا کر جناب ڈاکٹر بشارت احمد صاحب مولف "مجدد اعظم" کو بھجوایا۔ اس بیان سے عیسائیوں اور مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی کی آمیزش پر بھی واضح روشنی پڑتی ہے۔ راجہ صاحب لکھتے ہیں۔ "میں ڈاکٹر ہنری مارٹن کلارک والے مقدمہ کے زمانہ میں ڈپٹی کمشنر صاحب گورداسپور کا ریڈر (مسلمواں) تھا۔ میں پانچ یا چھ روز کی رخصت پر اپنے گھر راولپنڈی گیا ہوا تھا۔ رخصت سے واپسی پر جب میں امرتسر پہنچا اور سیکنڈ کلاس کے ڈبہ میں بہ امید روانگی بیٹھا ہوا تھا جو دو یوروپین صاحبان جن میں سے ایک تو ڈاکٹر ہنری مارٹن کلارک خود تھا اور دوسرا کاراک جو وکیل تھا اسی ڈبہ میں تشریف لائے اتنے میں مولوی محمد حسین بٹالوی صاحب بھی آگئے اور وہ اسی سیٹ پر جہاں میں بیٹھا تھا بیٹھ گئے۔ ڈاکٹر ہنری مارٹن کلارک میرے زمانہ ایام ملازمت ضلع سیالکوٹ کے واقف تھے اور مولوی محمد حسین صاحب سے بھی اچھی واقفیت تھی اس واسطے ایک دوسرے سے باتیں شروع ہو گئیں۔ تب مجھے معلوم ہوا کہ مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی بھی ڈاکٹر صاحب موصوف کے ہم سفر ہیں۔ بلکہ ان کا ٹکٹ بھی ڈاکٹر صاحب نے خریدا ہے۔ پھر ڈاکٹر صاحب موصوف نے بوجہ دیرینہ ملاقات کے مجھ سے دریافت فرمایا کہ آپ تو ضلع سیالکوٹ میں سررشتہ دار تھے اب کہاں ہیں؟ میں نے ان کو جواب دیا کہ میں ضلع گورداسپور کے ڈپٹی کمشنر صاحب کا ریڈر ہوں تب انہوں نے فرمایا کہ "اوہو۔ تب تو شیطان کا سر کچلنے کے لئے آپ بہت کار آمد ہوں گے" چونکہ میں تینوں صاحبان سے واقف تھا اس لئے فوراً سمجھ گیا۔ کہ ڈاکٹر صاحب کا اشارہ کس طرف ہے میں نے سرسری طور پر جواب دیا کہ "واقعی ہر ایک نیک انسان کا کام ہے کہ وہ شیطان کا سر کچلے مگر مجھے معلوم نہیں ہوا کہ آپ کا یہ کہنے سے مطلب کیا ہے"۔ تب ڈاکٹر صاحب موصوف نے مرزا صاحب کا نام لے کر کہا کہ "وہ بڑا بھاری شیطان ہے جس کا سر کچلنے کے ہم اور یہ مولوی صاحب درپے ہیں۔ آپ اقرار کریں کہ آپ ہمیں مدد دیں گے" چونکہ میں اس گفتگو کو طول دینا پسند نہیں کرتا تھا۔ میں نے صرف اتنا کہدیا کہ مجھے معلوم ہے کہ آپ کا اور مرزا صاحب قادیانی کا مقابلہ ہے۔ اور مقدمہ عدالت میں دائر ہے اس لئے میں اس بات سے معافی چاہتا ہوں کہ اس معاملہ میں زیادہ گفتگو کروں۔ جو شیطان ہے اس کا سر خود بخود کچلا جائے گا۔ یاد نہیں پڑتا کہ اس کے بعد اور کوئی گفتگو ہوئی یا نہیں۔ میں بٹالہ اپنی ڈیوٹی پر حاضر ہو گیا۔ کیونکہ ڈپٹی کمشنر صاحب وہیں مقیم تھے۔ دوسرے دن جب صبح سیر کے لئے نکلے۔ مرزا صاحب کے بہت سے متعلقین سے انارکلی (جو بٹالہ میں عیسائیوں کے گرجے اور مشن کے مکان کا نام ہے۔ مولف) کی سڑک پر مجھ سے ملاقات ہوئی۔ ڈاکٹر کلارک صاحب جس کوٹھی میں ٹھہرے ہوئے تھے۔ وہ سامنے تھی۔ ہم نے دیکھا کہ مولوی محمد حسین صاحب دروازے کے سامنے ڈاکٹر کلارک کے پاس ایک میز پر بیٹھے

ہوئے تھے۔ مولوی فضل دین صاحب وکیل مرزا صاحب نے تعجب کے لہجہ میں کہا کہ "دیکھو آج مقدمہ میں مولوی محمد حسین صاحب کی شہادت ہے اور آج بھی یہ شخص ڈاکٹر کلارک کا پیچھا نہیں چھوڑتا"۔ اس کے علاوہ احاطہ بنگلہ میں عبدالحمید جس کی بابت بیان کیا گیا تھا کہ ڈاکٹر مارٹن کلارک کے قتل کرنے کے لئے مرزا صاحب نے اسے تعینات کیا تھا۔ ایک چارپائی پر بیٹھا ہوا تھا۔ رام بھجدت وکیل آریہ اور پولیس کے چند آدمی اس کے گرد بیٹھے تھے اور یہ بھی دیکھا گیا کہ عبدالحمید کے ہاتھوں پر کچھ نشان کئے جا رہے ہیں۔ چنانچہ وکیل حضرت مرزا صاحب نے ان ہر دو واقعات کو نوٹ کر لیا۔ اور جب مقدمہ پیش ہوا تو اول عبدالحمید سے وکیل حضرت مرزا صاحب نے سوال کیا کہ وہ احاطہ کوٹھی مارٹن کلارک میں بیٹھا ہوا تھا۔ اور رام بھجدت وکیل اور پولیس والے اس کے پاس تھے۔ اور کیا اس کو مرزا صاحب کے برخلاف جو بیان دینا تھا اس کے لئے کچھ باتیں تلقین کر رہے تھے اور کچھ نشان اس کے ہاتھوں پر کر رہے تھے اس وقت عبدالحمید سے کوئی جواب نہ بن پڑا۔ اس نے رام بھجدت وغیرہ کی موجودگی کو تسلیم کیا اور جب اس کے ہاتھ دیکھے گئے تو بہت سے نشانات نیلے اور سرخ پنسل کے پائے گئے جو خدا جانے کن کن امور کے لئے اس کے ہاتھ پر بطور یادداشت بنائے گئے تھے۔ مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی کی شہادت سے قبل مولانا مولوی نور الدین صاحب کی شہادت ہوئی ان کی سادہ ہیت یعنی ڈھیلی ڈھالی سی بندھی ہوئی پگڑی اور کرتے کا گریبان کھلا اور شہادت ادا کرنے کا طریق نہایت صاف اور سیدھا سادھا ایسا موثر تھا کہ خود ڈپٹی کمشنر بہت متاثر ہوئے اور کہا کہ "خدا کی قسم اگر یہ شخص کہے کہ میں مسیح موعود ہوں تو میں پہلا شخص ہوں گا جو اس پر پورا پورا غور کرنے کے لئے تیار ہوں گا"۔ مولوی نور الدین صاحب نے عدالت سے دریافت کیا کہ "مجھے باہر جانے کی اجازت ہے یا اسی جگہ کمرہ کے اندر رہوں"۔ ڈگلس صاحب ڈپٹی کمشنر نے کہا کہ "مولوی صاحب! آپ کو اجازت ہے جہاں آپ کا جی چاہے جائیں"۔ ان کے بعد شیخ رحمت اللہ صاحب کی شہادت ہوئی...... اور ان کے بعد مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی شہادت کے لئے کمرہ میں داخل ہوئے اور دائیں بائیں دیکھا تو کوئی کرسی فالتو پڑی ہوئی نظر نہ آئی۔ مولوی صاحب کے منہ سے پہلا لفظ جو نکلا وہ یہ تھا کہ "حضور کرسی" ڈپٹی کمشنر صاحب نے مجھ سے دریافت فرمایا کہ "کیا مولوی صاحب کو حکام کے سامنے کرسی ملتی ہے"۔ میں نے کرسی نشینوں کی فہرست صاحب کے سامنے پیش کر دی اور کہا کہ اس میں مولوی محمد حسین صاحب یا ان کے والد بزرگوار کا نام تو درج نہیں۔ لیکن جب کبھی حکام سے ملنے کا اتفاق ہوتا ہے تو بوجہ عالم دین یا ایک جماعت کا لیڈر ہونے کو وہ انہیں کرسی دے دیا کرتے ہیں۔ اس پر صاحب ڈپٹی کمشنر نے مولوی صاحب کو کہا کہ "آپ کوئی سرکاری طور پر کرسی نشین نہیں ہیں آپ سیدھے کھڑے ہو جائیں اور

شہادت دیں"۔ تب مولوی صاحب نے کہا کہ "میں جب کبھی لاٹ صاحب کے حضور میں جاتا ہوں تو مجھے کرسی پر بٹھایا جاتا ہے۔ میں اہلحدیث کا سرغنہ ہوں"۔ تب صاحب ڈپٹی کمشنر بہادر نے گرم الفاظ میں ڈانٹا اور کہا کہ "بج کے طور پر اگر لاٹ صاحب نے تم کو کرسی پر بٹھایا تو اس کے یہ معنے نہیں کہ عدالت میں بھی تمہیں کرسی دی جائے"۔ خیر جب شہادت شروع ہوئی۔ تو مولوی صاحب نے جس قدر الزامات کسی شخص کی نسبت لگائے جاسکتے ہیں مرزا صاحب پر لگائے لیکن جب مولوی فضل دین صاحب وکیل حضرت مرزا صاحب نے جرح میں مولوی محمد حسین بٹالوی صاحب سے معافی مانگ کر اس قسم کا سوال کیا جس سے ان کی شرافت یا کیریکٹر پر دھبہ لگتا تھا تو سب حاضرین نے متعجبانہ طور پر دیکھا کہ جناب مرزا صاحب اپنی کرسی سے اٹھے اور مولوی فضل دین صاحب کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا اور فرمایا کہ میری طرف سے اس قسم کا سوال کرنے کی نہ تو ہدایت ہے اور نہ اجازت ہے آپ اپنی ذمہ داری پر بہ اجازت عدالت اگر پوچھنا چاہیں تو آپ کو اختیار ہے"۔ قدرتی طور پر صاحب ڈپٹی کمشنر بہادر کو دلچسپی ہوئی اور انہوں نے مجھ سے دریافت فرمایا کہ کیا اس سوال کی بابت تم کو کچھ حال معلوم ہے میں نے نفی میں جواب دیا۔ مگر کہا کہ اگر آپ معلوم کرنا چاہتے ہیں تو جب آپ لنچ کے لئے اٹھیں گے تو میں معلوم کرنے کی کوشش کروں گا۔ چنانچہ جب نماز ظہر کا وقت ہوا تو صاحب ڈپٹی کمشنر لنچ کے لئے اٹھ گئے۔ تو میں نے شیخ رحمت اللہ صاحب کی معرفت حضرت مرزا صاحب سے دریافت کروایا کہ کیا ماجرا ہے حضرت مرزا صاحب نے نہایت افسوس کے ساتھ شیخ رحمت اللہ صاحب کو بتایا کہ مولوی محمد حسین صاحب کے والد کا ایک خط ہمارے قبضہ میں ہے جس میں کچھ نکاح کے حالات اور مولوی محمد حسین صاحب کی بدسلوکیوں کے قصے ہیں جو نہایت قابل اعتراض ہیں مگر ساتھ ہی حضرت مرزا صاحب نے فرمایا کہ ہم ہرگز نہیں چاہتے کہ اس قصہ کا ذکر مسل پر لایا جاوے یا ڈپٹی کمشنر صاحب اس سے متاثر ہو کر کوئی رائے قائم کریں"۔ میں نے شیخ رحمت اللہ صاحب سے سنکر لنچ والے کمرہ میں جا کر ڈاکٹر ہنری مارٹن کلارک کے روبرو جو ڈپٹی کمشنر صاحب کے ساتھ لنچ میں شامل تھے۔ ڈپٹی کمشنر صاحب بہادر کو یہ ماجرا سنا دیا اس پر خود ڈاکٹر مارٹن ہنری کلارک بہت ہنسے۔ صاحب ڈپٹی کمشنر نے کہا یہ امر تو ہمارے اختیار میں ہے۔ کہ ہم اس ماجرے کو قلمبند نہ کریں مگر یہ بات ہمارے اختیار سے باہر ہے کہ ہمارے دل پر اثر نہ ہو"۔ لنچ کے بعد جب مولوی محمد حسین بٹالوی صاحب دوبارہ جرح کے لئے عدالت میں پیش ہوئے تو مولوی فضل دین صاحب وکیل نے ان سے سوال کیا کہ آپ آج ڈاکٹر ہنری مارٹن کلارک صاحب کی کوٹھی پر ان کے پاس بیٹھے ہوئے تھے؟ تو انہوں نے صاف انکار کر دیا۔ جس پر بے ساختہ میں چونک پڑا۔ ڈپٹی کمشنر صاحب نے مجھ سے اس چونکنے کی وجہ پوچھی تو میں نے ڈاکٹر ہنری مارٹن کلارک کی طرف اشارہ کیا۔

صاحب بہادر نے ڈاکٹر کلارک سے دریافت کیا تو انہوں نے صاف اقرار کیا کہ "ہاں میرے پاس بیٹھے ہوئے اس مقدمہ کی گفتگو کر رہے تھے"۔ پھر مولوی فضل الدین صاحب وکیل نے پوچھا کہ "آپ ان دنوں امرتسر سے بٹالہ تک ڈاکٹر ہنری مارٹن لارک کے ہم سفر تھے؟ اور آپ کا ٹکٹ بھی ڈاکٹر صاحب نے خرید کیا تھا؟ تو مولوی محمد حسین صاحب صاف منکر ہو گئے۔ بعض وقت انسان اپنے خیالات کا اظہار بلند آواز سے کر گزرتا ہے۔ یہی حال اس وقت میرا بھی ہوا۔ میرے منہ سے بے ساختہ نکلا کہ "یہ تو بالکل جھوٹ ہے"۔ تب ڈاکٹر مارٹن کلارک صاحب سے ڈپٹی کمشنر صاحب نے پھر پوچھا تو انہوں نے اقرار کیا کہ "مولوی صاحب میرے ہم سفر تھے اور ان کا ٹکٹ بھی میں نے ہی خریدا تھا"۔ اس پر صاحب ڈپٹی کمشنر حیران ہو گئے آخر انہوں نے یہ نوٹ مولوی محمد حسین صاحب کی شہادت کے آخر لکھا کہ "گواہ کو مرزا صاحب سے عداوت ہے جس کی وجہ سے اس نے مرزا صاحب کے خلاف بیان دینے میں کوئی دقیقہ فرو گذاشت نہیں کیا۔ اس لئے مزید شہادت لینے کی ضرورت نہیں" مولوی محمد حسین صاحب شہادت کے بعد کمرہ عدالت سے باہر نکلے تو برآمدہ میں ایک آرام کرسی پڑی تھی اس پر بیٹھ گئے۔ کانسٹیبل نے وہاں سے انہیں اٹھا دیا کہ کپتان صاحب پولیس کا حکم نہیں ہے"۔ پھر مولوی صاحب موصوف ایک بچھے ہوئے کپڑے پر جا بیٹھے جن کا کپڑا تھا انہوں نے یہ کہہ کر کپڑا کھینچ لیا۔ کہ مسلمانوں کا سرغنہ کہلا کر اس طرح صریح جھوٹ بولنا۔ بس ہمارے کپڑے کو ناپاک نہ کیجئے"۔ تب مولوی نور الدین صاحب نے اٹھ کر مولوی محمد حسین صاحب کا ہاتھ پکڑ لیا۔ اور کہا۔ کہ "آپ یہاں ہمارے پاس بیٹھ جائیں۔ ہر ایک چیز کی ایک حد ہونی چاہیے"۔ [۱۵] مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی کو چادر سے اٹھانے والے مولوی محمد حسین صاحب (سابق مبلغ کشمیر) کے والد میاں محمد بخش صاحب بٹالوی تھے جو اس وقت نہ صرف احمدی نہیں تھے بلکہ مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی کے عقیدت مندوں میں شامل تھے اس دن مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی نے عدوان رسول سے مل کر شرمناک مظاہرہ کیا تو ان کی دینی غیرت نے یہ گوارا نہ کیا کہ پادریوں کی مدد کرنے والا شخص ان کی چادر پلید کرے۔

عبدالحمید کا مشتبہ بیان

اس دن مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی کے علاوہ ڈاکٹر ہنری مارٹن کلارک، پریم داس اور خود عبدالحمید کے بیانات بھی ہوئے عبدالحمید کا یہ دوسرا بیان تھا جو بٹالہ میں ہوا۔ ولیم ڈگلس نے (جیسا کہ بعد کو اپنے فیصلہ میں لکھا) عبدالحمید کے بیان کو شروع ہی سے بعید از عقل خیال کیا پھر اس بیان میں جو اس نے امرت سر میں داخل عدالت کیا اختلافات تھے۔ اور وہ اس کی وضع قطع سے جب کہ وہ شہادت دیتا تھا مطمئن نہیں تھے اس کے علاوہ انہوں نے کمال ذہانت سے یہ بھی بھانپ لیا کہ جتنی دیر تک وہ بٹالہ مشن کے ملازموں کی زیر نگرانی رہا۔

اتنی ہی اس کی شہادت مفصل اور طویل ہوتی گئی ہے جس پر وہ اس نتیجہ تک پہنچے کہ یا تو کوئی شخص یا اشخاص اسے سکھلاتے ہیں یا یہ کہ اس کو اور زیادہ علم ہے جتنا کہ وہ اب تک ظاہر کر چکا ہے۔

مسٹر ڈگلس کو کشفی نظاروں کے ذریعہ سے راہ نمائی

راجہ غلام حیدر ہی کا بیان ہے کہ "جب عدالت ختم ہوئی تو ڈپٹی کمشنر صاحب نے کہا۔ ہم فوراً گورداسپور جانا چاہتے ہیں۔ تم ابھی جا کر ہمارے لئے ریل کے کمرے کا انتظام کرو۔ چنانچہ میں مناسب انتظامات کرنے کے لئے ریلوے اسٹیشن پر گیا۔ میں اسٹیشن سے نکل کر برآمدہ میں کھڑا تھا تو میں نے دیکھا کہ سر ڈگلس سڑک پر ٹہل رہے ہیں اور کبھی ادھر جاتے ہیں اور کبھی ادھر۔ ان کا چہرہ پریشان ہے۔ میں ان کے پاس گیا اور کہا۔ صاحب آپ باہر پھر رہے ہیں۔ میں نے ویٹنگ روم میں کرسیاں بچھائی ہوئی ہیں۔ آپ وہاں تشریف رکھیں۔ وہ کہنے لگے۔ منشی صاحب آپ مجھے کچھ نہ کہیں۔ میری طبیعت خراب ہے۔ میں نے کہا کچھ بتائیں تو سہی۔ آخر آپ کی طبیعت کیوں خراب ہو گئی ہے۔ تاکہ اس کا مناسب علاج کیا جا سکے۔ اس پر وہ کہنے لگے میں نے جب سے مرزا صاحب کی شکل دیکھی ہے اس وقت سے مجھے یوں نظر آتا ہے کہ کوئی فرشتہ مرزا صاحب کی طرف ہاتھ کر کے مجھ سے کہہ رہا ہے کہ مرزا صاحب گنہگار نہیں۔ ان کا کوئی قصور نہیں۔ پھر میں نے عدالت کو ختم کر دیا۔ اور یہاں آیا تو اب ٹہلتا ٹہلتا جب اس کنارے کی طرف جاتا ہوں تو وہاں مجھے مرزا صاحب کی شکل نظر آتی ہے اور وہ کہتے ہیں۔ میں نے یہ کام نہیں کیا یہ سب جھوٹ ہے۔ پھر میں دوسری طرف جاتا ہوں تو وہاں بھی مرزا صاحب کھڑے نظر آتے ہیں اور وہ کہتے ہیں۔ یہ سب جھوٹ ہے۔ میں نے یہ کام نہیں کیا۔ اگر میری یہی حالت رہی تو میں پاگل ہو جاؤں گا۔ میں نے کہا صاحب آپ چل کر ویٹنگ روم میں بیٹھئے۔ سپرنٹنڈنٹ پولیس بھی آئے ہوئے ہیں وہ بھی انگریز ہیں ان کو بلا لیتے ہیں۔ شاید ان کی باتیں سن کر آپ تسلی پا جائیں۔ سپرنٹنڈنٹ صاحب کا نام لیمار چنڈ تھا۔ سر ڈگلس نے کہا انہیں بلوا لو۔ چنانچہ میں انہیں بلا لایا۔ جب وہ آئے تو سر ڈگلس نے ان سے کہا دیکھو یہ حالات ہیں۔ میری جنون کی سی حالت ہو رہی ہے میں اسٹیشن پر ٹہلتا ہوں اور گھبرا کر اس طرف جاتا ہوں تو وہاں کنارے پر مرزا صاحب کھڑے نظر آتے ہیں اور ان کی شکل مجھے کہتی ہے میں بے گناہ ہوں مجھ پر جھوٹا مقدمہ کیا گیا ہے۔ پھر دوسری طرف جاتا ہوں تو وہاں کنارے پر مجھے مرزا صاحب کی شکل نظر آتی ہے۔ اور وہ کہتی ہے کہ میں بے گناہ ہوں یہ سب کچھ جھوٹ ہے جو کیا جا رہا ہے۔ میری یہ حالت پاگلوں سی ہے۔ اگر تم اس سلسلہ میں کچھ کر سکتے ہو تو کرو۔ ورنہ میں پاگل ہو جاؤں گا۔

عبدالحمید کو پولیس کی تحویل میں دیئے جانے کا حکم

لیمار چنڈ نے کہا اس میں کسی اور کا قصور نہیں آپ کا اپنا قصور ہے آپ نے گواہ کو پادریوں کے حوالہ کیا ہوا ہے- وہ لوگ جو کچھ اسے سکھاتے ہیں وہ عدالت میں آکر بیان کر دیتا ہے چنانچہ اسی وقت ڈگلس نے کاغذ منگوایا اور حکم دے دیا کہ عبدالحمید کو پولیس کے حوالہ کیا جائے- [۱۱]

سازش کا انکشاف

چنانچہ اگلے ہی دن ڈسٹرکٹ سپرنٹنڈنٹ پولیس مسٹر لیمار چنڈ نے میاں محمد بخش ڈپٹی انسپکٹر پولیس کو انار کلی بھیج کر نہال چند منشی کو اپنے پاس بلا لیا- رستہ میں وارث دین نے عبدالحمید کو تاکید کی کہ وہ پہلا بیان نہ بدلے- تم کو ڈاکٹر صاحب نے وعدہ معافی دیا ہوا ہے- دو سکھ سپاہیوں نے بھی یہی زور دیا- بٹالہ کے مدرس نہالچند نے بھی یہی کہا- بلکہ صبح کو عبدالغنی عیسائی نے شیخ وارث دین اور یوسف کا یہ پیغام دیا کہ تم کو ڈاکٹر صاحب سے معافی دلوا دیں گے اور تم بچ رہو گے- اگر پہلے بیان پر قائم رہے- مسٹر لیمار چنڈ کو چونکہ مصروفیت تھی- اس لئے انہوں نے میاں محمد بخش ڈپٹی انسپکٹر پولیس اور ایک انسپکٹر پولیس جلال الدین صاحب کا پہرہ اس پر مقرر کر دیا- اور خود قریب ہی جہاں وہ دکھائی دیتا تھا کام کرنے لگے- جب کافی دیر ہو گئی تو انسپکٹر پولیس نے ان سے کہا کہ اگر فرصت نہیں ہے تو عبدالحمید کو واپس انار کلی بھیج دیا جائے- کیونکہ وہ جانا چاہتا ہے- اور مقدمہ کی بابت کچھ اصلیت ظاہر نہیں کرتا- تب مسٹر لیمار چنڈ نے عبدالحمید کو بلوالیا- اور پوچھ گچھ شروع کی- لیکن اس نے وہی پہلی داستان دوہرائی جو دو صفحے میں لکھ لی گئی اور ساتھ ہی اس سے کہا- کہ ہم اصلیت دریافت کرنا چاہتے ہیں تم ناحق وقت کیوں ضائع کرتے ہو- اب تمہیں انار کلی نہیں بھیجا جائے گا- گورداسپور لے جاویں گے بس یہ کہنا ہی تھا کہ عبدالحمید ان کے پاؤں پر گر کر زار و قطار رونے لگا اور اس نے سازش کا انکشاف کرتے ہوئے سارا قصہ بے کم و کاست کہہ ڈالا- اور صاف لفظوں میں اعتراف کیا کہ جو کچھ میں بیان دیتا رہا ہوں محض ان کے سکھانے پر دیتا رہا ہوں- [۱۲] اس واقعہ کے چار روز بعد امرت سر سے پادری ایچ- جی- گرے اور نوردین کی چھٹیاں بھی عدالت میں پہنچ گئیں جن سے اس بیان کی مزید تصدیق ہو گئی-

حضورؑ کی الزام قتل سے بریت اور دشمن کو عفو عام

عبدالحمید نے ۲۰- اگست کو سرکاری گواہ کے طور پر عدالت میں اپنا اصل بیان پڑھا تو پادریوں اور ان کے لگے بندھوں کے پاؤں تلے سے زمین نکل گئی- پادری مارٹن کلارک نے اپنے آخری بیان میں اپنی "معصومیت" کا اظہار کرنے کے لئے ادھر ادھر

ہاتھ مارنے کی بے حد کوشش کی۔ لیکن اب راز کھل چکا تھا۔ لہٰذا ۲۳۔ اگست ۱۸۹۷ء کو مسٹر ولیم مانٹیگو ڈگلس نے حضرت اقدسؑ کو بالکل بری کر دیا اور اپنے فیصلہ میں اس واقعہ کی پوری تفصیل دیتے ہوئے لکھا۔ "جہاں تک ڈاکٹر کلارک کے مقدمہ کا تعلق ہے ہم کوئی وجہ نہیں دیکھتے کہ غلام احمد سے حفظ امن کے لئے ضمانت لی جائے یا یہ کہ مقدمہ پولیس کے سپرد کیا جائے لہٰذا وہ بری کئے جاتے ہیں"۔ [۱۳] پھر عین کچہری میں انہوں نے ہنستے ہوئے حضور کو مبارکباد پیش کی۔ [۱۴] اور کہا کیا آپ چاہتے ہیں کہ ڈاکٹر کلارک پر مقدمہ چلائیں۔ اگر چاہتے ہیں۔ تو آپ کو حق ہے"۔

حضرت اقدسؑ نے جو ایمان افروز جواب دیا وہ خدا کے اولوالعزم پیغمبروں ہی کی زبان سے نکل سکتا ہے۔ حضورؑ نے فرمایا۔ "میں کسی پر مقدمہ کرنا نہیں چاہتا۔ میرا مقدمہ آسمان پر دائر ہے"۔ [۱۵] اس طرح یہ ابتلاء تو چند روز کے اندر اندر ختم ہو گیا۔ لیکن اس کا نتیجہ ایک عظیم الشان پیشگوئی اور نصرت الٰہی کا نشان بن کر رہ گیا جو ہمیشہ کے لئے یادگار رہے گا۔

مولوی فضل الدین صاحب وکیل اور لالہ دینا ناتھ ایڈیٹر ہندوستان کے تاثرات

اس مقدمہ نے ایک بار پھر واضح کر دیا کہ آپ کو خدا تعالیٰ پر کتنا زبردست توکل و ایمان ہے جسے مصائب کے طوفان اور حوادث کی آندھیاں بھی متزلزل نہیں کر سکتیں۔ اس ضمن میں لالہ دینا ناتھ ایڈیٹر "دیش و ہندوستان" کا وہ بیان درج کرنا ضروری ہے جو انہوں نے جولائی ۱۹۳۴ء میں بمقام لاہور حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانی کے سامنے دیا تھا انہوں نے بتایا کہ "آپ کو معلوم ہے کہ میرے دل میں مرزا صاحب (حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام) کی کس قدر عظمت ہے ان کا مقام اور مرتبہ بہت عظیم الشان سمجھتا ہوں اگرچہ ان کے دعاوی کے متعلق علم النفس کی رو سے میں یہ مانتا ہوں کہ ان کو سمجھنے میں غلطی ہوئی لیکن ایک مہاپرش اور روحانی آدمی کے لحاظ سے بہت بڑے مرتبہ کے انسان تھے۔ اور یہ عقیدہ ان کے متعلق ایک واقعہ سے ہوا۔ حکیم غلام نبی زبدۃ الحکماء کو آپ جانتے ہیں اور مولوی فضل الدین صاحب وکیل کو بھی۔ حکیم صاحب کے مکان پر اکثر دوستوں کا اجتماع شام کو ہوا کرتا تھا میں بھی وہاں چلا جاتا تھا۔ ایک روز وہاں کچھ احباب جمع تھے۔ اتفاق سے مرزا صاحب کا ذکر آگیا۔ ایک شخص نے انکی مخالفت شروع کی۔ لیکن ایسے رنگ میں کہ وہ شرافت و اخلاق کے پہلو سے گری ہوئی تھی۔ مولوی فضل الدین صاحب مرحوم کو یہ سن کر بہت جوش آگیا۔ اور انہوں نے بڑے جذبہ سے کہا کہ میں مرزا صاحب کا مرید نہیں ہوں۔ انکے دعاوی پر میرا یقین نہیں اس کی وجہ خواہ کچھ ہو لیکن مرزا صاحب کی عظیم الشان شخصیت اور اخلاقی کمال کا میں قائل ہوں۔ میں وکیل ہوں اور ہر قسم کے طبقہ کے لوگ مقدمات کے

سلسلہ میں میرے پاس آتے ہیں اور ہزاروں کو میں نے اس سلسلہ میں دوسرے وکیلوں کے ذریعہ بھی دیکھا ہے۔ بڑے بڑے نیک نفس آدمی جن کے متعلق کبھی وہم بھی نہیں آسکتا تھا کہ وہ کسی قسم کی نمائش یا ریاکاری سے کام لیں گے۔ انہوں نے مقدمات کے سلسلہ میں اگر قانونی مشورہ کے ماتحت اپنے بیان کو تبدیل کرنے کی ضرورت سمجھی تو وہ بلا تامل بدل دیا لیکن میں نے اپنی عمر میں مرزا صاحب کو ہی دیکھا ہے جنہوں نے سچ کے مقام سے قدم نہیں ہٹایا۔ میں ان کے ایک مقدمہ میں وکیل تھا۔ اس مقدمہ میں میں نے ان کے لئے ایک قانونی بیان تجویز کیا اور ان کی خدمت میں پیش کیا۔ انہوں نے اسے پڑھ کر کہا کہ اس میں تو جھوٹ ہے۔ میں نے کہا کہ ملزم کا بیان حلفی نہیں ہوتا اور قانوناً اسے اجازت ہے کہ جو چاہے وہ بیان کرے اس پر آپ نے فرمایا قانون نے تو اسے اجازت دیدی ہے کہ جو چاہے بیان کرے **مگر خدا تعالیٰ نے تو اجازت نہیں دی**۔ کہ وہ جھوٹ بھی بولے اور نہ قانون ہی کا یہ منشاء ہے بس میں کبھی ایسے بیان کے لئے آمادہ نہیں ہوں جس میں واقعات کا خلاف ہو۔ میں صحیح صحیح امر پیش کروں گا۔ مولوی صاحب کہتے تھے کہ میں نے کہا کہ "آپ جان بوجھ کر اپنے آپ کو بلا میں ڈالتے ہیں"۔ انہوں نے فرمایا جان بوجھ کر بلا میں ڈالنا یہ ہے کہ **میں قانونی بیان دے کر ناجائز فائدہ اٹھانے کے لئے اپنے خدا کو ناراض کرلوں۔ یہ مجھ سے نہیں ہو سکتا خواہ کچھ بھی ہو**"۔...... **یہ باتیں مرزا صاحب نے ایسے جوش سے بیان کیں کہ ان کے چہرہ پر ایک خاص قسم کا جلال اور جوش تھا**۔ لیکن میں نے سن کر کہا کہ پھر آپ کو میری وکالت سے کچھ فائدہ نہیں ہو سکتا۔ اس پر انہوں نے فرمایا کہ "میں نے کبھی وہم بھی نہیں کیا کہ آپ کی وکالت سے فائدہ ہوگا یا کسی اور شخص کی کوشش سے فائدہ ہوگا اور نہ میں سمجھتا ہوں کہ کسی کی مخالفت مجھے تباہ کر سکتی ہے میرا بھروسہ تو خدا پر ہے جو میرے دل کو دیکھتا ہے آپ کو وکیل اس لئے کیا ہے کہ رعایت اسباب ادب کا طریق ہے اور میں چونکہ جانتا ہوں کہ آپ اپنے کام میں دیانتدار ہیں اس لئے آپ کو مقرر کرلیا ہے...... مولوی فضل الدین کہتے تھے کہ میں نے پھر کہا کہ میں تو یہی بیان تجویز کرتا ہوں۔ مرزا صاحب نے کہا۔ "نہیں جو بیان میں خود لکھتا ہوں نتیجہ اور انجام سے بے پروا ہو کر وہی داخل کردو۔ اس میں ایک لفظ بھی تبدیل نہ کیا جاوے اور میں پورے یقین سے آپ کو کہتا ہوں کہ آپ کے قانونی بیان سے وہ زیادہ موثر ہوگا۔ اور جس نتیجہ کا آپ کو خوف ہے وہ ظاہر نہیں ہوگا۔ بلکہ انجام انشاء اللہ بخیر ہوگا اور اگر فرض کرلیا جاوے کہ دنیا کی نظر میں انجام اچھا نہ ہو یعنی مجھے سزا ہو جاوے تو مجھے اس کی پروا نہیں۔ **کیونکہ میں اس وقت اس لئے خوش ہوں گا۔ کہ میں نے اپنے رب کی نافرمانی نہیں کی**"۔...... غرض مولوی فضل الدین صاحب (وکیل) نے بڑے جوش اور اخلاص

سے اس طرح مرزا صاحب کا ڈیفنس پیش کیا اور کہا کہ انہوں نے پھر قلم برداشتہ اپنا بیان لکھ دیا۔ اور خدا کی عجیب قدرت ہے کہ جیسا وہ کہتے تھے اسی بیان پر وہ بری ہو گئے۔ مولوی فضل الدین صاحب نے ان کی راستبازی اور راستبازی کے لئے ہر قسم کی مصیبت قبول کر لینے کی جرات اور بہادری کا ذکر کر کے حاضرین مجلس پر ایک کیف آور حالت پیدا کر دی۔ اس پر بعض نے پوچھا۔ آپ پھر مرید کیوں نہ ہو جاتے تو انہوں نے کہا میرا ذاتی فعل ہے اور تمہیں یہ حق نہیں کہ سوال کرو۔ میں انہیں ایک کامل راستباز یقین کرتا ہوں اور میرے دل میں ان کی بہت بڑی عظمت ہے"۔ لالہ دینا ناتھ صاحب نے یہ قصہ بیان کرنے کے بعد کہا کہ اس دن سے میرے دل میں بھی ان کی عظمت ایک روحانی مہا پرش کے ہے۔ گو میں ان کے دعاوی کو یہ سمجھتا ہوں کہ نفس انسانی کی ترقیات میں ایسے مغالطے لگ جایا کرتے ہیں"۔ [۱۸]

کتاب البریہ کی تصنیف واشاعت

اس زبردست آسمانی نشان سے دنیا کو روشناس کرانے اور آئندہ نسلوں کے ایمان کی تازگی کے لئے حضرت اقدس ؑ نے "کتاب البریہ" تصنیف فرمائی جو جنوری ۱۸۹۸ء میں شائع ہوئی۔ حضور نے اس کتاب میں مخالفوں کی شرر انگیزیوں کے چہرے سے نقاب اٹھا دینے کے بعد سرکاری کاغذات سے مقدمہ کی پوری روداد کا ترجمہ بھی شامل کیا۔ اور بڑی تفصیل سے وہ تائیدات الہیہ بیان فرمائیں۔ جو مقدمہ کے دوران میں غیبی رنگ میں نمودار ہوئی تھیں۔

مسیح محمدی ؑ اور مسیح ناصری کے مقدموں میں حیرت انگیز مشابہتیں

کتاب البریہ میں حضور نے اس مقدمہ کی الٰہی حکمتیں بایں الفاظ بیان فرمائیں۔ کہ "تا خدا تعالیٰ اس طور سے میری مماثلت حضرت مسیح سے ثابت کرے اور میری سوانح کی اس کی سوانح سے مشابہت لوگوں پر ظاہر فرما دے چنانچہ وہ تمام مماثلتیں اس مقدمہ سے ثابت ہوئیں۔ منجملہ ان کے یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی گرفتاری کے لئے ان کے ایک مرید جس کا نام یہودا اسکریوتی تھا یہودیوں سے تیس روپے لے کر حضرت مسیح کو گرفتار کروایا۔ ایسا ہی میرے مقدمہ میں ہوا۔ کہ عبدالحمید نامی میرے ادعائی مرید نے نصرانیوں کے پاس جا کر اور ان کی طمع دہی میں گرفتار ہو کر ان کی تعلیم سے میرے پر ارادہ قتل کا مقدمہ بنایا۔

دوسری مماثلت یہ کہ مسیح کا مقدمہ ایک عدالت سے دوسری عدالت میں منتقل ہوا تھا ایسا ہی میرا مقدمہ بھی امرت سر کے ضلع سے گورداسپور کے ضلع منتقل ہوا۔

تیسری مماثلت یہ کہ پیلاطوس نے حضرت مسیح کی نسبت کہا تھا کہ میں یسوع کا کوئی گناہ نہیں

دیکھتا۔ ایسا ہی کپتان ڈگلس صاحب نے عین عدالت میں ڈاکٹر کلارک کے روبرو مجھ کو کہا کہ میں آپ پر کوئی الزام نہیں لگاتا۔

چوتھی مماثلت یہ کہ جس روز مسیحؑ نے صلیبی موت سے نجات پائی اس روز اس کے ساتھ ایک چور گرفتار ہو کر سزایاب ہو گیا تھا۔ ایسا ہی میرے ساتھ بھی اسی تاریخ یعنی ۲۳۔ اگست ۱۸۹۷ء کو اسی گھڑی جب میں بری ہوا تو مکتی فوج کا ایک عیسائی بوجہ چوری گرفتار ہو کر اسی عدالت میں پیش ہوا۔ چنانچہ اس چور نے تین مہینہ کی قید کی سزا پائی۔

پانچویں مماثلت یہ کہ مسیحؑ کے گرفتار کرانے کے لئے یہودیوں اور ان کے سردار کاہن نے شور مچایا تھا۔ کہ مسیح سلطنت کا باغی ہے۔ اور آپ بادشاہ بننا چاہتا ہے۔ ایسا ہی محمد حسین بٹالوی نے عیسائیوں کا گواہ بن کر عدالت میں محض شرارت سے شور مچایا۔ کہ یہ شخص بادشاہ بننا چاہتا ہے کہ کہتا ہے کہ میرے مخالف جس قدر سلطنتیں ہیں سب کاٹی جائیں گی۔

چھٹی مماثلت یہ کہ جس طرح پیلاطوس نے سردار کاہن کے بکواس پر کچھ بھی توجہ نہ کی اور سمجھ لیا کہ مسیح کا یہ شخص پکا دشمن ہے اسی طرح کپتان ایچ۔ ایم ڈگلس صاحب نے محمد حسین بٹالوی کے بیان پر کچھ بھی توجہ نہ کی اور اس کے اظہار میں لکھ دیا کہ یہ شخص مرزا صاحب کا پکا دشمن ہے اور پھر اخیر حکم میں اس کے اظہار کا ذکر تک نہیں کیا۔ اور بالکل بیہودہ اور خود غرضی کا بیان قرار دیا۔

ساتویں مماثلت یہ ہے کہ جس طرح مسیح کو گرفتاری سے پہلے خبر دی گئی تھی کہ اس طرح دشمن تجھے گرفتار کریں گے اور تیرے قتل کرنے کے لئے کوشش کریں گے۔ اور آخر خدا تجھے ان کی شرارت سے بچالے گا۔ ایسا ہی مجھے خدا تعالیٰ نے اس مقدمہ سے پہلے خبر دے دی اور ایک بڑی جماعت جو حاضر تھی سب کو وہ الہامات سنائے گئے اور جو حاضر نہیں تھے ان میں سے اکثر احباب کی طرف خط لکھے گئے تھے۔ اور یہ لوگ سو سے کچھ زیادہ آدمی ہیں"۔ [۱۷]

پیلاطوس ثانی کا شاندار کارنامہ

پیلاطوس ثانی مسٹر ولیم ڈگلس نے چونکہ پیلاطوس اول کے برعکس بریت کا فیصلہ دے کر عدل و انصاف کا شاندار کارنامہ دکھایا تھا اس لئے حضور نے بھی اس پر خوشنودی کا اظہار کرتے ہوئے کتاب البریہ اور دیگر متعدد تصانیف میں ان کی بیدار مغزی، منصف مزاجی، مردانگی، حق پسندی اور خدا ترسی کی بڑی تعریف فرمائی ہے چنانچہ ایک مقام پر حضور نے لکھا۔ "جب تک کہ دنیا قائم ہے اور جیسے جیسے یہ جماعت لاکھوں

کروڑوں افراد تک پہنچے گی- ویسے ویسے تعریف کے ساتھ اس نیک نیت حاکم کا تذکرہ رہے گا- اور یہ اس کی خوش قسمتی ہے کہ خدا نے اس کام کے لئے اس کو چنا"- [۱۸]

مسٹر ڈبلیو ایم ڈگلس نے ۲۵- فروری ۱۹۵۷ء کو لنڈن میں انتقال فرمایا- [۱۹] وفات کے وقت ان کی عمر ۹۳ سال تھی- اور ان کے ذہن میں آخر تک اس مقدمہ کے واقعات پوری طرح محفوظ تھے اور وہ جب تک زندہ رہے اپنی زندگی کے اس اہم ترین واقعہ کا تذکرہ کرتے رہے اور جب کبھی کوئی احمدی آپ کی ملاقات کے لئے جاتا تو اس واقعہ کی تفصیل ضرور بیان کرتے اور عقیدت آمیز لب ولہجہ میں کہتے کہ میں نے مرزا صاحب کو دیکھتے ہی یقین کر لیا تھا کہ یہ شخص جھوٹ نہیں بول سکتا- ایک مرتبہ یوم التبلیغ کی تقریب پر انہوں نے مسجد فضل لندن میں اپنی صدارتی تقریر کے دوران جماعت احمدیہ کے نوجوانوں کو یہ پیغام دیا کہ "مجھ سے بارہا یہ سوال کیا گیا ہے کہ احمدیت کا سب سے بڑا مقصد کیا ہے؟ میں اس سوال کا یہی جواب دیتا ہوں کہ اسلام میں روحانیت کی روح پھونکنا- بانی جماعت احمدیہ نے آج سے پچاس برس پیشتر یہ معلوم کر لیا تھا کہ موجودہ زمانہ میں مذہب اور سائنس کا میلان کس طرف ہو گا .... احمدیت کا ایک مقصد اسلام کو موجودہ زمانے کی زندگی کے مطابق پیش کرنا ہے میں نے جب ۱۸۹۷ء میں بانی جماعت احمدیہ کے خلاف مقدمہ کی سماعت کی تھی اس وقت جماعت کی تعداد چند سو سے زیادہ نہ تھی- لیکن آج دس لاکھ سے بھی زیادہ ہے پچاس سال کے عرصے میں یہ نہایت شاندار کامیابی ہے اور مجھے یقین ہے کہ موجودہ نسل کے نوجوان اس کی طرف زیادہ توجہ دیں گے اور آئندہ پچاس سال کے عرصہ میں جماعت کی تعداد بہت بڑھ جائے گی"- [۲۰]

سفر ملتان

حضرت اقدس علیہ السلام کو اوائل اکتوبر میں رویا میں دکھایا گیا کہ آپ ایک انگریز حاکم کے سامنے گواہی دے رہے ہیں- مگر دستور کے مطابق اس نے آپ کو قسم نہیں دی- اس کے بعد دوسری خواب میں مزید یہ خبر دی گئی کہ سپاہی سمن لے کر آیا ہے- [۲۱] حضرت اقدسؑ نے یہ خبر مسجد میں اپنے خدام کو قبل از وقت سنا دی تھی- مگر اس وقت بظاہر کسی مقدمہ کا گمان بھی نہیں تھا کہ چند روز بعد یکایک ایک سپاہی سمن لے کر آیا اور معلوم ہوا کہ مولوی رحیم بخش صاحب پرائیویٹ سیکرٹری نواب صاحب بہاولپور نے لاہور کے اخبار "ناظم الہند" پر ازالہ حیثیت عرفی کا دعویٰ دائر کر دیا ہے اور اخبار کے شیعہ ایڈیٹر جناب سید ناظم حسین صاحب نے آپ کو بطور گواہ صفائی طلب کیا ہے-

سید ناظم حسین صاحب وہی صاحب تھے جنہوں نے حسین کامی کی آمد پر آپ کے خلاف اشتعال انگیز مضامین لکھ کر عام فضا سخت مکدر کر دی تھی۔ بایں ہمہ ان کو آپ کے اخلاق عالی اور بلند کیریکٹر کے لحاظ سے پوری طرح اعتماد تھا کہ باوجود میری معاندانہ روش کے آپ کی زبان حق کا اظہار کئے بغیر نہیں رہ سکے گی۔ چنانچہ یہی ہوا۔ حضرت اقدس گو بذریعہ کمیشن شہادت دینے کا مطالبہ فرما سکتے تھے۔ مگر آپ نے یہ گوارا نہ کیا اور باوجود ہزاروں خطرات کے سفر ملتان اختیار فرمایا اور شہادت دی اور جیسا کہ قبل از وقت اطلاع دی گئی تھی حاکم کو کچھ ایسا سہو ہوا کہ قسم دینا بھول ہی گیا اور شہادت شروع کر دی۔ [۲۲]

واپسی پر لاہور میں قیام

ملتان سے واپسی پر حضور نے لاہور میں شیخ رحمت اللہ صاحب مالک بمبئی ہاؤس کے مکان پر (جو انار کلی میں پنجاب ریلیجس بک سوسائٹی کے سامنے واقع تھا) چند دن قیام فرمایا۔ اس اثناء میں مختلف مذاہب و ملت کے لوگ بکثرت آپ کی مجلس میں حاضر ہوتے تھے۔ اور آپ علم و حکمت کے وہ موتی لٹاتے تے کہ لوگ دنگ رہ جاتے۔ اس موقعہ کی ایک پر علم و معرفت مجلس کا منظر چودھری محمد اسماعیل صاحب ریٹائرڈ ای۔ اے۔ سی نے اپنے قلم سے کھینچا ہے جو بڑا ہی دلکش اور ایمان پرور ہے۔ آپ لکھتے ہیں۔ "حضرت شیخ رحمت اللہ صاحب مرحوم کا دولت کدہ جو ان کی پرانی دکان بمبئی ہاؤس کے عقب میں تھا۔ حضرت اقدس کے نزول اجلال کے باعث رشک جنت بنا ہوا تھا۔ سردی کا موسم تھا۔ ایک وسیع کمرہ کی باہر والی طاقچی میں حضرت صاحب تشریف فرما تھے۔ اس وقت کے حالات کے مطابق یہ جگہ بہت غیر محفوظ تھی۔ باہر سے بڑی آسانی سے حملہ ہو سکتا تھا۔ مگر بغیر کسی محافظت کے حضرت اقدسؑ نہایت اطمینان سے بیٹھے ہوئے تھے خدام کے علاوہ شہر کے بہت سے معزز اشخاص وہاں موجود تھے۔ کمرہ کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔ غیر از جماعت لوگ مختلف قسم کے اعتراضات کرتے تھے اور حضرت صاحب جواب دیتے تھے آخر عیسائیوں کی طرف سے ایک اعتراض پیش ہوا۔ کہ "قرآن مجید میں جو قصے درج ہیں وہ بائبل سے لئے گئے ہیں"۔ معلوم نہیں یہ اعتراض کسی عیسائی نے پیش کیا یا کسی مسلمان نے کسی عیسائی کی طرف سے پیش کیا۔ چونکہ مسئلہ اہم تھا اور حاضرین کی تعداد اتنی تھی کہ اگر حضرت صاحب بیٹھ کر جواب دیتے تو سب حاضرین نہ سن سکتے۔ اس واسطے حضرت کھڑے ہو گئے اور ایسی معرکہ کی تقریر فرمائی کہ اپنی جماعت کے لوگ تو ایک طرف رہے دوسرے لوگ بھی عش عش کرنے لگے۔ مجھے وہ سماں نہیں بھول سکتا جب بہت سے دلائل دے کر حضرت صاحب نے فرمایا۔ "غرض جس طرح گھاس پھوس اور چارہ گائے کے پیٹ میں جا کر لہو اور پھر تھنوں میں جا کر دودھ بن جاتا ہے اسی طرح توریت اور انجیل کی کہانیاں اور داستانیں قرآن میں آ کر نور اور حکمت بن گئیں"۔ یہ سن کر ہال جزاک اللہ اور بارک اللہ کے نعروں

سے گونج اٹھا۔ میں جب کبھی اس طرف جاتا ہوں اور اس طاقچی کو دیکھتا ہوں تو وہ نظارہ آنکھوں کے سامنے آنے سے جو دل پر گزرتی ہے اس کو خدا ہی جانتا ہے"۔ [۲۳]

اس زمانے میں چونکہ مخالفت عروج پر تھی اور نت نئے شوشے چھوڑ کر عوامی ذہن میں گویا بارود بھر دی گئی تھی اس لئے حضرت اقدس جہاں جہاں سے گزرتے آپ کو گالیاں دی جاتی تھیں اور لوگ آپ کا نام لے لے کر ناشائستہ حرکات کرتے اور آوازے کستے تھے۔ [۲۴]

حضرت اقدسؑ لاہور میں چند دن فروکش رہنے کے بعد قادیان تشریف لے آئے۔ اس سفر میں حکیم الامت حضرت مولانا نور الدین صاحب' حضرت مولانا عبدالکریم صاحب' جناب خواجہ کمال الدین صاحب اور جناب مولوی محمد علی صاحب بھی حضرت اقدسؑ کے ہمرکاب تھے۔ [۲۵]

حواشی

۱- "حیات احمد" جلد چہارم صفحہ ۵۹۳-۵۹۴
۲- "کتاب البریہ"
۳- سیرت المہدی حصہ سوم صفحہ ۱۳۴-۱۳۶
۴- "حیات احمد جلد چہارم صفحہ ۵۹۷
۵- اس مقدمہ میں عیسائیوں کی طرف سے آریہ وکیل پنڈت رام بھجدت پیش ہوئے تھے جنہوں نے صرف اس وجہ سے کہ پنڈت لیکھرام کے قتل کا بھی کوئی سراغ مل جائے اپنی خدمات مفت پیش کر دی تھیں اس کا اعتراف پادری ہنری مارٹن کلارک نے عدالت میں کرتے ہوئے کہا کہ "ہم لوگ ایک شخص کے بارے میں جو سب کا دشمن ہے مل کر کارروائی کرتے ہیں"۔
(کتاب البریہ طبع اول صفحہ ۲۳۷)
۶- "حیات احمد" جلد چہارم صفحہ ۵۹۷/۵۹۸
۷- "کتاب البریہ" (سرورق)
۸- حیات احمد جلد چہارم صفحہ ۶۰۱
۹- "حیات احمد" جلد چہارم صفحہ ۶۰۵
۱۰- "مجدد اعظم" حصہ اول صفحہ ۵۴۱-۵۴۴-
۱۱- بروایت حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ-(مطبوعہ الفضل ۳۰-مارچ ۱۹۵۷ء صفحہ ۶-۷)
۱۲- "کتاب البریہ" طبع دوم صفحہ ۲۳۲/۲۳۳ اور ۲۳۷/۲۳۹
۱۳- کتاب البریہ طبع دوم صفحہ ۲۶۱
۱۴- حیات احمد جلد چہارم صفحہ ۶۰۶
۱۵- "حیات احمد" جلد چہارم صفحہ ۶۰۲ اور الحکم ۳۰- ستمبر ۱۹۰۶ء صفحہ ۳ کالم نمبر ۲
۱۶- الحکم ۱۴-نومبر ۱۹۳۴ء صفحہ ۳-۴-
۱۷- "(کتاب البریہ" (طبع اول) صفحہ ۲۵-۲۶)
۱۸- "کشتی نوح" صفحہ ۵۱-۵۳
۱۹- الفضل ۲۸- فروری ۱۹۵۷ء
۲۰- "ریویو آف ریلیجنز" اردو ستمبر ۱۹۲۹ء صفحہ ۵۰
۲۱- "نزول المسیح" صفحہ ۲۲۱
۲۲- "حیات احمد" جلد چہارم صفحہ ۵۸۴-۵۸۵ ملک شیر محمد صاحب مجوکہ (ملتان) بروایت مخدوم شیخ احمد کبیر قریشی صاحب بیان فرماتے ہیں کہ ملتان میں مخدوم خان بہادر حسن بخش صاحب قریشی سجادہ نشین حضرت بہاؤ الدین زکریاؒ نے حضرت اقدس کے استقبال کی سعادت حاصل کی اور انہی کے ڈیرہ واقع اندرون پاک گیٹ میں حضور نے قیام فرمایا۔
۲۳- "مجدد اعظم" جلد اول صفحہ ۵۶۱-۵۶۲
۲۴- "سیرت مسیح موعود" از حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ
۲۵- "حیات احمد" جلد چہارم صفحہ ۵۸۵

جماعت احمدیہ کے سب سے پہلے اخبار "الحکم" کا اجراء

جماعت احمدیہ کے قیام پر آٹھ برس ہو رہے تھے اور ابھی تک جماعت اپنے اخبار سے محروم تھی حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام اور آپ کے مخلصین کو ایک عرصہ سے اس کا احساس تھا لیکن اقتصادی حالات اس کی اجازت نہیں دیتے تھے۔ آخر ایک لمبی کشمکش کے بعد اس سال کے آخر میں جماعت کے ایک باہمت اور پرجوش نوجوان حضرت شیخ یعقوب علی صاحب تراب [1] کو (جو اس وقت امرت سر میں رہتے تھے اور ایک کامیاب صحافی کی حیثیت سے ادبی حلقوں میں ان کے زور قلم کی دھاک بیٹھی ہوئی تھی) اس طرف پر زور تحریک ہوئی جس پر انہوں نے حضرت اقدس کی خدمت میں ایک عریضہ لکھا۔ حضرت اقدسؑ نے اپنے دست مبارک سے اس عریضہ کا جواب دیا۔ جس کا خلاصہ یہ تھا کہ "ہم کو اس بارہ میں تجربہ نہیں۔ اخبار کی ضرورت تو ہے مگر ہماری جماعت غرباء کی جماعت ہے۔ مالی بوجھ برداشت نہیں کر سکتی۔ آپ اپنے تجربہ کی بناء پر جاری کر سکتے ہیں تو کر لیں اللہ تعالیٰ مبارک کرے"۔ [2]

حضرت شیخ یعقوب علی صاحب تراب اس وقت بالکل تہی دست تھے۔ دوسری طرف آپ کے بعض دوست آپ کو سرکاری ملازمت میں لانے پر مصر تھے مگر خدا تعالیٰ نے ان کی دستگیری فرمائی اور "الحکم" ایسا بلند پایہ ہفت روزہ اخبار جاری کرنے میں کامیاب ہو گئے۔

اخبار "الحکم" کا پہلا پرچہ ۸۔ اکتوبر ۱۸۹۷ء کو شائع ہوا۔ یہ اخبار ۱۸۹۷ء کے آخر تک ریاض ہند پریس امرت سر میں چھپتا اور امرت سر ہی سے شائع ہوتا تھا۔ مگر ۱۸۹۸ء کے آغاز میں یہ مرکز احمدیت میں منتقل ہو گیا۔ اور چند برسوں کے وقفہ کے ساتھ جولائی ۱۹۴۳ء تک جاری رہا۔ الحکم کے دور ثانی میں زمام ادارت ان کے فرزند جناب شیخ محمود احمد صاحب عرفانی [3] مجاہد مصر نے نہایت عمدہ رنگ میں سنبھال لی اور الحکم کو اپنی زندگی کے آخری لمحات تک زندہ رکھا۔

الحکم کے ابتدائی حالات کے بارے میں حضرت شیخ یعقوب علی صاحب لکھتے ہیں۔

"اگست ۱۸۹۷ء کو ہنری مارٹن کلارک نے ایک نالش حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے خلاف کر دی۔ میں نے اس مقدمہ کے حالات دوسرے جنگ مقدس کے نام سے لکھے۔ اس وقت مجھے سلسلہ کی ضروریات کے اعلان اور اظہار کے لئے اور اس پر جو اعتراضات پولٹیکل اور مذہبی پہلو سے کئے جاتے تھے ان کے جوابات کے لئے ایک اخبار کی ضرورت محسوس ہوئی۔ چنانچہ اکتوبر ۱۸۹۷ء میں الحکم جاری کر دیا۔ اس وقت گورنمنٹ پریس کے خلاف تھی اور موجودہ پریس ایکٹ اس وقت بھی قریب تھا کہ پاس ہو جاتا۔ تاہم ان مشکلات میں میں نے خدا پر بھروسہ کر کے امرت سر سے اخبار الحکم جاری کر دیا ۱۸۹۷ء کے آخر میں روزانہ پیسہ اخبار کے مکرر اجراء کی تجویز ہو چکی تھی اور منشی محبوب عالم صاحب کی خواہش کے موافق میں نے پیسہ اخبار کے ایڈیٹوریل سٹاف میں جانا منظور کر لیا تھا۔ میرا خیال تھا کہ الحکم کا ہیڈ کوارٹر لاہور بدل دینا چاہئے۔ اور محض اس خیال سے میں نے پیسہ اخبار کے ساتھ تعلق کرنا گوارا کر لیا تھا۔ مگر ۱۸۹۷ء کے دسمبر میں جب جلسہ سالانہ پر میں قادیان آیا تو یہاں ایک مدرسہ کے اجراء کی تجویز ہوئی اور اس کے لئے خدمات کے سوال پر میں نے اپنی خدمات پیش کر دیں اور اس طرح قدرت نے مجھے دیار محبوب میں پہنچا دیا۔ الحکم کے اجراء کے وقت مجھے بہت ڈرایا گیا تھا کہ مذہبی مذاق کم ہو چکا ہے اور احمدیت کے ساتھ عام دشمنی پھیل چکی ہے اس لئے الحکم کامیاب نہ ہو گا......
قادیان میں ایڈیٹر الحکم جنوری ۱۸۹۸ء میں آ گیا اور پیسہ اخبار کے ساتھ جو جدید تعلق پیدا کر لیا گیا تھا اسے اور لاہور کے دیگر منافع کو قادیان پر قربان کر دیا اور الحمد للہ میں اس سودے میں نفع مند ہوں ...... قادیان میں اس وقت پریس کی سخت تکالیف تھیں۔ نہ پریس ملتا تھا نہ گل کش اور نہ کاتب اور نہ یہ لوگ قادیان آ کر رہنا چاہتے تھے۔ تاہم ایڈیٹر الحکم ان مشکلات کا مقابلہ کرتا رہا"۔ [۲]

حضرت شیخ یعقوب علی صاحب تراب کو قدرت نے زود نویسی کا زبردست جوہر ودیعت کر رکھا تھا جسے حضرت مسیح موعودؑ کے فیض صحبت نے چار چاند لگا دیئے۔ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام خواہ دربار شام میں ارشاد فرماتے یا سیر میں چلتے ہوئے گفتگو فرماتے آپ حضور کے ان ملفوظات و ارشادات کو کمال برق رفتاری سے قلمبند کر کے فوراً "الحکم" میں شائع کر دیتے۔ الحکم کے ذریعہ سے حضور کی تازہ بتازہ وحی کی اشاعت کا بھی اس میں خاص اہتمام ہو گیا۔ اسی طرح مرکز کے کوائف اور بزرگان سلسلہ بلکہ سیدنا حضرت مسیح موعودؑ کے گراں قدر مضامین بھی چھپنے لگے۔ اور جماعت کے احباب گھر بیٹھے حضرت مسیح موعودؑ کے روحانی مائدہ سے لطف اندوز ہونے لگے۔ اس طرح یہ اخبار حضرت مسیح موعودؑ کی کتب کے سلسلہ احمدیہ کی تاریخ کا مستند ترین ذخیرہ اور جماعت کے ایک نئے دور کا سنگ میل بن گیا۔ ۱۹۰۱ء تک اخبار "الحکم" نے یہ بے مثال خدمت تنہا سرانجام دی۔ جو ایک غیر معمولی بات ہے

اس کے بعد حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام کے بابرکت کلمات اور الہامات مقدس کی نشرو اشاعت کی مقدس امانت کے اٹھانے میں اخبار البدر بھی شامل ہو گیا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام الحکم اور بدر کو جماعت کے دو بازو کہہ کر یاد فرمایا کرتے تھے۔ ۵

۱۹۳۴ء میں الحکم کے دوبارہ اجراء پر حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ نے خاص طور پر ایک پیغام دیا۔ جس میں تحریر فرمایا۔ الحکم سلسلہ کا سب سے پہلا اخبار ہے۔ اور جو موقعہ خدمت کا اسے اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے آخری زمانہ میں بدر کو ملا ہے۔ وہ کروڑوں روپیہ خرچ کر کے بھی اور کسی اخبار کو نہیں مل سکتا۔

میں کہتا ہوں کہ الحکم اپنی ظاہری صورت میں زندہ رہے یا نہ رہے لیکن اس کا نام ہمیشہ کے لئے زندہ ہے۔ سلسلہ کا کوئی مہتم بالشان کام اس کا ذکر کئے بغیر نہیں ہو سکتا کیونکہ وہ تاریخ سلسلہ کا حامل ہے"۔ ۶

۱۸۹۷ء کے بعض صحابہ

اس سال جو بزرگ جماعت احمدیہ سے منسلک ہو کر مسیح محمدی کے صحابہ میں شامل ہوئے ان میں سے بعض کے نام یہ ہیں۔

(۱) حضرت مولانا شیر علی صاحب۔ ۷ (۲) حضرت مولانا غلام نبی صاحب مصری۔ ۸ (۳) حضرت حافظ غلام رسول صاحب وزیر آبادی۔ ۹ (۴) مولوی محمد فضل صاحب چنگوی۔ ۱۰ حضرت چوہدری نظام الدین صاحب ۱۱ (۶) حضرت منشی کرم علی صاحب کاتب۔ ۱۲ (۷) جناب مولوی محمد علی صاحب ایم۔اے۔ ۱۳ (۸) حضرت مولانا غلام رسول راجیکی ۱۴ (۹) حضرت مولانا امام الدین صاحب گولیکی ۱۵ (۱۰) قاضی محمد ظہور الدین صاحب اکمل ۱۶

۱۸۹۷ء کے صحابہ کی ایک نایاب فہرست

کتاب کے آخر میں ۱۸۹۷ء کے صحابہ کی ایک نایاب فہرست سپرد قرطاس کی جاتی ہے جو یکم ذی قعدہ ۱۳۱۴ھ مطابق ۳۔ اپریل ۱۸۹۷ء سے لے کر ۲۳ محرم ۱۳۱۵ھ مطابق ۲۔ جون ۱۸۹۸ء کے زمانہ پر محیط ہے۔ یہ فہرست حضرت پیر سراج الحق صاحب نے انہی ایام میں نہایت خوشخط قلم سے مرتب فرمائی تھی۔

اصل فہرست شعبہ تاریخ احمدیت میں محفوظ ہے جہاں عبارت پڑھی نہیں جاسکی وہاں نقطے لگا دیئے گئے ہیں۔

۱۔ مولوی اللہ بخش مدرسی اول مدرسہ ذی قعدہ ۱۴ ۱۳۱۶ھ جنتی ونگروٹہ ریاست جموں تخلص ندوی ولد شادی قوم آرائیں ساکن لاہور........ یکم ذی قعدہ۔ تحریری بذریعہ خط۔

۲۔ کریم بخش ولد سردارا قوم جاٹ ساکن لدہیانہ و کانسٹیبل کوتوالی شہر لدہیانہ ڈویژن اول نمبر ۴۱۳

۳۔ محبوب عالم ولد قاضی کرم الٰہی ہاسپٹل اسسٹنٹ پاگل خانہ لاہور ساکن موضع اودھو والی ضلع گوجرانوالہ

۴۔ محی الدین احمد شاہ آباد ضلع ہردوئی محلہ بروا بازار دسوم

۵۔ مولوی محمد رمضان کمال ڈیرہ ضلع حیدر آباد سندھ ۶۔

۶۔ محمد ابراہیم ولد چوہدری پیر بخش مرحوم ساکن شہر جالندھر حال ملازم محکمہ ویکسی نیشن جہلم

۷۔ مولوی محمد سنڈال کلاں تحصیل کھاریاں ضلع گجرات ڈاک خانہ کھکرالہ مرید قدیم

۸۔ عظیم اللہ ساکن بمقام نابہہ ۱۶۔ ذی قعدہ ۱۴ ہجری

۹۔ احمد الدین شالباف کشمیری ساکن نارووال تحصیل رعیہ ضلع سیالکوٹ امام مسجد خراسیاں ۔۱۷۔

۱۰۔ ودہاوا نابینا ولد بوٹا قوم گاذر ساکن درویش مسجد اندرونی

۱۱۔ دیوان بخش ولد مہتاب الدین گگے زئی ساکن دہرم کوٹ رندہاوہ تھانہ ڈیرہ بابا نانک ضلع گورداسپور حال وارد نارووال سپاہی پولیس۔ معرفت خط احمد الدین مذکور۔

۱۲۔ مولوی عمر الدین ولد سید احمد ساکن موضع کوٹ محمد یار تحصیل چنیوٹ ضلع جھنگ تحریری ۲۰۔

۱۳۔ غلام محی الدین محلہ چہل بی بیان لاہور تحریری ۲۱۔

۱۴۔ عبدالغنی خان ولد رحمت اللہ خان لدہیانہ محلہ کرمو کی مسجد ۲۱۔

۱۵۔ بدر الدین حداد ساکن گورداسپور

۱۶۔ روشن۔(۱۷) اکبر ساکنان موضع کینجہ ضلع لدہیانہ ۲۲۔ تحریری

۱۷۔ اسمٰعیل ساکن نور والہ ضلع لدہیانہ　"　۲۲۔ تحریری　"

۱۸۔ غلام محی الدین واعظ اسلام لدہیانہ ۲۲۔

۱۹۔ محمد الدین پسر عبداللہ پٹواری ساکن ڈنگہ ضلع گجرات　"

۲۰۔ امام الدین ڈنگہ　"

۲۱۔ نبی بخش "
۲۲۔ گاہیا ساکن وڈالہ ضلع گوجرانوالہ
۲۳۔ محمد الدین۔ فتح پور ضلع گجرات
۲۴۔ کریم بخش (۲۵) رحیم بخش (۲۶) سلطان محمد ساکن نت ضلع گوجرانوالہ
۲۷۔ کرم دین۔ پوڑ ضلع گجرات
۲۸۔ امام الدین کلیان پور ضلع گورداسپور تحصیل شکر گڑھ ۲۳۔
۲۹۔ عبداللہ ہیکر تحصیل پھالیہ ضلع گجرات "
۳۰۔ عبدالوحید متعلم مشن سکول لدہیانہ جماعت دہم "
۳۱۔ امیر (۳۲) احمد الدین (۳۳) محمد (۳۴) اللہ جوایا ساکنان نت ڈاک خانہ بوتالہ سردار جھنڈا سنگھ ضلع گوجرانوالہ تحصیل وزیر آباد "
۳۵۔ شیخ محمد دین ساکن گرالی تحصیل و ضلع گجرات ڈاک خانہ کھٹالہ
۳۶۔ باقر علی شاہ بھنیلی تحصیل کھاریاں ضلع گجرات
۳۷۔ دین محمد معمار لاہور محلہ چہل بابیان۔
۳۸۔ قاضی غلام رسول ولد فضل الدین ساکن اودہوالی ڈاک خانہ پہلو کے ضلع گوجرانوالہ
۳۹۔ محمد اکرم ولد قاضی کرم الٰہی ہاسپٹل اسسٹنٹ پاگل خانہ لاہور ولد قاضی غلام رسول اودہووالی
۴۰۔ منشی محمد الدین اپیل نویس سیالکوٹ ولد کرم الدین ۲۴۔
۴۱۔ محمد یوسف ولد محمد یعقوب صاحب مرحوم بلاک پلی بنگلور دفتر اخبار بادصبا ۲۹۔ ذی قعدہ ۱۳۱۴ھ
۴۲۔ شیخ محمد بخش نو مسلم ولد تلارام ساکن نادون ضلع کانگڑہ
۴۳۔ کمال الدین ولد اکبر بانندہ " "
۴۴۔ فتح الدین ولد اکبر " "
۴۵۔ چراغ پسر نتھو " " جنپور آتشباز " "
۴۶۔ شیخ محمد طفیل ولد شیخ محمد بخش قوم شیخ " "
۴۷۔ عبدالصمد ساکن شیخوان قریب قادیان ۳۰۔
۴۸۔ غلام علی ساکن فیض اللہ چک قریب " "
۴۹۔ مولوی نادر الدین۔ ساکن

ذی الحجہ ۱۳۱۴ھ

۱- عزیز احمد ولد غلام احمد قریش ساکن گلیانہ حال پٹواری حلقہ پیر خانہ متصل بلانی ڈاک خانہ بسہ تحصیل کھاریاں ضلع گجرات پنجاب یکم تحریرے
۲- نور الدین ولد شمس الدین پنڈ دادنخان حال نقشہ نویس محکمہ بارگ ماستری جہلم ۱۰-۱۴-۱۳۱۴ھ
۳- اصغر علی
۴- سلطان بخش ولد حشمت کشمیری لاہور انار کلی نیا بازار خیاط
۴- غلام حسن ولد حافظ محمد کامل ڈنگہ ضلع گجرات پنجاب دو کاندار لاہور
۵- شیخ عبد الرحمٰن ولد ڈاکٹر شیخ عبد اللہ انار کلی سنگرہ لاہور
۶- شیخ غلام مصطفیٰ ولد شیخ صوبہ خان ککے زئی بٹالہ
۷- شیخ فیض قادر خان ولد شیخ نور الٰہی ڈاکٹر اسپان بٹالہ
۸- علی محمد کلارک دفتر اگزیمنر ریلوے لاہور ولد نور احمد
۹- سلطان احمد دو بکیہ امرتسر محلہ قلعہ بھنگی
۱۰- مولوی محمد مقبول ولد مولوی غلام رسول مرحوم سکول ماسٹر و میر منشی پلٹن نمبر ۳۰ کمپ پشاور ساکن دینہ نگر ضلع گورداس پور-۱۲-
۱۱- شیخ رحیم بخش ساکن چہ خرداوری حال محرر طویلہ سنگرور " تحریری
۱۲- حسین بخش درزی ساکن قادیان-
۱۳- عبد الرحمٰن- ۱۴- عبد اللہ ابنائے حسین بخش "
۱۵- خدا بخش ولد علم الدین درزی- چھوکر ضلع گجرات پنجاب ڈاک خانہ لالہ موسیٰ
۱۶- نظام شاہ نقل نویس جہلم
۱۷- محمد شریف ولد پشاوری
۱۸- عبد السبحان تماکو فروش بھیرہ ضلع شاہ پور
۱۹- میر حیدر شاہ ساکن نواں کوٹ تحصیل بھیرہ ضلع شاہ پور
۲۰- رحیم بخش ساکن پنڈی بھٹیاں ضلع گوجرانوالہ ۱۴-
۲۱- عبد العزیز ولد حافظ غلام محی الدین بھیروی قادیانی

۲۲- مظہر القیوم ولد صاحبزادہ افتخار احمد صاحب
۲۳- مولا بخش ولد شیخ جھنڈا ساکن گوجرانوالہ حال شہر چنیوٹ ۱۵-
۲۴- ملک نبی بخش سارجنٹ ودیم ولد ملک ہدایت اللہ صاحب قوم اعوان ساکن مہارا جکی تحصیل ظفروال ضلع سیالکوٹ
۲۵- عبداللہ ڈار کنسٹبل ساکن نارووال تھانہ پھلوارہ - ۲۴-
۲۶- مولوی عبدالرحیم واعظ ملسوری ساکن پولور ضلع چتوز احاطہ مدراس ۲۵-
۲۷- منشی محمد حیدر خان صاحب چھاؤنی بنگلور دفتر اخبار باد صبا پریس "
۲۸- محمد علی امام جامع مسجد مستری کریم بخش شہر سیالکوٹ محلہ کریم پورہ
۲۹- احمد حسن پسر ۳۰ و دو دختر ۳۱ قاضی خواجہ علی لدھیانوی
۳۲- منشی عبدالرؤف عرف وزیر خان سب اورسیر ساکن بلب گڈھ ضلع دہلی

نوٹ:- منشی صاحب اور مولوی غلام امام اسامی ایک وقت میں بیعت ہوئے تھے منشی صاحب کا نام سہو سے کسی فہرست میں نہیں لکھا گیا تھا چنانچہ منشے صاحب بہت مدت کے حضرت امام کے بیعت شدہ ہیں اور ان کی بیعت کی تاریخ ۲۴- اگست ۱۸۹۲ء یہ ہے اب یادداشت کے لحاظ سے یہاں نام لکھا گیا ہے سراج الحق جمالی۔

۳۳- مولوی محمد اظہر حسین ساکن مقام نادون ضلع کانگڑہ - ۲۷- ذی الحجہ ۱۳۱۴ھ

۳۳

شعبان ۴۰- رمضان ۳۲- شوال ۶۶- ذی قعدہ ۴۹- ذی الحجہ ۳۳.....

محرم ۱۳۱۵ھ

۱- شیخ احمد برادر مولوی خان ملک ۲- محرم ۱۵
۲- حاکم الدین ولد الٰہی بخش ساکن سیالکوٹ محلہ میانہ پورہ
۳- میران بخش ولد پیر محمد - " ۴- غلام محمد ولد فضل
۵- شیر محمد ولد قادر بخش قوم لودی ساکن میرپور چونمک علاقہ جموں ۴- تحریری
۶- شیخ محمد موسیٰ رضا تاجر چھاؤنی بنگلور " "

۷۔ سیٹھ علی محمد حاجی اللہ رکھا معہ اہلیہ سیٹھ صاحب " "
۸۔ احمد سیٹھ ۹ حسین سیٹھ عبد الستار سیٹھ ابناء ۱۰ علی محمد سیٹھ حاجی اللہ رکھا بنگلور۔ "
۱۱۔ حیات محمد ساکن موضع چک جانی تحصیل پنڈ دادنخان ضلع جہلم حال موضع کریم پور متصل موضع جادہ تحصیل جہلم معرفت میاں غلام حسن
۱۲۔ احمد اللہ پسر حیات محمد سطور بالا "
۱۳۔ امام الدین کارچوب لاہور بارود خانہ دوکان موچی دریام۔ "
۱۴۔ عبد اللہ ولد محمد بخش ساکن کلان نور ۸۔ محرم ۱۵ھ
۱۵۔ غلام محمد ولد محمد بخش " " "
۱۶۔ فقیر اللہ پٹواری کلاں نور ساکن فیض اللہ چک قریب قادیان
۱۷۔ احمد الدین ولد محمد الدین ساکن قلعہ دیدار سنگھ ضلع گوجرانوالہ "
۱۸۔ غلام حسین نائب محافظ دفتر پولیس راولپنڈی ۹۔ تحریری
۱۹۔ اللہ دتہ امام مسجد۔ ٹھٹری کلاں ضلع تحصیل گوجرانوالہ ڈاکخانہ بوتالہ سردار جھنڈا سنگھ "
۲۰۔ میرباز خان۔ خوشاب ضلع شاہ پور " ۱۰۔
۲۱۔ کریم بخش حکیم فیض اللہ چک قریب قادیان۔ "
۲۲۔ علی اکبر خان سابق سارجنٹ پولیس سیالکوٹ حال اسسٹنٹ کلارک مری کلب میاں میر
۲۳۔ امام بخش سوار رجمنٹ نمبر ۱۲ ترپ نمبر ۷ چھاؤنی سیالکوٹ
۲۴۔ غلام رسول خان ہیڈ کانسٹیبل پولیس الہ آباد ساکن الہ آباد ۱۳۔ محرم ۱۵ھ
۲۵۔ شیخ عبد اللہ ولد حاجی نجف علی۔ " " "
۲۶۔ شیخ کریم بخش " " "
۲۷۔ حافظ محمد اصغر علی ولد اکبر علی " "
۲۸۔ شیخ عبد الواحد خانساماں " "
۲۹۔ عبد الغفور خان خانساماں ولد محمد یوسف خان " "
۳۰۔ امام علی ولد رستم علی ہیڈ کانسٹیبل پینشن یافتہ " "
۳۱۔ شیخ منگرو ولد شیخ بخش کنسٹبل پولیس پنشنر
۳۲۔ شیخ رمضان خان ساماں ساکن الہ آباد ۱۳۔ محرم ۱۵ھ
۳۳۔ خدا بخش گوڈ کانسٹبل نمبر ۵۰۸ متعینہ بکار خاص چوکی رتہ امرال علاقہ سٹی راولپنڈی تحریری ۱۴۔

۳۴۔ عبد العزیز خان ولد عبد الرحمٰن خان اسلامیہ ہائی سکول شہر راولپنڈی۔ دوسرا پتہ راولپنڈی محلہ مستری قطب الدین۔ ۱۵۔

۳۵۔ حافظ فتح الدین نمبردار موضع مرار ڈاک خانہ دیال پور حال جالندھر ۱۶۔

۳۶۔ عزیز بخش بی اے محافظ دفتر ڈیرہ غازیخان ولد حافظ صاحب مذکور بالا "

۳۷۔ مولوی حافظ کرم الدین ساکن پوڑاں والہ تھانہ ڈنگہ ضلع گجرات ۱۹ محرم ۱۵ھ

۳۸۔ کرم الدین ولد فیض بخش ساکن ڈنگہ۔ محرم ۱۵ھ " "

۳۹۔ حافظ احمد الدین ولد نور الدین " " "

۴۰۔ احمد الدین ولد علی محمد ساکن ڈنگہ۔ ۱۹۔ محرم ۱۵ھ

۴۱۔ احمد الدین ولد پیر بخش " "

۴۲۔ حکیم نور محمد مالک شفاء خانہ

۴۳۔ محمد خان نمبردار جستروالہ تحصیل اجنالہ۔ ضلع امرتسر "

۴۴۔ حافظ ملک محمد ولد رحیم بخش ساکن بٹالہ۔ "

۴۵۔ سید ارشاد علی شاہ صاحبزادہ خصیلت علی شاہ ڈنگہ ضلع گجرات

۴۶۔ اللہ دتا ولد نور محمد ساکن کمبو ضلع امرتسر "

۴۷۔ عبد اللہ ولد خلیفہ رجب الدین لاہور "

۴۸۔ غلام محمد ولد بوٹا کشمیری طالب علم ڈیرہ بابا نانک "

۴۹۔ سلطان احمد ولد حافظ فضل احمد لاہور محلہ ستھاں ۱۹۔ محرم ۱۵ھ

۵۰۔ الٰہی بخش ولد صابر محلہ مانگیاں خاص گجرات پنجاب۔ "

۵۱۔ امام الدین ولد نظام الدین ساکن تہ غلام نبی قریب قادیان "

۵۲۔ گل حسن کلرک ریلوے دفتر لاہور ولد مولوی محمد کامل ساکن ڈنگہ

۵۳۔ عبادت علی شاہ ولد امام شاہ ساکن ڈڈوان ضلع گورداسپور ڈاکخانہ دھاری وال "

۵۴۔ تاج الدین ولد نبی بخش کلرک دفتر ریلوے لاہور "

۵۵۔ علی محمد طالب العلم بی اے کلاس مشن کالج لاہور "

۵۶۔ محمد عظیم ولد قطب الدین دفتر ریلوے لاہور "

۵۷۔ میاں جی عبد الحمید ساکن حمارو ریاست پٹیالہ علاقہ راجپورہ

۵۸۔ روشن الدین ساکن بھیرہ ضلع شاہ پور ظروف ساز

۵۹- اللہ ودہایا طالب علم جماعت دوم مڈل سکول پنڈی بھٹیاں ضلع گوجرانوالہ
۶۰- شیخ احمد علی ولد محمد بخش زمیندار بازید چک ضلع گورداسپور ۲۰- محرم ۱۵ھ
۶۱- نور محمد ولد مراد بخش چغتائی زمیندار ساکن ڈھونی ضلع منٹگمری "
۶۲- عبد الرشید ولد میاں محمد سیدوالہ ضلع " "
۶۳- حکیم محمد حسین ولد سرفراز حسین
۶۴- غلام قادر ولد غلام محمد قریشی ساکن قادیان -۲۱- محرم ۱۵ھ
۶۵- شیخ امیر ولد احمد بخش گکے زئی ساکن تہ غلام نبی قریب قادیان
۶۶- غلام احمد ولد محمد بخش امام مسجد بھڑیال ضلع سیالکوٹ "
۶۷- غلام غوث ولد بوٹا کمہار - قادیانی "
۶۸- امیر ولد جیوا زمیندار کھارا قریب قادیان
۶۹- گلاب ولد محکم ارائیں احمد آباد ضلع گورداس پور
۷۰- شیخ ظہور احمد ولد شیخ نور احمد سنگ ساز و پریس مین مالک مطبع ریاض ہند امرتسر ہال بازار۔
۷۱- شاہ نواز ولد محمد بخش قوم خواجہ ڈنگہ ضلع گجرات پنجاب۔
۷۲- عیدا ولد شادی کمہار قادیانی ۲۱-
۷۳- دین محمد ولد فتح محمد " "
۷۴- صدر الدین ولد رحیم بخش " "
۷۵- بڈھا ولد فتح دین تیلی " "
۷۶- دین محمد ولد بھاگا لوئی باف " "
۷۷- حسینا ولد موتی شاہ فقیر قادیان " "
۷۸- امام الدین ولد بڈھا ارائیں " "
۷۹- نور محمد ولد لاڈا خواجہ " "
۸۰- حامد علی ولد محکم ارائیں قادیانی ۲۱- محرم ۱۵ھ
۸۱- میراں بخش ولد اللہ دتا قصاب " "
۸۲- لسو ولد اکبر لوئی باف " "
۸۳- شیخ محمد ولد غلام قادر امام مسجد قادیان " "
۸۴- فقیر محمد ولد سبحان لوئی باف کشمیری فیض اللہ چک قریب قادیان

۸۵- کیون ولد داتا شیخ خواجہ قادیان فیض اللہ چک قریب قادیان

۸۶- شرف الدین ولد بڈھا کمہار " "

۸۷- فتح دین ولد رلدو کمہار ڈلہ ضلع گورداسپور "

۸۸- عبد اللہ ولد حکم الدین ارائیں قادیان ۲۱ محرم ۱۵

۸۹- لبھو ولد سدا بافندہ

۹۰- لشاولد الیاڈوگر کمہارا ضلع گورداسپور "

۹۱- امیر ولد دینا کمہار قادیان "

۹۲- نور محمد ولد محمد شفیع افغانی منڈی سکیت۔ "

۹۳- نتھو ولد شاہ دین کمہار قادیان "

۹۴- چراغ دین ولد سدا بافندہ قادیان ۲۱ محرم ۱۵ھ

۹۵- بوٹا ولد حیات حجام قادیان "

۹۶- شیخ محمد عمر ولد مولوی ولی اللہ کشمیری دروازہ کاپی نویس مطبع راج پریس سنگرور ریاست جیند معہ اہل بیت - ۲۱ - محرم " تحریری

۹۷- محمد موسیٰ رضا بنگلور لشکر بنیا چی کویل اسٹریٹ -

۹۸- محمد عبد الرزاق بن محمد یعقوب مرحوم بنگلور لشکر قدیم پولیس لین سی مکان نمبر ۴ " "

۹۹- فتح الدین معہ اہل بیت.... مولوی جمال الدین صاحب موصوف ۲۲- محرم ۱۵ھ

۱۰۰- جان محمد رائی بجن قوم کہرل " "

۱۰۱- اسمٰعیل ساکن سیدوالہ "

۱۰۲- احمد الدین ولد مراد ساکن ڈھونی ضلع "

۱۰۳- مائی مسماۃ امام بی بی سکنہ سیدوالا "

۱۰۴- مائی مسماۃ ٹھری بنت روشن اعوان ساکن ڈھونے "

۱۰۵- شیخ فیض اللہ ولد نجیب اللہ خانوی قریشی اولاد حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ ساکن جیند ۲۳- محرم ۱۵ھ ہمشیرہ زادہ قانتہ یوسف علی... نعمانی حال نائب داروغہ نابھہ

۱۰۶- امام الدین ولد بڈھا ارائیں قادیان

۱۰۷- جیون ولد داتا قادیان

۱۰۸- عیدا ولد نکا نجار قادیان

۱۰۹۔ خیرالدین ولد منگل نمبردار قادیان
۱۱۰۔ میاں جی شیخ محمد ولد علی محمد ڈیری والا قریب.... "
۱۱۱۔ ماہی ولد عمرا کمہار "
۱۱۲۔ وزیر ولد مصدی جٹ بھینی قریب "
۱۱۳۔ ....و کتھو جٹ بھینی
۱۱۴۔ غلام دین ولد کتھو بھینی
۱۱۵۔ باجا ولد امیر "
۱۱۶۔ کما ولد......... "
۱۱۷۔ محمد بخش نجار ولد قطب الدین "
۱۱۸۔ غلام محمد ولد نور محمد " ....
۱۱۹۔ رحیم بخش ولد کریم بخش جہلم...... مولوی نعمان کی مسجد "
۱۲۰۔ محمد علی بدو ملہوی حال وارد تلواڑہ تحصیل رعیہ ضلع سیالکوٹ ۲۳۔ محرم ۱۵ھ
۱۲۱۔ سید عالم شاہ

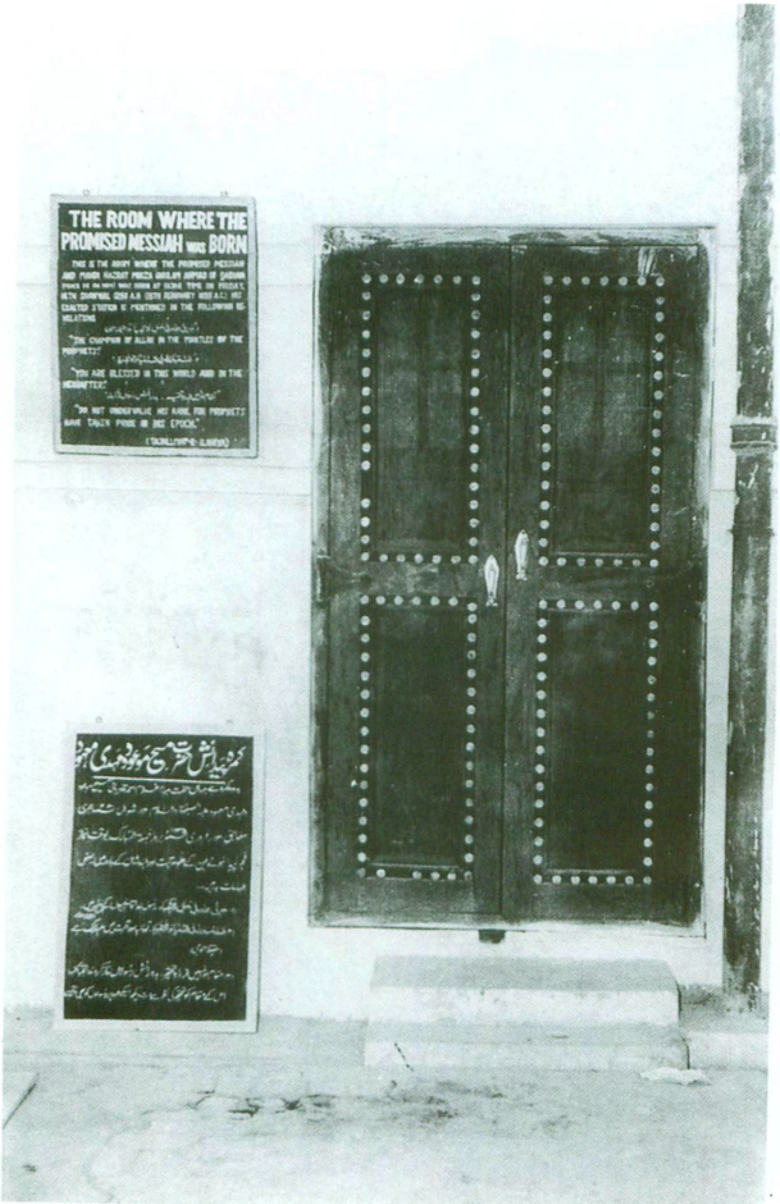

دارالمسیح میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا کمرہ ولادت

کمرہ ولادت حضرت مصلح موعودؓ

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی مبشر اولاد

دائیں طرف کھڑے (۱) حضرت مرزا بشیر احمد صاحب (۲) حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب المصلح الموعود (گود میں حضرت صاحبزادہ مرزا مبارک احمد صاحب مرحوم)۔

(۳) حضرت مرزا شریف احمد صاحب۔ پیچھے دائیں طرف سے (خادمہ کی گود میں)

(۱) حضرت سیدہ نواب مبارکہ بیگم صاحبہ (۲) حضرت میر محمد اسحاق صاحب

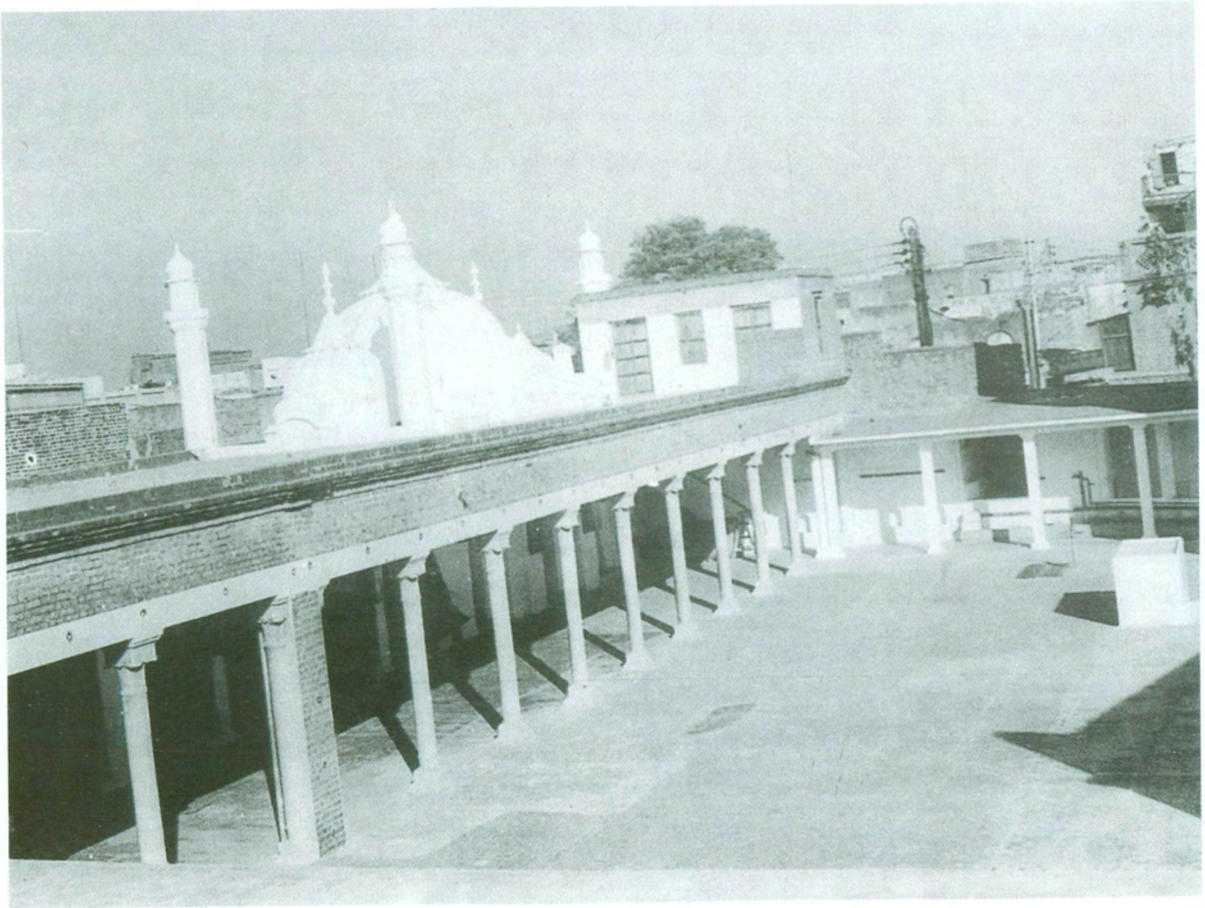

مسجد اقصیٰ قادیان

مسجد مبارک قادیان

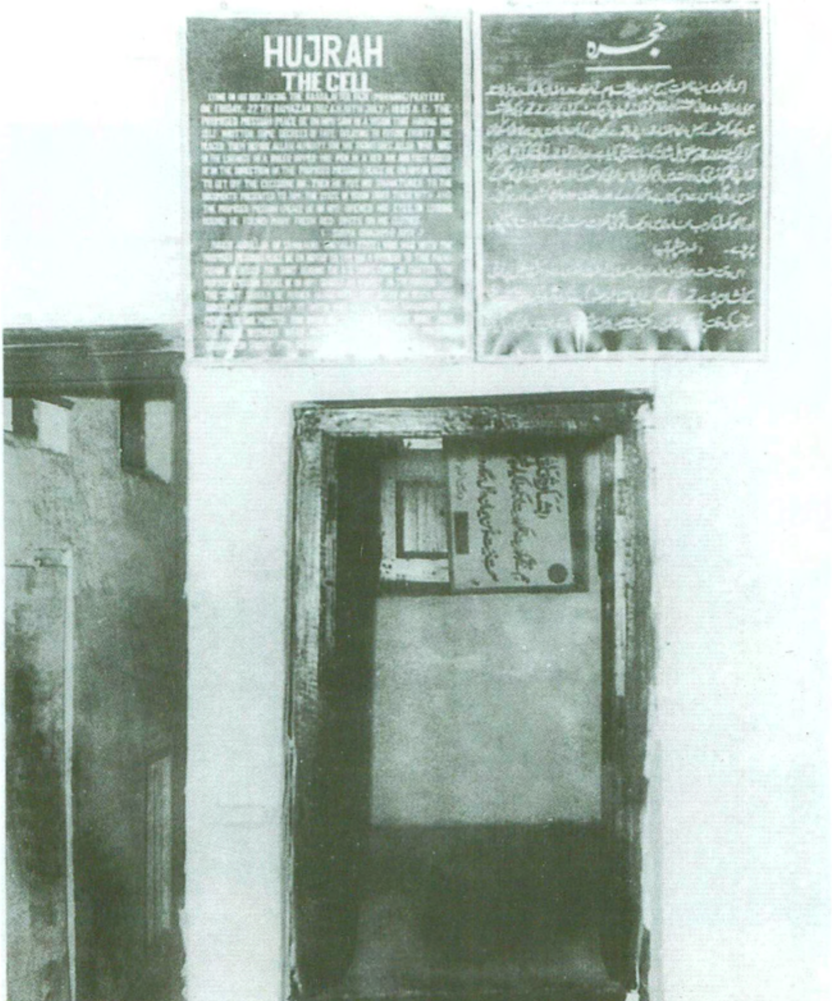

سرخ سیاہی والے نشان کا کمرہ

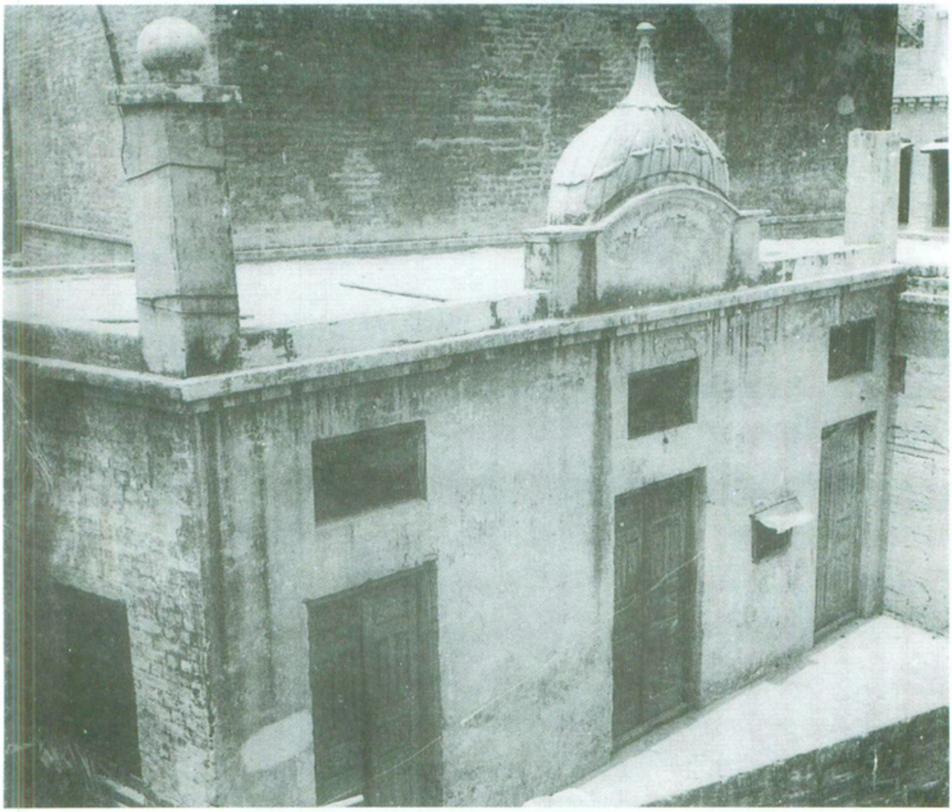

دارالبیعت لدھیانہ

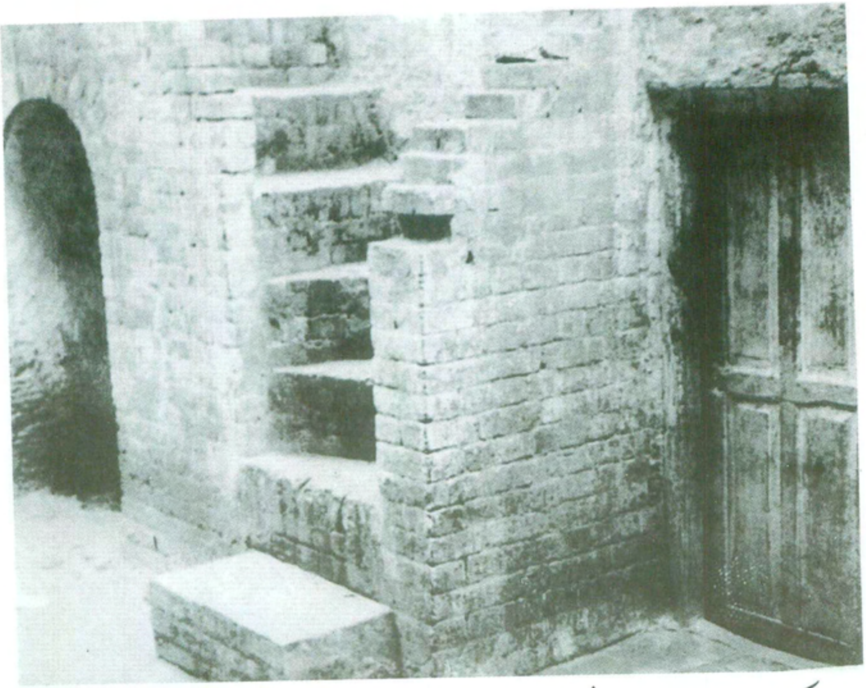

سیالکوٹ میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی رہائش گاہ کا ایک منظر

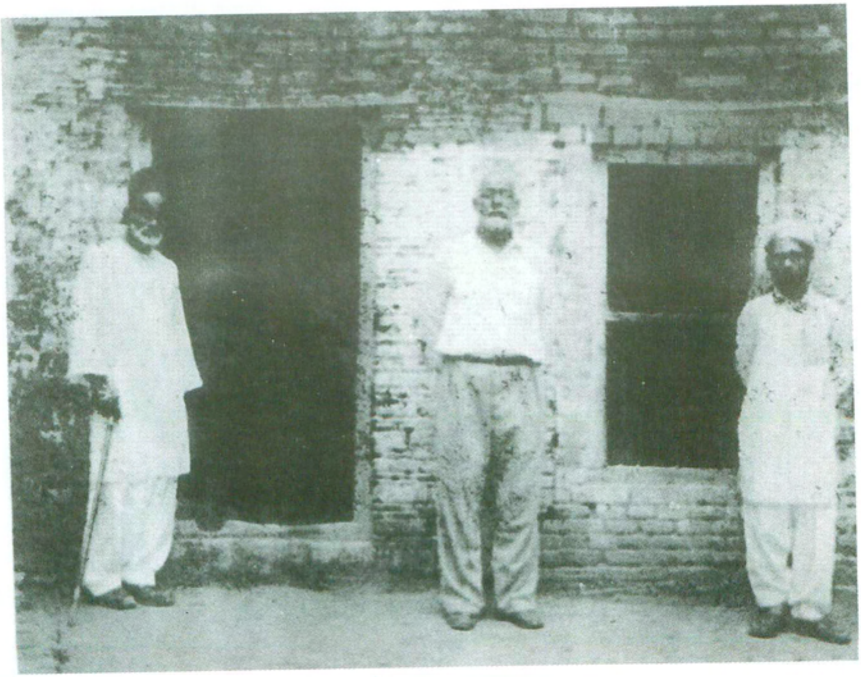

اسی مکان کا بیرونی منظر

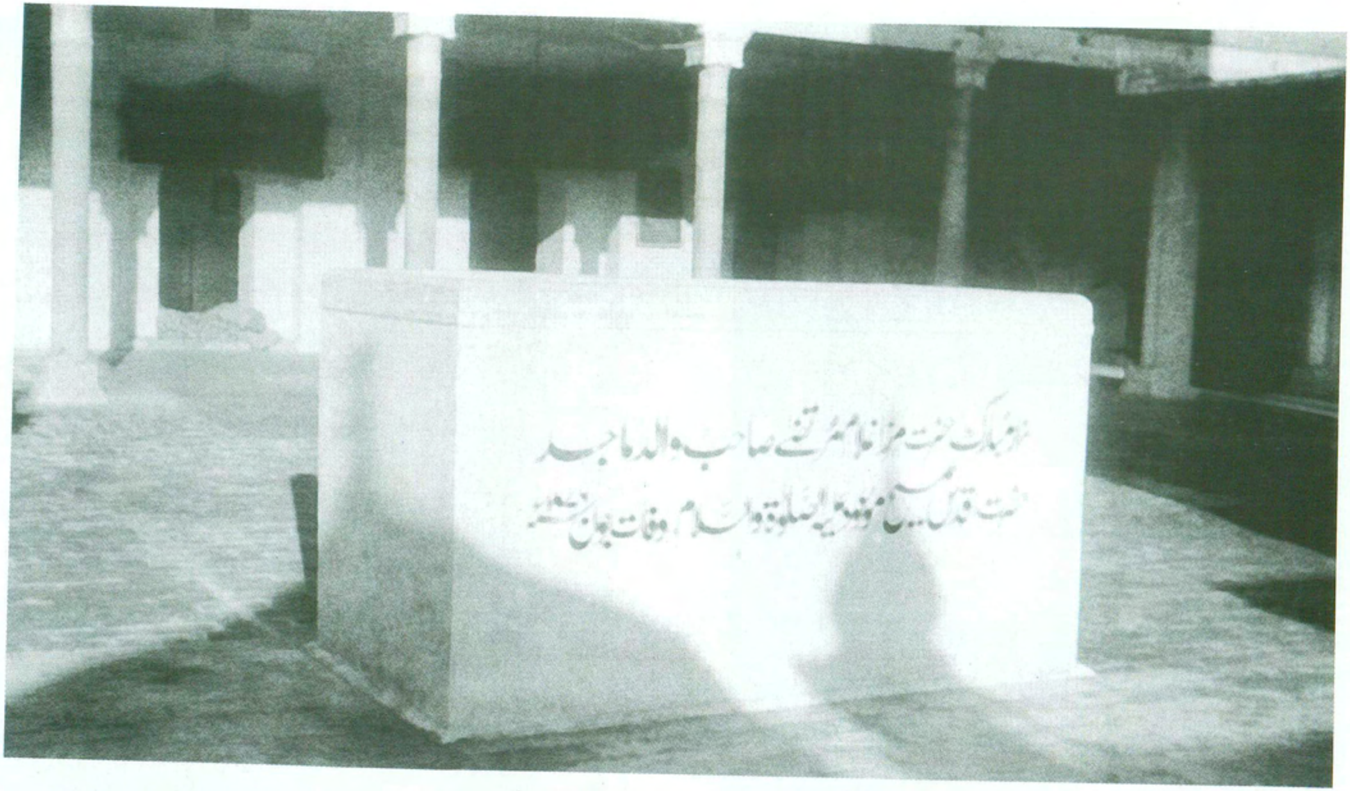

مزار مرزا غلام مرتضٰی صاحب والد ماجد حضرت مسیح موعود علیہ السلام

سیالکوٹ کی وہ مسجد
(کوچہ میر حسام الدین)
جہاں حضور نے دعویٰ
ماموریت سے پہلے اور
بعد میں نمازیں ادا کیں

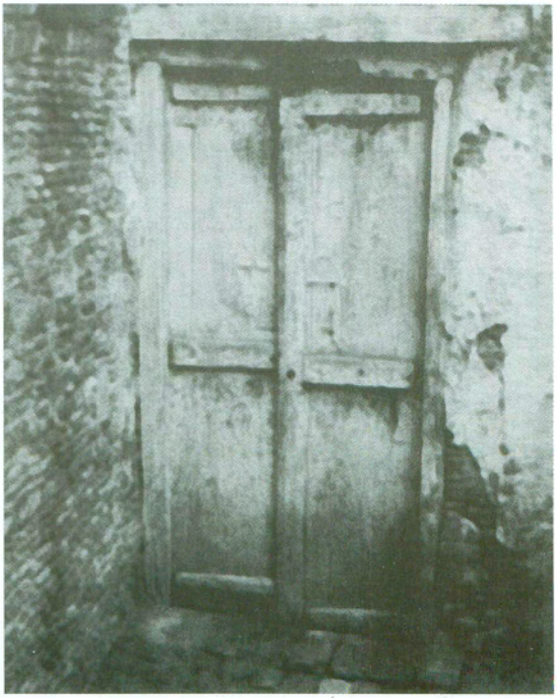

سیالکوٹ میں حضرت
مسیح موعود علیہ السلام
کی رہائش گاہ کا بیرونی
دروازہ

مسجد کے بائیں طرف کا وہ حصہ جہاں ڈاکٹر سر محمد اقبال اور دوسری شخصیات نے ۱۸۹۲ء میں حضرت مسیح موعودؑ کا لیکچر سنا تھا

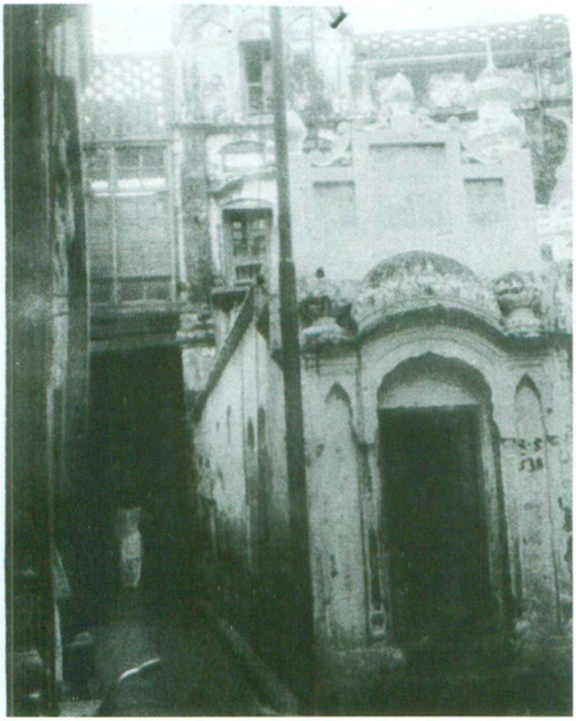

مسجد کے سامنے کا چوبارہ جہاں ۱۹۰۴ء میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام لیکچر سیالکوٹ کے دوران قیام فرما ہوئے۔

حواشی

۱۔ حضرت شیخ یعقوب علی صاحب تراب احمدیت کے پہلے صحافی ہی نہیں اولین مورخ بھی تھے آپ کی ولادت نومبر ۱۸۷۵ء میں ہوئی اور ۵۔ دسمبر ۱۹۵۷ء کو سکندر آباد میں انتقال فرمایا۔ آپ کی پوری عمر جماعت کی قلمی خدمت میں گزری ہے خصوصاً تاریخ احمدیت سے آپ کو آخر تک ایک خاص شغف تھا۔ چنانچہ آپ نے اپنی صحافتی اور دیگر علمی فرائض کے ساتھ ساتھ "حیات النبی" اور "حیات احمد" کے نام پر متعدد جلدوں میں حضرت مسیح موعود کی حیات طیبہ کے حالات شائع کئے جو ابتداء سے ۱۹۰۰ء تک کے واقعات پر مشتمل ہیں علاوہ ازیں آپ نے "سیرت مسیح موعود" کے نام پر چار مبسوط جلدیں بھی لکھیں جو آپ کی زندگی میں ہی چھپ کر شائع ہو گئی تھیں۔ مختلف صحابہ یا مذہبی لیڈروں کے نام حضرت اقدس نے جو خطوط لکھے ان کا بہت بڑا قیمتی ریکارڈ بھی آپ نے شائع کر کے محفوظ کر دیا۔ علاوہ ازیں صحابہ مسیح موعودؑ کے حالات مرتب کرنے کی پہلی تحریک (۴۔ مارچ ۱۹۲۰ء کو) آپ ہی نے کی اور پھر نہایت درجہ سعی و جدوجہد سے سینکڑوں عشاق احمد کے سوانح اپنے اخبار الحکم میں شائع فرمادیئے۔ جو ایک مستقل قلمی جہاد تھا (یہاں یہ ضمناً ذکر کر جانا ضروری ہے کہ دوسری تحریک ۱۹۳۷ء میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے فرمائی جس کی تعمیل میں نظارت تالیف و تصنیف قادیان کی طرف سے جناب ملک محمد عبد اللہ صاحب، مولانا شیخ عبد القادر صاحب (سابق سوداگر مل) اور جناب مہاشہ فضل حسین صاحب کو اس اہم کام پر مقرر کیا گیا اور ان کی سعی جدوجہد سے "روایات صحابہ" کا ایک قیمتی ذخیرہ چودہ جلدوں میں تیار ہو گیا۔ جس کا ایک حصہ سلسلہ کے مختلف رسائل میں بھی شائع ہو چکا ہے صحابہ کے سوانح سے متعلق تیسری تحریک جناب ملک صلاح الدین صاحب ایم۔ اے قادیان نے مئی ۱۹۴۵ء سے شروع کی جسے وہ اب تک نہایت خوش اسلوبی سے جاری رکھے ہوئے ہیں۔ چنانچہ آپ کی شبانہ روز کوششوں کا ثمر "اصحاب احمد" اور "مکتوبات اصحاب احمد" کی متعدد جلدوں کی شکل میں ہمارے سامنے موجود ہے جو آپ کا لائق صد تحسین کارنامہ ہے۔

۲۔ "حیات احمد" جلد چہارم صفحہ ۵۸۹

۳۔ ولادت ۲۸۔ اکتوبر ۱۸۹۷ء وفات ۱۹۔ فروری ۱۹۴۴ء مصر میں برسوں تک تبلیغی جہاد میں مصروف رہے۔ وہاں ایک اخبار جاری کیا۔ سلسلہ کے متعلق عربی زبان میں بعض کتابیں بھی شائع کیں اور مخلصین کی ایک جماعت قائم کر دی۔ بلند خیالی اور اولوالعزمی اپنے والد سے ورثہ میں ملی تھی۔ "سیرت ام المومنین" "مرکز احمدیت" اور "تاریخ مالا بار" ایسی اعلیٰ تالیفات آپ کی بہترین علمی یادگار ہیں۔ مرحوم کو ذیابیطس کا عارضہ لاحق تھا۔ مگر مرتے دم تک ایک بہادر سپاہی کی طرح اپنا فرض منصبی ادا فرماتے رہے۔

۴۔ اخبار "الفضل" ۶۔ مئی ۱۹۵۸ء صفحہ ۵ کالم ۲۔۳

۵۔ "سلسلہ احمدیہ" (مولفہ حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب)

۶۔ "الحکم" ۱۴۔ جنوری ۱۹۳۴ء صفحہ ۳

۷۔ حضرت مولانا صف اول کے ان عظیم مجاہدوں میں سے تھے جن کی پوری عمر سلسلہ کی قلمی خدمت میں گزری۔ آپ کی حیرت انگیز علمی قابلیت کے باعث آپ کو جج کا عہدہ پیش کیا گیا مگر آپ نے دیار حبیب میں دھونی رمانے کو ترجیح دی۔ ابتدا تعلیم الاسلام ہائی سکول کے ہیڈ ماسٹر رہے۔ برسوں تک ریویو آف ریلیجنز کی ادارت بھی کی۔ کتاب "قتل مرتد اور اسلام" آپ کے قلم کا ہی شاہکار ہے۔ آپ قرآن مجید کے انگریزی ترجمہ و تفسیر پر مامور ہوئے جس کی تکمیل کے لئے یورپ کا طویل سفر بھی اختیار کیا۔ اور بالآخر پیرانہ سالی کے دامن میں پوشیدہ امراض کا مردانہ وار مقابلہ کرتے اور قرآن پاک کی خدمت کرتے ہوئے ۱۳۔ نومبر ۱۹۴۷ء کو لاہور میں انتقال فرما گئے (تاریخ ولادت ۲۴۔ نومبر ۱۸۷۵ء)

۸۔ ولادت قریباً ۱۸۷۴ء وفات ۲۷۔ اپریل ۱۹۵۶ء۔ حضرت مولوی صاحب کا ایک بڑا کارنامہ یہ ہے کہ آپ حضرت مسیح موعودؑ کے زمانہ میں حضرت مولانا نور الدین صاحب کی ہدایت پر بعض نایاب کتب کی فراہمی کے لئے مصر تشریف لے گئے اور وہاں بعض کتب نقل کر کے قادیان لائے۔ مصر میں آپ نے جامع ازہر سے عربی تعلیم بھی مکمل کی۔ اور تبلیغ سلسلہ بھی کرتے رہے اس لحاظ سے آپ مصر کے پہلے احمدی مبلغ بھی قرار دیئے جاتے ہیں۔ مدتوں تک "مدرسہ احمدیہ" کے مدرس رہے اور قوم کے سینکڑوں نوجوانوں کو علوم اسلامیہ سے روشناس کرایا۔

۹۔ ولادت قریباً ۱۸۵۴ء وفات ۲۸۔ جون ۱۹۴۴ء شہید احمدیت مولانا عبید اللہ صاحب مبلغ ماریشس کے والد ماجد تھے سلسلہ کے

مشہور پنجابی واعظ گزرے ہیں۔

۱۰۔ مولف "فتاویٰ مسیح موعود" ۳۱۳ اصحاب میں آپ کا نمبر ۱۵۰ ہے۔

۱۱۔ والد بزرگوار حضرت چودھری فتح محمد صاحب سیال! آپ نے ۲۹۔ مارچ ۱۹۴۲ء کو ۸۶ سال کی عمر میں انتقال فرمایا۔ صاحب کشف و الہام تھے اور سلسلہ کے ایک بہادر اور غیور سپاہی تھے حضرت مسیح موعود اور اہل بیت سے انہیں فدایانہ محبت تھی۔

۱۲۔ تاریخ وفات ۱۴۔ دسمبر ۱۹۵۲ء عمر ۷۶ سال۔ "کتاب البریہ" سے "حقیقتہ الوحی" تک کی تمام کتب میں سنگسازی کی سعادت آپ کو نصیب ہوئی۔ نیز حضور کی متعدد کتب اور ریویو آف ریلیجنز۔ اردو کے سالہا سال تک کاتب رہے۔

۱۳۔ مرحوم کپور تھلہ کے ایک گاؤں مرار میں حافظ فتح الدین صاحب کے ہاں دسمبر ۱۸۷۴ء میں پیدا ہوئے اور ۱۳۔ اکتوبر ۱۹۵۱ء کو وفات پائی۔ جنوری ۱۸۹۲ء میں جب کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام مباحثہ عبدالحکیم کلانوری کے سلسلہ میں لاہور میں تشریف لائے تھے پہلی مرتبہ حضور کی زیارت کا شرف حاصل کیا ۱۸۹۴ء میں اسلامیہ کالج کے ریاضی کے پروفیسر مقرر ہوئے اور یہیں خواجہ کمال الدین صاحب سے (جو بیعت میں داخل ہو چکے تھے اور کالج کے سٹاف میں شامل تھے) راہ و رسم پیدا ہو گئی۔ دو ڈھائی سال میں جب باہمی تعلقات محبت بہت ترقی کر گئے تو خواجہ صاحب نے انہیں قادیان جانے کی تحریک کی۔ جس پر آپ کے ہمراہ مارچ ۱۸۹۷ء میں قادیان پہنچے۔ اور حضور کی شبانہ روز اہم خدمات دینیہ اور اشاعت اسلام کا جذبہ دیکھ کر شامل احمدیت ہو گئے ("پیغام صلح" ۷۔ ۲۔ جنوری ۱۹۳۳ء صفحہ ۲) آپ ایل ایل بی کا امتحان پاس کر کے گورداسپور میں وکالت کرنا چاہتے تھے۔ اور اس کے لئے انتظامات مکمل بھی کر لئے تھے کہ جون ۱۸۹۹ء میں چند دنوں کے لئے قادیان آئے۔ یہاں حضور کی بعض تالیفات کا انگریزی ترجمہ کرتے ہوئے دو ماہ گزر گئے اسی دوران میں یورپ کے لئے ایک انگریزی رسالہ کی تجویز ہوئی جس کے لئے حضور کی نظر انتخاب آپ پر پڑی اور آپ ہجرت اختیار کر کے قادیان آگئے جہاں چودہ سال تک ریویو آف ریلیجنز کی ادارت اور صدر انجمن احمدیہ کی سیکرٹری شپ وغیرہ مختلف خدمات سرانجام دینے کی سعادت نصیب ہوئی۔ مارچ ۱۹۱۴ء میں نظام خلافت سے الگ ہو کر لاہور چلے آئے اور "احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور" کی بنیاد رکھی۔ ایک مرتبہ سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو آپ خواب میں دکھائے گئے حضورؑ نے ان سے رؤیا میں کہا۔ "آپ بھی صالح تھے اور نیک ارادہ رکھتے تھے آؤ ہمارے ساتھ بیٹھ جاؤ"۔ (البدر یکم اگست ۱۹۰۴ء صفحہ ۴)

۱۴۔ (ولادت قریباً ۱۸۷۸ء) جماعت احمدیہ کی ایک مقدس شخصیت اور صاحب کشف والہام بزرگ ہیں جن پر حضرت مسیح موعودؑ کی عقیدت و برکت نے ایک غیر معمولی عاشقانہ رنگ چڑھا دیا ہے اس آسمانی سلسلہ میں داخل ہونے کے بعد آج تک زبان و قلم سے تبلیغ حق میں سرگرم عمل ہیں حضرت مولانا صوفی بھی ہیں مناظر بھی ہیں اور پنجابی اردو' عربی' اور فارسی کے شاعر بھی!! حیات قدسی کی متعدد جلدوں میں آپ نے اپنی زندگی کے ایمان افروز سوانح شائع فرمائے ہیں جو مشعل راہ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ (وفات ۱۵۔ دسمبر ۱۹۶۳ء)

۱۵۔ سلسلہ احمدیہ کے جید عالم اور صاحب کشف والہام تھے۔ نومبر ۱۸۵۱ء میں بمقام گولیکی (ضلع گجرات) میں پیدا ہوئے ۱۹۲۵ء میں ہجرت کر کے قادیان میں مستقل رہائش اختیار کی اور ۱۲' ۱۳۔ اپریل ۱۹۴۰ء کی شب کو رحلت فرمائی اور مقبرہ بہشتی میں دفن ہوئے۔ آپ کے فیض یافتہ شاگردوں کا حلقہ بڑا وسیع اور احمدیوں' غیر احمدیوں بلکہ غیر مسلموں تک پھیلا ہوا تھا۔ تفصیلی حالات کے لئے ملاحظہ ہو الفضل ۷۔ ۲۔ اپریل ۱۹۴۰ء صفحہ ۴ تا ۶

۱۶۔ حضرت قاضی صاحب کو اخبار "بدر" "الفضل" رسالہ "ریویو آف ریلیجنز" (اردو) "تشحیذ الاذہان" "مصباح" اور "احمدیہ گزٹ" غرضکہ سلسلہ کے اکثر قدیم رسائل و جرائد کی قابل رشک خدمات سرانجام دینے کی توفیق ملی۔ خصوصاً "الفضل" کی اشاعت میں آپ نے نمایاں حصہ لیا۔ چنانچہ حضرت خلیفتہ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں "جب الفضل نکلا ہے اس وقت ایک شخص جس نے اس اخبار کی اشاعت میں شائد مجھ سے بڑھ کر حصہ لیا وہ قاضی ظہور الدین صاحب اکمل ہیں اصل میں سارے کام وہی کرتے تھے اگر ان کی مدد نہ ہوتی تو مجھ سے اخبار چلانا مشکل ہوتا"۔ (الفضل ۴ جولائی ۱۹۲۴ء) قاضی صاحب کے قلم سے آج تک ۳۶ کے قریب تالیفات بھی شائع ہو چکی ہیں جن میں "ظہور المسیح" "ظہور المہدی" اور "الواح الہدیٰ" بہت مشہور ہیں۔ (وفات ۷۔ ۲۔ ستمبر ۱۹۶۶ء)

"تاریخ احمدیت" کے متعلق

عزت ماب مکرم و محترم جناب چودھری محمد ظفراللہ خان صاحب

نائب صدر عالمی عدالت کی رائے

"میرے لئے یہ امر بہت خوشی اور اطمینان کا موجب ہے کہ گذشتہ سال کے دوران میں "تاریخ احمدیت" جلد دوم بھی تیار ہو کر شائع ہو گئی ہے۔ میں نے پہلی جلد کو پھر دوبارہ پڑھا ہے اور دوسری جلد کے ختم کرنے پر میری طبیعت اس قدر متاثر تھی۔ اور میرے دل پر اس قدر شدید احساس تھا۔ کہ گویا میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام کی صحبت اقدس میں کئی گھنٹے متواتر گزار کر اٹھا ہوں۔ مجھے یقین ہے کہ اگر ہمارے نوجوان ان دونوں جلدوں کا بالاستیعاب مطالعہ کریں۔ اور ہر واقعہ کو جو ان کے اندر بیان کیا گیا ہے۔ توجہ اور فکر کی نگاہ سے پڑھیں اور اس پر غور کریں۔ تو وہ اس سے بہت بڑا روحانی فائدہ حاصل کر سکتے ہیں۔ اور انہیں اپنی اپنی دینی اور روحانی تربیت میں بہت مدد مل سکتی ہے۔ گو میں سمجھتا ہوں کہ یہ امر صرف نوجوانوں تک ہی محدود نہیں ہونا چاہیے۔ لیکن نئی پود کے لئے یہ تصنیف بہت بڑی ضرورت کو پورا کرنے والی ہے۔

میں بہت زور سے اپنے نوجوانوں کی توجہ اس طرف مبذول کرانا چاہتا ہوں۔ اور میرے دل میں بہت درد ہے۔ کہ وہ اس موقعہ سے "جو تاریخ احمدیت" کی دو جلدوں کے چھپنے سے میسر آگیا ہے۔ زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھائیں"۔

ملنے کا پتہ : ادارہ المصنفین ربوہ

اشاریہ جلد ۱

(مرتبہ:۔ ریاض محمود باجوہ شاہد)

اسماء .... ۳ تا ۲۴

مقامات .... ۲۵ تا ۳۰

کتابیات .... ۳۱ تا ۴۱

اسماء

آ

آتھم، عبد اللہ ۲۵۴، ۲۶۳، ۲۸۳تا۲۸۶
۵۰۴تا۵۰۹، ۵۱۲، ۵۷۸، ۵۹۳، ۶۲۲

حضرت آدم علیہ السلام ۳۹۷، ۴۱۹

آرتھر کرشن سین، پروفیسر ۴۵

آرچ بشپ آف کنٹربری ۸۹

آرنلڈ ٹوئن بی، پروفیسر ۱۷۱

آسیہ زوجہ فرعون ۳۳۴

ا

ابا یحی (عیسائی مذہب کا لیڈر) ۵۲۸

ابراہیم علی خاں ۱۸۶

ابراہیم لودھی، سلطان ۳۱

ابن حجر، شیخ ۳۰

ابن رشیدی ۲۵

ابوالبشارت عبد الغفور ۵۷۶

ابوالحسن علی ندوی ۵، ۱۷۸، ۳۰۱

ابوالعطاء جالندھری ۳۶۵

ابوالغازی خاں ۲۹

ابوالفضل، شیخ ۲۴

ابوالکلام آزاد ۱۴، ۴۱۸

ابو ہریرہ ؓ ۲۱۲

ابو یوسف محمد مبارک علی ۵۵۸، ۵۶۲، ۵۶۳

احمد (سابق اینڈرسن)۔ امریکہ ۳۰۸

احمد اللہ، حافظ ۶۱۳، ۶۲۳

احمد اللہ، مولوی۔ امرتسر ۳۹۵، ۴۱۴

احمد بیگ، مرزا ۶۱، ۳۱۲، ۳۱۸تا۳۲۷، ۳۳۳

احمد جان، صوفی ۱۷۳، ۱۸۱، ۲۱۷، ۲۳۱تا۲۳۷
۲۴۴، ۲۶۴تا۲۶۶، ۳۳۷، ۳۳۹، ۳۸۰، ۳۸۱

احمد حسین۔ مشہور ناولسٹ ۳۸۴

احمد حسین، بابو ۲۹۹

احمد حسین عظیم آبادی ۵۷۰، ۵۷۱

احمد زکی ابو شادی، ڈاکٹر ۵۳۰

احمد سرہندی، شیخ۔ مجدد الف ثانی ۱۹۹، ۳۳۴

احمد شاہ شائق ۵۴۱

احمد عرب، سید ۳۷۶

احمد علی، مولوی ۴۰۸

احمد علی، مولوی (غیر احمدی) ۴۵۷

احمد کبیر قریشی، شیخ ۶۴۰

احمد محی الدین **العجوز**، الاستاذ ۴۱۸

اخطل۔ شاعر ۵۴۱

ارجن سنگھ۔ مدیر "رنگین" امرتسر ۱۷۹‘ ۲۸۷
ارسطو ۱۷۹
اسماعیل بیگ‘ مرزا ۶۵‘ ۷۵‘ ۲۰۸‘ ۲۲۵‘ ۵۱۸
اسماعیل شہید‘ سید ۵۰‘ ۲۰۲
اسماء رجسٹر بیعت اولیٰ ۳۴۴ تا ۳۶۲
اسماء حاضرین جلسہ سالانہ ۱۸۹۱ء ۴۴۰۔۴۴۱
اسماء تین سو تیرہ رفقاء ۵۷۹ تا ۵۸۳
اسماء رفقاء ۱۸۹۷ء ۶۴۴ تا ۶۶۲
اشاعتی ۲۷
اشرف علی تھانوی ۲۱۴
اشہد الدین‘ پیر سید ۳۰۹ تا ۳۱۳‘ ۵۵۲
اعجاز احمد‘ شیخ ۴۶۱
اعظم بیگ‘ مرزا ۷۰‘ ۲۲۴‘ ۲۲۶
آفتاب اقبال ۴۶۹
افتخار احمد‘ پیر ۲۰۹‘ ۲۳۳‘ ۲۴۵‘ ۲۶۵‘ ۲۶۶‘ ۴۴۸‘ ۴۹۲‘ ۴۹۳
افلاطون ۱۷۹
اقبال الدولہ‘ نواب ۱۸۶
اکبر حسین رضوی الہ آبادی ۳۹۱
اکبر شاہ ثانی ۳۴
اکبر شاہ خاں نجیب آبادی ۲۱۷
اکبر یار جنگ‘ نواب ۴۷۹
الاکشہ۔ دیسی پادری ۹۲‘ ۹۶
آل حسن قنوجی‘ سید ۳۲۱
الطاف حسین حالی ۳۹۱
الطاف علی خاں ۴۸۴‘ ۴۸۵
الفریڈ نیلسن ۵۳۰
اللہ بخش‘ منشی لدھیانہ ۳۴۱
اللہ بخش تونسوی سنگھڑی‘ میاں ۴۰۱
اللہ داد‘ شیخ منشی ۹۷‘ ۹۸‘ ۹۹
اللہ دتہ‘ مولوی۔ لودھی ننگل ۱۱۹
اللہ دیا لدھیانوی‘ شیخ ۴۸۴
اللہ یار‘ میاں ۷۸
الٰہی بخش‘ مولوی ۹۶
الٰہی بخش اکونٹنٹ‘ منشی ۲۰۹‘ ۲۵۴
الٰہی بخش وکیل ہوشیار پور ۲۹۹
الہ دین واعظ ۴۱۰
الیگزنڈر ڈف ۱۰۶
الیگزنڈر رسل وب ۳۰۶ تا ۳۱۰‘ ۳۱۳‘ ۵۷۳
امام الدین‘ مرزا ۴۱‘ ۱۴۲‘ ۲۵۷ تا ۲۶۰‘ ۲۶۴‘ ۲۷۱‘ ۳۷۱‘ ۳۲۰‘ ۶۰۰
امام الدین‘ میاں ۲۰۸‘ ۲۱۵‘ ۳۷۹‘ ۶۲۴
امام الدین پٹواری‘ منشی ۵۱۴
امام الدین کاتب‘ منشی ۱۸۹
امام الدین گولیکی ۵۷۵‘ ۶۲۳
امان اللہ‘ مرزا ۲۵۵

امتہ الحفیظ بیگم، نواب ۲۴۸، ۶۱۲
امتہ النصیر، سیدہ بنت حضرت مسیح موعود ۲۴۸
امیرالدین، منشی ۲۵۵
امیر حسین، قاضی ۴۹۲، ۴۹۵
امیر شاہ، ڈاکٹر ۹۶
امیر علی، ڈپٹی ۲۳۲، ۲۳۴، ۲۳۵
امیر علی شاہ ۴۲۵، ۴۲۹
اندر من مراد آبادی، منشی ۱۵۴، ۱۵۶، ۱۶۲، ۲۵۴ تا ۲۶۰
۲۶۳، ۲۷۱، ۳۰۲، ۴۷۰
انشاء اللہ، مولوی ۶۰۸
ایجل خاں ۳۱
ایجسن سی یو ۵۱۰
ایروم جی برلاس ۲۴، ۳۰
ایشری پرشاد ۵۵۸، ۵۶۱
ایلنگرا خاں، امیر ۳۱
ایوب بیگ، مرزا ۴۶۸، ۵۳۲، ۶۲۴
ایوب انصاری ۲۴۰

ب

بابر، ظہیرالدین بادشاہ ۲۹، ۳۱، ۳۲، ۴۰، ۴۶
باس ورتھ ۵۳۱
باقر امام ۵۰۱
بالٹرسکسٹن ۵۱۶
بٹلر، پادری ۹۲، ۹۳، ۹۶، ۹۷، ۵۳۱
بختاور سنگھ، منشی ۱۵۶، ۱۵۷، ۲۴۳
برخوردار، حافظ ۲۰۲
برکت علی، مرزا ۴۴۲، ۴۴۹
برکت علی خاں شاہجہانپوری ۶۰۴
برکل امیر ۳۱
بروده کنشه، زائے ۵۵۸، ۵۶۱
برہان الدین جہلمی ۵۳، ۲۰۹، ۳۸۸، ۳۹۸، ۴۴۳
۴۶۸، ۶۱۷، ۶۳۰
بشارت احمد، ڈاکٹر ۲۹۲، ۴۹۵، ۵۴۳، ۶۳۷
بشمبر داس، لالہ ۱۱۵، ۱۱۶
بشن داس ڈاکٹر ۵۹۱
بشن داس ولد رعدا ۲۷۲
بشن داس ولد ھیرا نند ۲۷۲
بشیر احمد ایم۔اے، مرزا ۴۸، ۱۳۳، ۲۲۰، ۲۴۸، ۲۹۱، ۲۹۲
۳۴۴، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۷۳، ۳۸۰ تا ۳۸۲
۴۷۸ تا ۴۸۱، ۴۸۷، ۵۸۷، ۶۰۰، ۶۱۲
بشیرالدین محمود احمد صاحبزادہ مرزا خلیفۃ المسیح الثانی
۲۴۵
۲۸۲، ۲۸۴ تا ۲۸۹، ۲۹۲
۳۲۱، ۳۶۷، ۳۸۲، ۶۰۰
بشیر اول، صاحبزادہ ۲۷۷، ۲۸۱، ۲۸۲، ۲۸۴
۲۹۰، ۳۲۷، ۳۳۶، ۵۰۸
بشمشر داس ۵۹۵

بلا سنگھ ۹۹، ۱۰۰

بندرو ناتھ ٹیگور ۱۴۳

بوانی داس ایم-اے، رائے بہادر ۵۵۶، ۵۷۳

بوٹا کشمیری، میاں ۸۵

بوڑیخاں، ڈاکٹر ۵۷۵

بہادر شاہ ثانی ۳۴

بہادر شاہ ظفر ۱۶۸

بہاؤالدین جون پوری، شیخ ۳۱

بیٹ مین، پادری ۱۱۵

بیچارام چٹرجی، بابو ۵۵۸، ۵۶۱

بیج ناتھ، پنڈت ۲۷۲

بیدی بابا ۵۳۵

بیزجی، مسٹر ۵۷۳

بیکن ۱۷۹

بھارا مل ۲۷۲

بھانووت پنڈت ۵۵۸

بھگوتی سہائے ۲۵۵

بھیم سین، لالہ ۵۵، ۵۹، ۸۳، ۸۶، ۸۷، ۹۵، ۹۸، ۹۹، ۱۴۸، ۱۹۳

پ

پامرسٹن، لارڈ ۸۹

پرتول چندر چٹرجی، بابو ۵۵۶، ۵۷۳

پرکسن ۹۶

پرنسب ۸۶

پریم داس ۶۳۰

پیا-وکیل ۵۲۶

پیراں دتہ ۳۹۲

پیرنڈر، ڈاکٹر ۱۶

پیری، ڈاکٹر ۵۹۱

پیلاطوس اول ۵۲۵، ۶۳۶

پھجو خادمہ ۶۰۰

ت

تاج الدین اکونٹنٹ، منشی ۵۳۲

تارا چند منشی ۲۷۲

تارا سنگھ ۳۲

تائی صاحبہ ۳۲۵

تیجا سنگھ ۸۲، ۸۶

تیمور بیگ، امیر ۲۴ تا ۲۷، ۳۰ تا ۳۲، ۴۵

ٹ

ٹالسٹائی ۴، ۵۷۳

ٹامس ہاول، پادری ۴۸۴

ٹھاکر داس، پادری جے ایل ۲۶۳، ۲۸۴

ث

ثناء اللہ امرتسری ۱۶۷، ۲۰۹، ۲۶۸، ۲۶۹، ۴۸۸، ۵۵۱، ۵۵۳، ۵۵۸، ۵۶۱

ثناءاللہ پانی پتی، قاضی ۲۰۲

ج

جارج رالن سن ۳۰
جان محمد، میاں ۱۹۳، ۲۰۸، ۲۳۳
جگن ناتھ وکیل، پنڈت ۲۹۹
جلال الدین، سلطان ۳۱
جلال الدین رومی ۲۷۴
جلال الدین سیوطی ۲۱۴
جلال الدین شمس ۲۱۵
جلال دین ۶۳۲
جمال احمد، حافظ ۳۲۴
جمال الدین احمد ہانسوی ۳۱، ۲۱۵، ۲۵۲
جمال الدین۔ سیدوالہ ۶۱۷
جمال الدین سیکھوانی، میاں ۲۰۸، ۳۷۹، ۶۲۴، ۶۲۵
جمال کشمیری ۱۴۵
جمال الدین افغانی ۲۱۶
جمیعت بیگ، مرزا ۶۱
جنت بی بی، صاحبزادی ۵۰، ۱۰۴
جواہر سنگھ، سردار ۵۵۶، ۵۵۸
جودھ سنگھ ۳۲
جہاں داد خاں، راجہ ۶۰۵ تا ۶۰۷
جیمز، عبداللہ ۳۷۸
جیون داس، لالہ ۱۵۳، ۱۵۶، ۱۵۹، ۲۶۳، ۳۰۰، ۳۰۲
جھنڈا سنگھ ۷۹

چ

چارلس وڈ ۸۹
چراغ الدین، میاں۔ امرتسر ۳۹۶
چراغ الدین، میاں۔ لاہور ۴۵۴
چراغ بی بی صاحبہ ۱۰۱تا۱۰۳
چراغ بی بی صاحبہ ۲۴۶
چراغ علی خان ۱۸۶
چغتائی خاں ۳۱
چنگیز خان ۲۴، ۲۵، ۳۱

ح

حاجی برلاس ۲۴، ۳۱
حامد شاہ، سید میر ۱۰۷، ۲۰۸، ۴۴۳، ۴۴۸، ۴۶۰
حامد علی، حافظ شیخ ۸۸، ۲۰۸، ۲۱۴تا۲۱۶، ۲۳۳، ۲۴۴، ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۷۸، ۳۳۸، ۳۴۱، ۳۶۴، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۹۲، ۳۹۹، ۴۲۵، ۴۹۵، ۵۳۳
حبیب، سید۔ مدیر ”سیاست“ ۲۸۹
حبیب الرحمٰن، منشی ۲۷۲
حبیب الرحمٰن سراوہ، منشی ۴۴۸
حرمت بی بی صاحبہ ۶۱
حسام الدین، حکیم میر ۸۶، ۹۷، ۹۸، ۱۴۸، ۴۵۹
حسام الدین، مولوی۔ پادری ۵۱۵
حسن، امام ۱۲۸، ۱۲۹، ۲۴۲
حسن بخش قریشی، مخدوم خان بہادر ۶۴۰

حسن بصری ۲۷۲
حسن شاہ مودودی دہلوی، سید ۵۵۳
حسن علی بھاگلپوری، مولوی ۲۰۹، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۱۳، ۵۱۴
حسن نظامی، خواجہ ۲۸۸، ۵۴۸
حسینا کشمیری ۱۴۵
حسینا ملاں ۲۵۸
حمیدالدین، قاضی خلیفہ ۳۸۳
حمیداللہ خاں، مولوی ۵۱۵
حیات، حجام ۸۳
حیرت دہلوی، مرزا ۴۲۹
حسین، امام ۱۲۸، ۱۲۹، ۵۰۴، ۵۴۴
حسین احمد مدنی، سید ۳۹۷
حسین کامی ۶۰۴ تا ۶۰۹، ۶۳۸
حیات بی بی، مالی ۸۵

خ

خدا بخش، خان بہادر شیخ ۵۵۶، ۵۶۴، ۵۷۳
خدا بخش، مرزا ۴۴۳، ۵۲۱
خیرالدین سیکھوانی، میاں ۵۶، ۲۰۸، ۲۱۵، ۳۷۹، ۶۲۳ تا ۶۲۵
خیر دین، ڈاکٹر ۶۲۱

د

حضرت دانیال علیہ السلام ۱۲۵
درد، خواجہ میر ۱۳۰، ۲۴۵
درگا پرشاد، ماسٹر ۵۵۵، ۵۵۸، ۵۶۸
دلاور علی، ڈپٹی ۴۱۴
دلیپ سنگھ، مہاراجہ ۶۹
دھنپت رائے، لالہ ۵۵۵
دیارام، حکیم ۲۵۸
دیال سنگھ، سردار ۵۷۳
دیانند سرسوتی، سوامی ۱۵۲ تا ۱۵۴، ۱۵۶، ۱۵۹ تا ۱۶۲، ۱۶۶، ۱۶۸، ۱۸۰، ۲۰۶، ۲۲۸، ۲۲۹
دیر سنگھ ڈی لٹ، بھائی ۵۴۴
دینا ناتھ، لالہ ۶۳۳، ۶۳۵
دین محمد، مرزا ۷۵، ۷۸، ۱۳۰، ۱۳۱، ۲۰۸
دیوا سنگھ ۳۴
دیوان سنگھ ۳۲
دیو پرکاش، پنڈت ۵۹۱
دیوکی نندن، لالہ ۴۸۳، ۴۸۴
دیو نندر ناتھ سہائے ۱۶۴
دیوی رام، پنڈت ۷۲، ۱۳۱

ڈ ۔ ذ

ڈسمنز، آئی۔ آئی۔ پی ۲۴
ڈفرن، گورنر ۲۲۲
ڈگلس، کرنل ۴۵۲، ۶۲۳، ۶۲۶، ۶۲۸، ۶۳۱ تا ۶۳۳، ۶۳۶، ۶۳۷
ڈیون پورٹ ۵۳۱
ذکاء اللہ، مولانا۔ مورخ ۱۶۸

ذوالفقار علی خان، سر ۲۸۹

ر

رابرٹ ایجرٹن ۱۴۱

رابرٹ کسٹ، سر ۱۳۹، ۱۵۰

رابرٹ کلارک ۸۹

راجندر سنگھ، سردار ۶۰۲

راج نرائن بوس، بابو ۱۶۳

رادھا کشن، پنڈت ۵۵۶، ۵۷۳

راس، سرڈی ۳۶۲۵،

رام بھجدت وکیل ۶۲۸، ۶۴۰

رام جی داس ۵۵۸

رام چندر جی، راجہ ۵۹۶

رام داس گوڑا ۱۶۴

رام موہن رائے، راجہ ۱۶۳، ۱۶۴

رانا ڈے ۱۵۲

رجب دین، خلیفہ ۲۵۵

رجب علی، پادری ۱۳۵، ۱۵۶، ۱۸۹ تا ۱۹۱

رحمت اللہ، شیخ ۴۲۵، ۴۴۳، ۴۴۸،
۵۳۲، ۵۳۵، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۸

رحمت علی، مولانا ۵۴۵

رحیم اللہ، مولوی۔ لاہور ۴۰۳، ۴۰۶، ۴۱۶، ۴۴۸، ۴۵۴

رحیم بخش، شیخ ۱۱۸، ۱۲۰، ۱۹۵

رحیم بخش، مولوی۔ p.s نواب آف بہاولپور ۶۳۷

رحیم بخش، مولوی۔ تلونڈی جھنگلاں ۲۰۸

رحیم بخش، مولوی۔ لاہور ۴۴۴

رحیم بخش، مولوی۔ لدھیانہ ۲۳۴، ۲۳۵

رحیم بخش سنوری ۳۴۱، ۳۴۲

رستم علی، چوہدری ۲۰۹، ۲۱۶،
۳۴۱، ۳۸۴، ۵۴۵، ۶۲۳ تا ۶۲۵

رسکن ۴

رشید احمد، مرزا ۴۱

رشید احمد گنگوہی، مولوی ۳۲۳، ۴۰۰،
۴۰۱، ۴۰۲، ۵۵۰، ۵۵۳

رشید الدین، ڈاکٹر خلیفہ ۴۶۸، ۵۶۴

رشید رضا، علامہ ۵۳۰

رلیارام وکیل ۱۳۶، ۱۴۷

رنجیت سنگھ ۳۷، ۳۹، ۴۰، ۴۲، ۴۳، ۵۰، ۱۳۸، ۱۴۰

رو بہادر، مسٹر ۵۵۸

روتھر فورڈ ۱۲۵، ۱۳۵

روشن علی، حافظ ۴۹۲

رؤف بے ۶۱۰

ریاض احمد ریاض خیرآبادی، سید ۳۹۱

ریکلس، ای ۳۰

ریورٹی، ایچ جی ۲۴

ریورنڈ چارلس جان ایلی کوٹ ۱۳، ۵۱۰

ز

زویمر، ڈاکٹر ۱۵

زیملہ کا، ایم۔ اے ۲۸

زین الدین، شیخ ۳۱

زین العابدین سرہندی، قاضی ۲۶۵

س

سارداپرشاد، بابو ۱۵۶، ۱۵۷

سائمکس، سرپرسی ۲۴

سراج الحق نعمانی، پیر ۲۰۷، ۲۰۹، ۲۱۸، ۲۳۶، ۳۴۱، ۳۹۵، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۸تا۴۱۰، ۴۲۵، ۴۳۳، ۴۴۳، ۴۴۹، ۴۹۲، ۵۲۲، ۶۴۳

سراج الدین، ابوالمعظم نواب ۱۷۸

سراج الدین، منشی ۹۴، ۱۴۸، ۳۹۱، ۳۹۲

سراج الدین عیسائی ۶۱۷

سردار بیگم ۳۲۵

سزاوار خان، منشی ۲۵۴

سعد اللہ لدھیانوی ۳۹۳، ۳۹۸، ۴۶۰، ۵۵۱

سعدی شیرازی، شیخ ۱۱۱، ۲۷۰

سکرائن ۲۵، ۲۶

سلطان احمد، مرزا ۴۱، ۶۱، ۶۳، ۶۴، ۶۸، ۷۳، ۷۴، ۱۱۴، ۲۵۹، ۱۱۷، ۱۲۱، ۱۲۳، ۱۳۶، ۲۲۵، ۲۲۶، ۲۵۰، ۲۹۰، ۲۹۱، ۳۸۴

سلطان محمد، مرزا ۳۲۲تا۳۲۶

سلطان محمد پنجم ۶۱۰

سلیمان ندوی، سید ۴۷۹

سلیم پاشا سلعمہ ۶۰۸

سمتھ، پروفیسر ۴۲۰

سمیع اللہ خان فاروقی ۲۸۶، ۴۸۸

سنت رام ۲۷۲

سوچیت سنگھ ۱۴۲

سوغو چھجن ۳۰

سوفرڈ، پادری ۲۵۴، ۲۶۱، ۲۶۳

سہج رام، پنڈت ۸۳، ۸۴، ۸۷

سیتارام مہاجن، لالہ ۲۹۹

سید احمد بریلوی ۵۰، ۱۹۶

سید احمد خان، سر ۸۸، ۹۷، ۹۸، ۱۵۴، ۱۶۶، ۲۱۰، ۳۹۱، ۳۹۷، ۴۸۱، ۴۸۲، ۵۴۵، ۵۶۹، ۵۷۱، ۵۹۵

سید بیگم صاحبہ ۲۴۴، ۲۴۶

سید علی، مولوی ۵۱۵

ش

شادی خاں سیالکوٹی ۴۶۸

شام لال، پنڈت ۱۹۳

شاہجہان بیگم ۱۸۸، ۲۲۱

شاہ دین ۲۳۶، ۴۰۰

شاہ عالم ثانی ۳۳، ۳۴

شاہ نواز ۵۹

شبلی نعمانی ۳۹۱۔۳۹۲

شترنجی، میاں ۲۹۹

شتروگھن، میاں ۲۹۹

شرف الدین، میاں ۱۳۲
شرف الدین یزدی ۲۹
شرمپت، لالہ ۱۱۵، ۱۱۶، ۱۲۱، ۱۵۶ تا ۱۵۹، ۱۸۹، ۱۹۳، ۲۰۶
شریف احمد، صاحبزادہ مرزا ۲۴۸، ۲۹۱، ۲۹۲، ۳۶۴، ۳۶۵، ۵۱۹، ۵۸۷، ۶۱۲
شمس الدین، منشی ۴۵۵
شمس الدین محمد تبریزی ۵۳۶
شمس دین، میاں ۱۸۹
شمعون ۲۷۲
شوکت صاحبہ، صاحبزادی ۲۴۷
شوکت علی، مولانا ۳۹۱
شوگن چندر، سوامی ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۷۰
شولر، ای ۲۷، ۲۸
شو نرائن اگنی ہوتری، پنڈت ۱۳۵، ۱۵۶ تا ۱۵۹، ۱۶۳، ۱۸۰
شہاب الدین دفعدار، میاں ۲۹۹
شہاب الدین غوری ۳۱۴
شیر سنگھ، مہاراجہ ۴۰، ۱۳۹
شیر علی بی۔اے، مولانا ۵۷۳، ۶۴۳
شیر محمد، مولوی ۳۷۹
شیر محمد مجوکہ، ملک ۶۴۰

ص ۔ ض

صاحب جان، مائی ۱۰۳
صاحب خاں نوانہ ۴۰
صادق حسین مختار، منشی ۳۷۹
صادق علی شاہ ۔ رتر چھتر ۵۵۳
صادق محمد خاں، نواب ۵۰۸
صدیق حسن خاں، نواب ۱۸۸، ۲۰۲، ۲۲۱، ۲۲۲، ۳۹۸، ۴۳۱
صغریٰ بیگم صاحبہ اہلیہ حضرت خلیفۃ المسیح الاول ۳۴۲
صفدر علی، مولوی قاضی ۵۱۵
صلاح الدین ایم۔اے، ملک ۲۱۶
ضیاء الدین، قاضی ۴۹۲
ضیاء الدین احمد خاں، نواب ۱۷۷

ط ۔ ظ

طراغائے ۳۱
ظفر احمد کپور تھلوی، منشی ۲۰۹، ۲۱۶، ۳۴۱، ۳۶۸، ۳۷۰، ۳۷۴، ۳۸۱، ۴۱۴، ۴۲۵، ۴۲۷، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۷۳، ۴۸۴
ظفر علی خاں، مولانا ۹۴، ۱۴۸، ۲۸۸
ظہور علی وکیل ۴۵۲

ع

عابد علی، میر ۱۲۷
عالمگیر ثانی ۳۳
حضرت عائشہ صدیقہؓ ۶۳
عباس علی شاہ، میر ۱۷۷، ۱۸۵، ۱۹۴، ۲۰۸، ۲۳۱ تا ۲۴۰، ۲۴۵، ۲۷۲، ۳۳۵، ۳۴۱، ۳۷۶، ۳۷۷، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۶۴
عبد الباری فرنگی محل، مولانا ۳۹۱

عبد الجبار غزنوی، مولوی ۳۲۳، ۴۰۰، ۴۶۷، ۵۵۳
عبد الحق سابق بنسی دھر ۱۳۰
عبد الحق اکونٹنٹ، منشی ۲۰۹، ۲۴۵، ۲۵۴
عبد الحق دہلوی حقانی، مولوی ۴۲۲، ۵۵۳، ۵۷۰، ۵۷۱
عبد الحق غزنوی، مولوی ۴۳۱، ۴۶۵، ۴۶۶، ۵۱۹، ۶۱۰
عبد الحکیم، ڈاکٹر خلیفہ ۲۲
عبد الحکیم کلانوری، مولوی ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۵۷، ۴۵۸، ۶۵۴
عبد الحلیم شرر، مولوی ۳۹۱، ۳۹۲
عبد الحمید ثانی، سلطان ۶۰۴، ۶۰۹، ۶۱۰
عبد الحمید جہلمی ۶۲۰تا۶۲۲، ۶۲۸، ۶۳۰، ۶۳۲، ۶۳۵
عبد الرحمٰن۔ سنور ۲۳۹
عبد الرحمٰن (سابق سنت سنگھ) ۱۶۸
عبد الرحمٰن، ماسٹر (مہر سنگھ) ۴۴۸، ۴۵۳
عبد الرحمٰن، منشی۔ کپور تھلہ ۳۴۱، ۴۶۳
عبد الرحمٰن، مولوی۔ کابل ۵۴۸
عبد الرحمٰن امرتسری، حافظ ۳۸۹، ۶۰۷، ۶۰۸
عبد الرحمٰن خان، امیر۔ والی کابل ۵۴۸
عبد الرحمٰن قادیانی، بھائی ۴۹۲، ۵۴۲، ۵۴۶
عبد الرحمٰن لاہوری، میاں ۵۳۲
عبد الرحمٰن لکھوکے والے، مولوی ۴۰۰
عبد الرحیم، بھائی ۴۹۲، ۵۱۴، ۵۸۳
عبد الرحیم، پادری ۶۲۱
عبد الرحیم، شیخ ۵۳۳
عبد الرحیم، قاضی ۴۹۲
عبد الرحیم درد ۴۴، ۳۶۵
عبد الرحیم نیر ۴۹۲
عبد الرزاق قادری، سید۔ بغدادی ۴۸۹
عبد الرؤف المناوی ۲۱
عبد الشکور، شاہ ۵۳۶
عبد العزیز۔ مدراس میں ترکی کے سفیر ۶۰۷
عبد العزیز، شیخ ۴۶۶
عبد العزیز، ماسٹر۔ سیالکوٹ ۱۰۵
عبد العزیز اوجلوی، میاں ۴۶۸، ۵۴۵، ۶۲۳، ۶۲۴
عبد العزیز دہلوی، شاہ ۲۰۲، ۲۵۲، ۵۴۴
عبد العزیز لدھیانوی، مولوی ۱۸۱، ۲۳۴، ۲۳۵،
۳۹۳، ۴۰۰، ۵۵۱
عبد العزیز مغل، میاں ۴۶۸
عبد الغنی، شاہ ۲۱۰
عبد الغنی اوجلوی، منشی ۶۲۴
عبد الغنی عیسائی ۶۳۲
عبد القادر، شیخ۔ (سابق سوداگر مل) ۶۵۳
عبد القادر، مولوی۔ لدھیانہ ۲۳۱، ۲۳۴،
۲۳۷، ۲۳۸، ۳۳۵
عبد القادر المغربی، الشیخ ۴۱۸
عبد القادر ثانی، شیخ ۳۱
عبد القادر جیلانی، سید ۱۹۶، ۲۵۲، ۲۷۰

عبدالقدوس گنگوہی، شیخ ۳۱

عبدالقدوس، منشی ایڈیٹر "صحیفہ قدسی" ۴۳۳، ۴۳۴

عبدالقیوم، مولوی ۲۱۰

عبدالقیوم ندوی ۴۱۸

عبدالکریم، حکیم مولوی ۳۹۱، ۳۹۲

عبدالکریم سیالکوٹی ۹۹، ۲۱۲، ۲۲۰، ۲۴۸، ۲۴۹، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۶۷، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۸۲، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۲۵، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۴۰، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۵۹، ۴۷۳ تا ۴۷۵، ۴۹۲، ۴۹۳، ۵۲۱، ۵۳۲، ۵۴۵، ۵۶۱، ۵۶۳، ۵۶۵، ۵۶۷، ۵۷۱، ۶۱۷، ۶۳۹

عبداللطیف۔ خلیفہ پیرصاحب العلم ۲۰۹، ۳۱۱، ۵۵۲

عبداللہ، پادری ۴۸۴

عبداللہ، حاجی۔ مرید پیرصاحب العلم ۲۰۶

عبداللہ، مولوی ۳۴۱

عبداللہ آرچی، سر ۵۱۲

عبداللہ انصار۔ ایک صوفی بزرگ ۵۲۹

عبداللہ ایڈووکیٹ، خان بہادر شیخ ۳۹۷

عبداللہ بن ہلال ۲۷۲

عبداللہ بیگ، مولوی ۵۱۵

عبداللہ تبتی، شیخ ۴۰۰

عبداللہ ٹونکی ۵۵۳، ۵۵۸، ۵۶۴

عبداللہ حکیم، میاں ۲۹۹

عبداللہ چکڑالوی ۲۷۱

عبداللہ سنوری ۱۹۸، ۲۰۹، ۲۳۹، ۲۶۷، ۲۶۸، ۲۷۴ تا ۲۷۷، ۳۳۸، ۳۴۱، ۳۶۳ تا ۳۶۷، ۳۷۰، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۸۰، ۳۹۲، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۳۶

عبداللہ عرب، حاجی ۳۰۷ تا ۳۱۱، ۵۵۲

عبداللہ غازی، شاہ ۱۰۳

عبداللہ غزنوی ۱۳۲، ۱۳۳، ۱۳۶، ۱۶۴، ۱۷۷، ۲۰۸، ۲۰۹، ۳۶۶

عبداللہ مجتہد، مولوی ۴۱۰

عبداللہ النہشادی الغزی ۴۱۸، ۵۳۰

عبداللہ ہارون، سیٹھ ۴۷۹

عبدالماجد دریاآبادی، مولانا ۴۷۹

عبدالمجید، شہزادہ ۲۳۱، ۲۴۰، ۲۶۵، ۳۹۵، ۳۹۸، ۴۶۸، ۵۵۳

عبدالمجید انصاری، مولوی ۴۲۴

عبدالمجید خادم سوہدروی ۲۱۶

عبدالمجید کپورتھلوی، خان ۴۶۸، ۴۷۵

عبدالمغنی۔ جہلم، مولوی ۵۷۵، ۵۷۷، ۵۸۳

عبدالمنان وزیرآبادی ۵۵۳

عبدالمنصور، مولوی ۱۶۲

عبدالواحد منشی۔ تحصیلدار ۶۴

عبدالواحد غزنوی ۵۵۳

عبدالوحید خلیفہ۔ ترکی ۶۱۰

عبدالوہاب النجار ۴۱۸

عبیداللہ مولانا ۶۵۳

عبیداللہ بسمل ۵۰۳، ۵۰۴

عدنان ڈاکٹر ۶۱۰

عزیز احمد، مرزا ۴۱

عشق علی خان ۲۳۸

عصمت صاحبہ، صاحبزادی ۲۴۷، ۲۸۱، ۲۸۲

عطا محمد، شیخ ۴۶۰، ۴۶۱

عطا محمد، مرزا ۳۴، ۳۸، ۴۰، ۱۰۴، ۱۵۰

عطا محمد منشی۔ امرتسر ۴۹۱

عطر سنگھ، سردار ۱۸۶

عظیم، میاں ۶۲۴

عظیم بخش حافظ۔ پٹیالہ ۳۸۸

علاء الدین خاں، نواب مرزا ۱۸۶

علم دین، ڈاکٹر ۳۹۸

حضرت علیؓ ۲۸، ۳۲۶

علی لدھیانوی، قاضی خواجہ ۲۳۱، ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۳۸، ۳۴۱، ۳۷۵، ۴۱۰

علی احمد بھاگلپوری، پروفیسر ۴۶۸

علی احمد وکیل، شیخ ۱۴۷، ۱۴۸، ۶۲۴، ۶۲۵

علی بن شریف مصطفیٰ، سید ۴۹۹

علی شیر، مرزا ۶۱

علی طائع۔ مکہ ۴۹۹

علی قادری ۲۰۰

علی گوہر۔ کپور تھلہ ۴۶۳

علی محمد خاں، نواب ۲۳۱، ۲۳۳، ۲۳۶، ۲۳۸، ۳۹۴، ۴۱۰

علی محمد شاد عظیم آبادی، سید ۳۹۱

علی میاں، حافظ سید ۴۷۰

عماد الدین، خلیفہ ۵۶۴

عماد الدین، پادری ۲۵۴، ۲۶۳، ۵۰۰، ۵۱۱

عمر کشمیری ۹۸، ۹۹

عمر الدین شملوی ۳۸۹، ۳۹۰

عمر دراز، حافظ ۱۲۳

عمر النساء صاحبہ ۳۳۳

عمر ہیوبرٹ رہنکن ۵۱۶

عنایت اللہ، مولوی ۳۹۶

عنایت اللہ المشرقی، علامہ ۴۹۱، ۵۲۴، ۵۲۵

عنایت بیگم ۳۲۵

عنایت علی، سید میر ۲۳۳، ۲۳۵، ۲۳۸

حضرت عیسیٰ علیہ السلام ۴، ۲۲۷، ۲۵۳، ۳۸۴، ۳۹۵، ۴۰۵، ۴۰۷، ۴۲۵، ۴۳۶، ۴۵۲، ۴۸۵، ۵۱۷، ۵۲۳ تا ۵۳۰، ۶۱۵، ۶۱۶

غ

غزالی، امام ۱۹۶

غفارا، میاں ۷۵، ۱۴۵، ۲۴۰

حضرت غلام احمد قادیانی، مرزا۔ مسیح موعود مہدی معہود ۱، ۱۷، ۲۳، ۴۱، ۴۲، ۴۸، ۵۱، ۵۲، ۷۹، ۹۴، ۱۲۷، ۱۴۲، ۱۶۴، ۱۶۷، ۱۷۴، ۱۷۶، ۲۲۴، ۲۳۶، ۲۴۴، ۲۶۵، ۳۰۳، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۹، ۳۳۴، ۳۹۴، ۴۳۲، ۴۵۵، ۴۷۴، ۵۱۴، ۵۵۸، ۵۶۰، ۵۶۷، ۵۶۹، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۹۲، ۵۹۳، ۶۲۱، ۶۲۳، ۶۳۳

غلام الحسنین خواجہ پانی پتی ۱۶۸

غلام اللہ قصوری ۴۶۸

غلام اللہ، مرزا ۲۰۸

غلام امام، مولوی۔ منی پور ۴۶۸

غلام جیلانی، مرزا ۲۳

غلام حسن۔ رئیس امرتسر ۲۵۴

غلام حسن پشاوری ۴۴۸، ۵۷۷

غلام حیدر شہزادہ ۴۲۱

غلام حیدر مرزا ۱۰۴

غلام حیدر خان، راجہ۔ ریڈر ۶۲۳، ۶۲۶، ۶۳۱

غلام دستگیر قصوری ۴۰۰، ۵۵۱، ۵۵۳

غلام رسول، مولوی آف قلعہ میاں سنگھ ۵۳، ۵۹

غلام رسول مولوی عرف رسل بابا ۵۰۳، ۵۵۱

غلام رسول راجیکی ۶۴۳

غلام رسول مدرس ہوشیار پور ۲۹۹

غلام رسول وزیر آبادی، حافظ ۶۴۳

غلام غوث، ڈاکٹر ۴۴۲

غلام فرید، خواجہ ۴۷۶، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۳

غلام قادر۔ سنور ۲۳۹

غلام قادر، مرزا ۴۰، ۴۱، ۵۰، ۵۱، ۶۲، ۷۰، ۱۰۳، ۱۲۳
۱۳۰، ۱۴۴، ۱۴۵، ۲۲۳تا۲۲۶، ۳۲۵

غلام قادر فصیح، منشی ۴۱۰، ۴۱۳، ۴۲۵، ۴۴۳، ۴۶۶،
۴۸۴، ۵۲۱، ۵۳۲

غلام محمد، حاجی ۳۳۴

غلام محمد، صوفی ۱۳۵، ۵۴۱، ۵۴۵

غلام محمد مولوی، بیگووالہ

غلام محمد، مولوی۔ کپور تھلہ ۴۶۲

غلام محمد امرتسری خوشنویس ۴۹۵

غلام محمد سیالکوٹی، منشی ۵۲۱، ۵۷۳

غلام محمد گلگتی، خاں بہادر ۴۶۸

غلام محی الدین، مرزا ۲۳، ۴۰، ۴۱، ۱۰۴، ۲۱۹

غلام محی الدین قصوری ۴۶۱

غلام مرتضیٰ بھیروی ۴۳۶

غلام مرتضیٰ مرزا ۲۳، ۳۴، ۳۹تا۴۱، ۵۰، ۵۲، ۵۴، ۵۹،
۶۴، ۶۵، ۶۹، ۷۰، ۷۳، ۷۹، ۸۰، ۱۰۱، ۱۰۲، ۱۰۸، ۱۲۲،
۱۳۰، ۱۳۱، ۱۳۸، ۱۳۹، ۱۴۱، ۱۴۴

غلام نبی، حکیم ۶۳۳

غلام نبی، میاں ۱۱۰

غلام نبی خوشابی، مولوی ۴۰۳تا۴۰۵، ۴۱۶، ۴۴۸

غلام نبی مصری، مولوی ۶۴۳

غلام نظام الدین ۵۵۳

غیاث الدولہ ۳۳، ۳۶

ف

حضرت فاطمۃ الزہراءؓ ۱۲۸، ۱۲۹

فاطمہ بیگم خادمہ حضرت اماں جان ۲۴۶

فتح الدین، حافظ ۶۵۴

فتح الدین مولوی۔ سیالکوٹ ۶۳، ۶۴

فتح چند ۲۷۲

فتح خاں آف ٹانڈہ ۲۷۵، ۲۷۶

فتح دین، بابو ۷۳

فتح دین مدرس، مولوی ۲۹۹
فتح سنگھ، راجہ ۳۴، ۴۰
فتح علی خان قزلباش، نواب ۵۵۸
فتح محمد سیال ایم۔اے، چوہدری ۳۹۲، ۶۵۴
فتح مسیح، پادری ۳۲۷تا۳۳۰، ۳۳۴، ۵۳۱
فردوسی ۲۸، ۲۹
فریدالدین عطار ۲۷۲
فرید گنج شکر ۲۱۵، ۵۳۶
فضل، سید۔ قسطنطنیہ کے بزرگ ۳۱۱
فضل احمد، قاضی ۳۲۱
فضل احمد، مرزا ۶۱، ۶۸، ۲۹۰
فضل احمد، مولوی ۵۴، ۵۵، ۵۷
فضل الدین دوکاندار۔ سیالکوٹ ۹۲، ۹۹
فضل الدین کشمیری۔ سیالکوٹ ۹۹
فضل الدین کھاریاں، مولوی ۴۶۸
فضل الدین وکیل، مولوی۔ لاہور ۶۲۵
۶۲۸تا۶۳۰، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵
فضل الرحمن، حکیم ۲۱۵
فضل الٰہی ۵۴، ۵۵
فضل دین۔ سیالکوٹ ۸۲، ۸۳
فضل دین بھیروی، حکیم ۴۲۵، ۵۱۸
فضل حسین، مہاشہ ۶۵۳
فضل شاہ، سید ۴۴۸
فضل محمد، میاں۔ ہرسیاں ۵۷۵
فضیلت علی، سید ۴۲۵، ۴۴۸
فقیر اللہ، ماسٹر ۴۹۲، ۵۷۵
فنڈر، ڈاکٹر ۱۱۳، ۱۳۲، ۵۳۱
فیاض علی کپور تھلوی، منشی ۴۳۵
فیض احمد جہلمی ۳۸۸
فیض محمد، مرزا ۳۲، ۳۳

ق

قاسم علی، میر ۶۱۸
قدرت اللہ، مولوی۔ بٹالہ ۱۱۴، ۱۱۷
قدرت اللہ خاں شاہجہانپوری ۴۹۲
قراچار ۲۷، ۳۱
قطب الدین، حکیم ۲۴۳، ۲۵۴
قمرالدین سیکھوانی، مولوی ۲۱۵
قیصر روم ۵۳۱
قیصر روم ثالث ۶۱۵

ک

کابلی مل ۵۳۲
کارلائل ۴
کالیہ بواداس ۱۰۳
کانشی رام، لالہ ۵۵۸
کرسٹرائیڈر لینڈ ۵۲۵
کرشن جی، راجہ ۵۹۶
کرم دین، مولوی ۵۱۵
کرم علی کاتب، منشی ۶۴۳

کریک مسٹر ۲۹
کشن سنگھ، بھائی ۱۱۵، ۱۲۱، ۱۲۲، ۱۵۵، ۱۹۳، ۲۵۸
کلاویجو ۲۶
حضرت کلثوم اخت ہارون ۳۳۴
کمال الدین، خواجہ ۱۷۲، ۵۱۴، ۵۲۱، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۶۰، ۶۳۹، ۶۵۴
کمال الدین، مرزا ۱۲۷
کمال الدین پاشا ابن عثمان پاشا ۶۰۹
حضرت کنفیوشس ۳۰۶
کنور سین، لالہ ۵۶، ۵۹، ۸۷
کنہیالال، منشی ۱۵۴، ۱۵۶، ۱۵۷
کنہیالعل صراف ۷۵
کیشب چندر سین، بابو ۱۶۳
کھڑک سنگھ، پنڈت ۱۵۵، ۱۵۶، ۱۶۸

گ

گاس، ایف سٹین ۲۴
گب، ایچ اے آر ۲۸، ۴۴
گرس وولڈ فورمین، ایچ ڈی ۲۹
گرے، پادری ایچ جی ۶۳۲
گریفن، سرلیپل ۲۹، ۳۹، ۴۱، ۴۷، ۲۲۱، ۲۲۲
گری گوریف، پروفیسر ۲۸
گوپال راؤ، پنڈت ۱۵۲
گلاب دین رہتاسی، منشی ۴۶۸
گلاب سنگھ، منشی ۲۹۹
گلاب شاہ مجذوب بزرگ ۴۶۴
گل علی شاہ ۵۴، ۵۵، ۵۹
گل محمد، مرزا ۳۲تا۳۷، ۴۰، ۴۶، ۱۰۳
گنگا بشن، لالہ ۵۹۷تا۵۹۹
گوپی ناتھ ۸۷، ۵۵۸
گوردھن داس، پنڈت ۵۵۸، ۵۶۱، ۵۶۲
گنیش داس وکیل، لالہ ۲۹۹
گھانسی رام، بابو ۵۹۲

ل

لاڈلی بیگم، مائی ۱۰۴
لچھمن رام ۲۷۲
لچھمن، لالہ ۲۹۸
لچھمن سنگھ، لالہ ۲۹۹
لنگر خان ۴۰
لوتھرپ سٹاڈرڈ ۴
لوری جے سی پادری ۵۰
لی آن کیہوم، مورخ ۲۵
لیکھرام، پنڈت ۱۸۰، ۲۰۶، ۲۰۷، ۲۲۲، ۲۵۴، ۲۵۶تا۲۶۱، ۲۸۰، ۲۸۲، ۲۸۳، ۳۰۰، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۶، ۳۱۲، ۳۲۰، ۳۲۴، ۴۷۷، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۸، ۴۹۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۸۹، ۵۹۰تا۵۹۷، ۵۹۹تا۶۰۱، ۶۲۰، ۶۲۲
لیمار چند۔ ایس پی گورداسپور ۵۹۹، ۶۳۱، ۶۳۲
لیوپولٹ ۸۹

م

مارٹینو، سرائے ای ۶۲۱
مارخم ۲۷
مارس انڈس ۴، ۳
ماریسن، جے ۵۵۸
مبارک احمد، مرزا ۲۴۸، ۲۹۵
مبارک علی، مولوی ۵۴
مبارکہ بیگم، سیدہ نواب ۲۴۶، ۲۴۸، ۵۸۶، ۵۸۷، ۶۰۰، ۶۱۲
مٹھن لال ۹۵
محبوب عالم، مولوی۔ سیالکوٹ ۹۷، ۹۹، ۱۳۲
محبوب عالم، مولوی۔ ایڈیٹر پیسہ اخبار ۶۰۸، ۶۴۲
محکم دین، بابو ۳۷۹
حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ۱، ۴، ۵، ۸، ۹، ۱۳، ۱۶، ۵۷، ۶۳، ۱۱۲، ۱۷۰، ۱۷۱، ۱۹۹، ۲۰۰، ۲۰۵، ۲۰۶، ۲۱۱، ۲۳۷، ۲۷۸، ۳۰۳، ۳۰۶، ۳۱۱، ۳۱۷، ۳۲۷، ۳۹۰، ۳۹۷، ۴۷۱، ۴۷۵، ۵۰۱، ۵۰۹، ۵۳۱، ۵۳۸، ۵۷۸
محمد ابراہیم علی خاں نواب ۲۳۸
محمد احسن، مرزا ۳۲۵
محمد احسن امروہی، سید ۳۷۹، ۴۰۹، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۸، ۴۴۳، ۴۵۷، ۴۸۴، ۴۹۳، ۴۹۶، ۵۰۲، ۵۳۲
محمد احمد مظہر ایڈووکیٹ، شیخ ۵۴۳
محمد اروڑا خان، منشی ۲۰۹، ۲۱۶، ۳۴۱، ۳۶۸، ۳۷۰، ۴۱۴، ۴۲۵، ۴۶۲

محمد اسحاق، مرزا ۳۲۵
محمد اسحاق، مولوی پٹیالہ ۴۳۵، ۴۳۶
محمد اسحاق، سید میر ۲۵۲، ۳۴۳
محمد اسحاق نبیرہ شاہ ۲۵۲
محمد اسلم۔ جرنلسٹ امرتسر ۱۴، ۱۵
محمد اسماعیل، چوہدری ۶۳۸
محمد اسماعیل، مولوی امرتسر ۳۹۶
محمد اسماعیل، مولوی علی گڑھ ۳۷۶
محمد اسماعیل، سید میر ۲۵۲، ۴۲۱، ۵۲۲، ۵۳۳، ۵۴۳
محمد اسماعیل سرساوی، شیخ ۴۹۲
محمد اشرف، مرزا ۵۴۲، ۵۴۵
محمد افضل، بابو ۴۹۲
محمد افضل خاں ۱۸۶
محمد اقبال، ڈاکٹر سر ۳، ۲۱، ۹۴، ۱۰۶، ۲۸۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۹، ۴۷۹
محمد اکرام ایم۔ اے، شیخ ۱۹، ۲۳۰، ۴۱۹
محمد امام الدین، مولوی ۳۱۵
محمد امیر خاں، خان ۲۶۵
محمد بخش۔ میاں بٹالہ ۵۹۹، ۶۰۳، ۶۳۲
محمد بخش سنور ۲۳۹
محمد بخش بٹالوی ۶۳۰
محمد بخش حجام۔ قادیان ۱۹۵
محمد بخش سانده۔ میاں ۴۸۲، ۴۸۳
محمد بدر عالم میرٹھی ۲۱۴

محمد بشیر بھوپال، مولوی ۵۵۳
محمد بشیر سہسوانی، مولوی سید ۴۳۱ تا ۴۳۳، ۴۳۸
محمد بن شیخ احمد مکی، شیخ ۴۴۸، ۴۹۹
محمد بہاؤالدین، شیخ ۱۸۶
محمد بیگ، مرزا ۵۰
محمد بیگ مرزا۔ مرزا احمد بیگ کے بیٹے ۳۲۵
محمد تفضل حسین، سید ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۹
محمد جعفر تھانیسری، مولوی ۳۳۴
محمد جلال الدین بلانوی، منشی ۳۷۹، ۴۴۲، ۵۴۵
محمد جی بخاری ۲۱۰
محمد چٹو، بابا ۲۵۵
محمد چراغ، مولوی ۴۷۳، ۴۷۴
محمد حسن، مولوی ۲۳۶، ۴۱۰، ۴۱۲
محمد حسن خاں، خلیفہ سید ۱۸۶، ۲۳۹، ۳۳۰
محمد حسن، واعظ بابا ۵۴۲
محمد حسین، حکیم ۴۶۸، ۵۴۴
محمد حسین ڈاکٹر۔ لاہور ۳۸۴
محمد حسین قریشی ۲۷۱
محمد حسین، مولوی۔ سبز پگڑی والے ۶۳۰
محمد حسین بٹالوی ۳۰، ۵۵
۵۶، ۱۱۱، ۱۱۲، ۱۳۳
۱۵۴، ۱۶۷، ۱۷۲
۱۷۹، ۱۸۰، ۱۸۱، ۱۸۲، ۱۹۷، ۲۰۸، ۲۲۱ تا ۲۲۳
۲۴۷، ۲۷۵، ۳۱۲، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۸۵، ۳۹۱، ۳۹۶، ۳۹۹
۴۰۰، ۴۰۶ تا ۴۱۳، ۴۲۲، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۳۱، ۴۳۹، ۴۶۱
۴۶۲، ۴۶۴ تا ۴۶۷، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۹، ۴۹۰، ۵۰۳، ۵۰۴
۵۰۶، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۶، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۷، ۵۴۸
۵۵۱، ۵۵۳، ۵۵۸، ۵۶۱، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۸، ۵۷۰
۵۹۸، ۶۰۵، ۶۲۲، ۶۲۵ تا ۶۳۰، ۶۳۶
محمد حسین خوشنویس، شیخ ۳۴۱، ۳۸۵
محمد حسین مراد آبادی ۱۹۱
محمد خاں کپور تھلوی ۲۰۹، ۲۱۲، ۳۴۱، ۳۶۸، ۳۷۰
۴۲۵، ۴۷۰، ۵۲۱
محمد دین فوق ۳۹۱
محمد رضا شیبی ۳۹۰
محمد رضا طہرانی نجفی، شیخ ۵۸۶
محمد سرور شاہ، مولوی سید ۳۹۸، ۴۹۲
محمد سعید، میر ۴۲۵، ۴۹۵
محمد سعید، مولوی ۱۲۸
محمد سعیدی شامی، السید ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۹۹
محمد شاہ ۳۳
محمد شریف، حکیم۔ دلی ۱۳۰، ۱۴۰
محمد شریف بنگلوری، مولوی ۱۳۵، ۱۷۵
محمد شریف کلانوری، حکیم ۱۴۳، ۱۵۴، ۱۸۹، ۲۴۵، ۲۴۷
محمد شفیع قاری، حافظ ۸۲
محمد صادق، مفتی ۱۸، ۲۴۸، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۶۷، ۳۸۱، ۴۱۳
۴۴۸، ۴۹۲، ۴۹۶، ۵۲۱
محمد صادق ہاشمی ۱۵۰

محمد صالح۔ عرب نوجوان ۹۶
محمد ظفراللہ خان، چوہدری سر ۶۵۵
محمد ظہور الدین اکمل، قاضی ۴۹۲، ۶۴۳، ۶۵۴
محمد عبدالعزیز، شیخ ۵۰۱
محمد عبداللہ، شیخ ۲۸۹
محمد عبداللہ، ملک ۶۵۳
محمد عبداللہ، قاضی ۳۸۲، ۵۸۳
محمد عبداللہ خاں، مولانا۔ پٹیالہ ۳۳۱، ۳۸۸، ۴۳۶
محمد عبدہ، علامہ مفتی ۴۱۸، ۵۳۰
محمد عثمان، مولوی ۴۲۳
محمد عسکری خاں، سید ۴۴۸
محمد علی ایم۔ اے، مولوی ۲۲، ۴۹۲، ۵۷۳، ۶۳۹، ۶۴۳
محمد علی جوہر، مولانا ۳۹۲
محمد علی خاں، کرنیل ۴۶۲
محمد علی خاں، نواب ۵۴، ۴۴۸، ۴۹۲، ۵۵۳، ۵۸۷
محمد علی شاہ، سید ۷۲، ۸۰
محمد علی کانپوری، سید ۵۷۰، ۵۷۱
محمد عمر، حکیم ۲۴۰
محمد غوث، شیخ ۳۱
محمد فخرالدین فخر، مولوی سید ۵۶۹
محمد فرخ سید غازی، شہنشاہ ۳۲، ۳۳
محمد فضل چنگوی، مولوی ۶۴۳
محمد قدرت اللہ، مولوی ۳۳۴
محمد قاسم، مولوی ۱۴۲
محمد قاسم۔ بیگو والہ ۵۳
محمد قاسم نانوتوی ۳۹۷
محمد لدھیانوی ۱۷۳
محمد لطیف۔ انبالہ ۳۰۲
محمد لکھوکے، حافظ ۵۰۱
محمد مارماڈیوک پکتھال
محمد مبارک علی، مولوی ۴۹
محمد مختار پاشا ۴۶، ۳۶۶
محمد میاں، مولوی سید ۹۱
محمد ناصر، خواجہ ۲۴۲، ۲۴۳
محمد یاسین، میاں ۵۳
محمد یعقوب، منشی ۱۳۳، ۴۶۷
محمد یوسف حافظ، امرتسر ۲۰۹، ۲۱۵، ۲۲۲، ۲۲۳، ۲۵۴
محمد یوسف، مولوی ۱۷۷
محمد یوسف وکیل، خواجہ ۴۲۶
محمدی بیگم ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۲، ۳۲۵، ۳۲۷
محمود بیگ، مرزا ۳۲۵
محمود شلتوت ۴۱۸
محمود عباس عقاد ۵۳۰
محمود علی خاں چھتاری ۱۸۲
محمودہ بیگم بنت مرزا احمد بیگ ۳۲۵
محی الدین ابن عربی ۵۰، ۱۹۲، ۲۷۴، ۳۹۸
محی الدین غازی ۱۹
مختار احمد شاہ جہانپوری ۲۹۴، ۴۶۸، ۴۷۰، ۵۶۴

مدن گوپال مدن، پنڈت ۵۹۲، ۶۰۳

مراد بیگ جالندھری، مرزا ۹۳، ۹۷

مراد بیگم صاحبہ ۵۰، ۱۰۴

مراد علی ۲۵۸

مرتضیٰ حسن خاں، مولوی ۳۹۸

مردان علی، مولوی ۴۴۸

مرلی دھر۔ ہوشیار پوری ۲۶۰، ۲۴۳، ۲۷۶، ۲۹۶، ۳۰۱، ۳۰۲

حضرت مریم علیہ السلام ۱۰۲، ۱۰۳، ۳۳۴

مشتاق احمد انبیٹھوی، مولوی ۴۰۰

مشتاق حسین، نواب وقار الملک سید ۳۹۱

مصر صاحب دیال ۴۰

مصطفیٰ المراغی، الاستاذ ۴۱۸

مصطفیٰ علی، ڈاکٹر ۲۹۹

مصطفیٰ کمال پاشا ۶۱۰

مظفر علی قزلباش ۴۶۹

مظہر حسین، حکیم۔ سیالکوٹ ۹۴

معین الدین چشتی، شیخ ۵۳۶

معین الدین، حافظ ۱۲۱، ۱۳۵، ۱۴۵، ۲۰۸، ۳۷۹،
۴۷۳، ۴۷۴

معراج الدین عمر، میاں ۳۷۱، ۴۴۸، ۵۲۳

مکنیب۔ ڈپٹی کمشنر سیالکوٹ ۸۶

مکے شاہ ۱۳۲

مکھن لال ۵۹

ملاوامل، لالہ ۱۱۵، ۱۲۱، ۱۳۵، ۱۴۳، ۱۹۳، ۲۰۶، ۲۳۳
۲۳۵، ۲۴۴

ممتاز علی امتیاز، سید ۳۹۱، ۳۹۲

منٹگمری ۸۹

منصب علی، حکیم ۸۲، ۹۷، ۹۹

منظور محمد، پیر ۲۰۹، ۲۳۳
۲۴۵، ۲۷۲، ۲۸۵، ۴۶۸، ۵۹۹، ۶۱۳

حضرت موسیٰ علیہ السلام ۱۹۲، ۳۲۶، ۳۸۶

موسیٰ، مولوی ۲۳۴

موسیٰ جار اللہ ۲۱۴

مولراج، دیوان ۴۰

موہن لال، پنڈت ۲۵۸

مہاراج سنگھ ۴۰

مہر علی شاہ گولڑوی، پیر ۴۵۵

مہر علی شیخ۔ ہوشیار پور ۲۱۶، ۲۷۵، ۲۷۷، ۲۹۹، ۳۳۸

مہریشی لکھ ۱۵۲، ۶۱۳

مہدی حسین۔ میر ۴۹۲، ۴۹۵

مہدی سوڈانی ۲۲۱، ۵۱۳

مہدی علی خاں، نواب محسن الملک ۳۹۱، ۳۹۲، ۵۴۰

میراں بخش، منشی ۴۵۴، ۴۵۶

میراں بخش حجام ۱۰۱

میر حسن سیالکوٹی ۸۲، ۹۴، ۹۵، ۹۸، ۲۰۸

میسی مسٹر ۲۹، ۳۹

میکانکی مسٹر ۱۳۹

میکائیل برک ۵۲۸

میکنزی‘ پروفیسر ۴

میلکم ۲۵

ن

نارائن سنگھ ۸۷‘ ۱۵۴‘ ۱۵۶‘ ۱۵۷‘ ۱۵۹

ناصر شاہ‘ سید ۲۰۹‘ ۴۹۲‘ ۴۹۳

ناصر نواب‘ میر ۱۲۰‘ ۱۳۰‘ ۱۳۱‘ ۱۴۵‘ ۲۰۸‘ ۲۳۹‘ ۲۴۳
۲۴۶‘ ۴۴۴‘ ۴۹۲‘ ۴۹۳‘ ۴۹۵‘ ۵۱۹‘ ۵۳۳

ناظم حسین‘ سید ۶۳۷‘ ۶۳۸

نانک‘ بابا ۵۳۲ تا ۵۳۷‘ ۶۰۲

نبی بخش حافظ۔ فیض اللہ چک ۲۰۸

نبی بخش‘ صوفی ۴۶۸

نبی بخش‘ میاں۔ امرتسر ۳۹۶

نبی بخش پٹواری‘ منشی ۱۱۳‘ ۱۱۴

نبی بخش ذیلدار۔ بٹالہ ۳۲۸

نرائن داس‘ لالہ ۲۵۵‘ ۲۹۹

نذیر حسین دہلوی‘ مولوی ۱۳۶‘ ۲۴۵
۴۲۲‘ ۴۲۴ تا ۴۲۷‘ ۴۲۹‘ ۴۳۹‘ ۴۶۵‘ ۵۵۳

نصر اللہ۔ عیسائی ہیڈ ماسٹر ۹۲‘ ۹۹

نصرت جہاں بیگم‘ حضرت سیدہ ۲۴۳‘ ۲۴۵‘ ۲۴۶‘
۲۴۸ تا ۲۵۰‘ ۲۵۲‘ ۳۱۲‘ ۳۴۲‘ ۳۶۷‘ ۳۸۱‘ ۴۲۱‘
۵۱۸‘ ۶۰۰‘ ۶۱۲

نظام الدین‘ مرزا ۴۱‘ ۷۵‘ ۲۶۴‘ ۳۱۶‘ ۳۲۰‘ ۳۲۵

نظام الدین‘ مولوی ۴۰۶‘ ۴۰۷‘ ۴۱۰‘ ۵۱۵

نظام الدین‘ میر ۲۳۲

نظام الدین بریلوی نیازی‘ شاہ ۴۰۱

نعمت اللہ ولی ہانسوی ۲۷۴‘ ۴۶۴‘ ۵۰۱

نقادیمس‘ حکیم ۵۲۴

نکلسن‘ جنرل ۴۰‘ ۴۱

نور احمد‘ شیخ۔ مالک مطبع ریاض ہند ۱۹۰‘ ۱۹۱‘ ۳۷۳
۳۸۵‘ ۳۸۶‘ ۴۱۴‘ ۴۲۰‘ ۴۷۲‘ ۵۹۴‘ ۶۱۱‘ ۶۱۲

نور احمد‘ شیخ ۱۳۵

نور الحسن قنوجی‘ سید ۲۱۴

نور الدین‘ الحاج حکیم مولانا۔ خلیفہ المسیح ۱۴‘ ۲۲
۴۲‘ ۱۸۰‘ ۲۰۹‘ ۲۱۰‘ ۲۸۵‘ ۲۸۸‘ ۳۱۲‘ ۳۴۱‘ ۳۴۲‘ ۳۶۲
۳۶۳‘ ۳۶۶‘ ۳۸۰ تا ۳۸۲‘ ۴۰۶‘ ۴۱۲‘ ۴۴۳‘ ۴۴۹‘ ۴۵۶
۴۷۴‘ ۴۸۰‘ ۴۸۴‘ ۴۸۶‘ ۴۹۲ تا ۴۹۴‘ ۴۹۶‘ ۵۱۹‘ ۵۲۱
۵۳۲‘ ۵۳۵‘ ۵۴۸‘ ۵۵۶‘ ۵۸۷‘ ۶۰۰‘ ۶۱۷‘ ۶۲۰‘ ۶۲۸
۶۳۰‘ ۶۳۹

نور الدین جمونی‘ خلیفہ ۴۴۸‘ ۴۸۴

نور الدین‘ ملک ۵۷۵

نور الدین‘ مولوی ۵۱۵

نور اللہ‘ مولوی ۱۴۲

حضرت نوح علیہ السلام ۳۰

نور دین آف بٹالہ‘ پادری ۶۲۰‘ ۶۲۱‘ ۶۳۲

نور محمد‘ حافظ ۲۰۸‘ ۳۷۹

نور محمد‘ شیخ ۴۶۰

نونہال سنگھ ۴۰

نہال چند‘ پنڈت ۲۵۸‘ ۲۷۲‘ ۶۳۲

نیاز احمد بریلوی ۵۵۳

نیاز محمد خاں نیاز فتحپوری ۴۷۴

و

وارث، شیخ ۶۳۲

وارث دین، پادری ۶۲۱

وکٹوریہ، ملکہ ۹۰، ۴۷۵، ۴۷۶، ۶۱۳ تا ۶۱۷

ولی اللہ، شاہ۔ محدث دہلوی ۲۰۲، ۲۱۰

ولی اللہ، حاجی۔ کپور تھلہ ۲۱۴

ولفرڈ سکاون بلنٹ ۲۱

ولیم بنٹنگ، جنرل لارڈ ۵۰

ولیم سن، ایس جی ۱۴

ونچورا، جرنیل ۴۰

وہیری، میرس ۵۹

ویڈ، کیپٹن ۵۰

ویمبرے، اے ۲۴، ۲۶ تا ۲۸

ویورڈ گار، پادری ۱۵

ہ

ہادی بیگ، مرزا ۲۳، ۲۹، ۳۱، ۳۲، ۴۰

ہاڈسن ۴۱

ہدایت علی، حافظ ۱۹۳

ہربرٹ ایڈورڈز، سر ۹۱

ہربرٹ وائٹ بریخت شانٹن ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۴

ہرچرن داس ۶۲۳

ہرکرن، پنڈت ۲۷۲

ہرکشن داس، بابو ۲۹۹

ہنٹر، پادری ۱۰۶

ہنری سوم ۲۶

ہنری لارنس ۸۹، ۹۱

ہنری مارٹن کلارک ۴۸۲ تا ۴۸۴، ۵۰۵، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۴، ۶۲۶ تا ۶۳۰، ۶۳۶، ۶۴۰، ۶۴۲

ہنسراج، لالہ ۵۹۱

ہیڈلے، لارڈ ۵۱۶

ہیڈن، اے سی ۳۰

ہیرا سنگھ، سر ۲۵۴

ہیرلڈلیم ۲۴

ہسٹنگز، مسٹر ۴۴

ہینز ۵۲۶

ی

یافث ۳۰

حضرت یحیٰ علیہ السلام ۳۳۴

یحیٰ بن عقب ۲۷۴

یعقوب بیگ، مرزا ۴۶۸، ۵۳۲، ۵۹۰، ۵۹۱

یعقوب علی عرفانی، شیخ ۵۳، ۸۷، ۹۵، ۱۰۱، ۱۰۲، ۱۱۷، ۱۱۹، ۲۱۸، ۲۵۸، ۲۹۰، ۳۰۱، ۳۴۱، ۳۶۳ تا ۳۶۷، ۳۷۸، ۴۰۸، ۴۴۴، ۴۵۸، ۴۹۲، ۴۹۶، ۶۳۳، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۵۳

ینگسن، مسٹر ۸۸

یوحنا، ڈاکٹر ۵۰۴

یوحنا مسیح، بابو ۱۱۳

یوسف ۵۲۵، ۶۳۲

یوسف سلیم چشتی، پروفیسر ۲۱

یوسف شاہ، خواجہ۔ امرتسر ۲۵۴، ۴۶۶، ۴۶۷

حضرت یونس علیہ السلام ۳۲۶

مقامات

آ

آره ۳۸۸

آسٹریلیا ۱۵

آگره ۳۸۸

اٹک ۵۰

اٹلی ۵۲۶

اجمیر ۶۱۲، ۶۱۳

ارجنٹائن ۵۳۰

اسلام آباد (لندن) ۴۴۷، ۴۴۸

اشانٹی (غانا) ۱۴

اعظم گڑھ ۳۸۸

افریقہ ۱۵ تا ۱۷، ۱۹، ۵۰۰

الجیریا ۲۲۷، ۲۲۸

الہ آباد ۵۷۲

امرتسر ۱۷، ۸۴، ۱۰۱، ۱۲۴، ۱۳۲، ۱۳۳، ۱۳۶، ۱۳۵، ۱۳۶
۱۵۳ تا ۱۵۵، ۱۸۰، ۱۸۱، ۱۸۹، ۱۹۰، ۲۵۶، ۲۶۹، ۳۸۸، ۳۹۲،
۳۹۵، ۳۹۶، ۴۱۳ تا ۴۱۵، ۴۲۱، ۴۶۵، ۴۶۷، ۴۷۲، ۴۸۲،
۴۸۴، ۴۸۹، ۴۹۲، ۵۰۳، ۵۱۲، ۵۷۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۶۲۳،
۶۲۵، ۶۲۷، ۶۳۰، ۶۳۲، ۶۳۵

امروہہ ۴۹۶

امریکہ ۸، ۹، ۱۵، ۱۶، ۱۸، ۱۹، ۱۴۳، ۲۶۹، ۲۷۱، ۳۰۶ تا ۳۱۱، ۵۰۱،
۵۲۷، ۵۷۳

انبالہ ۲۳۹، ۳۰۲، ۳۱۱، ۳۳۹، ۵۷۲

انڈونیشیا ۲۲۸، ۵۴۵

انڈیمان ۴۵۲

انگلستان ۱۱، ۴۴، ۷۹، ۸۹، ۱۴۴، ۲۲۷، ۲۵۴، ۶۱۵

اوجنہ ۶۲۳

اوردوکی ۱۵۶

اودھ ۸۹

ایران ۲۸، ۲۹، ۱۱۲، ۲۲۷، ۲۲۸، ۲۴۰، ۴۷۳، ۵۲۹

ایشیا ۱۵، ۱۹، ۲۴، ۲۵۴، ۲۶۹

ایمہ ۵۱، ۱۰۱

ب

بالاکوٹ ۳۳۴

بٹالہ ۵۴، ۵۵، ۱۷، ۷۳، ۷۵ تا ۷۷، ۸۶، ۱۰۱، ۱۱۱ تا ۱۱۳، ۱۴۵،
۱۹۵، ۲۰۹، ۲۱۵، ۳۲۸، ۳۳۴، ۳۸۸، ۵۹۴، ۵۹۹، ۶۲۰،
۶۲۴ تا ۶۲۷، ۶۳۰، ۶۳۲

بخارا ۲۸، ۱۲۹، ۵۷۸

بروسا ۶۱۰

بریلی ۱۹۲، ۴۰۲

بغداد ۴، ۴۵، ۲۸۹، ۵۷۸

بلخ ۳۲

بمبئی ۱۵۲، ۳۰۹، ۵۷۲، ۵۹۳

بنارس ۸۹‘۳۸۸

بنگال ۱۶۴‘۳۸۸

بنگلور ۱۳۵‘۵۷۲

بنوں ۵۰

بہادر حسین (گورداسپور) ۵۱

بیروت ۴

بیگووال ۳۴‘۴۰

بھاگووال ۳۴‘۴۲

بھوپال ۲۲۱‘۳۸۸

بھیرہ ۳۳۹‘۴۹۴‘۵۷۲

بھینی ۴۲‘۶۹

پ ۔ ت ۔ ٹ

پاکستان ۹‘۱۶‘۱۸‘۲۴۹

پٹنہ ۳۸۸

پٹیالہ ۲۱۵‘۲۳۹‘۲۴۴‘۳۳۰‘
۳۳۱‘۳۳۲‘۳۳۹‘۳۹۲‘۴۳۵‘۴۳۶‘۵۷۲

پشاور ۳۷‘۳۹‘۴۰‘۵۰‘۳۸۸‘۵۷۲

پنجاب ۲۹‘۳۱تا۳۳‘۳۹تا۴۱‘۵۰‘۶۹‘۸۸تا۹۰
۱۵۲‘ ۱۵۳‘۲۴۴‘۳۱۰‘۳۳۴‘۴۴۳‘۴۶۱‘۵۱۲‘۵۴۱

پونہ ۳۰۹

تاشقند ۳۲

تتلہ ۱۳۰‘۱۳۱

ترکی ۲۸‘۲۹‘۲۲۷‘۲۲۸‘۴۷۳‘۶۰۴‘۶۰۷‘۶۰۹‘۶۱۰

ترہٹ ۳۸۸

تیونس ۲۲۷‘۲۲۸

ٹانڈہ ۲۷۵

ج ۔ چ ۔ ح ۔ خ

جاپان ۵۹

جالندھر ۲۱۶‘۳۳۹‘۳۹۲‘۴۶۳

جرمنی ۶۱۰

جمال پور۔ لدھیانہ ۴۶۴

جموں ۵۰‘۸۰‘۲۰۹‘۲۱۳‘۳۳۹‘۳۶۶‘۴۵۲‘۵۷۲

جنڈیالہ ۴۸۲‘۴۸۶

جورن ۵۲۶

جہلم ۳۸۸‘۵۷۲‘۶۲۰

جھنبٹ ۳۶۶

جھنگ ۵۰

چاچڑاں شریف ۴۷۶‘۵۵۱

چاند پور ۱۶۲

چنیوٹ ۵۴۵

چھلیانوالہ ۶۹

چین ۵۹

حبش ۵۲۳

حجاز ۵۰۰‘۶۱۰

حسن آباد ۱۳۸

حیدر آباد دکن ۳۰۹‘۳۱۰‘۳۸۸‘۴۵۲‘۵۷۲

خراسان ۳۱

خوارزم ۲۸
خوست ۳۳۹
خوشاب ۵۷۲
ختن ۳۲
خیردی ۱۳۲، ۱۳۳

و - ڈ - ر

دمشق ۲۹۳، ۴
دوراہہ ۳۳۲
دہلی ۳۳، ۳۴، ۳۷، ۴۱، ۴۶، ۵۶، ۸۹، ۱۱۱، ۱۴۰،
۲۴۴ تا ۲۴۶، ۳۸۸، ۳۹۲، ۴۲۱، ۴۲۳، ۴۲۴،
۴۲۷ تا ۴۳۰، ۴۳۲، ۵۹۳، ۶۱۴
دینانگر ۷۹
دیوبند ۳۸۸، ۴۰۰
ڈلہوزی ۷۱، ۷۶، ۷۷
ڈنمارک ۵۳۰
ڈیرہ بابا نانک ۵۳۲، ۵۳۳
ڈیرہ دون ۵۷۲
راجستھان ۱۶۲
راولپنڈی ۱۵۳، ۳۸۸، ۵۷۲، ۵۷۶، ۶۲۵، ۶۲۷
ربوہ ۴۴۴، ۴۴۶، ۴۴۷
رنگون ۳۱۰
روس ۲۵
روکو پور ۱۵
روم ۴۵، ۱۱۲

س - ش

سراوہ ۱۷۸
سری گوبند پور ۴۳، ۱۳۹
سرینگر (کشمیر) ۵۲۰، ۵۲۸
سکندر آباد (دکن) ۶۵۳
سکندریہ (مصر) ۵۲۳
سلطان ونڈ (امرتسر) ۶۲۱
سمرقند ۲۷ تا ۲۹، ۳۱، ۳۵، ۴۰، ۴۴ تا ۴۶
سم شریف (گورداسپور) ۱۳۲
سندھ ۵۵۱
سنگھڑ ۴۰۲
سنور ۳۳۲ ۲۱۵، ۲۳۹
سوات ۳۸۸
سوجان پور ۲۷۴، ۳۸۸
سوڈان ۲۲۸
سورج گڑھ ۲۵۲
سوغدیانہ (سغد) ۲۷، ۲۹
سوہدرہ ۳۸۸
سہارنپور ۳۸۸، ۴۰۲، ۴۰۳
سہسواں ۴۳۱
سیالکوٹ ۴۱، ۷۹ تا ۹۵، ۱۰۰، ۱۰۸،
۱۱۸، ۱۴۸، ۳۳۹، ۳۸۸، ۳۹۲، ۴۳۵،
۴۴۳، ۴۵۸ تا ۴۶۱، ۵۷۲، ۶۲۵، ۶۲۷

سیرالیون ۱۵

سیکھواں ۶۲۳، ۶۲۴

شام ۱۱۲، ۲۹۳، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۷۸، ۶۱۰

شاہ پور ۳۶۶، ۵۷۲

شتاب کوٹ ۱۳۸

شعب عامر ۴۹۹

شملہ ۳۳۰، ۵۷۲

ص ـ ض ـ ط ـ ظ

صوابی ۲۰۶

طائف ۵۷۸

طرابلس ۴۷۳، ۶۱۰

طہران ۴

ع ـ غ

عراق ۴۸۹، ۵۰۰، ۶۱۰

عرب ۱۱۲، ۲۲۷، ۴۷۳، ۴۹۹

علی گڑھ ۳۶۱، ۳۷۶، ۳۸۲، ۳۸۸، ۴۱۱

غازی پور ۳۸۸

غزہ ۵۳۰

غوث گڑھ ۳۶۶

ف

فرانس ۵۲۶، ۶۱۰

فرغانہ ۲۸

فرید کوٹ ۲۵۵

فلپائن ۳۱۳

فیروز پور ۴۹۵

فیروزوالہ ۵۴

ق

قادیان ۱۴، ۱۵، ۱۷، ۲۳، ۳۲ تا ۴۲، ۴۷، ۴۹ تا ۵۱
، ۵۴، ۵۵، ۶۹ تا ۷۶، ۱۰۸، ۱۱۰، ۱۱۵، ۱۲۶، ۱۲۷، ۱۳۳، ۱۳۷،
۱۳۹ تا ۱۴۱، ۱۴۵، ۱۴۸، ۱۵۵، ۱۵۶، ۱۹۳ تا ۱۹۵، ۲۰۷، ۲۰۹،
۲۱۰، ۲۱۲، ۲۱۳، ۲۱۵، ۲۱۸، ۲۲۹، ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۴۵، ۲۴۶،
۲۴۹، ۲۵۴ تا ۲۶۰، ۲۶۴، ۲۶۷، ۲۷۱، ۲۷۴ تا ۲۷۶، ۲۸۹،
۳۰۲، ۳۰۶ تا ۳۱۱، ۳۳۴، ۳۳۷، ۳۶۶، ۳۷۷، ۳۸۱،
۳۹۷، ۴۱۵، ۴۲۱، ۴۴۰، ۴۴۳ تا ۴۴۸، ۴۵۸، ۴۶۴، ۴۶۹
۴۷۰، ۴۷۲، ۴۹۲ تا ۴۹۴، ۴۹۶، ۵۰۱، ۵۱۸، ۵۳۶، ۵۳۷،
۵۴۵، ۵۵۹، ۵۷۶، ۵۹۴، ۵۹۷، ۵۹۹، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۱۲
۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۳ تا ۶۲۵، ۶۳۹، ۶۴۲، ۶۵۳، ۶۵۴

قاہرہ ۴، ۱۲

قسطنطنیہ ۲۴۰، ۳۱۱، ۵۲۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۱۰

قصور ۵۰

قوقند ۲۸

قیچاق ۲۵

ک ـ گ

کابل ۴۶۸، ۵۴۸

کاشغر ۲۸

کاسبیہ ۱۵

کانپور ۳۸۸

کانگڑہ ۵۰، ۳۶۶

کاہلواں ۷۹

کپور تھلہ ۳۴، ۱۱۰، ۱۳۰، ۲۱۶، ۳۳۹، ۳۷۰، ۳۸۸، ۴۱۴، ۴۳۵، ۴۴۲، ۵۷۲

کٹک ۳۰۹

کراچی ۶۰۷

کریٹ ۶۰۷

کڑیانہ ۳۶۶

کش ۴۴

کشمیر ۱۰۲، ۲۸۹، ۵۱۷، ۵۲۰، ۵۲۲، ۵۲۸، ۵۳۰

کلانور ۸۰

کلکتہ ۳۰۹

کنجاہ ۵۵۵

کھارا ۴۲، ۶۹

گجرات ۶۹، ۳۸۸، ۴۷۰

گنگوہ ۳۸۸، ۴۰۰، ۴۰۱

گوالیار ۲۶۱

گوجرانوالہ ۲۶۱، ۳۳۹، ۵۹۴

گورداسپور ۲۹، ۴۰، ۴۱، ۷۱، ۷۲، ۱۳۳، ۱۴۵ تا ۱۴۷، ۱۶۴، ۲۱۶، ۳۳۹، ۵۱۲، ۵۷۲، ۵۹۳، ۵۹۹، ۶۲۳ تا ۶۲۵، ۶۲۷، ۶۳۱، ۶۳۵، ۶۵۴

گولیکی ۶۵۴

گوہد پور ۹۶

گیرو (غزنی) ۱۳۶

گھانا ۱۶

ل

لاہور ۳۹، ۷۱، ۷۲، ۱۳۷، ۱۵۳، ۱۵۴، ۲۴۴، ۲۵۴، ۲۵۵، ۲۷۱، ۲۸۵، ۳۲۲، ۳۸۴، ۳۸۸، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۳۹، ۴۴۴، ۴۴۶، ۴۵۴، ۴۵۷، ۴۹۲، ۴۹۵، ۵۵۴ تا ۵۵۶، ۵۶۰، ۵۷۰، ۵۷۲، ۵۸۶، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۴، ۵۹۵، ۶۰۴، ۶۱۴، ۶۲۴، ۶۳۳، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۵۳، ۶۵۴

لبنان ۶۱۰

لدھیانہ ۳۷، ۳۹، ۵۰، ۸۸، ۹۰، ۱۸۰ تا ۱۸۲، ۲۳۱ تا ۲۴۰، ۲۴۴، ۲۶۶، ۳۳۲، ۳۳۵، ۳۳۷ تا ۳۳۹، ۳۴۱، ۳۶۲، ۳۶۶، ۳۷۴، ۳۷۶، ۳۸۰، ۳۸۴، ۳۸۸، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۸، ۴۰۰، ۴۰۳، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۳، ۴۱۵، ۴۱۷، ۴۲۱، ۴۳۵، ۴۶۳، ۵۷۲، ۶۲۵

لکھنؤ ۸۹، ۳۸۸

لکھوکے ۳۸۸، ۴۰۰

لنڈن ۴، ۴۴۴، ۵۱۰، ۵۳۱، ۵۷۸، ۶۱۵

لیبیا ۲۲۸

لیگوس ۱۵

م

ماسکو ۲۵

مالٹا ۶۱۰

مالیر کوٹلہ ۲۳۸تا۲۴۰، ۲۴۴، ۳۳۹، ۳۶۶
مٹھن کوٹ ۴۸۷
مدار ۲۰۹، ۲۱۵
مدراس ۳۰۹، ۵۷۲
مدینہ منورہ ۴۶۸، ۵۳۶
مراد آباد ۲۵۵، ۳۸۸، ۳۹۷
مراد ۶۵۴
مراکش ۲۲۷، ۲۲۸
مرسیا (سپین) ۲۹۳
مصر ۴۵، ۲۲۷، ۲۲۸، ۴۷۳، ۵۰۰، ۵۲۳، ۵۳۰، ۶۵۳
مکہ ۴، ۳۹۰، ۴۵۲، ۴۶۸، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۳۶، ۵۳۷
ملتان ۴۰، ۴۳، ۵۰، ۶۹، ۲۴۴، ۵۳۶، ۵۹۱، ۶۳۷، ۶۳۸
ممباسہ ۵۷۸
منٹگمری ۳۱۵
منیلا ۳۰۷، ۳۰۹
میرٹھ ۳۳۹

ن - و

نائیجیریا ۱۵
نجد ۲۲۷
نصیبین ۲۴۱
نصیر آباد ۶۱۴
نکودر ۳۱۴
ننگل ۴۲، ۶۹
واشنگٹن ۴
وزیر آباد ۳۸۸، ۵۷۲

ہ

ہالہ ۳۱۳
ہڈسن (نیویارک) ۳۱۳
ہرات ۵۲۹
ہزارہ ۴۰، ۵۰، ۳۸۸
ہندوستان ۱۳، ۲۵، ۲۹، ۳۳، ۴۱، ۴۵، ۴۶، ۵۰، ۵۶، ۸۸، ۸۹، ۱۱۳، ۱۵۲، ۱۶۴تا۱۶۶، ۱۷۸، ۱۷۹، ۲۰۹، ۲۲۱، ۲۲۷، ۲۳۱، ۲۴۲، ۲۵۴، ۲۷۴، ۳۰۷تا۳۰۹، ۳۸۸، ۳۹۷، ۴۴۳، ۴۷۳، ۴۹۹، ۵۱۰، ۵۲۸، ۵۳۰، ۵۴۱، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۱۴، ۶۱۷
ہوشیار پور ۲۰۹، ۲۷۳تا۲۷۷، ۲۹۶، ۳۰۱، ۳۳۸، ۶۲۳

ی

یورپ ۳، ۶، ۸، ۱۵، ۱۶، ۱۸، ۱۹، ۲۲۷، ۲۵۴، ۲۶۹، ۵۷۳، ۶۵۳، ۶۵۴
یوروشلم ۱۷
یونان ۶۱۰

کتابیات
BIBLIOGRAPHY

تفسیر

درمنثور ۲۱

فتح البیان ۳۳۴، ۴۳۷

کتاب فی حروف اوائل السور ۲۱۴

حدیث

ابن ماجہ ۴۳۷، ۴۸۷، ۵۳۹

ابو داؤد ۵۳۹

بحار الانوار ۲۱۴، ۲۹۳

بخاری ۴۴، ۶۴، ۴۳۷، ۴۵۷، ۴۶۹، ۵۳۹

ترمذی ۴۳۷، ۵۳۹

دار قطنی ۵۱۵، ۵۳۹

سفر السعادة ۶۴

کنز العمال ۳۳۳

مرقاۃ شرح مشکوٰۃ ۲۰۲

مسلم ۲۱۴، ۵۳۹

مشکوٰۃ ۴۴، ۲۹۳

موطا ۵۳۹

نسائی ۵۳۹

کتب حضرت مسیح موعود

آریہ دھرم ۵۳۲، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۴۵

آسمانی فیصلہ ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۹، ۴۵۵، ۴۵۷

آئینہ کمالات اسلام ۴۷، ۵۷، ۶۰، ۷۸، ۱۵۱،
۲۱۴، ۲۱۶، ۲۷۱، ۲۹۳، ۲۹۴، ۳۳۳، ۴۴۹، ۴۷۰، ۴۷۲
۴۷۸، ۴۸۷، ۴۸۹، ۴۹۶

اتمام الحجہ ۵۰۳

اربعین ۴۴

ازالہ اوہام ۳۷، ۴۶، ۴۷، ۶۰، ۲۱۴تا۲۱۷، ۲۴۰
۲۶۶، ۲۷۲، ۳۶۴، ۳۸۹، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۳۷
۴۵۲، ۴۶۳، ۴۷۰، ۵۷۷

استفتاء ۵۹۰، ۶۰۱

اسلامی اصول کی فلاسفی ۵۵۵، ۵۷۳، ۵۷۵، ۵۷۶

اعجاز احمدی ۲۳۰

التبلیغ ۴۷۲تا۴۷۵، ۴۸۹، ۴۹۶

الحق مباحثہ لدھیانہ ۴۰۶، ۴۰۹

الحق مباحثہ دہلی ۴۳۴، ۴۳۸

الوصیت ۲۱۴، ۲۵۲

انجام آتھم ۲۸۴، ۲۹۲، ۲۹۴
۳۳۳، ۴۱۶، ۴۸۷، ۵۰۹، ۵۱۵

انوار الاسلام ۵۰۴، ۵۰۹، ۵۱۵، ۵۱۹

ایک غلطی کا ازالہ ۲۳۰

براہین احمدیہ ۲۱، ۵۷، ۶۰، ۱۰۵، ۱۱۷، ۱۳۱، ۱۵۰
۱۷۰تا۱۹۳، ۱۹۵، ۱۹۷تا۲۰۰، ۲۱۴تا۲۱۶، ۲۱۸، ۲۲۱، ۲۲۳، ۲۲۹
۲۳۰، ۲۳۱، ۲۳۶، ۲۴۳، ۲۵۲، ۲۷۳، ۲۷۶، ۳۹۳، ۴۳۱
۴۵۶، ۵۱۲

برکات الدعا ۴۸۱

پرانی تحریریں ۱۶۸

تبلیغ رسالت ۱۶۸، ۱۹۸، ۲۷۱
۲۹۳، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۷۵، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۹۹، ۴۳۷
۴۳۸، ۴۴۹، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۸۸، ۴۹۶، ۵۱۵

تجلیات الٰہیہ ۱۱۷، ۲۱۴

تحفہ بغداد ۴۸۹، ۴۹۹

تحفہ قیصریہ ۴۷، ۶۱۳تا۶۱۶

تحفہ گولڑویہ ۴۴، ۲۱۴، ۵۱۵

تریاق القلوب ۶۰، ۱۰۵، ۱۳۶، ۱۹۸
۲۱۴، ۲۵۲، ۲۸۴، ۲۹۲، ۲۹۴، ۲۹۵، ۴۸۷

تذکرہ ۲۱، ۱۱۷، ۲۷۲

تذکرۃ الشہادتین ۲۱

توضیح مرام ۳۸۴، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۹، ۴۵۷

جنگ مقدس ۴۸۴، ۴۸۸، ۵۰۰

چشمہ معرفت ۴۴، ۲۱۴

حجۃ الاسلام ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۸

حجۃ اللہ ۶۱۰، ۶۱۱

حقیقۃ المہدی ۵۵۳

حقیقۃ الوحی ۴۴، ۴۹، ۸۴، ۱۰۵، ۱۹۷
۱۹۸، ۲۱۴، ۲۳۰، ۲۷۱، ۲۸۴، ۲۹۴، ۳۹۸، ۵۴۶، ۶۵۴

حمامۃ البشریٰ ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۱۵

درثمین (عربی) ۴۸۷

دیوان فرخ قادیانی (درمکنون) ۳۴، ۱۳۶، ۱۵۱

سبز اشتہار ۲۸۲تا۲۸۵، ۲۹۳، ۲۹۴

ستارہ قیصرہ ۴۷

ست بچن ۵۳۲، ۵۳۶، ۵۴۴، ۶۰۲

سچائی کا اظہار ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۷، ۴۸۸، ۵۱۵

سراج الدین عیسائی کے چار سوالوں کا جواب ۶۱۷

سر الخلافہ ۲۸۴، ۲۹۴، ۵۰۳، ۵۰۴

سراج منیر ۱۱۷، ۲۴۵، ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۹۴، ۵۹۰، ۶۰۱، ۶۰۳

سرمہ چشم آریہ ۱۶۹، ۲۶۰، ۲۶۱
۲۷۱، ۲۷۲، ۲۹۶، ۲۹۹تا۳۰۱، ۳۰۳، ۳۱۳، ۴۵۶

شحنہ حق ۱۶۸، ۲۵۲، ۳۰۴تا۳۰۶، ۳۱۳

شہادۃ القرآن ۴۸۹، ۴۹۱، ۵۱۳

ضیاء الحق ۵۰۴، ۵۰۹، ۵۱۵، ۵۴۳

فتاویٰ مسیح موعود ۶۵۴

فتح اسلام ۳۷۷، ۳۸۳تا۳۸۹

قادیان کے آریہ اور ہم ۱۱۷

کرامات الصادقین ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۶، ۴۹۹

کتاب البریہ ۳۵، ۴۴، ۴۷، ۵۹، ۶۸، ۷۸، ۱۰۵

۱۰۷، ۱۱۷، ۱۳۵، ۱۳۶، ۱۵۰، ۲۰۱، ۲۲۰، ۲۳۵، ۲۳۶، ۶۵۴
کشف الغطاء ۴۷
لجۃ النور ۴۷، ۱۱۷
لیکچر سیالکوٹ ۱۰۷
مکتوبات احمدیہ ۱۶۸، ۱۹۷، ۱۹۸، ۲۳۰،
۲۴۰، ۲۷۱، ۲۷۲، ۳۰۳، ۳۷۸، ۳۸۲ تا ۳۸۴، ۴۵۲، ۵۵۳
منن الرحمٰن ۵۲۰ تا ۵۲۲، ۵۴۳
نزول المسیح ۱۳۵، ۲۳۰، ۲۹۵، ۳۳۴، ۴۸۷، ۴۸۸
نشان آسمانی ۴۶۴
نعمۃ الباری ۱۳۹
نور الحق حصہ اول ۵۰۰، ۵۱۳، ۵۱۵، ۵۳۱
نور الحق حصہ دوم ۴۸۷، ۵۰۲، ۵۳۱

کتب خلفاء سلسلہ

الازہار لذوات الخمار ۴۹۶
تصدیق براہین احمدیہ ۱۸۰، ۳۱۳
چشمہ ہدایت ۲۱
دعوت الامیر ۱۱۷
سیرت مسیح موعود ۴۷، ۱۰۶، ۲۳۰، ۳۶۷، ۴۸۸
مرقاۃ الیقین ۲۱۷، ۳۸۱، ۴۹۷

کتب مصنفین سلسلہ

آریہ سماج اور پرچار کے سادھنا میں ۱۶۲، ۱۶۹
آئینہ حق نما ۴۶۹

احمد دی پرامز ورلڈ ٹیچر ۵۷۶
احمدیت کا مستقبل ۴۸۰
احمدیہ جنتری ۵۷۷
اچھی مائیں ۴۸۰
ارجح المطالب فی مناقب اسد اللہ الغالب ۵۰۳
اسلامی خلافت کا نظریہ ۴۸۰
اشتراکیت اور اسلام ۴۸۰
اصحاب احمد ۲۲۱، ۲۳۰، ۳۶۸
۴۴۲، ۴۴۹، ۴۷۰، ۴۹۶، ۵۱۵، ۵۱۶، ۶۵۳
الحجۃ البالغہ ۴۸۰
الواح الہدیٰ ۶۵۴
ام الالسنہ ۵۴۳
امتحان پاس کرنے کے گر ۴۸۰
انعامات خداوند کریم ۱۹۷
انگریز اور بانی سلسلہ احمدیہ ۶۸، ۱۰۵، ۵۱۶
ایک اور تازہ نشان ۴۸۰
ایک سو پچیس برس کی جنتری ۳۱۷
تاثرات قادیان ۲۲
تاریخ احمدیت ۶۵۵
تاریخ مالابار ۶۵۳
تائید براہین احمدیہ ۳۱۴
تائید حق ۳۰۸، ۳۱۳

تائید نشان آسمانی ۴۶۹
تبلیغ ہدایت ۴۸۰
تحریک احمدیت کا اثر سکھوں پر ۵۴۵
تربیتی مضامین ۴۸۰
تذکرۃ المہدی ۵۹، ۶۸، ۷۸
۲۱۵، ۳۹۸، ۴۰۹، ۴۱۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۴۹
تصدیق المسیح ۴۸۰
جماعت احمدیہ کی اسلامی خدمات ۳۹۲
جماعتی تربیت کے اصول ۴۸۰
چالیس جواہر پارے ۴۸۰
حضرت مسیح موعود کے مختصر حالات ۱۰۶
حیات احمد ۴۷، ۵۹، ۶۸، ۷۸، ۱۰۶، ۱۱۷، ۱۱۹، ۱۳۵
۱۵۱، ۱۶۸، ۱۶۹، ۱۹۷، ۱۹۸، ۲۳۰، ۲۴۱، ۲۵۲، ۲۷۱، ۲۷۲
۳۰۳، ۳۱۴، ۳۸۰تا۳۸۳، ۳۹۹، ۴۱۶، ۴۳۸، ۴۶۹، ۴۷۰
۴۸۰، ۴۸۸، ۴۹۷، ۵۱۵، ۶۵۳
حیات النبیؐ ۴۶، ۴۷، ۵۹، ۶۰
۶۸، ۷۸، ۱۰۱، ۱۰۵، ۱۰۷، ۱۱۷
۱۳۵، ۱۳۶، ۱۵۰، ۱۵۱، ۱۶۸، ۲۱۴، ۲۳۰، ۶۵۳
حیات قدسی ۶۵۴
حیات ناصر ۱۳۶، ۲۵۲
ختم نبوت کی حقیقت ۴۸۰
درعدن ۵۸۷
ذکر حبیب ۱۰۷، ۱۱۷، ۱۵۰

۳۱۳، ۳۶۷، ۳۸۱، ۳۹۸، ۴۱۶، ۴۹۶، ۵۷۶، ۶۰۳
رپورٹ جلسہ اعظم مذاہب ۵۷۶
رپورٹ جلسہ سالانہ ۴۶۹
رپورٹ صدر انجمن احمدیہ ۴۵۰، ۴۵۱
رپورٹ مجلس مشاورت ۳۸۲
رجسٹر بیعت اولیٰ ۳۴۳، ۳۴۴،
۳۶۶تا۳۶۸، ۳۷۳، ۳۷۸، ۴۱۶
روایات صحابہ ۱۳۵، ۱۳۶، ۴۱۶، ۴۹۶، ۶۵۳
روحانیت کے دو زبردست ستون ۴۸۰
سلسلہ احمدیہ ۳۶۷، ۳۸۱، ۴۷۹، ۵۷۶
سیرت المہدی ۴۴، ۴۶، ۴۸، ۵۹، ۶۰، ۶۸، ۷۸، ۱۰۵
۱۰۷، ۱۱۷، ۱۳۵، ۱۳۶، ۱۵۰، ۲۳۰، ۲۴۰، ۲۴۱، ۲۵۲، ۲۹۳
۳۱۳، ۳۶۴، ۳۶۶، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۳، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۱۶
۴۳۷، ۴۶۹، ۴۸۷، ۴۹۶، ۴۹۷، ۵۱۵، ۵۴۳
سیرت ام المومنین ۲۵۲، ۶۵۳
سیرت خاتم النبیین ۴۷۹، ۴۸۷
سیرت طیبہ ۴۸۰
سیرت مسیح موعود (از مولانا عبد الکریم سیالکوٹی) ۲۵۲، ۴۹۶
سیرت مسیح موعود (از عرفانی صاحب) ۵۹، ۱۳۵، ۱۵۰
۲۵۲، ۲۷۲، ۴۶۹، ۵۴۳، ۶۵۳
صداقت مرہمہ ۱۰۷

طبی ماۃ عامل ۵۴۴
ظہور المسیح ۶۵۴
ظہور المہدی ۶۵۴
عاقبۃ المکذبین ۵۵۳
عسل مصفی ۳۸۲، ۵۴۳
قادیان ۴۷
قادیان کا خونی روزنامچہ ۴۸۰
قتل مرتد اور اسلام ۶۵۳
قرآن کا اول و آخر ۴۸۰
کلمۃ الفصل ۴۸۰
لائف آف احمد ۶۸، ۱۱۷، ۱۳۵
۱۶۸، ۲۴۱، ۲۵۲، ۲۷۲، ۳۰۳، ۳۱۳، ۳۶۵، ۳۸۱
مجدد اعظم ۱۶۸، ۲۱۷
مرکز احمدیت ۶۵۳
مسئلہ جنازہ کی حقیقت ۴۸۰
مکتوبات اصحاب احمد ۶۵۳
نور احمد ۱۹۸، ۳۹۷، ۴۳۷، ۴۷۰، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۹۷
نیا سال اور ہماری ذمہ داریاں ۴۸۰
واقعہ صلیب مسیح کی چشم دید شہادت ۵۲۳
ہمارا خدا ۴۸۰

اسلامیات

آثار قیامت ۲۱
احوال الآخرۃ ۵۱۵
اربعین فی احوال المہدیین ۲۰۲، ۲۹۳، ۴۶۹، ۵۱۵
اشارات فریدی ۲۵۲، ۴۸۷، ۵۱۴
اظہار الحق ۲۹۴
اظہار حق ۴۸۸
اعجاز التنزیل ۲۴۱
اقتراب الساعۃ ۲۰۲، ۵۱۴
الامر ۴۳۷
الخصائص الکبریٰ ۲۱۴
المہدیہ فی الاسلام ۵۱۵
تذکرہ (علامہ مشرقی) ۵۲۵
تذکرۃ الاولیاء ۲۷۲
ترجمان السنۃ ۲۱۴
دلائل الخیرات ۶۴
جواہر الاسرار ۵۸۸
حجج الکرامۃ ۲۰۲، ۳۹۸
حکمت بالغہ ۴۳۷
حیات المسیح و کشوف العصر الحدیث ۵۳۰
خطبات نبوی ۴۳۷
شمس المعارف ۲۹۳
طبقات ناصری ۴۴
فتوح الغیب ۶۴

فتوحات مکیہ ۲۹۳، ۳۹۸
فصوص الحکم ۴۹
گلدستہ کرامات ۲۵۲
مثنوی مولانا روم ۶۴، ۲۹۳
مذاہب اسلام ۲۳۰
مقابیس المجالس ۴۸۷
مقالات جمال الدین افغانی ۲۱
مکتوبات مجدد الف ثانی ۳۳۴
ملت بیضا پر ایک عمرانی نظر ۴۶۹

سیرت و تاریخ

آزاد کی کہانی آزاد کی زبانی ۴۳۷
آور مشنز ان انڈیا ۵۹
اٹھارہ سو ستاون کی جنگ آزادی ۳۳۴
اکبر نامہ ۲۹
الانساب مغل ۲۹
انساب الترک ۲۹
ایران بعہد ساسان ۴۵
ایریانہ اینٹی ۴۵
ایک خوفناک سازش ۲۹۴
بہادر شاہ ظفر اور ان کا عہد ۴۶
بین الاقوامی معلومات اور حالات حاضرہ ۴۳۷
پنجاب کا زمیندارہ رواج ۲۳
تاریخ اقوام عالم ۲۵
تاریخ التعلیم ۱۰۵
تاریخ انقلابات عالم ۲۳۰
تاریخ اہل حدیث ۵۹
تاریخ بشارت السند و پاکستان ۱۰۵، ۱۰۶، ۱۱۷، ۱۵۱، ۲۸۸، ۵۴۴
تاریخ عروج عہد سلطنت انگلشیہ ہند ۱۲۸
تاریخ کامل ۴۸۷
تاریخ ملل قدیمہ ۴۵
تاریخ ہند و پاکستان ۴۶
تاریخ ہندوستان ۴۵
تحریک قادیان ۱۴۵، ۱۶۹
تذکرہ رؤساء پنجاب ۲۹، ۳۹، ۴۷، ۲۷۱
تذکرہ علماء پنجاب ۵۹
ترک وسط ایشیا میں ۴۵
ترکستان ۲۷
تزک تیموری ۲۷
تعارف ۲۱، ۴۶
تواریخ عجیبہ ۳۳۴
جمز س ڈائڈ ان کشمیر ۵۲۸
چیفس اینڈ فیمیلیز آف نوٹ ان دی پنجاب ۳۹
حیات جاوید ۳۹۱
حبیب السیر ۲۹

حدیقہ محمودیہ ۳۳۴
خامی خاں ۲۹
خلیفہ قادیان ۱۹۷، ۲۹۴
دربار تیمور میں سفارت ۴۵
دی پریچنگ آف اسلام ۳۱۳
ذکر اقبال ۱۰۶، ۲۹۴، ۴۶۹
روضہ الضبط ۲۹
رود کوثر ۴۶، ۵۴۴
سرگذشت ۲۹۴
سید عطاء اللہ شاہ بخاری ۱۰۶
سیرت احمد شہید ۵۹
سیرت ثنائی ۱۳۶، ۲۱۶، ۲۵۲، ۵۵۳
شمشیر خالصہ ۳۲، ۴۶
ظفرنامہ ۲۷، ۲۹
علماء حق اور ان کے مجاہدانہ کارنامے ۱۰۵، ۱۰۶
عمدۃ التواریخ ۳۴، ۴۶
مآثر صدیقی ۲۳۰
مقدمہ تاریخ ہند قدیم ۴۵
منتخب اللباب ۲۹
موج کوثر ۲۲، ۲۳۰، ۲۵۲، ۴۳۷، ۵۴۵
مہدی سوڈانی ۵۱۲
نسل انسانی اور اس کی تقسیم ۴۵
نقش آزاد ۴۳۷
وسط ایشیا میں عربوں کی فتوحات ۴۵
ہارٹ آف ایشیا ۴۵
ہسٹری آف بخارا ۴۴، ۴۵
ہسٹری آف پرشیا ۴۵
ہسٹری آف منگول ۴۴
ہمارا ہندوستان اور اس کے فضائل ۳۹۷
ہماری بادشاہی ۶۱۹
یونیورسل جغرافی ۴۵

کتب مخالفین سلسلہ

انہزام کادیانی ۳۹۸
تاریخ مرزا ۲۱۶
تکذیب براہین احمدیہ ۱۸۰، ۱۹۷، ۲۶۱، ۳۰۴، ۳۱۲
حیات المسیح ۵۰۳
حرف محرمانہ ۴۹۶
حقیقت اختلاف ۲۹۴
خبط احمدیہ ۲۶۰، ۲۷۲، ۳۰۰، ۳۰۲
خبط قادیانی ۶۰۲
دافع الاوہام ۵۹۱، ۶۰۳
عصائے موسیٰ ۲۱۶
فتح رحمانی ۵۵۱
قادیانیت ۲۱، ۱۹۷، ۳۰۳

کلمہ فضل رحمانی ۳۳۳
گل شگفت ۲۷۱

کتب دیگر مذاہب

انجیل ۳۵‘۳۱۶‘۴۸۵‘۵۱۵‘۵۳۱‘۵۳۸
آہنسا کا اوتار ۶۰۳
انسانی دنیا میں ایک لاثانی ظہور ۱۶۹
امہات المومنین ۵۴۱
بائیبل ۱۵۶‘۱۱۳‘۴۸۵‘۵۲۷
تحفہ الہنود ۹۴
تحفہ ہند ۹۴
توریت ۳۱۶
توزین الاقوال ۵۰۰
جنم ساکھی بھائی بالا ۵۳۷‘۵۴۴
خلعت الہنود ۹۴
دیو آتما اور اس کا الوکک جیون برت ۱۶۸
دیو سماج کے بارے میں مختصر بات چیت ۱۶۹
دی فیوچر آف اسلام ۲۱
دی مشن ۔ آر کلارک لندن ۱۰۵‘۱۰۶
دی نیو ورلڈ آف اسلام ۲۱
رنگیلا رسول ۵۴۱
ستیارتھ پرکاش ۱۶۸‘۲۹۷‘۲۹۹
سوامی دیانند اور ان کی تعلیم ۱۶۸‘۱۶۹
طالمود ۲۹۳
گرانسٹ آر محمدؐ ۲۲
کلیات آریہ مسافر ۲۳۰‘۲۷۱‘۲۹۳
گورپدنر ۵۴۵
میزان الحق ۱۱۳‘۱۳۲
ورتمان ۵۴۱
وید ۱۶۰‘۱۶۱‘۱۶۳‘۳۰۵‘۵۹۲
ہندوتو ۱۶۳

متفرق

انسائیکلو پیڈیا آف برٹینیکا ۲۴‘۲۷‘۴۴‘۴۵‘۵۲۵
بیان اللسان ۴۴
توفیقات الہامیہ ۴۵‘۴۹‘۱۶۸‘۳۶۶‘۳۷۰‘۳۷۴
دیوان شہیبی ۳۹۸
غیاث اللغات ۴۵
طب اکبر ۱۳۲
طب روحانی ۱۹۷‘۲۳۶
قانونچہ ۸۶
لطائف اللغہ ۴۴
مثنوی پس چہ باید کرد ۲۱
مجموعہ مکاتیب اقبال ۲۱‘۴۶۹
موجز ۸۶
میخانہ درد ۲۵۲

ARTADHARM ۶۰۳
CREATION ۱۳۵
HUMAN ORIGIN ۴۳۷
Kurt Berna Daslinner ۵۲۶
The Story of Eclipses ۵۱۵

اخبارات و رسائل

اخبار۔ آزاد۔ لاہور ۲۱، ۴۳۷
آریہ درپن ۱۵۶، ۱۵۷
اخبار۔ آفتاب۔ لاہور ۱۱۹، ۱۵۴، ۱۵۹
اخبار۔ آفتاب ہند ۵۹۴
رسالہ۔ استقلال۔ لاہور ۲۲
رسالہ۔ اشاعۃ السنہ۔ لاہور ۲۱، ۴۵، ۶۰، ۱۱۹، ۱۷۲، ۱۷۹، ۱۸۰، ۱۹۱، ۱۹۷، ۲۲۲، ۲۳۰، ۳۰۰، ۳۰۳، ۳۳۳، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۹۷ تا ۳۹۹، ۴۱۶، ۴۶۳، ۴۹۶، ۵۱۳، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۳۵، ۵۹۸
اخبار۔ الاعتصام۔ گوجرانوالہ ۵۱۲
اخبار۔ البدر قادیان ۴۴۴، ۴۹۶، ۶۴۳، ۶۵۴
رسالہ۔ البشریٰ۔ حیفا ۵۴۴
رسالہ۔ البصیر۔ چنیوٹ ۳۹۷
اخبار۔ الحکم۔ قادیان ۴۴۴، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۵۳
الرسالہ مصر ۴۳۷
رسالہ۔ العربی۔ الکویت ۳۹۸
اخبار۔ الفتح۔ مصر ۱۸
رسالہ۔ الفرقان۔ ربوہ ۳۶۴، ۵۴۳
اخبار۔ الفضل۔ قادیان و ربوہ ۳۹۴، ۴۴۴
رسالہ۔ المنار۔ مصر ۵۳۰، ۵۴۴
رسالہ۔ المنبر۔ فیصل آباد ۱۹۸
رسالہ۔ المواہب۔ ارجنٹائن ۵۳۰
اخبار۔ امروز ۱۰۶
اخبار۔ انڈین اینٹی کویری ۴۶۹
اخبار۔ انیس ہند۔ میرٹھ ۵۹۳
رسالہ۔ اہل سنت۔ امرتسر ۳۰۳
اخبار۔ ایشین ٹائمز ۴۵۲
اخبار۔ برادر ہند۔ لاہور ۱۱۹، ۱۵۸، ۱۶۹
اخبار۔ پنجاب ابزرور ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۷۶
اخبار پنجاب سماچار ۵۹۷
اخبار پنجابی اخبار ۱۲۳
اخبار پیسہ اخبار۔ لاہور ۱۹۷، ۴۵۵، ۵۹۶، ۶۴۲
اخبار پیغام صلح۔ لاہور ۴۶۹
رسالہ۔ تذکرہ۔ کراچی ۴۳۷
رسالہ۔ تشحیذ الاذہان ۲۸۵
اخبار۔ جنرل و گوہر آصفی۔ کلکتہ ۵۶۷، ۵۶۹
رسالہ۔ جیون دھرم ۱۶۲

رسالہ ۔ چٹان ۔ لاہور ۴۳۷

اخبار ۔ چشمہ نور ۔ امرتسر ۱۵۶، ۲۵۸

اخبار ۔ چودھویں صدی ۔ راولپنڈی ۵۶۶
۵۶۷، ۵۷۶، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷

خالصہ سماچار ۔ امرتسر ۵۴۴

رسالہ ۔ خدام الدین ۲۱

رسالہ خط و کتابت ۳۳۳

رسالہ دلگداز ۔ لکھنؤ ۳۹۲

اخبار ۔ دی انگلش میل ۵۷۴

اخبار ۔ دی اینگلو بیلجین ٹائمز ۔ برسلز ۵۷۴، ۵۷۵

اخبار ۔ دی برسٹل ٹائمز اینڈ مرر ۵۷۴

اخبار ۔ دی ڈیلی نیوز ۔ شکاگو ۵۷۴

اخبار ۔ دیش و ہندوستان ۶۳۳

اخبار ۔ ڈیلی گزٹ ۔ امریکہ ۳۰۶، ۳۱۳

اخبار ۔ رندھیر ۵۹۲

اخبار ۔ رہبر ہند ۔ لاہور ۵۹۴

اخبار ۔ ریاض ہند ۔ امرتسر ۱۱۹، ۱۵۶
۳۳۴، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۸۲

رسالہ ۔ ریویو آف ریلیجنز ۴۸۰، ۵۴۳، ۶۵۳، ۶۵۴

اخبار ۔ زمیندار ۔ لاہور ۱۰۶، ۲۸۸

اخبار ۔ سراج الاخبار ۔ جہلم ۵۶۶

اخبار ۔ سفیر ہند ۔ امرتسر ۱۱۹، ۱۵۴، ۱۲۳، ۱۷۹، ۱۹۱

اخبار ۔ سول اینڈ ملٹری گزٹ ۔ لاہور ۱۰۵
۵۱۱، ۵۱۴، ۵۱۶، ۵۶۶، ۵۶۷

اخبار ۔ سیاست ۔ لاہور ۲۹۴

اخبار ۔ شمس الاخبار ۔ لکھنؤ ۱۰۶

اخبار ۔ صادق الاخبار ۔ بہاولپور ۵۶۶، ۵۷۶

اخبار ۔ صحیفہ قدسی ۴۳۳

رسالہ ۔ ضربت عیسوی ۵۴۴

اخبار ۔ عادل ۲۹۴

اخبار ۔ عام ۔ لاہور ۱۷۲، ۵۳۸، ۵۸۸، ۵۹۳

اخبار ۔ قانونی ہند پریس ۲۵۸

رسالہ ۔ کلام حق ۔ گوجرانوالہ ۵۲۷

رسالہ ۔ کومدی ۔ کلکتہ ۱۲۹

اخبار ۔ کوہستان ۔ لاہور ۲۱

رسالہ ۔ لائف ۔ امریکہ ۲۲

اخبار ۔ مجاہد ۲۹۴

اخبار ۔ مخبر دکن ۔ مدراس ۵۶۶

اخبار ۔ مسافر ۔ آگرہ ۶۰۳

اخبار ۔ مسلم کرانیکل ۳۱۳

اخبار ۔ مسلم ورلڈ ۔ امریکہ ۲۲

اخبار ۔ مشرق ۔ گورکھپور ۳۹۲

اخبار ۔ مشیر ہند ۔ لاہور ۵۶۶، ۵۷۶

اخبار ۔ منادی ۔ دہلی ۵۴۸

اخبار ـ منشور محمدی ـ بنگلور ۱۰۷، ۱۱۴، ۱۱۷ تا ۱۱۹
۱۲۴، ۱۳۵، ۱۳۶، ۱۵۱، ۱۶۸، ۱۷۵، ۱۹۱، ۱۹۷

اخبار ـ ناظم الہند ۶۰۵، ۶۰۸، ۶۳۷

رسالہ ـ نگار ـ لکھنؤ ۴۸۷

اخبار ـ نوائے وقت ـ لاہور ۲۶۹

اخبار ـ نور افشاں ـ لدھیانہ ۱۱۹، ۱۷۹
۳۰۰، ۳۲۰، ۳۲۸، ۵۱۵

اخبار ـ نیر آصفی ـ مدراس ۶۰۷

اخبار ـ نیروبی ۱۸

اخبار ـ ودیا پرکاش ـ امرتسر ۱۱۹

رسالہ ـ وزیر ہند ـ سیالکوٹ ۱۱۹، ۵۶۶

رسالہ ـ وطن ـ لنڈن ۴۵۲

اخبار ـ وکیل ـ امرتسر ۲۲

اخبار ـ وکیل ہندوستان ۱۱۹، ۱۵۳

اخبار ـ ویسٹ افریقن ۲۲

اخبار ـ ہمدرد ـ دہلی ۳۹۲

اخبار ـ ہندو باندھو ۱۵۶، ۱۵۷، ۱۶۳، ۱۶۹

اخبار ـ Stockhalm Tidingen ۵۲۵